محاسنِ ترمذی

ترجمہ وشرح اردو

جامع ترمذی شریف

جلد سوم

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم وشارح

مفتی عطاء الرحمٰن ملتانی دامت برکاتہم

مکتبہ رحمانیہ

محاسنِ ترمذی

ترجمہ و شرح اردو

جامع ترمذی

شریف

جلد سوم

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم و شارح

مفتی عطاء الرحمن ملتانی دامت برکاتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

نام کتاب

محاسن ترمذی ترجمہ وشرح اردو جامع ترمذی

(جلد سوم)

مؤلف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

مکتبہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)

مطبع

خضر جاوید پرنٹرز لاہور

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37224228-37355743

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھ ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

أَبْوَابُ الْأَحْكَامِ	۱۵۹

اَبْوَابُ الدِّيَاتِ ۲۰۷

اَبْوَابُ الْحُدُوْدِ ۲۳۰

اَبْوَابُ الصَّیْدِ ۲۵۹

اَبْوَابُ الْاَضَاحِیْ　۲۷۳

اَبْوَابُ النُّذُوْرِ وَالْاِیْمَانِ　۲۸۸

اَبْوَابُ السِّیَرِ	۳۰۱

اَبْوَابُ اللِّبَاسِ	۳۸۶

أَبْوَابُ الْأَطْعِمَةِ	۴۱۶

اَبْوَابُ الْاَشْرِبَةِ	۵۰۳

اَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ	۵۳۰

بَابُ مَا جَاءَ فِی طَلَاقِ السُّنَّةِ

باب ۱: طلاق دینے کا مسنون طریقہ

(۱۰۹۵) قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ وَهِیَ حَائِضٌ فَقَالَ هَلْ تَعْرِفُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَاِنَّهٗ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ وَهِیَ حَائِضٌ فَسَاَلَ عُمَرُ النَّبِیَّ ﷺ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّرَاجِعَهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جو اپنی بیوی کو اس کے حیض کی حالت میں طلاق دے دیتا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو؟ اس نے جب اپنی بیوی کو طلاق دی تھی تو وہ عورت حیض کی حالت میں تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ ہدایت کی وہ اس سے رجوع کرلے۔

(۱۰۹۶) اَنَّهٗ طَلَّقَ اَمْرَاَتَهٗ فِی الْحَيْضِ فَسَاَلَ عُمَرُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا اَوْ حَامِلًا.

ترجمہ: سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں انہوں نے اپنی اہلیہ کو اس کی حیض کی حالت میں طلاق دے دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو وہ اس عورت سے رجوع کرے پھر اسے اس وقت طلاق دے جب وہ عورت طہر کی حالت میں ہو یا حاملہ ہو۔

تشریح: طلاق کا لغوی معنی ہے رفع القید" پھر عام ہے کہ قید معنوی ہو یا حسی ہو اور شرح میں طلاق کہتے ہیں رفع القید بلفظ مخصوص پھر عام ہے کہ رفع القید حالاً ہو یا مآلاً ہو حالاً طلاق بائنہ کے اعتبار سے اور مآلاً طلاق رجعی کے اعتبار سے مخصوص لفظ کے ساتھ کہ طلاق کے الفاظ ہوں یا طلاق کے ماسواء کے ساتھ۔

طلاق دین اسلام میں قبیح کیوں؟

اسلام نے طلاق کا جو عادلانہ نظام مقرر کیا ہے وہ اس افراط وتفریط سے پاک ہے جو دوسرے مذاہب میں پایا جاتا ہے اسلام نے طلاق کو نہ بالکل حرام قرار دیا نہ اس کی بے لگام اجازت دی دراصل اسلامی تعلیمات کا منشا یہ ہے کہ رشتہ نکاح پائیدار اور خوشگوار ہو اور بوقت مجبوری طلاق کی بھی گنجائش ہو جس کا کسی قدر اندازہ درج ذیل احکام سے لگایا جاسکتا ہے۔

① نکاح سے قبل مرد کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی مخطوبہ کو دیکھ لے تاکہ وہ بصیرت کے ساتھ رشتہ نکاح قائم کرے اور بعد میں بدصورتی وغیرہ کی بناء پر رد کرنے کی نوبت نہ آئے۔

② معمولی معمولی باتوں پر طلاق کو پسند نہیں کیا گیا، بلکہ شوہر کو یہ تاکید کی گئی کہ اگر بیوی کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آئے تو وہ اس کی خوبیوں کا تصور کرے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (النساء:۱۹) نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ اَوْ قَالَ غَيْرَهٗ.

"اگرچہ اس میں اخلاق کے اعتبار سے کوئی چیز نہ پسند ہو تو دوسری پسندیدہ ہوگی (یا اس کے علاوہ کچھ کہا)۔"

③ پھر اگر کوئی بات شوہر کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگے تو بھی طلاق کے بجائے مرد کو اس کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ بتدریج اس کی اصلاح کی فکر کرے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا﴾ (النساء:۳۴) ترجمہ: "وہ عورتیں جن سے تمہیں نافرمانی کا ڈر ہو پس ان کو نصیحت کرو اور ان کو بستروں میں الگ کردو۔ اور ان کو مارو۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو تم ان پر کوئی اور راہ تلاش مت کرو۔"

④ پھر اگر زوجین کے درمیان اختلافات شدید ہوں اور اصلاح کے مذکورہ طریقوں سے کام نہ بنے تو زوجین کے اقرباء کو اصلاح کی کوشش کرنے کے لیے کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا﴾ (النساء:۳۵) نیز ارشاد ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء:۱۲۸)

⑤ پھر اگر اصلاح کی یہ کوشش بھی بار آور نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی طبائع میں اتنا تضاد ہے کہ اب رشتہ نکاح کو ان پر مسلط رکھنا بھی ظلم ہے ایسی صورت میں مرد کو اگرچہ طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیا گیا ہے کہ:

ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق. "حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ تعالیٰ کے ہاں طلاق ہے۔"

جس کا مطلب یہ کہ سوچ سمجھ کر انتہائی مجبوری کی حالت میں دینی چاہیے۔

⑥ پھر طلاق کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ وہ ایسے طہر میں ہو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو تاکہ طلاق کسی وقتی منافرت کے سبب سے نہ دی جائے اور طلاق کے بعد عدت کا شمار بھی آسان ہو۔

⑦ نیز یہ حکم دیا گیا کہ صرف ایک طلاق دیکر چھوڑ دے تاکہ اگر حالات رو بہ اصلاح ہونے لگیں تو عدت کے دوران رجوع کرنا ممکن ہو اور عدت کے بعد بھی تجدید نکاح کی گنجائش ہو۔

⑧ اگر شوہر یہ چاہتا ہو کہ عورت طلاق کے بعد اس کی طرف لوٹ کر نہ آسکے اور مغلظہ ہوجائے تب بھی اس کو ایک طہر میں ایک طلاق

دے یہاں تک کہ تین طلاقیں دینے سے روکا گیا ہے اور اس کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یہاں تک کہ تین طلاقیں مکمل ہو کر اس کا مقصد پورا ہو جائے، اس طریقہ میں یہ حکمت ہے۔ کہ اس کو اس صورت میں تقریباً دو مہینے سوچ بچار کے مل جائیں گے اس عرصہ میں وہ طلاق کے نتائج کا مشاہدہ کر کے فیصلہ کر سکے گا اور اگر اس کو عورت کی اصلاح محسوس ہونے لگی تو طلقات ثلاث مکمل ہونے سے قبل رجوع کرنے پر قادر ہوگا جبکہ بیک وقت تین طلاق کی صورت میں یہ فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

⑨ پھر طلاق کا یہ سارا اختیار مرد کو دیا گیا ہے کیونکہ عورتیں عموماً جذباتی اور عجلت پسند ہوتی ہیں اس لیے طلاق کے معاملہ میں ان سے متوازن فیصلہ مشکل اور بے اعتدالی کا خطرہ ہے۔

البتہ چونکہ بعض عورتیں ایسی ہو سکتی ہیں کہ عورت معقول وجوہ کی بناء پر علیحدگی چاہتی ہو تو اس کے لیے خلع کا راستہ رکھا گیا ہے نیز خاص خاص حالات میں عدالت کے ذریعہ بھی نکاح فسخ کرا سکتی ہے مثلاً شوہر مجنون مفقود، عنین ہو یا نان نفقہ نہ دیتا ہو یا پھر غائب غیر مفقود ہو اور عورت کو اپنی عصمت کا خطرہ ہو۔

ان احکام کے ذریعہ ان تمام خرابیوں کا سد باب کر دیا گیا ہے جو مذکورہ افراط وتفریط سے پیدا ہو سکتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر اس نظام پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو نکاح وطلاق کے تمام قضیے بہ آسانی نمٹ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ السُّنَّةِ

طلاق کی اقسام: ① طلاق السنۃ ② طلاق البدعۃ۔

احناف کا مسلک: ① طلاق السنۃ جو مشروع طریقے کے مطابق ہو یعنی شارع کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔

② طلاق بدعت یہ ہے کہ جو شارع کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہو۔

پھر طلاق السنۃ کی دو قسمیں ہیں: ① حسن ② احسن۔

حسن یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں وطی نہ ہو پھر ایسے ہی دوسرے میں طلاق دی جائے ایسے ہی تیسرے طہر میں طلاق دی جائے جس میں وطی نہ ہو اور احسن یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دینا جس میں وطی نہ ہوئی ہو پھر اور طلاق نہ دی جائے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے گویا طلاق حسن میں تین طلاقیں تین طہروں میں ہوتی ہیں اور طلاق احسن میں ایک ہی طلاق ہوتی ہے اب "طلاق سنۃ" کے ان دو طریقوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ طلاق سنہ کے لیے دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ (۱) عدد کی رعائیت (۲) وقت کی رعائیت۔ عدد کی رعائیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور اگر ایک طہر میں دو طلاقیں دی گئیں تو پھر یہ طلاق بدعی ہو جائے گی۔ اور وقت کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ اگر حیض میں طلاق دے دی گئی تو پھر سنت نہ رہے گی اور اگر ایسے طہر میں طلاق دی جس میں وطی ہوئی ہو تو پھر بھی وہ طلاق سنت نہ رہے گی۔

اور شوافع کا مسلک کہ طلاق سنت میں صرف وقت کا اعتبار ہے عدد کا اعتبار نہیں۔

ثمرہ اختلاف: اگر ایسے طہر میں دو یا تین طلاقیں دیدی گئیں جس میں وطی نہ ہوئی ہو تو احناف کے نزدیک یہ طلاق سنت نہ رہے گی

جبکہ شوافع کے نزدیک طلاق سنت ہوگی۔

مالکیہ کا مسلک: کے نزدیک طلاق سنت بند ہے اس میں جس کو احناف طلاق احسن کہتے ہیں کہ ایسے طہر میں صرف ایک طلاق دیدی جائے جس میں وطی نہ ہوئی ہو پھر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

ثمرہ اختلاف: اگر ایسے تین طہروں میں تین طلاقیں دیدی جائیں جس میں وطی نہ ہوئی ہو تو احناف کے نزدیک یہ طلاق سنت ہے لیکن مالکیہ کے نزدیک طلاق بدعت ہوگی باقی متفق علیہ طلاق السنۃ وہ ہے جو احناف کے نزدیک طلاق احسن ہے مثال اس طلاق کی جو احناف کے نزدیک سنت نہ ہو اور شوافع کے نزدیک سنت ہو کہ ایسے طہر میں دو طلاقیں دی جائیں جس میں وطی نہ ہو اور مثال اس طلاق کی جو جمہور کے نزدیک سنت ہو اور مالکیہ کے نزدیک سنت نہ ہو کہ ایسے تین طہروں میں تین طلاقیں دینا جس میں وطی نہ ہو باقی متفق علیہ طلاق البدعۃ حالت حیض میں طلاق دینا۔

حالت حیض میں طلاق کا حکم؟ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ حالت حیض میں جو طلاق دی جائے گی وہ واقع ہوجائے گی لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور موجودہ زمانے کے غیر مقلدین کے ہاں حالت حیض میں دی جانے والی طلاق واقع نہ ہوگی۔

جمہور کی دلیل: روایت الباب، حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلیراجعھا فرمایا یہ رجوع کا حکم دینا دلیل ہے اس بات کی کہ پہلے طلاق واقع ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رجوع کا حکم فرما رہے ہیں۔

ارأیت ان عجز واستحمق: اس جملے کے دو معنی ہیں: (۱) یہ کہ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما صحیح طریقہ پر طلاق دینے سے عاجز ہوگیا اور اس نے حالت حیض میں طلاق دے کر حماقت کا ارتکاب کرلیا تو تیرا کیا خیال ہے کہ وہ طلاق واقع نہیں ہوگی یعنی وہ طلاق ضرور واقع ہوجائے گی تب ہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا اور ظاہر ہے کہ رجوع وقوع کے بعد ہی ہوسکتا ہے ورنہ رجوع کا کوئی مطلب نہیں۔

(۲) یہ کہ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیوی سے رجوع کرنے سے عاجز ہوجاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کر کے حماقت کا ارتکاب کرتا۔ تو بھی ظاہر ہے کہ طلاق واقع ہو ہی جاتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الرَّجُلِ یُطَلِّقُ امْرَاَتَهُ الْبَتَّةَ

باب ۲: اگر کوئی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دے تو کیا حکم ہے؟

(۱۰۹۷) اَتَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللہِ اِنِّیْ طَلَّقْتُ اِمْرَاَتِیَ الْبَتَّةَ فَقَالَ مَا اَرَدْتَّ بِهَا قُلْتُ وَاحِدَةً قَالَ وَاللہِ قُلْتُ وِاللہِ قَالَ فَهُوَ مَا اَرَدْتَّ۔

ترجمہ: عبداللہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس سے کیا مراد لی تھی؟ میں نے عرض کی ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اللہ کی قسم میں نے عرض کی اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر وہ وہی شمار ہوگی جو تم نے مراد لی تھی۔

بت (ن ض) بتا کے معنی ہیں: کاٹنا، اسی سے البتۃ ہے بت (مصدر) کے آخر میں ۃ وصفی بڑھائی ہے اور شروع میں ال تعریف کا بڑھایا ہے یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے، مگر اردو میں اس کے معنی ہیں بیشک ضرور بالیقین۔ اور عربی میں اس کے معنی ہیں کاٹا ہوا یعنی ایسی طلاق جو بیوی کو شوہر سے کاٹ دے جدا کر دے۔

یہاں دو بحثیں ہیں: پہلی بحث: انت طالق البتۃ کا کیا حکم ہے؟

جو اس باب کا اصل مقصود ہے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے انت طالق البتۃ کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مذاہب فقہاء: ① احناف کے نزدیک اگر ایک کی نیت کی تو ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو پھر بھی صحیح ہے تین واقع ہوجائے گی البتہ اگر دو کی نیت کی صحیح نہیں کیونکہ اصل میں انت طالق البتہ تھا اور طلاق مصدر ہے اس کا فرد حقیقی ایک ہے اور فرد حکمی تین ہے الا یہ کہ وہ لونڈی ہو تو پھر دو واقع ہوجائے گی کیونکہ اس کے حق میں دو فرد حقیقی ہیں۔

② شوافع کے نزدیک اگر نیت نہ کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور ایک کی نیت کی تو ایک اور دو کی تو دو اور تین کی تو تین۔

③ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مدخول بھا ہے تو پھر تینوں واقع ہوجائے گی۔

دلیل احناف: حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ۔ رکانہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا نیت کی ہے انہوں نے کہا کہ ایک کی نیت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اٹھاؤ تو میں نے قسم اٹھا کر کہا کہ ایک کی نیت کی۔ ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوج کی نیت کا اعتبار ہے باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قسم اٹھوائی وہ اس وجہ سے نہیں کہ یقین نہیں تھا بلکہ مزید اطمینان کے لیے اٹھوائی۔

دلیل شوافع: حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ کی بعض وہ روایات جن میں فردھا الیہ کے الفاظ ہیں کہ رکانہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو لوٹا دیا رکانہ کی طرف اور ظاہر ہے کہ رد تب ہی ہوگا جب طلاق رجعی ہوگی۔

جواب: ایسی روایات میں ردھا سے مراد رد نکاح جدید ہے یعنی موول ہیں ظاہر پر نہیں ہیں باقی اس میں یہ بھی ہے کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں۔

جواب: ایسی روایات مرجوح ہیں اور طلاق البتہ والی روایات راجح ہیں۔

وجہ ترجیح یہ ہے کہ طلاق البتہ کو یعنی البتہ کی روایات کو نقل کرنے والے رکانہ کے عزیز و اقارب ہیں اور تین طلاقوں کو نقل کرنے والے اجانب ہیں عزیز و اقارب نہیں ہیں اور عزیز و اقارب صاحب البیت ہیں لہٰذا صاحب البیت ادری بما فیہ (صاحب گھر کو زیادہ معلوم ہے گھر میں کیا ہے) کو ترجیح ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رکانہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ ان کے والد ابو رکانہ رضی اللہ عنہ کا ہیں۔

جواب رکانہ رضی اللہ عنہ کا ہو یا ابو رکانہ کا عبد بن یزید کا ہو کوئی مضر نہیں ہے۔ دونوں کا بھی ہوسکتا ہے واقعہ میں تعدد ہے اگرچہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے ان روایات کو ترجیح دی ہے جن میں یہ ہے کہ یہ واقعہ رکانہ کا ہے اور جن میں یہ ہے کہ واقعہ ابو رکانہ کا ہے وہ مرجوح ہیں وجہ ترجیح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بیک وقت تین طلاق دینا جائز اور مباح ہیں؟

گو کہ زمانہ طہر میں ہوں؟ تو امام ابوحنیفہ وامام مالک وفی روایۃ امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک یہ طلاق بدعی ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مباح ہے۔

دوسری بحث: کہ اگر کسی نے ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی کلمہ کے ساتھ بیوی کو تین طلاق دیدیں مثلاً یوں کہے: انت طالق ،انت طالق ،انت طالق یا انت طلاق ثلاثا کہہ دے تو اس کا حکم کیا ہے؟

طلقات ثلاث کے وقوع کا حکم؟

یہ مسئلہ اہم اور معرکۃ الآراء ہے وہ طلقات ثلاث کے وقوع کا ہے یعنی اگر کوئی شخص ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دے آیا وہ واقع ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ ایک واقع ہوتی ہے یا تین؟

اس میں چار مذاہب ہیں:

(۱) **پہلا مذہب:** جمہور سلف یعنی اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور ائمہ اربعہ اور اہل بیت کی ایک جماعت جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کا ہے ان کے نزدیک طلاق واقع ہوجاتی ہیں۔

(۲) اس سے فقط ایک ہی طلاق واقع ہوگی یہ تابعین میں سے بعض حضرات کا مذہب ہے جیسے طاؤس عطاء اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ ہیں اور متاخرین میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ابن قیم رحمہ اللہ اور بعض دیگر اہل الظاہر بھی اسی کے قائل ہیں ہمارے زمانے کے غیر مقلدین کی اکثریت بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیتی ہے۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعض شاگردوں اور اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مطلقہ مدخول بہا ہو تو تین طلاق ہوں گی ورنہ ایک حنفیہ کے نزدیک تین کلمات کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔

(۴) بعض تابعین بعض اہل الظاہر اور بعض امامیہ کہتے ہیں کہ اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (کذا فی النیل ص:۲۳۱ ج:۵،۶)

جمہور کے دلائل: (۱) سنن نسائی میں شعبی رحمہ اللہ کی روایت ہے فرماتے ہیں:

حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ قَالَتْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ أَنَا بِنْتُ آلِ خَالِدٍ وَإِنَّ زَوْجِي فُلَانًا أَرْسَلَ إِلَيَّ بِطَلَاقِي وَإِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَهُ النَّفَقَةَ وَالسُّكْنَى فَأَبَوْا عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ إِنَّهُ قَدْ أَرْسَلَ إِلَيْهَا بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ.

"حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ میں خالد کی لڑکی ہوں اور فلاں کی اہلیہ ہوں اور اس نے مجھ کو طلاق کہلوائی ہے اور میں اس کے لوگوں سے خرچہ اور رہائش کے واسطے مکان مانگ رہی ہوں۔ وہ انکار کرتے ہیں، شوہر کی جانب کے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس عورت کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے کر بھیجا ہے اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کا نان نفقہ اور رہائش کے واسطے جگہ اس خاتون کو ملتی ہے کہ جس خاتون سے مرد طلاق سے رجوع کرے اور تین طلاق دینے کے بعد طلاق سے رجوع نہیں ہو

سکتا۔ اس وجہ سے ایسی عورت کا نان نفقہ بھی نہ ملے گا۔"

اس سے صاف واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین طلاقوں کی صورت میں شوہر کو رجعت کا حق نہیں دیا۔

(۲) عن سويد بن غفلة قال: كانت عائشة رضی اللہ عنہا الخشعمية عند الحسن بن على رضى الله عنهما فلما قتل على رضی اللہ عنہ قالت لتهنئك الخلافة ،قال :بقتل على تظهرين الشماتة ،اذهبى فأنت طالق يعنى ثلاثا قال:فتلفعت بثيابها وقعدت حتى قضت عدتها. فبعث اليها ببقية بقيت لها من صداقها وعشرة آلاف صدقة ،فلما جاء ها الرسول قالت :متاع قليل من حبيب مفارق فلما بلغه قولها بكى، ثم قال:لولا انى سمعت جدى اوحدثنى ابى انه سمع جدى يقول: ايما رجل طلق امراته ثلاثا عند الاقراء اوثلاثا مبهمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره لراجعتها رواه البيهقى.

"سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ عائشہ خشعمہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں۔ پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ کو خلافت کی مبارکباد ہو۔ فرمایا کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر، تُو چلی جا تجھے تین طلاقیں ہیں۔ فرمایا انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور بیٹھ گئی یہاں تک کہ اُن کی عدت پوری ہوگئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو مہر باقی تھا اُس کے پاس بھیجا اور دس ہزار درہم بطور صدقہ کے بھیجے جب قاصد اُن کے پاس آیا۔ دوست کی جدائی میں یہ بہت کم مال ہے، جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کی بات پہنچی تو روئے پھر فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بیشک میں نے نانا یا اپنے باپ سے سنا ہے۔ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے۔ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں طہر میں دے اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس سے رجوع کرے۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے سے نکاح کرے۔"

(۳) عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رجلا طلق امراة ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبى ﷺ اتحل للأول ؟قال :لاحتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (رواه البخارى)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اس نے نکاح کر لیا پھر دوسرے نے اُسے طلاق دے دی۔ اس نے نبی ﷺ سے پوچھا کیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہے آپ ﷺ نے کہا نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے شہد کا مزہ چکھ لے جیسا کہ پہلے کا چکھا تھا۔"

(۴) بخاری میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا قصہ لعان ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سے کہا:

كذبت عليها يارسول الله ﷺ ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يأمره رسول الله ﷺ.

(۵) معجم طبرانی میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ابن الصامت کی روایت آئی ہے فرماتے ہیں:

طلق بعض آبائى امراته الفا فانطلق بنوه الى رسول الله ﷺ وقالوا يارسول الله ﷺ ان ابانا طلق امنا الفا فهل له من مخرج قال:ان اباكم لم يتق الله تعالىٰ فيجعل له من امره مخرجا بانت منه بثلاث على غير السنة وتسع مائة وسبع تسعون ثم فى عنقه.

"میرے باپ دادوں میں سے کسی نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دیں۔ اس کے بیٹوں میں سے کوئی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے باپ نے ماں کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ کیا کوئی راستہ نکل سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ نے تقویٰ اختیار نہیں کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی راستہ نہیں بنایا۔ وہ عورت اس سے تین طلاقوں سے خلاف سنت بائن ہو گئی۔"

(۶) پچھلے مسئلہ کے تحت محمود بن لبید کی روایت گذر چکی ہے جس میں تین طلاق پر نبی کریم ﷺ کا اظہار ناراضگی بھی طلقات ثلاث کے وقوع پر دال ہے۔

(۷) طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ طلاق فی الحیض ذکر کیا ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں:

فقلت یارسول الله !لو طلقتها ثلاثا کان لی ان اراجعها قال اذا بانت منك وكانت معصية.

"میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں اُسے تین طلاقیں دے دیتا میرے لیے تھا کہ میں اُس سے رجوع کرتا۔ فرمایا: تب تجھ سے بائن ہو گئی اور وہ نافرمان تھی۔"

(۸) سنن دارقطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

قال سمع النبی ﷺ رجلا طلق البتة فغضب وقال تتخذون آيات الله هزوا اودين الله هزوا ولعبا من طلق البتة الزمناه ثلاثا لاتحل له حتى تنكح زوجا غيره.

"فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دے دی۔ آپ ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بناتے ہو یا اللہ کے دین کو مذاق بناتے ہو۔ جس شخص نے طلاق بتہ دے دی اس نے تین طلاقیں لازم کر لیں۔ وہ اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لے۔"

(۹) مصنف عبدالرزاق میں زید بن وہب کی روایت ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ایسا آدمی پیش کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں، دریافت کرنے پر اس نے عذر پیش کیا: "انما كنت العب" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو درہ لگایا اور فرمایا: "انما يكفيك من ذلك ثلاثة"۔

مؤطا امام مالک میں معاویہ بن ابی عیاش انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ان کے پاس محمد بن ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ ایک اعرابی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، اس مسئلہ میں آپ دونوں کی کیا رائے ہے، اس پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ان هذه الأمر مابلغ لنا فيه قول فاذهب الى عبدالله بن عباس وابی هريرة فانی تركتها عند عائشة فاسألهما ، ثم اتنا فأخبرنا.

چنانچہ سائل نے جا کر دونوں حضرات سے دریافت کیا، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افته يا اباهريرة فقد جائتك معضلة ۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجا غيره" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی جواب دیا: ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ (البقرہ:۱۹۶)

کتب حدیث میں مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ اور بھی متعدد دلائل و آثار موجود ہیں جو بیک وقت دیجانے والی تین طلاقوں کے وقوع پر دال ہیں، ان تمام دلائل میں گو بعض ضعیف ہوں لیکن ان کا مجموعہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعی تعامل مسلک جمہور کی صحت پر دال ہے۔

فریق مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات: مذکورہ صورت میں محض ایک طلاق کے وقوع پر اہل ظاہر اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال درج ذیل دلائل سے ہے۔

(۱) صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، فرماتے ہیں:

كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر رضی اللہ عنہ وسنتين من خلافة عمر رضی اللہ عنہ طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: ان الناس قد استعجلو افى امر كانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فأمضاه عليهم.

"رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی طرح سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پہلے دو سالوں کے دورِ خلافت میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے مہلت تھی تو ہم ان تینوں کو لازم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے تینوں ہی لازم کر دیں۔"

اس روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں:

جواب ①: روایت میں مذکور تمام تفصیل غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے دراصل آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لوگ غیر مدخول بہا کو اس طرح طلاق دیتے تھے۔

"انت طالق، انت طالق، انت طالق" اس صورت میں چونکہ پہلی طلاق سے ہی غیر مدخول بہا بائنہ ہو جاتی ہے اس لیے دوسری طلاقیں واقع نہیں ہوتی تھیں اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں نے "انت طالق ثلاثا" کے الفاظ سے طلاق دینی شروع کر دی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تینوں کے وقوع کا حکم لگا دیا۔

یہ جواب دراصل امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے مأخوذ ہے کیونکہ انہوں نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر یہ "ترجمہ میں یہ قبل الدخول بالزوجة" کی جو قید لگائی ہے ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی حدیث ہوگی، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم کا یہ معروف طریقہ ہے کہ وہ جس روایت کو اپنی شرائط کے مطابق نہیں پاتے اس کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کر دیتے ہیں۔

جواب ②: یہ دیا گیا ہے کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کرے لیکن اس کا منشاء تین طلاقیں دینا نہ ہو بلکہ وہ ایک ہی طلاق کو تاکید کی نیت سے بار بار کہہ رہا ہو تو دیانۃً تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں بلکہ صرف ایک ہوتی ہے۔

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں چونکہ لوگوں کی دیانت پر اعتماد تھا اور لوگوں سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ جھوٹ بول کر حرام کا ارتکاب کریں گے، اس لیے اس دور میں اگر کوئی شخص تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کرنے کے بعد یہ بیان کرتا کہ میری نیت تاسیس کے بجائے تاکید کی تھی اس کا قول قضاءً بھی قبول کر لیا جاتا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں یہ محسوس فرمایا کہ

دیانت کا معیار روز بروز گھٹ رہا ہے اگر لوگوں کے بیانات کو قضاء قبول کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہا تو لوگ جھوٹ بول بول کر حرام کا ارتکاب کریں گے، اس لیے انہوں نے یہ اعلان فرمادیا کہ اب اگر کوئی شخص تین مرتبہ الفاظ طلاق استعمال کرے گا تو تاکید کا عذر قبول نہ ہوگا اور ظاہر الفاظ پر فیصلہ کرتے ہوئے اس کو تین طلاق شمار کیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے، یہاں تک کہ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کی مذکورہ روایت پر اہل ظواہر کو بڑا ناز ہے ان کا یہ واقعہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے:

عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس رضى الله عنهما فجائه رجل فقال انه طلق امراته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس! يا ابن عباس رضى الله عنهما وان الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا وانك لم تتق الله فلا اجد لك مخرجا عصيت ربك وبانت منك امراتك.... الخ

"مجاہد کہتے ہیں میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں چنانچہ وہ خاموش ہوئے رہے۔ حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اس عورت کو اس پر واپس کر دیں گے (یعنی رجوع) پھر بولے تم میں سے ایک اُٹھتا ہے اور حماقت کا ارتکاب کرتا ہے پھر کہتا ہے: اے ابن عباس! اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے راہ کھولتے ہیں تو نے اللہ کا تقویٰ اختیار نہیں کیا لہٰذا میں تیرے لیے کوئی راہ نہیں پاتا۔ تُو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بیوی تجھ سے جدا ہوگئی۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ چپ رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دیں گے، پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور پھر کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہ! بیشک خدا نے فرمایا ہے: جو خدا سے ڈرتا ہے اس کے لیے چھٹکارے کی راہ ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا اس لیے تیرے واسطے کوئی مخلص (چھٹکارے کی راہ) نہیں تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی اس واقعہ کو نقل کر کے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جن حضرات نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔ (ابوداؤد حدیث ۲۱۹۷)

غرض عہد رسالت اور عہد صدیقی میں نیت تاکید کو قضاء بھی قبول کر لیا جاتا تھا لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے اس کو قضاء قبول کرنے کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ختم فرمادیا ہاں دیانۃً یہ نیت آج بھی معتبر ہے "درمختار" میں اس کی صراحت ہے، غرض ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خود تین طلاقوں کا فتویٰ دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکورہ تاویل اس لیے بھی ضروری ہے کہ اگر اس روایت کو اس ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر صورت میں تین طلاقیں ایک شمار کی جائیں اگرچہ تین متفرق طہروں میں دی گئی ہوں اس لیے کہ کان الطلاق..... طلاق الثلاث واحدة کا جملہ ایک مجلس کی تین طلاقوں اور اطہار ثلاثہ کی تین متفرق طلاقوں دونوں کو شامل ہے جبکہ اطہار ثلاثہ کی تین متفرق طلاقوں کو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی تین ہی شمار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث کے عموم وہ بھی تخصیص کرتے ہوئے

کہیں گے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں جب وہ اس روایت میں تخصیص پر مجبور ہیں تو جمہور کے لیے کیونکر اس کی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ اس کو تاکید کی صورت کے ساتھ مخصوص کریں۔

(۲) اہل ظاہر اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کا دوسرا استدلال مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری روایت سے ہے فرماتے ہیں:

طلق ركانة بن عبد يزيد اخو بني مطلب امراته ثلاثا في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديدا قال: فسأله رسول الله ﷺ كيف طلقها ثلاثا :قال فقال في مجلس واحد؟ قال نعم قال: فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال:فرجعها.

"رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دیں۔ وہ غمگین ہوئے بہت زیادہ غمگین ہونا۔ فرمایا اس سے آپ ﷺ نے سوال کیا کیسے اس کو تین طلاقیں دیں فرماتے ہیں۔ اس نے کہا ایک ہی مجلس میں؟ فرمایا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک ہی ہے اس سے رجوع کر لے اگر تو چاہے فرماتے ہیں انہوں نے رجوع کر لیا۔"

جواب: یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض میں "طلق امراتہ ثلاثا" کے الفاظ آئے ہیں" کمافی روایۃ المذکورۃ اور بعض میں طلق امراتہ البتۃ" کے الفاظ آئے ہیں۔ کمافی روایۃ ابی داؤد امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے "البتۃ" والی روایت کو دو وجہ سے ترجیح دی ہے، اول تو اس لیے کہ یہ روایت حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کے اہل خاندان سے مروی ہے۔ "وھم اعلم بہ" دوسرے اس لیے کہ "طلاق ثلاثا" والی روایات مضطرب ہیں کیونکہ بعض روایتوں میں طلاق دینے والے کا نام "رکانہ رضی اللہ عنہ" ذکر کیا گیا ہے۔ (کمافی روایۃ احمد) اور بعض میں "ابو رکانہ رضی اللہ عنہ" آیا ہے جبکہ البتۃ والی روایت اس اضطراب سے خالی ہے اور اس میں صاحب واقعہ متعین طور پر حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا گیا ہے لہٰذا صحیح یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں نہ دی تھیں بلکہ "انت طالق البتۃ" کہا تھا اور چونکہ قدیم محاورہ میں طلاق البتۃ کا اطلاق تین طلاقیں دینے پر بھی ہو جاتا تھا (تین کی نیت کرنے کی تقدیر پر) اس لیے بعض راویوں نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے "طلق البتۃ" کو "طلق ثلاثا" کے الفاظ سے تعبیر کر دیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے "انت طالق البتۃ" کہا تھا تو ان کی طلاق کو ایک قرار دینا بالکل صحیح ہے، چنانچہ اس صورت میں ہمارے نزدیک بھی ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے کما مر تفصیلہ فی اول الباب۔

اس کے علاوہ بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دی تھیں تب بھی اس حدیث سے جمہور کے خلاف استدلال نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو ایک طلاق قرار دینے سے پہلے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر اس بات کا اطمینان فرما لیا تھا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی نیت ایک طلاق دینے کی تھی کمافی حدیث الباب، اور یہ پیچھے گزر چکا ہے کہ عہد رسالت میں نیت تاکید کو قضاءً بھی قبول کر لیا جاتا تھا لیکن فساد زمانہ کے بعد اس کو قضاءً قبول کرنے کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ختم فرما دیا، ہاں دیانۃً یہ نیت آج بھی معتبر ہے۔

ایک جملہ یا ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات کا ذکر تھا۔

جہاں تک دوسرے مذہب کا تعلق ہے جو ایسی صورت میں ایک طلاق کے بھی قائل نہیں کما نقلنا عن بعض الروافض

ان کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ...الآیۃ﴾ (البقرہ:۲۲۹) اس میں مرتن کا لفظ اس پر دال ہے کہ دو طلاقیں بیک وقت نہ دی جائیں گی بلکہ دو دفعہ میں دی جائیں گی جس کا تقاضا یہ ہے کہ تین طلاقیں بھی بیک وقت نہ دی جائیں بلکہ تین دفعوں میں دی جائیں۔

جواب: یہ ہے کہ یہ استدلال درست نہیں، اس لیے کہ اس آیت کا منشاء اس غلط طریقہ کا ابطال ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو ایک طلاق دے کر رجوع کر لیتے پھر جب چاہتے تو دوبارہ طلاق دے کر رجوع کر لیتے اور طلاق و مراجعت کا یہ سلسلہ جاری رہتا باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر واضح طور پر بتلا دیا کہ دو طلاقوں تک رجوع ہو سکتا ہے اور تیسری طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں الا یہ کہ حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کیا جائے، اس سے کوئی بحث نہیں کی کہ یہ طلاقیں ایک مرتبہ میں دی گئی ہوں یا دو مرتبہ میں۔

اس کے علاوہ اگر یہ مان لیا جائے کہ ﴿مَرَّتٰنِ﴾ کا لفظ لا کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ "طلاق مرۃ" دی جائے گی تب بھی یہ طلاق کے شرعی طریقہ کا بیان ہوگا (چنانچہ طلاق حسن یا طلاق سنی کا یہی طریقہ ہے، کما مر تفصیلہ) گویا کہ آیت طریق ایقاع کو بیان کر رہی ہے لیکن آیت میں اس پر کوئی دلالت نہیں کہ اگر تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں گی تو وہ واقع نہ ہوں گی۔ (شرح وقایہ وعمدۃ الرعایۃ ج ۲ ص:۷۱، قبیل باب ایقاع الطلاق)

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت مسلک جمہور کے خلاف نہیں بلکہ خود ان کے مسلک کی دلیل ہے۔

روافض کا دوسرا استدلال نبی کریم ﷺ کے فرمان ہے: من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد. (جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اُس میں سے نہ ہو وہ مردود ہے) رواہ البخاری فی صحیحه (ج ۱ ص:۳۷۱) کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جو... الخ) (ومسلم فی صحیحہ ج ۲ ص:۷۷) کتاب الأقضیة، باب نقض احکام الباطلة) عن عائشه.

چونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا بدعت اور حرام ہے لہٰذا یہ حدیث مذکور کی رو سے وہ بھی مردود ہے۔

جواب: یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ حدیث کا مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ دین میں کوئی ایسی بات شامل کرنا جو دین کا حصہ نہیں وہ مردود ہے چنانچہ اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی بدعت ہونے کی حیثیت سے مردود ہے اور شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، رہا تین اکٹھی طلاقوں کا واقع ہونا، یہ دوسری بات ہے جو حدیث مذکور کا موضوع نہیں اور متعدد دلائل سے اس کا واقع ہونا ثابت ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ اختلاف متاخر سابقہ اجماع کے لیے مضر نہیں اور قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا یہ کہنا: این الاجماع الذی جعلته معارضا للسنة الصحیحة تو اگر یہ قول عناد نہ ہو تو سداد بھی نہیں کیونکہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے تین کو تین قرار دیا اور کسی نے نکیر نہیں فرمائی اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے حتی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دیتے رہے کما رویناہ ورایۃً تو پھر وہ کون ہے جس نے اجماع کی مخالفت کی ہے؟ اور ان کا یہ کہنا کہ یہ اجماع سنت صحیحہ کے خلاف ہے درست نہیں کیونکہ اولاً تو جس حدیث کی طرف وہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں تو ائمہ حدیث اقوال اس کے متعلق گزر گئے کہ یہ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مطلب اس حدیث کا فہم کیا ہے وہ اولیٰ بالاتباع ہے اس مطلب سے جو غیر مقلدین نے سمجھا ہے۔ واللہ اعلم وعلمه اتم

آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور اعلان کی کہ اب جو شخص تین مرتبہ طلاق کے الفاظ بولے گا: ہم اسے تین ہی قرار دیں گے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا، کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ منقول نہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا ہو، اور اس قدر بات اجماع کے لیے کافی ہے۔ (حاشیہ ابوداؤد ۱:۳۰۶، نووی شرح مسلم ۱:۴۷۸) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ أَمْرُكِ بِيَدِكِ

باب ۳: تفویض طلاق یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں کہنے کا حکم

(۱۰۹۸) قَالَ قُلْتُ لِاَیُّوْبَ هَلْ عَلِمْتَ اَحَدًا قَالَ فِيْ اَمْرُكِ بِيَدِكِ اَنَّهَا ثَلَاثٌ اِلَّا الْحَسَنَ قَالَ لَا اِلَّا الْحَسَنَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ غَفْرًا اِلَّا مَا حَدَّثَنِيْ قَتَادَةُ عَنْ كَثِيْرٍ مَوْلٰى بَنِيْ سَمُرَةَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ثَلَاثٌ قَالَ اَيُّوْبُ فَلَقِيْتُ كَثِيْرًا مَوْلٰى بَنِيْ سَمُرَةَ فَسَاَلْتُهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ فَرَجَعْتُ اِلٰى قَتَادَةَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ نَسِيَ.

ترجمہ: حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میں نے ایوب سے کہا آپ کو کسی ایسے شخص کے بارے میں یہ علم ہے جس نے یہ کہا ہو (اگر مرد بیوی سے یہ کہے) تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے تو یہ تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ حسن کے علاوہ کسی نے یہ کہا؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں صرف حسن نے یہ کہا ہے پھر وہ بولے اے اللہ بخشش کردے قتادہ نے کثیر کے حوالے سے ابوسلمہ کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تین طلاقیں ہوں گی ایوب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں میری کثیر سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہیں اس کا علم نہیں تھا میں واپس قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور میں نے انہیں بتایا تو وہ بولے وہ بھول گئے ہوں گے۔

یہ دو باب ہیں ان میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: امرك بيدك (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں) یا کہے: اختاری نفسك (اختیار کرتو تیری ذات کو) یا کہے انت طالق ان شئت (اگر تو چاہے تو تجھے طلاق) اور عورت شوہر کو اختیار کرے اور اپنے اوپر کوئی طلاق واقع نہ کرے تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ یہ الفاظ تفویض ہیں، الفاظ تطلیق نہیں۔

مذاہب فقہاء: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا ان الفاظ میں تعداد طلاق کے حوالہ سے شوہر کی نیت معتبر ہے یا بیوی کی؟

حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک عورت کی نیت کا اعتبار ہوگا القضاء ما قضت، یعنی فیصلہ کرنا اب عورت کے ہاتھ میں ہے خواہ وہ ایک رجعی یا بائن کی نیت کرے یا تین کی، مؤطا محمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی اسی کے مطابق نقل کیا ہے: وقال: ابن عمر رضی اللہ عنہما اذا جعل امرها بيدها... الخ یعنی جب آدمی اپنی بیوی کو اختیار دے دے اور وہ زیادہ طلاق مقرر کرے اور شوہر صرف ایک کا دعویٰ واقرار کررہا ہو تو اسے قسم دیکر ایک ہی واقع کی جائے گی۔

امام مالک وامام احمد رحمہما اللہ کا مذہب بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے یعنی "القضاء ما قضت" تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر اور عورت میں اختلاف ہو جائے تو قول شوہر کا مع الیمین معتبر ہوگا البتہ اگر شوہر بالکل ہی انکار کردے کہ میں نے تجھے اختیار نہیں دیا تھا تب عورت کے ایقاع کا اعتبار ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک: اس میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہے کیونکہ "الطلاق بالرجال" من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کما رواہ الدار قطنی سنن کبری للبیہقی ص: ۳۷۰ ج: ۷ کتاب الرجعۃ ایضا تلخیص الحبیر ص: ۲۵۶ ج: ۳ کتاب الطلاق۔ والبیهقی عنه وان کان موقوفا. لہٰذا اگر شوہر نے تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی اور ایک واقع کرنے پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی یعنی عورت کی موافقت کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اعتبار شوہر کی نیت کو ہے حتی کہ اگر اس نے دو کی نیت کی ہو تو بھی دو ہی واقع ہو جائیں گی ایسی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی دو کی نیت کا مسئلہ پیچھے گزرا ہے المحلی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی رجعی واقع ہونے کا نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِيَارِ

باب ۴: طلاق کا اختیار دینے کا حکم

(۱۰۹۹) خَيَّرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاخْتَرْنَاهُ أَفَكَانَ طَلَاقًا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیا تھا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرلیا تو کیا وہ طلاق شمار ہوئی تھی؟
اگر شوہر: عورت کو جدائی (طلاق) کا اختیار دے اور عورت شوہر کو اختیار کرے تو جمہور کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام بیویوں سے ایک مہینے کے لیے ایلاء کیا تھا یعنی ایک مہینہ کے لیے سب بیویوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی، جبکہ انہوں نے خرچہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا تھا، جب مہینہ پورا ہوا تو سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع جس میں سات آیتیں ہیں نازل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو اختیار دیں کہ وہ یا تو جس حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رکھیں راضی رہیں اور اگر خوش عیشی چاہیں تو طلاق لے لیں اور جہاں چاہیں جائیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج کو اختیار دیا اور سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا اور سب نے معافی مانگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا پس ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا تو کیا وہ طلاق ہوئی؟ اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرنے کی وجہ سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا لَا سُكْنٰى لَهَا وَلَا نَفَقَةَ

باب ۵: مطلقہ ثلاثہ کے لیے نہ سکنی ہے نہ نفقہ

(۱۱۰۰) قَالَ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا سُكْنٰى

لَكِ وَلَا نَفَقَةَ قَالَ مُغِيْرَةُ فَذَكَرْتُهُ لِإِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ قَالَ عُمَرُ لَا نَدَعُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ بِقَوْلِ اُمْرَاَةٍ لَا نَدْرِيْ اَحَفِظَتْ اَمْ نَسِيَتْ.

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں رہائش اور خرچ کا حق نہیں ملے گا۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ مطلقہ رجعیہ کو نفقہ بھی ملے گا اور سکنی بھی نیز مبتوتہ حاملہ کو بھی دونوں چیزیں ملیں گی۔

مذاہب فقہاء: البتہ مبتوتہ غیر حاملہ کے بارے میں اختلاف ہے اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی بھی مطلقاً شوہر پر واجب ہے۔

(۲) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ غیر حاملہ کے لیے نفقہ ہے نہ سکنی۔

(۳) امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں۔

عدم نفقہ اور عدم سکنی پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے۔

امام مالک امام شافعی رحمہما اللہ کا استدلال یہ ہے کہ سکنی تو قرآن سے ثابت ہے اس لیے سکنی اس کا حق ہے قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (الطلاق:۱)

لیکن قرآن پاک میں نفقہ کا ذکر نہیں ہے عدم نفقہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں البتہ فرماتے ہیں کہ: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق:۶) کی آیت سکنی کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے معارض ہے لہٰذا ہم نے روایت کو ترک کر دیا اور کتاب اللہ کو اختیار کر لیا۔

احناف کے دلائل: ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق:۶)

امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے تین طریقوں سے مسلک احناف کو ثابت کیا ہے۔

(الف) جس طرح سکنی ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے، اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا۔

(ب) "ولا تضاروھن" سے مطلقات کو ضرر پہنچانے سے روکا گیا ہے اور ضرر جس طرح عدم سکنی سے لاحق ہوتا ہے اسی طرح عدم نفقہ سے بھی لاحق ہوتا ہے۔

(ج) لتضیقوا علیھن تنگی اور تضیق جس طرح عدم سکنی میں ہے اسی طرح عدم نفقہ میں بھی ہے۔

(۲) دوسرا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے ہے جس میں انہوں نے فرمایا: "لا ندع کتاب اللہ وسنة نبینا ﷺ ویقول لا ندری احفظت ام نسیت وکان عمر یجعل لھا السکنی والنفقة. کتاب اللہ سے مراد تو وہ آیات ہیں جن کا تذکرہ ہو چکا سنت سے مراد وہ حدیث ہے جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار میں نقل کیا ہے کہ اس کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "سمعت النبی ﷺ یقول لھا السکنی والنفقة" اس پر اگرچہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس روایت میں انقطاع ہے کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے۔

جواب: ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراسیل باتفاق جمہور مقبول ہیں چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ التمہید میں فرماتے ہیں:

"ان مراسيل النخعي رحمة الله عليه صحيحة"

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی ان مراسیل کا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں نہ کہ تمام مراسیل کا۔ لیکن امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول جمہور محدثین کے خلاف ہے جنہوں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراسیل کو علی الاطلاق قبول کیا ہے۔

(۳) پھر مذکورہ بحث تو طحاوی کی مذکورہ بالا روایت کے بارے میں تھی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ تصریح مروی ہے کہ:

سمعت رسول الله ﷺ يقول لها سكنى والنفقة.

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایسی عورت کو رہائش اور خرچ دیا جائے گا۔"

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ تو صحیح مسلم میں مروی ہیں: لا نترك كتاب الله وسنة نبينا ﷺ لقول امراة لاندري لعلها حفظت اونسيت لها السكنى والنفقة" جس سے اتنی بات واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں کے معارض تھا جس کا مطلب یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے خلاف کوئی تصریح حدیث موجود تھی اور اصول حدیث میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ اگر کوئی صحابی رضی اللہ عنہ "السنۃ کذا" کہے تو اس کا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

بعض حضرات نے "وسنة نبينا" کی زیادتی کو غیر اصح قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن مسلم کی صحیح روایت میں ان الفاظ کے آنے کے بعد یہ اعتراض قابل اعتبار نہیں۔

جواب ①: حضرت عائشہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث فاطمہ رضی اللہ عنہا پر جرح کی ہے کہ ہم اس کی وجہ سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتے تو کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اگر کسی حدیث پر یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما جرح کر دیں تو وہ قابل استدلال نہیں رہتی تو جس پر حضرت عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہما جرح کر دیں، کیا وہ قابل استدلال رہے گی؟

جواب ②: سکنی وغیرہ کا نہ ہونا یہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی خصوصیت تھی عارض کی وجہ سے اور وہ عارض یہ تھا کہ یہ زبان دراز تھی مزاج اور طبیعت کی سخت تھی باقی رہا نفقہ تو نفس نفقہ کی نفی نہیں بلکہ زیادہ مقدار کی نفی ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے خاوند نے وکیل کے ہاتھ دس قفیز بھیج دیے تھے اس نے زائد مقدار کا مطالبہ کیا۔

اعتراض: بعض روایات میں ہے کہ الا ان تكون حاملة. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض نفقہ کی نفی ہے؟

جواب: مطلب یہ ہے کہ اگر تو حاملہ ہوتی تو تیری ضرورت زیادہ ہوتی تو ہم تجھے زائد مقدار بھی دے دیتے الغرض دو وجہوں سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں (۱) حضرت کی جرح اور وجہ (۲) کہ یہ خصوصیت ہے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی۔

---✻---

بَابُ مَا جَاءَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ

باب ٦ : نکاح سے پہلے طلاق نہیں

(۱۱۰۱) لَا نَذْرَ لِابْنِ اٰدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ لَهٗ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ لَهٗ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم جس چیز کا مالک نہ ہو اس کے بارے میں کوئی نذر نہیں ہوتی اور جس کا وہ مالک نہ ہو اسے آزاد نہیں کرسکتا اور جس کا وہ مالک نہ ہو طلاق نہیں ہوتی۔

تشریح: "لا نذر فیما لا یملك" کے بارے میں مسئلہ کتاب الاحکام میں گزر چکا ہے باقی غیر مملوک غلام کی آزادی تنجیزاً صحیح نہیں ہے اور اگر معلق کردے تو پھر بھی وہی اختلاف ہے جو نذر کے بارے میں ہے مسئلہ اجنبیہ عورت کو طلاق قبل النکاح دینا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے کہ اجنبیہ کی طلاق کی ابتداء دو صورتیں ہیں: ① تنجیزاً ② تعلیقاً. پھر اس کی دو صورتیں ہیں کہ ایسی شرط کے ساتھ معلق کرے جو شرط نہ نکاح ہو اور نہ نکاح کا سبب مثلاً کہے: "ان دخلت الدار فانت طالق" اور دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کو معلق کرے نکاح یا سبب نکاح کے ساتھ مثلاً کہے: "ان نکحتك فانت طالق ان ملکت فانت طالق" تین صورتیں ہوں گی۔ ① تنجیزاً، طلاق دینا۔ ② نکاح یا سبب نکاح سے معلق کرنا۔ ③ ایسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جو نہ نکاح ہو اور نہ سبب نکاح ہو ان میں سے پہلی اور تیسری صورت میں بالاجماع طلاق طلاق واقع نہ ہوگی البتہ صورت ثانیہ میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء: جس میں تین مذہب ہیں:

① احناف کا مذہب یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد مطلقاً طلاق واقع ہوجائے گی خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا علی سبیل الخصوص ہو۔ علی سبیل العموم یہ ہے کہ یہ عورت کی تعین ہے اور نہ شہر کی تعین ہے نہ قبیلہ کی اور نہ زمانہ کی الحاصل کسی چیز کی بھی تخصیص نہیں یعنی کلما تزوجت امراة فھی طالق کہے اور تعلیق علی سبیل الخصوص یہ ہے کہ مثلاً معینہ عورت کے بارے میں کہے: ان نکحتك فانت طالق یا قبیلہ کی تعیین کردے کہ فلاں قبیلہ کی عورت سے میں نکاح کروں تو طلاق یا پھر شہر کی تعیین کردے کہ ملتانی عورت سے نکاح کروں تو طلاق یا زمانہ کی تعیین کردے کہ اگر جمعہ کے دن نکاح کروں تو طلاق۔

② مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر تعلیق علی سبیل الخصوص ہو تو پھر بعد الشرط طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر علی سبیل العموم ہو تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی۔ خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا تعلیق علی سبیل الخصوص ہو۔

شوافع کے نزدیک مطلقاً طلاق واقع ہوجائے گی خواہ تعلیق علی سبیل العموم ہو یا علی سبیل الخصوص ہو۔

حنفیہ کا استدلال مؤطا کی روایت سے ہے کہ ایک آدمی نے غیر منکوحہ سے معلق ظہار کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ اگر نکاح کیا تو جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کرلو اس وقت تک اس کے قریب نہ جانا لہٰذا جب معلق ظہار صحیح ہے تو طلاق بھی صحیح ہے۔

اس کے علاوہ حافظان نے بخاری کی شرحین میں جانبین سے آثار ذکر کئے ہیں باب کی حدیث کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ یہ ہے یہ تنجیز پر محمول ہے نہ کہ معلق پر لہٰذا اس سے علی الاطلاق و علی العموم استدلال درست نہیں۔

"وروی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال فی المنصوبۃ انہا تطلق" حنفیہ کا استدلال اس سے جزوی طور پر تو ہوسکتا ہے کہ فی الجملہ طلاق تعلیقا بغیر ملک کے معتبر ہے لہٰذا باب کی حدیث تنجیز پر محمول ہوئی لیکن مطلقا استدلال اس سے صحیح نہیں کیونکہ یہ معینہ کے بارے میں ہے کیونکہ منصوبہ نصب سے ہے جو بمعنی رفع کے ہے مراد اس سے معنیہ عورت ہے چونکہ تعیین سے وہ ابہام کی وادی سے اٹھالی جاتی ہے اس لیے اسے منصوبہ کہتے ہیں۔

مالکیہ کی دلیل: عقلی ہے کہ اگر علی سبیل العموم میں بھی طلاق کے وقوع کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر نکاح کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا یعنی جب کسی نے کہا کلما تزوجت امراۃ فھی طالق تو اب میرے سے دروازہ ہی بند ہوجائے گا حالانکہ نکاہ ایک نعمت ہے جواب نص کے مقابلے میں قیاس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب لاطلاق لہ فیما لا یملك جواب اس حدیث کا مصداق صورت اولی یا صورت ثالثہ ہے صورت ثانیہ اس حدیث کا مصداق نہیں اس لیے کہ صورت ثالثہ میں طلاق فیما یملک ہے فیما لا یملک نہیں ہے۔

ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب: یہ ہے کہ جن ائمہ کے نزدیک تعلیق معتبر ہے ان کے متبعین میں سے اگر کوئی قسم کھائے کہ اگر وہ نکاح کرے تو عورت کو طلاق پھر وہ نکاح کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے اس دوسرے امام کا قول لینا جس کے نزدیک تعلیق غیر معتبر ہے جائز نہیں کیونکہ ہر شخص پر اپنے ہی امام کی پیروی واجب ہے ہاں جو شخص اس امام کا مقلد ہے جس کے نزدیک تعلیق درست نہیں وہ نکاح کرسکتا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ میں بہت سختی کردی! مگر آج چاروں فقہاء کے متبعین یہی بات کہتے ہیں کہ تقلید شخصی یعنی کسی معین امام کی تقلید واجب ہے کیونکہ اگر یہ بات واجب نہیں قرار دی جائے گی تو خواہش کی پیروی کا دروازہ کھل جائے گا لوگ مجتہدین کی فقہوں میں سے رخصتیں تلاش کریں گے پس یہ دین پر عمل کہاں رہا یہ تو خواہش کی پیروی ہوگئی جو حرام ہے اس لیے تقلید شخصی واجب ہے مگر واجب لعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے اور واجب لغیرہ پر دلیل کا مطالبہ درست نہیں۔

اس حکم سے ایک صورت مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی مسلک کے اکابر ضرورت کے وقت دوسرے امام کی کوئی رائے اپنے مذہب میں لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے زوجہ مفقود کے احکام حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے الحیلۃ الناجزۃ میں فقہ مالکی سے لیئے اور اب تمام احناف کا اس پر عمل ہے۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی بات بھی صحیح ہے کہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ بہت سخت کردیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ترمذی شریف جس زمانہ میں لکھی گئی ہے اس زمانہ میں مذاہب فقہیہ دو ہی تھے: حجازی اور عراقی۔ اور تعلیق کی صحت وعدم صحت کا مسئلہ حجازی مکتب فکر میں مختلف فیہ تھا، امام مالک اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عورت متعین ہونے کی صورت میں تعلیق درست تھی۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر عمل کرنا چاہے تو یہ بات درست نہیں، کیونکہ یہ تقلید میں یعنی کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ملانا ہے جو حرام ہے معین راہ اپنانا ضروری ہے، پھر جب حجازی مکتب فکر تین مختلف مذاہب میں منقسم ہوگیا تو ان کے تعلق سے بھی ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کی بات صحیح ہوگئی۔ واللہ اعلم

——✻——

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ طَلَاقَ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ

باب ۷: کنیز کو دو طلاقیں دی جائیں گی

(۱۱۰۲) طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کنیز کو دو طلاقیں دی جائیں گی اور اس کی عدت دو حیض ہوگی۔

مذاہب فقہاء: باندی کی طلاقیں دو ہیں: ① حنفیہ کے نزدیک طلاق میں عورت کا اعتبار ہے، عورت اگر آزاد ہے تو شوہر تین طلاقیں دے سکتا ہے خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، اور عورت اگر باندی ہے تو دو طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام۔

② اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مرد کا اعتبار ہے، اگر شوہر آزاد ہے تو تین طلاقیں دے سکتا ہے، خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی اور اگر شوہر غلام ہے تو دو طلاقیں دے سکتا ہے، بیوی خواہ آزاد ہو یا باندی، یہ مسئلہ پہلے ابواب النکاح باب ۴۳ میں بھی ضمناً گزر چکا ہے۔

باندی کی عدت آدھی ہے حیض یا طہر سے قطع نظر اور یہ اجماعی مسئلہ ہے یعنی عدت میں عورت کا اعتبار ہے عورت اگر باندی ہے تو اس کی عدت دو حیض (حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک) یا دو طہر (امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک) ہیں اور اگر عورت آزاد ہے تو عدت تین حیض یا تین طہر ہیں۔ اور اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

اوّل: طلاق میں اعتبار عورت کا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: باندی کی طلاقیں دو ہیں معلوم ہوا: طلاق میں اعتبار عورت کا ہے۔

دوم: قروء کے معنی حیض کے ہیں کیونکہ جب باندی کے حق میں قروء کے معنی حیض کے ہیں تو آزاد عورت کے حق میں بھی اس کے معنی حیض ہی کے ہوں گے۔

حنفیہ کا استدلال حدیث باب سے ہے علاوہ ازیں ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بھی حنفیہ کی مستدل ہے "طلاق الامة اثنتان وعدتها حيضتان" ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے جبکہ مالک میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حنفیہ کے مطابق فتویٰ مروی ہے گو کہ یہ آثار موقوف ہیں۔

شافعیہ وغیر کا استدلال ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے: "الطلاق بالرجال والعدة بالنساء" رواہ البیہقی ایسے ہی آثار دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِطَلَاقِ امْرَاَتِهٖ

باب ۸: طلاق کا خیال (وسوسہ) آنے سے طلاق نہیں ہوتی

(۱۱۰۳) تَجَاوَزَ اللهُ لِاُمَّتِيْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَكَلَّمْ بِهٖ اَوْ تَعْمَلْ بِهٖ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان باتوں سے درگزر کیا ہے جو وہ دل ہی دل میں سوچیں جب تک وہ اس کے بارے میں کلام نہ کریں یا اس پر عمل نہ کریں۔

تشریح: دل و دماغ میں طلاق کا وسوسہ اور خیال آئے اور آدمی اپنے دل سے باتیں کرے کہ اس نے بیوی کو طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک منہ سے طلاق کا تلفظ نہ کرے۔ اور تلفظ کرنے کی دو صورتیں ہیں: جہری اور سری، جہری تلفظ تو ظاہر ہے اور سری کی ادنی مقدار تصحیح حروف ہے یعنی زبان حرکت کرے مخارج پر جا کر لگے اور حروف کی ادائیگی ہو اور سر کا اعلی درجہ اسماع النفس ہے یعنی خود کو سنانا جب سر کا کم سے کم درجہ پایا جائے گا تو طلاق واقع ہوگی۔ دل و دماغ میں خیال پکانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اعتراض: اس حدیث کا سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۴ ﴿وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ سے تعارض ہے آیت پاک میں ارشاد ہے کہ جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری ان کی وجہ سے دارو گیر فرمائیں گے معلوم ہوا کہ دل کی باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا پس طلاق بھی واقع ہونی چاہیے؟ اس تعارض کے دو جواب ہیں:

جواب ①: یہ حدیث احکام دنیا سے متعلق ہے اور آیت پاک احکام آخرت سے متعلق ہے پس کوئی تعارض نہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نکاح، طلاق، عتاق بیع اور ہبہ وغیرہ محض دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہوجاتے ان کا تلفظ ضروری ہے اور آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ عقائد فاسدہ، اخلاق مذمومہ اور گناہوں کا پختہ ارادہ کرنے کی صورت میں بھی آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

جواب ②: حدیث میں مراد وساوس اور غیر اختیاری خیالات ہیں جو انسان کے دل میں بغیر قصد و ارادہ کے آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف کا ارادہ کرنے پر بھی آتے رہتے ہیں ایسی غیر اختیار باتوں کو اس امت پر مہربانی کرتے ہوئے معاف کر دیا گیا ہے اور آیت پاک میں مراد وہ ارادے اور نیتیں ہیں جو انسان اپنے کسب و اختیار سے اپنے دل میں جماتا ہے اور اس کو عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے مگر اتفاق سے کچھ موانع پیش آجاتے ہیں جن کی بنا پر ان پر عمل نہیں کر پاتا قیامت کے دن ان پر محاسبہ ہوگا، جیسے دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے کیونکہ مقتول مرنے نہیں آیا تھا مگر اتفاق سے مار نہ سکا مر گیا پس وہ بھی حقیقت میں قاتل ہے یہ مضمون صحیح حدیث میں آیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْجِدِّ وَالْهَزْلِ فِی الطَّلَاقِ

باب ۹: طلاق میں سنجیدگی اور دل لگی برابر ہیں

(۱۱۰۴) ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تین طرح کے معاملات میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی شمار ہوگا نکاح طلاق اور رجوع کرنا۔

تشریح: "ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ" سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ جو بات بولی جاتی ہے "وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ" ہزل اوٹ پٹانگ غیر سنجیدہ اور بے ہودہ بات کو کہتے ہیں یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مزاق اور سنجیدہ پن دونوں برابر ہیں یعنی حکم دونوں پر یکساں لگتا

ہے"النكاح والطلاق والرجعة" لہٰذا جس نے یہ الفاظ جیسے بھی کہہ دیئے مثلاً: "نکحتك اوتزوجتك یا انت طالق ورجعت اليك" تو چاہے اس کی نیت اس کے موافق ہو یا نہ ہو بہر حال اس پر حکم نکاح وطلاق اور رجوع مرتب ہوگا، نیل الاوطار ص:۲۳۵ ج:۵ ،۶ پر ہے۔

ابواب الرضاع باب ۳ میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ وہ معاملات جن میں اقالہ نہیں ہوسکتا یعنی جو ہونے کے بعد ختم نہیں ہوسکتے، فقہاء کی اصطلاح میں وہ "یمین" کہلاتے ہیں۔ اور جب معاملات میں اقالہ ہوسکتا ہے فقہاء کی اصطلاح میں وہ "بیوع" کہلاتے ہیں اب یہ قاعدہ جان لیں کہ جو باتیں ایمان کے قبیل سے ہیں ان میں سنجیدگی اور دل لگی یکساں ہیں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے ہی دل لگی کے طور پر کہی ہوئی بات بھی سنجیدگی ہے اور جو امور از قبیل بیوع ہیں ان میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور دل لگی دل لگی ہے اس حدیث میں پہلی قسم کے معاملات کی تین مثالیں ہیں: نکاح، طلاق اور رجعت۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہے دل لگی بھی سنجیدگی ہے اگر واقعی طلاق دینا مقصود ہے تو بھی طلاق ہوگی اور مذاق میں طلاق دی تو بھی طلاق ہوجائے گی، فقہاء نے اس حدیث سے یہ ضابطہ بنایا ہے کہ ایمان میں ہزل اثر انداز نہیں ہوتا مذاق کے طور پر نکاح کیا یا قسم کھائی یا رجعت کی تو بھی یہ معاملات ہو گئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلْعِ

باب ۱۰: خلع کا بیان

(۱۱۰۵) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ أَنَّهَا اخْتَلَعَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ او أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

ترجمہ: سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں خلع لے لیا تو آپ ﷺ نے انہیں یہ ہدایت کی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) انہیں یہ ہدایت کی گئی وہ ایک حیض عدت بسر کریں۔

(۱۱۰۶) إِنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے اپنے شوہر سے خلع حاصل کرلیا یہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس کی بات ہے تو انہیں ایک حیض عدت بسر کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس باب میں چار مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ ①: خلع کا لغوی معنی ہے اتارنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فاخلع نعليك" ازواج اور زوجہ کو قرآن نے ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے گویا یہ دونوں بھی بذریعہ خلع اس لباس کو اتارتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: ازالة ملك النكاح بمال بلفظ مخصوص لغوی معنی سے مناسبت ظاہر ہے اور اصطلاح میں خلع یہ ہے کہ عورت مرد کو کچھ مال دے کر اس سے طلاق لے لے۔

مسئلہ ②: اس باب میں چار الفاظ مستعمل ہوتے ہیں خلع طلاق علی مال، فدیہ اور مباراۃ۔ اگر کل مہر کو بدل مقرر کیا جائے تو یہ خلع

ہے اگر جزء مہر کو بدل مقرر کیا جائے تو یہ فدیہ ہے، اگر مہر کے علاوہ کوئی مال مقرر کیا جائے تو یہ طلاق علی مال ہے اور اگر عورت ان تمام حقوق کو ساقط کر دے جو زوج اور زوجہ پر عقد نکاح کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں تو یہ مباراۃ ہے۔

مسئلہ ③: مختلعہ عورت کی عدت کیا ہے؟ جمہور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک مختلعہ عورت کی عدت مطلقہ والی ہے احناف کے ہاں تین حیض، شوافع کے نزدیک تین طہر ہے حنابلہ، اگرچہ فسخ نکاح کے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہوگی۔

(۲) امام اسحٰق وغیرہ کے نزدیک مختلعہ کی عدت ایک حیض ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے **وفيه ان تعتد بحيضة** کہ ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔ اور بعض روایات میں حیضة کے بعد واحدة کا لفظ بھی مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ مختلعہ کی عدت ایک حیض ہے۔

جواب ①: بحيضة میں تاء وحدت کے لیے نہیں بلکہ جنس کے لیے ہے۔ وہ اصل روایت کا لفظ نہیں بلکہ راوی کا تصرف ہے راوی نے حیضة کی تاء کو وحدت پر محمول کرتے ہوئے واحدة کا لفظ ذکر کر دیا۔

جواب ②: یہ حدیث خبر واحد ہے نص قرآنی وَالْمُطَلَّقٰتُ .....الخ کے معارض نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ ①: خلع کی حقیقت کیا ہے؟ آیا یہ فسخ نکاح ہے یا طلاق ہے۔ ① جمہور یعنی احناف و شوافع کے قول جدید کے مطابق مالکیہ کے نزدیک خلع طلاق بائنہ ہے۔ ② امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں خلع فسخ نکاح ہے۔

ثمرۂ خلع: اگر طلاق ہے تو اس کے بعد مختلعہ کو طلاق بھی دی جا سکتی ہے نیز اگر خلع طلاق ہے تو اس کے بعد خاوند صرف مابقی کا مالک ہوگا نکاح کے بعد اور اگر خلع فسخ نکاح ہے تو پھر طلاقوں کا مالک نہیں ہوگا محل طلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد اگر عورت پھر دوبارہ اس کے نکاح میں آ جائے تو پھر خاوند تینوں طلاقوں کا مالک ہوگا۔

جمہور کے نزدیک خلع طلاق ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں خلع کا ذکر ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ کے بعد کیا گیا ہے یعنی ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ﴾ (البقرہ:۲۲۹) اور اس کے بعد اگلی آیت ہے ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ﴾ (البقرہ:۲۳۰) جو اس بات کی دلیل ہے کہ خلع ان تین طلاقوں میں شمار نہیں اگر خلع خود طلاق ہوتا تو طلاقیں چار ہو جاتیں جس کا کوئی قائل نہیں۔

جواب: طلاق بائن کی دو قسمیں ہیں: ① طلاق بائن علی مال ② طلاق بائن بلا مال۔

ان میں لازماً ان دو میں سے کوئی ایک ہوگی۔ دونوں کا اجتماع ممکن نہیں اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں طلاق بائن بلا مال کا ذکر ہے اور فیما افتدت به کے اندر طلاق بائن علی مال کا ذکر ہے اور فان طلقها ... الخ سے تیسری طلاق کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلع کو طلاق ماننے کے باوجود عورت طلاقوں سے مغلظہ ہوگی۔

جمہور کی دلیل بیان کرتے ہوئے ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں: **وهي مسئلة ظاهرة** یعنی خلع کو طلاق کہنا قرآن سے بھی ظاہر ہے اور قیاس وغیرہ سے بھی قرآن سے اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ذکر طلاق کے ضمن اور حکم میں آیا ہے لہٰذا

یہ طلاق ہی ہے اور قیاس سے اس کا اطلاق ہونا اس لیے ظاہر ہے کہ خلع قاضی وغیرہ کے جبر پر موقوف نہیں بلکہ زوجین کے درمیان بھی ہوسکتا ہے یعنی حاکم کی مداخلت کے بغیر اور زوجین کے مابین تو طلاق چلتی ہے نیز شوہر نے عوض لیا تو اب وہی چیز دے گا جس کا وہ مالک ہے اور وہ تو طلاق ہی ہے۔

علاوہ ازیں ہمارا استدلال ان احادیث سے بھی ہے جن میں خلع کے موقع پر طلاق کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: "قال رسول الله ﷺ اقبل الحديقة وطلقها تطليقة" یعنی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنا باغ (حق مہر) واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: "فردتها وامره يطلقها" یہ دونوں روایتیں بخاری میں ہیں۔ (ص: ۷۹۴ ج: ۲)

اس کے علاوہ دارقطنی، الکامل، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مؤطا امام مالک اور مراسیل ابی داؤد میں بھی طلاق کی تصریح ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے شوہر کون تھے؟ اور یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے؟ شوہر کا نام تو کسی روایت میں نہیں آیا البتہ یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ کا ہے جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محصور (نظر بند) تھے (نسائی، حدیث ۳۴۹۷) اور (ابن ماجہ، حدیث ۲۰۵۸) میں اس کی صراحت ہے مگر چونکہ آئندہ واقعہ بھی حضرت ربیع بیان کرتی ہیں (نسائی، حدیث ۳۴۹۸) اس لیے بعض رواۃ کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت ربیع کے واقعہ کو بھی عصر نبوی قرار دیدیا، پس اس روایت میں جو شک راوی ہے: امرها النبی ﷺ او امرت اس میں صحیح امرت ہے کیونکہ یہ واقعہ نبی ﷺ کے زمانہ کا نہیں ہے اور نسائی (۱۸۶:۶ مصری) میں صراحت ہے کہ ان کے بھائی عثمان نے یہ حکم دیا تھا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہی بات فرمائی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْمُخْتَلِعَاتِ

باب ۱۱: خلع کرنے والی عورتوں کے لیے وعید

(۱۱۰۷) اَلْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا خلع حاصل کرنے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں۔

(۱۱۰۸) اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو عورت کسی وجہ کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔

بعض مرد ایسے ہوتے ہیں جو بیوی کو اس لیے طلاق دیتے ہیں کہ اس کی جگہ دوسری لا کر نیا مزہ چکھیں اور بعض عورتیں بھی اسی غرض سے شوہروں سے طلاق لیتی ہیں۔ یہ مرد و زن اللہ کو پسند نہیں۔ طبرانی رحمہ اللہ کی معجم کبیر میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ذواقین (چکھنے والے مردوں) اور ذواقات (چکھنے والی عورتوں) کو پسند نہیں فرماتے۔

"هن المنافقات" یہ زجر میں مبالغہ ہے اس اطلاق کی دو وجہ ہیں:

① محشی نے بیان کی ہے کہ نکاح کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے بظاہر اطاعت کا اظہار کیا جارہا ہے ویسے ہی باطن میں بھی ہو لیکن یہ عورتیں باطن میں بغض اور نفرت چھپائے ہوتی ہیں۔

② ابن العربی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ یہ کم ہی راضی ہوتی ہیں اس لیے نافرمانی کرتی ہیں تو انہیں منافقات کہا جو بمعنی کفر از کفران عشیر ہے (عارضہ) یعنی بغیر کسی مجبوری کے بلکہ محض اپنی ہوس کے مطابق کہ مثلاً پہلے دوسرے آدمی سے دل لگا یا پھر اپنے شوہر سے جدائی طلب کرلی جیسے آج کل ماڈرن معاشرہ میں ہوتا ہے "لم ترح رائحة الجنة "اگلی حدیث میں ہے" فحرام علیها رائحة الجنة" اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے یعنی اس پر سونگھنا ممنوع ہے حالانکہ جنت کی خوشبو قیامت کے دن پانچ سو سال کی مسافت کی دوری تک جائے گی مگر وہ اس سے اتنی دور ہوگی جہاں یہ نہ پہنچے گی لہٰذا جہاں دوسرے جنتی اس سے محفوظ ہونگے تو یہ اس سے محروم ہوگی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مُدَارَاةِ النِّسَآءِ

باب ۱۲: عورتوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ (خاطر داری) کا معاملہ کرنا

(۱۱۰۹) اِنَّ الْمَرْاَةَ کَالضِّلَعِ اِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَاِنْ تَرَكْتَهَا اِسْتَمْتَعْتَ بِهَا عَلٰى عِوَجٍ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس کی حالت میں رہنے دو گے تو اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے فائدہ حاصل کرو گے۔

تشریح: "مداراۃ" خاطر تواضع اور آؤ بھگت کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد ملائمت اور نرمی ہے کوکب میں ہے:"المداراة بذل الدينا لاصلاح الدنيا او بذل الدنيا لاصلاح الدين والمداهنة بذل... الخ" بالعکس کہ اس حدیث میں مدارات کا بیان ہے مداہنت کا نہیں اگر عورت کی چال چلن صحیح نہ ہو یا عورت نافرمان ہو اور اس کے نشوز کا علاج مقصود ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات پیش نظر ہو تو سخت معاملہ بھی کیا جاسکتا ہے قرآن کریم میں اور احادیث میں اس کی صراحت ہے۔

(۲) اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے بلکہ نسوانی فطرت میں نہایت کجی کی تمثیل ہے عام طور پر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان ہے یعنی عورت شوہر کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے بہت سی عورتیں زندگی بھر شادی نہیں کرتیں اور بعض عورتیں شوہر سے پہلے پیدا ہوتی ہیں وہ کس کی پسلی سے پیدا ہوتی ہیں؟ غرض یہ بات بدیہی البطلان ہے اور قرآن وحدیث میں اس سلسلہ میں کوئی واضح بات نہیں، اور سورۃ النسا کی پہلی آیت میں جو ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ آیا ہے اس سے نفس انسانی مراد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا وہاں صراحتاً ذکر نہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی اصطلاح میں یہ روح اعظم (انسان اکبر) ہے عالم مثال میں اس کا وجود ہے اور تمام انسان مذکر بھی اور مؤنث بھی اس کے افراد ہیں اور بعد از مرگ سب اسی میں جا کر مل جاتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر صنف کا جوڑا اسی صنف سے پیدا کیا گیا ہے، اسی صورت میں باہمی مودت ورحمت کا تحقق ہوسکتا ہے،

اگر انسان کا جوڑا بھینس یا بکری ہوتی تو باہم کیا موافقت ہوتی؟ آیت کریمہ میں یہی مضمون ہے کہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی نفس انسانی سے پیدا کیا ہے پھران دونوں سے نسل پھیلائی ہے۔

اور لوگوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی سب سے اوپر کی پسلی سے پیدا کی گئیں ہیں یہ تصور بائبل (کتاب پیدائش باب ۲ آیات ۲۲۔ ۲۴) کا ہے پھر وہاں سے اسلامی روایات میں آیا ہے جبکہ روح المعانی میں سورۃ النساء کی اسی آیت کی تفسیر میں حاشیہ میں خود مفسر نے امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام پید کیے گئے تھے اس کے باقی ماندہ سے حضرت حوا علیہا السلام پیدا کی گئی تھیں اور یہی بات قرین عقل ہے تمام حیوانات جن میں توالد وتناسل کا سلسلہ قائم ہے ان کے پہلے پہلے افراد (مذکر و مؤنث) مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔کوئی مادہ نر کی پسلی سے نہیں پیدا کی گئی۔اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت میں کسی قدر ٹیڑھا پن عیب نہیں جیسا کہ پسلی کی کجی بھی اس کا عیب نہیں لہٰذا مرد کو عورت کے اندر مرد جیسے اوراوصاف تلاش نہیں کرنے چاہئیں: فان الله تعالیٰ قد خلق کلا من الصنفين بخصائص لا توجد في الآخر.

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرَّجُلِ يَسْأَلُهُ اَبُوْهُ اَنْ يُّطَلِّقَ امْرَاَتَهٗ

باب ۱۳: باپ بیوی کو طلاق دینے کے لیے کہے تو بیٹا کیا کرے؟

(۱۱۱۰) كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَاَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهَا فَاَمَرَنِيْ اَبِيْ اَنْ اُطَلِّقَهَا فَاَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میری ایک بیوی تھی جسے میں بہت پسند کرتا تھا لیکن میرے والد اسے ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ میں اسے طلاق دے دوں میں نے یہ بات نہیں مانی میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

زیر بحث باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ والد کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دے دینی چاہیے یا نہ؟ تو اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے والدین کو اذیت اور ضرر ہے اور طلاق کا مطالبہ کریں تو طلاق دے دینی چاہیے اور اگر والدین کو اذیت اور ضرر نہ ہو تو پھر طلاق دینا جائز نہیں کیونکہ یہ ظلم ہے۔

زیر بحث باب کی روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: طلق امرتك۔ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی معقول وجہ ہوگی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظلم کی تصدیق ہرگز نہیں کر سکتے۔

اعتراض: اگر ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے والد کے حکم کی تعمیل ضروری تھی تو انہوں نے ابتداء طلاق دینے سے انکار کیوں کیا۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنے کی نوبت آئی پھر آپ نے طلاق دینے کا حکم دیا۔

جواب: ان کی ایک نظر والد کے حکم کی تعمیل پر تھی، دوسری نظر طلاق کے مبغوض ہونے پر تھی۔ تردد تھا وجہ ترجیح مخفی تھی اور سبب طلاق محبت کی وجہ سے اوجھل تھا۔ اس لیے ابتداء توقف کیا اور بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر طلاق دیدی۔ (اس زمانے میں اس مسئلہ میں

میری رائے یہ ہے کہ طلاق سے پہلے دارالافتاء سے ضرور رجوع کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا

باب ۱۴: سوکن کا طلاق کا مطالبہ کرنا

(۱۱۱۱) لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتُكْفِئَ مَا فِي إِنَائِهَا.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرمان کا پتہ چلا ہے کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ اس کے حصے کے فوائد بھی حاصل کرلے۔

معاشرتی خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کسی کی دو یا زیادہ بیویاں ہوتی ہیں تو ہر بیوی اپنی سوکن کے خلاف شوہر کے کان بھرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ ایک غالب آجاتی ہے پس شوہر دوسری کو طلاق دے دیتا ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ سوکن کو "بہن" جذبہ ترحم ابھارنے کے لیے کہا گیا ہے۔

باب

باب: طلاقوں کی تحدید کب عمل میں آئی؟

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا يَعْلَى بْنُ شَبِيبٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّاسُ وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَهِيَ امْرَأَتُهُ إِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ وَاللهِ لَا أُطَلِّقُكِ فَتَبِينِينَ مِنِّي وَلَا آوِيكِ أَبَدًا قَالَتْ وَكَيْفَ ذَاكَ قَالَ أُطَلِّقُكِ فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ أَنْ تَنْقَضِيَ رَاجَعْتُكِ فَذَهَبَتِ الْمَرْأَةُ حَتَّى دَخَلَتْ عَلَى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَأَخْبَرَتْهَا فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرَتْهُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ قَالَتْ عَائِشَةُ فَاسْتَأْنَفَ النَّاسُ الطَّلَاقَ مُسْتَقْبَلًا مَنْ كَانَ طَلَّقَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ طَلَّقَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص اپنی بیوی کو جتنی بار چاہتا طلاقیں دے دیتا اور پھر عدت کے دوران رجوع کرلیتا تو وہ اس کی بیوی رہتی۔ اگرچہ اس نے سو بار یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاقیں ہی کیوں نہ دی ہوتیں۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں تمہیں کبھی طلاق نہ دوں گا تاکہ تو مجھ سے جدا نہ ہوجائے لیکن اس کے باوجود تجھ سے کبھی نہیں ملوں گا۔ اس نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا وہ اس طرح کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اور پھر جب تمہاری عدت پوری ہونے والی ہوگی تو میں رجوع کرلوں گا۔ وہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور انہیں بتایا تو وہ خاموش رہیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہیں یہ واقعہ سنایا گیا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش رہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾

(طلاق دو ہی مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو قاعدے کے مطابق رکھ لو یا احسن طریقے سے چھوڑ دو) ابو کریب، محمد بن علاء، عبداللہ بن ادریس سے وہ ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے اسی کے ہم معنیٰ حدیث نقل کرتے ہیں لیکن اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ حدیث یعلیٰ بن شعیب کی حدیث سے اصح ہے۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی تحدید نہیں تھی، لوگ جتنی چاہتے تھے طلاقیں دیتے تھے بس شرط یہ تھی کہ عدت میں رجوع کر لے تو بیوی بچ جائے گی اور اگر عدت گزر گئی تو بیوی نکل گئی۔

زمانہ جاہلیت میں نکاح بھی تھا اور طلاق بھی اور دونوں پر عمل بھی ہوتا تھا شریعت نے ان کو مہذب بنا لیا بایں طور کہ محرمات کا بیان کیا جمع بین الاختین وغیرہما کو منع فرمایا اور چار سے زائد ازواج کو بیک وقت نکاح میں رکھنا ممنوع قرار دیا ہے گو کہ آپ ﷺ کے لیے چار سے زائد خصوصی طور پر جائز قرار دیدی اسی طرح طلاق کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے اس کے لیے بھی تعداد مقرر فرمائی تا کہ عورت کو بلا وجہ ضرر نہ پہنچایا جا سکے دو طلاق کے اندر مرد چاہے تو رجوع کر سکتا ہے لیکن عدت گزر جانے کے ساتھ یا تین کے واقع کرنے سے رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحدید طلاق کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی وجہ: تین سے کثرت کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ اقل جمع تین ہیں پس تین طلاقیں بہت ہو گئیں اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

دوسری وجہ: قیاس کا مقتضی یہ تھا کہ طلاق ایک ہی ہوتی مگر چونکہ طلاق کے بعد غور و فکر اور سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور بعض لوگوں کو بیوی کی قدر و قیمت جدائی کے بعد معلوم ہوتی ہے مشہور ہے قدر نعمت بعد زوال نعمت اس لیے ایک سے زیادہ طلاقیں مشروع کی گئیں تا کہ شوہر کے لیے سوچنے کا موقع رہے، اور اصل تجربہ ایک طلاق سے ہو جاتا ہے اور دو سے اس کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے تین کے بعد زمام اختیار ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ طَلَاقِ الْمَعْتُوْهِ

باب ۱۵: مجنون کی طلاق کا حکم

(۱۱۱۲) كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر طرح کی طلاق درست ہے ماسوائے اس شخص کے جو پاگل ہو اور اس کی عقل مغلوب ہو چکی ہو۔

بَابٌ

باب: اسی سے متعلق باب

(۱۱۱۳) كَانَ النَّاسُ وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَاَتَهٗ مَا شَآءَ اَنْ يُطَلِّقَهَا وَهِيَ امْرَاَتُهٗ اِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَاِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ اَوْ اَكْثَرَ حَتّٰى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَاَتِهٖ وَاللّٰهِ لَا اُطَلِّقُكِ فَتَبِيْنِيْنَ مِنِّيْ وَلَا آوِيْكِ اَبَدًا

قَالَتْ وَ كَيْفَ ذَاكَ قَالَ اُطَلِّقُكِ فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ اَنْ تَنْقَضِيَ رَاجَعْتُكِ فَذَهَبَتِ الْمَرْاَةُ حَتّٰى دَخَلَتْ عَلٰى عَائِشَةَ ﷞ فَاَخْبَرَتْهَا فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ ﷞ حَتّٰى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَاَخْبَرَتْهُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹)

ترجمہ: حضرت عائشہ ﷞ کہتی ہیں پہلے یہ ہوا کرتا تھا آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاہتا تھا طلاق دے دیتا وہ عورت پھر بھی اس کی بیوی رہتی تھی وہ جب چاہتا تھا اس کی عدت کے دوران اس سے رجوع کرلیا کرتا تھا اگر چہ اس نے اسے سومرتبہ بھی طلاق دی ہو یا اس سے بھی زیادہ دی ہو یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا اللہ کی قسم نہ تو میں تمہیں طلاق دوں گا کہ تم مجھ سے الگ ہو جاؤ اور نہ ہی میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا وہ خاتون بولی وہ کیسے؟ اس آدمی نے کہا میں تمہیں طلاق دوں گا جب تمہاری عدت ختم ہونے والی ہو گی تو میں تم سے رجوع کرلیا کروں گا وہ عورت گئی اور حضرت عائشہ ﷞ کی خدمت میں حاضر ہوئی حضرت عائشہ ﷞ کو اس بارے میں بتایا تو حضرت عائشہ ﷞ خاموش رہیں یہاں تک کہ جب نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ کو بتایا آپ ﷺ بھی خاموش رہے یہاں تک کہ قرآن کا یہ حکم نازل ہوا۔ طلاق دومرتبہ دی جائے گی پھر مناسب طریقے سے روک لو یا احسان کے ساتھ الگ کر دو۔"

زیر بحث باب کی روایت میں کل طلاق میں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے کیونکہ اگر اس کو حصر حقیقی پر محمول کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ بچہ کی طلاق واقع ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں۔

طلاق المعتوہ: باب کی روایت میں معتوہ سے مراد مجنون ہے معنی یہ ہوگا کہ مجنون کی طلاق بالاتفاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح نائم اور مغمی علیہ کی طلاق بھی واقع نہیں ہوئی۔

مذاہب فقہاء: سکران کی طلاق: سکران کی طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کے بارے میں اختلاف ہے۔

① حضرت سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، زہری، شعبی، امام اوزاعی، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک ﷭ یہ حضرات سکران کی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں، امام شافعی ﷫ کا اصح قول بھی اسی کے مطابق ہے، نیز امام احمد ﷫ کی بھی مرجوح روایت یہی ہے۔

② ابوالشعثاء، طاؤس، عکرمہ، قاسم، عمر بن عبدالعزیز، ربیعہ، لیث، امام اسحق اور مزنی ﷭ سکران کی طلاق کے عدم وقوع کے قائل ہیں امام احمد ﷫ کی راجح اور امام شافعی ﷫ کی مرجوح روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

امام طحاوی ﷫ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ج:۹ ص:۳۹۱) باب الطلاق فی الاغلاق۔

اعتراض: بظاہر ان معذورین اور سکران میں کوئی فرق نہیں۔ یہ کیا وجہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور مذکورہ معذورین کی طلاق واقع نہیں ہوتی؟

جواب: مجنون کے مغلوب العقل ہونے کا سبب غیر اختیاری ہے یہی حال ہے نائم وغیرہ کا بخلاف سکران کے کہ اس کے مغلوب العقل ہونے کا سبب اختیاری اور کسبی ہے۔

اعتراض: مسافر اگر چہ سفر معصیت میں ہو اس کو قصر کی رخصت حاصل ہے اسی طرح سکران کا فعل اگر چہ معصیت ہے لیکن اس کو بھی عدم وقوع طلاق کی وسعت حاصل ہونی چاہیے؟

جواب: قصر کی علت سفر ہے اور وہ معصیت کی حالت میں بھی موجود ہوتا ہے جبکہ سکران کے اندر طلاق کا مدار الفاظ طلاق پر ہے اور الفاظ طلاق موجود ہیں اس لیے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اعتراض: اگر طلاق کے وقوع کا اعتبار الفاظ طلاق پر ہے تو الفاظ طلاق نائم اور مجنون کی صورت میں بھی موجود ہیں؟

جواب: طلاق کے وقوع کا مدار اگرچہ الفاظ طلاق پر ہے لیکن یہ حکم مشروط ہے ساتھ ایک شرط کے۔ کہ الفاظ طلاق غیر مغلوب العقل سے صادر ہوئے ہوں۔ سکران اگرچہ مغلوب العقل ہے لیکن یہ غلبہ کسبی اور اختیاری ہے اس لیے یہ حکماً غیر مغلوب العقل ہے بخلاف نائم وغیرہ کے کہ ان کا غلبہ اختیاری نہیں۔ اس لیے سکران کی طلاق واقع ہو جائے گی اور نائم وغیرہ کی واقع نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا تَضَعُ

باب ۱۶: حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

(۱۱۱۴) وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِثَلَاثَةٍ وَّعِشْرِيْنَ اَوْ خَمْسَةٍ وَّعِشْرِيْنَ يَوْمًا فَلَمَّا تَعَلَّتْ تَشَوَّفَتْ لِلنِّكَاحِ فَأُنْكِرَ عَلَيْهَا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنْ تَفْعَلْ فَقَدْ حَلَّ اَجَلُهَا.

ترجمہ: حضرت ابو سنابل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سبیعہ نامی خاتون نے اپنے شوہر کی وفات کے تئیس دن یا شاید پچیس دن کے بعد بچے کو جنم دیا جب وہ نفاس سے پاک ہوئی تو اس نے نکاح کے لیے خود کو تیار کیا تو اس بات پر اعتراض کیا گیا اس بات کا تذکرہ آپ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ چاہے تو ایسا کر سکتی ہے کیونکہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے۔

(۱۱۱۵) اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ وَ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ تَذَاكَرُوا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا الْحَامِلُ تَضَعُ عِنْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَعْتَدُّ اٰخِرَ الْاَجَلَيْنِ وَقَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ بَلْ تَحِلُّ حِيْنَ تَضَعُ وَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَنَا مَعَ ابْنِ اَخِيْ يَعْنِيْ اَبَا سَلَمَةَ فَاَرْسَلُوْا اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الْاَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِيَسِيْرٍ فَاسْتَفْتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَتَزَوَّجَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بات پر بحث ہوگئی اگر کوئی حاملہ بیوہ عورت بچے کو جنم دے تو کیا حکم ہوگا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ عورت وہ عدت بسر کرے گی جو بعد میں ختم ہوگی حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جیسے ہی وہ بچے کو جنم دے گی اس کی عدت ختم ہو جائے گی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس بارے میں اپنے بھتیجے یعنی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں ان لوگوں نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا تو انہوں نے بتایا سبیعہ رضی اللہ عنہا نامی خاتون نے اپنے شوہر کی وفات کے کچھ عرصے بعد بچے کو جنم دیا تھا اور اس خاتون نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے اسے یہ ہدایت کی تھی کہ وہ شادی کر سکتی ہے۔

وہ عورت جس کے شوہر کا اس حال میں انتقال ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور یہ اجماعی متوفی عنھا زوجھا کی عدت کا بیان دو آیتوں میں مذکور ہے۔

(۱) سورۃ بقرہ کی آیت ﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ... الخ﴾ (البقرہ: ۲۳۴) اور سورہ طلاق کی آیت ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ﴾ (الطلاق: ۴) ان دونوں آیتوں کی روشنی میں متوفی عنھا زوجھا غیر حاملہ کی عدت متعین ہے یعنی چار مہینے دس دن اور حاملہ غیر متوفی عنھا زوجھا کی عدت بھی متعین ہے یعنی وضع حمل۔ ایک صورت میں تعارض ہے اور وہ یہ ہے کہ حاملہ متوفی عنہا زوجہا اس صورت میں سورت بقرہ کی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہو اور سورۃ طلاق کی آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہو۔ اور اس صورت میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

دلیل اوّل: باب کی روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا حاملہ متوفی عنہا زوجہا تھیں۔ ۲۳ یا ۲۵ دن بعد وضع حمل ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

دلیل ثانی: باب میں سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہم کے درمیان حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت مسئلہ زیر غور آیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی عدت ابعد الاجلین ہے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی عدت وضع حمل ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں پھر انہوں نے فیصلہ کے لیے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی وفات کے کچھ عرصہ بعد وضع حمل ہو گیا پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بارے میں مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اجازت دے دی اس سے ثابت ہوا کہ ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

دوسرا مسلک: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسی عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے گویا ان کے نزدیک اس تعارض کو ختم کرنے کی صورت تطبیق ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سورۃ طلاق والی آیت سورۃ بقرہ والی آیت کے لیے متعارض صورت میں ناسخ ہے جبکہ مذکورہ دو صورتوں میں ناسخ نہیں کیونکہ وہ متعارض نہیں ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مباہلہ کے لیے تیار ہوں اس بات پر کہ سورۃ نساء قصری یعنی سورۃ طلاق سورۃ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے اور ابعد الاجلین کا قول اختیار کرنے کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا والی روایت نہ پہنچی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کو نسخ کا علم نہ تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ عِدَّۃِ الْمُتَوَفّٰی عَنْھَا زَوْجُھَا

باب ۱۷: جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس پر عدت میں سوگ لازم ہے

(۱۱۱۶) قَالَتْ زَیْنَبُ دَخَلْتُ عَلٰی اُمِّ حَبِیْبَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ حِیْنَ تُوُفِّیَ اَبُوْھَا اَبُوْ سُفْیَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ بِطِیْبٍ فِیْهِ صُفْرَۃُ خَلُوْقٍ اَوْ غَیْرِہٖ فَدَھَنَتْ بِهٖ جَارِیَۃً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَیْھَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰہِ مَالِیْ بِالطِّیْبِ مِنْ

حَاجَةٍ غَيْرَ اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا.

ترجمہ: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی جب ان کے والد ابوسفیان بن حرب کا انتقال ہوا تھا انہوں نے خوشبو منگوائی جس میں زرد رنگ موجود تھا ایک کنیز نے اس میں تیل ملایا پھر حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وہ خوشبو اپنے رخساروں پر لگائی پھر انہوں نے بتایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے گی۔

(۱۱۱۷) قَالَتْ زَيْنَبُ فَدَخَلْتُ عَلٰى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَخُوْهَا فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا لِيْ فِي الطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا.

ترجمہ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں جب ان کے بھائی کا انتقال ہوا تو انہوں نے بھی خوشبو منگوائی اور لگائی پھر وہ بولیں اللہ کی قسم مجھے اس خوشبو کی ضرورت نہیں تھی لیکن میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک کرے گی۔

(۱۱۱۸) قَالَتْ زَيْنَبُ سَمِعْتُ اُمِّيْ اُمَّ سَلَمَةَ تقول جَائَتْ اِمْرَاَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَتِيْ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا اَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا مَرَّتَيْنِ او ثلاث مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَا ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا هِيَ اَرْبعةُ اَشْهُرٍ وعَشْرًا وقَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِيْ بِالْبَعْرَةِ عَلٰى رَاْسِ الْحَوْلِ.

ترجمہ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے اپنی والدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے ایک خاتون نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری بیٹی کا شوہر فوت ہو چکا ہے اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا ہم اسے سرمہ لگا دیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا دو یا شاید تین مرتبہ ہوا ہر مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو چار ماہ دس دن ہیں پہلے زمانہ جاہلیت میں کوئی عورت ایک سال گزرنے کے بعد مینگنی پھینکا کرتی تھی۔

باب کی حدیث میں عدت کا مسئلہ نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے جب یہ مسئلہ قرآن میں صراحتاً آ گیا تو اب حدیثوں میں کیوں لائے گا؟ بلکہ اس حدیث میں احداد یعنی سوگ کرنے کا مسئلہ ہے پس ممکن ہے باب میں احداد کا عدۃ ہو گیا ہو۔

جاننا چاہیے کہ مرد کے لیے تو سوگ کرنا قطعاً حرام ہے اس لیے کہ یہ بات مرد کے موضوع کے خلاف ہے، مرد کاروبار کرنے والا

رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے والا ہے، اگر وہ سوگ کرے گا یعنی عدت نیں بیٹھے گا تو زندگی کی گاڑی رک جائے گی البتہ عورتوں کے لیے سوگ کرنا جائز ہے پھر شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا واجب ہے اور شوہر کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار وفات پا جائے تو تین دن تک سوگ کرنا جائز ہے، اس سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔

احداد کی شرعی حیثیت کیا ہے، اور احداد کس پر ہے اور دو مذاہب ہیں:

مذاہب فقہاء: ① امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک احداد معتدۃ الوفات پر واجب ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ۔

② امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صغیرہ اور کتابیہ پر احداد واجب نہیں ہے۔

دلیل احناف: (۱) امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: **وفیہ لا یحل لامراۃ تؤمن باللہ** ان کے الفاظ سے بالغہ مؤمنہ کو خطاب کیا گیا ہے امراۃ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ احداد صغیرہ پر واجب نہیں تؤمن کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ مومنہ پر واجب ہے کافرہ پر واجب نہیں۔

(۲) مسلم ہی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے آئی ہے:

قالت کنا ننھی ان نحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشر ولا نکتحل ولا نتطیب ولا نلبس ثوبا مصبوغا وقد رخص للمراۃ فی طھرھا.... الخ۔

"فرماتی ہیں کہ ہمیں منع کیا کہ ہم خاوند کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائیں۔ مگر خاوند پر چار ماہ دس دن اور نہ ہم سرمہ لگائیں اور نہ ہم خوشبو لگائیں اور نہ ہم رنگے ہوئے کپڑے پہنیں تحقیق عورت کو اس کے طہر میں رخصت دی ہے۔"

اس روایت میں رخصت تحریم کے مقابلہ میں ہے جس کا حاصل یہ کہ اکتحال وغیرہ ناجائز ہے اور ترک زینت واجب ہے۔

(۳) مسلم ہی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں متوفی عنہا زوجھا کے لیے اکتحال کی اجازت طلب کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجازت نہ دینے کا ذکر ہے جو احداد کے وجوب پر دال ہے۔

مذکورہ بالا تمام تفصیل متوفی عنہا زوجھا کے بارے میں تھی جہاں تک مطلقہ کا تعلق ہے سو رجعیہ کے بارے میں تو ترک حداد متفق علیہ ہے البتہ مبتوتہ یعنی مطلقہ بائنہ یا مغلظہ کے کے بارے میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء: ① امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر بھی احداد واجب ہے، ابوثور، ابوعبید اور حکم رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

جب کہ جمہور کے نزدیک اس پر سوگ واجب نہیں اس لیے کہ شوہر نے اس کو طلاق دیکر وحشت زدہ کر دیا فلا تأسف علیہ۔

جواب: حضرات احناف جواباً فرماتے ہیں کہ سوگ کا وجوب نعمت نکاح کے فوت ہونے پر ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عدت کا دستور: یہ تھا کہ بیوہ کسی تنگ و تاریک کمرے میں بدترین کپڑے پہن کر سال بھر مقید رہتی تھی اور ہر طرح کی زینت سے احتراز کرتی تھی۔ نہاتی تک نہیں تھی۔ پھر سال پورا ہونے پر اس کو کبوتر کے مانند کوئی پرندہ دیا جاتا تھا جس کو وہ اپنی شرمگاہ پر ملتی تھی تا آنکہ وہ پرندہ مرجاتا تھا، پھر ٹوکری بھر کر مینگنیاں دی جاتیں تھیں جس کو وہ محلہ محلہ پھینکتی تھی، تب اس کی عدت پوری ہوتی تھی۔

مسئلہ: عذر کی صورت میں معتدہ رات میں سرمہ لگا سکتی ہے، اور تکلیف زیادہ ہو تو دن میں بھی لگا سکتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

عورت کو اجازت اس لیے نہیں دی تھی کہ آپ ﷺ کے خیال میں اس عورت کا مرض اس درجہ کا نہیں تھا کہ سرمہ لگانا ضروری ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمُظَاهِرِ یُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ یُّکَفِّرَ

باب ۱۸: ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے تو کیا حکم ہے؟

(۱۱۱۹) عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْمُظَاهِرِ یُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ یُّکَفِّرَ قَالَ کَفَّارَةٌ وَّاحِدَةٌ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے ظہار کرنے والے کی بابت نقل کرتے ہیں جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرلے آپ ﷺ نے فرمایا کفارہ ایک ہی ہوگا۔

تشریح: ظہار مشتق ہے ظہر سے بمعنی پیٹھ اور اصطلاح میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دے یا کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حرام ہو مثلاً: انت علی کظھر امی۔ ظہار زمانہ جاہلیت میں حرمت ابدی کا سبب تھا۔ لیکن اسلام نے اس کی حرمت ابدی کو ختم کردیا۔ جب حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا تو اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مسئلہ ظہار کی وضاحت کے لیے سورۃ المجادلۃ نازل فرمائی۔

"قال کفارۃ واحدۃ" ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور کا مذہب اسی حدیث کے مطابق ہے جیسا کہ ترمذی نے نقل کیا ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے قبل جماع کرنے کی صورت میں کفارہ ایک ہی ہوگا البتہ قبل التکفیر جماع منع ہے لہٰذا آدمی کو استغفار و توبہ کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ مرقات میں ہے۔

مسئلہ: اگر ہمیشہ کے لیے ظہار نہیں کیا کچھ مدت مقرر کردی، جیسے یوں کہا: سال بھر کے لیے یا چار مہینے کے لیے تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو جتنی مدت مقرر کی ہے اتنی مدت تک ظہار رہے گا، اگر اس مدت کے اندر صحبت کرنا چاہے تو کفارہ دیوے، اور اگر اس مدت کے بعد صحبت کرے تو کچھ نہ دینا پڑے گا، عورت حلال ہوجائے گی۔ (بہشتی زیور ۴:۵۹)

بَابُ مَا جَاءَ فِی کَفَّارَةِ الظِّهَارِ

باب ۱۸: ظہار کے کفارہ کا بیان

(۱۱۱۹) عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْمُظَاهِرِ یُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ یُّکَفِّرَ قَالَ کَفَّارَةٌ وَّاحِدَةٌ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے ظہار کرنے والے کی بابت نقل کرتے ہیں جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرلے آپ ﷺ نے فرمایا کفارہ ایک ہی ہوگا۔

(۱۱۲۰) اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ قَدْ ظَاهَرَ مِنْ اِمْرَاَتِهٖ فَوَقَعَ عَلَیْهَا فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ قَدْ ظَاهَرْتُ مِنْ زَوْجَتِیْ فَوَقَعْتُ عَلَیْهَا قَبْلَ اَنْ اُکَفِّرَ فَقَالَ وَمَا حَمَلَكَ عَلٰی ذٰلِكَ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ قَالَ رَاَیْتُ خَلْخَالَهَا فِیْ ضَوْءِ الْقَمَرِ

قَالَ فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰی تَفْعَلَ مَا اَمَرَكَ اللهُ بِهٖ.

ترجمہ: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا تھا پھر اس عورت کے ساتھ صحبت کر لی تھی اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا پھر میں نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس کے ساتھ صحبت بھی کر لی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تمہیں اس بات پر کس نے مجبور کیا؟ وہ بولا میں نے چاند کی روشنی میں اس کی پازیب دیکھ لی تھی آپ ﷺ نے فرمایا اب تم اس کے قریب نہ جانا جب تک تم وہ نہ کرو جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (یعنی کفارہ ادا نہ کر دو)۔

(۱۱۲۱) اَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْاَنْصَارِيِّ اَحَدَ بَنِيْ بَيَاضَةَ جَعَلَ امْرَاَتَهٗ عَلَيْهِ كَظَهْرِ اُمِّهٖ حَتّٰی يَمْضِيَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضٰی نِصْفٌ مِّنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا فَاَتٰی رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا اَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ اَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا اَجِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو اَعْطِهٖ ذٰلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَاْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا اَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا.

ترجمہ: ابوسلمہ اور محمد بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں بنو بیاضہ سے تعلق رکھنے والے حضرت سلمان بن صخر انصاری رضی اللہ عنہ نے رمضان گزرنے تک اپنی بیوی کو اپنی والدہ کی طرح قابل احترام قرار دیا جب نصف رمضان گزرا تو انہوں نے رات کے وقت اپنی اہلیہ کے ساتھ صحبت کر لی پھر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم ایک غلام آزاد کرو انہوں نے عرض کی وہ میرے پاس نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم لگاتار دو مہینے کے روزے رکھو انہوں نے عرض کی میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا آپ ﷺ نے فرمایا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ انہوں نے عرض کی میرے پاس اس کی بھی گنجائش نہیں ہے آپ ﷺ نے فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اسے یہ عرق دے دو۔

کفارہ ظہار کیا ہے؟

یہ اشیاء ثلاثہ ہیں ① غلام آزاد کرنا ② دو مہینے کے تتابع کے ساتھ روزے رکھنا ③ ۶۰ مساکین کو کھانا کھلانا۔

اعتراض: کفارہ ظہار کی اشیاء ثلاثہ میں ترتیب ضروری ہے یا اختیار ہے؟

جواب: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے اس کا ثبوت بطور اشارۃ النص کے ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترتیب ضروری نہیں بلکہ اختیار ہے۔

مسئلہ نمبر ۳: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرنا ہو یا روزے رکھنے ہوں تو کفارہ کی ادائیگی قبل المس ضروری ہے اگر درمیان میں مس ہو گیا تو اعادہ واجب ہوگا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اطعام میں ادائیگی قبل المس ضروری ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبل المس ادائیگی ضروری ہے وہ اس کو قیاس کرتے ہیں تحریر اور صیام پر اطعام مقیس ہے تحریر اور صیام

مقیس علیہ اور کفارہ علت ہے اور حکم ہے قبل المس ادائیگی کا ضروری ہونا تینوں صورتوں میں۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اطعام والی صورت میں قبل المس کی قید معتبر نہیں کیونکہ اصول یہ ہے کہ کتاب اللہ کا مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقیید پر۔ یہاں تحریر اور صیام مقید ہیں قبل المس کی قید کے ساتھ اور اطعام مطلق ہے قیاس کے ذریعہ اس کو مقید کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر ۴: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفارہ ظہار کے اندر غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے۔ وہ اس کو قیاس کرتے ہیں کفارہ قتل پر کہ جس طرح کفارہ قتل میں غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے اسی طرح یہاں بھی غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفار ظہار میں غلام کا مؤمن ہونا شرط نہیں کیونکہ کتاب اللہ میں اس کے ساتھ ایمان کی قید نہیں اور کفارہ قتل میں غلام کے ساتھ ایمان کی قید مذکور ہے لہٰذا مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقید اپنی تقید پر۔

مسئلہ نمبر ۵: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اطعام کی صورت میں ہر فقیر کے لیے کتنی مقدار کافی ہوگی اور دو مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر فقیر کو ایک صاع کھجور یا جو یا نصف صاع گندم دینا ہوگا۔

دلیل: ابوداؤد میں سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے متعلق روایت ہے: **و فیه فاطعم و سقا من تمر بین ستین مسکینا.** اس میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور سے ایک وسق خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور جہاں کھجور کا ایک صاع ہوتا ہے وہاں گندم کا نصف صاع ہوتا ہے جیسے صدقہ فطر میں مذکور ہوا۔

(۲) امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اطعام کی صورت میں ہر فقیر کو ایک مد گندم دینا ہوگا۔

دلیل: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ صاع دینے کا حکم دیا اور ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں لہٰذا پندرہ صاع ساٹھ مد ہوئے اور ہر فقیر کے حصہ میں ایک مد آیا۔

جواب ①: اصل حکم تو وسق ہی کا تھا جیسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مذکور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں اطعم ستین مسکینا فرما کر اسی کا حکم دیا تھا لیکن صحابی رضی اللہ عنہ نے جب لا اجد کہہ کر اپنی عدم استطاعت کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ موجود تھا ان کو دیدیا اس لحاظ سے ۱۵ صاع کا کافی ہو جانا ان کی خصوصیت ہے۔

جواب ②: ممکن ہے کہ یہ مقدار تصدق کے لیے دے دی گئی ہو اور باقی مقدار کو دین کے طور پر واجب فی الذمہ سمجھا گیا ہو جو وسعت ہونے پر دے دی جائے گی۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ۱۵ صاع میں اکتفاء نہیں کیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْاِیْلَاءِ

باب ۲۰: ایلاء کا بیان

(۱۱۲۲) اٰلٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ نِّسَائِهٖ وَحَرَّمَ فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا وَجَعَلَ فِی الْیَمِیْنِ كَفَّارَةً.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج کے ساتھ ایلاء کرلیا آپ ﷺ نے انہیں (اپنے لیے) حرام قرار دیا پھر آپ ﷺ نے اس حرام کو حلال کیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔

تشریح: ایلاء کا لغوی معنی ہے قسم اٹھانا اور اصطلاح میں ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھالے، چار ماہ یا زیادہ کے لیے۔ ایلاء کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

① کہ چار ماہ سے کم کے لیے ایلاء کرے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت ایلاء مکمل کرلی تو بیوی سے رجوع بھی ثابت ہوجائے گا اور کفارہ یمین بھی لازم نہیں ہوگا جیسے نبی ﷺ نے ازواج سے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا۔ جب انہوں نے نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ کیا تھا اور ایک ماہ مکمل ہونے پر ایلاء ختم کردیا تھا اگر ایک ماہ سے پہلے ایلاء ختم کردیا تو کفارہ یمین لازم ہوگا۔

② یہ کہ چارہ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے لیے ایلاء کیا جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ سے قبل ایلاء ختم کردیا تو کفارہ یمین لازم ہوگا اور بیوی سے رجوع ثابت ہوجائے گا اور اگر چار ماہ مکمل ہوگئے اور ایلاء ختم نہ کیا تو اس صورت میں فرقت خود یا قاضی سے واقع ہوجائے گی۔

مذاہب فقہاء: چار ماہ مکمل ہونے پر فرقت خود یا قضاء قاضی سے واقع ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں۔

① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار ماہ مکمل ہونے سے خود بخود طلاق بائن واقع ہوجائے گی قضاء قاضی کی حاجت نہیں۔

دلیل: امام صاحب کا استدلال حضرات عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے آثار سے ہے۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک چارہ ماہ مکمل ہونے پر خوبخود طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ تفریق کے لیے قضاء قاضی کی حاجت ہے۔

دلیل: ان کا استدلال قرآن کی آیت ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ... الخ﴾ (البقرہ:۲۲۶) سے ہے اس آیت میں چار ماہ گزرنے کے بعد عزم طلاق کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض مضیٰ مدت سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ عزم طلاق ضروری ہے۔

جواب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے انقضاء الاربعۃ عزیمۃ کہ چار ماہ کا مکمل ہونا ہی عزم طلاق ہے اس کے بعد جدید عزم کی ضرورت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اللِّعَانِ

باب ۲۱: لعان کا بیان

(۱۱۲۳) سُئِلْتُ عَنِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فِي إِمَارَةِ مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُولُ فَقُمْتُ مَكَانِي إِلَى مَنْزِلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ إِسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ فَقِيلَ لِي إِنَّهُ قَائِلٌ فَسَمِعَ كَلَامِي فَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ أُدْخُلْ مَا جَاءَ بِكَ إِلَّا حَاجَةٌ قَالَ فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بَرْدَعَةَ رَحْلٍ لَهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُتَلَاعِنَانِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ نَعَمْ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ أَحَدَنَا رَأَى امْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ قَالَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ابْتُلِيتُ بِهِ

فَأَنْزَلَ اللهُ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ الَّتِي فِي سُوْرَةِ النُّوْرِ ﴿وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ﴾ حَتّٰى خَتَمَ الْاٰيَاتِ فَدَعَا الرَّجُلَ فَتَلَا الْاٰيَاتِ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ وَذَكَّرَهُ وَاَخْبَرَهُ اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ فَقَالَ لَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا ثُمَّ ثَنّٰى بِالْمَرْاَةِ فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا وَاَخْبَرَهَا اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ فَقَالَتْ لَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا صَدَقَ قَالَ فَبَدَاَ بِالرَّجُلِ فَشَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ ثُمَّ ثَنّٰى بِالْمَرْاَةِ فَشَهِدَتْ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھ سے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے دوران دولعان کرنے والوں کے بارے میں دریافت کیا گیا کیا ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادی جائے گی تو مجھے سمجھ نہیں آئی میں کیا جواب دوں؟ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر گیا جب میں نے ان کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی تو مجھ سے کہا گیا وہ آرام کررہے ہیں لیکن وہ میری آواز سن چکے تھے انہوں نے فرمایا ابن جبیر ہو؟ تم اندر آجاؤ تم اس وقت کسی کام سے آئے ہوگے؟ راوی بیان کرتے ہیں میں اندر آیا تو وہ اس وقت اونٹ پر ڈالی جانے والی چادر بچھا کر آرام کررہے تھے میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن کیا لعان کرنے والوں کے درمیان علیحدگی کروادی جائے گی؟ انہوں نے فرمایا سبحان اللہ جی ہاں اس بارے میں سب سے پہلے فلاں بن فلاں نے سوال کیا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے؟ اگر ہم میں سے کوئی ایک شخص اپنی بیوی کو زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ کیا کرے؟ اگر وہ بات کرتا ہے تو وہ ایک بڑا الزام لگاتا ہے اور اگر وہ خاموش رہتا ہے تو وہ ایک بڑی زیادتی پر خاموش رہتا ہے راوی بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اس کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کے بارے میں دریافت کیا تھا اس میں اب مبتلا ہوگیا ہوں (راوی کہتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کی تھیں جو سورۃ نور میں ہیں۔

وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس صرف ان کی اپنی ذات گواہ ہوتی ہے یہ پوری آیات ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور اس کے سامنے یہ آیت تلاوت کی تھیں آپؐ نے اسے وعظ و نصیحت کی اور اسے بتایا دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے تو وہ بولا نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے میں نے اس عورت پر کوئی جھوٹا الزام نہیں لگایا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو بلایا اور اسے وعظ و نصیحت کی اور اسے بتایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے تو وہ بولی نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے اس نے سچ نہیں کہا۔

(۱۱۲۴) لَاعَنَ رَجُلٌ اِمْرَاَتَهُ وَفَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْاُمِّ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ لعان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان علیحدگی کروادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بچے کو اس کی ماں سے منسوب کردیا۔

تشریح: لعان، لعن سے ماخوذ ہے دھتکارنے اور دور کرنے کے معنی میں آتا ہے اصطلاحاً حنفیہ کے نزدیک "الشھادات المو کدات

بالایمان" کو کہتے ہیں جبکہ شوافع کے نزدیک "الایمان المؤکدات بالشھادات" کو کہا جاتا ہے چونکہ اس عمل میں لفظ "لعن" استعمال ہوتا ہے اس لیے اسے لعان کہتے ہیں۔

لعان کا مسئلہ ایلاء کے مسئلے کے برعکس ہے: یہ مسئلہ سورۃ النور آیات ۶۔۹ میں تفصیل سے آیا ہے اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو گواہوں سے اس کو ثابت کرے، اور نہ کر سکے تو حکم یہ ہے کہ زوجین باہم لعان کریں یعنی چند موکد قسمیں کھائیں بایں طور کہ پہلے مرد چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ یقیناً سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی پھٹکار! پھر عورت چار مرتبہ قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب نازل ہو۔

مذاہب فقہاء: ① امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب لعان ہو جائے تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کر دے۔

② اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک خود بخود طلاق ہو جائے گی یعنی لعان کا مسئلہ ایلاء کے مسئلے کے برعکس ہے۔

حنفیہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے جو تفریق بعد للعان پر صریح ہے، شافعیہ کہتے ہیں کہ عورت کا لعان تو صرف اپنے آپ سے حد زنا دفع کرنے کے لیے ہے جبکہ اصل لعان مرد کا معتبر ہے کہ وہ اس کے ذریعہ نفی نسب ولد اور نفی فراش کرنا چاہتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ لعان سے جو فرقت حاصل ہو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) طرفین کے نزدیک لعان سے حاصل شدہ فرقت طلاق بائن کے حکم میں ہوگی اور جب تک لعان برقرار رہو دوبارہ نکاح صحیح نہیں اگر کوئی ایک اپنی تکذیب کر دے تو نکاح جائز ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے: "وفیه فطلقها ثلاثا قبل ان یأمره رسول الله ﷺ" اس روایت میں مذکور ہے کہ عویمر کے طلاق دینے پر نبی ﷺ نے سکوت کیا۔ آپ ﷺ کا اس موقع پر سکوت فرمانا طلاق کو نافذ قرار دینا ہے۔ اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی بطور نیابت کے تفریق کرادے گا جو طلاق کے حکم میں ہوگی کما فی العنین۔ چونکہ اس تفریق کا سبب فعل زوج ہے اس لیے یہ طلاق کے حکم میں ہوگی اور طلاق سے حرمت ابدی ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک لعان بغیر طلاق کے حرمت ہے اور یہ حرمت ابدی ہے۔

دلیل: ان کا استدلال دار قطنی میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے وفیه المتلاعنان اذا تفرقا لا تجتمعان ابدا۔

جواب: اس روایت میں متلاعنان کا حقیقی معنی تو مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ وصف تلاعن کے ساتھ موصوف ہونا حالت مباشرت میں ہوتا ہے (مباشر لعنت) لعان سے فراغت کے بعد وہ متلاعنان نہیں رہے لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ صفت لعان کے ساتھ متصف ہوں ان میں اجتماع نہیں ہو سکتا لیکن جب احد الزوجین نے اپنی تکذیب کر دی تو لعان باقی نہ رہا جب لعان نہ رہا تو حرمت اجتماع بھی نہ رہی لہٰذا نکاح ہو سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَيْنَ تَعْتَدُّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا

باب ۲۲: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے وہ عدت کہاں گزارے؟

(۱۱۲۵) اَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ اُخْتُ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ اَخْبَرَتْهَا اَنَّهَا جَاءَتْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ

تَسْأَلُهُ اَنْ تَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِهَا فِیْ بَنِیْ خُدْرَةَ وَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِیْ طَلَبِ اَعْبُدٍ لَهُ اَبَقُوْا حَتّٰی اِذَا کَانَ بِطَرْفِ الْقُدُوْمِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِیْ فَاِنَّ زَوْجِیْ لَمْ یَتْرُكْ لِیْ مَسْکَنًا یَمْلِکُهُ وَلَا نَفَقَةَ قَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ قَالَتْ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰی اِذَا کُنْتُ فِی الْحُجْرَةِ اَوْفِی الْمَسْجِدِ نَادَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْاَمَرَ بِیْ فَنُوْدِیْتُ لَهُ فَقَالَ کَیْفَ قُلْتِ قَالَتْ فَرَدَدْتُ عَلَیْهِ الْقِصَّةَ الَّتِیْ ذَکَرْتُ لَهُ مِنْ شَاْنِ زَوْجِیْ قَالَ اُمْکُثِیْ فِیْ بَیْتِكِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِیْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا.

ترجمہ: حضرت زینب بنت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں فریعہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں انہوں نے انہیں بتایا ہے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آپ ﷺ سے درخواست کریں کہ وہ اپنے اہل خانہ کے پاس بنو خدرہ میں چلی جائیں چونکہ ان کے شوہر اپنے چند مفرور غلاموں کی تلاش میں گئے تھے اور طرف قدوم کے پاس جب وہ ان غلاموں تک پہنچے تو غلاموں نے انہیں قتل کر دیا تھا وہ خاتون بیان کرتی ہیں میں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ کیا میں اپنے میکے واپس چلی جاؤں چونکہ میرے شوہر نے میرے لیے رہائش کی کوئی جگہ نہیں چھوڑی جس کے وہ مالک ہوتے اور نہ ہی خرچ چھوڑا ہے وہ خاتون کہتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ خاتون میں وہاں سے واپس مڑی ابھی میں حجرے میں تھی یا شاید مسجد میں پہنچی تھی آپ ﷺ نے مجھے آواز دی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) آپ ﷺ کے حکم کے تحت مجھے بلایا گیا آپ ﷺ نے دریافت کیا تم نے کیا بیان کیا تھا وہ خاتون کہتی ہیں میں نے آپ ﷺ کے سامنے پورا واقعہ دوبارہ سنایا جو میں نے اپنے شوہر کے بارے میں آپ ﷺ کے سامنے ذکر کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنے گھر میں ہی رہو یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے وہ خاتون کہتی ہیں پھر میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن تک عدت بسر کی وہ خاتون کہتی ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا تو انہوں نے مجھے پیغام دے کر مجھ سے اس بارے میں دریافت کیا تو میں نے انہیں اس بارے میں بتایا تو انہوں نے اس کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ دیا۔

تمام ائمہ رحمہم اللہ متفق ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا شوہر کے ساتھ اس کی زندگی میں جہاں رہتی تھی وہیں عدت گزارے گی اور اس کے لیے سکنی اور نان ونفقہ نہیں۔ وہ اپنا خرچا خود برداشت کرے گی اور کھانے پینے کے لیے کچھ نہ ہو تو دن میں جا کر کما سکتی ہے اور مجبوری ہو مثلاً مکان کرائے کا ہو یا عاریت پر ہو اور مالک مکان خالی کرنے پر اصرار کرے یا کرایہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اس جیسی کوئی مجبوری ہو تو پھر عورت میکے میں جا کر عدت گزار سکتی ہے یا جہاں ممکن ہو عدت گزارے دور اول میں اس مسئلہ میں اختلاف تھا بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے عدت گزارے، مگر بعد میں یہ اختلاف ختم ہو گیا اب اتفاق ہے کہ شوہر کے ساتھ اس کی زندگی میں عورت جہاں رہتی تھی وہیں عدت گزارے۔

اَبْوَابُ الْبُیُوْعِ

لین دین کے بیان میں

بیوع: بیع کی جمع ہے اس کے مشہور معنی ہیں کہ بیچنا، خریدنا مگر یہاں عام معاملات مراد ہیں خواہ خرید وفروخت سے ان کا تعلق ہو یا دیگر معاملات ہوں سبھی ابواب البیوع ہیں اور ان ابواب کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور درمیان میں ابواب الاحکام یعنی ابواب القضاء آئے ہیں۔

عام طور پر محدثین حضرات کتاب البیوع اور کتاب الصلوۃ وغیرہ کا عنوان قائم کرتے ہیں اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب کا عنوان کیا قائم کیا اور آگے بھی ابواب کا عنوان قائم کریں گے تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے اور **لا مناقشة في الاصطلاح**.

اشکال: بیوع بیع کی جمع ہے اور بیع مصدر ہے اور قاعدہ ہے: **المصدر لا یثنی ولا یجمع**؟

جواب: اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بیع ذو اقسام کثیرہ ہے **بحثیة مختلفة بجهات مختلفة**، ثمنوں کے اعتبار سے بیع کی کئی قسمیں ہیں۔

اور **عن رسول الله ﷺ** سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس باب کے اندر اصالۃً اور قصداً احادیث مرفوعہ کا بیان ہوگا لیکن ضمناً اور تبعاً آثار صحابہ وغیرہ کا بھی بیان ہوگا۔

فائدہ: معاملات کی درستگی نہایت ضروری ہے اس پر عبادتوں کی قبولیت کا مدار ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کی فقہ میں بہت تصنیفات ہیں پس کیا آپ نے تصوف میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ امام محمد نے فرمایا: مبسوط کی کتاب البیوع میں نے تصوف میں لکھی ہے" اس لیے کہ تمام عبادتوں کی قبولیت کا مدار اکل حلال پر ہے اور اکل حلال کا مدار احکام معاملات کے جاننے پر ہے۔ اس قول سے بیوع (معاملات) کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فائدہ: کہ معاملات کے سلسلہ میں احادیث تھوڑی ہیں اور عبادات: طہارت نماز روزہ زکوۃ اور حج وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث بہت ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کو شریعت نے مشروع کیا ہے جاہلیت کے لوگ ان سے نابلد تھے۔ طہارت کا تو ان میں تصور ہی نہیں تھا اور نماز ان کی سیٹیاں اور تالیاں تھیں ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً﴾ (الانفال: ۳۵) یعنی ان کی نماز کعبہ شریف کے پاس سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہے یہی حال دیگر عبادتوں: زکوۃ روزے اور حج کا تھا پس گویا ان عبادتوں کو شریعت ہی نے مشروع کیا ہے اس لیے ان کی تفصیلات ناگزیر تھیں اور معاملات دنیا میں لوگ پہلے سے کرتے چلے آرہے تھے اس

لیے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں تھی البتہ کچھ ضابطے بیان کرنے ضروری تھے اور جو معاملات بالکلیہ حرام تھے جیسے سود، جوا، شراب وغیرہ ان کی ممانعت ضروری تھی اور جن معاملات میں دھوکا تھا ان کی وضاحت ضروری تھی چنانچہ شریعت نے ان معاملات کو حرام کیا اور باقی معاملات کو برقرار رکھا اور ان میں جو ناجائز پہلو تھے ان سے منع فرمایا۔ اس وجہ سے معاملات کی روایتیں کم ہیں، اور وہ اصولی رنگ لئے ہوئے ہیں اس لیے ان کو غور سے پڑھنا ضروری ہے یہاں ابواب البیوع کے شروع میں تمہیدی روایات ہیں پھر تفصیلی روایات آئیں گی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَرْكِ الشُّبُهَاتِ

باب ۱: مشتبہ چیزوں سے بچنے کا بیان

(۱۱۲۶) اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذٰلِكَ اُمُوْرٌ مُّشْتَبِهَاتٌ لَا يَدْرِيْ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَمِنَ الْحَلَالِ هِيَ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ فَمَنْ تَرَكَهَا اِسْتِبْرَاءً لِّدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ فَقَدْ سَلِمَ وَمَنْ وَّاقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَ الْحَرَامَ كَمَا اِنَّهٗ مَنْ يَّرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهٗ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور ہیں جو مشتبہ ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ کیا وہ حلال سے تعلق رکھتے ہیں یا وہ حرام سے تعلق رکھتے ہیں جو شخص انہیں ترک کر دے گا وہ اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لے گا اور سلامت رہے گا لیکن جو شخص ان میں سے کسی چیز میں مبتلا ہو گا تو امکان یہی ہے وہ حرام میں مبتلا ہو جائے جیسا کہ جو شخص (سرکاری) چراگاہ کے ارد گرد (جانور) چرا رہا ہو تو اس بات کا امکان موجود ہوتا ہے وہ (یعنی اس کا جانور) اس میں داخل ہو جائیں یا درکھنا ہر بادشاہ کی مخصوص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔

فائدہ: ابواب البیوع کا عنوان قائم کرنے کے بعد باب قائم کیا باب ترک الشبہات ترک شبہات کی اہمیت کو بتلانے کے لیے کہ یہ بہت اہم ہے حتیٰ کہ اس کو ثلث اسلام قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ دین کے تین حصے ہیں: ① عقائد ② اعمال ③ معاملات۔ شبہات عام طور پر معاملات میں پیدا ہوتے ہیں اور معاملات ثلث دین میں ہیں اس لیے اس کو ثلث اسلام قرار دیا ہے۔

بیع کی تعریف: "بیوع" بیع کی جمع ہے فتح القدیر میں ہے کہ اس کے معنی لغوی وشرعی ایک ہیں مبادلۃ المال بالمال بالتراضی.

بیع کی شرائط اور حکم:

اس کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عاقدین ممیز ہوں۔ **دوم:** یہ کہ مبیعہ مال متقوم مقدور التسلیم ہو۔ **سوم:** یہ کہ عاقد کو اس کی حقیقت بھی معلوم ہونی چاہیے کہ بیع کے بعد اس کی ملک ختم ہو جائے گی۔ اس کا حکم ملک ہے کہ بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا اور مشتری مبیعہ کا۔

بیع کی انواع:

اس کی کل اقسام تو بیس سے متجاوز ہیں تاہم باعتبار مبیع وثمن کے آٹھ قسمیں ہیں چار باعتبار مبیع کے اول سامان بمقابلہ سامان اس کو

مقائضہ کہتے ہیں دوم بیع العین بالدین جو مطلق بولا جائے تو مراد یہی قسم ہوتی ہے سوم اس کے برعکس یعنی بیع الدین بالعین یہ بیع سلم ہے چہارم بیع الدین بالدین اس کو صرف کہتے ہیں اور باعتبار ثمن کے چار اقسام ہیں:

① **مساومہ:** جس میں سابقہ قیمت کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ ② **مرابحہ:** جو ثمن اول سے زیادہ قیمت پر دے۔ ③ **تولیہ:** جو ثمن اول کے مطابق ہو۔ ④ **وضعیہ:** جو ثمن اول سے کم میں ہو پھر ثمن وہ ہے جو عاقدین کے درمیان طے پائے اور قیمت مارکیٹ کے ریٹ کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث نہایت اہم ہے اور ایک اصولی ہدایت اپنے جلو میں لیے ہوئے ہے امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ صاحب سنن نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چار ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جو حفاظت وعدم وقبولیت کا مدار صحیح اور فاسد نیت پر ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا وہی صلہ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے مثلاً ہجرت ایک عمل ہے اگر ہجرت کرنے والے کی نیت صحیح ہے تو اس کی ہجرت مقبول ہے ورنہ اس کی ہجرت پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث: من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ یعنی آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں سے کنارہ کش ہو جائے بے کار باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے یہی بہترین مسلمان ہے۔

تیسری حدیث: لایکون المؤمن مومنا حتی یرضی لأخیہ مایرضاہ للنفسہ یعنی آدمی صحیح معنی میں مومن اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے وہی باتیں پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

چوتھی حدیث: الحلال بین: اس حدیث میں مؤمن کا ایک خاص مزاج بنایا گیا ہے۔ مؤمن کا مزاج یہ ہونا چاہیے کہ وہ محتاط زندگی گزارے۔ فرمایا حلال واضح ہے پس اسے بے تکلف اختیار کرو اور حرام بھی واضح ہے پس اس کے قریب بھی مت جاؤ اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ مشتبہ چیزیں کیا ہیں؟ اس کی تفصیل ادھر ادھر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اسی حدیث کے اگلے جملہ میں اس کی وضاحت ہے فرمایا جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال میں سے ہیں یا حرام میں سے؟ یہی مشتبہ امور ہیں۔

فائدہ: یہ حدیث عام ہے سارے ہی دین سے اور تمام ابواب فقہیہ سے اس کا تعلق ہے لیکن ابواب البیوع کے شروع میں خصوصی طور پر یہ حدیث اس لیے لائی گئی ہے کہ معاملات کی اہمیت واضح ہو لوگ عام طور پر مال کے حریص ہوتے ہیں ہر طرح سے ہاتھ مارتے ہیں اس لیے معاملات میں احتیاط کرنا ان کے لیے سخت دشوار ہوتا ہے پس اس حدیث کے ذریعہ تنبیہ کی کہ معاملات میں خاص طور پر آدمی کو احتیاط برتنی چاہیے۔

تشریح: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذٰلِكَ اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ. یعنی حلال چیزیں بھی واضح ہیں اور حرام اشیاء بھی ظاہر ہیں پھر یہ حل وحرمت عام ہے چاہے احد النصین سے ہوں یا مجتہدین کے اجتہاد سے ہو **وبین ذلك** یعنی مذکور کے درمیان صحیحین کی روایت میں **وبینھما** کا لفظ ہے یعنی حلال وحرام کے درمیان امور مشتبھات ایسے امور ہیں جن میں اشتباہ وشبہ پایا جاتا ہے یہ لفظ تین طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

① **مفتعلات** کے وزن پر یعنی بکسر العین کیونکہ باب افتعال متعدی الی المفعول نہیں ہوتا ہے لہٰذا کسرہ متعین ہوا۔

② بروزن **مفعلات** اس میں بھی عین مکسور ہے لیکن مشدد ہے۔

③ مفعلات دوم کی طرح لیکن عین مفتوح ہے جبکہ بعض نے باب افعال سے بھی بنایا ہے اول کے معنی ہیں جس نے حلال وحرام دونوں سے شبہ اخذ کیا ہو یعنی جب ایک جانب دیکھا جائے تو حلال لگے اور جب دوسرے جانب دیکھا جائے تو حرام لگے جبکہ دوسری قرات میں نسبت مجازی ہے کہ دونوں سے مشابہ لگیں مآل سب کا ایک ہی ہے۔

شبہات: شبھة کی جمع ہے جیسے غرفات غرفة کی جمع ہے اور مراد اس سے امور مشتبہ ہیں مسلمانوں کو چاہیے وہ ان کاموں کو چھوڑ دیں جو مشتبہات ہیں۔

حلال بین: وہ ہے کہ جس میں صرف دلیل حلت ہو دلیل حرمت نہ ہو۔

حرام بین: وہ ہے کہ جس میں صرف دلیل حرمت ہو دلیل حلت نہ ہو اور امور مشتبہات کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن مشہور چار قول ہیں۔

پہلا قول: امور مشتبہات وہ امور ہیں کہ جن میں دلیل حلت بھی ہو اور دلیل حرمت بھی ہو اور ان دونوں کا آپس میں تعارض بعض کو بعض پر ترجیح نہ ہو جیسے سؤر حمار۔

دوسرا قول: وہ مسائل اختلافیہ بین المجتہدین ہیں کہ جن میں کسی مجتہد کے پاس کوئی نص نہ ہو اور اجماع بھی نہ ہو بلکہ ہر مجتہد کے پاس اپنا اپنا قیاس ہو۔

قول ثالث: اُمور مشتبہات کا مصداق مکروہات تنزیہیہ ہیں۔

چوتھا قول: بعض امور مباحہ مراد ہیں اس قول رابع پر یہ سوال ہوگا کہ حدیث پاک میں اُمور مشتبہات کا حکم ترک بیان کیا گیا ہے اور امور مباحہ کا حکم تو ترک نہیں ہے تو کن امور مباحہ کو مشتبہات کا مصداق قرار دیا جا رہا ہے۔

جواب: علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان امور مباحہ سے مراد مطلق اُمور مباحہ نہیں ہیں بلکہ وہ بعض اُمور مباحہ مراد ہیں کہ جن کا ارتکاب مفضی ہو مکروھات تنزیہیہ کی طرف اور مکروہات تنزیہیہ کا ارتکاب مفضی ہوتا ہے مکروہات تحریمیہ کی طرف اور مکروہات تحریمیہ یہ واجب الترک ہیں جیسا کہ حرام واجب الترک ہے باقی راجح قول اول اور قول ثانی ہے اور قول ثالث اور رابع یہ دونوں مرجوح ہیں اس لیے کہ ان میں اشتباہ کا معنی کما ینبغی نہیں پایا جاتا اول اور ثانی میں کما ینبغی پایا جاتا ہے۔

سوال: یہ ترک آیا بطور وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے ہے؟

جواب: اجمالی بیان یہ ہے کہ بعض صورتوں میں بطور استحباب کے ہوگا اور بعض صورتوں میں بطور وجوب کے ہوگا۔

تفصیل: یہ ہے کہ یہ اشتباہ دو حال سے خالی نہیں اشتباہ غیر مجتہد کو ہوگا یا مجتہد کو ہوگا اگر اشتباہ غیر مجتہد کو ہو تو دو حال سے خالی نہیں اس کا سبب عدم معرفت فی الحکم ہے تو ترک واجب ہے اور اگر مفتیان کا اختلاف ہو بشرطیکہ مفتیان علم، تقویٰ، ورع میں برابر ہوں تو ترک بطور استحباب کے ہوگا اور اگر اشتباہ مجتہد کو ہوا تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں اشتباہ کا سبب عدم اجتہاد ہوگا یا ادلہ کا تعارض ہوگا اگر سبب عدم اجتہاد ہے یعنی غور وفکر ہی نہیں کیا تو ترک واجب ہے اور اگر سبب تعارض ادلہ ہے تو پھر دیکھا جائے گا ادلۃ اباحت کو ادلۃ حرمت پر ترجیح ہوگی یا نہیں، اگر ادلۃ اباحت کو ادلۃ حرمت پر ترجیح ہو تو ترک مستحب ہوگا اور اگر ادلۃ اباحت کو ادلہ حرمت پر ترجیح نہ ہو تو ترک واجب ہوگا اس لیے کہ حرمت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے الغرض اُمور مشتبہ کا حکم اس صورت میں چھوڑ دینا بتایا گیا ہے خواہ بطور استحباب

کے ہو یا بطور وجوب کے ہو۔

اعتراض: ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ الحلال ما احل اللہ والحرام ما حرم اللہ وما سکت عنہ فھو عفو کہ وہ معافی کے درجہ میں ہے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امور مشتبہات کا حکم ترک ہے اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ مسکوت عنہ کے درجے میں ہے حکم ترک نہیں ہے؟

جواب ①: ترمذی کی روایت میں امور مشتبہ کا حکم بیان ہے اور ابوداؤد کی روایت میں امور مسکوت عنہ کے حکم کا بیان ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت بڑی خلیج حائل ہے امور مشتبہ وہ ہیں کہ جن میں دلائل حلت بھی ہوں اور دلائل حرمت بھی ہوں اور امور مسکوت عنہا وہ ہیں کہ جن میں نہ دلائل حلت ہوں اور نہ دلائل حرمت ہوں۔

جواب ②: اگر تعارض کو تسلیم کر لیا جائے کہ جو امور مشتبہ ہیں وہی امور مسکوت عنہا ہیں تو پھر جواب یہ ہے کہ ترمذی شریف کی روایت میں یہ جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ بطور عظمت کے ہے بطور تقویٰ اور ورع کے ہے اور ابوداؤد کی روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ رخصت کے درجے میں ہے۔ والراجح ھو اللاول

فائدہ: حدیث کے آخری حصہ میں تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جو چوہدری ہوتے تھے وہ اپنے جانوروں کے لیے چراہ گاہ متعین کر لیتے تھے دوسرے کے جانور کے داخلے کو اس سے ممنوع قرار دیا جاتا تھا اگر کسی کا جانور داخل ہو جاتا تو سخت سزا دی جاتی تھی اور بعض اوقات لڑائی چھڑ جاتی جو کافی عرصے تک رہتی اس لیے لوگ اپنے جانوروں کو چراتے ہوئے بہت احتیاط کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں جانور چراہ گاہ میں داخل نہ ہو جائیں جس طرح سردار کے عذاب سے بچنے کے لیے سرداروں کی چراہ گاہ کے قریب ہی نہیں چراتے تھے اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ امور مشتبہات سے بچیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے حرام تک پہنچ جائیں اور محرمات یہی اللہ کی چراہ گاہ ہیں جس طرح ان چراہ گاہوں میں پہنچنا موجب سزاء ہے اسطرح اللہ کی چراگاہ یعنی محارم میں پہنچنا یہ بھی موجب سزا ہے فرق اتنا ہے کہ بادشاہوں کی چراگاہوں میں بادشاہوں کا فائدہ ہوتا ہے اور اللہ کی چراگاہ میں بندوں ہی کا فائدہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اَكْلِ الرِّبٰو

باب ۲: سود کھانا

(۱۱۲۷) لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبٰو وَمُوْكِلَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهٗ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہوں اور لکھنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

تشریح: آکل سے مراد لینے والا ہے خواہ پھر کھائے یا دوسرے طریقہ سے استعمال میں لائے مگر کھانا چونکہ اہم نفع ہے اس لیے اسے اکل سے تعبیر کیا اسی طرح موکل سے مراد دینے والا ہے گویا اول سے مراد بائع ہے اور موکل سے مشتری مراد ہے وشاھدہ وکاتبہ یہ اس لیے ملعون ہے کہ معصیت میں تعاون کرتے ہیں: قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ربوا میں ان سب شرکاء پر لعنت کی گئی ہے لیکن یہ مساوات نفس لعنت میں جبکہ اس کے درجات

متفاوت ومختلف ہیں کہ سب کی جنایت برابر نہیں لہٰذا سود کھانے والا سب سے زیادہ ملعون ہے اور موکل اگر نہ چاہتے ہوئے اور بچنے کی پوری کوشش کرتا ہوا کوئی اور چارہ نہیں پاتا ہے تو اس کا جرم وگناہ نسبتاً خفیف ہے اسی طرح شاھدین اور کاتب بھی ہیں۔

ربوا کیا ہے اور کیوں حرام ہے؟

ربوا لغت میں فضل وزیادتی کو کہتے ہیں شریعت کی اصطلاح میں وہ زیادتی جو خالی عن العوض اور مشروط فی العقد ہو ربوا اور سود کہلاتا ہے مثلاً ایک کلو گندم کے بدلہ ڈیڑھ کلو یا سو روپیہ قرض اس شرط پر دے کہ مقروض مقرض کو سود سے زیادہ ادا کرے گا پھر یہ شرط خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً مثلاً بینک سے پیسے بطور قرض وصول کرے یا گاڑی وغیرہ خریدے تو اگرچہ زبانی طور پر زیادتی کی شرط نہ لگائیں تو بھی وہ مشروط اور سود ہی ہے کیونکہ المعروف کالمشروط اور بینکوں کا نظام، اسی عرف پر چلتا ہے اس کی حرمت پر متعدد آیت واحادیث ناطق ہیں اور امت کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے علاوہ ازیں یہ شریعت کے مزاج کے بھی خلاف ہے کہ شریعت مواسات اور ہمدردی پر زور دیتی ہے جبکہ سودی نظام میں غریب غریب تر ہوجاتا ہے اور امیر امیر تر نیز اس نظام میں مجبور کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو شرعاً مذموم وقبیح ہے۔

سوال: بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے صرف سود مرکب کو حرام قرار دیا ہے سود مفرد کو نہیں۔ اور قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ (آل عمران: ۱۳۰) اس آیت میں ربا کے ساتھ ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ کی قید لگی ہوئی ہے اور نہی قید پر داخل ہوئی ہے لہٰذا صرف وہ ربا ممنوع ہے جس میں سود کی رقم راس المال سے کم از کم دوگنی ہوجائے لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ ﴿اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ کی قید باجماع امت احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے اور یہ قید بالکل ایسی ہے جیسے قرآن کریم کی دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ (البقرۃ: ۴۱) اس آیت میں اگرچہ ثمن قلیل کی قید لگی ہوئی ہے لیکن کوئی بھی عقل مند انسان اس آیت کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ آیات قرآنی کو ثمن قلیل کے ساتھ فروخت کرنا تو جائز نہیں لیکن ثمن کثیر کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۷۸) اس آیت میں لفظ ما عام ہے جو ربا کی ہر قلیل اور کثیر مقدار کو شامل ہے۔

② خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ:

الربوا موضوع كله واول ربوا اضعه ربوا العباس بن عبد المطلب فانه موضوع كله۔

"سود سارا کا سارا چھوڑ دیا گیا اور پہلا سود جو چھوڑ دیا گیا وہ عباس رضی اللہ عنہ کا سود ہے بیشک وہ سارا کا سارا چھوڑ دیا گیا۔"

اس حدیث میں لفظ کلہ ہر مقدار ربا کی حرمت پر صریح ہے۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: كل قرض جر نفعا فهو ربوا۔ اس حدیث میں لفظ "نفعا" اس بات پر دال ہے کہ نفع کی ہر مقدار حرام ہے۔

اعلانِ جنگ:

حرمت ربا کی آیات قطعی الدلالت ہیں اور ربا کا معاملہ کرنے والوں کے بارے میں جو شدید وعید قرآن کریم میں آئی ہے ایسی شدید وعید شاید کسی دوسرے گناہ پر نہیں آئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (البقرۃ ۲۷۸۔۲۷۹)

سود کے جواز پر استدلال: سود کے جواز کے قائلین قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرۃ:۲۷۵)

اس آیت میں لفظ الربوا معرف باللام ہے اور الف لام میں اصل یہ ہے کہ وہ عہد کے لیے ہو لہٰذا لفظ ربا سے وہ مخصوص ربا مراد ہوگا جو زمانہ جاہلیت میں اور حضور ﷺ کے ابتدائی دور میں رائج تھا اور اس زمانے میں صرف صرفی قرض اور اس پر سود لینے کا رواج تھا تجارتی قرض اور اس پر سود لینے کا رواج نہیں تھا اور جو چیز اس زمانے میں رائج ہی نہیں تھی قرآن کریم اس کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے؟ لہٰذا حرمت سود کا اطلاق صرف صرفی قرض پر لیے جانے والے سود پر ہوگا تجارتی قرض پر لیے جانے والے سود پر نہیں ہوگا۔

جواب: فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قیامت کے دن تک مذکورہ تعریف ربوا کے تحت جتنی اقسام داخل ہوں گی سب حرام ہیں علاوہ ازیں یہ بات بذات خود بھی غلط ہے کہ اس میں الف لام عہد کے لیے ہے کیونکہ معہود پھر کیا چیز ہے آیا فرد ہے جو زید عمر کے درمیان ہے یا وہ جنس ہے جو عہد پاک میں پائی جاتی تھی اگر فرد شخص ہے تو یہ صراحۃً غلط و باطل ہے کہ ایک شخص کا سود حرام کر دیا گیا ہو اور باقی کا جائز اور اگر جنس ہو تو اسے عہد کہنا کیسے صحیح ہوا؟

لہٰذا اس آیت ربوا میں بھی لفظ ربوا مصدر ہونے کی وجہ سے معہود پر محمول نہیں کیا جا سکتا علاوہ ازیں منصوص علیہ میں حکم ذات اور حقیقت پر لگتا ہے جس میں تمام افراد بلا استثناء داخل ہوتے ہیں۔ لہٰذا جہاں وہ حقیقت پائی جائے گی وہاں وہ حکم آ جائے گا۔

مثلاً شراب کو لے لیں جس زمانے میں شراب حرام ہوئی اس زمانے میں اس زمانے کے لوگ اپنے گھروں میں انگور کا شیرہ اپنے ہاتھوں سے نکال کر اس کو سڑا کر شراب بناتے تھے لہٰذا اب موجودہ دور میں کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ چونکہ اس زمانے میں لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں میں شراب بناتے تھے اور اس میں حفظان صحت کے اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا اس لیے شراب حرام قرار دی گئی تھی اب چونکہ موجودہ دور میں شاندار مشینوں کے ذریعہ حفظان صحت کے تمام اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی صفائی ستھرائی کے ساتھ شراب بنائی جاتی ہے اس لیے شراب کی حرمت کا اطلاق موجودہ دور کی شراب پر نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں تجارتی سود موجود تھا چنانچہ قرآن کریم میں یہ جو آیت ہے: ﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ۝۲﴾ (القریش:۱،۲) اس آیت میں گرمیوں اور سردیوں کے جن سفروں کا ذکر ہے اس سے مراد یہی تجارتی قافلے ہیں جو سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کیا کرتے تھے۔ اور ان کا یہ کام ہوتا تھا کہ یہاں مکہ مکرمہ سے سامان لے جا کر وہاں فروخت کر دیتے تھے اور وہاں سے سامان تجارت لا کر مکہ مکرمہ میں فروخت کر دیتے۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ جس تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے مکہ مکرمہ آ رہے تھے اس قافلے کے بارے میں محدثین اور اصحاب السیر نے لکھا ہے کہ لم یبق قریشی ولا قریشیة عندہ درھما لا وبعث به فی البعیر۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے جب سود کی حرمت کا

اعلان فرمایا تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: وربوا الجاهلية موضوع واول ربوا اضعه ربوالعباس بن عبدالمطلب فانه موضوع كله. یعنی آج کے دن جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود ہے وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے اس لیے آپ نے فرمایا کہ میں آج کے دن ان کا وہ سود جو دوسرے لوگوں کے ذمہ ہے وہ ختم کرتا ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ سود دس ہزار مثقال سونا تھا اور ایک مثقال تقریباً ۴ ماشے کا ہوتا ہے اور یہ دس ہزار مثقال سونا کوئی سرمایہ اور راس المال نہیں تھا بلکہ یہ وہ سود تھا جو اصل رقم پر واجب ہوا تھا اس سے اندازہ لگائے کہ وہ قرض جس پر دس ہزار مثقال سونے کا سود لگ گیا ہو کیا وہ صرف کھانے پینے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے لیا گیا تھا؟ ظاہر ہے کہ وہ قرض تجارت کی غرض سے لیا گیا ہوگا۔

علت اور حکمت میں فرق: اس دلیل کے اندر چند مغالطے ہیں: پہلا مغالطہ یہ ہے کہ اس دلیل میں ظلم کو ربا کی حرمت کے لیے علت قرار دیا ہے حالانکہ ظلم دور کرنا ربا کی حرمت کی علت نہیں ہے بلکہ اس کی حکمت ہے اور حکم کا دارومدار علت پر ہوتا ہے حکمت پر نہیں ہوتا۔ اس کی سادہ سی مثال یہ سمجھئے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سڑکوں پر سگنل ہوتے ہیں اس میں تین رنگ کی بتیاں ہوتی ہیں۔ جس وقت سرخ بتی جل رہی ہو اس وقت حکم یہ ہے کہ رک جاؤ اور جس وقت سبز بتی جلے اس وقت چل پڑو اور سگنل کا یہ نظام اس لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ٹریفک میں نظم وضبط قائم کیا جائے اور حادثات کی روک تھام کی جائے اور تصادم کا خطرہ کم سے کم کیا جائے اس میں یہ جو کہا گیا کہ سرخ بتی پر رک جاؤ یہ حکم ہے اور سرخ بتی اس حکم کی علت ہے اور اس کے ذریعے حادثات کی روک تھام اس حکم کی حکمت ہے اب ایک شخص رات کے بارہ بجے گاڑی چلاتا ہوا سگنل کے پاس پہنچا تو سرخ بتی جل رہی تھی لیکن چاروں طرف سے کوئی گاڑی اور ٹریفک نہیں آ رہی تھی اور تصادم اور حادثے کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس وقت میں اگرچہ اس حکم کی حکمت نہیں پائی جا رہی تھی لیکن پھر بھی اس ڈرائیور کے لیے گاڑی روکنا ضروری ہے اس لیے کہ رکنے کے حکم کی جو علت ہے یعنی سرخ بتی کا جلنا وہ پائی جا رہی ہے لہٰذا اگر وہ نہیں رکے گا تو قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں پکڑا جائے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ان الربوا بضع وسبعون شعبة ادناها كالذی يقع علی امه یعنی ربا کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں اور اس کا ادنیٰ ترین شعبہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا العیاذ باللہ لہٰذا یہ کہنا کہ تجارتی سود میں ظلم نہیں یہ بالکل غلط ہے اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ اجتماعی طور پر پوری قوم کو معاشی بدحالی کے اندر مبتلا کیا جا رہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّغْلِيْظِ فِی الْكِذْبِ وَالزُّوْرِ وَنَحْوِهٖ

باب ۳: جھوٹ اور جھوٹی گواہی کی مذمت

(۱۱۲۸) قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَوْلُ الزُّوْرِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا کبیرہ گناہوں کے بارے میں یہ فرمان نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا والدین کی نافرمانی کرنا کسی شخص کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں)۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں زور کا اضافہ کذب کے بعد یا اشارہ الی الترادف کے لیے ہے اس صورت میں کذب پر عطف یہ عطف تفسیری جیسا کہ یہ ایک قول ہے یا پھر دونوں میں فرق بتلانے کے لیے جیسا کہ دوسرا قول ہے یہ ہے کہ دونوں میں تغایر ہے کہ خلاف واقعہ خبر دینا کذب ہے اور اس کو مدلل بالدلائل کرنا یہ زور ہے تو عطف الغیر علی الغیر کے قبیل سے ہوگا۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ زور اس کو کہتے ہیں کہ جب مبیعہ کی طرف لوگوں کا میلان نہ ہو تو بڑھا چڑھا کر مبیعہ کی صفات کو بیان کرنا یہ زور ہے اور عام طور پر مفضی ہوجاتا ہے جھوٹ اور کذب کی طرف اس لیے قول زور سے منع کیا مفضی الی الکذب ہونے کی وجہ سے جب قول زور سے منع ہوا تو کذب سے بطریق اولی منع ہوگا علیٰ ہذا کذب وہ جھوٹ ہے جو خلاف واقعہ ہو اور اس میں تزیین نہ ہو جبکہ زور میں دونوں ہوتے ہیں۔

معاملات میں کذب بیانی:

چونکہ عمومی طور پر معاملات میں کذب بیانی ہوتی ہے چنانچہ ایسی احادیث لا رہے ہیں جو دال ہیں اس بات پر کہ معاملات میں بھی کذب بیانی سے بچنا چاہیے چنانچہ حدیث ذکر کی کہ نبی کریم ﷺ سے کبائر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ من جملہ کبائر میں سے شرک باللہ ہے عقوق الوالدین ہے قتل نفس ہے اور قول الزور ہے۔

عقوق الوالدین: یہ ہے کہ والدین سے قطع رحمی کرنا یا مطلب یہ ہے کہ ایسے امور میں والدین کی مخالفت کرنا جو امور معصیۃ کے قبیل سے نہ ہوں اس لیے کہ اگر معصیت ہوں تو مخالفت جائز ہے۔ والدین کو ایسی ایذاء پہنچانا جو عمومی طور پر والدین اولاد کی طرف سے برداشت نہیں کرتے اگر چہ دوسروں کے اعتبار سے معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

قتل نفس سے مراد نفس معصومہ اور ناحق قتل کرنا ہے اگر رجم کی صورت میں قتل کر رہا ہے یا قصاصاً قتل کر رہا ہے یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔

"فی الکبائر" بخاری ا صحیح بخاری ص: ۳۶۲ ج:۱ باب ماقیل فی شهادة الزور، صحیح مسلم ص: ۶۴ ج:۱ باب الکبائر واکبرها کتاب الایمان میں ہے کہ آپ ﷺ سے کبائر کے بارے میں سوال ہوا تھا پھر مذکور فی الحدیث فقط بعض کبائر ہیں ورنہ ان کی تعداد زیادہ ہے حتیٰ کہ بعض حضرات نے ان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جیسے کتاب الکبائر للذهبی وغیرہ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی تعداد سات سو میں مروی ہے وصنف ابن حجر المکی فی الکبائر رسالۃ۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي التُّجَّارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ ﷺ إِيَّاهُمْ

باب ۴: تاجروں کا نبی ﷺ کو "تجار" کا خطاب دینا

(۱۱۲۹) قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ فَقَالَ يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الشَّيْطَانَ وَالْاِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشُوْبُوْا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: حضرت قیس بن ابو غرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے پہلے ہمارا نام سماسرہ تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تاجروں کے گروہ بے شک شیطان گناہ سودے میں موجود ہوتے ہیں تو تم اپنے سودے کو صدقے کے

ساتھ ملا دیا کرو۔

(۱۱۳۰) اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْاَمِینُ مَعَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّھداءِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۱۱۳۱) اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَى الْمُصَلّٰى فَرَاَى النَّاسَ یَتَبَایَعُونَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ فَاسْتَجَابُوا لِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَرَفَعُوا اَعْنَاقَھُم وَاَبْصَارَھُم اِلَیهِ فَقَالَ اِنَّ التُّجَّارَ یُبْعَثُونَ یَومَ الْقِیَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقَى اللهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ.

ترجمہ: اسماعیل بن عبید اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے تاجروں کے گروہ! وہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے اپنی گردنیں اٹھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے لگے اپ نے ارشاد فرمایا بے شک تاجروں کو قیامت کے دن نافرمان لوگوں کے طور پر زندہ کیا جائے گا ماسوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے نیکی کرے اور سچ بولے۔"

تشریح: السماسرۃ یہ سمسار بالکسر کی جمع ہے مالک محافظ کو بھی کہتے ہیں یہ لفظ اصل میں عجمی ہے چونکہ تجارت کا دستور عجمیوں میں زیادہ تھا اس لیے عربوں میں بھی یہ عجمی لفظ شائع ہوا تھا لیکن فی نفسہ یہ لفظ اچھا نہیں ہے جبکہ اسلام میں اچھے ناموں سے یاد کرنے اور پکارنے کا حکم ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عربی کی طرف منتقل فرمایا یا معشر التجار۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل کے بجائے تجار کا لفظ استعمال کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا خطاب کرنے میں ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی عزت ہو۔

اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ دلالی کا پیشہ اختیار کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے اس لیے کہ یہ صحابی رضی اللہ عنہ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوئے دلالی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیع کے ساتھ صدقہ کرنے کی ترغیب تو دی لیکن ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم اس پیشے کو چھوڑ دو۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

والبیاع والسمسار یجبران علی التقاضی لأنھما یعملان بأجرۃ عادۃ. (باب المضارب لیضارب فصل فی العزل والقسمۃ). (۲۲۰ جلد ثالث)

"یعنی دلال کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ پیسوں کا مطالبہ کریں کیونکہ وہ عموماً اجرت پر ہی کام کرتے ہیں۔"

فائدہ: جس تاجر میں دو خوبیاں ہوتی ہیں سچائی اور امانت داری اس کو مرتبہ میں انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے ان کے ساتھ حشر ہونے کا یہی مطلب ہے جیسے وہ شخص جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا ہو وہ حقیقی شہید ہے اور بہت

سے لوگ اس کے ساتھ ملحق ہیں جن کی تعداد پچاس سے زائد ہے اور یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے شہید فی سبیل اللہ کے تمام فضائل ان کے لیے ثابت نہیں کیے جائیں گے یہ الحاق ہی اس کے لیے فضیلت ہے۔

فائدہ: صدوق وامین تاجر کو انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تجارت میں جھوٹ اور خیانت سے بالکلیہ احتراز کرنا اور ہمیشہ سچائی اور امانت داری برتنا نہایت دشوار کام ہے مگر ناممکن نہیں پس ہر تاجر کو یہ دوخوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے تاکہ کائنات کی عظیم المرتبت ہستیوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ كَاذِبًا

باب ۵: کسی سامان کے بارے میں جھوٹی قسم کھانا

(۱۱۳۲) ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ قُلْنَا مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَدْ خَابُوْا وَخَسِرُوْا فَقَالَ الْمَنَّانُ وَالْمُسْبِلُ اِزَارَهٗ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں تین طرح کے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت نہیں کرے گا اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا میں نے عرض کی وہ کون لوگ ہیں؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو برباد ہوگئے اور خسارے کا شکار ہوگئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احسان جتانے والا، تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچنے والا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّبْكِيرِ بِالتِّجَارَةِ

باب ۶: صبح سویرے کاروبار شروع کرنا

(۱۱۳۳) اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا قَالَ وَكَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً اَوْجَيْشًا بَعَثَهُمْ اَوَّلَ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا وَكَانَ اِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ اَوَّلَ النَّهَارِ فَاَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهٗ.

ترجمہ: حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اے اللہ میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت عطا فرما۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن کا شروع حصہ برکت والا ہے اس وقت کاروبار کرنا تجارت یا جہاد کے لیے سفر کرنا مطالعہ کرنا یا کوئی اور کام کرنا برکت کا باعث ہوتا ہے لیکن اب ساری دُنیا میں غیروں کا نظام الاوقات چل رہا ہے اسی کے مطابق کاروبار ہوتا ہے۔

پھر فجر کے بعد سونا رزق سے محرومی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نوم الصبحة یمنع الرزق فجر کے بعد سونے سے روزی کم

ہوجاتی ہے۔ (رواہ احمد ترغیب ۲:۰ ۵۳) پس دس بجے تک قوت عمل ختم ہوجاتی ہے سعودیہ میں اسلامی نظام الاوقات ہے وہاں فجر کے بعد فوراً کاروبار شروع ہوتا ہے اور دوپہر میں دوکانیں اور آفس بند ہوجاتے ہیں لوگ کھانے اور نماز سے فارغ ہوکر قیلولہ کرتے ہیں وہاں کسی کے لیے کوئی دشواری نہیں۔

اللّٰھم بارك لامتی فی بکورھا: "ب ک ر" مادہ میں ابتداء کے معنی پائے جاتے ہیں باکورہ اس پھل کو کہتے ہیں جو بیع میں سب سے پہلے پک جائے باکرہ لڑکی میں بھی یہی مفہوم مرعی ہے یہاں صبح سویرے کا وقت مراد ہے چونکہ اس وقت گناہ کم ہوتے ہیں اس لیے اس میں برکت کی توقع زیادہ ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشِّرَاءِ إِلَى أَجَلٍ

باب ۷: ادھار خریدنا جائز ہے

(۱۱۳۴) كَانَ عَلَى رسولِ اللهِ ﷺ ثَوبَانِ قِطْرِيَّانِ غَلِيظَانِ فَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى الْمَيْسَرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا يُرِيْدُ إِنَّمَا يُرِيدُ أَن يَّذْهَبَ بِمَالِي أَوْ بِدَرَاهِمِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ إِنِّي مِنْ أَتْقَاهُمْ وَأَدَّاهُمْ لِلْأَمَانَةِ.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک پر قطر کے بنے ہوئے دو موٹے کپڑے تھے۔ جب آپ ﷺ بیٹھتے اور پسینہ آتا تو یہ آپ کی طبیعت پر گراں گزرتے۔ اسی اثنا میں ایک یہودی کے پاس شام سے قیمتی کپڑا آیا میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کسی کو بھیجیں کہ وہ آپ ﷺ کے لئے اس سے دو کپڑے خرید لائے۔ جب ہمیں سہولت ہوگی ہم ان کی قیمت ادا کردیں گے۔ آپؐ نے ایک شخص کو بھیجا۔ تو اس نے جواب دیا کہ جانتا ہوں کہ آپؐ چاہتے ہیں کہ میرا کپڑا اور پیسے دونوں چیزوں پر قبضہ کرلیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ پرہیزگار بھی ہوں اور امانت دار بھی۔

(۱۱۳۵) تُوُفِّيَ النبيُّ ﷺ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ بِعِشْرِيْنَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی زرہ بیس صاع اناج کے عوض میں رہن رکھی ہوئی تھی جو اناج آپ نے اپنے گھر والوں کے لیے لیا تھا۔

(۱۱۳۶) مَشَيتُ إِلَى النبيِّ ﷺ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ رُهِنَ لَهُ دِرْعٌ عِنْدَ يهودِيٍّ بِعِشْرِينَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ ذَاتَ يومٍ يَقُوْلُ مَا أَمْسَى فِي آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ صَاعُ تَمْرٍ وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ يَوْمَئِذٍ لِتِسْعَ نِسْوَةٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور باسی چربی لے کر حاضر ہوا آپ کی زرہ ایک

یہودی کے پاس بیس صاع اناج کے عوض میں رہن رکھی ہوئی تھی جس اناج کو آپ نے اپنی ازواج کے لیے حاصل کیا تھا ایک دن میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا شام کے وقت محمد کے گھر والوں کے پاس کھجور کا ایک صاع بھی نہیں تھا اور اناج کا ایک صاع بھی نہیں تھا۔

تشریح: ادھار خریدنا بالاتفاق جائز ہے اور ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا بھی بالاجماع جائز ہے مثلاً ایک کتاب نقد دس روپے کی ہے اور کوئی ادھار خریدے اور بائع بارہ روپے کی دے تو یہ جائز ہے اگرچہ یہ سود کے مشابہ ہے البتہ ادھار میں ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر کرنا ضروری ہے اور اس مقررہ وقت سے پہلے بائع ثمن طلب نہیں کرسکتا اس طرح جو چیز قسطوں پر خریدی جاتی ہے وہ بھی شراء الی الاجل (ادھار) ہے اس میں بھی مقررہ وقت پر مقررہ قسط ہی کا بائع مطالبہ کرسکتا ہے اس سے پہلے اور اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور اس طرح خریدنا کہ مشتری کہے ابھی میرے پاس پیسے نہیں جب آئیں گے دے دوں گا یا کہے بعد میں دیدوں گا یہ نقد خریدنا ہے اس صورت میں بائع کو ہر وقت قیمت طلب کرنے کا حق ہے وہ جب تک چشم پوشی کرے اس کا احسان ہے اسی طرح کسی نے دو ماہ کے وعدہ پر قرض لیا تو قرض دینے والا ہر وقت قرض کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ قرض میں ادھار نہیں ہوتا اور جو دو ماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے وہ محض وعدہ اور احسان ہے اس کی وجہ سے قرض ادھار نہیں ہوجاتا البتہ دو ماہ یا اس سے بھی زیادہ مدت تک قرض دینے والا چشم پوشی کرے اور قرض طلب نہ کرے تو یہ اس کا احسان ہے جبکہ حدیث باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قیمت کی ادائیگی کے وقت کے لیے میسرہ کا لفظ استعمال فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ قیمت اس وقت ادا کی جائے گی جب وسعت اور آسانی ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں وقت کی تعیین نہیں ہوئی لہٰذا یہ بیع مؤجل ناجائز ہونی چاہیے۔

اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے میسرہ کا لفظ فرمایا ہو لیکن بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی سے معاملہ کیا اس وقت آپ نے اداء ثمن کے لیے کوئی وقت معین فرمادیا ہو۔

فائدہ: اس حدیث کی عمارۃ بن ابی حفصہ رضی اللہ عنہما سے اوپر یہی ایک سند ہے اور عمارۃ رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو یزید کے علاوہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت کرتے ہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن فراس بصری رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں تلامذہ نے شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث سنانے کی فرمائش کی اتفاق سے عمارۃ کے لڑکے حرمی بھی مجلس میں موجود تھے۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب تک سب حرمی کے سر کو بوسہ نہیں دوگے حدیث نہیں سناؤں گا چنانچہ سب نے حرمی کو چوما تب امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث سنائی مصری نسخہ میں یہ بھی ہے کہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث بہت پسند تھی اور عمارۃ کا انتقال ہوچکا تھا اس لیے صاحبزادے کی تقبیل کرا کر استاذ کی تعظیم کی۔

اعتراض: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ تو خوشبودار ہوتا تھا تو طبیعت پر بوجھل کیسے ہوجاتا تھا؟

جواب: کوئی تدافع نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ دوسروں کے حق میں اطیب ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھل ہو طبیعت کے خلاف ہو؟

اعتراض: حدیث الباب سے تو اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ شام سے کپڑے آئے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دو کپڑے خریدلیں آسانی کے وقت تک تو یہ شراء الی اجل مجہول ہے معلوم ہوا کہ شراء الی اجل مجہول بھی جائز ہے؟

جواب ①: یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی تجویز تھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قاصد بھیجا تھا تو اس وقت اجل بیان کردی۔

جواب②: عرف کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں ممکن ہے یسر کا وقت اس زمانہ میں معلوم ومعروف ہو مثلاً اموال صدقہ کی آمد ہو الغرض نبی کریم ﷺ نے اس تجویز کے مطابق کپڑے خریدنے کے لیے قاصد بھیجا اس یہودی نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہارے پیغمبر کا ارادہ میرے مال کو ہڑپ کرنے کا ہے جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں سب سے زیادہ امین میں ہوں لیکن اس نے باوجود جاننے کے محض فساد کی وجہ سے ایسا کہا ہے۔

اھا لۃ کا کیا معنی ہے اس میں چار احتمال ہیں: (۱) مطلق چربی (۲) پگھلائی ہوئی چربی (۳) شوربہ (۴) زیتون کا تیل نسخہ متغیر الرائحۃ یعنی اس کی بو قدر تبدیل ہوگئی تھی باسی چربی۔ باقی یہ کیوں پیش کی جواب ممکن ہے اور نہ ہو نبی کریم ﷺ کے اخلاق بھی عالیہ تھے معمولی چیز بھی دل جوئی کے لیے قبول فرمالیتے تھے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کِتَابَةِ الشُّرُوْطِ

باب: دستاویز لکھنے کا بیان

(۱۱۳۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا عَبَّادُ بْنُ لَيْثٍ صَاحِبُ الْكَرَابِيْسِيِّ ثَنَا عَبْدُ الْمَجِيْدِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ قَالَ لِي الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ اَلَا اُقْرِئُكَ كِتَابًا كَتَبَهُ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قُلْتُ بَلٰى فَاَخْرَجَ لِيْ كِتَابًا هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اشْتَرٰى مِنْهُ عَبْدًا اَوْ اَمَةً لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعَ الْمُسْلِمِ۔

ترجمہ: محمد بن بشار، عباد بن لیث (کپڑے بیچنے والے) سے اور وہ عبدالمجید بن وہب سے نقل کرتے ہیں کہ عداء بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے تحریر کرائی تھی۔ انہوں کہا کیوں نہیں۔ اس پر انہوں نے ایک تحریر نکالی اس میں لکھا تھا۔ یہ اقرار نامہ ہے کہ عداء بن خالد بن حوذہ رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے ایک غلام یا ایک لونڈی خریدی جس میں نہ بیماری ہے نہ دھوکہ ہے۔ یہ مسلمان کی مسلمان سے بیع ہے۔

تشریح: شروط: شرط کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وثیقہ دستاویز کسی امر کا تحریری ثبوت وہ سند جس سے اپنا حق ثابت کرسکیں اس باب میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی اہم معاملہ کیا جائے تو اس کو لکھ لینا چاہیے اور ادھار کا معاملہ ہو تو ضرور لکھنا چاہیے ارشاد پاک ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

یعنی جب تم آپس میں متعین وقت تک ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لو اور معاملات کس طرح لکھے جاتے ہیں اس کے لیے عالمگیری کتاب المحاضر والسجلات دیکھیں اس میں ہر معاملہ کے لیے دستاویز دیئے گئے ہیں ان کی مدد سے وثیقے لکھے جاسکتے ہیں جیسے ایک کتاب ہے سپاس نامے اس میں بڑی راہنمائی ہے۔

آج کل معاہدات لکھنا ایک مستقل فن بن چکا ہے: چنانچہ قانون کی تعلیم (ایل ایل بی) میں اس کا ایک مستقل پرچہ ہوتا ہے جس میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ معاہدہ کس طرح لکھا جائے؟ اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ اس کی زبان کیا ہو؟ اس کا اسلوب کیا ہو؟

فائدہ: یہاں ایک بحث یہ اٹھائی گئی ہے کہ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے کوئی چیز بیچی ہے یا نہیں؟ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیچی ہے مگر اسی حدیث میں بخاری میں تعلیقاً (کتاب البیوع باب ۱۹) یہ ہے کہ غلام نبی ﷺ نے خریدا تھا مگر تحریر کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس ہونا قرینہ ہے کہ خریدار وہی تھی اور بائع نبی ﷺ تھے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ

باب ۹: پیمانوں اور ترازو کا بیان

(۱۱۳۸) لِاَصْحَابِ الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ اِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيتُمْ اَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيهِ الْاُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ماپنے والوں اور وزن کرنے والوں سے ارشاد فرمایا تم لوگ دو ایسے کاموں کے نگران ہو جن کی وجہ سے سابقہ امتیں جو تم سے پہلے تھیں ہلاک ہو گئیں۔

تشریح: بازار میں عام طور پر چیزیں یا تو ناپ کر بیچی خریدی جاتی ہیں یا تول کر آج کل اکثر چیزیں تول کر بیچی جاتی ہیں اور نبی ﷺ کے عہد میں زیادہ تر چیزیں ناپ کر بیچی جاتی تھیں تاجروں پر فرض ہے کہ پورا تولیں اور ناپیں ڈنڈی مارنا اور کم ناپنا سخت گناہ ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اسی گناہ کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھی اس لیے اس فعل شنیع سے مکمل احتراز چاہیے ایک مرتبہ نبی ﷺ بازار تشریف لے گئے آپ ﷺ نے ان لوگوں سے جو ناپ کر اور تول کر چیزیں بیچ رہے تھے یعنی کاروبار کر رہے تھے فرمایا تم لوگ ایسی چیزیں (کیل و وزن) کے ذمے دار بنائے گئے ہو جس میں کوتاہی کی وجہ سے گذشتہ امتوں میں سے بعض امتیں ہلاک کی جا چکی ہیں۔ اور جو چیزیں گز سے ناپ کر یا گن کر بیچی خریدی جاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے ان میں بھی دھوکہ بازی کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی بَيْعِ مَنْ يَزِيدُ

باب ۱۰: اس کو بیع مزایدۃ بھی کہتے ہیں

(۱۱۳۹) اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا وَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِي هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اَخَذْتُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَّزِيدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَنْ يَّزِيدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک چادر اور ایک پیالہ بیچنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اس چادر اور اس پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک شخص نے عرض کی میں ان دونوں کو ایک درہم کے عوض میں خریدتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا ایک درہم سے زیادہ ادائیگی کرے گا؟ ایک درہم سے زیادہ کون ادئیگی کرے گا؟ تو ایک شخص نے آپ کو دو درہم دیئے نبی کریم ﷺ نے اسے وہ دونوں چیزیں فروخت کر دیں۔

مذاہب فقہاء: نیلامی اور بولی کی بیع آیا جائز ہے یا نہیں اس میں تین قول ہیں:

① جمہور کہتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے عام ازیں اموال مواریث ہوں یا اموال غنیمت ہوں یا ان کے ماسواء ہوں۔

② ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے۔

③ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا ہے کہ بیع من یزید صرف اموال مواریث اور اموال غنیمت میں جائز ہے۔ان کے علاوہ میں جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی لہٰذا یہ حدیث اپنے عموم واطلاق کی وجہ سے تمام قسم کے اموال کو شامل ہے۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی دلیل: مشہور ومعروف حدیث ہے جو مابعد میں آ رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوم علی سوم اخیہ سے منع فرمایا اور بیع من یزید بھی اسی کے تحت داخل ہے۔

جواب: دونوں میں فرق ہے سوم علی سوم اخیہ میں بائع دینے پر اور مشتری لینے پر راضی ہوجاتا ہے اس کے بعد کوئی بھاؤ لگادے اور بیع من یزید میں مشتری تو لینے پر آمادہ ہوتا ہے لیکن بائع دینے پر راضی نہیں ہوتا لہٰذا ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا بیع من یزید کو سوم علی اخیہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری دلیل: حدیث سفیان بن وهب الذی اخرجه البزار فی مسنده چنانچہ فرماتے ہیں کہ سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن المزایدة۔ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزایدہ سے منع فرمارہے ہیں۔"

جواب ①: یہ حدیث سنداً قابل استدلال نہیں ہے اس کی سند میں ابن لھیعۃ ہیں اس کے بارے میں محدثین کا اصول یہ ہے کہ اگر متابع موجود ہو تو قابل استدلال ہوتی ہے ورنہ نہیں اور اس روایت میں اس کا متابع موجود نہیں ہے۔

جواب ②: اگر صحیح تسلیم کریں تو پھر جواب یہ ہے کہ یہاں مزایدۃ کا مشہور معنی مراد نہیں بلکہ مراد بیع بصورت نجش ہے کہ بغیر خرید نے کے ارادے کے ثمن میں اضافہ کرنا۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما الذی اخرجہ دارقطنی فرماتے ہیں کہ:

نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المزایدة الا فی المواریث والغنائم او کما قال علیه السلام۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث اور غنیمت کے مال کے علاوہ مزایدہ سے منع فرمایا ہے۔"

جواب ①: اس کی سند میں بھی ابن لہیعہ موجود ہیں۔

جواب ②: الا فی المواریث والغنائم والا جو استثناء ہے اس سے مقصود احتراز نہیں بلکہ یہ قید بیان واقعہ کے لیے ہے کیونکہ عمومی طور پر اس بیع کی ضرورت اموال مواریث اور غنائم میں آتی ہے اس لیے استثناء کیا ہے رفع نزاع کے لیے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ بَیْعِ الْمُدَبَّرِ

باب ۱۱: مدبر کی بیع کا بیان

(۱۱۴۰) اَنَّ رجلًا مِنَ الْاَنصارِ دَبَّرَ غُلَامًا لَّهٗ فَمَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ مَالًا غَيْرَهٗ فَبَاعَهُ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاشْتَرَاهُ نُعَيمُ بْنُ عَبدِ اللهِ بْنِ النَّحَّامِ قَالَ جَابِرٌ رضی اللہ عنہ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ الْاَوَّلِ فِیْ اِمَارَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے اپنے غلام کو مدبر کرلیا پھر وہ فوت ہوگیا اس نے

اس غلام کے علاوہ کوئی مال نہیں چھوڑا تو نبی کریم ﷺ نے اس غلام کو فروخت کر دیا حضرت نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو خرید لیا۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ ایک قبطی غلام تھا جو حضرت عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت کے پہلے سال فوت ہو گیا تھے۔

تشریح: مدبر اسم مفعول ہے اور مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق اور مدبر مقید۔ مدبر مطلق اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں جس کو آقا کہہ دے انت حر عن دبر منی تو میرے مرے پیچھے آزاد ہے اور مدبر مقید وہ غلام یا باندی ہے جس کی آزادی کو آقا کسی خاص حادثہ یا خاص مدت تک مرنے کے ساتھ مقید کرے مثلاً یہ کہے اگر میں اس بیماری میں مر گیا یا اس مہینے میں مر گیا اس سفر میں مر گیا تو تو آزاد ہے۔

مذاہب فقہاء: تمام ائمہ متفق ہیں کہ مدبر مقید کو شرط کے تحقق سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ اس کو فی الحال آزادی یا آزادی کا استحقاق حاصل نہیں ہوا اور تحقق شرط کے بعد فروخت کرنے کا سوال ہی نہیں کیونکہ اس وقت وہ آزاد ہو جائے گا اور مدبر مطلق کو آقا کے مرنے کے بعد بالاتفاق فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ موت کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گا البتہ آقا کی حیات میں فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ اس کو فی الحال نہ آزادی حاصل ہے نہ آزادی کا استحقاق پس اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔

(۲) اور امام مالک اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مدبر مطلق کو فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ اگرچہ فی الحال آزاد نہیں مگر آزادی کا اس کو استحقاق حاصل ہو گیا ہے پس اس کی بیع جائز نہیں۔

حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالکیہ: اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دارقطنی میں مروی ہے کہ:

لا یباع المدبر ولا یوھب وھو حر من ثلث المال۔

"مدبر غلام کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ہی ہبہ کیا جائے گا اور وہ آزاد ہے ثلث مال سے۔"

یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے طریق موقوف کو صحیح قرار دیا ہے اور اس باب میں موقوف بھی بحکم مرفوع ہے کیونکہ یہ امر غیر مدرک بالقیاس ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال: حدیث باب سے ہے جس میں حضور ﷺ نے مدبر غلام کو فروخت کر دیا۔

حنفیہ نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

اعتراض: اس حدیث میں تو ہے کہ مولی کے مرنے کے بعد غلام کو بیچا اور مولی کے مرنے کے بعد تو بالاجماع وہ آزاد ہو جاتا ہے بیع جائز نہیں ہوتی پھر رسول اللہ ﷺ نے کیسے فروخت کیا؟

جواب ①: صحیحین کی جتنی بھی روایات ہیں وہ سب دال ہیں کہ بیع مولی کی زندگی میں ہوئی ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جو فمات کا لفظ ہے یہ وہم ہے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا لہٰذا شوافع کہتے ہیں کہ ہمارا استدلال تام ہے۔

جواب ②: شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جس میں بیع الحر بھی جائز تھی۔

جواب ③: یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ فعلی ہے اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما قولی ہے اور جب قولی فعلی کا تعارض ہو جائے تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے لہٰذا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ترجیح حاصل ہے۔

جواب④: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ محرم ہے مدبر مطلقاً کی بیع کے لیے اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ مبیح ہے.... الخ

جواب⑤: یہ جو احناف کہتے ہیں کہ مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں یہ تب ہے کہ جب قضاء قاضی کا انضمام نہ ہو اور جب قضاء قاضی کا انضمام ہو جائے تو احناف کے ہاں بھی نافذ ہو جاتی ہے اور یہاں بائع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیع کرنا یہ بطور قضاء کے تھا۔

جواب⑥: ممکن ہے کہ اس زمانہ کا قصہ ہو جب بیع المدبر جائز ہو۔

جواب⑦: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ بیع المدبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ولایت عامۃ کے تحت وہ اختیارات حاصل تھے جو امت کے دوسرے افراد کو حاصل نہیں تھے لہٰذا اس ولایت عامۃ کے تحت آپ نے اس کی تدبیر کو منسوخ فرما کر اس کی بیع کر دی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک مولی نے اپنے غلام کے عضو مخصوص کو کاٹ دیا تو مقدمہ پیش ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو آزاد ہے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی تائید بہت سے واقعات سے ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ تَلَقِّی الْبُيُوْعِ

باب ۱۲: برائے فروخت آنے والی چیزوں کا استقبال کرنا مکروہ ہے

(۱۱۴۱) اَنَّهٗ نَهٰى عَنْ تَلَقِّی الْبُيُوْعِ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں آپ نے (منڈی پہنچنے سے پہلے راستے میں) سوداگروں سے ملنے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۴۲) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰى اَنْ يُّتَلَقَّى الْجَلَبُ فَاِنْ تَلَقَّاهُ اِنْسَانٌ فَابْتَاعَهٗ فَصَاحِبُ السِّلْعَةِ فِيْهَا بِالْخِيَارِ اِذَا وَرَدَ السُّوْقَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے قافلے کے (منڈی میں پہنچنے سے پہلے راستے میں اس سے) ملا جائے اگر کوئی شخص راستے میں مل جائے اور اس سے کوئی چیز خرید لے تو سامان کے مالک کو اس بارے میں اختیار ہوگا جب وہ بازار پہنچ جائے (کہ وہ پہلے سودے کو منسوخ کر دے)۔

سوال: بیوع بیع کی جمع ہے اور بیع مصدر ہے اور مصدر سب معانی کے قبیل سے ہیں اور ملاقاتِ معانی سے نہیں ہو سکتی بلکہ اجسام سے ہوتی ہے تو پھر تلقی بیوع کا عنوان قائم کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: ذکر کیا بیوع کو اور مراد لیا اصحاب البیوع کو جو کہ اجسام ہیں لہٰذا یہ اضافت کوئی باعث اشکال نہیں۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی البیوع سے منع فرمایا ہے لفظ بیوع یا تو اسم مفعول کے معنی میں ہے اس صورت میں تلقی البیوع کے معنی ہوں گے تلقی المبیع یا اسم فاعل کے معنی میں ہے اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے تلقی البائع۔

تلقی البیوع کا مطلب: یہ ہے کہ اگر کوئی تاجر باہر سے سامان تجارت شہر کے اندر فروخت کرنے کے لیے لا رہا ہے تو دوسرا آدمی اس کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاقات کر کے وہ سامان تجارت اس سے خرید لے اس کو تلقی بیوع بھی کہتے ہیں تلقی رکبان بھی کہتے ہیں تلقی جلب بھی کہتے ہیں اور تلقی سلعۃ بھی کہتے ہیں الفاظ چار ہیں اور مفہوم سب کا ایک ہے۔اس کو اگلی حدیث میں تلقی الجلب سے تعبیر کیا گیا ہے۔جلب جمع ہے جالب کی اور جالب کے معنی ہیں کھینچ کر لانے والا چونکہ وہ شخص باہر سے مال لا کر شہر میں فروخت کرتا ہے اس لیے اس کو جالب کہا جاتا ہے۔

تلقی بیوع کا حکم: کہ اگر تلقی بیوع کی صورت میں بیع ہو جائے تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے کہ اس میں ضرر یا غرر ہو گا یا نہیں اگر اہل بلد کو ضرر ہے تو لا یجوز اور اگر ضرر نہ ہو تو پھر دیکھیں گے قافلے والوں کو غرر (دھوکہ) دیا ہو گا یا نہیں اگر غرر ہو تو لا یجوز اور اگر غرر نہ ہو تو جائز۔

سوال: حدیث سے تو مطلقا ممانعت معلوم ہوتی ہے؟

جواب: یہ نہی معلول بالعلۃ ہے احد الامرین: ضرر اور غرر کے ساتھ۔

تعارض: اس حدیث کا تعارض ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ الذی اخرجہ البخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کنا نتلقی الرکبان ونشتری منہم الطعام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ جہاں اس غلہ کو خریدا ہے وہاں اس کو فروخت کریں بلکہ شہر میں آ کر فروخت کرو تو دیکھو تلقی رکبان سے تو منع نہیں فرمایا تو یہ دال ہے اس بات پر کہ تلقی رکبان جائز ہے۔

جواب ①: یہ نہی والی حدیث معلول بالعلۃ ہے احد الامرین کے ساتھ اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو اباحت معلوم ہوتی ہے یہ اس وقت ہے کہ جب ضرر اور غرر نہ ہو۔

جواب ②: تلقی یہ دو قسم است (۱) خارج البلد (۲) داخل البلد تو احادیث نہی محمول ہیں اس صورت پر کہ جب تلقی (جلب) خارج بلد ہو اور احادیث اباحت محمول ہیں اس صورت پر کہ جب تلقی (جلب) داخل البلد ہو۔

غبن فاحش کی صورت میں بائع کو خیار فسخ: ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے شہر سے باہر جا کر آنے والے تاجر کو دھوکہ دے کر اور اس کو اس سامان کی غلط قیمت بتا کر اس سے وہ سامان کم داموں میں خرید لیا۔

مذاہب فقہاء: اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

(۱) ائمہ ثلاثہ کا کہنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں بائع کو خیار فسخ حاصل ہو گا اگر بائع چاہے تو مشتری سے یہ کہہ دے کہ میں وہ بیع فسخ کرتا ہوں اگر تمہیں خریدنا ہو تو پچاس روپے میں خرید لو اس سے کم قیمت پر فروخت نہیں کرتا۔

(۲) فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ بائع کو خیار فسخ حاصل نہیں ہو گا اس لیے کہ ہمارے نزدیک خیار مغبون حاصل نہیں ہوتا۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس باب کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس حدیث میں اس بات کی صاف صراحت ہے کہ بائع کو بیع کے فسخ کا اختیار حاصل ہو گا۔

جواب: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس حدیث کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولا تو یہ بات بھی محل کلام ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عدم خیار صراحۃ ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہو تو پھر غالب گمان یہ ہے کہ جس حدیث

میں یہ الفاظ ہیں وہ حدیث امام صاحب کو نہ پہنچی ہو اس لیے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ بائع کو فسخ کا اختیار حاصل ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ بائع کو اختیار ملے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ لَایَبِیْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ

باب ۱۳: شہری دیہاتی کے لیے نہ بیچے

(۱۱۴۳) لَایَبِیْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا پتہ چلا ہے کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے سودا نہ کرے۔

(۱۱۴۴) لَایَبِیْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ یَرْزُقُ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کوئی بھی شہری شخص کسی دیہاتی کے لیے سودا نہ کرے (یعنی اس کا ایجنٹ نہ بنے) تم لوگوں کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے رزق عطا کرے گا۔

تشریح: حاضر کے معنی ہیں شہری اور بادی اور باد کے معنی ہیں بدو، خانہ بدوش دیہاتی کو کہتے ہیں۔ کوئی دیہاتی تجارتی مال لے کر شہر آئے اور مارکیٹ ڈاؤن (گری ہوئی) پائے پس کوئی شہری اس سے کہے: آج بھاؤ کم ہے مال مت بیچ میرے پاس رکھ چھوڑ، جب بھاؤ بڑھے گا میں فروخت کروں گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ارشاد ہے کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے نہ بیچے لوگوں کو چھوڑ و اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ رزق پہنچاتے ہیں یعنی دیہاتی اگر اپنا مال فی الحال بیچے گا تو کم نفع پر بیچے گا کیونکہ اس کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوگی اور شہر میں ذخیرہ کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی پس اس میں لوگوں کا فائدہ ہے ان کو چیز سستی مل جائے گی اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ رقم لے کر گھر لوٹے گا اور نقد ادھار سے بہتر ہے اور اگر شہری اس کا مال بیچے گا تو اس میں لوگوں کا بھی نقصان ہے اور دیہاتی کا بھی نقصان ہے لوگوں کا نقصان یہ ہے کہ شہری اس کا مال زیادہ داموں پر فروخت کرے گا اور دیہاتی کا نقصان یہ ہے کہ کبھی مارکیٹ ہفتوں ڈاؤن رہتی ہے پس دیہاتی کو انتظار کرنی پڑے گی غرض یہ ممانعت بھی ملکی مصلحت سے ہے۔

برعکس صورت: یعنی شہری کا دیہاتی کے لیے خریدنا جائز ہے مثلاً کسی دیہاتی کو اپنی بیٹی کی شادی کے لیے جہیز خریدنا ہے کوئی شہری اس کو مناسب قیمت پر اشیاء دلوادے تو یہ جائز ہے اس میں شہری دوکاندار کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ تاجر دھوکہ نہیں کھاتا وہ چالاک ہوتا ہے اور دیہاتی کا فائدہ یہ ہے وہ لٹنے سے یعنی زیادہ داموں پر خریدنے سے بچ جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال اپنے پاس رکھ لے اور قیمت بڑھنے کے بعد بیچے تو یہ بیع بالا جماع جائز ہے اگر چہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

بیع الحاضر للباد سے ممانعت کا مقصد بھی اجارہ داری قائم ہونے سے روکنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بازار کے آزاد مقابلے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ڈالنا درست نہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسعیر (بھاؤ مقرر کرنا) کی تجویز کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ان اللہ ھو

القابض الباسط الرازق لہٰذا اسلامی نظام معیشت کی بنیاد اس پر ہے کہ انفرادی ملکیت سرمایہ داری کی طرح آزاد اور بے لگام نہ ہو بلکہ اس کو شرعی اور قانونی اور اخلاقی پابندیوں میں اس طرح جکڑ دیا جائے کہ وہ اجارہ داری کی صورت پیدا نہ کر سکے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَاجَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ

باب ۱۴: بیع محاقلہ اور مزابنہ کی ممانعت

(۱۱۴۵) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا ہے۔

(۱۱۴۶) اَنَّ زَيْدًا اَبَا عَيَّاشٍ سَاَلَ سَعْدًا عَنِ الْبَيْضَاءِ بِالسُّلْتِ فَقَالَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ قَالَ الْبَيْضَاءُ فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ سَعْدٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْاَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗ اَيَنْقُصُ الرُّطَبُ اِذَا يَبِسَ قَالُوْا نَعَمْ فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ابو عیاش رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے "جو" کے عوض میں گیہوں خریدنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ان میں کون سی چیز بہتر ہے تو انہوں نے جواب دیا گندم تو انہوں نے اس سے منع کر دیا۔

تشریح: یہاں پر کل چار مسئلے ہیں: (۱) بیع المحاقلہ (۲) بیع المزابنۃ (۳) بیع البیضاء بالسلت (۴) بیع الرطب بالتمر

محاقلہ۔ یہ حقل سے مشتق ہے اور حقل زرع (کھیتی) کو کہتے ہیں۔

بیع المحاقلۃ کی تعریف: خوشوں میں موجود غلے کو صاف کئے ہوئے غلے کے بدلے میں فروخت کرنا اندازے کے ساتھ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر کی ہے۔

مزابنہ کی تعریف: درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اندازے کے ساتھ اترے ہوئے پھلوں کے بدلے میں فروخت کرنا۔

ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ بالاجماع جائز نہیں ہے ربوا کی وجہ سے۔

فائدہ: احناف کے نزدیک بیع المزابنہ مطلقا جائز نہیں خواہ پانچ وسقوں سے کم یا زیادہ ہو اور شوافع کے نزدیک اگر پانچ وسقوں سے کم ہو تو جائز ہے اور اگر پانچ وسق ہو یا پانچ وسق سے زیادہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔

بیع البیضاء بالسلت کی تعریف: بیضاء کا معنی ہے گندم اور سلت کا معنی ہے جو خاص قسم کی جو تو اس کی تعریف یہ ہوئی کہ گندم کو فروخت کرنا جو کے بدلے میں اور یا جو کو فروخت کرنا گندم کے بدلے میں۔ حکم اس کا یہ ہے کہ اگر یدا بید ہو تو یہ بالاجماع جائز ہے اور اگر نسیئۃ ہو تو پھر عند الاحناف ناجائز۔

پہلا سوال: ابو زید عیاش رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت بیع البیضاء بالسلت جائز ہے یا ناجائز ہے۔ تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا ایھما افضل تو بتلایا کہ بیضاء افضل ہے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرما دیا اور اس پر استدلال یہ پیش کیا کہ نبی کریم ﷺ سے بیع الرطب بالتمر کے بارے میں سوال کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے حاضرین سے

پوچھا کہ کیا رطب کے خشک ہوجانے کے بعد اس میں کمی ہوجاتی ہے یا نہیں تو بتلایا گیا کہ کمی واقع ہوجاتی ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمادیا تو حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیع البیضاء بالسلت کو بیع الرطب بالتمر پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا حالانکہ اگر بیع البیضاء بالسلت یدا بید ہوتو یہ بالاجماع جائز ہے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کیسے منع فرمادیا۔ نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیع البیضاء بالسلت کو بیع الرطب بالتمر پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مقیس کے اندر بدلین جنس مختلفین ہیں اور مقیس علیہ کے اندر بدلین من جنس ہے لہٰذا یہ استدلال تام نہیں ہے۔

پہلے سوال کا جواب: یہ ہے کہ ابوزید عیاش رضی اللہ عنہ کا جو سوال ہے یہ بیع البیضاء بالسلت ید بالید کے بارے میں ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو ناجائز قرار دیا ہے وہ نسیئۃً کی صورت میں ہے نہ کہ یدا بید کے بارے میں اور نسیئۃً یہ جائز نہیں ہے تو جیسے مقیس علیہ کے اندر بیع نسیئۃ جائز نہیں ہے ایسے ہی مقیس کے اندر بھی بیع نسیئۃ جائز نہیں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ یہ قیاس مکیلی ہونے کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح گندم اور جو یہ مکیلی ہیں بالکل ایسے ہی رطب اور تمر یہ بھی مکیلی ہیں۔

(۲) اور اگر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یدا بید کے بارے میں ہے تو پھر یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے ممکن ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیضاء اور سلت یہ من جنس واحد ہوں چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ بیضاء بھی جو کو کہتے ہیں اور سلت بھی جو کو کہتے ہیں فرق اتنا ہے کہ بیضاء نرم جو کو کہتے ہیں اور سلت سخت قسم کے جو کو کہتے ہیں اب جیسے مقیس علیہ من جنس واحد ہے۔ ایسے ہی مقیس بھی من جنس واحد ہے اور مقیس علیہ میں من جنس واحد ہو کر احدھما افضل ہے آخر سے اسی طرح مقیس میں بھی من جنس واحد ہو کر احدھما افضل ہے آخر سے تو قیاس صحیح ہوا لیکن یہ فتویٰ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہوگا۔

چوتھا مسئلہ: یہ ہے کہ بیع الرطب بالتمر جائز ہے یا نہیں تو اس سے امام صاحب رحمہ اللہ اور جمہور کا اختلاف ہے۔

① امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع الرطب بالتمر یدا بید ہو تو جائز ہے اور اگر نسیئۃ ہو تو جائز نہیں ہے۔

② جمہور کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے خواہ یدا بید ہو یا نسیئۃً ہو۔

اس مسئلے میں امام صاحب کی فقاہت: اس حدیث کی بنیاد پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف لوگوں نے بہت شور مچایا کہ صاف حدیث موجود ہے کہ تمر کی بیع رطب سے جائز نہیں مگر امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے ہر جگہ قیاس اور عقل سے کام لیتے ہیں اور قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔

شراح ہدایہ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بغداد تشریف لائے تو وہاں کے علماء نے آپ سے متعدد سوالات کیے ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ رطب کو تمر کے عوض فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تماثل کے ساتھ جائز ہے علماء نے سوال کیا کہ جائز ہونے کی کیا دلیل ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے وہ مشہور حدیث پڑھ کر سنادی کہ: **التمر بالتمر والفضل ربا.** یعنی تمر کو تمر کے ساتھ برابر کر کے بیع کرنا جائز ہے کمی زیادتی ربا ہے۔

پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے ان علماء سے سوال کیا کہ آپ حضرات یہ بتائیں کہ رطب جنس تمر سے ہے یا خلاف جنس ہے؟ اگر آپ کا جواب یہ ہے کہ تمر جنس رطب سے ہے تو اس صورت میں یہی حدیث اس کے جواز پر دلالت کر رہی ہے اس لیے کہ اس میں آپ

نے فرمایا: التمر بالتمر یعنی تمر کو تمر کے ساتھ تماثلا فروخت کرنا جائز ہے اور اگر آپ کا جواب یہ ہے کہ تمر رطب کی جنس سے نہیں بلکہ خلاف جنس سے ہے تو پھر اسی حدیث کے آخری جزء سے جواز ثابت ہورہا ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ واذا اختلفت الاجناس فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید۔ لہٰذا اگر تمر رطب ہے تو حدیث کے اول حصے سے جواز ثابت ہورہا ہے اور اگر تمر رطب نہیں تو پھر اسی حدیث کے آخری جزء سے جواز ثابت ہورہا ہے البتہ اتنا فرق رہے گا کہ پہلی صورت میں تماثل کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور دوسری صورت میں تفاضل کے ساتھ بھی بیع جائز ہوگی۔ پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رطب اور تمر کی جنس ایک ہے لہٰذا التمر بالتمر کے حکم میں داخل ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ خیبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رطب کھجور لائے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا تو وہ آپکو بہت پسند آئیں آپنے ان صحابی سے پوچھا: اکل تمر خیبر ھکذا؟ کیا خیبر میں تمام کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟

دیکھئے اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب پر لفظ تمر کا اطلاق فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ تمر اور رطب ایک ہی چیز ہے لہٰذا ان دونوں کا آپس میں تبادلہ کرنا تماثل کے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل: رطب دو حال سے خالی نہیں یا تو رطب تمر ہے یا تمر نہیں اگر رطب تمر ہے تو من جنس واحد ہے لہٰذا حدیث عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حصہ کا مقتضی یہ ہے کہ یہ جائز ہو یدا بید مثلاً بمثل ہو اور اگر رطب تمر نہیں ہے تو جنس مختلفین ہیں تو حدیث عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کا اخیری حصہ اذا الاختلف الاصناف فبیعوا کیف شئتم یہ اس کے جواز پر دال ہے بشرطیکہ یہ بیع یدا بید ہو تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں تو عدم جواز کا کیسے قول کیا جائے۔ بلکہ اس بات پر تو دلیل موجود ہے کہ رطب تمر ہے وہ دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اکل تمر خیبر ھکذا تو یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب پر تمر کا اطلاق کیا ہے۔

اور جمہور کی دلیل: حدیث سعد رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع الرطب بالتمر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا رطب کے اندر خشک ہوجانے کے بعد کمی واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ تو بتلایا گیا کہ کمی واقع ہوجاتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔

جواب: اس کی سند میں ابوزید عیاش رضی اللہ عنہ کو مجہول قرار دینے والے صرف امام صاحب رحمہ اللہ نہیں ہیں بلکہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی اور ابن جریج رحمہ اللہ نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے۔ شاید اس کے مجہول ہونے کی وجہ سے شیخین علیہما نے اپنی صحیحین میں اس کی حدیث کی تخریج نہیں کی۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو جب معلوم ہوا کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے ابوزید عیاش رضی اللہ عنہ پر جرح کی ہے تو انہوں نے فرمایا: کیف یقال ان ابا حنیفۃ لم یعرف الحدیث وھو یقول ان ابا زید لم تقبل روایتہ تو جرح کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کو اعلیٰ درجہ کی معرفت حدیث حاصل ہے۔

اعتراض: امام مالک رحمہ اللہ نے موطا امام مالک میں ابوزید عیاش رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج کی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کسی مجہول کی روایت کی تخریج نہیں کرتے تو امام مالک رحمہ اللہ کا ان کی حدیث کی تخریج کرنا یہ دلیل توثیق ہے؟

جواب ①: یہ تعدیل ضمناً ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ کی جرح مفسراً ہے اور جرح مفسر کو تعارض ضمنی پر ترجیح حاصل ہے۔

جواب②: اور اگر علیٰ سبیل التنزیل مان لیں کہ یہ حدیث سنداً صحیح ہے تو یہ محمول ہے نسیئۃً پر۔

اعتراض: نسیئۃً پر محمول کرنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ابوداؤد شریف کے اندر بھی نسیۃ کا لفظ موجود ہے۔

اعتراض: یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نسیئۃً کے لفظ کو ذکر کرنے میں متفرد ہیں؟

جواب①: یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہے تو نسیۃ کو ذکر کرنا یہ زیادہ ثقہ کے قبیل سے ہے۔ اور زیادت ثقہ معتبر ہے۔

جواب②: تفرد مسلم نہیں ہے بلکہ ابوداؤد کے اندر عمران بن ابی انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہ لفظ مذکور ہے۔

اعتراض: جب علت نہی نسیۃ ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقاص بعد الیبوست کے بارے میں کیوں سوال کیا؟

جواب①: اصل بات یہ ہے کہ یہ سائل کسی یتیم کا متولی تھا یتیم کی خشک کھجوریں دے کر تازہ کھجوریں لے رہا تھا اور اس میں چونکہ یتیم کا نقصان تھا تو تبرعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یا پھر سوال شفقۃً کیا کہ اس میں معتد بہ نفع نہیں ہے۔

اعتراض: انتقاص بعد الیبوست تو امر بدیہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیہی چیز کے بارے میں سوال کیا حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدیہات کے بارے میں سوال نہیں کرتا؟

جواب①: اینقص میں استفہام تقریری ہے معنی یہ ہے کہ یقیناً رطب خشک ہوجانے کے بعد کم ہوجاتی ہے۔

جواب②: یہ ہے کہ یہ سوال مطلق رطب کے بارے میں نہیں تھا بلکہ رطب کی کسی خاص قسم کے بارے میں تھا کہ کیا ان کا حال بھی عام رطب کی طرح ہے کہ خشک ہوجانے کے بعد کمی واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ تو بتلایا گیا کہ کمی ہوجاتی ہے۔

جواب③: حدیث عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ جو جواز پر دال ہے یہ معارض اقوی ہے از روئے سند کے تو معارض اقوی کے موجود ہونیکی کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

وجہ تسمیہ: محاقلۃ حقل (ہری بھری کھیتی) سے باب مفاعلہ ہے حاقلۃ کے معنی ہیں کسی کو پکنے سے پہلے کھڑی کھیتی ہم جنس غلہ کے عوض فروخت کرنا اور مزابنۃ زبن سے باب مفاعلہ ہے اس کے لغوی معنی ہیں دھکا دینا ہٹانا اور زابنۃ کے معنی ہیں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس ٹوٹے ہوئے پھلوں کے عوض اندازے سے برابری کر کے بیچنا۔ گویا مشتری نے درخت والے کو کٹے ہوئے پھل دے کر دھکا دیا اور پھل والے نے کٹے ہوئے پھل لے کر مشتری کو دھکا دیا یوں ہر ایک نے دوسرے کو دھکا دیا اس لیے باب مفاعلہ استعمال کیا گیا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الثَّمْرَةِ قَبْلَ اَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

باب ۱۵: کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع ممنوع ہے

(۱۱۴۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يَزْهُوَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کو ان کے پکنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۴۸) وَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ اَنَّ النبیَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ نَهٰى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِي.

ترجمہ: اسی سند کے ہمراہ یہ بات بھی منقول ہے نبی اکرم ﷺ نے سنبل کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع کیا ہے جب تک وہ سفید نہ ہو جائے اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے آپ نے فروخت کرنے والے اور خریدار (دونوں کو) منع کیا ہے۔

(۱۱۴۹) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حتى يسوَدَّ وعن بيعِ الْحَبِّ حتى يَشْتَدَّ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے انگور کے سیاہ ہونے سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا ہے اور دانے کے سخت ہونے سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

مذاہب فقہاء: اس پر تو اجماع ہے کہ پھلوں کے ظہور سے پہلے پہلے بیع ناجائز ہے بیع المعدوم ہونے کی وجہ سے اور ظہور ثمرہ کے بعد بیع دو حال سے خالی نہیں قبل از بدو صلاح ہو گی یا بعد از بدو صلاح ہو گی۔

بدو صلاح کا معنی کیا ہے؟ تو اس کے معنی میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ بدو صلاح یہ ہے کہ پھلوں کا آفات سے محفوظ ہو جانا اور شوافع کہتے ہیں کہ بدو صلاح یہ ہے کہ پھلوں میں رنگ پیدا ہو جائے اور مٹھاس پیدا ہو جائے یہ اختلاف صرف لفظی اور عنوانی ہے اس لیے کہ عمومی طور پر جب آفات سے محفوظ ہو جاتے ہیں تو ان میں مٹھاس بھی پیدا ہو جاتی ہے اور جب مٹھاس پیدا ہو جائے تو آفت سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اس باب کی روایات کی بنیاد پر فقہاء میں پہلا اختلاف یہ ہوا کہ اس ممانعت کی بنیاد کیا ہے؟ اور دوسرا اختلاف یہ ہوا کہ یہ ممانعت ارشادی ہے یا تشریعی؟

پہلا اختلاف: اگر کھڑا کھیت یا درخت کے پھل بیچے جائیں تو بیع کے جواز و عدم کی بنیاد کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک اس پر مدار ہے کہ مبیع مال بنی ہے یا نہیں؟ اگر مبیع مال بن گئی تو بیع درست ہے اور اگر مبیع مال نہیں بنی تو بیع باطل ہے جیسے لوگ بہار بیچتے ہیں یعنی باغ کو سال کے لیے یا زیادہ مدت کے لیے بیچ دیتے ہیں یہ بیع بالاجماع باطل ہے کیونکہ بائع نے درخت نہیں بیچے پھل بیچے ہیں جب کہ پھل کا ابھی وجود نہیں اسی طرح درخت پر پھل نکل آئے مگر ابھی وہ چوہے کی مینگنی کے بقدر ہیں اس مرحلہ میں بھی بیع باطل ہے کیونکہ مبیع مال نہیں البتہ جب پھل بڑے ہو جائیں اور مال بن جائیں تو بیع درست ہے مال کے معنی ہیں: مایمیل الیہ النفس جس چیز کی طرف طبیعت مائل ہو۔

بیع الثمر کی کل عقلی طور پر ۶ صورتیں ہیں: وہ اس طرح کہ ابتداءً تین صورتیں ہیں: (۱) بیع الثمر بشرط القطع ہو (۲) بیع الثمر بشرط الابقاء ہو (۳) بیع الثمر بالاطلاق ہو پھر ان میں سے ہر واحد کے اندر دو دو احتمال ہیں ایک یہ کہ بیع قبل بدو الصلاح ہو ثانی یہ کہ بیع بعد بدو الصلاح ہو تو کل ۶ صورتیں ہو گئیں۔

① بیع الثمر بشرط القطع قبل بدو الصلاح ② بیع الثمر بشرط القطع بعد بدو الصلاح ③ بیع الثمر بشرط الابقاء قبل بدو الصلاح ④ بیع الثمر بشرط الابقاء بعد بدو الصلاح ⑤ بیع الثمر

بشرط الاطلاق قبل بدو الصلاح ⑥ بیع الثمر بشرط الاطلاق بعد بدو الصلاح۔

مذکورہ چھ صورتوں کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے مذاہب: ① امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بعد بدو الصلاح والی تینوں صورتوں میں بیع جائز ہے اور قبل بدو الصلاح والی تین صورتوں میں بیع ناجائز ہے ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے۔

② امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع الثمر بشرط القطع دونوں صورتوں میں جائز ہے چاہے بعد بدو الصلاح ہو یا قبل بدو الصلاح ہو بیع الثمر بشرط الابقاء دونوں صورتوں میں ناجائز ہے بیع الثمر بالاطلاق دونوں صورتوں میں جائز ہے لیکن عند الطلب اشجار کو فارغ کرنا ضروری ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ان تمام روایات سے ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیع الثمر قبل البدو کی گئی۔

سوال: زیر بحث باب کی روایات بظاہر امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کے خلاف ہیں کیونکہ ان میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الثمر قبل بدو الصلاح سے منع کیا ہے؟

جواب①: امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ روایات بیع سلم پر محمول ہیں نہ کہ مطلق بیع پر ہم اس بات تسلیم کرتے ہیں کہ بیع سلم بعد بدو الصلاح جائز ہوگی تاکہ مسلم فیہ موجود ہو جائے اور اگر بیع سلم قبل بدو الصلاح کی جائے تو اس صورت میں مسلم فیہ معدوم ہوگا اور معدوم کے اندر بیع سلم جائز نہیں۔

جواب②: زیر بحث باب کی روایت میں نہی سے مراد نہی تنزیہی ہے۔

جواب③: بصورت تعارض امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ مؤید بالقیاس ہے۔ وہ اس طرح کہ ثمر قبل بدو الصلاح بھی مال متقوم ہے اور مال متقوم کی بیع جائز ہے۔

دوسرا اختلاف: باب کی حدیثوں میں نہی ارشادی ہے یا تشریعی؟ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ نہی تشریعی ہے یعنی یہی مسئلہ ہے اور بیع کے جواز وعدم جواز کا اسی پر مدار ہے۔

احناف کی رائے: یہ ہے کہ یہ نہی ارشادی ہے یعنی لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے اور دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری (حدیث ۱۲۹۳) میں ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ پھلوں کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے جب پھل توڑنے کا وقت آتا تو مشتری کہتا پھلوں کو فلاں فلاں بیماری لگ گئی اور میرا نقصان ہو گیا اور بائع مشتری آپس میں جھگڑا کرتے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس قسم کے بہت جھگڑے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بیع کرنی ہی ہے تو بدو الصلاح کے بعد کرو حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کالمشورۃ یشیر بہا لکثرۃ خصومھم یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مشورہ فرمائی تھی ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث سے صاف یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ نہی ارشادی ہے لوگوں کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے اس میں مسئلہ کا بیان نہیں ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں بھی ہے نھی البائع والمشتری یعنی بائع اور مشتری کو منع فرمایا اگر نہی تشریعی ہوتی تو عام ہوتی سب مسلمانوں کے لیے ہوتی بائع اور مشتری کی تخصیص نہ کی جاتی معلوم ہوا کہ یہ نہی تشریعی نہیں بلکہ ارشادی ہے یعنی بائع اور مشتری کو ان کی بھلائی کی بات بتائی گئی ہے کہ اگر غلہ اور پھل بیچنے ہی ہوں تو بدو صلاح کے بعد بیچو اس میں دونوں کا فائدہ ہے اگر باغ

بدوصلاح سے پہلے بیچا گیا اور باغ شاندار پھلا تو بائع کو افسوس ہوگا کہ اس کا باغ سستا بک گیا اور اگر پھل کم آئے یا پھلوں کو بیماری لگ جائے تو مشتری کو افسوس ہوگا اس لیے پھل اور غلہ بدوصلاح کے بعد بیچنے چاہئیں تا کہ بائع کو پوری قیمت ملے اور مشتری کا بھی نقصان نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّهْیِ عَنْ بَیْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ

باب ۱۶: حمل کے حمل کو بیچنا ممنوع ہے

(۱۱۵۰) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْ بَیْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حاملہ جانور کے حمل کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: دو مطلب ہیں ایک مطلب تو یہ ہے کہ حاملہ گائے کا مالک یہ کہے کہ اس گائے کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس بچے کے بچے کو فروخت کرتا ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک فضول بات ہے اس لیے کہ کچھ پتہ نہیں کہ اس گائے کا بچہ پیدا ہوگا یا نہیں؟ اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ مذکر ہوگا یا مؤنث ہوگا؟ اور مؤنث ہونے کی صورت میں اس کو حمل ہوگا یا نہیں؟ اگر حمل ہوا تو وہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں؟ تو چونکہ اس کے اندر بے شمار احتمالات ہیں اور زمانہ جاہلیت میں اس قسم کی بیع کی جاتی تھی اس لیے حضور ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔

دوسرا مطلب: یہ ہے کہ بیع تو کسی اور چیز کی ہوئی لیکن قیمت کی ادائیگی کے لیے حمل کے ذریعہ قیمت مقرر کی گئی مثلاً مشتری بائع سے یہ کہے کہ میں تم سے یہ گھوڑا خریدتا ہوں اور اس کی قیمت اس وقت ادا کروں گا جب اس حاملہ گائے کا حمل بچہ جن دے گا چونکہ اس صورت میں اداء قیمت کی مدت مجہول اور غیر متعین ہے اس لیے یہ بیع درست نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اسی حدیث میں صحیحین میں ہے: کان الرجل یبتاع الجزور الی ان تنتج الناقة ثم تنتج التی فی بطنها یعنی ایک شخص قصائی کاٹنے کا اونٹ خریدتا ہے یہاں تک کہ یہ اونٹنی بچہ جنے پھر اس کے پیٹ کا بچہ بھی بچہ جنے اس وقت ثمن کی ادائیگی کی جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی کَرَاهِیَةِ بَیْعِ الْغَرَرِ

باب ۱۷: دھوکہ کی بیوع ممنوع ہیں

(۱۱۵۱) نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ وَبَیْعِ الْحَصَاةِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے دھوکے کے سودے سے منع کیا ہے اور کنکریوں کے سودے سے منع کیا ہے۔

تشریح: یہ جوامع الکلم میں سے ہے اس کے تحت جزئیات کثیرہ داخل ہیں چنانچہ بطور تمثیل کے تین صورتیں ذکر کی ہیں حصر مقصود نہیں ہے۔ ① بیع السمك فی الماء ② بیع العبد الآبق ③ بیع الطیر فی السماء ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا ان کے عدم جواز پر اجماع ہے۔

ہر وہ بیع جس میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو ممنوع ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

بائع کی ملک تام نہیں اس کو اسی طرح بیچنا۔ آگے بیع المنابذۃ، بیع الحصاۃ اور بیع الملامسۃ آ رہی ہیں وہ سب شکلیں بیع الغرر کی ہیں اور ممنوع ہیں الغرض بیع کا صاف ستھرا بے غل وغش ہونا ضروری ہے جس بیع میں کسی بھی قسم کا دھوکہ ہو شرعاً ممنوع ہے۔

بیع الحصاۃ: بیع الغرر کی ایک جزئی ہے یعنی بطور مثال نبی اکرم ﷺ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور بیع الحصاۃ یہ ہے کہ ایک شخص نے ریوڑ میں سے لم سم دس بکریاں خریدیں بائع نے مشتری کو دس کنکریاں دیں کہ ایک ایک کنکری اچھالو جس بکری پر کنکری گرے گی وہ آپ کی ہوگی یہ بیع جائز نہیں اس میں دھوکہ ہے ہوسکتا ہے وہ دسوں کنکریاں اعلیٰ قسم کی بکریوں پر گریں تو اس صورت میں بائع کا نقصان ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کنکریاں مریل بکریوں پر یا بچوں پر گریں تو مشتری کا نقصان ہوگا بیع الحصاۃ کی ایک اور بھی تفسیر کی گئی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بیع الحصاۃ بائع مشتری کو یہ کہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان کسی معاملہ میں بھاؤ تاؤ چل رہا ہو جب ان میں سے کوئی ایک کنکری اٹھا کر پھینک دے تو جب یہ کنکری تیری طرف پھینک دوں گا تو بیع لازم ہو جائے گی اور تیرے لیے کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ زبان بندی بیع میں جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ

باب ۱۸: ایک بیع میں دو بیع کرنا منع ہے

(۱۱۵۲) نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: اس باب میں بیعتین فی بیعۃ سے منع کیا گیا ہے اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) بائع مشتری سے کہے کہ میں یہ چیز نقد ۱۰ روپے کی فروخت کرتا ہوں اور ادھار ۲۰ روپے کی اس کے جواز اور عدم جواز کے متعلق اصول یہ ہے کہ اگر احد العقدین کی تعیین پر مفارقت ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

زیر بحث باب کی روایت اسی احتمال ثانی پر محمول ہوگی کیونکہ ثمن کی جہالت ہے تردید کی وجہ سے اور اس صورت میں تسلیم و تسلم نہیں ہو سکے گا جو کہ واجب ہے۔

(۲) یہ کہ کوئی آدمی کہے میں اپنا یہ گھر تجھ پر فروخت کرتا ہوں اتنے کا اس شرط پر کہ تم اپنا غلام میرے اوپر فروخت کرو اتنے کا، جب آپ کا غلام میرے لیے ہو جائے گا تو میرا گھر آپ کے لیے ہو جائے گا یہ صورت بھی ناجائز ہے ایک تو ثمن مجہول ہیں دوسرے یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے کیونکہ یہ صفقہ در صفقہ کو مستلزم ہے۔

(۳) یہ کہ اس سے مراد ہے ایسا عقد کرنا جس میں بیع اور اجارہ ہو مثلاً کوئی کتاب طبع کروانی ہے پریس والے کہیں ہم آپ سے دس ہزار لیں گے اور آپ کو ایک ہزار کتب دے دیں گے یہ صورت بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں اجرت طباعت اور کاغذ کی قیمت

دونوں شامل ہیں حالانکہ اصول کے مطابق طباعت کی اجرت الگ مقرر کرنی چاہیے تھی قیمت قرطاس الگ مقرر کرنی چاہیے۔

قسطوں میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے:

جو دوکاندار قسطوں میں اشیاء فروخت کرتے ہیں وہ عام بازاری قیمت سے زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں مثلاً ایک موٹر سائیکل کی قیمت عام بازار میں ۵۰ ہزار روپے ہے لیکن قسطوں پر فروخت کرنے والے (۶۰۰۰۰) ہزار روپے اس کی قیمت لگائیں گے اب اگر اس کی قیمت طے ہو جائے اور قسطیں متعین ہو جائیں کہ کتنی قسطوں میں اس کی ادائیگی کی جائے گی تو یہ صورت جائز ہے البتہ خریدار نے کوئی قسط وقت پر ادا نہ کی تو اس وجہ سے قیمت میں اضافہ نہیں ہوگا اس لیے کہ جب ایک مرتبہ قیمت متعین ہوگئی تو اس میں اضافہ کرنا بعد میں جائز نہیں ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ بَيْعِ مَالَيْسَ عِنْدَهٗ

باب ۱۹: جو چیز آدمی کے پاس نہ ہو اس کو بیچنا جائز نہیں

(۱۱۵۳) اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ يَأْتِيْنِى الرَّجُلُ يَسْأَلُنِى مِنَ الْبَيْعِ مَالَيْسَ عِنْدِى اَبْتَاعُ لَهٗ مِنَ السُّوْقِ ثُمَّ اَبِيْعُهٗ قَالَ لَا تَبِعْ مَالَيْسَ عِنْدَكَ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور وہ مجھ سے ایسی چیز کا سودہ کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے پہلے میں اسے بازار سے خریدوں گا پھر اسے فروخت کروں گا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو تو تم اس کا سودا نہ کرو۔

(۱۱۵۴) قَالَ نَهَانِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ اَبِيْعَ مَالَيْسَ عِنْدِىْ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے مجھے اس بات سے منع کیا ہے میں ایسی چیز کو فروخت کروں جو میرے پاس نہ ہو۔

(۱۱۵۵) لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِىْ بَيْعٍ وَلَا رِبْحُ مَالَمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعَ مَالَيْسَ عِنْدَكَ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے یہ بات ذکر کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے سلف اور ایسا سودا جس میں ایک ہی سودے میں دو شرطیں ہوں اور جس کا آدمی ضامن نہ ہو وہ منافع اور اس چیز کو فروخت کرنا جو آپ کے پاس نہ ہو یہ (سب) جائز نہیں ہیں۔

(۱۱۵۶) نَهَانِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ اَبِيْعَ مَالَيْسَ عِنْدِىْ.

ترجمہ: یوسف بن ماہک رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے اس چیز سے منع کیا تھا میں اس چیز کو فروخت کروں جو میرے پاس نہ ہو۔

تشریح: حدیث عمرو رضی اللہ عنہ بن شعیب عن زبیر عن جدہ یہ حدیث کئی مسئلوں پر مشتمل ہے: ① بیع سلف ② شرطان فی بیع ③ لاربح مالم یضمن ④ ولا بیع مالیس عندك۔ بیع اور سلف کی کیا صورت ہے تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے اندر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی دو صورتیں ذکر کی ہیں۔

فائدہ: سلف قرضہ کو بھی کہتے ہیں اور بیع سلم کو بھی کہتے ہیں۔

پہلی صورت: یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو قرضہ دیا اور قرضہ دینے کے بعد قرضہ دینے والے نے قرض دار پر اپنی کوئی چیز فروخت کردی اصل مالیت سے زائد ثمنوں کے ساتھ تو یہ بیع بھی ہے اور ساتھ ساتھ قرضہ بھی ہے یہ حلال نہیں ہے اس لیے کہ وہ قرض دار اصل مالیت سے جو زائد کا خرید رہا ہے وہ محض اپنے مقروض ہونے کی وجہ سے اور قرضہ دینے والا اس سے نفع حاصل کر رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ کل قرض جر نفعا فهو حرام۔

دوسری صورت: اس کی یہ ہے کہ سلف بمعنی بیع سلم کے ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ بیع سلم کی اور طے یہ ہوا کہ ایک مہینے کے بعد مبیع (مسلم فیہ) کو حوالے کرے گا اور یہاں مشتری نے کہا کہ اگر مدۃ معینہ میں مبیعہ میرے سپرد نہ کی تو پھر وہ مبیع میں نے تجھے اتنے ثمنوں کے عوض فروخت کی اس کے عدم جواز کی وجہ بیعتین فی بیعۃ ہونا ہے اور بعتین فی بیعۃ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

تیسری صورت: اس کی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس جاتا ہے کہ مجھے قرضہ دیدو وہ کہے کہ میں قرضہ تو دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم اپنی فلاں چیز اتنے کی بیچ دو ظاہر ہے کہ یہ ارزاں فروخت کرنے کا مطالبہ کرے گا تو یہ سودخوری کا ایک حیلہ بنا رہا ہے تو یہ بھی کل قرض جر نفعا فهو حرام کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

دوسرا مسئلہ: ولا شرطان فی بیع ....الخ اس کی کیا صورت ہے اس سے پہلے یہ سمجھیں کہ شرط کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جو مقتضائے عقد کے موافق ہو مثلاً بائع نے مشتری سے کہا کہ یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم ثمن سپرد کرو گے یا مشتری نے کہا کہ میں یہ چیز خریدتا ہوں بشرطیکہ تم مبیع سپرد کرو گے۔

(۲) جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور وہ یہ ہے کہ جس میں احد المتعاقدین کا نفع ہو یا معقود علیہ کا نفع ہو بشرطیکہ وہ معقود علیہ اہل استحقاق میں سے ہو یعنی انسان ہو۔

اس کا کیا حکم ہے کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو آیا یہ مطلقا مفسد للبیع ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: یہ ہے کہ ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو خواہ وہ ایک ہو تو بھی مفسد للبیع ہے دو ہوں تو بھی مفسد للبیع ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: ہے کہ ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اگر وہ واحد ہو تو متحمل ہے اور مفسد للبیع نہیں ہے اور اگر دو ہوں تو پھر مفسد للبیع ہے۔

جمہور کی دلیل: حدیث عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ ہے جس کی تخریج امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں کی ہے کہ نھی عن بیع وشرط شرط سے مراد وہ شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور یہ اپنے اطلاق اور عموم کی وجہ سے شرط واحد

کو بھی شامل ہے اور شرطین کو بھی شامل ہے۔

حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں شرطان کا لفظ ہے تو اس تثنیہ کے صیغہ کا کوئی فائدہ ہونا چاہیے اور وہ فائدہ یہی ہے کہ اگر ایک شرط ہو تو وہ مفسد للبیع نہیں ہے اور اگر دو شرطیں ہوں تو وہ مفسد للبیع ہیں چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مابعد میں اس کی وضاحت بھی کی ہے توضیح کے لیے مثلاً بائع کہے کہ میں تجھے یہ کپڑا فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو سلوائے بھی مجھ سے اور دھلوائے بھی مجھ سے تاکہ مجھے اس کی سلائی کی مزدوری مل جائے یہ جائز نہیں ہے اور اگر یہ کہے کہ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ تو ہفتہ وار دھلوائی مجھ سے کرے گا تو اب چونکہ ایک شرط یہ ہے تو اس لیے بیع جائز ہے۔

جواب ①: شرطان کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے اس لیے کہ عام طور پر لوگ دو شرطیں لگاتے ہیں اس لیے شرطان کہا ورنہ شرط واحد سے کوئی احتراز مقصود نہیں ہے۔

جواب ②: تثنیہ کے ذکر سے ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے وہ وہم یہ ہو سکتا تھا کہ ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو تو شاید وہ ناجائز اس وجہ سے ہو کہ اس میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہے اور جب دو شرطیں ایسی ہوں ایک مشتری کی طرف سے ہو اور ایک بائع کی طرف سے ہو تو اب چونکہ دونوں کا نفع ہے تو اب شاید جائز ہونی چاہیے تو فرمایا: لاشرطان فی بیع۔

جواب ③: ہر ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ اگر ایک بھی ہو تب بھی وہ حقیقت میں دو شرطیں بن جائیں گی اس لئے کہ ایک شرط وہ ہے جو عقد کے مقتضاء کے موافق ہے اور دوسری شرط وہ ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے تو اب دو شرطیں بن گئیں اسی کو حدیث پاک کے اندر ولا شرطان فی بیع سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ولا ربح مالم یضمن: **تیسرا مسئلہ** جس کی ضمان ہوگی نفع کا مستحق بھی وہی ہوگا۔ باقی یہ کس طرح معلوم ہوگا یہ کس کی ضمان میں ہے تو اس کا دارومدار اس پر ہے کہ شئی کی ہلاکت کو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کی ہلاکت بائع کے نقصانِ مال کا سبب ہو تو کہا جائیگا کہ یہ بائع کی ضمان میں ہے اور اگر اس کی ہلاکت مشتری کے نقصانِ مال کا سبب ہو تو کہا جائے گا کہ یہ مشتری کی ضمان میں ہے یہی وجہ ہے کہ جب تک مشتری نے مبیع پر قبضہ نہ کیا ہو تو منافع کا مستحق بائع ہوگا اور اگر مشتری نے قبضہ کرلیا ہو تو منافع کا مستحق مشتری ہوگا۔ اب اگر مشتری کسی عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا چاہے تو بائع کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ تو نے اتنے دن منافع حاصل کیا ہے وہ مجھے دے دو۔

چوتھا مسئلہ: ولا بیع مالیس عندك اور یہ مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

قال اسحق بن منصور الخ صقلت لاحمد... الخ اس عبارت کے اندر دو مرتبہ آرہا ہے اور یہ مقولہ ہے اسحق بن منصور رحمۃ اللہ علیہ کا جو کہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہما کے شاگرد ہیں اور قال اسحق کما قال احمد اس عبارت میں تقریباً تین مرتبہ آرہا ہے اس اسحاق سے مراد اسحق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور احمد سے مراد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں اسحق بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ سوالات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کیے اور اس کے بعد میں نے وہی سوالات اپنے استاذ اسحق بن راہویہ سے کیے تو انہوں نے بھی وہی جوابات دیئے تھے۔

سوال: تھا کہ غیر مقبوض کی بیع سے نہی کا مصداق کیا ہے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے نزدیک نہی بند ہے مطعومات کے

اندر عام ازیں وہ مکیلی ہوں یا موزونی ہوں۔

سوال: کیا کہ لا شرطان فی بیع کی توضیح بالمثال کیا ہے تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے شرطین کی بھی توضیح بالمثال بیان کی اور شرط واحد کی بھی مثال سے وضاحت کی۔

سند کا حال: حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے متعلق چند باتوں کا بیان:

(۱) حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی توثیق وتحسین یہ حدیث حسن ہے۔

(۲) اس حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ میں یوسف بن ماھک سے روایت کرنے والے ایوب سجستانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو بتلادیا کہ یہ متفرد نہیں بلکہ ان کے متابع ابوبشر موجود ہیں۔

یہ حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بسند محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بھی منقول ہے۔ کہ حدیث حکیم حزام رضی اللہ عنہ بسند محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے اندر محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم بن حزام رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان واسطہ ہے یا واسطہ نہیں تو بعض رواۃ مثلاً عوف اور ھشام بن حبان وغیرہ واسطہ ذکر نہیں کرتے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بلکہ واسطہ ہے۔

واسطہ ہونے کی تقدیر پر ایک واسطہ ہے یا دو واسطے ہیں بعنوان آخر صرف ایوب سجستانی کا واسطہ ہے یا یوسف بن ماہک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی واسطہ ہے وکیع رحمۃ اللہ علیہ ایک واسطہ ہے وکیع ایک واسطہ ذکر رہے ہیں اور عبدالصمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو واسطے ذکر کر رہے ہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ عبدالصمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فیصلہ دیتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دو واسطے ہیں لہٰذا یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ معضل ہے۔

ماھك: آیا یہ عربی لفظ ہے یا فارسی اکثر کے نزدیک یہ فارسی لفظ ہے اور تشبیہ پر محمول ہے وہ تشبیہ یہ ہے کہ چاند جیسا اور بعض کہتے ہیں کہ عربی کا لفظ ہے غیر منصرف ہے اور عجمۃ اور علم کی وجہ سے۔

مسئلہ: بیع کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ بائع جو چیز بیچ رہا ہے وہ اس کی ملکیت میں ہو اور اس پر اس کا قبضہ بھی ہو اگر مبیع بائع کی ملکیت میں نہیں یا اس پر اس کا قبضہ نہیں تو بیع جائز نہیں اور آڈر لینا اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً میرا کتب خانہ ہے میرے پاس آڈر آتے ہیں۔ آڈر میں جو کتابیں ہوتی ہیں میں ان کو بازار میں تلاش کرتا ہوں اور جتنی کتابیں مہیا ہو جاتی ہیں ان کو بھیج دیتا ہوں باقی کے بارے میں لکھ دیتا ہوں کہ دستیاب نہیں ہوئیں یہ آڈر لینا اس حدیث کے ذیل میں نہیں آتا کیونکہ آڈر بیع نہیں ہے بلکہ وعدہ بیع ہے یعنی آڈر بھیجنے والا اس کا پابند ہے کہ جو کتابیں بھیجی جائیں ان کو ضرور لے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْوَلَآءِ وَهِبَتِهٖ

باب ۲۰: ولاء کی بیع اور ہبہ میں کراہیت کا بیان

(۱۱۵۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَلَآءِ وَهِبَتِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ولاء کو فروخت کرنے یا اسے ہبہ کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: ولاء کی دو قسمیں ہیں: ① ولاء العتاقۃ کہ آزاد کردہ غلام یا باندی کا مال آقا کے لیے ہو۔

② ولاء الموالاة کہ کوئی کافر مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہوجائے اور اس کو کہے کہ اگر میں مرگیا تو میرا مال تیرے لیے ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی جنایت ہوگی تو اس کی دیت تم پر لازم ہوگی قسم ثانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر ہے متقدمین میں اس کا رواج تھا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جعفی ولاء الموالاة کی وجہ سے کہتے ہیں اور اس کا ثبوت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہے۔

مسئلة الباب: زیر بحث باب کی روایت میں ولاء کی بیع اور ہبہ سے منع کیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ولاء دو حال سے خالی نہیں اس سے مراد حق ولاء ہوگا یا مال اگر اس سے مراد حق ولاء ہو تو پھر بیع اس لیے ناجائز ہے کہ وہ عین نہیں بلکہ عرض ہے جیسے حدیث مذکور ہے انما هی لحمة كلحمة النسب کہ یہ نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے اور قرابت عین نہیں حالانکہ مبیع کے لیے عین ہونا ضروری ہے اور اگر اس سے مراد مال ہے تو پھر بیع اس لیے ناجائز ہے کہ وہ موجود نہیں نہ فی الحال موجود ہے اور نہ آئندہ موجود ہونے کا یقین ہے ممکن ہے کہ مولیٰ ہی غلام سے پہلے فوت ہوجائے۔

مولی العتاقة اور مولی الموالاة میں فرق: ''مولی العتاقة'' اور مولی الموالاة میں فرق یہ ہے کہ مولی العتاقة عصبات میں داخل ہوتا ہے اور آخری عصبہ ہوتا ہے لہٰذا اگر آزاد ہونے کے بعد غلام مرجائے اور غلام کے ذوی الفروض اور دوسرے عصبات نہ ہوں تو اس صورت میں یہ مولی العتاقة وارث ہوگا اور ذوی الارحام پر یہ مقدم ہوگا اور مولی الموالاة ذوی الارحام سے مؤخر ہوتا ہے لہٰذا اس وقت وارث ہوگا جب مرنے والے کے عصبات اور ذوی الارحام نہ ہوں ورنہ نہیں ہوگا ان دونوں قسم کے حقوق کو ولاء کہا جاتا ہے حدیث باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم کی ولاء کو فروخت کرنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے فلاح شخص کی حق ولاء حاصل ہے میں یہ حق ولاء تم کو اتنے روپے میں فروخت کرتا ہوں جب اس کا انتقال ہوگا تو تم اس کے وارث ہوجاؤ گے یہ معاملہ کرنا جائز نہیں۔

حق الارث کی بیع: اسی حدیث سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ حقوق شرعیہ یعنی وہ حقوق جو شریعت نے کسی ایک شخص کو دیئے ہیں اور وہ حقوق قابل انتقال نہیں ہیں تو ان حقوق کی خرید و فروخت جائز نہیں جیسے حق الارث ہے اس کی بیع جائز نہیں مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنے باپ کے مال کا وارث ہوں یہ حق الارث میں تمہیں اتنے روپے میں فروخت کرتا ہوں یہ معاملہ جائز نہیں اس لیے حق الارث ایک حق شرعی ہے جو قابل انتقال نہیں ہے۔

حق تصنیف: ہے کہ ایک شخص نے ایک کتاب تصنیف کی اب اس کتاب کو شائع کرنے کا حق اس کو حاصل ہے اب یہ شخص اپنا یہ حق دوسرے کو فروخت کر دیتا ہے کہ میں اپنا یہ حق تصنیف آپ کو اتنے روپے کے عوض فروخت کرتا ہوں اسی کو حق طباعت بھی کہتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ بَیْعِ الْحَیَوَانِ بِالْحَیَوَانِ نَسِیْئَةً

باب ۲۱ : حیوان کو حیوان کے بدل ادھار بیچنا جائز نہیں

(۱۱۵۸) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْ بَیْعِ الْحَیوانِ بِالْحَیوانِ نَسِیْئَةً.

ترجمہ: سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے جانور کی عوض میں جانوروں کے ادھار سودے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۵۹) اَلْحَیوانُ اِثْنَانِ بِوَاحِدٍ لَا یَصْلُحُ نَسِیئًا وَلَا بَأْسَ بِهٖ یَدًا بِیَدٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ایک جانور کے بدلے میں دو جانور فروخت کئے جاسکتے ہیں لیکن انہیں اُدھار کے طور پر فروخت کرنا درست نہیں ہے البتہ دست بدست فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ حدیث متصل ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ محمول ہے بیع الحیوان بالحیوان پر جبکہ جانبین سے نسیئۃً ہو اور جانبین سے نسیئۃً کے عدم جواز کے تو ہم بھی قائل ہیں؟

جواب: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو جانبین سے نسیئۃً پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ نسیئۃً عن الجانبین سے نہی کے لیے مستقل نص ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیع الکالی سے منع فرمایا۔

شوافع کی دلیل: حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بن العاص رضی اللہ عنہ ہے الذی اخرجہ ابوداؤد فی سننہ جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر کو روانہ فرمانے کا ارادہ فرمایا تو کچھ سواریاں کم ہوگئیں تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زکوۃ کے اونٹوں کے بدلے میں سواریاں خرید لو تو جب زکوۃ کے اونٹ آئیں گے تو دے دیں گے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ و کنت اخذ البعیر بالبعیرین. (یعنی میں ایک اُونٹ کے بدلے دو اُونٹ لیتا تھا) تو یہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً ہوئی تو معلوم ہوا کہ بیع الحیوان نسیئۃً جائز ہے۔

احناف کی طرف سے پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ یہ محرم ہے بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ کے لیے اور حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مبیح ہے اور جب اباحت اور حرمت میں تعارض ہوجائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے لہٰذا حدیث سمرۃ رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہے۔

جواب ②: حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ سنداً مضطرب ہے اور مضطرب سے استدلال بھی اضطراب کو پیدا کرتا ہے چنانچہ حافظ جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا یحیٰی بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو جرح و تعدیل کے کوہ ہمالیہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ھذہ مضطرب الاسناد اور اس اضطراب کو اپنی کتاب کے اندر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جواب ③: سنداً بھی حدیث عبداللہ عمرو بن ابی العاص رضی اللہ عنہ ضعیف ہے چنانچہ ابوداؤد کی سند کے اندر ایک راوی مسلم بن جبیر اور دوسرے عمرو بن حریص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کلاھما مجھولان.

جواب ④: اگر مان بھی لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب ابھی تک حرمت ربوا کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے اور جب حرمت ربوا کے احکام نازل ہوئے تو **بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً** کے بھی حرمت کا حکم نازل ہوا چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی میلان اسی طرف ہے۔

مالکیہ تھوڑا سا فرق کرتے ہیں متحد الجنس ہوگا یا مختلفۃ الجنس ہوگا اگر مختلفۃ الجنس ہو تو پھر مالکیہ احناف کے ساتھ ہیں اور اگر متحدۃ الجنس ہو تو پھر شوافع کے ساتھ ہیں اور یہ حدیث تائید کے درجے میں ہے ورنہ اس حدیث میں حجاج بن ارطاۃ یہ ضعیف راوی ہیں اور ضعیف سے بھی سہارا لیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شِرَاءِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدَیْنِ

باب ۲۲: ایک غلام کو دو غلاموں کے عوض خریدنا ناجائز ہے

(۱۱۶۰) جَاءَ عَبْدٌ فَبَایَعَ النَّبِیَّ ﷺ عَلَی الْهِجْرَةِ وَلَا یَشْعُرُ النَّبِیُّ ﷺ اَنَّهٗ عَبْدٌ فَجَاءَ سَیِّدُهٗ یُرِیْدُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ بِعْنِیْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَیْنِ اَسْوَدَیْنِ ثُمَّ لَمْ یُبَایِعْ اَحَدًا بَعْدُ حَتّٰی یَسْاَلَهٗ اَعَبْدٌ هُوَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک غلام آیا اس نے نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر ہجرت کرنے کی بیعت کر لی نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا پتہ نہیں تھا وہ غلام ہے پھر اس کا آقا اس کو تلاش کرتا ہوا آیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم اسے مجھے فروخت کر دو پھر نبی اکرم ﷺ نے دو سیاہ فام غلاموں کے عوض میں اس غلام کو خرید لیا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی سے بیعت لیتے تھے تو اس سے یہ پوچھ لیتے تھے کہ کیا وہ غلام ہے؟

تشریح: ایک غلام کو خریدنا دو غلاموں بدلے میں دو غلاموں کو خریدنا ایک کے بدلے میں اگر یداً بید ہو تو یہ بالاجماع جائز ہے خواہ متساویا ہو یا متفاضلا ہو۔

سوال: فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی غلام دار الحرب سے دار الاسلام میں مسلمان ہو کر آ جائے تو دار الاسلام میں آتے ہی وہ مسلم آزاد ہو جاتا ہے اور آزاد کی بیع تو جائز نہیں ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کو کیسے بیچا؟

دوسرا سوال: کہ مسلمان غلام کو دار الحرب کی طرف بھیجنا جائز نہیں ہے کہ وہ وہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر کہیں کفر نہ اختیار کر لے۔

جواب عن السوال الاوّل: ممکن ہے کہ یہ غلام دار الحرب میں رہنے والے ان کفار کا ہو کہ جن کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا معاہدہ ہو اور جن کے ساتھ معاہد ہو تو اگر ان کا غلام دار الاسلام میں بھاگ کر آ جائے تو وہ آزاد مسلمان نہیں ہوتا۔

جواب عن السوال الثانی: اس کے عوض میں جو دو غلام دیئے ممکن ہے کہ وہ دونوں کافر ہوں۔

اور دونوں سوالوں کا قدر مشترک جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ اِنَّ الْحِنْطَةِ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَرَاهِيَةِ التَّفَاضُلِ فِيهِ

باب ۲۳: گیہوں سے گیہوں کا تبادلہ برابر سرابر ہونا ضروری ہے کمی بیشی حرام ہے

(۱۱۶۱) اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالفِضَّةُ بِالفضةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالتَّمْرُ مِثْلًا بِمِثْلٍ والْبُرُّ بِالْبُرِّ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ اَوْ ازْدَادَ فَقَدْ اَرْبٰى بِيْعُو االذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيفَ شِئْتُم يَدًا بِيَدٍ وَبِيْعُو االْبُرَّ بِالتَّمْرِ كيفَ شِئْتُم يَدًا بِيَدٍ وبِيْعُو الشَّعِيرَ بِالتَّمْرِ كيفَ شِئْتُم يَدًا بِيَدٍ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں سونے کے عوض میں سونے کو برابر چاندی کے عوض میں چاندی کو برابر کھجور کے عوض میں کھجور کو برابر گیہوں کے عوض میں گیہوں کو برابر نمک کے عوض میں نمک کو برابر اور جو کے عوض میں جو کو برابر فروخت کرو جو شخص زیادہ ادائیگی کرے یا زیادہ ادائیگی چاہے تو اس نے سود کا کام کیا چاندی کے عوض میں سونے کو جس طرح چاہو نقد فروخت کرو۔

تشریح: ربا کی دو قسمیں ہیں ربا القرض اور ربا الفضل کا بچہ ربا النسیئہ ہے قرآن کریم نے صرف ربا القرض کو بیان کیا ہے اور ربا الفضل اور ربا النسیہ کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے۔

ربا القرض کی تعریف:

قرض پر زیادتی مشروط کرنے کا نام ربا القرض ہے مثلاً ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد زیادتی شرط کی۔ سورۂ آل عمرآن آیت ۱۳۰ میں ربا القرض کا بیان ہے ارشاد پاک ہے اے ایمان والو! مت کھاؤ سود دونے پر دونا اضعافا مضاعفة کی صورت یہ ہے کہ ایک ہزار روپے قرض دیئے اور دس فیصد شرط کی تو مقروض پہلے مہینے میں گیارہ سو واپس کرے گا اور دوسرے مہینہ میں بارہ سو دس لازم ہوں گے کیونکہ اب گیارہ سو کا دس فیصد واجب ہوگا اور تیسرے مہینہ میں بارہ سو دس کا دس فیصد واجب ہوگا، یوں ہر مہینہ کا سود اصل کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا اور مجموعہ پر سود بڑھتا رہے گا یہ اضعافا مضاعفة ہے اور یہ بات صرف ربا القرض میں متحقق ہوتی ہے ربا الفضل میں اضعافا مضاعفة کا تحقق نہیں ہوتا غرض قرض پر زیادتی شرط کرنے کا نام ربا القرض ہے۔

البتہ اگر قرض پر کوئی زیادتی شرط نہیں کی مگر مقروض نے اپنی خوشی سے زیادہ واپس کیا تو یہ سود نہیں مثلاً ایک شخص نے بیس ہزار روپے قرض لئے اور دس سال کے بعد واپس کئے اور یہ خیال کیا کہ کرنسی مسلسل گرتی رہتی ہے اور رقم سے دس سال تک اس نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی زکوۃ قرض دینے والے نے ادا کی ہے اس لیے اس نے اپنی خوشی سے بیس کی جگہ تیس کئے تو یہ زائد دس ہزار سود نہیں اور قرض دینے والے کے لیے اس رقم کا لینا جائز ہے بلکہ لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے اور قرض کو اچھے طریقہ سے یعنی وقت پر خندہ پیشانی سے اور کچھ اضافہ کرکے ادا کرنا چاہیے۔ ہاں اگر قرض دینے والا زیادتی کی شرط لگائے تو یہ سود ہے اور ناجائز ہے۔

اشیاء ستہ میں ربا کی علت کیا ہے: تمام ائمہ رحمہم اللہ متفق ہیں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب جس میں چھ چیزوں کا ذکر ہے معلل بالعت ہے ربا کا حکم ان تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے جن میں وہ علت پائی جاتی ہے۔

صرف غیر مقلدین اختلاف کرتے ہیں ان کے نزدیک ربا مذکورہ چھ چیزوں میں منحصر ہے ساتویں کسی چیز میں ربا نہیں حتیٰ کہ جب سونے چاندی کے سکے یعنی دنانیر ودراہم کا چلنا بند ہوا اور ان کی جگہ کرنسی نوٹ آئے تو ہندستان کے غیر مقلدین نے فتویٰ دیا کہ ان کاغذ کے پرزوں میں ربا نہیں کیونکہ یہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ ہیں پھر جب لوگوں نے ان پر پھٹکار بھیجی تو انہوں نے فتویٰ بدلا کہ کرنسی نوٹ سونے چاندی کے حکم میں ہیں اس لیے ان میں بھی ربا متحقق ہوگا غرض اصحاب ظواہر تعلیل کے قائل نہیں ان کے علاوہ تمام مجتہدین کے نزدیک حدیث معلول بالعلت ہے پھر اس میں تو اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی کی علت الگ ہے اور باقی چار چیزوں کی الگ مگر علت نکالنے میں اختلاف ہوا ہے مشہور تین قول ہیں۔

مذاہب فقہاء: سونے اور چاندی کی علت: پہلا قول: احناف اور حنابلہ کے نزدیک علت قدر اور جنس ہے قدر عبارت ہے عوضین کے مکیلی اور موزونی ہونے سے اور جنس کا معنی ہے مالیت میں تناسب ہو چنانچہ ان اشیاء میں سے سونا چاندی موزونی ہیں پس جو بھی چیز تولی جاتی ہے وہ سونے چاندی کے حکم میں ہے مثلاً زعفران لوہا تانبا پیتل وغیرہ بلکہ اب تو ہزاروں چیزیں موزونی ہیں پس سب ربوی اشیاء ہیں۔ پس قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور دونوں قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں تو ربا الفضل اور بالنسیہ دونوں کا تحقق ہوگا اور نہ تفاضل جائز ہوگا نہ ادھار بلکہ برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنا ضروری ہوگا اور قدر مع الجنس میں یعنی جب دونوں عوض الگ الگ جنس کے ہوں مگر دونوں مکیلی یا موزونی ہوں تو صرف ربا النسیہ کا تحقق ہوگا ربا الفضل متحقق نہیں ہوگا یعنی اس صورت میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار ناجائز جیسے گیہوں کو چنے کے عوض بیچا جائے تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام۔ پس جو بھی چیز پیمانے سے ناپی جاتی ہیں وہ ربوی ہے خواہ وہ مطعوم ہو یا غیر مطعوم جیسے چاول چنا مکئی برسین کے بیج وغیرہ اور معدودات (جو گن کر فروخت کی جاتی ہیں) اور مزروعات (جو گز وغیرہ سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں ربوی چیزیں نہیں۔

دوسرا قول: شوافع کا ہے وہ کہتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے اندر حرمت ربواء کی علۃ ثمنیت ہے اور باقی اشیاء اربعہ کے اندر طعمیت ہے غذائیت ہے آگے تعمیم ہے کہ وہ باقی رکھنے کے قابل ہوں یا باقی رکھنے کے قابل نہ ہوں۔ علت طعم (کھانے کی چیز) ہونا ہے اور طعم میں ان کے نزدیک تین چیزیں شامل ہیں۔

اوّل: مطعومات یعنی وہ چیزیں جو غذا بننے کے لیے پیدا کی گئی ہیں گیہوں اور جو اس کی مثالیں ہیں اور چاول، چنا اور مکئی وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

دوم: فواکہ (پھل) کھجور اس کی مثال ہے اور کشمش انجیر وغیرہ اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

سوم: مصلحات یعنی وہ چیزیں جو طعام یا جسم کی اصلاح کرتی ہیں نمک اس کی مثال ہے اور تمام ادویہ اور مسالے اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

تیسرا قول: مالکیہ کا ہے سونے اور چاندی کے اعتبار سے تو ثمنیت ہے اور باقی اشیاء اربعہ کے اندر غذائیت ہے بشرطیکہ وہ ادخار یعنی ذخیرہ اندوزی کی صلاحیت رکھتا ہو۔

اور مالکیہ کے نزدیک: (۱) صرف ربا النسیہ کے لیے طعام میں علت: مطعوم ہونا ہے بشرطیکہ وہ چیز دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو خواہ وہ مطعوم اقتیات وادخار کے قابل ہو یا نہ ہو جیسے ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر وغیرہ کو دست بدست بیچنا ضروری ہے اور فواکہ کی جملہ انواع جیسے سیب اور کیلے وغیرہ کو بھی دست بدست فروخت کرنا ضروری ہے ادھار بیچنا سود ہے اور البتہ ان میں ربا الفضل

متحقق نہیں ہوگا پس کی بیشی جائز ہے۔

(۲) اور ربا الفضل اور ربا النسیہ دونوں کے تحقق کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں ایک طعام کا مقتات ہونا یعنی عموماً انسان ان کو کھاتے ہوں اور صرف ان پر گذر بسر کرتے ہوں۔ دوسرا: طعام کا ادخار کے قابل ہونا یعنی عرصہ تک رکھنے سے وہ چیز خراب نہ ہو جہاں یہ دونوں چیزیں (اقتیات وادخار) پائی جائیں گی وہاں دونوں ربا متحقق ہوں گے پس نہ کمی وبیشی سے فروخت کرنا درست ہوگا نہ ادھار۔

احناف کو کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے اس کے دلائل:

① حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے علت معلوم ہورہی ہے مثلاً بمثل سے یہ علۃ حال ہونے کی وجہ سے قید مقصودی ہے جیسے جاء زید راکباً میں مقصود مجیئت زید بحالۃ رکوب کو بتلانا ہے۔ باقی مقصودی کیوں ہے؟ ایک تو قید ہونے کی وجہ سے اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ مفہوم بیع میں داخل ہے اور مفہوم بیع مبادلۃ المال بالمال ہے اور ظاہر ہے کہ مبادلۃ المال بالمال علی وجہ الاتم تب ہوگا کہ جب بدلین میں مماثلت ہو اور نیز یہ مماثلت حکم بیع یعنی ملکیت کے اندر بھی دخیل ہے اس لیے کہ ملکیت تب ہوگی جب تسلیم ہوگی کہ بائع مبیع مشتری کے حوالے کردے اور مشتری ثمن بائع کے سپرد کردے اور تسلیم تب ہوگی کہ جب رضا مندی ہوگی اور رضا مندی تب ہوگی جب عوضین کے اندر مماثلت ہو۔ اذا کان الامر کذلك اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مماثلت دو قسم پر ہے: ① مماثلت صوری ② مماثلت معنوی۔ مماثلت صوری معلوم ہوگی کیل اور وزن کے ذریعے سے اور مماثلت معنوی معلوم ہوگی جنس کے ذریعے سے پس یہ مماثلت دال ہے جنس اور قدر پر اور نیز اس علت کا استفادہ کیا گیا ہے قید سے اور مجتہد کی جو شان ہوتی ہے وہ قیودات کو زیر بحث لانا ہوتا ہے نہ کہ اعیان کو زیر بحث لانا بخلاف دیگر ائمہ کے کہ انہوں نے اعیان کو دیکھا قید کو نہیں دیکھا۔

دوسری دلیل: (ا) شافعیہ اور مالکیہ نے سونے اور چاندی میں جو علت ثمنیت تجویز کی ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ جب ثمنیت سونے اور چاندی کے ساتھ خاص ہے تو اس تعلیل کا کیا فائدہ؟ تعلیل تو حکم کے تعدیہ کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس سے بہتر وزن کو علت بنانا ہے کیونکہ لوہے تانبے وغیرہ کی طرف اس کا تعدیہ ہوتا ہے علاوہ ازیں ایک متفق علیہ حدیث من وزن و کیل کے علت ہونے کی طرف اشارہ ہے حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو عامل بنا کر خیبر بھیجا وہاں سے وہ عمدہ کھجوریں لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کیا خیبر میں سب ایسی ہی عمدہ کھجوریں ہوتی ہیں؟ ان صاحب نے کہا نہیں! بلکہ ہم عمدہ کھجوروں کا ایک صاع معمولی کھجوروں کے دو صاع سے اور دو صاع تین صاع سے بدل لیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جیدًا ایسا نہ کرو مخلوط کھجوریں دراہم کے عوض بیچ دو، پھر دراہم سے عمدہ کھجوریں خریدلو وقال فی المیزان مثل ذالك اور وزن میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ (مشکوۃ حدیث ۲۸۱۴) یعنی کھجوروں میں جید وردی کا تفاوت ظاہر کرنا مقصود ہو تو دو بیعیں کی جائیں اسی طرح سونے چاندی میں عمدہ اور گھٹیا کا تفاوت ظاہر کرنا ہو تو بھی دو بیعیں کی جائیں گی اور لفظ میزان سے دونوں میں علت موزونی ہونا صاف مفہوم ہوا اور تقابل سے واضح ہوا کہ کھجوریں مکیلی ہیں پس اس حدیث سے ربا کی دونوں علتیں: کیل ووزن ثابت ہوگئیں۔

اور یہی بات جو اس حدیث سے اشارۃً مفہوم ہوتی ہے مستدرک حاکم (۲: ۴۳) کی ایک روایت میں صراحت آئی ہے گو وہ روایت ضعیف ہے مگر تائید کے لیے کافی ہے وہ روایت یہ ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو رسوا

اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا:

التمر بالتمر والحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والذهب بالذهب والفضة بالفضة يدا بيدأ عينا بعين مثلا بمثل فمن زاد ربا ثم قال كذلك مايكال ويوزن ايضا.

یعنی مذکورہ پانچ چیزوں کا جو حکم ہے وہی تمام مکیلات وموزونات کا ہے غرض شافعیہ اور مالکیہ نے حرمت ربا کی جو علت بیان فرمائی ہے اس کی تائید کسی نص سے نہیں ہوتی انہوں نے یہ علت اپنے اجتہاد سے نکالی ہے اور احناف نے جو علت بیان کی ہے اس کی تائید مذکورہ دونوں حدیثوں سے ہوتی ہے۔

چوتھی دلیل: یہ ہے کہ احناف کی اس علۃ کے مطابق احتیاط بھی زیادہ ہے کہ اشیاء ستہ کے علاوہ کثیرہ میں ربوا سے اجتناب ہوجائے گا مثلاً لوہے کی بیع لوہے کے ساتھ اور چونے کی بیع چونے کے ساتھ احناف کی بیان کردہ علۃ کی وجہ سے ان میں بھی ربوا حرام ہوگا اور اس سے بچنا ضروری ہوگا اور باقی ائمہ کے ہاں ثمنیت وطعم یا ادخار والی علت نہیں پائی جاتی اس لیے ان میں ربوا حرام نہیں ہوگا۔

اگر قدر اور جنس دونوں کا مجموعہ پایا جائے تو تفاضل بھی حرام اور نسیئہ بھی حرام ہوگا اور اگر ایک پایا جائے۔قدر یا جنس تو پھر تفاضل جائز ہوگا اور ربوا نسیئہ حرام ہوگا اذا كان الامر كذلك تو احناف کے نزدیک ان اشیاء کے علاوہ میں حرمت ربوا کی علۃ کی چار صورتیں بن جائیں گی۔ ① عوضین قدراً بھی متحد ہوں اور جنساً بھی متحد ہوں۔② جنسا متحد ہوں لیکن قدرا متحد نہ ہوں۔③ قدراً متحد ہوں لیکن جنسا متحد نہ ہوں۔④ نہ قدرا متحد ہوں اور نہ جنسا متحد ہوں۔اوّل کی صورت جیسے چاول کی بیع چاولوں کے ساتھ اور آلو کی بیع آلو کے ساتھ دونوں موزونی بھی ہیں اور جنس بھی ایک ہے لہٰذا ربوا الفضل اور ربوا النسیئۃ دونوں حرام ہوں گے۔دوسری کی مثال: چاول کی بیع آلو کے ساتھ یہاں قدر تو ایک ہے لیکن جنس ایک نہیں ہے اس میں تفاضل جائز ہے لیکن نسیئۃ جائز نہیں ہے۔

تیسری کی مثال: جیسے خاص نوع کے کپڑے کی بیع اسی نوع کے کپڑے کے ساتھ ہے اب جنسا متحد ہیں اور قدرا مختلف ہیں نہ مکیلی ہیں اور نہ موزونی ہیں بلکہ مزروعی ہیں لہٰذا یہاں تفاضل جائز ہے نسیئۃ جائز نہیں ہے۔

چوتھی صورت کی مثال: جیسے انڈوں کی بیع کپڑوں کے ساتھ یہاں دونوں چیزیں جائز ہیں تفاضل بھی جائز ہے اور نسیئۃ بھی جائز ہے۔

سوال: بیع سلم موزونی چیز میں جائز نہیں ہونی چاہیے احناف کی علت کے مطابق اس لیے کہ جب مبیعہ موزونی ہوئی تو ثمن جو اس کے عوض میں دیئے جارہے ہیں یہ بھی سونے اور چاندی کے حکم میں ہونے کی وجہ سے موزونی ہوئے تو قدر پائی گئی اور جب قدر اور جنس میں سے ایک چیز پائی جائے تو نسیئۃ حرام ہے حالانکہ بیع سلم تو ہوتی ہی نسیئۃ ہے؟

جواب: اس کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے یہ اس سے مستثنیٰ رہے گی اگرچہ علت کا مقتضی تو یہی ہے کہ جائز نہ ہو اور احادیث کثیرہ بھی اس کے جواز پر دال ہیں۔اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان اشیاء ستہ مذکورہ کے ماسواء کے اندر حرمت ربوا کی علۃ مخصوص نہیں ہے بلکہ اجتہادی ہے چونکہ علت مختلف فیہ ہے لہٰذا فقہاء کے ہاں احکام بھی مختلف ہوں گے۔اسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں تعبیر فرمایا

کہ آیات متعلقہ بالا حکام میں سب سے آخری آیت ربوا کے بارے میں نازل ہوئی ولم یفسرھا النبی ﷺ جب یہ صورت حال ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان اشیاء ستہ کے ماسواء جن جن اشیاء میں ربوا کا ہونا سمجھ میں آ جائے ان کو بھی چھوڑ دیں اور جن میں شبہ ہو ان کو بھی چھوڑ دیں کنز الاعمال کے اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ ہم نے ۹۰ فیصد جائز معاملات کو ترک کر دیا احتمال ربوا کی وجہ سے۔ موجودہ زمانہ کے ملحدین نے اس قول کی وجہ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن وحدیث کا حکم مبہم ہے معلول نہیں ہے ایک مبہم چیز کی وجہ سے سارے عالم کا جو نظام چل رہا ہے اس کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟

جواب ①: اعتراض سراسر غلط ہے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ان اشیاء ستہ کے ماسواء میں حرمت ربوا منصوص علیہ نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ باقی اشیاء میں تفصیل بیان نہیں کی تو باقی میں اندھا دھند ربوا لینا شروع کر دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء ستہ کے علاوہ جن جن اشیاء میں ربوا کا ہونا سمجھ میں آ جائے ان کو بھی چھوڑ دو اور جن میں شبہ ہو ان کو بھی چھوڑ دو۔

جواب ②: یہ ہے کہ درحقیقت یہ ربوا کی دو قسمیں ہیں: (۱) ربوا قرض (۲) ربوا معاملہ۔

ربوا قرض یہ ہے کہ ایک مدت تک کے لیے کسی کو قرضہ دیا جائے اس شرط کے ساتھ کہ جب وصولی ہوگی تو اصل رقم پر اتنی مقدار زیادتی کے ساتھ وصول ہوگی۔ یہ ہے ربوا فی القرض زمانہ جاہلیت کے اندر بھی اس کا یہی مفہوم تھا اور اب بھی اس کا یہی مفہوم ہے اور قرآن میں بھی اسی کی حرمت نازل ہوئی ہے۔

اور ایک ہے ربوا فی المعاملات جس کو نبی کریم ﷺ نے اشیاء ستہ کے اندر تو بیان فرما دیا لیکن ان کے ماسواء کے اندر اس کی حرمت اجتہادی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ربوا فی المعاملات کے بارے میں ہے اور موجود زمانہ کے اندر جو ربوا چل رہا ہے یہ ربوا فی القرض ہے اور اس کی تفصیل تو ساری دنیا جانتی ہے۔

سوال ①: اگر مان لیں کہ ربوا سے مراد ربوا فی القرض ہے تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرض کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قرض حاجت (۲) قرض تجارت۔

قرض حاجت: یہ ہے کہ ایک آدمی کے کپڑے نہیں ہیں یا بچے بھوکے ہیں وہ ان کی بھوک کو ختم کرنے کے لیے یا کپڑے خریدنے کے لیے قرض لیتا ہے اس کو قرضہ حاجت کہتے ہیں۔

قرض تجارت: یہ ہے کہ مال کو بڑھانے کے لیے قرضہ لیا جائے اور قرآن مجید نے قرض حاجۃ کو حرام قرار دیا اس لیے کہ جب قرآن کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو اس وقت یہی قرض حاجۃ چل رہا تھا اور جو موجودہ قرض چل رہا ہے یہ قرض تجارت ہے۔

جواب: نبی کریم ﷺ کی شریعت نے مطلق ربوا کو حرام قرار دیا عام ازیں قرض حاجۃ ہو یا قرض تجارت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جیسے قرض فی الحاجۃ ہوتا تھا ایسے ہی قرض فی التجارت بھی ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ امانتیں رکھ جاتے تھے میرے والد کہتے کہ یہ قرض کے طور پر رکھ لو اس میں میرا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی فائدہ ہے میرا فائدہ یہ ہے کہ میں ان کو تجارت وغیرہ میں لگا سکوں گا اور تمہارا فائدہ یہ ہے کہ اگر بطور امانت کے ہو تو غیر اختیاری طور پر ہلاک ہونے کی صورت میں میرے اوپر تاوان نہیں ہوگا تو تمہارا نقصان ہو جائے گا اور قرض تو بہر حال دینا ہی ہوگا

تو لوگ ان کے پاس قرض رکھ کر جاتے تھے۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میرا قرضہ ادا کردینا فلاں زمین فروخت کر کے تو ان کی وفات کے بعد جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حساب لگایا تو وہ ۲۲ لاکھ نکلا تو کیا یہ بھوک مٹانے کے لیے تھا کفن دفن کے لیے تھا نہیں بلکہ تجارت کے لیے تھا حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ربوا جاہلیت کو ختم کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا کے سود کو لوگوں سے معاف کرتا ہوں جو لوگوں کے ذمے تھا اس کی مقدار دس لاکھ مثقال سونا تھی اس سے اندازہ لگائیں کہ قرضہ کتنا ہوگا۔

سند کا حال: اس پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کلام کر رہے ہیں یہ جملہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں ثابت ہے یا نہیں؟ تو بعض رواۃ اس جملے کو نقل کر رہے ہیں اور بعض نقل نہیں کرتے پھر جو رواۃ نقل کر رہے ہیں ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا کہ آیا یہ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا حدیث مرفوع کا حصہ ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع کا حصہ ہے جیسے آخر میں فرمائیں گے: والحجة فی ذلك قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الصَّرْفِ

باب ۲۴: سونے چاندی کی بیع کا بیان

(۱۱۶۲) اِنْطَلَقْتُ اَنَا وَابْنُ عُمَرَ اِلٰی اَبِیْ سَعِیْدٍ فَحَدَّثَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ سَمِعْتُہُ اُذُنَایَ ہَاتَانِ یَقُوْلُ لَا تَبِیْعُوْا مِنْہُ غَائِبًا بِنَاجِزٍ.

ترجمہ: نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ہمیں یہ حدیث سنائی میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے دونوں کانوں کے ذریعے سنا ہے سونے کو سونے کے عوض میں برابر فروخت کرو اور چاندی کو چاندی کے عوض میں صرف برابر فروخت کرو اس میں سے کسی ایک سمت سے زیادہ ادائیگی نہ کرو اور نہ ہی موجود چیز کے عوض غیر موجود کا سودا کرو۔

(۱۱۶۳) کُنْتُ اَبِیْعُ الْاِبِلَ بِالْبَقِیْعِ فَاَبِیْعُ بِالدَّنَانِیْرِ فَاٰخُذُ مَکَانَہَا الْوَرِقَ وَاَبِیْعُ بِالْوَرِقِ فَاٰخُذُ مَکَانَہَا الدَّنَانِیْرَ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَجَدْتُہٗ خَارِجًا مِنْ بَیْتِ حَفْصَۃَ فَسَاَلْتُہٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا بَاْسَ بِہٖ بِالْقِیْمَۃِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں بقیع میں دیناروں کے عوض میں اونٹ فروخت کیا کرتا تھا اور ان کی جگہ چاندی لے لیا کرتا تھا یا کبھی چاندی کے عوض میں فروخت کرتا تھا اور ان کی جگہ دینار لے لیا کرتا تھا ایک مرتبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر نکلتے ہوئے پایا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا قیمت کے حوالے سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۱۶۴) اَقْبَلْتُ اَقُوْلُ مَنْ یَّصْطَرِفُ الدَّرَاہِمَ فَقَالَ طَلْحَۃُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ وَھُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَرِنَا

ذَهَبَكَ ثُمَّ ائْتِنَا إِذَا جَآءَ خَادِمُنَا نُعْطِكَ وَرِقَكَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتُعْطِيَنَّهُ وَرِقَهُ أَوْ لَتَرُدَّنَّ إِلَيْهِ ذَهَبَهُ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَآءَ وَهَآءَ.

ترجمہ: حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں یہ پوچھتا ہوا (بازار میں) داخل ہوا درہم کے عوض میں دینار کا لین دین کون کرتا ہے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ بولے تم اپنا سونا ہمیں دکھاؤ اور تھوڑی دیر بعد ہمارے پاس آنا جب ہمارا خادم آئے گا تو ہم چاندی تمہیں دے دیں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہرگز نہیں اللہ کی قسم یا تو تم اس کی چاندی اسے دو گے یا تم اس کا سونا اسے واپس کر دو گے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سونے کے عوض میں چاندی کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے جو نقد ہو اور اناج کے عوض میں اناج کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے کہ جو نقد ہو جو کے عوض میں جو کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے جو نقد ہو کھجور کے عوض میں کھجور کا لین دین سود ہوتا ہے سوائے اس کے جو نقد ہو۔

تشریح: ثمن یعنی سونے چاندی (دینار و درہم) کے باہم تبادلہ کا نام بیع صرف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہم جنس کے ساتھ تبادلہ ہو یعنی سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ ہو تو برابری بھی ضروری ہے اور اگر خلاف جنس سے تبادلہ ہو یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے مگر دست بدست ہونا ضروری ہے حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی ایک خوش نصیب باب ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

فائدہ: اب دینار و درہم کی جگہ کرنسی نوٹ آ گئے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ پس یہ نوٹ ہی ثمن عرفی ہیں اور ان کے احکام ذو وجہین ہیں یہ من وجہ ثمن ہیں اور من وجہ سامان اس لیے دونوں مشابہتوں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے۔

مسئلہ: کرنسی نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ باب زکوٰۃ میں ان کی ثمنیت کا اعتبار ہے اگر سامان ہونے کا اعتبار کریں گے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ جو سامان تجارت کے لیے نہ ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور نوٹ تجارت کے لیے نہیں ہوتے۔

مسئلہ: اسی طرح ایک ملک کی کرنسی باہم کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں یہاں بھی ثمنیت کا اعتبار ہے۔

مسئلہ: ایک شخص سو کا نوٹ کھلا کروانے کے لیے دوکاندار کے پاس لے گیا اس نے پچاس روپے دیئے اور کہا باقی تھوڑی دیر میں لے جانا یہ جائز ہے کیونکہ یہاں سامان ہونے کا اعتبار ہے اگر ثمنیت کا لحاظ کریں گے تو مذکورہ صورت ناجائز ہوگی کیونکہ بیع صرف مجلس عقد میں دست بدست قبضہ ضروری ہے۔

اسی طرح دو ملکوں کی کرنسیوں کا باہم تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے یہاں بھی سامان ہونے کا لحاظ ہے اور حوالہ میں ایک عوض نقد ہونا ضروری ہے دوسرا ادھار ہو سکتا ہے ورنہ بیع کالی بالکالی لازم آئے گی۔ غرض سونا چاندی تو ثمن خلقی ہیں مگر کرنسی نوٹ ثمن عرفی ہیں حکومت کی اعتباریت پر ثمن ہیں لہٰذا ان میں ثمنیت کا بھی اعتبار ہوگا اور چونکہ خلقۃً ثمن نہیں ہیں اس لیے سامان ہونے کا بھی اعتبار ہوگا دونوں پہلوؤں کا لحاظ کر کے احکام مرتب کئے جائیں گے۔

جزوی اختلاف: حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا ابتدائی قول یہی تھا کہ اگر سونے کی بیع سونے کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ

ہوتو اس میں تفاضل جائز ہے اسی طرح اگر چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ ہوتو اس میں بھی تفاضل جائز ہے اس لیے کہ حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ میں ہے انما الربوا فی النسیئة. انما کا کلمہ حصر کے لیے ہے اب معنی ہوگا لاربوا الا فی النسیئة لیکن جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کو تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا تو پوری امت کا اجماع ہوگیا کہ اگر سونے کی بیع سونے کے ساتھ اور اسی طرح چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ ہوتو اس میں تفاضل ناجائز ہے۔

سوال: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ میں بظاہر تضاد ہے حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ صرف نسیئہ ہی حرام ہے اور تفاضل تو حرام نہیں ہے اور حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حرام ہیں۔

جواب ①: حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ محمول ہے اشیاء غیر متجانسہ کی بیع پر اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ربوالنسیئہ ہی حرام ہے تفاضل تو حرام نہیں ہے اور حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ محمول ہے اشیاء متجانسہ کی بیع پر تو اس صورت میں تفاضل بھی حرام ہے اور نسیئہ بھی حرام ہے۔

جواب ②: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ محرم ہے اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ زیادہ سے زیادہ مبیح ہے اور تعارض کے وقت ترجیح محرم کو ہوتی ہے لہٰذا حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ راجح ہے حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ سے۔

جواب ③: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ناسخ ہے اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ منسوخ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بقیع میں اونٹوں کی تجارت کرتا دنانیر کے بدلے اونٹ فروخت کرتا اور وصولی کے وقت دنانیر کی بجائے دراہم لے لیتا اور کبھی دراہم کے عوض اونٹ فروخت کرتا اور وصولی کے وقت دراہم کی بجائے دنانیر لے لیتا تھا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا مسئلہ پوچھنے کے لیے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر تشریف لارہے تھے میں نے کہا کہ میرا تو یہ معاملہ ہے کہ دنانیر کے بدلے اونٹوں کو فروخت کرتا ہوں۔ اور وصولی کے وقت دنانیر کی بجائے دراہم لے لیتا ہوں اور کبھی دراہم کے بدلے اونٹ فروخت کرتا ہوں اور وصولی کی وقت دراہم کی بجائے دنانیر لے لیتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا بأس بالقیمه یعنی اگر بدل اور مبدل منہ قیمت کے لحاظ سے برابر ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: بقیع تو قبرستان ہے اس کے اندر کیسے تجارت کرتے تھے؟

جواب ①: بقیع کے قبرستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

جواب ②: یہ لفظ بقیع نہیں ہے بلکہ نقیع ہے جو کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں وادی عقیق سے ۲۰ میل کی مسافت پر ہے وہ مراد ہے۔

جواب ③: صحیح یہ ہے کہ یہ بقیع ہی ہے لیکن بقیع دو ہیں: (۱) بقیع الخیل اور یہ عیدگاہ کے قریب ایک بازار تھا تو حدیث میں یہی بقیع الخیل مراد ہے۔ (۲) بقیع الغرقد مراد نہیں جو کہ قبرستان ہے مالک بن اوس بن حدعان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں آیا یہ کہتے ہوئے من یصرف الدراھم کہ کون ہے جو دراہم کو فروخت کرنا چاہتا ہے دنانیر کے بدلے میں حاضرین میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ بھی موجود تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے میری آواز پر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ارے بھائی میں بیچنا چاہتا ہوں سونا ہمارے حوالے کردے پھر وقفہ کے بعد جب ہمارا منشی آجائے گا تو پھر ہم دراہم آپ کے حوالے کردیں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے فوراً کہا کہ کلا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا یا تو اسی مجلس کے اندر دراہم حوالے کرنے ہوں گے یا سونا واپس

کردو کیونکہ یہ بیع صرف ہے اس میں تقابض فی المجلس ضروری ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک سنائی۔ ھاء و ھاء اصل میں تھا خذ مافی یمینی واعط مافی یمینک یعنی یدا بید ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ابْتِيَاعِ النَّخْلِ بَعْدَ التَّابِيرِ وَالْعَبْدِ وَلَهُ مَالٌ

باب ۲۵: پیوند کاری کے بعد کھجوروں اور مالدار غلام کی بیع

(۱۱۶۵) مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرُهَا لِلَّذِي بَاعَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ.

ترجمہ: سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص پیوند کاری ہو جانے کے بعد کھجوروں کے باغ کو خریدے تو اس باغ کا پھل اس شخص کا ہوگا جس نے اسے فروخت کیا ہے سوائے اس صورت کے کہ خریدار اس کی شرط عائد کرے اور جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اس غلام کے پاس مال موجود ہو تو اس کا مال فروخت کرنے والے کی ملکیت ہوگا سوائے اس صورت کے کہ خریدار اس کی شرط عائد کر دے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے ان تؤبر اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ اگر تشدید کے ساتھ پڑھیں تو اس صورت میں یہ باب تفعیل سے ہوگا اور تخفیف والی صورت میں باب ضرب اور نصر سے ہوگا تابیر لغت میں کہتے ہیں اصلاح کو اور اصطلاح میں تابیر سے مراد یہ ہے کہ جب ابتداء کھجور کے خوشہ کا ظہور ہو تو اس وقت کھجور کا خوشہ کاٹ کر مادہ کے غلاف میں ڈالنا اس سے پھل زیادہ ہوتا تھا لیکن یہ انتہائی مشقت والا کام ہوتا ہے۔

مذاہب فقہاء: مسئلۃ الباب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی بعد التابیر کھجور کے درخت فروخت کرے تو کیا پھل درختوں کے تابع ہو کر بلا ذکر بیع میں شامل ہوگا یا نہ اور دو مذاہب ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پھل بائع کی ملک میں رہے گا چاہے قبل التابیر ہو یا بعد التابیر ہاں البتہ اگر صراحتاً ذکر کر دیا جائے کہ پھل بیع میں شامل ہے تو پھر شامل ہو جائے گا ورنہ اصول کے تابع نہ ہوگا۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال ایک تو باب کی روایت سے ہے اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ پھل بعد التابیر بائع کے لیے ہوگا دوسری ایک روایت میں مذکور ہے الثمرة للبائع الا ان یشترط للمتباع اس روایت میں مطلقا مذکور ہے کہ پھل بائع کا ہوگا قبل التابیر اور بعد التابیر کی کوئی قید مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث باب میں بعد کی قید خصوص واقع کے اعتبار سے ہے قید احترازی نہیں۔

(۲) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اگر بیع بعد التابیر ہو تو پھل بائع کی ملک میں رہے گا۔ اگر قبل التابیر ہو تو پھر بیع میں شامل ہوگا اور مشتری کے لیے ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال بھی زیر بحث باب کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ بعد التابیر پھل بائع کا ہوگا اس سے بطور مفہوم مخالف کے ثابت ہوگا کہ قبل التابیر پھل بائع کے لیے نہیں بلکہ مشتری کے لیے ہوگا۔

جواب ①: یہ استدلال مفہوم مخالف سے ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال معتبر نہیں۔

جواب ②: تابیر کنایہ ہے ظہور ثمر سے معنی یہ ہوگا کہ قبل الظہور ثمر مشتری کے لیے ہوگا اور اس کے بعد کسی کو وہم نہیں ہونا چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ بعد الظہور بائع کا ہوگا جیسا کہ زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے۔

یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں: حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ نزاع لفظی ہے حقیقی نہیں کیونکہ شافعیہ کی کتابوں میں خود اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر صاحب نخلہ نے خود تابیر نہ کی ہو بلکہ خود سے پھل درخت پر نکل آیا ہو تب یہ حکم ہے کہ پھل بیع کے اندر داخل نہیں ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک **بعد ان توبر** کا مفہوم **بعد ان تظھر** ہے یعنی جب پھل ظاہر ہو چکا ہو اس کے بعد بیع ہوئی ہو تو اس صورت میں پھل بائع کا ہوگا چاہے وہ پھل چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر پھل کا ظہور ہو چکا ہے مگر تابیر نہیں ہوئی تب بھی پھل بائع کا ہوگا البتہ مشتری کے لیے ہونے کی ایک شکل ہے کہ جس وقت بائع نے درخت فروخت کیا تھا اس وقت تک کوئی پھل ظاہر نہیں ہوا تھا تو جب بیع کے بعد پھل ظاہر ہوا تو مشتری کا ہوگا لہٰذا حقیقی اختلاف کوئی نہ رہا اس لیے یہ نزاع لفظی ہے۔

حدیث کا دوسرا جزء یہ تھا کہ **ومن ابتاع عبدا وله مال فماله للذی باعه الا ان یشترط۔**

مسئلہ ثانیہ: غلام کی بیع میں اس کا مال داخل نہیں ہوگا؟ کوئی شخص غلام خریدے اس کے قبضہ میں مال ہو تو وہ مال بائع کا ہوگا بالاجماع الا یہ کہ مشتری شرط لگا دے کہ میں تب خریدوں گا جب مبیعہ دونوں چیزوں کا مجموعہ ہو یعنی ثمن دونوں کے مقابلے میں ہوں گے تو یہ زیادۃ المبیع کے قبیل سے ہے اور یہ جائز ہے۔

تھوڑا سا اختلاف ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال میں تعمیم ہے خواہ نقود کے قبیل سے ہو یا عروض کے قبیل سے ہو دونوں صورتوں میں بائع کا ہوگا۔

لیکن احناف اور شوافع کہتے ہیں وہ مال دو حال سے خالی نہیں ہے نقود کے قبیل سے ہوگا یا عروض کے قبیل سے ہوگا اگر عروض کے قبیل سے ہو تو بیع مطلقا جائز ہوگی اور اگر نقود ہیں تو بیع اس وقت جائز ہوگی کہ جب وہ ثمن جو مشتری دے گا وہ زیادہ ہوں ان دراہم سے جو غلام کے قبضہ میں ہے۔

مالکیہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ اس حدیث میں مطلقاً فماله للبائع عام از یں کہ وہ مال نقود کے قبیل سے ہو یا عروض کے قبیل سے ہو۔

جواب: نقود کی صورت میں نقد کے اعتبار سے بیع صرف بن جائے گی لہٰذا دیگر احادیث کی روشنی میں اس حدیث کو اسی تفصیل پر محمول کیا جائے گا۔

سند کی بحث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے سالم اور نافع رضی اللہ عنہما ہیں ان میں فرق اتنا ہے کہ سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اندر دونوں مسئلوں کا ذکر ہے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے یعنی حدیث مرفوع ہے۔ اور حدیث نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما میں پہلے مسئلے کو بیان کر رہے ہیں حدیث مرفوع ہونے کی حیثیت سے اور دوسرے مسئلے کو بیان کر رہے ہیں قول عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت سے

ظاہر ہے دونوں میں تدافع ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو حل پیش کیے ہیں۔

پہلا حل: یہ ہے کہ جس طرح حدیث نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما میں دوسرا مسئلہ اثر عمر رضی اللہ عنہ ہونے کی حیثیت سے مذکور ہے بالکل ایسے حضرت نافع رضی اللہ عنہ اس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے بھی نقل کر رہے ہیں کبھی مسئلہ بتلانا ہوتا ہے تو اثر عمر رضی اللہ عنہ کی حیثیت سے بیان کر دیتے ہیں اور جب حدیث کو بیان کرنا مقصود ہو تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے تو پھر تصریح کر دیتے ہیں مرفوع ہونے کی لہٰذا کوئی تدافع نہیں ہے۔

دوسرا حل: حدیث سالم رضی اللہ عنہ یہ اصح ہے حدیث نافع کے مقابلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ایک تو اس وجہ سے سالم رضی اللہ عنہ کا متابع موجود ہے عکرمہ بن خالد اور نافع رضی اللہ عنہ کا متابع موجود نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سالم رضی اللہ عنہ یہ زیادہ احفظ ہیں حضرت نافع رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور احفظ کی روایت اولی ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا

باب ۲۶: بائع اور مشتری کو افتراق سے پہلے اختیار ہے

(۱۱۶۶) اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْيَخْتَارَا قَالَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا ابْتَاعَ بَيْعًا وَهُوَ قَاعِدًا قَامَ لِيَجِبَ لَهُ الْبَيْعُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے سودا کرنے والے دونوں فریقوں کو (سودا ختم کرنے کا) اختیار ہوتا ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں یا اختیار کی شرط رکھیں۔

(۱۱۶۷) اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَتَمَا وَكَذِبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سودا کرنے والے دونوں فریقوں کو (سودا ختم کرنے کا) اس وقت تک اختیار ہوتا ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں اگر وہ دونوں سچ بولیں گے اور حقیقت بیان کر دیں گے تو ان دونوں کے لیے ان کے سودے میں برکت رکھی جائے گی اور اگر دونوں جھوٹ بولیں گے یا کسی (خامی کو) چھپائیں گے تو ان کے سودے کی برکت کو ختم کر دیا جائے گا۔

(۱۱۶۸) اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يُّفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ اَنْ يَّسْتَقِيْلَهُ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سودا کرنے والے دونوں فریقوں کو (سودا ختم کرنے کا) اختیار ہوتا ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جائیں البتہ اس سودے

کا حکم مختلف ہوگا جس میں اختیار کی شرط رکھی گئی ہو آدمی کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے وہ اپنے ساتھی سے اس اندیشے کے تحت الگ ہو جائے کہ وہ اس سودے کو ختم کر دے۔

(۱۱۶۹) لَا يَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعٍ اِلَّا عَنْ تَرَاضٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں لوگ کسی بھی سودے میں باہمی رضامندی ہو جانے کے بعد الگ ہوں۔

(۱۱۷۰) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَيَّرَ اَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سودا ہو جانے کے بعد بھی ایک دیہاتی کو اختیار دیا تھا۔

مذاہب فقہاء: خیار مجلس کا مسئلہ: اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ خیار مجلس ثابت ہے یا نہیں؟

خیار مجلس کا مطلب: یہ ہے کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے پہلے فریقین میں سے ہر ایک کو جو بیع کے فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے عام ازیں دوسرا فریق راضی ہو یا نہ ہو آیا یہ خیار مجلس ثابت ہے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے آدھے امام ایک طرف ہیں اور آدھے ایک طرف۔

مذاہب فقہاء: احناف اور مالکیہ: یہ کہتے ہیں ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جائے گی فریقین میں سے کسی کو بھی دوسرے کی رضامندی کے بغیر بیع فسخ کرنے کا حق نہیں عام ازیں مجلس باقی ہو یا باقی نہ ہو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسرا قول: شوافع رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ کا ہے فرماتے ہیں کہ خیار مجلس ثابت ہے ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد جب تک مجلس باقی ہو فریقین میں سے بیع کے فسخ کرنے کا حق ہوگا خواہ فریق آخر راضی ہو یا راضی نہ ہو۔

دلائل احناف و مالکیہ: پہلی دلیل: ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدہ:۱) طریقہ استدلال یہ ہے کہ ایجاب وقبول سے عقد بیع متحقق ہو جاتا ہے اور اس آیت کریمہ میں ایفاء عقد کا حکم دیا گیا ہے اور یہ واجب ہے اب اگر خیار مجلس کو جائز قرار دیا جائے تو یہ ایفاء عقد کے منافی ہوگا۔

دوسری دلیل: ﴿وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ (البقرہ:۲۸۲) اس آیت میں بیع پر اشہاد کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ یہ اشہاد استحبابی ہے اب ہم کہتے ہیں کہ اشہاد کا فائدہ تب ہی مرتب ہوگا کہ جب خیار مجلس کا قول نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ اشہاد سے مقصود استحکام ہے اب یہ اشہاد دو حال سے خالی نہیں مجلس کے ختم ہونے سے پہلے ہوگا یا مجلس کے ختم ہونے کے بعد ہوگا۔ اگر اشہاد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے ہے تو اس صورت میں استحکام کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا خیار مجلس کی وجہ سے اور اگر اشہاد مجلس کے ختم ہونے کے بعد ہو تو اس کا سرے سے فائدہ ہی نہیں ہوگا اس لیے کہ بیع تو پہلے سے وجود میں آ چکی ہے۔

نیز اگر ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد گواہ موجود ہوں تو کیونکہ اگر بعد میں چلے گئے (مجلس کے ختم ہونے سے پہلے) اس کے بعد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے کوئی ایک بیع کو فسخ کر دے اور بعد میں جھگڑا ہو جائے اور معاملہ عدالت میں چلا جائے تو اب گواہ کس

بات پر گواہی دیں گے۔

حدیث: ① حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جو بعد میں اپنے مقام پر آ رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه پس اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قبضہ کر لینے کے بعد اس میں تصرف کرنا جائز ہے عام ازیں کہ مجلس باقی ہو یا باقی نہ ہو اگر خیار مجلس کا قول کیا جائے تو خیار مجلس کا مقتضی یہ ہے کہ قبضہ کر لینے کے بعد بھی جب تک مجلس باقی ہے تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ دوسرے کا حق باقی ہے حالانکہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ قبضہ کر لینے کے بعد تصرف کرنا جائز ہے خواہ مجلس باقی ہو یا باقی نہ ہو۔

② حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف میں موجود ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھا اور وہ گھوڑا بڑا سرکش قسم کا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی حالت دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ گھوڑا مجھے بیچ دو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھیک ہے میں نے یہ گھوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچ دیا اب ایجاب وقبول ہونے کے بعد ابھی مجلس باقی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کو ہبہ کر دیا اب ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد مجلس کے ختم ہونے سے پہلے آپ کا ہبہ کر دینا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خیار مجلس کا کوئی وجود نہیں ہے اس لیے کہ اگر خیار مجلس باقی ہو تو لازم آئے گا کہ آپ نے غیر کے حق میں تصرف کیا اس کی اجازت کے بغیر اور یہ چیز نبی کی شان سے بعید ہے۔

درایۃ کا مقتضی بھی یہی ہے کہ خیار مجلس کا قول نہ کیا جائے اس لیے کہ عقد بیع یہ بھی عقود میں سے ایک عقد ہے اور بیع کے علاوہ جو دیگر عقود ہیں مثلاً عقد نکاح، عقد ہبہ وغیرہ ان میں سے کسی عقد کے اندر بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہے تو دیگر عقود پر قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ عقد بیع کے اندر بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہونا چاہیے۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے: الذی اخرجه الترمذی فی الباب البیعان بالخیار مالم یتفرقا. متعاقدین کو اختیار ہے کہ جب تک تفرق نہ ہو یعنی جب تک مجلس ختم نہ ہو اس استدلال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تفرق بالابدان ہے جس کا نتیجہ ہے کہ خیار مجلس مشروع ہے کئی شواہد پیش کر رہے ہیں۔

① راوی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل یہ تھا کہ جب کسی سے معاملہ کرتے (یعنی) بیع وشراء کرتے تو ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد مجلس سے چند قدم چل پڑتے تو یہ چند قدم چلنا یہ تفرق بالابدان ہے اور صاحب البیت ادری بما فیه.

② فیصلہ ابو برزۃ اسلمی رضی اللہ عنہ ہے کہ ان کے پاس ایک مقدم آیا کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار تھے ان میں سے دو آدمیوں نے ایک گھوڑے کے بارے میں معاملہ کر لیا اگلا دن جب آیا تو مشتری نے گھوڑے پر قبضہ کرنا چاہا بائع نے قبضہ کرنے سے روک دیا ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا وہ مقدمہ حضرت ابو برزۃ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے تو انہوں نے فرمایا لا ارا کما افترقتما کہ میرا خیال ہے تمہارا افتراق نہیں ہوا۔

③ قول عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہے کہ ان کے سامنے ان فقہاء کا تذکرہ ہوا جو خیار مجلس کے قائل ہیں آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کیف ارد هذا القول حالانکہ اس کے بارے میں حدیث صحیح موجود ہے۔

④ حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے ابتداء میں تو وہی مضمون ہے کہ البیعان بالخیار مالم یتفرقا آخر میں اضافہ ہے لا یحل له ان یفارق صاحبه خشیة ان یستقیله کہ فسخ کے خوف کی وجہ سے متعاقدین میں سے کسی کو مفارقت اختیار نہیں کرنی چاہیے اذا کان الامر کذلك اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد ہی فسخ کا حق ختم ہو گیا اگر تفرق بالاقوال مراد ہے اب یہ ارشاد فرمایا کہ فسخ کے خوف کی وجہ سے مجلس نہیں بدلنی چاہیے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے لہٰذا یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ تفرق سے تفرق بالابدان ہے اس لیے کہ تفرق بالابدان کی صورت میں ہی ایجاب وقبول کے بعد مجلس کے باقی رہتے ہوئے فسخ کا اختیار ہوتا ہے۔

شوافع کے دلائل کا جواب: احناف کی طرف سے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جواب ①: اس حدیث کے اندر تفرق قولی ہے معنی یہ ہے کہ جب تک بائع اور مشتری بیع سے متعلق جاری کلام سے فارغ نہ ہوں (اس وقت تک یہ ایک خیار ہے)۔

ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد پھر کسی کو اختیار نہیں ہے لہٰذا اگر متعاقدین میں سے کسی ایک نے ایجاب وقبول کیا دوسرے نے ابھی قبول نہیں کیا تو اس موجب کو اپنے ایجاب وقبول سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح دوسرے کو بھی قبول کرنے اور رد کرنے کا اختیار ہے قبول کرنے نہ کرنے اور موجب کو اپنے ایجاب سے رجوع کرنے کا حق اس وقت تک ہوگا کہ جب تک یہ دونوں بیع سے متعلق جو کلام ہے اس سے فارغ نہ ہوں لیکن جب دونوں بیع سے متعلق کلام سے فارغ ہو گئے ایک ایجاب سے فارغ ہو گیا اور دوسرا قبول سے فارغ ہو گیا جس کی وجہ سے ایک بائع کہلانے کا مستحق ہو گیا اور ایک مشتری کہلانے کا مستحق ہو گیا اب کسی قسم کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا باقی رہی یہ بات کہ حدیث کا مدلول تفرق قولی ہے اس پر کیا دلیل ہے؟

دلیل کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ یہ مقدمہ مسلمات میں سے ہے کہ عقد بیع کا موضوع لہ ثبوت ملک ہے لزوم ملک ہے:

(۱) اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر حدیث پاک کے اندر تفرق سے مراد تفرق قولی ہو تو مدلول حدیث ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد یہ تام ہو جاتی ہے وہ موضوع لہ کے لیے مؤکد اور مقرر لہ ہوگا اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو مدلول حدیث عقد بیع کے موضوع لہ کے منافی ہوگا۔

دوسری دلیل: اگر تفرق سے مراد تفرق قولی ہو تو مدلول حدیث اپنی نظائر کے ساتھ شریک ہوگا خیار مجلس کے نہ ہونے میں اس لیے کہ اس صورت میں مدلول حدیث یہ ہوگا کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد کسی قسم کا خیار نہیں ہے تو اب یہ عقد بیع بالنظیر بن جائے گا جس طرح دیگر عقود مثلاً عقد اجارہ ہے عقد خلع ہے وغیرہ ان میں خیار مجلس نہیں اسی طرح اس میں بھی خیار مجلس نہیں ہے اور اگر تفرق سے مراد تفرق بدلی لیں تو مدلول حدیث ہے خیار مجلس کا ثبوت تو اب عقد بیع اپنی نظائر سے کٹ جائے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے کہ جس کی وجہ سے عقد بیع بانظائر ہو۔

تیسری دلیل: اگر تفرق قولی مراد لیں تو اس صورت کے اندر غیر کے حق کا ابطال لازم نہیں آئے گا اس لیے کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد کسی ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر فسخ کرنے کا حق نہیں ہے اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو اس صورت ثابت شدہ (غیر کے حق) کا ابطال لازم آئے گا لہٰذا تفرق قولی مراد لینا بہتر ہے۔

(۴) اگر تفرق قولی مراد لیں تو اس صورت میں مدلول حدیث کا رد الی الجهالة نہیں ہوگا اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو رد الی الجهالة لازم

آئے گا اس لیے کہ کوئی پتہ نہیں کہ کب تک مجلس باقی رہے گی اور ظاہر ہے کہ وہ معنی مراد لینا بہتر ہے جس میں ردالی الجہالۃ لازم نہ آئے۔

(۵) اگر تفرق بالاقوال مراد لیں تو اس صورت میں البیعان اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہوگا اور اگر تفرق بالابدان مراد لیں تو اس صورت میں البیعان معنی مجازی میں مستعمل ہوگا اس لیے کہ عاقدین جب عقد بیع میں مشغول ہوں تو ان کو بیعان کہنا حقیقۃ ہے اور ایجاب وقبول کے بعد مجلس کے ختم پر البیعان کا اطلاق یہ ماکان کے اعتبار سے ہے اور ایجاب وقبول سے پہلے ان پر البیعان کا اطلاق یہ مجازاً مایؤل کے اعتبار سے اس لئے کہ اسم فاعل کا اطلاق حالت مباشرۃ میں حقیقی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ آیا تفرق کا استعمال تفرق قولی میں ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب ①: نصوص میں تفرق کا اطلاق تفرق اقوال پر ہوا ہے مثلاً:

(۱) ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ... الخ﴾ (آل عمران: ۱۰۳) یہاں تفرق بالاقوال مراد ہے کہ نظریات اور عقائد کے اعتبار سے جدا نہ ہوں۔

(۲) ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (البقرہ: ۲۸۵) یہ تفرق عقائد کے اعتبار سے ہے۔

(۳) ﴿وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (النساء: ۱۳۰) اسی طرح متفرق اسی کے اندر بھی تفرق بحسب العقائد مراد ہے۔ تفرق بالاقوال۔

جواب ②: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بدنی ہے لیکن خیار سے مراد خیار مجلس نہیں بلکہ خیار قبول مراد ہے مدلول حدیث یہ ہے کہ موجب کے ایجاب کے بعد جب تک مجلس باقی رہے گی تو دوسرے کے قبول کا اعتبار ہوگا جب مجلس ختم ہوجائے گی تو دوسرے کے قبول کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس کے قبول کے لیے از سر نو ایجاب کی ضرورت ہوگی یہی منقول ہے قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور عیسیٰ بن ابان رحمہ اللہ سے۔

جواب ③: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے منقول ہے ہم مان لیتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بدنی ہے اور خیار سے مراد خیار مجلس ہی ہے لیکن تمہیں ہماری ایک بات ماننی پڑے گی کہ یہ خیار مجلس علی سبیل الوجوب نہیں ہے بلکہ علی سبیل المروت اور علی سبیل التبرع ہے حق معاشرت کے طور پر ہے کہ اگر ایک نادم ہے اور وہ فسخ کرنا چاہتا ہے تو دوسرے کو مان جانا چاہیے اس پر قرینہ بھی موجود ہے بخاری شریف کی روایت میں ہے او یختار ثلاثا سارے شوافع کہتے ہیں کہ ثلاثا کی قید استحباب کے لیے ہے پس احناف کو بھی حق حاصل ہے۔ یہاں اختیار مجلس استحباباً ہے نہ کہ وجوباً۔

شوافع کے ہاں خیار مجلس کے ساقط ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) مجلس باقی نہ رہے (۲) التخایر یعنی ایجاب وقبول ہوجانے کے بعد فریقین میں سے ایک دوسرے کو کہے اختر دوسرا کہے اخترت تو اب خیار مجلس ساقط ہوجائے گا اگرچہ مجلس باقی ہو اب حدیث پاک میں یختار ثلاثا ہے لیکن شوافع متفق ہیں کہ ثلاثا کی قید استحباب کے طور پر ہے ورنہ اگر ایک دفعہ بائع کہہ دے اختر اور اخترت کہہ دے تو بیع لازم ہوجائے گی لیکن تین دفعہ اختر کہنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کا جواب ①: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا چند قدم چلنا یہ احتیاطا تھا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ (خیار مجلس کے قائل تھے)

اور تفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے بلکہ اس وجہ سے تھا تا کہ بیع پکی ہوجائے گی۔

جواب②: اس وجہ سے تھا کہ شاید فریق آخر خیار مجلس کا قائل ہوتا کہ فریق آخر کے مسلک کے مطابق بھی بیع پکی ہوجائے۔

جواب③: اگر مان لیا جائے کہ مجلس کو بدلنا اس وجہ سے تھا کہ وہ خیار مجلس کے قائل تھے تو یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تخطیہ کیا ایسے ہی متبوتہ مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کا اعتبار نہیں کیا اور ایسے ہی مما مست النار موجب للوضوء ہے یا نہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فہم ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رد کر دیا تو اگر سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ خیار مجلس کے مسئلے میں فہم ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اعتبار نہ کریں تو کونسا پہاڑ گرتا ہے۔

شاہد ثانی فیصلہ ابو برزۃ اسلمی رضی اللہ عنہ کا جواب: کہ بندہ خدا ایک دن اور ایک رات گزر گئی اتنے لمبے وقت میں نمازیں بھی پڑھی ہوں گی اتنے لمبے عرصے میں مجلس باقی رہے یہ تو نہیں ہوسکتا یہ (حدیث) تو شوافع کے بھی خلاف ہے اب مل کر جواب دینا ہوگا وہ یہی ہے کہ یہ فیصلہ بطور صلح اور تبرع کے تھا قضاء شرعی ہونے کی حیثیت نہیں تھا۔

جواب②: اگر ہم مان لیں کہ یہ فیصلہ قضاء شرعی ہونے کی حیثیت سے تھا تو یہ ابو برزۃ رضی اللہ عنہ اسلمی کا اپنا اجتہاد ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد اس وقت حجۃ ہوتا ہے جب وہ نص کے معارض نہ ہو۔

شاہد ثالث (قول عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا جواب) یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔

شاہد رابع: (حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کا جواب یہ حدیث تو احناف کی دلیل ہے کہ ایجاب وقبول ہوجانے کے بعد فسخ کا حق نہیں بجز اقالۃ کے اور اقالۃ کہا جاتا ہے دوسرے کی رضامندی کے ساتھ بیع کو فسخ کرنا اور خیار مجلس دوسرے کی رضامندی کے بغیر ہوتا ہے اس حدیث میں ہے کہ وہ اقالۃ کے خوف کی وجہ سے اپنے ساتھی سے جدا نہ ہو اور اقالۃ ہوتا ہی تب ہے کہ جب بیع تام ہوجائے اور ایستقیلہ کا سین بھی اس بات پر دال ہے کہ اقالہ ہی مراد ہے مجلس نہیں بدلنی چاہیے۔

اعتراض: جیسے مجلس کے اندر اقالہ کرنا جائز ہے اسی طرح مجلس کے بعد بھی اقالۃ ہوسکتا ہے تو پھر مجلس نہ بدلنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: مجلس میں اقالہ کا استحباب علی وجہ التاکید ہے اور مجلس کے بدلنے کے بعد اقالہ کرنا یہ بھی مستحب ہے لیکن علی وجہ التاکید نہیں ہے الا بیع الخیار۔

چونکہ صحیحین کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں اس لیے اس کا معنی بتا رہے ہیں۔

پہلا معنی: یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک دوسرے کو کہے اختر دوسرا کہے اخترت تو خیار ساقط ہوجائے گا اگرچہ مجلس باقی ہو۔

دوسرا معنی: ہے الا بیع بشرط الخیار کہ اگر بیع بشرط الخیار ہو تو مدۃ خیار شرط کے اندر من لہ الخیار کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

تیسرا معنی: ہے الا بیع بسقوط الخیار متعاقدین نے یہ معاہدہ کرلیا کہ ایجاب وقبول کے بعد کسی کو خیار نہیں ہوگا تو اب بھی بیع لازم ہوجائے گی۔

بَابُ مِنْهُ

باب: خیار مجلس کے سلسلہ کا ایک اور باب

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں دونوں کا تعلق خیار مجلس سے ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا یَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَیْعٍ اِلَّا عَنْ تَرَاضٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فروخت کرنے اور خریدنے والا اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک وہ آپس میں راضی نہ ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَیَّرَ اَعْرَابِیًّا بَعْدَ الْبَیْعِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دیہاتی کو بیع کے بعد اختیار دیا۔

تشریح: یہ آپ ﷺ کے مکارم الاخلاق پر مبنی ہے نہ کہ تشریع پر آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کا تقاضا تھا کہ کسی کو ان سے کوئی شکایت وگلہ نہ رہے آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ قبل البعثت یا بعد البعثت قبل الوفات یا بعد الوفات کوئی ان پر کسی حق کا دعوی کرے یا کسی کے حق کا شائبہ بھی آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْمَنْ یُخْدَعُ فِی الْبَیْعِ

باب ۲۷: جو شخص تجارت میں دھوکہ کھاتا ہو اس کا حکم

(۱۱۷۱) اِنَّ رَجُلًا کَانَ فِیْ عُقْدَتِهٖ ضُعْفٌ وَکَانَ یُبَایِعُ وَاِنَّ اَهْلَهٗ اَتَوُا النَّبِیَّ ﷺ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْجُرْ عَلَیْهِ فَدَعَاهُ نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ فَنَهَاهُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ لَا اَصْبِرُ عَنِ الْبَیْعِ فَقَالَ اِذَا بَایَعْتَ فَقُلْ هَاءَ وَهَاءَ وَلَا خِلَابَةَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص لین دین میں کمزور تھا وہ خرید وفروخت کیا کرتا تھا اس کے گھر والے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اسے تصرف کرنے سے روک دیں نبی ﷺ نے اسے بلایا آپ نے اسے منع کر دیا اس نے عرض کی میں خرید وفروخت کئے بغیر نہیں رہ سکتا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم کچھ سودا کرو یہ کہو یہ اتنا اتنا ہے اور کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔

تشریح: حضرت حبان رضی اللہ عنہ بن منقذ تھے ان کی گرہ میں کمزوری تھی یعنی عقل کا ایک سکرو ڈھیلا تھا۔

مذا: کہ سفیہ (کم عقل) کے اقوال پر پابندی لگ سکتے ہیں یا نہیں؟

یعنی سفیہ کا قول: بعت، اشتریت وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: ① ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک

حجر جائز ہے پس جب پابندی لگادی گئی پھر اس نے کوئی چیز خریدی یا بیچی تو وہ بیع کالعدم ہے۔

② اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کسی عاقل بالغ آزاد پر پابندی لگانا جائز نہیں اور سفیہ چونکہ عاقل ہے گو کم عقل ہے اس لیے گورنمنٹ اس پر پابندی نہیں لگاسکتی اور اس کا خریدنا اور بیچنا صحیح ہے بیع نافذ ہوگی۔

دونوں فریقوں کی دلیل: یہی حدیث ہے جمہور کا استدلال یہ ہے کہ حضرت حبان رضی اللہ عنہ کے گھر والوں نے پابندی لگانے کا مطالبہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر خرید و فروخت سے منع بھی کیا یہی حجر ہے معلوم ہوا کہ بندش لگاسکتے ہیں اور امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حجر نہیں ہے پابندی لگانے کی صورت پبلک میں اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے کہ فلاں شخص مجور قرار دیا گیا ہے کوئی اس کے ساتھ معاملہ نہ کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو کاروبار سے منع تو کیا مگر پبلک میں اعلان نہیں کیا اس لیے یہ حجر نہیں اور گھر والوں کا مطالبہ کرنا کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان کا فعل حجت نہیں غرض یہ بھی نص فہمی کا غلط اختلاف ہے دلائل کا اختلاف نہیں۔

فائدہ: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اسباب حجر کل تین ہیں: ① جنون ② بچپن ③ غلامی۔ سفیہ کم عقلی سبب حجر نہیں اور جمہور کے نزدیک اور بھی اسباب ہیں جیسے سفیہ (کم عقلی)۔

مسئلہ ثانیہ: مغبون کو حق فسخ ہے یا نہیں؟ مغبون کی دو قسمیں ہیں: ① جو تجربہ کار نہ ہو ② جو تجربہ کار ہو۔

اگر تجربہ کار ہو تو اس کا بالاتفاق خیار فسخ نہیں ہوگا اور جو ناتجربہ کار ہے اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے:

① احناف اور شوافع کے نزدیک خیار فسخ نہیں ہوگا۔

② حنابلہ اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ فسخ کا حق حاصل ہے اگر وہ فسخ کرنا چاہے تو فسخ کرسکتا ہے۔

شوافع اور احناف یہ کہتے ہیں کہ یہ اپنی کمی کوتاہی سے غبن میں مبتلاء ہوا ہے کسی سے مشورہ کرلیتا اس کو کیا جلدی تھی۔

مالکیہ اور حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ تو لاخلابة کہہ دیا کر اس کے کہنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس لفظ کو کہہ دینے کے بعد اس کے لیے خیار غبن ثابت ہوگا ورنہ اس لفظ کو کہنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب ①: لاخلابة اس لیے نہیں کہا کہ اس کے لیے خیار غبن ہے اس پر قرینہ ہے کہ بعض روایات میں ولی الخیار ثلاثہ ایام کا اضافہ ہے اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔

سوال: لاخلابة کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: فریق آخر کو تنبیہ کرنا ہے کہ بھائی میں معاملات کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا میرے ساتھ الدین النصحیة والا معاملہ کیا جائے میرے پوری خیر خواہی کی جائے.... الخ۔

یا پھر یہ ان کی خصوصیت ہے اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا جس پر وزنی قرینہ یہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جن کی عمر ۱۲۰ سال تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غبن ہوجاتا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا ہوا ہے۔

فتویٰ: متاخرین حنفیہ نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ غبن کی وجہ سے فسخ کا حق حاصل ہے۔

صاحب خلابہ کون ہے؟ اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ ان کا نام حبان بن عمر منقذ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے والد منقذ بن عمرو ہیں۔

فائدہ: لاخلابة کی خبر محذوف ہے لاخلابة فی الدین.

برکت: لاخلابة سے خیار تو ثابت نہیں ہوتا لیکن اس کے کہنے کی برکت کی وجہ سے انسان دھوکہ اور نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْمُصَرَّاةِ

باب ۲۸: مصرات (دودھ روکے ہوئے جانور) کی بیع

(۱۱۷۲) مَنِ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا حَلَبَهَا إِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص مصراۃ (جانور) کو خرید لے تو اسے اختیار ہوگا جبکہ وہ اس کا دودھ دوہ چکا ہو اگر وہ چاہے تو اسے واپس کر دے اور اس کے ساتھ کھجور کا ایک صاع واپس کر دے۔

(۱۱۷۳) مَنِ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص مصراۃ (جانور) کو خرید لے تو تین دن تک اسے اختیار ہوگا کہ وہ اگر چاہے تو اسے واپس کر دے اور اس کے ساتھ اناج کا ایک صاع واپس کر دے جو گندم نہ ہو۔

تشریح: مصراۃ اسم مفعول ہے مادہ ص ر ر ہے جس کے معنی ہیں باندھنا روکنا بٹوے کو صرۃ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ پیسے روکتا ہے اور یہ ایسی صفت ہے جو موصوف کے قائم مقام ہے۔ دودھ والے جانور کا دودھ چند دن اس کے تھنوں میں روک لیا جائے تا کہ اس کی کثرت مشتری کو دکھا کر حسب منشاء ثمن وصول کیے جائیں اس عمل کو تصریہ کہتے ہیں اگر یہ عمل اُونٹنی کے ماسواء کے اندر کیا جائے۔ مثلاً بکری میں کیا جائے تو اس عمل کو تصریہ اور اس بکری کو شاۃ مصراۃ کہتے ہیں اور اگر یہ عمل گائے میں کیا جائے تو اس گائے کو بقرۃ مصراۃ کہتے ہیں اور اگر یہ عمل اونٹنی کے اندر کیا جائے تو اس عمل کو تحفیل اور اس اونٹنی کو ناقۃ محفلہ کہا جائے گا۔

مذاہب فقہاء: اگر کسی شخص نے شاۃ مصراۃ کو خرید لیا یا ناقۃ محفلہ کو خرید لیا تو اس کا کیا حکم ہے کیا اس جانور کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا۔

(۱) احناف کے نزدیک جانور تو واپس نہیں کر سکتا البتہ رجوع بالنقصان کر سکتا ہے۔

(۲) اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور کو واپس کرنا چاہے تو واپس کر سکتا ہے اور ساتھ ساتھ صاعا من التمر بھی واپس کرنا ہوگا گندم کے ماسواء ہو گندم نہ ہو۔

جمہور کی دلیل: یہی حدیث مصراۃ ہے۔

جواب ①: حدیث مصراۃ یہ مشہور و معروف حدیث الخراج بالضمان اور الغرم بالغنم کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے یہ قاعدہ ہے کہ ضمان جس کی ہوگی نفع بھی اسی کا ہوگا اور ظاہر ہے کہ مصراۃ جانور پر قبضہ کرنے بعد ضمان مشتری کی ہے تو منافع کا مالک بھی مشتری ہوگا تو دودھ کی منفعت کا مشتری مستحق ہے تو دودھ کا تاوان مشتری پر کیسے لازم کیا جا رہا ہے۔

جواب ②: یہ حدیث خبر واحد ہے قیاس اور نصوص صریحہ کے خلاف ہے وہ اس طرح کہ قرآن کی آیت ہے:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ (النحل: ۱۲۶)

دوسری آیت ہے:

﴿فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ﴾ (البقرہ:۱۹۴)

ان دونوں آیتوں میں زیادتی کی صورت میں مثل کی ادائیگی کا حکم ہے اور مثل کی دو قسمیں ہیں مثل صوری اور مثل معنوی جبکہ دودھ دو حال سے خالی نہیں ذوات الامثال میں سے ہوگا یا ذوات القیم میں سے اور تمر دودھ کا نہ مثل صوری اور نہ مثل معنوی ہے مثل صوری نہ ہونا تو ظاہر ہے اور مثل معنوی اس لیے نہیں کہ لبن قلیل ہو یا کثیر ایک دن نفع حاصل کیا ہو یا ایک دن سے زائد تمر ایک ہی صاع واجب ہوگا یہ بات خلاف عقل ہے۔

جواب ③: یہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ اس میں اضطراب پایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ اس باب میں دو روایتیں ہیں جیسے زیر بحث باب میں مذکور ہے ایک روایت میں مدت کی تعیین نہیں بلکہ مطلق ہے اور تمر کی تخصیص ہے دوسری روایت میں مدت کی تعیین ہے اور وہ ثلاثہ ایام ہے لیکن یہ تعمیم ہے کہ گندم کے سوا جس چیز سے چاہے صاع ادا کرے۔

جواب ④: یہ حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔ اگر مان لیا جائے کہ صاعا من التمر واپس کرنا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ آپ کا ارشاد قضاءً نہیں بلکہ دیانۃً ہے بائع کی تطییب قلبی کے لیے فرمایا کہ ایک صاع تمر کا دیدو اور نبی کریم ﷺ کے دونوں طرح کے فیصلے ہیں قضاء شرعی کی حیثیت سے بھی ہیں اور دیانۃً بھی ہیں۔

جواب ⑤: یہ حکم منسوخ ہے اور اس کے لیے ناسخ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **وفیه نهی النبی ﷺ الدین بالدین، بیع الکالی بالکالی** کے قبیل سے ہے وہ اس طرح سے کہ جب دودھ استعمال کرلیا تو یہ مشتری پر لازم ہوگیا یعنی دین ہوگیا اور تمر بھی دین ہے تو یہ بیع الدین بالدین ہوگی جو ممنوع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اشْتِرَاطِ ظَهْرِ الدَّابَّةِ عِنْدَ الْبَیْعِ

باب ۲۹: بیع میں سواری کی شرط لگانے کا بیان

(۱۱۷۴) اَنَّهٗ بَاعَ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ بَعِیْرًا وَاشْتَرَطَ ظَهْرَهٗ اِلٰی اَهْلِهٖ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ایک اونٹ فروخت کیا اور یہ شرط رکھی کہ وہ اپنے گھر پہنچنے تک اس پر سوار رہیں گے۔

تشریح: پہلے یہ مسئلہ آچکا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع میں ایک شرط لگانا جائز ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایک شرط بھی جائز نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک استدلال حدیث ولا شرطان فی بیع کے مفہوم مخالف سے تھا اور ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو اونٹ بیچا اور مدینہ منورہ تک اس پر سوار ہو کر جانے کی شرط لگائی جس کو آپ ﷺ نے منظور کیا معلوم ہوا کہ بیع میں ایک شرط لگا سکتے ہیں۔

اور جمہور فرماتے ہیں یہ حدیث مختصر ہے اصل واقعہ میں اشتراط نہیں ہے پورا واقعہ اس طرح ہے ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب؟ آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگاتے جا رہے تھے اونٹنی دبلی مریل تھی آنحضور ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری جس سے وہ برق رفتار ہوگئی پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ اونٹنی مجھے بیچ دو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ تو نکمی تھی

آپ ﷺ کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے یہ آپ ﷺ کی نذر ہے آپ ﷺ نے قبول نہ کی اور بیچنے پر اصرار کیا چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹنی آپ ﷺ کو بیچ دی (یہ حدیث تفصیل سے کتاب النکاح باب ۱۳۲ میں گزر چکی ہے) جب سودا ہو گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ میں مدینہ تک کیسے جاؤں گا؟ اونٹنی تو میں نے بیچ دی چنانچہ انہوں نے یہ بات آپ ﷺ سے عرض کی آپ ﷺ نے فرمایا اسی پر سوار ہو کر چلے جاؤ اور مدینہ پہنچ کر اونٹنی مجھے دیدینا غرض یہ اشتراط نہیں تھا بلکہ مکمل ہونے کے بعد آنحضور ﷺ کی طرف سے اذن اور تعاون تھا۔

فائدہ: اشتراط فی البیع کی دو صورتیں ہیں ایک اشتراط وہ ہے جو مقصود ہوتا ہے دوم وہ اشتراط ہے جو محض وعدہ ہوتا ہے۔ اشتراط مقصود کی علامت یہ ہے کہ شرط قبول کرنے نہ کرنے پر بیع موقوف ہو اگر شرط قبول کی جائے تو بیع ہو ورنہ نہ ہو ایسے اشتراط سے بیع فاسد ہو جاتی ہے مثلاً مکان کا سودا کیا بائع نے چھ مہینے اس میں رہنے کی شرط لگائی یہ شرط ناجائز ہے اور اشتراط غیر مقصود جو وعدہ کے قبیل سے ہوتا ہے اس میں شرط کے منظور کرنے نہ کرنے پر بیع کا مدار نہیں ہوتا بس اتنی بات ہوتی ہے کہ اگر شرط منظور کی جائے تو بیع خوش دلی سے ہوتی ہے اور شرط منظور نہ کی جائے تو بھی بیع ہوتی ہے۔

حکایت لطیف: عرف شذی میں مذکور ہے کہ حج کے موقع پر امام ابوحنیفہ ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ مکہ میں جمع ہو گئے ایک آدمی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس آیا مسئلۃ الباب کے بارے میں سوال کیا تو امام صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ بیع اور شرط دونوں باطل ہیں پھر وہ آدمی ابن شبرمہ رحمہ اللہ کے پاس گیا ان سے بھی یہی سوال کیا ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ بیع اور شرط دونوں صحیح ہیں پھر وہ آدمی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے جواب دیا بیع صحیح ہے اور شرط باطل ہے پھر دوبارہ امام صاحب رحمہ اللہ کے پاس آیا۔ ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کے جواب سے مطلع کیا امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا کہا ہے پھر امام صاحب رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان کر دی:

ان النبی ﷺ نھی عن بیع وشرط. "بیشک نبی ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔"

پھر وہ آدمی ابن شبرمہ رحمہ اللہ کے پاس گیا اور امام صاحب رحمہ اللہ کے جواب مدلل سے آگاہ کیا تو ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سنا دی پھر وہ آدمی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے پاس گیا اور مذکورہ دونوں جواب ان کو سنائے تو انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سنا دی کہ نبی ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں شرط کو باطل کر دیا تھا۔ اس حکایت کو نقل کرنے کی غرض یہ ہے کہ سائل کے سوال کے مطابق صرف امام صاحب کا جواب ہے ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے قیاس پر عمل کیا ہے اور ابن بی لیلی رحمہ اللہ نے قیاس پر عمل کیا ہے اور ابن شبرمہ رحمہ اللہ کا استدلال بھی تام نہیں ہے جیسے ابھی جوابات میں مذکور ہوا۔

بَابُ الْاِنْتِفَاعِ بِالرَّهْنِ

باب ۳۰: رہن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کا بیان

(۱۱۷۵) اَلظَّھْرُ یُرْکَبُ اِذَا کَانَ مَرْھُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ یُشْرَبُ اِذَا کَانَ مَرْھُوْنًا وَعَلَی الَّذِیْ یَرْکَبُ وَیَشْرَبُ نَفَقَتُہٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جانور پر سواری کی جاسکتی ہے جبکہ اسے رہن رکھا گیا ہو اور جانور کا دودھ بھی پیا جاسکتا ہے جبکہ اسے رہن رکھا گیا ہو کیونکہ جو شخص اس پر سوار ہوگا یا جو اس دودھ کا پیئے گا اس جانور کا خرچ اس کے ذمے ہوگا۔

تشریح: رہن کا جواز قرآن سے ثابت ہے آیت رہن کے اندر۔ رہن رکھنے والے کو راہن کہتے ہیں اور جس کے پاس رکھی جائے اسے مرتھن کہتے ہیں اور شئ کو مرہون کہتے ہیں۔ رھن ایک عقد وثیقہ ہے یہی وجہ ہے کہ راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر شئ مرہون کی بیع نہیں کرسکتا مرتہن کو ابتداءً رد کرنے کا اور انتہاءً فسخ کرنے کا حق ہے۔

کیا مرتہن شئ مرہون سے نفع حاصل کرسکتا ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک مرتہن کے لیے شئ مرہون سے انتفاع جائز نہیں اور شئ مرہون کی حفاظت وغیرہ کا ضروری خرچہ راہن پر لازم ہوگا۔

دلیل: ایک حدیث ہے: وفیہ لایغلق المرتھن الرھن من صاحبۃ الذی رھنہ ولہ غنمہ اور اسی طرح بخاری میں بھی روایت ہے: لا تحلب ماشیۃ امرء ی بغیر اذنہ.

(۲) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک شئ مرہون سے مرتہن نفع حاصل کرسکتا ہے۔

دلیل: باب کی روایت سے ہے: وفیہ الظھر یر کب اذا کان مرھونا...... الخ کہ مرہون پر سواری بھی کی جاسکتی ہے اور اس کا دودھ بھی پیا جاسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مرتہن مرہون سے نفع حاصل کرسکتا ہے۔

جواب ①: یہ حکم پہلے تھا جو بعد میں مذکورہ روایت کی وجہ سے منسوخ ہوگیا ہے۔

جواب ②: انتفاع دو حال سے خالی نہیں عقد رھن کے اندر مرتہن کے لیے شرط ہوگا یا نہ۔ اگر یہ شرط ہو تو پھر مرتہن کے لیے اس سے انتفاع جائز نہیں اگر شرط نہ ہو تو پھر محض تبرع اور احسان کے طور پر جواز ہے اور زیر بحث باب کی روایت بھی اسی پر محمول ہوگی۔

جواب ③: باب کی روایت میں مرہون سے مراد مرہون اصطلاحی نہیں بلکہ اس سے مراد منیحہ ہے کیونکہ لفظ رہن کا اطلاق کبھی کبھی منیحہ پر بھی ہوتا ہے امام طحاوی نے اس کو ثابت کیا ہے۔

جواب ④: یہ حدیث مسئلۃ الباب سے متعلق نہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ شئ مرہون کے بقاء کے خرچے راہن کے ذمے ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور حفاظت مرہن کے ذمے ہوتی ہے اور اگر گھوڑا سواری کا ہے تو اس کا کرایہ پر اٹھانا اور مرہون جانوروں کا دودھ بیچنا مرتہن کے ذمے ہے اور جو آمدنی ہو وہ رہن میں شامل ہوتی ہے مگر سادہ معاشرہ میں توسع ہوتا ہے پائی پائی کا حساب نہیں ہوتا نیز دیہات میں جانور کرایہ پر اٹھانا اور دودھ بیچنا دشوار ہے اور راہن کے لیے صبح وشام جانور کا چارہ مرتہن کے گھر پہنچانا اور اس کی دیکھ بھال کرنا بھی دشوار ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرتہن ہی جانور کا خرچہ اٹھائے اور بدلے میں اس پر سواری کرے اور اس کا دودھ پئے پس یہ گروی سے فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ خرچ کرنے کا لم سم بدلا ہے اور دلیل اسی حدیث کے وہ الفاظ ہیں جو بخاری (حدیث ۲۵۱۲) میں ہیں:

الرّھن یر کب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا وعلی الذی یر کب ویشرب النفقۃ.

"گروی جانور پر خرچ کے برابر سواری کی جائے اسی طرح دودھ والے جانور کا جب وہ گروی ہو تو اس خرچ کے بدل اس کا دودھ پیا جائے جو کوئی سواری کرے یا دودھ پیئے وہی اس کا خرچ اُٹھائے۔"

اس حدیث میں بنفقتہ کا مطلب وہی ہے جو جمہور نے بیان کیا ہے کہ یہ انتفاع بعوض مصارف ہے مرہون سے فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔

سوال: اگر مرتہن شئی مرہون سے نفع حاصل نہیں کرسکتا ہے تو رھن کا فائدہ کیا ہے؟

جواب: یہ صرف عقد وثیقہ ہے تاکہ مرتہن کو اپنا حق وصول کرنے کا اعتماد ہو اگر اس کا حق تلف ہوجائے تو اس سے تدارک کرے شئی مرہون اور حق کی مساوات ہو تو فبھا نقصان کی صورت میں راہن سے کمی وصول کرے اور زیادتی کی صورت میں راہن کو واپس کردے۔

فائدہ: اگر راہن شیء مرہون سے انتفاع کی اجازت دے تو مرتہن فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ شئی مرہون سے فائدہ اٹھانا معروف نہ ہو کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے پس جس علاقہ میں شئی مرہون سے انتفاع کا رواج ہے وہاں راہن کی اجازت سے بھی انتفاع جائز نہیں ہاں اگر شئی مرہون سے انتفاع معروف نہ ہو تو جائز ہے۔

دوسرا حیلہ: یہ ہے کہ عقد اجارہ کرلیا جائے مثلاً مکان گروی رکھا پس اس کا کچھ کرایہ طے کرلیا جائے تو مرتہن اس میں رہ سکتا ہے مگر اب یہ مکان گروی نہیں رہے گا اس پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے اور راہن کو ہر وقت مکان خالی کرانے کا حق ہوگا مرتہن یہ نہیں کہہ سکتا کہ پہلے قرض لوٹاؤ تب مکان خالی کروں گا کیونکہ اب مکان کا قرض سے کوئی تعلق نہیں رہا اور گروی کی طرح یہاں رہن کا حکم واپس نہیں لوٹے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ شِرَآءِ الْقِلَادَةِ وَفِیْهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ

باب ۳۱: سونے اور نگینے والے ہار کو خریدنا

(۱۱۷۶) اِشْتَرَیْتُ یَوْمَ خَیْبَرَ قِلَادَةً بِاِثْنَیْ عَشَرَ دِینَارًا فِیْهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِیْهَا اَكْثَرَ مِنْ اِثْنَیْ عَشَرَ دِیْنَارًا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰی تُفَصَّلَ.

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے خیبر کے دن ایک ہار خریدا جو بارہ دینار کے عوض میں تھا اس میں سونا بھی تھا اور قیمتی پتھر بھی تھے تو میں نے اسے سونے کو الگ کیا تو وہ بارہ دینار سے زیادہ تھا میں نے اس بات کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا (ایسے ہار کو) اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے جب تک (سونے اور پتھروں کو) الگ نہ کردیا جائے۔

تشریح: بیع القلادۃ ایسا ہار کہ جس میں سونا بھی ہو نگینہ بھی ہو اور موتی بھی جڑے ہوئے ہوں تو ایسے ہار کی بیع جائز ہے یا نہیں اس کو تعبیر کرلیں ذھب مرکب کے ساتھ جیسے یہاں ہار ہے ایسے کمر بند بھی ہے تو ذھب مرکب اور فضہ مرکب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ تو احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے۔

ذھب مرکب وہ سونا جو کسی چیز کے ساتھ جڑا ہوا ہو اور فضہ مرکب وہ چاندی جو کسی چیز کے ساتھ جڑی ہوئی ہو اس کی بیع تب جائز ہوگی جب کہ اس کے عوض میں دیا جانے والا سونا زیادہ ہو اس سونے سے جو ہار کے ساتھ لگا ہوا ہے تو پھر بیع جائز ہوگی اور اگر اس کے برابر ہو یا کم ہو یا مجہول المقدار ہو تو کل چار صورتیں ہوں گی: ① عوض میں دیا جانے والا سونا زائد ہو۔ ② برابر ہو۔ ③ کم ہو۔ ④ مجہول المقدار ہو مثال کے طور پر ہار میں لگا ہوا سونا تین تولے ہے اور عوض میں دیا جانے والا چار تولے ہے یا ساڑھے تین تولے ہے تو بیع جائز ہوگی باقی تینوں صورتوں میں بیع جائز نہیں ہے دوسری اور تیسری صورت میں حقیقۃ ربوا لازم آئے گا اور چوتھی صورت میں احتمال ربوا ہے اور معاملات میں جس طرح حقیقۃ ربوا حرام ہے اسی طرح احتمال ربوا بھی حرام ہے پس احناف کہتے ہیں کہ اسی پر قیاس کرلو تمام اشیاء متجانسہ کی جو مرکب مع الغیر ہوں اس کی بیع تب جائز ہوگی جبکہ اس کے عوض میں دی جانے والی جنس کی مقدار زیادہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک بیع جائز نہیں ہوگی جب تک مرکب سونا چاندی کو دوسری چیز سے الگ نہ کرلیا جائے اس کے بعد سونے کی بیع سونے کے ساتھ یدا بید کرے اور دوسری چیز جس طرح چاہے بیچ دے۔

جمہور کی دلیل: یہی واقعہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں غزوہ خیبر کے موقع پر میں نے ہار خریدا بارہ دینار کے عوض اس میں سونا بھی تھا نگینے بھی تھے تو میں نے اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا تو میں نے اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا تُبَاعُ حَتّٰی تُفَصَّلَ کہ اس کو نہ بیچا جائے یہاں تک کہ جدا کردیا جائے تمام اشیاء متجانسہ کی جب بیع ہورہی ہو اپنی جنس کے ساتھ اور وہ شئی مرکب ہو کسی دوسری چیز کے ساتھ تو اس کی بیع اس وقت جائز ہوگی کہ جب اس کو دوسری چیز سے الگ کردیا جائے۔

جواب: حَتّٰی تُفَصَّلَ سے فصل حسی مراد نہیں کہ نگینہ الگ ہوجائے اور سونا الگ ہوجائے بلکہ یہ کنایہ ہے تمیز تمام سے اور اس بات سے کہ عوض میں دیا جانے والا سونا اور چاندی اس کی مقدار زیادہ ہو اس سونے اور چاندی سے جو غیر کے ساتھ جڑی ہوئی ہے کیونکہ اگر فصل حسی مراد ہو تو بعض صورتوں میں منفعت ختم ہوجائے گی کیا خیال ہے جب سونا الگ کرلیا جائے تو صرف نگینے کو کوئی خریدے گا اس لیے احناف کہتے ہیں کہ اصل مدار ربوا کے لازم آنے اور نہ آنے پر ہے خواہ حقیقۃ لازم آئے یا شبہۃ لازم آئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اشْتِرَاطِ الْوَلَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذٰلِکَ

باب ۳۲: بیع میں ولاء کی شرط لگانے کا بیان اور اس پر وعید

(۱۱۷۷) اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِیَ بَرِيْرَةَ فَاشْتَرَطُوا الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِشْتَرِيْهَا فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْطَى الثَّمَنَ اَوْ لِمَنْ وَّلِیَ النِّعْمَةَ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انہوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کے مالکان نے ولاء کی شرط رکھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اسے خرید لو ولاء کا حق اسے حاصل ہوتا ہے جس نے قیمت کی ادائیگی کی ہو (راوی کو شک ہے یا شاید

یہ الفاظ ہیں) جو اصل مالک ہو۔

(۱۱۷۸) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ يَّشْتَرِي لَهٗ اُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ فَاشْتَرِي اُضْحِيَةً فَاُرْبِحَ فِيْهَا دِيْنَارًا فَاشْتَرِي اُخْرٰي مَكَانَهَا فَجَاءَ بِالْاُضْحِيَّةِ وَالدِّيْنَارِ اِلٰي رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ بِالشَّاةِ وَتَصَدَّقْ بِالدِّيْنَارِ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ ایک دینار کے عوض میں آپ کے لیے قربانی کا جانور خرید یں تو حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ایک جانور خریدا اور پھر ایک دینار کے منافع کے ساتھ اسے فروخت کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا جانور خرید لیا پھر وہ ایک جانور اور ایک دینار لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس جانور کو قربان کر دو اور دینار کو صدقہ کر دو۔

(۱۱۷۹) قَالَ دَفَعَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِيْنَارًا لِاَشْتَرِيَ لَهٗ شَاةً فَاشْتَرَيْتُ لَهٗ شَاتَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا بِدِيْنَارٍ وَجِئْتُ بِالشَّاةِ وَالدِّيْنَارِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ لَهٗ مَا كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ فَقَالَ لَهٗ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ صَفْقَةِ يَمِيْنِكَ فَكَانَ يَخْرُجُ بَعْدَ ذٰلِكَ اِلٰي كُنَاسَةِ الْكُوْفَةِ فَيَرْبَحُ الرِّبْحَ الْعَظِيْمَ فَكَانَ مِنْ اَكْثَرِ اَهْلِ الْكُوْفَةِ مَالًا.

ترجمہ: حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دینار دیا تاکہ میں آپ کے لیے ایک بکری خریدوں میں نے اس سے دو بکریاں خریدیں ان میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا پھر ایک بکری اور ایک دینار لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معاملے کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے سودے میں تمہیں برکت عطا کرے۔

تشریح: ولاء: ولاء ایک حق ہے جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام یا باندی پر حاصل ہوتا ہے یعنی جب وہ مرے گا تو آزاد کرنے والا بھی اپنے درجہ میں اس کا وارث ہوگا عرب اس حق کو بیچ ڈالتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس باب میں بیع میں اس کے اشتراط کا بیان ہے یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ حق آزاد کرنے والے ہی کے لیے ثابت ہوتا ہے دوسرے کے لیے ثابت نہیں ہوسکتا۔

بَابُ بَيْعِ الْاُضْحِيَةِ

قربانی کے لیے رقم خاص کی پھر کچھ بچ گئی تو اس کا حکم

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ يَشْتَرِيْ لَهٗ اُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ فَاشْتَرٰي اُضْحِيَّةً فَاُرْبِحَ فِيْهَا دِيْنَارًا فَاشْتَرٰي اُخْرٰي مَكَانَهَا فَجَاءَ بِالْاُضْحِيَّةِ وَالدِّيْنَارِ اِلٰي رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ بِالشَّاةِ وَتَصَدَّقْ بِالدِّيْنَارِ.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار کے عوض قربانی کے لئے جانور خریدنے کے

لئے بھیجا انہوں نے اس سے جانور خریدا اور اسے دو دینار میں فروخت کر دیا۔ پھر ایک اور جانور ایک دینار کے عوض خرید کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہ دینار بھی ساتھ ہی پیش کیا جو منافع ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ جانور کو ذبح کر دو اور دینار صدقے میں دے دو۔

عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ دَفَعَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِيْنَارًا لِاَشْتَرِيَ لَهٗ شَاةً فَاشْتَرَيْتُ لَهٗ شَاتَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا بِدِيْنَارٍ وَجِئْتُ بِالشَّاةِ وَالدِّيْنَارِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ صَفْقَةِ يَمِيْنِكَ فَكَانَ يَخْرُجُ بَعْدَ ذٰلِكَ اِلٰى كُنَاسَةِ الْكُوْفَةِ فِيَرْبَحُ الرِّبْحَ الْعَظِيْمَ فَكَانَ مِنْ اَكْثَرِ اَهْلِ الْكُوْفَةِ مَالًا.

ترجمہ: حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دینار دیا اور حکم دیا کہ ان کے لئے ایک بکری خرید لاؤں۔ میں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار کی فروخت کرنے کے بعد دوسری بکری اور ایک دینار لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے قصہ بیان کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں برکت دے اس کے بعد حضرت عروہ کوفہ میں کناسہ کے مقام پر تجارت کیا کرتے اور بہت زیادہ نفع کمایا کرتے۔ پس حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے۔

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں تین مسئلے زیر بحث آئے ہیں:

پہلا مسئلہ: بیع فضولی کا ہے اگر فضولی چیز فروخت کرے اور مالک اس بیع کی اجازت دے اس کو رد نہ کرے تو بیع نافذ ہوگی۔ حضور ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ ایک دینار کے بدلے میں قربانی کا جانور خرید لائیں الغرض حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے قربانی کا جانور خرید آ ہی رہے تھے کہ راستے میں اسی بکری کو دو دیناروں کے بدلے میں فروخت کر دیا اب ایک دینار کے بدلے میں ایک بکری خریدی اب ایک دینار بھی لے آیا اور بکری بھی لے آیا تو بیع الفضولی ہے کیونکہ جب پہلی مرتبہ بکری خریدی تو وکالۃ تام ہوگئی۔ اس کے بعد دو دیناروں میں فروخت کرنا یہ بیع الفضولی ہے تو معلوم ہوا کہ بیع الفضولی جائز ہے لیکن عندالاحناف مالک کی اجازت پر موقوف ہے اور نبی ﷺ نے اس پر نکیر نہیں کی پس وہ بیع نافذ ہوگئی یہ مسئلہ متفق علیہ ہے صرف امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے مگر ان سے بھی جواز کا قول مروی ہے (فتح الباری ۶: ۶۳۴) ایک حنفی عالم بغداد میں گئے تو انہوں نے پوچھا کہ بیع الفضولی جائز ہے یا نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو بیع الفضولی نہ کہو بلکہ یہ بیع المتفضل ہے کہ یہ شخص بائع پر احسان کرنے والا ہے۔

مسئلہ ثانیہ: قربانی کے ارادے سے خریدے ہوئے جانور کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے۔

اگر قربانی واجب ہے تو قربانی کے ارادے سے خریدے ہوئے جانور کو آگے بیچنا جائز ہے اور اگر نفلی قربانی ہو تو پھر اس کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ پہلی صورت میں اضحیہ کا تعلق ذمہ کے ساتھ ہے اور وہ ذمہ باقی ہے اور دوسری صورت میں اس جانور کے ساتھ اسی لیے اگر وہ جانور ہلاک ہوگیا تو قربانی ساقط ہو جائے گی۔

تیسرا مسئلہ: نبی ﷺ نے جو ایک دینار صدقہ کیا وہ استحبابی حکم ہے واجب صرف قربانی ہے بچا ہوا پیسہ صدقہ کرنا ضروری نہیں مگر افضل یہ ہے کہ جب قربانی کے لیے کوئی رقم بچ گئی تو اس کو صدقہ کر دینا چاہیے مثلاً ایک شخص نے تین ہزار روپے قربانی کے لیے خاص

کئے اس کو بکرا ستائیس سو میں مل گیا تو تین سو روپیوں کو صدقہ کرنا مستحب ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بچی ہوئی رقم صدقہ کرنا واجب ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْمُكَاتَبِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَايُؤَدِّيْ

باب ۳۳: جو مکاتب بدل کتابت ادا کرنے پر قادر ہو اس سے پردہ

(۱۱۸۰) إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْمِيرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤَدِّي الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا أَدَّى دِيَةَ حُرٍّ وَمَابَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب مکاتب شخص کو دیت میں سے یا وراثت میں سے کوئی حصہ ملنا ہو تو اسے اس حساب سے حصہ ملے گا جتنا اس کا حصہ آزاد ہو چکا ہے۔

(۱۱۸۱) مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى مِائَةِ أُوقِيَةٍ فَأَدَّاهَا إِلَّا عَشْرَ أَوَاقٍ أَوْ قَالَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيقٌ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو خطبہ دینے کے دوران یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو شخص اپنے غلام کے ساتھ ایک سو اوقیہ کے عوض میں کتابت کا معاہدہ کرے اور وہ اس کی ادائیگی کر دے صرف دس اوقیہ باقی رہ جائیں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) دس درہم باقی رہ جائیں پھر وہ ادائیگی سے عاجز آ جائے تو وہ (مکاتب) غلام شمار ہوگا۔

(۱۱۸۲) عن أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ إِحْدَاكُنَّ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ.

ترجمہ: سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جب کسی عورت کے مکاتب غلام کے پاس اتنا مال ہو جسے وہ ادا کر سکتا ہو تو اس عورت کو اس سے پردہ کرنا چاہیے۔

تشریح: مکاتب: وہ غلام باندی ہے جس نے اپنے آقا سے آزادی کا معاملہ کر لیا ہو اگر آقا نے کہا تو اتنی رقم ادا کر دے تو تو آزاد ہے غلام نے قبول کیا تو یہ عتق علی المال ہے اور اگر کہا میں تجھے اتنی رقم پر مکاتب بناتا ہوں اور غلام نے قبول کیا تو یہ کتابت ہے احکام دونوں کے ایک ہیں صرف لفظوں کا فرق ہے۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ جب تک مکاتب کے ذمہ ایک پیسہ بھی باقی ہے وہ غلام ہے حدیث میں ہے:

المكاتب عبد مابقي عليه من مكاتبته درهم. (رواہ ابوداؤد مشکوۃ حدیث ۳۳۹۹)

"مکاتب غلام ہے جب تک کہ اس کی مکاتبت کا ایک درہم بھی باقی ہو"

اور مکاتب تصرف کے اعتبار سے آزاد ہوتا ہے جو چاہے کام کر سکتا ہے اور جب طے شدہ رقم مولی کو بھر دے گا گردن کے اعتبار سے بھی آزاد ہو جائے گا۔

یہ حدیث اس تصور پر مبنی ہے کہ مکاتب غلام بدل کتابت کا جتنا حصہ ادا کرتا جائے اتنا اتنا حصہ اس مکاتب کا آزاد ہوتا جائے گا مثلاً فرض کریں کہ ایک آقا نے اپنے غلام کو ایک ہزار روپے پر مکاتب بنادیا اگر اس غلام نے پانچ سو روپے ادا کردیئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدھا آزاد ہوگیا اگر اس وقت میں اس مکاتب نے ایسا جرم کرلیا جس کی سزا میں حد جاری کی جاتی ہے مثلاً اس نے شراب پی لی شراب کی حد آزاد کے لیے اسی کوڑے ہیں اور غلام کے لیے چالیس کوڑے ہیں لیکن اس مکاتب غلام پر نصف حد آزاد کی اور نصف حد غلام کی جاری کی جائے گی یعنی ساٹھ کوڑے لگائے جائیں گے اس لیے کہ آزاد کی نصف حد چالیس کوڑے ہیں اور غلام کی نصف حد بیس کوڑے ہیں اور دونوں کو ملا کر ساٹھ ہوگئے یہ اس لیے کہ یہ مکاتب نصف آزاد ہے اور نصف غلام ہے۔ اسی طرح عام حالات میں غلام وارث نہیں ہوتا لیکن اگر یہ مکاتب غلام وارث ہوگیا تو نصف آزاد ہونے کی وجہ سے نصف میراث کا مستحق ہوگا۔

یہ حدیث منسوخ ہے۔ یہ حدیث کسی فقیہ کے نزدیک بھی معمول بہ نہیں ہے اس لیے کہ اسی باب کی دوسری احادیث میں حضور ﷺ نے صاف صاف فرمادیا کہ:

مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى مِائَةِ أُوْقِيَةٍ فَأَدَّاهَا إِلَّا عَشْرَ أَوَاقٍ أَوْ قَالَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيْقٌ.

"اگر کسی آدمی نے اپنے غلام کو سو اوقیہ چاندی کے بدلے میں مکاتب بنایا اس نے اداء کردی مگر دس اوقیہ یا دس درہموں کے اداء کرنے سے عاجز ہوگیا تو وہ غلام ہی رہے گا۔"

حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا: جب غلام کے پاس اتنا مال اکٹھا ہوجائے کہ جس سے وہ بدل کتابت ادا کرسکے تو (وہ مالکہ) پردہ کرلے۔

مالکہ کا اپنے غلام سے پردہ ہے یا نہیں؟ ① احناف کہتے ہیں کہ مالکہ کا اپنے مملوک سے پردہ ہے۔ ② شوافع کہتے ہیں کہ پردہ نہیں ہے دونوں کے مذہب پر سوال ہوگا کہ جب تک ایک درہم بھی بدلے کتابت کا باقی ہو وہ تو عبد ہی ہوگا بالاتفاق اور مالکہ کا عبد سے پردہ نہیں ہے شوافع کے مذہب پر تو کیسے فرمایا فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے شوافع کی طرف سے جواب دیا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے۔

احناف کے مذہب پر بھی سوال ہوگا تمہارے ہاں تو پہلے ہی سے پردہ ہے تو پھر فَلْتَحْتَجِبْ کا کیا معنی؟

جواب: علی وجہ الکمال فرمایا پہلے بھی پردہ تھا لیکن آنے جانے کی وجہ سے کچھ سہو وغیرہ ہوجاتا تھا اب وہ نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أَفْلَسَ لِلرَّجُلِ غَرِيْمٌ فَيَجِدُ عِنْدَهُ مَتَاعَهُ

باب ۴۳: کوئی شخص مقروض کے پاس اپنا مال پائے تو کیا حکم ہے

(۱۱۸۳) أَيُّمَا امْرِءٍ أَفْلَسَ وَوَجَدَ رَجُلٌ سِلْعَتَهُ عِنْدَهُ بِعَيْنِهَا فَهُوَ أَوْلَى بِهَا مِنْ غَيْرِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جب کوئی شخص مفلس ہوجائے اور پھر کوئی شخص اپنا سامان بعینہ اس کے پاس پائے تو وہ شخص اس سامان کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: زیر بحث باب میں مفلس کا بیان کیا گیا ہے مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے ذمہ بہت سے قرضے ہوں اور بعد میں وہ ان کو ادا

کرنے سے عاجز ہوگیا جبکہ اس کا متاع واسباب قرضوں کی ادائیگی کے لیے نا کافی ہے تو ایسی صورت میں عدالت اسکو مفلس قرار دیتی ہے پھر اس کے ضروریات زندگی کو چھوڑ کر باقی مال کو فروخت کر دیا جاتا ہے اور رقم غرماء کے درمیان قرضوں کے تناسب سے تقسیم کر دی جاتی ہے پھر اس آدمی سے مالدار ہونے تک مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

مذاہب فقہاء: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی آدمی کا مال بعینہٖ مفلس کے پاس موجود ہے کیا وہ دوسرے غرماء کے مقابلہ میں اپنے مال کو لینے کا حقدار ہے یا نہ اور دو مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب بذریعہ بیع وہ مال مفلس کی ملکیت میں آ گیا اب بائع کا حق نہیں بلکہ دوسرے غرماء کے ساتھ مساوی ہوگا۔

دلیل اوّل: المحلی لابن حزم میں حدیث مذکور ہے:

ایما امر افلس ووجد رجل سلعته عنده بعینها فھو اسوة للغرماء.

”جو شخص مفلس ہو جائے پھر کوئی شخص بعینہٖ اُس کے پاس اپنا سامان پائے وہ قرض خواہوں کے درمیان برابر ہوگا۔“

دلیل ثانی: ترمذی ابواب الزکوة میں ایک حدیث ہے:

وفیه خذوا ما وجدتم لیس لکم الا ذلك.

”اس میں یہ ہے کہ جو کچھ تم اس کے پاس پاؤ وہ لے لو، تمہارے لیے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔“

کہ ایک آدمی پر پھل کی تجارت کی وجہ سے بہت قرضے ہو گئے اور وہ ادائیگی سے عاجز ہو گیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرماء سے فرمایا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ لے جاؤ اس کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں ملے گا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جس آدمی کو اپنا فروخت کیا پھل بعینہٖ مل جائے وہ اس کو لے جائے اس سے معلوم ہوا کہ تمام غرماء مال کے اندر برابر کے شریک ہوں گے ورنہ ترجیح بلا مرجح ہوگی۔

(۲) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایسے غریم کو دوسرے غرماء پر ترجیح حاصل ہوگی کہ جس کا مال بعینہٖ مفلس کے پاس موجود ہو۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی مفلس ہو جائے اور پھر کوئی آدمی اپنا سامان بعینہٖ اس کے پاس پائے تو وہ آدمی اس سامان کا دوسرے غرماء کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہے۔

جواب: باب کی روایت عاریت یا ودیعت یا غصب پر محمول ہے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں مفلس کی ملکیت ان اشیاء پر ثابت ہوئی ہی نہیں بلکہ یہ اشیاء بدستور اپنے مالکوں کی ملکیت میں ہیں لہٰذا اس اعتبار سے وہی ان کے حق دار ہیں اور زیر بحث باب کی روایت میں اس کے دو قرینے بھی مذکور ہیں:

(۱) سلعته میں جو ضمیر متصل ہے۔ وہ رجل کی طرف راجع ہے معنی یہ ہوگا کہ وہ آدمی اپنا سامان اس کے پاس پائے اگر یہاں بیع ہوتی تو وہ سامان اس کا نہ ہوتا بلکہ اس کی ملکیت سے خارج ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ وہ سامان ابھی اسی کی ملکیت میں ہے اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ وہ مفلس تک عاریت یا ودیعت یا غصب یا سرقہ کی وجہ سے پہنچا ہو۔

(۲) بعینها اس لفظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بیع نہیں ہوتی اس لیے کہ بیع کے اندر ملک بدل جاتی ہے اور تبدل ملک

سے عین ہو جاتا ہے جیسے قصہ لحم بریرہ رضی اللہ عنہ اس کے لیے واضح دلیل ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیز ابھی بدستور مالک کی ملکیت میں ہے نہ کہ مفلس کی ملکیت میں۔

جواب②: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چھ سات طریق سے نقل کیا ہے ان میں سے صرف ایک طریق میں للبائع کا لفظ ہے باقی کسی میں اس کا ذکر نہیں ہے نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے چھ شاگرد اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں ان میں سے صرف ایک للبائع کو نقل کرتا ہے باقی پانچ اس کو نقل نہیں کرتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ لِلْمُسْلِمِ اَنْ يَدْفَعَ اِلَى الذِّمِّي الْخَمْرَ يَبِيْعُهَا لَهُ

باب ۳۵: مسلمان کسی ذمی کو شراب بیچنے کے لیے نہ دے

(۱۱۸۴) كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَقُلْتُ اِنَّهُ لِيَتِيْمٍ فَقَالَ اَهْرِيْقُوْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی جب سورۂ مائدہ نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا میں نے عرض کی یہ ایک یتیم کی ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے بہا دو۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسئلہ تو عنوان میں ذکر کر دیا اور دوسرا مسئلہ جو حدیث پاک سے مستنبط ہو رہا ہے۔

مسئلہ اولیٰ: ایک کافر کے قبضہ میں خمر تھی پھر اللہ نے اس کو مشرف باسلام کیا اب آیا وہ ذمی آدمی کو اپنی خمر کی بیع کا وکیل بنا سکتا ہے یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: ① امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہے تو یہ انتہائی ناپسندیدہ کام لیکن اگر اس نے وکیل بنا دیا اور اس ذمی نے وہ خمر آگے بیچ دی تو اس کے ثمن حلال ہوں گے۔

② جمہور ائمہ اور صاحبین رحمہم اللہ فرماتے ہیں مسلمان اپنی خمر کی بیع کے لیے ذمی کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

جمہور کی دلیل: یہی حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی خمر تھی اور جب آیات مائدہ نازل ہوئی تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور میں نے یہی بتلایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو گرا دو۔ ظاہر ہے کہ یتیم کے مال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے قرآن میں ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ (النساء: ۱۰) اگر انتفاع کی کوئی صورت بھی ہوتی تو نبی کریم ﷺ گرانے کا حکم نہ فرماتے۔

مسئلہ ثانیہ: خمر مسلمان کے پاس ہو تو اس کو سرکہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ احناف کہتے ہیں کہ سرکہ بنا کر استعمال کرنا جائز ہے عام ازیں بغیر کسی عمل کے سرکہ بن جائے مثلاً دھوپ میں رکھ دیا جائے یا کسی عمل سے سرکہ بن جائے مثلاً اس میں نمک یا کوئی اور چیز ڈال دی جس کی وجہ سے سرکہ بن گیا۔

دوسرا قول شوافع کا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ اگر بغیر کسی عمل کے سرکہ بن جائے تو جائز ورنہ لا یجوز۔

اور تیسرا قول حنابلہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً لا یجوز ہے عام ازیں عمل کا دخل ہو یا نہ ہو۔

حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث ہے کہ یتیم کے مال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اگر انتفاع کی کوئی صورت ہوتی تو آپ ﷺ گرانے کا حکم نہ فرماتے تو معلوم ہوا کہ سرکہ بنا کر استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

دونوں مسلکوں کا قدر مشترک جواب یہ ہے کہ ابتداءً ایسا حکم تھا جب خمر کی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اس وقت خمر کی نفرت علی وجہ المبالغہ دل میں راسخ کرنے کے لیے یتیم کی خمر کو بھی گرانے کا حکم دیدیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں خمر کی نفرت اچھی طرح راسخ ہوجائے جیسا کہ مشکواۃ شریف میں پڑھ کر آئے کہ برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا اور بعد میں جب نفرت دلوں میں راسخ ہوگئی تو برتنوں کے استعمال کی اجازت ہوگئی تھی اسی طرح یہاں پر بھی جب نفرت دلوں میں راسخ ہوگئی تو انتفاع کی اجازت دے دی عام ازیں کہ وہ انتفاع ذمی کو وکیل بنا کر ہو یا خمر کو سرکہ بنا کر ہو دونوں صورتوں میں جائز ہیں۔

باب

باب ۳۶: مقروض کا کوئی مال ہاتھ لگے تو اس سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے؟

(۱۱۸۵) اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص اپنی امانت تمہارے پاس رکھوائے اسے امانت واپس کردو اور جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

تشریح: مسئلة الظفر: یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی کا قرض ہے وہ قرض کی ادئیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے پس اگر اس کی کوئی چیز قرض خواہ کے ہاتھ لگے تو کیا وہ اس میں سے اپنا قرض وصول کرسکتا ہے۔

مذاہب فقہاء: ؟ اس میں اختلاف ہے اور تین اقوال ہیں:

(ا) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مدیون کا مال دائن کے ہاتھ آجائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس سے اپنا حق وصول کرے۔

دلیل: امام مالک رحمہ اللہ استدلال کرتے ہیں زیر بحث باب کی حدیث کے دوسرے جزء سے لا تخن من خانك کہ جو تم سے خیانت کرتم اس سے خیانت نہ کرو لہٰذا مدیون کا جو مال دائن کے پاس آیا ہے وہ امانت ہے اس کو واپس کردے اور اپنے حق کا اس سے مطالبہ کرے۔

جواب: اس حدیث سے یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ جو آدمی اپنا حق وصول کر رہا ہے وہ خیانت نہیں کر رہا حدیث میں ممانعت خیانت کی ہے اور یہ صورت خیانت میں داخل ہی نہیں۔

حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے؟ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مدیون نے دائن کو قرض کی ادائیگی میں بہت تنگ کیا اور بالآخر اس نے ادا کر ہی دیا اب اگر دائن کے پاس کسی طرح مدیون کا مال آگیا اب وہ بھی اسے انتقاماً تنگ کرتا ہے تو اس سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دائن کے پاس مدیون کا جو مال آیا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں دین کی جنس سے ہوگا یا نہ۔ اگر دین کی جنس ہو تو پھر دائن اپنا حق وصول کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال اتحاد جنس کی صورت میں ہندہ زوجہ ابوسفیان کی روایت سے ہے: وفیہ خذی مایکفیك

وولدك بالمعروف کہ نبی ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے نفقہ وصول کرنے کی اجازت دی یہاں نفقہ بھی نقد تھا اور مال بھی نقد تھا معلوم ہوا کہ اتحاد جنس کی صورت میں اپنا حق وصول کیا جاسکتا ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں اپنا حق وصول کرنا اس لیے جائز نہیں کہ اس صورت میں اس مال کو فروخت کئے بغیر اپنے حق کی وصولی ممکن نہیں تو اس سے لازم آئیگا غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا اور یہ جائز نہیں۔

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر دائن کے پاس مدیون کا مال آجائے تو وہ اس سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے چاہے اتحاد جنس ہو یا اختلاف جنس۔

دلیل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ ہندہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا شوہر بخیل ہے وہ نفقہ صحیح طرح ادا نہیں کرتا کیا میرے لیے جائز ہے کہ اس کے مال سے میں اپنے اور اولاد کے لیے بقدر نفقہ لے لیا کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: خذی ما یکفیك.

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ

باب ۳۷: عاریت پر لی ہوئی چیز مضمون ہے

(۱۱۸۶) فِي الْخُطْبَةِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبے کے دوران یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شے ادھار لی جائے اسے واپس کرنا ضروری ہے اور ضمانت دینے والا شخص ذمہ دار ہوتا ہے اور قرض کی ادائیگی (ضروری) ہے۔

(۱۱۸۷) عَلَى الْيَدِ مَا اَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ قَالَ قَتَادَةُ ثُمَّ نَسِيَ الْحَسَنُ فَقَالَ هُوَ اَمِيْنُكَ لَاضَمَانَ عَلَيْهِ يَعْنِي الْعَارِيَةَ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں ہاتھ (یعنی آدمی) نے جو چیز لی ہو اسے ادا کرنا لازم ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے بعد حسن اس روایت کو بھول گئے اور انہوں نے یہ کہا وہ شخص تمہارا امین ہوگا اور اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا یعنی یہ ادھار لی ہوئی چیز کا حکم ہے۔

تشریح: شئی مستعار پر مستعیر کا قبضہ آیا یہ قبضہ امانۃ ہے یا قبضہ ضمان ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ یہ قبضہ امانت ہے جب موجود ہوگی اس وقت تک واپس کرنا ضروری ہے اور جب موجود نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں: (۱) ہلاک ہوگی (۲) استہلاک ہوگا اگر ہلاکت ہوگی تو کوئی ضمان نہیں ہے اور اگر استہلاک ہو تو ضمان ہوگی یہی قاعدہ ہے امانت میں یہی قول اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے یہ تقریباً پہلا مسئلہ ہے کہ جس میں اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ ساتھ دے رہے ہیں احناف کا۔

دوسرا قول شوافع اور حنابلہ کا ہے کہ وہ مطلقاً مضمون ہوگی استہلاک ہو تو بھی ہلاکت ہو تو بھی۔

احناف کی دلیل: حدیث یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ ہے جس کی تخریج امام ابوداوٗد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یعلی ابن امیہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ جب میرے نمائندے تیرے پاس آجائیں تو ان کو ۳۰ اونٹ اور ۳۰ زرہیں دے دینا اس پر یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ عاریة مضمونة ام عاریة مؤداة اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا بل عاریة مؤداة جب تک موجودگی تو واپس کیا جائے گا یہاں پر تقابل ہے۔ مضمونہ اور غیر مضمونہ یہ نص صریح ہے کہ شئی مستعار پر مستعیر کا قبضہ قبضہ امانت ہے قبضہ ضمان نہیں ہے۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ العاریة موداداة طریق استدلال عاریۃ پر لی ہوئی چیز ادا کی جائے گی عام ازیں موجود ہو یا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ موجود نہ ہونے کی صورت میں تاوان لیا جائے گا۔

دوسری دلیل: حدیث امیہ بن صفوان رضی اللہ عنہ عن ابیہ ہے الذی اخرجہ ابو دائود فی سننہ جس کا مضمون یہ ہے کہ صفوان یہ کہتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کچھ زرہیں مجھ سے عاریۃ لینے کا ارادہ فرمایا میں نے عرض کیا: اتاخذ غصبا (اس وقت تک یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو حضور ﷺ نے فرمایا: بل عاریة مضمونة ھی عاریة مضمونة یا آخذ عاریة ،مضمونة عام ہے کہ ہلاکت کی صورت ہو یا استہلاک کی صورت ہو۔

جواب: ترمذی شریف والی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مدعی واضح نہیں ہے اس لیے کہ موداۃ کا لفظ اداء سے ماخوذ ہے اور اداء کہتے ہیں عین ماوجب کو صاحب حق کے حوالے کرنا اور عین ماوجب کو سپرد کرنا اسی وقت ہوگا کہ جب وہ موجود ہو تو حدیث کا مدلول یہ ہے کہ جب تک شئی ماوجب مستعیر کے پاس موجود ہو تو واپس کرنا واجب ہے اور جب موجود نہ ہو تو آیا ضمان ہوگی یا نہیں، اس سے یہ حدیث ساکت ہے اور حدیث یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ ناطق ہے کہ جب ہلاکت ہو تو ضمان واجب نہیں ہے۔

معاشرے کی تین خرابیوں کی اصلاح؟

یہ حدیث درحقیقت باب معاشرت سے ہے اس میں نبی ﷺ نے معاشرے میں پائی جانے والی تین خرابیوں کی اصلاح فرمائی ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی وہی مسلک تھا جو حنفیہ کا مسلک ہے یعنی عاریت پر مستعیر کا قبضہ قبضہ امانت ہے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کو روایت کررہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو میرے استاذ ہیں انہوں نے خود مجھ سے یہ روایت بیان کی تھی کہ علی الید ما اخذت حتی تودی۔ جس کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں یہ تھا کہ مستعیر کے ذمے ضمان واجب ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بھول گئے جس کی وجہ سے آپ نے یہ مسلک اختیار کیا کہ ھو امینك لا ضمان علیه وہ تمہارا امین ہے اس پر کوئی ضمان واجب نہیں گویا کہ حضرت قتادہ نے اپنے استاذ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کیا حالانکہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی تھی لیکن اس کے باوجود وہ عاریت کے مضمون ہونے کے قائل نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ یہ حدیث بھول گئے اگر یہ حدیث ان کو یاد ہوتی تو وہ عاریت کو ''مضمون'' قرار دیتے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک: یہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا خیال ہے جس کا انہوں نے اظہار فرمایا لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بھول گئے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ حدیث ان کو یاد تھی البتہ انہوں نے اس حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہو جس پر حنفیہ نے محمول کیا ہے وہ یہ ہے کہ عاریت کی چیز جب تک موجود ہے اور ہلاک نہیں ہوئی اس وقت تک لینے والے پر واجب ہے کہ وہی چیز واپس لوٹائے اس میں ضمان کا کوئی ذکر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْاِحْتِکَارِ

باب ۳۸: ذخیرہ اندوزی کرنا

(۱۱۸۸) لَا یَحْتَکِرُ اِلَّا خَاطِئٌ.

ترجمہ: حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: صرف گنہگار شخص ذخیرہ اندوزی کر سکتا ہے۔

تشریح: احتکار حکر سے ماخوذ ہے حکر کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو روک کر بیچنا۔ احتکار ذخیرہ اندوزی کو کہتے ہیں۔

مذاہب فقہاء: اصطلاح میں غذائی اجناس کو مثلاً کھانے پینے کی چیزوں کو خرید کر روک لینا اس ارادے سے کہ جب قحط ہوگی تو مہنگے داموں فروخت کروں گا آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

① جمہور کے مذہب میں تفصیل ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں احتکار مکروہ ہے بشرطیکہ اہل بلد کو ضرر ہو اور اگر اہل بلد کو ضرر نہیں تو مکروہ بھی نہیں ہے اگر کھانے پینے کی چیزوں کے ماسواء ہوں تو جائز ہے۔

② قاضی ابو یوسف سے رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہر ضرورت عامۃ کی چیزوں میں خواہ اقوات کے قبیل سے ہوں یا غیر اقوات کے قبیل سے ہوں احتکار لایجوز ہے۔

فقلت لسعید... الخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو میں نے کہا اے ابو محمد آپ تو احتکار کرتے ہیں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میرے استاد حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی احتکار کیا کرتے تھے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ ہم لوگ ایسی اشیاء کا ایسے اوقات میں احتکار کرتے ہیں جبکہ عوام کو ضرر نہ ہو یہ لوگ زیتون اور درخت سے گرنے والے پتے جو چوپائے کی غذا کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں ان کا احتکار کیا کرتے تھے۔

اسٹاک اور احتکار میں فرق: یہ ہے کہ اسٹاک کرنا جائز ہے ذخیرہ اندوزی ممنوع ہے اور ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ کوئی چیز بڑی مقدار میں خرید کر رکھ لی جائے اور گرانی کا انتظار کیا جائے اور جب تک بھاؤ نہ بڑھے بیچی نہ جائے اور اسٹاک کرنا یہ ہے کہ دوکان کی ضرورت کے بقدر چیز خرید لی جائے اور اس کی فروختگی جاری رکھی جائے اول ممنوع ہے کیونکہ اس سے چیزوں کی قلت ہو جاتی ہے بلکہ تجار اس طرح مصنوعی قحط پیدا کرتے ہیں اور ثانی جائز ہے کیونکہ اس سے نہ داموں پر اثر پڑتا ہے نہ قحط سالی پیدا ہوتی ہے اور حضرت معمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ اسٹاک کرتے تھے ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ بَیْعِ الْمُحَفَّلَاتِ

باب ۳۹: تھن میں دودھ روک کر جانور بیچنا

(۱۱۸۹) لَا تَسْتَقْبِلُوا السُّوقَ وَلَا تُحَفِّلُوا وَلَا یُنَفِّقْ بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: (سامان کے) منڈی پہنچنے سے پہلے (راستے میں سودا نہ کرو) اور دودھ روکے ہوئے جانور کو فروخت نہ کرو اور کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے مصنوعی بولی نہ لگائے۔

تشریح: محفلة: اسم مفعول ہے اس کا مادہ ح،ف،ل ہے اس مادہ کے معنی ہیں جمع کرنا چنانچہ بس کو حافلة اور جلسہ کو حفلة کہتے ہیں کیونکہ ان میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور بیع محفلات اور بیع مصرات ایک چیز ہیں یعنی جانور کے تھن میں دودھ روک کر مشتری کو دھوکہ دینا جائز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تلقی الجلب مت کرو اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے اور اُونٹوں میں تحفیل مت کرو یعنی جس طرح بکری کے اندر تصریہ کرنا جائز نہیں کہ اس کا دودھ نہ نکالنا تاکہ اس کے تھن دیکھ کر خریدنے والے کو دھوکہ لگ جائے یہ عمل اُونٹنی کے اندر مت کرو اور تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے لیے سامان کو رواج نہ دے یعنی دوسرے کا سامان بیچنے کے لیے جھوٹ موٹ زیادہ قیمت نہ لگائے مثلاً ایک شخص درمیان میں آکر اسی چیز کی زیادہ قیمت پر خریدنے کی پیش کش کردے تاکہ خریدار کو دھوکہ دے دے حالانکہ اس تیسرے شخص کو خریدنا مقصود نہیں ہے اس کو نجش کہا جاتا ہے حدیث کے آخری جملے میں اسی کی ممانعت فرمائی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْیَمِیْنِ الْفَاجِرَةِ یَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ الْمُسْلِمِ

باب ۴۰: جھوٹی قسم کے ذریعے مسلمان کا مال ہتھیانا

(۱۱۹۰) مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ وَهُوَ فِیْهَا فَاجِرٌ لِیَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانٌ فَقَالَ الْاَشْعَثُ بْنُ قَیْسٍ فِیَّ وَاللّٰهِ لَقَدْ کَانَ ذٰلِكَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ رَجُلٍ مِنَ الْیَهُوْدِ اَرْضٌ فَجَحَدَنِیْ فَقَدَّمْتُهٗ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَكَ بَیِّنَةٌ قُلْتُ لَا فَقَالَ لِلْیَهُوْدِیِّ اِحْلِفْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا یَحْلِفَ فَیَذْهَبُ بِمَالِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ ... اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص قسم اٹھائے اور وہ اس میں جھوٹا ہو، تاکہ اس کے ذریعے وہ کسی مسلمان کا مال ہتھیا لے، تو جب وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، یہ حکم میرے بارے میں ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین کا تنازعہ تھا اس نے مجھے دینے سے انکار کیا تھا میں اسے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

دریافت کیا، کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہودی سے فرمایا: تم قسم اٹھالو! میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ تو قسم اٹھالے گا، اور میرا مال لے جائے گا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

"بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے نام کے عہد اور اس کے نام کی قسموں کے بدلے میں تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں"

..... یہ آیت آخر تک ہے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی جھوٹی قسم کے ساتھ کسی مسلمان کا مال لے گا قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی تو اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اس حدیث کے بیان کے وقت حضرت اشعث رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود تھے انہوں نے یہ حدیث سن کر فرمایا اللہ کی قسم یہ نبی ﷺ نے میرے بارے میں فرمایا تھا وہ اس طرح کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں دعویٰ پیش کیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے بینہ کا مطالبہ کیا میں نے کہا میرے پاس بینہ تو نہیں پھر آپ نے یہودی سے حلف کا مطالبہ کیا میں نے عرض کیا یہ تو یہودی ہے جھوٹی قسم اٹھا کر میرا مال لے جائے گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ .... الخ۔

بَابُ مَاجَاءَ اِذَا اخْتَلَفَ الْبَیِّعَانِ

باب ۴۱: جب خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہو جائے

(۱۱۹۱) اِذَا اخْتُلِفَ الْبَیِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِیَارِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جب خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو فروخت کرنے والوں کے قول کا اعتبار ہوگا، اور خریدار کو اختیار ہوگا۔ (وہ سودا ختم کردے)

تشریح: بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کی کئی صورتیں ہیں مبیعہ میں اختلاف ہوگا یا ثمنوں میں اختلاف ہوگا یا دونوں میں اختلاف ہوگا یا کبھی خیار شرط میں اختلاف ہوگا یہاں صرف یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری کا ثمنوں میں اختلاف ہو جائے تو احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کے پاس بینہ ہوں تو قول اسی کا معتبر ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بینہ ہوں تو جس کے بینہ مثبت للزیادۃ ہوں گے وہ معتبر ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو پھر تحالف من الجانبین جاری ہوگا۔ پہلے بائع قسم اٹھائے گا اس کے بعد مشتری سے قسم لی جائے گی اور جب دونوں قسم اٹھالیں گے تو قاضی بیع کو فسخ کردے گا لیکن اس تحالف کے جاری ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مبیعہ موجود ہو اور عند الشوافع مبیعہ موجود ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں تحالف جاری ہوگا حدیث الباب بظاہر الشوافع کی دلیل ہے اور احناف کے خلاف جارہی ہے۔

جواب ①: اس حدیث میں اجمال ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث جو ابن ماجہ اور دارمی میں ہے اس میں صراحت والسلعۃ قائمۃ کے الفاظ موجود ہیں تو اس مجمل کو مفسر پر محمول کیا جائے گا۔

جواب ②: یہ سند مُرسل ہے بمعنی منقطع اس لیے کہ اس میں عون بن عبداللہ رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حالانکہ عون بن

عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے ایک اور سند سے مروی ہے قاسم بن عبدالرحمٰن عن عبداللہ کی سند سے یہ بھی مرسل ہے اس لیے کہ اس میں قاسم کی ملاقات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔

قال ابن المنصور: ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا کہ جب بائع اور مشتری کا اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو پھر کیا ہوگا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تحالف جاری ہوگا اسکے بعد بیع کو فسخ کر دیا جائے گا ابن منصور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہی مسئلہ اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی بَیْعِ فَضْلِ الْمَاءِ

باب ۴۲: اضافی پانی فروخت کرنے کا حکم

(۱۱۹۲) قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْمَاءِ.

ترجمہ: حضرت ایاس بن عبد مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱۱۹۳) لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اضافی پانی کو روکا نہ جائے، ورنہ اس وجہ سے گھاس کے اگنے میں رکاوٹ پیش آئے گی۔

تشریح: پانی کی بیع سے منع فرمایا گیا اس میں تفصیل ہے پانی کی تین قسمیں ہیں: (۱) دریاؤں اور بڑے بڑے نالوں کا پانی (۲) مملوکہ حوضوں اور کنوؤں کا پانی (۳) وہ پانی جو برتنوں اور مکشیزوں میں جمع کر لیا گیا ہو۔

پہلی قسم: کا پانی مشترک ہیں ہر شخص کو ان سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت ہے کوئی اگر چکی چلانا چاہے تو وہ چکی چلا سکتا ہے کوئی اگر نہر نکالنا چاہے تو نہر نکال سکتا ہے۔

دوسری قسم: مملوکہ حوضوں کا پانی مملوکہ کنوؤں کا پانی مملوکہ نالوں کا پانی مملوکہ تالابوں کا پانی خود بھی پی سکتا ہے اور جانوروں کو بھی پلا سکتا ہے اور اگر دوسرا شخص اپنے جانوروں کو پلانا چاہے تو وہ بھی پلا سکتا ہے بشرطیکہ کنویں اور حوض کو نقصان نہ دیں ورنہ روک سکتا ہے البتہ اگر زمین کو سیراب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بیچنے کا حق حاصل ہے۔

تیسری قسم: تیسری قسم کے پانی کو اگر بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے اذا کان الامر کذلک پس اس حدیث کا مصداق پہلی قسم کی پانی ہیں قسم ثالث اس کے تحت داخل نہیں ہے۔

"لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ" زائد پانی کو نہ روکا جائے تاکہ زائد پانی کو روکنے کے ذریعے گھاس میں چارے کو روکا جائے یعنی زائد پانی کو روکنے سے مقصود گھاس میں چارہ کو روکنا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کا ذاتی کنواں ہے اس کے قریب عام چراگاہ ہے اس میں گھاس چارہ ہے اس چراگاہ کے اندر تمام لوگوں کو جانور چرانے کا حق حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ گھاس چارہ کھانے کے بعد پانی پینے کی ضرورت ہوگی اب مالک کنواں یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے جانور یہاں نہ لائیں میں ہی اس میں اپنے جانور چراؤں اس کی

وجہ سے پانی سے روک دیتا ہے حیلہ کرتے ہوئے درحقیقت یہ پانی سے نہیں روکنا چاہتا بلکہ گھاس چارے سے روکنا چاہتا ہے زائد کی قید اس لی نہیں کہ اگر زائد نہ ہوتو روک سکتا ہے بلکہ زائد ہوتو اس وقت روکنے میں مزید وعید ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ عَسْبِ الْفَحْلِ

باب ۴۳: نر کو جفتی کے لئے کرائے پر دینا مکروہ ہے

(۱۱۹۴) نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے، نر جانور کو جفتی کے لئے کرائے پر دیا جائے۔

(۱۱۹۵) اِنَّ رجلًا مِنْ کِلَابٍ سَاَلَ النبیَّ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فقال یارسولَ اللہِ ﷺ اِنَّا نُطْرِقُ الفحلَ فَنُکْرَمُ فَرَخَّصَ لَهٗ فِی الْکَرَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کلاب قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے نر جانور کو جفتی کے لئے کرائے پر دینے کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے اس سے منع کردیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم بعض اوقات نر جانور کو جفتی کے لئے دیتے ہیں، تو ہمیں اس کے بدلے میں انعام ملتا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے اس انعام کی اسے اجازت دی۔

تشریح: زیر بحث باب میں عسب الفحل سے منع کیا گیا ہے عسب الفحل سے مراد یہ ہے کہ نر مادہ کے ساتھ جفتی کرے مثلاً مادہ کا مالک یہ چاہتا ہے کہ میری مادہ حاملہ ہوجائے لیکن اس کے پاس نر موجود نہیں وہ نر کے مالک سے مطالبہ کرے کہ اپنے نر کو چھوڑ دو تا کہ میری مادہ کو حاملہ کرے اور وہ اس پر اجرت کا مطالبہ کرے اس سے منع کیا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں البتہ اگر اکرام کے طور پر کچھ دے دیا جائے تو یہ جائز ہے جیسے زیر بحث باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے۔ اس کی یہ صورت ہے کہ پہلے سے کوئی اجرت مقرر نہیں جب نر کا مالک اپنا نر لے کر آیا تو مادہ کے مالک نے اس کی خاطر تواضع کردی یا کوئی ہدیہ دے دیا تو اس کی اجازت ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ ثَمَنِ الْکَلْبِ

باب ۴۴: کتے کی قیمت کا حکم

(۱۱۹۶) کَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِیْثٌ وَمَهْرُ الْبَغِیِّ خَبِیْثٌ وَثَمَنُ الْکَلْبِ خبیثٌ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: پچھنے لگانے والے شخص کی کمائی حرام ہے۔ فاحشہ عورت کی کمائی حرام ہے، اور کتے کی قیمت حرام ہے۔

(۱۱۹۷) قَالَ نَهَى رسولُ اللہِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْکَلْبِ ومَهرِ الْبَغِیِّ وَحُلْوَانِ الکَاهِنِ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، فاحشہ عورت کی کمائی اور کاہن کو ملنے والی نیاز (استعمال کرنے) سے منع کیا ہے۔

کتے کی خرید وفروخت کا حکم:

① امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتے کی بیع جائز نہیں۔

استدلال: کرتے ہیں اس حدیث سے اور اگر کوئی شخص بیع کرے تو بائع کے لیے اس کی قیمت لینا حرام ہے۔

② امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا قول مختار یہ ہے کہ جس کتے کو پالنا جائز نہیں اس کی بیع بھی جائز نہیں اور جس کتے کو پالنا جائز ہے اس کی بیع بھی جائز ہے اور اس کی قیمت لینا بھی جائز ہے۔

③ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق کھانے کے لیے بھی کتے کی بیع جائز ہے کیونکہ اس روایت میں ان کے نزدیک کتے کا کھانا حلال ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال: حضرات حنفیہ اور مالکیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو نسائی میں آئی ہے اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

نھی رسول اللہ ﷺ ثمن الکلب الا کلب صید۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ وہ شکاری کتا ہے۔"

اس روایت میں الا کلب صید کا استثناء موجود ہے لیکن ساتھ ہی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ روایت محل نظر ہے اس لیے کہ اس روایت کا مرفوع ہونا ثابت نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اول تو جس روایت میں یہ مرفوعاً مروی ہے اس کے تمام رجال ثقات ہیں لہٰذا اس روایت کو رد کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے اور اگر اس روایت کو مرفوع نہ مانا جائے یعنی عن رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہ بھی ہو تب بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جن الفاظ سے یہ روایت بیان فرمائی ہے اس کے لحاظ سے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے وہ الفاظ یہ ہیں: نھی عن ثمن الکلب الا کلب صید۔

اس میں لفظ نھی آیا ہے اس کے معنی ہیں کہ منع کیا گیا ہے مطلب یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے لہٰذا اگر عن رسول اللہ ﷺ کا لفظ روایت میں صراحتاً موجود نہ ہو تب بھی حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے اور وہ روایت قابل استدلال ہے اس کے متعدد متابعات موجود ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے استدلال: اس کے علاوہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ سے ایسے متعدد فتاویٰ منقول ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے کتے کو ہلاک کردے تو اس کا تاوان اس کے ذمے لازم آئے گا اور تاوان اسی چیز کا لازم آسکتا ہے جس کی بیع ہوسکتی ہو اور جو چیز بیع کا محل نہ ہو اس کا تاوان لازم نہیں آتا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور غالباً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے جس میں انہوں نے تاوان ادا کرنے کا حکم دیا ہے ان کے علاوہ بعض دوسرے تابعین کے بھی فتاویٰ ہیں لہٰذا ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے فتاویٰ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس کتے کا پالنا جائز ہے اس کتے کو فروخت کرنا بھی جائز ہے۔

حدیث باب کا جواب: حدیث باب کی تین توجیہات ہوسکتی ہیں:

پہلی توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں وہ کتا مراد ہو جس کا پالنا جائز نہ ہو۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ احادیث ہیں جن میں الا کلب صید کا استثناء موجود ہے اور منسوخ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ نے متعدد احادیث میں پڑھا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں کتوں کے احکام تشدید سے تخفیف کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں چنانچہ ابتداء میں حکم یہ تھا کہ ان کو مار ہی ڈالو پھر بعد میں صرف کالے کتے کو مارنے کا حکم آیا ہے پھر بعد میں کتے کو پالنے کی مطلق ممانعت آئی پھر اس کے بعد کلب صید اور کلب زرع کا استثناء آیا اس طرح اس کے بارے میں احکام تخفیف کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں اسی طرح یہاں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتداء میں ہر کتے کی بیع ناجائز تھی اور بعد میں اس کی اجازت ہوگئی جس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا تاوان مقرر فرمایا۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث میں نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ آگے ایک باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت آرہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

نهى رسول الله ﷺ عن ثمن الكلب والسنور.

اس حدیث میں کتے کے ساتھ بلی کو بھی شامل کر لیا گیا ہے حالانکہ بلی کی بیع کسی کے نزدیک بھی حرام نہیں لہٰذا اس حدیث میں نہی کو کراہت تنزیہی پر محمول کرنا پڑے گا اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں ثمن کلب کو اجرۃ الحجام کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے حالانکہ حجام کی اجرت باجماع جائز ہے اور خود حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حجام کو اجرت عطا فرمائی اس روایت میں بھی ممانعت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا بہر حال یہ تینوں توجیہات اس حدیث باب میں ہو سکتی ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ كَسْبِ الْحَجَّامِ

باب ۴۵: پچھنے لگانے والے شخص کی آمدنی کا حکم

(۱۱۹۸) اَنَّهُ اِسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ ﷺ فِي إِجَارَةِ الْحَجَّامِ فَنَهَاهُ عَنها فَلَم يَزَلْ يَسْأَلُه ويَسْتَأْذِنُه حتّٰى قَالَ اِعْلِفْه نَاضِحَكَ وَاَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ.

ترجمہ: حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پچھنے لگانے کی اجرت لینے کی اجازت مانگی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اس سے منع کر دیا، وہ بار بار نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں سوال کرتے رہے اور آپ سے اجازت مانگتے رہے، یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس (معاوضے سے) اپنے اونٹ کو چارہ کھلا دو یا اپنے غلام کو کھلا دو۔

تشریح: اور یہی مراد ہے کہ حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں چونکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے غلام پچھنے لگاتے اور کمائی ہوئی رقم اپنے آقاؤں کو دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو بہت پاکیزہ مال سمجھتے تو حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے نہی کے بارے میں سنا تو آنحضور ﷺ سے باصرار پوچھا تا کہ وہ ان کو اجازت دیدیں لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اعلفه ناضحك ای اطعمه وزنا معنا ناضح پانی لادنے

والے اونٹ کو کہتے ہیں یعنی یہ اجرت اپنے اونٹ کو کھلاؤ اور غلام کو کھلاؤ کیونکہ یہ کمائی ایک خسیس عمل سے حاصل کی جاتی ہے لہٰذا حرار اور پاکباز لوگوں کو نہیں کھانی چاہیے چونکہ پچھنے لگانا اور لگوانا بالاجماع جائز ہے اور آپ ﷺ نے اس پر اجرت بھی عطاء فرمائی ہے جیسا کہ اگلے باب میں ہے اس طرح باب کی حدیث میں بھی جواز کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ کمائی و اجرت حرام ہوتی تو آنحضور ﷺ غلام کو کھلانے کا حکم ہرگز نہ دیتے اس لیے باب کی حدیث کراہت تنزیہی پر محمول ہے کہ آدمی اچھا پیشہ اختیار کر کے کمائے نہ کہ ایسا پیشہ جس سے گندگی میں ملوث ہونے کا خطرہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِیْ كَسْبِ الْحَجَّامِ

باب ۴۶: پچھنے لگانے کی آمدن کی اجازت

(۱۱۹۹) سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ اَنَسٌ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَحَجَمَهٗ اَبُوْ طَيْبَةَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ اَهْلَهٗ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ وَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ اَوْ اِنَّ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةُ.

ترجمہ: حمید بیان کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پچھنے لگانے والے شخص کی آمدن کے بارے میں دریافت کیا گیا: تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے پچھنے لگوانے تھے، حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو پچھنے لگائے تھے، تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اناج کے دو صاع دینے کی ہدایت کی تھی۔ آپ نے اس کے مالک کے ساتھ بات کی تو اس کے مالک نے اس کے خراج میں کمی کر دی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔ تم دوا کے طور پر جو (طریقہ علاج) استعمال کرتے ہو، ان میں سب سے بہترین پچھنے لگوانا ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) سب سے عمدہ علاج پچھنے لگانا ہے۔

تشریح: یہ حدیث پچھنے لگانے کی آمدنی کی جواز کی دلیل ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے اجازۃ الشئی اجازۃ لما یحصلہ یعنی اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے تو جو اس کا موقوف علیہ ہوتا ہے اس کی خود بخود اجازت ہو جاتی ہے جب نبی ﷺ نے پچھنے لگانے کو بہترین علاج قرار دیا تو پچھنے لگوانا جائز ہوا پس اس کی اجرت بھی جائز ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ

باب ۴۷: کتے اور بلی کی قیمت کی کراہیت

(۱۲۰۰) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کتے اور بلی کی قیمت (استعمال کرنے) سے منع کیا ہے۔

(۱۲۰۱) نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ اَكْلِ الْهِرِّ وَثَمَنِهٖ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کو کھانے اور اس کی قیمت استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: بلی کی بیع بالا جماع جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں ہے پس جیسے سنور نہی تنزیہی ہے اسی طرح ثمن کلب سے بھی نہی تنزیہی ہے۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی سند میں اضطراب ہے: ① اعمش اور جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں؟ بعض رواۃ ابو سفیان رحمہ اللہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض ذکر نہیں کرتے۔

② آیا یہ حدیث سندات جابر رضی اللہ عنہ میں سے ہے یا مسندات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں سے ہے بعض اس کو مسندات جابر رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں اور بعض مسندات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ کراہیت تنزیہی ہی تو ثابت کرنی ہے کون سی حرمت ثابت کرنی ہے اکل الهرة وثمنه بلی کے کھانے سے نہی تحریمی ہے اور ثمنوں سے نہی تنزیہی ہے۔

سوال: نہی کا لفظ ایک ہے اس سے کراہیت تنزیہی بھی مراد لے رہے ہو اور کراہیت تحریمی بھی مراد لے رہے ہو یہ تو جمع بین الحقیقت والمجاز ہے؟

جواب: یہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے قبیل سے نہیں بلکہ عموم مجاز کے قبیل سے ہے یا یوں کہہ لو کہ نهى عن اكل الحصر ونهى عن ثمنه پہلے نہی سے نہی تحریمی مراد ہے اور دوسرے نہی سے نہی تنزیہی مراد ہے۔

باب

باب: معلم کتے کی بیع جائز ہے

(۱۲۰۲) نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الكلبِ إِلَّا كَلْبَ الصَّيدِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے کتے کی قیمت (استعمال کرنے) سے منع کیا ہے، البتہ شکاری کتے کا حکم مختلف ہے۔

تشریح: یہ حدیث چونکہ احناف کے موافق جارہی ہے اس لیے اس پر امام ترمذی نے اعتراض کر دیا کہ اس کی سند میں ابوالمہزم ہے ان کا نام یزید ہے والد کا نام سفیان ہے اس پر شعبہ بن حجاج نے جرح کی ہے مجروح راوی کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب: بے شک یہ سند صحیح نہیں لیکن احناف کا مستدل یہ نہیں بلکہ احناف کا مستدل وہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے جس کی تخریج امام نسائی رحمہ اللہ نے کی ہے اس کے سارے رجال ثقات ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا اقرار کیا ہے کثرت ضعف بھی کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور حسن لغیرہ سے استدلال کرنا صحیح ہوتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِىْ كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمُغَنِّيَاتِ

باب ۴۸: گانے بجانے والی باندیوں کی خرید وفروخت ممنوع ہے

(۱۲۰۳) لَا تَبِيعُوا الْقِيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوهُنَّ وَلَا خَيْرَ فِي تِجَارَةٍ فِيهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ فِي مِثْلِ

هٰذَا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ) اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں، گانے والی کنیزوں کی خرید وفروخت نہ کرو نہ ہی انہیں (گانے بجانے کی) تعلیم دو، کیونکہ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، اور ان کی قیمت حرام ہے، اسی طرح کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

تشریح: قینات، قینة کی جمع ہے اور یہ لفظ گانے والی باندی کے لیے خاص ہے) اور نہ ان کو گانا سکھاؤ اور ان کی تجارت میں کوئی خیر نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے اور اسی طرح کے معاملات میں یہ آیت نازل ہوئی ہے بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو گمراہ کریں۔ (لقمان آیت ۶)

زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنی باندیوں کو گانا بجانا سکھاتے تھے پھر وہ باندیاں بھاری داموں پر فروخت ہوتی تھیں شریعت مطہرہ نے نہ صرف یہ کہ باندیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینے سے منع کیا بلکہ اس کی خرید وفروخت اور اس کے ثمن کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ وہ باندیاں لہو الحدیث یعنی اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں لہٰذا ہر وہ کھیل جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو اس کا یہی حکم ہے مثلاً ٹی وی دیکھنا، ناول اور افسانہ پڑھنا کرکٹ دیکھنا، کومنٹری سننا وغیرہ سب لہو الحدیث ہیں اور حرام ہیں طلبہ کو اس سے غایت درجہ اجتناب کرنا چاہئے خاص طور پر کرکٹ کا کھیل تو ایسا منحوس کھیل ہے کہ جس کو اس کے کھیلنے کی یا دیکھنے کی عادت پڑ گئی وہ کبھی پڑھنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اللّٰھم احفظنا منه

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ﴾ (لقمان:۶)

"لوگوں میں سے بعض ایسے آدمی ہیں جو باتوں کا کھیل خریدتے ہیں اور مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا اور لہو لعب میں بتلا کرنا ہوتا ہے۔"

یہ ایسی تعبیر ہے جو قیامت تک آنے والے تمام باتوں کے کھیل کو شامل ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقات" میں لکھتے ہیں:

والمراد من الحديث المنكر فيدخل فيه نحو السمر بالاساطير وبالاحاديث التى لا اصل لها والتحدث بالخرافات والمضاحيك والغناء وتعلم الموسيقى وما اشبه ذالك.

"اور منکر باتوں سے مراد جس میں پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں داخل ہیں اور وہ باتیں جن کی کوئی اصل نہ ہو نئی نئی خرافات اور ہنسی مذاق اور گانے اور موسیقی اور جو اس کے مشابہ ہوں ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔"

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ الْاَخَوَیْنِ اَوْ بَیْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فِی الْبَیْعِ

باب ۴۹: دو بھائیوں یا ماں اور بیٹے کو سودے میں ایک دوسرے سے الگ کرنا حرام ہے

(۱۲۰۴) مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَحِبَّتِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص (کنیز اور غلام خریدتے ہوئے) ماں اور بیٹے کے درمیان علیحدگی کروادے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے محبوب لوگوں کے

درمیان علیحدگی کروا دے گا۔

(۱۲۰۵) وَهَبَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ غُلَامَيْنِ اَخَوَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ رُدَّهٗ رُدَّهٗ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام عطاء کئے جو دونوں بھائی تھے، میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا، اے علی! تمہارے غلاموں کا کیا حال ہے؟ میں نے آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا: اسے واپس لے آؤ، اسے واپس لے آؤ۔

تشریح: ماں اور اس کے چھوٹے بچے میں اسی طرح دو بھائیوں یا دو بہنوں میں یا بھائی بہن میں جبکہ دونوں یا ایک چھوٹا ہو بیع یا ہبہ میں جدائی کرنا وحشت کا سبب ہے اسلئے اس سے احتراز ضروری ہے البتہ اگر بچہ سمجھدار اور خود کفیل ہو اور ماں راضی ہو تو تفریق جائز ہے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے باندی اور اس کے بچہ کے درمیان بیع میں جدائی کی تو لوگوں نے اعتراض کیا پس آپ نے فرمایا میں نے اس کی ماں سے اجازت لے لی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ وَيَسْتَغِلُّهٗ ثُمَّ يَجِدُ بِهٖ عَيْبًا

باب ۵۰: جو شخص کوئی غلام خریدے، اسے نفع حاصل کرنے کیلئے خریدے پھر وہ اس میں کوئی عیب پائے

(۱۲۰۶) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَضٰى اَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ دیا ہے: ہر چیز کا نفع اس شخص کے لئے ہوگا، جو اس کا تاوان ادا کرے گا۔

(۱۲۰۷) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى اَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: نفع کا حق اس شخص کو ہوگا، جو تاوان کا ذمے دار ہوگا۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ آمدنی اضمان کے مقابلے میں ہے جب ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک غلام خریدا اس کو نوکری پر لگا دیا جس کی وجہ سے آقا کو آمدنی ہوتی رہی بعد میں اس غلام کے اندر عیب نکل آیا جس کی وجہ سے غلام بائع کو واپس کرنا پڑا جب غلام واپس کیا تو اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ غلام نے مشتری کے پاس رہتے ہوئے جو مزدوری کی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الخراج بالضمان خراج سے مراد آمدنی ہے معنی یہ ہوگا کہ جس وقت یہ غلام مشتری کا تھا جب مشتری کے ضمان میں تھا تو اس دوران کی آمدنی بھی مشتری کے لیے ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان الخراج الخ شریعت کا ایک اہم اصول ہے۔

سند کا بیان: کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے ان کے تین شاگرد ہیں:

① عمر بن علی ② مسلم بن خالد الزنجی ③ جریر۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عمر بن علی کی سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب ہے اور میں ہی نہیں کہتا بلکہ میرے استاذ امام بخاری نے بھی غریب قرار دیا ہے جریر والی سند بھی مخدوش ہے اس لیے کہ جریر مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے اور مدلس کی عنعنہ قبول نہیں ہوتا اور درمیانی سند جو مسلم بن خالد والی ہے یہ صحیح ہے۔ خیر الامور اوسطہا۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِیْ اَکْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَارِّ بِهَا

باب ۵۱: گزرنے والے شخص کے لئے پھل کھانے کی اجازت

(۱۲۰۸) مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کسی باغ میں داخل ہو، وہ وہاں سے کچھ کھالے لیکن کپڑے میں نہ رکھے۔

(۱۲۰۹) كُنْتُ اَرْمِیْ نَخْلَ الْاَنْصَارِ فَاَخَذُوْنِیْ فَذَهَبُوْا بِیْ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَافِعُ لِمَ تَرْمِیْ نَخْلَهُمْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ الْجُوْعُ قَالَ لَا تَرْمِ وَكُلْ مَا وَقَعَ اَشْبَعَكَ اللهُ وَاَرْوَاكَ.

ترجمہ: حضرت رافع بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں انصار کے کھجور کے ایک باغ میں پتھر مار رہا تھا انہوں نے مجھے پکڑا اور مجھے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ اے رافع! تم پتھر کیوں مار رہے تھے ان کے باغ پر؟ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی: بھوک کی وجہ سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم پتھر نہ مارو! جو نیچے گری ہوئی ہوں، انہیں کھالو! اللہ تعالیٰ تمہیں سیر کرے اور آسودہ کرے۔

(۱۲۱۰) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ اَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِیْ حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَیْءَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ، اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو ضرورت مند شخص جمع کئے بغیر انہیں کھالے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے یہ درحقیقت عرف کے تابع ہے اگر اس علاقہ کے عرف کے مطابق اجازت ہے تو کھالے ورنہ نہ کھائے اور اس کی تین صورتیں ہیں:

① بعض علاقوں کا عرف یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی باغ کے اندر آیا اور اس باغ کا مالک پھل کھانے سے منع نہیں کرتا ایسے علاقوں میں پھل کھانا جائز ہے۔

② بعض علاقوں میں رواج ہے کہ جو پھل زمین پر گر جاتا ہے اس کے کھانے کی تو اجازت ہوتی ہے لیکن درخت سے توڑنے کی

اجازت نہیں ہوتی ایسے علاقوں میں اسی کے مطابق حکم ہوگا بعض احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے کہ جو پھل نیچے گر گیا اس کو کھا لو لیکن درخت سے توڑ کر نہ کھاؤ جیسے زیر بحث باب کی دوسری روایت میں یہی مذکور ہے۔

③ بعض علاقوں میں کسی بھی قسم کے پھل کھانے کی اجازت نہیں ہوتی ایسی صورت میں کوئی بھی پھل کھانا جائز نہیں ہوگا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الثُّنْيَا

باب ۵۲: خرید وفروخت میں استثناء کی ممانعت

(۱۲۱۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالثُّنْيَا اِلَّا اَنْ تُعْلَمَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور غیر طے شدہ استثناء (والے سودوں سے) منع کیا ہے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں چار چیزوں سے منع کیا گیا ہے: (۱) محاقلہ (۲) مزابنہ ان کی تعریف گزر چکی ہے (۳) مخابرہ مزارعت کو کہتے ہیں جس کا بیان آرہا ہے البتہ یہاں ایک خاص صورت منھی عنہ ہے وہ یہ کہ زمین کا مالک زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار کو اپنے لیے خاص کر لے کہ اس حصے کی پیداوار ہو اور دوسری جگہ نہ ہو۔ (۴) ثنیا استثناء کو کہتے ہیں مثلاً کوئی آدمی یہ کہے کہ میں اپنے باغ کا تمام پھل تمہیں فروخت کرتا ہوں سوائے دو درختوں کے پھل کے اور وہ دو درخت مجہول ہیں اس سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ درختوں کو متعین کر دے تو یہ جائز ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ

باب ۵۳: اپنے قبضے میں لینے سے پہلے اناج کو (آگے) فروخت کرنا حرام ہے

(۱۲۱۲) مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّاَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ مِثْلَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی اناج خریدے، تو وہ اسے اس وقت تک (آگے) فروخت نہ کرے، جب تک اسے اپنے قبضے میں نہ لے۔

تشریح: یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم طعام کے ساتھ خاص ہے اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک تمام منقولات کا یہی حکم ہے اور غیر منقولات یعنی جائیداد اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کو قبضہ سے پہلے بیچ سکتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر چیز کا یہی حکم ہے۔

*

بَابُ مَاجَاءَ فِی النَّهْیِ عَنِ الْبَیْعِ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْهِ

باب ۵۴: دوسرے کے سودے پر سودا کرنے کی ممانعت

(۱۲۱۳) لَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَّلَا یَخْطُبْ بَعْضُکُمْ عَلٰی خِطْبَةِ بَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے اور کوئی شخص اپنے بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنا پیغام نہ بھیجے۔

تشریح: مبیع جب تک معرض بیع میں ہو ہر شخص خریدنے کی پیش کش کرسکتا ہے مگر جب کسی ایک کے ساتھ سودا چل پڑا اور بائع کا مشتری کی طرف میلان ہوگیا تو اب دوسرے کو بیچ میں کودنے کی اجازت نہیں مزید تفصیل کتاب النکاح باب ۳۶ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ بَیْعِ الْخَمْرِ وَالنَّهْیِ عَنْ ذٰلِکَ

باب ۵۵: شراب کو فروخت کرنا، اس کی ممانعت

(۱۲۱۴) اَنَّهٗ قَالَ یَانَبِیَّ اللّٰهِ اِنِّیْ اشْتَرَیْتُ خَمْرًا لِاَیْتَامٍ فِیْ حِجْرِیْ قَالَ اَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاکْسِرِ الدِّنَانَ.

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے زیر پرورش کچھ یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس شراب کو بہادو اور اس کے برتنوں کو توڑ دو۔

تشریح: عاصر کے معنی ہیں: ① نچوڑنے والا۔ ② کسی کے لیے نچوڑنے والا اور معتصر کے بھی دو معنی ہیں: (۱) نچڑنے والا (۲) اپنے لیے نچوڑنے والا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ذمی آدمی کسی مسلمان سے شراب اٹھوائے تو مسلمان کے لیے مزدوری لینا جائز ہے تو جواب ھدایہ میں پڑھ کر آئے ہو کہ حمل مقرون بقصد الشرب ہو تو منع ہے اور اگر حمل مقرون بقصد الشرب نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

واکسر الدنان: بروزن کتاب دن کی جمع ہے مٹکے کو کہتے ہیں چونکہ ان میں شراب تھی اس لیے توڑنے کا حکم دیا کہ دونوں نجس ہیں یا پھر زجر و تنفیر میں مبالغہ کے لیے فرمایا پھر اخیر میں ان اوانی کے استعمال کی اجازت ثابت ہے اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ جلد دوم ابواب الاشربۃ میں آئے گی۔

بَابُ النَّهْیِ اَنْ یَّتَّخَذَ الْخَمْرُ خَلًّا

باب ۵۶: شراب کو سرکہ بنانے کی ممانعت

(۱۲۱۵) سُئِلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُتَّخَذُ الْخَمْرُ خَلًّا قَالَ لَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ شراب کو سرکہ بنا دیا جائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔

(۱۲۱۶) لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَ حَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةُ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَاٰكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيْ لَهَا وَالْمُشْتَرَاةُ لَهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے حوالے سے دس لوگوں پر لعنت کی ہے اسے نچوڑنے والے، اسے نچڑوانے والے، اسے پینے والے، اسے اٹھا کر لے جانے والے، جس کے لئے اٹھا کر لے جائی جا رہی ہو جو اسے پلا رہا ہو، جو اسے فروخت کرے، جو اس کی قیمت کھائے، جو شخص اسے خریدے یا جس کے لئے اسے خریدا جائے۔

حدیث میں خمر سے خل بنانے کی اجازت اول وہلہ پر محمول ہے اس کی تفصیل پہلے (گزر چکی ہے تیسری حدیث میں والمشتری لھا صیغہ اسم فاعل ہے اور لھا کی ضمیر خمر کی طرف عائد ہے اور والمشتراۃ لہ بصیغہ اسم مفعول ہے لہٰذا اول سے مراد شراب خریدنے والا ہے اور دوم سے جس کے لیے خریدی جاتی ہے مراد ہے۔

یحییٰ بن عباد کے دو شاگرد ہیں: ① لیث ② سدی۔ دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ لیث اس کو مسندات ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے قرار دے رہے ہیں اور سدی اس کو مسندات انس رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں انس، ابوطلحہ رضی اللہ عنہما کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں امام ترمذی سدی کے حق میں فیصلہ دے رہے ہیں اس لیے کہ سدی کے متابع موجود ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي احْتِلَابِ الْمَوَاشِيْ بِغَيْرِ إِذْنِ الْأَرْبَابِ

باب ۵۷: مالک کی اجازت کے بغیر مویشیوں کو دوہنے کا حکم

(۱۲۱۷) إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيْهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ أَذِنَ لَهُ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا أَحَدٌ فَلْيُصَوِّتْ ثَلَاثًا فَإِنْ أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ لَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلْ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب کوئی شخص کسی جانور کے پاس آئے، تو اگر وہاں اس کا مالک موجود ہو، تو وہ اس سے اجازت لے اگر وہ مالک اسے اجازت دے، تو وہ اس کا دودھ دوہ کر پی لے لیکن اگر وہاں کوئی شخص موجود نہ ہو، تو وہ تین مرتبہ آواز دے اگر وہ شخص اسے جواب دے، تو وہ اس سے اجازت لے اگر کوئی اسے جواب نہیں دیتا، تو اس کا دودھ دوہ لے (اور وہیں پی لے) اسے ساتھ نہ لے جائے۔

تشریح: مالکوں کی اجازت کے بغیر دودھ والے جانوروں کا دودھ نکال کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اب فقہاء کا اتفاق ہے کہ جائز نہیں ہے:

لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسه او کما قال علیه السلام.

"کسی مسلمان کا مال اس کے طیب نفس کے بغیر لینا جائز نہیں۔"

باقی اس حدیث میں جو یہ ہے کہ تین مرتبہ آواز لگائے اگر مالک آ جائے تو اجازت لے لے ورنہ دودھ نکال کر پی لے لیکن برتن میں ڈال کر نہ لے جائے۔

جواب: یہ عرف پر محمول ہے: (۲) حالت اضطرار پر محمول ہے اگر عرف ہے تو تاوان بھی نہیں ہے اور اگر حالت اضطرار ہے تو پھر تاوان واجب ہے۔

سند کی بحث: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا سماع ثابت ہے تفصیل کتاب الصلوٰۃ باب ۲۰ میں دیکھیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ بَیْعِ جُلُوْدِ الْمَیْتَةِ وَالْاَصْنَامِ

باب ۵۸: مردہ جانوروں کی کھال اور بتوں کو فروخت کرنے کا حکم

(۱۲۱۸) اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَ يَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ قَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمَ فَاَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر، مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کو فروخت کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ عرض کی گئی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردہ جانوروں کی چربی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ اسے کشتیوں میں لگایا جاتا ہے، اور اس کو چمڑے پر تیل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، لوگ اس کے ذریعے چراغ جلاتے ہیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں وہ حرام ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی کو حرام قرار دیا تھا تو انہوں نے اسے پگھلا دیا اور پھر اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کو کھا لیا۔

تشریح: شریعت میں مردار، مورتی، خنزیر اور شراب قطعاً حرام ہیں ان سے کسی بھی طرح انتفاع جائز نہیں شراب اور خنزیر تو نجس العین ہیں اور مسلمان کے حق میں مال ہی نہیں۔ بتوں کی بیع میں دو حیثیتیں ہیں صنم کی بیع صنم ہونے کی حیثیت سے تاکہ گھر میں رکھ دی جائے صبح وشام سلام کریں گے تو بالاجماع لا یجوز اور اگر مادۃ من المواد ہونے کی حیثیت سے ہو کہ اس کو توڑ کر زیورات بنائیں گے تو بالاجماع جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ شکل وصورت بدل دی جائے۔

اور مردار ناپاک ہے البتہ اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر دباغت سے پہلے فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء: ① امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردار کی کھال کی بیع مطلقاً جائز ہے۔

② باقی تمام ائمہ کے نزدیک دباغت سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔ اور احادیث نہی کا محمل بھی یہی ہے جلود میتہ کی بیع کہ قبل از دباغۃ ہوگی اگر قبل از دباغۃ ہو تو لا یجوز اور اگر بعد از دباغۃ ہو تو پھر یجوز ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: یہ حدیث ہے نبی ﷺ ایک مردہ بکری پر سے گزرے آپ ﷺ نے اس کے مالکوں سے کہا:

هلا استمتعتم باهابها؟ آپ لوگ اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟

تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ یہ مردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کا کھانا ہی تو حرام ہے (بخاری حدیث ۲۲۲۱) اھاب کچی کھال کو کہتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی نبی ﷺ نے اجازت دی ہے اور انتفاع کی دو ہی صورتیں ہیں رنگ کر یا رنگو اکر استعمال کی جائے یا فروخت کر دی جائے کیونکہ بیچ کر ثمن حاصل کرنا بھی اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

مردار کی چربی کا حکم:

کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ ہمیں بتایئے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ اس کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اس کی چربی سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور وہ چمڑے پر ملا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ لوگ (چراغ جلا کر) روشنی حاصل کرتے ہیں۔ استصباح کے معنی ہیں روشنی حاصل کرنا۔

جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں وہ مردار کی چربی حرام ہی ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان یہودیوں کو مار ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر شحم چربی حرام کی گئی ہے اور لفظ شحم کا اطلاق چربی پر اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کو پگھلایا نہ ہو گیا ہو اور پگھلانے کے بعد اس کو شحم نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ودک کہتے ہیں جب ہم نے اس کو پگھلا لیا تو اب یہ شحم نہیں رہی بلکہ ودک ہوگئی اور یہ ہمارے لیے حرام نہیں حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا اس لیے حضور ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی:

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ محض نام کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی اور حلت وحرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ اگر ماہیت ہی بدل جائے مثلاً خمر کی ماہیت بدل کر خل بن گیا تو اس صورت میں حکم بھی بدل جاتا ہے یعنی حرمت کا حکم بھی باقی نہیں رہتا بلکہ وہ شئی طاہر اور حلال ہو جاتی ہے۔

ممانعت کی نص ہو تو بیع جائز نہیں:

یہ جو اوپر عرض کیا کہ جس چیز کا جائز استعمال ممکن ہو اس کی بیع جائز ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے خلاف کوئی نص موجود نہ ہو لیکن اگر ممانعت کی نص موجود ہو تو اس صورت میں چاہے اس کے استعمال کی جائز صورت ممکن ہو تب بھی اس کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

*

بَابُ مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّجُوْعِ مِنَ الْهِبَةِ

باب ۵۹: ہبہ کو واپس لینا مکروہ ہے

(۱۲۱۹) لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السُّوءِ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ بری صفات کو اختیار کرنا ہمارے لائق نہیں ہے، اور ہبہ واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے، جو اپنی قے کو چاٹ لیتا ہے۔

(۱۲۲۰) قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيْهَا اِلَّا الْوَالِدَ فِيْمَا يُعْطِي وَلَدَهُ.

ترجمہ: اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی بھی شخص کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے، وہ کوئی عطیہ دے، اور پھر اسے واپس لے، صرف والد کا حکم مختلف ہے، جو چیز وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے (وہ اسے واپس لے سکتا ہے)۔

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے اور قبضہ بھی دے دے تو وہ چیز واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہ کی ملک ہو جاتی ہے اب واہب اس ہبہ کردہ چیز کو واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: حنفیہ کے نزدیک سات موانع ہیں اگر ان میں سے کوئی مانع موجود ہو تو رجوع نہیں کر سکتا اور اگر ساتوں موانع موجود نہ ہوں تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے رجوع ہو سکتا ہے مگر مکروہ ہے پھر کراہت تنزیہی کا بھی قول ہے اور کراہت تحریمی کا بھی اور تحریمی والا قول راجح ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ کر کے واپس لینے والے کو اس کتے کے مانند قرار دیا ہے جو اپنی قئی چاٹ لیتا ہے اور سات موانع یہ ہیں کہ زیادت متصلہ، موت، عوض، خروج، زوجیت، قرابت محرمہ اور ہلاکت، ان کا مجموعہ دمع خزقہ ہے د: سے مراد زیادت متصلہ ہے' مثلاً کتاب ہبہ کی موہوب لہ نے اس کی جلد بنوالی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا کیونکہ موہوبہ چیز میں زیادتی ہوگئی اور وہ زیادتی موہوبہ چیز کے ساتھ متصل ہے پس نہ تو اس کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے کہ وہ زیادتی واہب کی نہیں ہے اور نہ اس کے بغیر رجوع کر سکتا ہے کہ زیادتی متصل ہے۔

اورم: سے مراد موت ہے یعنی اگر موہوب لہ مر جائے تو رجوع نہیں ہو سکتا اور ع سے مراد عوض ہے یعنی کسی کو کوئی چیز ہبہ کی موہوب لہ نے اس کو ہبہ کا عوض دے دیا یعنی اس نے جواباً کوئی چیز ہبہ کر دی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا۔

اورخ: سے مراد خروج ہے یعنی موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملک سے نکل گئی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ اور ز سے مراد زوجیت ہے یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو ہبہ کریں تو علاقہ زوجیت کی وجہ سے رجوع نہیں ہو سکتا۔

اورق: سے مراد قرابت محرمہ ہے یعنی اگر واہب اور موہوب لہ میں ایسا رشتہ ہو کہ ان کا باہم نکاح کبھی نہ ہو سکتا ہو جیسے بھائی بہن تو بھی رجوع نہیں ہو سکتا اور ہ سے مراد ہلاک یعنی اگر موہوبہ چیز ہلاک ہو جائے تو اب رجوع نہیں ہو سکتا اگر ان سات موانع میں سے کوئی

مانع موجود نہ ہو تو کراہت تحریمی کے ساتھ رجوع ہوسکتا ہے مگر تراضی طرفین یا قضائے قاضی شرط ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے جو کہ مسند حاکم میں موجود ہے الواهب احق بهبة مالم يثب اس کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا صحیح علی شرط شیخین رحمہما اللہ جس کی مزید تائید اس حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے جس کا مضمون بعینہ یہی ہے موجود ہے کہ الواهب احق بهيبة مالم يثب لیکن اس کی سند پر کلام کی گئی ہے۔

باقی ائمہ کی دلیل: یہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے کہ العائد فی الهبة كالكلب يعود.... الخ۔

جواب: حدیث کا مدلول کراہت علی وجہ المبالغہ کو بیان کرنا ہے حرمت کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے اس پر شوافع کہتے ہیں اس قسم کی تعبیر عرف حرمت پر دال ہوتی ہے جیسا کہ کتے کی طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے تو سب کہتے ہیں کہ اقعاء کلب کی طرح نماز میں بیٹھنا حرام ہے اس لیے کہ عرف میں اس جیسی تعبیر حرمت سے ہوتی ہے۔

جواب: یہاں عرف کو چھوڑ دیا نصوص کے معارض ہونے کی وجہ سے الواهب احق بهبة ...الخ اور اس قسم کا معارض اقعاء الکلب میں موجود نہیں اس لیے وہاں حرمت کا قول کیا ہے۔

دوسری دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے لا یحل کہ حلال نہیں کہ کسی کو عطیہ دیکر رجوع کرنا جائز نہیں حلال نہیں تو حرام ہے۔

جواب: لا یحل بمعنی لا ینبغی کے ہے یا لا یحل دیانةً لا قضاءً جیسا کہ آگے آرہا ہے کہ جو کمانے پر قادر ہے لا تحل له الصدقة حالانکہ اجماع ہے کہ جس کے پاس کچھ نہیں کمانے پر قادر ہے تو اس کو صدقہ دینا حلال ہے الا الوالد فیما یعطی ولده. والد کا اپنی اولاد کو دی ہوئی چیز کو واپس لینا یہ رجوع ہے ہی نہیں بلکہ انت ومالك لابیك کی وجہ سے بوقت ضرورت بقدر ضرورت تصرف کرسکتا ہے یہ رجوع صوری ہے حقیقی نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرَايَا وَالرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

باب ۶۰: عرایا کا حکم اور اس کے بارے میں اجازت

(۱۲۲۱) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ اِلَّا اَنَّهُ قَدْ اَذِنَ لِاَهْلِ الْعَرَايَا اَنْ يَّبِيْعُوْهَا بِمِثْلِ خَرْصِهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع کیا ہے، تاہم آپ نے اہل عرایا کو اجازت دی ہے۔ وہ اندازے کے ساتھ اسے فروخت کرسکتے ہیں۔

(۱۲۲۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْ كَذَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عرایا کو فروخت کرنے کی اجازت دی ہے، جبکہ وہ پانچ وسق سے کم ہو۔

(۱۲۲۳) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرْخَصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کو اندازے کے تحت فروخت کرنے کی اجازت دی ہے۔

تشریح: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین حدیثیں پیش کی ہیں اور تینوں اعلی درجہ کی صحیح ہیں۔

عرایا، عریة کی جمع ہے جیسے مطایا، مطیة کی جمع ہے اس کا مفہوم کیا ہے۔

دوسرا قول مالکیہ کا ہے: مالکیہ کے ہاں عریۃ کی دو تفسیریں ہیں: ① پہلی تفسیر وہی ہے جو احناف کے ہاں ہے کہ باغ کے مالک کا چند معین درختوں کے پھلوں کا کسی مسکین کو دے دینا پھر وہ مسکین کے بار بار آنے جانے سے متاذی ہو کر مسکین کو ان کی جگہ خشک کھجوریں دیتا ہے۔

② مثلاً ایک باغ دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو بایں طور کہ ایک قلیل الاشجار ہو اور دوسرا کثیر الاشجار ہو پھر پھل پکنے کے موقع پر کثیر الاشجار بمع اہل وعیال باغ میں رہائش اختیار کر لیتا ہے اب قلیل الاشجار والا آتا ہے پھل توڑنے کے لیے جس سے کثیر الاشجار متاذی ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ تم اتنے درختوں کے پھلوں کا اندازہ کر کے اتنے مجھ سے خشک لے لو اور وہ راضی ہو جاتا ہے یہی عریۃ ہے فرق یہ ہے کہ خواہ پہلی تفسیر ہو یا دوسری تفسیر ہو مالکیہ کے ہاں اس کی حقیقت بیع ہے اور عند الاحناف اس کی حقیقت ہبہ ہے یہی وجہ ہے کہ احناف کے ہاں پانچ وسقوں سے زائد میں بھی جائز ہے اور مالکیہ کے ہاں پانچ وسقوں سے زائد میں جائز نہیں ہے۔

تیسرا قول شوافع اور حنابلہ کا ہے: پھلوں کے پک جانے کے موقع پر جن لوگوں کے (کھجوروں کے) درخت نہیں ہوتے ان کا دل چاہتا ہے کہ ہم بھی تازہ کھجوریں کھائیں لیکن ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے ان کے پاس خشک کھجوریں ہوتی ہیں اب یہ باغ والوں کے پاس آتے ہیں اور ان کو کہتے ہیں کہ درختوں پر جو تازہ پھل ہے وہ ہمیں دیدو۔ اندازہ کے ساتھ اور خشک کھجوریں ہم سے لے لو یہ عریۃ ہے حقیقۃً بیع ہے اس کا سبب ان لوگوں کی ضرورت کو پورا کرنا ہے جن کے پاس تازہ کھجوریں خریدنے کے لیے درا ہم ودنانیر نہیں ہیں البتہ خشک کھجوریں ہیں۔

ائمہ کی دلیل: یہی حدیث ہے کہ جن میں عریۃ پر بیع کا اطلاق ہوا ہے تو جوابات ماقبل میں گزر چکے ہیں: (۲) اسی طرح استثناء متصل اسی وقت ہوگا جب اس کو بیع قرار دیا جائے گا۔ (۳) پانچ وسقوں کی قید لگانا یہ بھی دلیل ہے کہ اس کی حقیقت بیع ہے۔ (۴) پھل کے اندازہ کا ذکر ہے اور اندازہ اسی لیے ضروری ہے کہ یہ بیع ہے پانچ وسقوں میں سے شوافع کی دو روایتیں ہیں۔ اصح عدم جواز کی ہے لہٰذا پانچ سے زائد وسقوں میں ناجائز ہے اور پانچ وسقوں میں جائز ہے۔

احناف کے ہاں عریۃ کی تفصیل یہ ہے کہ کھجور کے باغ کے مالک کا باغ میں پھل لگنے کے موسم میں اپنے چند درختوں کے پھلوں کا کسی مسکین کو ھبہ کر دینا اور جب پھل پک کر تیار ہو جائیں تو اس درختوں پر لگے ہوئے پھل کو میرے پاس رہنے دو اور موہوب لہ کا اس پر راضی ہو جانا اس کا نام عریۃ ہے اس کا سبب عربوں میں عمومی طور پر ارباب بساتین کی عادت یہ تھی کہ جب باغوں میں پھل پکنے شروع ہو جاتے تو وہ بمع اہل وعیال کے باغوں میں رہائش اختیار کرتے تھے اب مسکین موہوب لہ کے بار بار آنے جانے سے اس کو مشقت ہوتی باغ کے مالک کو پردہ کرانے میں تکلیف ہوتی اور ظاہر ہے کہ موہوب لہ کو بھی بار بار آنا پڑتا تو اس تکلیف کی وجہ سے وہ موہوب لہ کو کہتا ہے کہ ان درختوں پر لگے ہوئے پھل کے اندازہ کے ساتھ مجھ سے اتری ہوئی کھجوریں لے لے تو سبب دفع مشقت من الجانبین ہے عریہ کی اس تفسیر اور مفہوم کے مطابق عریۃ کی حقیقت استبدال الھبۃ بالھبۃ ہے گویا پہلے

ہبہ سے رجوع کرلیا اور اس کی جگہ خشک کھجوریں ھبہ کردیں۔

سوال: اگر یہی حقیقۃ ہے تو احادیث میں اس پر بیع کا اطلاق کیوں ہوا ہے معلوم ہوا کہ اس کی حقیقۃ بیع ہے؟

جواب: چونکہ صورت مبادلۃ المال بالمال ہے اس صورت مبادلۃ المال بالمال کے پائے جانے کی وجہ سے اس پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سوال: جب یہی حقیقۃ ہے تو موہوب شدہ ھبہ کی مقدار کی رعایت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے؟

جواب: پہلے موہوب شدہ ہبہ کا اندازہ کرنا یہ موہوب لہ کی تطیب قلبی کے لیے ہے ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ پہلے والی مقدار زیادہ تھی اب کم دے رہا ہے اس کا دل کہیں اوپر نیچے نہ ہونے لگ جائے۔

سوال: اگر عریۃ کی حقیقۃ ھبہ ہے تو پھر بیع مزابنہ سے اس کی استثناء کیسے صحیح ہے حالانکہ احادیث میں بیع مزابنہ سے اس کی استثناء ہوتی ہے اور استثناء میں اصل مستثنیٰ متصل ہے؟

جواب: یہ استثناء صورۃً متصل ہے اور حقیقۃً منفصل ہے صورۃً متصل اس لیے ہے کہ صورۃ مبادلۃ المال بالمال پایا جاتا ہے اور حقیقتاً منفصل اس وجہ سے ہے کہ مستثنیٰ بیع ہے اور مستثنیٰ ہبہ ہے اور فصحاء بلغاء کی کلام میں جیسے مستثنیٰ متصل پایا جاتا ہے اسی طرح مستثنیٰ منفصل بھی پایا جاتا ہے۔

سوال: اگر اس کی حقیقت بیع ہے تو پھر یہ الفاظ **فیما دون خمسۃ اوسق** کہ پانچ وسقوں سے کم میں اجازت دی ہے حالانکہ ہبہ تو کم زیادہ میں بھی ہوسکتا ہے؟

جواب: یہ بیان واقع کے لیے ہے کوئی احتراز مقصود نہیں ہے اس لیے کہ عربوں میں عام طور پر اس قسم کے ھبہ میں مقدار پانچ وسق سے کم ہوتی تھی۔

سوال: اگر عریۃ کی حقیقت ہبہ ہے۔ رخص کا لفظ دلالۃ کرتا ہے کہ اصل اس کی حقیقت منھی عنہ ہے اور ھبہ تو پہلے سے مشروع ہے کوئی منع نہیں ہے ہاں اگر اس کو بیع قرار دیا جائے تو پھر یہ پہلے منع ہوگا کیونکہ بیع مزابنہ ہے اور بیع مزابنہ منع ہے لیکن پانچ وسقوں سے کم میں رخص فی العرایا تو ھبہ قرار دینے میں یہ منطبق نہیں ہوگا۔

جواب: اگر عریۃ کی حقیقت ھبہ ہو تو پھر بھی رخص کا انطباق ہو رہا ہے اس لیے کہ صورۃ یہ وعدہ خلافی ہے کیونکہ جب ابتداء ھبہ کیا تو فقیر مسکین خوش ہوگیا کہ میرے بچے بھی تازہ پھل کھائیں گے اب جب پھل پک آئے تو اب اس کو تازہ کی بجائے خشک کھجوریں مل رہی ہیں تو صورۃً وعدہ خلافی ہے ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے تو جائز نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن **رخص فی العرایا** فریقین کی رعایت کی وجہ سے۔

سوال: ابن رشدین نے کہا کہ تم حقیقۃ ھبہ قرار دے کر **نھی عن المزابنہ** کے ارتکاب سے بچ گئے ہو لیکن **رجوع فی الھبہ** سے بھی تو نہی ہے اس کے مرتکب ہوگئے ہو تو فائدہ تمہیں کیا ہوا؟

جواب: احناف پر یہ الزام قائم نہیں ہوسکتا اس لیے کہ رجوع فی الھبہ سے نہی اس وقت ہے کہ جب ھبہ تام ہوجائے اور عندالاحناف ہبہ تام ہوتا ہے قبضہ کے بعد اور یہاں قبضہ نہیں ہوا تو ہبہ بھی تام نہیں ہوا جب ہبہ تام نہیں ہوا تو نہی عن رجوع الھبہ کا

ارتکاب کا الزام قائم نہیں کیا جاسکتا یہی تفسیر راجح ہے۔

عریۃ کی حقیقت ھبہ ہے: بیع نہیں ہے کئی وجوہ سے پہلی وجہ اصل لغۃ کے قول کی وجہ سے یہ لغت میں عریۃ کا معنی عطیہ ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ کھجور کے درختوں کے پھل کا عطیہ چنانچہ لسان العرب جو لغۃ کی معتمد علیہ کتاب ہے اس میں ہے کہ العریۃ النخلۃ یعطی ثمارھا۔

دوسری وجہ: اسی لسان العرب کے اندر سوید بن صامت کا شعر نقل کیا گیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ عریۃ ھبہ ہی کو کہتے ہیں نہ کہ بیع کو کھجور درختوں کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ لیست بسخاء ولا رجلیۃ ولکن فی السنن الجوائح بخاء کھجور کے وہ درخت جو وقفہ سے پھل دیں اور جلیہ وہ درخت کہ جن کے اردگرد کانٹوں کی باڑ لگائی جائے تا کہ چور وغیرہ پھل کو چرا نہ سکیں شعر کا ترجمہ یہ درخت وقفہ سے پھل دینے والے بھی نہیں اور نہ ان کے اردگرد بار لگائی گئی ہے بلکہ ان کا پھل قحط سالی کے زمانہ میں محتاجوں کو دیدیا جاتا تھا اور خصوصا اہل لغۃ میں سے صاحب قاموس رحمۃ اللہ علیہ جو شافعی ہیں اور صرف شافعی بھی نہیں بلکہ لغۃ میں شوافع کی رعایت بھی کرتے ہیں لیکن اس میں انہوں نے رعایت نہیں کی اور فرمایا کہ عریۃ کا معنی عطیۃ ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ کھجور کے درختوں کے پھلوں کا عطیہ دینا۔

تیسری وجہ: روایت کے اعتبار سے بھی احناف کے مسلک کو ترجیح حاصل ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ رخص فی العرایا فی النخلۃ والنخلتین توھبان للرجل جن دو درختوں کا پھل ھبہ کیا جاتا ہے توھبان نص صریح ہے اس بارے میں کہ یہ ھبہ ہے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اہل مدینہ میں سے ہیں اور اہل بساتین میں سے ہیں۔

چوتھی وجہ: نہی عن المزابنہ والی حدیث اپنے عموم پر رہے گی اور اگر بیع قرار دیں تو خمسہ اوسق اور مافوق خمسۃ اوسق کے ساتھ خاص کرنا ہوگا یا دون خمسہ وسق کو نکالنا ہوگا۔

پانچویں وجہ: اگر اس کو بیع قرار دیں تو ظاہر ہے کہ یہ بیع التمر بالرطب ہے اور ہے بھی نسیۃ اور پیچھے پڑھ چکے ہو کہ بیع الرطب بالتمر نسیۃ ہو تو لا یجوز ہے اور نیز اگر نسیۃ نہ بھی ہو تو پھر لازم آتا ہے بیع التمر بالرطب متفاضلا اور حدیث ہے التمر بالتمر مثلاً ید ابید تو جو مفاسد بیع قرار دینے میں ہیں وہ مفاسد ھبہ قرار دینے میں نہیں ہیں۔

باب منه

باب ۶۱: اسی سے متعلق باب

(۱۲۲۴) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ اِلَّا لِاَصْحَابِ الْعَرَايَا فَاِنَّهٗ قَدْ اَذِنَ لَهُمْ وَعَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ بِالزَّبِيْبِ وَعَنْ كُلِّ ثَمَرٍ بِخَرْصِهٖ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بیع مزابنہ سے یعنی کھجور کے عوض میں پھل کو فروخت کرنے سے منع کیا ہے، البتہ اصحاب عرایا کا حکم مختلف ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں اس کی اجازت

دی ہے، اسی طرح آپ نے خشک انگور کے عوض میں تازہ انگور کو فروخت کرنے سے (منع کیا ہے) اور ہر طرح کے پھل کو اندازے کے تحت فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ النَّجْشِ

باب ۶۲: مصنوعی بولی لگانا حرام ہے

(۱۲۲۵) وَقَالَ قُتَیْبَةُ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا تَنَاجَشُوا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایک دوسرے کے مقابلے میں مصنوعی بولی نہ لگاؤ۔

تشریح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی مت لگاؤ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے نجش کے معنی یہ ہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی سامان خرید رہا ہے اب تیسرا شخص آ کر اسی سامان کی زیادہ قیمت لگاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز فروخت کردو حالانکہ اس کا مقصد سامان خریدنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ مشتری دھوکہ کھا کر اس کو زیادہ قیمت پر خرید لے اس کو نجش کہتے ہیں اور حدیث باب میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

ابُ مَاجَاءَ فِی الرُّجْحَانِ فِی الْوَزْنِ

باب ۶۳: وزن کرتے ہوئے ایک طرف کے پلڑے کو بھاری کرنا

(۱۲۲۶) جَلَبْتُ اَنَا وَ مَخْرَفَةُ الْعَبْدِیُّ بَزًّا مِّنْ هَجَرَ فَجَائَنَا النَّبِیُّ ﷺ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِیْلَ وَعِنْدِیْ وَزَّانٌ یَّزِنُ بِالْاَجْرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلْوَزَّانِ زِنْ وَاَرْجِحْ.

ترجمہ: حضرت سوید بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے اور مخرفہ عبدی نے "ہجر" کے مقام سے کپڑا خریدا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے ایک پاجامے کا سودا کیا میرے پاس ایک وزن کرنے والے سے فرمایا۔ وزن کرو اور زیادہ جھکانا۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر مبیع یا ثمن تول کر دیا جائے تو جھکتا ہوا تولنا چاہیے یہ مکارم اخلاق کی بات ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ اِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرِّفْقِ بِهٖ

باب ۶۴: تنگ دست شخص کو مہلت دینا اور اس کے ساتھ نرمی کرنا

(۱۲۲۷) مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهٗ اَظَلَّهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اسے معاف کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے عرش کے سائے کے نیچے رکھے گا، جس دن اس کے سایہ رحمت کے علاوہ اور کوئی

سایہ نہیں ہوگا۔

(۱۲۲۸) حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ رَجُلًا مُوسِرًا وَكَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ نَحْنُ أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ تَجَاوَزُوا عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کا حساب لیا گیا تو اس کے نامۂ اعمال میں کوئی بھلائی نہیں ملی صرف یہ تھی کہ وہ ایک امیر شخص تھا، لوگوں کے ساتھ لین دین کیا کرتا تھا، وہ اپنے ملازمین کو یہ ہدایت کرتا تھا وہ تنگ دست شخص سے گزر کریں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں ہم اس سے زیادہ حقدار ہیں (اے فرشتو!) تم اس سے درگزر کرو۔

تشریح: یہ حدیث بھی مکارم اخلاق کے باب سے ہے یعنی اگر مقروض تنگ دست اور غریب آدمی ہو تو اس کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دینی چاہیے اور اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہیے اور اگر قرضہ بالکل معاف کر دے تو نور علیٰ نور۔

اور مشہور حدیث ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اپنے سایہ میں رکھیں گے یہ بات سات میں منحصر نہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور لوگوں کے لیے بھی یہ فضیلت ہے اور ایسے اور بھی لوگ ہیں جن کا تذکرہ مختلف روایات میں آیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَطْلِ الْغَنِيِّ أَنَّهُ ظُلْمٌ

باب ۶۵: مالدار کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

(۱۲۲۹) مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خوشحال شخص کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، اور جب کسی (قرض خواہ کو قرض کی وصولی کے لئے اصل مقروض کی بجائے) کسی خوشحال شخص کی طرف جانے کے لئے کہا جائے، تو وہ چلا جائے۔

(۱۲۳۰) مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُحِلْتَ عَلَى مَلِيءٍ فَاتْبَعْهُ وَلَا تَبِعْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خوشحال شخص کا (قرض کی واپسی میں) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب کسی شخص کو دوسرے شخص سے وصولی کے لئے کہا جائے تو وہ اسے قبول کر لے، اور تم ایک ہی سودے کے اندر دو سودے نہ کرو۔

تشریح: یہ اوپر والے باب کا مقابل باب ہے مقروض اگر واقعی تنگ دست ہو تو اس کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہیے لیکن اگر وہ مالدار ہو یعنی قرضہ دے سکتا ہو مگر نادہندہ ہو تو اس کے ساتھ نرمی کرنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا اس کا مرغا بنانا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا مالدار کا ٹال مٹول کرنا ایسا ظلم ہے جو اس کی سزا ہی کو حلال کر دیتا ہے یعنی اس کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے جانا چاہیے اور سزا دلوانی چاہیے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ علی ما...الخ: یہ حدیث باب کا دوسرا جملہ ہے اس میں دو مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ ①: اس جملہ میں حوالہ کا ذکر ہے مثلاً مدیون کہے کہ تم مجھ سے قرض وصول کرنے کی بجائے فلاں سے وصول کرنا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ صحت حوالہ کے لیے صرف حوالہ ہی کافی ہے یا کہ محتال یعنی دائن کی رضامندی بھی ضروری ہے اور دو مذاہب ہیں۔

مذاہب فقہاء: جمہور کے نزدیک صحت حوالہ کے لیے محتال کی رضامندی ضروری ہے کیونکہ یہ درحقیقت سہ فریقی معاملہ ہوتا ہے تینوں کی باہم رضامندی ضروری ہے: ① محتال ② محتال علیہ.

دلیل ①: ان کا استدلال ترمذی میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے: **وفیہ علی الید ما اخذت حتی تؤدی** اس حدیث کی وجہ سے مدیون پر واجب ہے کہ وہ اپنا دین دائن تک پہنچائے اور یہ وجوب اس وقت تک ہے جب تک وہ ادا نہ کرے اس سے ثابت ہوا کہ اصل ذمہ داری مدیون کی ہے اور دائن کو مدیون سے مطالبے کا حق حاصل ہے اور یہ حق دائن کی رضامندی کے بغیر ساقط نہیں ہو سکتا۔

دلیل ②: اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حوالہ قبول کرنا دائن پر واجب ہے تو پھر یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جائے گا کیونکہ ہر محتال علیہ دوسرے پر حوالہ کرتا جائے گا تو اس صورت میں دائن چکر ہی لگاتے لگاتے ختم ہو جائے گا اور دین پھر بھی وصول نہیں ہوگا۔

(۲) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حوالہ کی صحت کے لیے محتال کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے اور جس میں **فلیتبع** امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حوالہ کو قبول کرنا واجب ہے چاہے محتال راضی ہو یا نہ ہو۔

جواب: فلیتبع میں صیغہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے کہ اگر مدیون کسی غنی آدمی پر حوالہ کر رہا ہو تو اس کو قبول کر لو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مسئلہ ②: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حوالہ سے محیل بری ہو جائے گا یا نہ اور دو مذاہب ہیں:

مذاہب فقہاء: ① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محیل حوالہ سے اس وقت بری ہو جائے گا جبکہ دین کی ہلاکت کا خطرہ نہ ہو اگر خطرہ ہوا تو پھر بری نہ ہوگا۔

دلیل: امام صاحب رحمہ اللہ کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے: **وفیہ لیس علی مال المسلم تویٰ** کہ مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں آ سکتی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات اسی وجہ سے بیان فرمائی کہ اگر ہم یہ کہیں کہ محتال محیل سے مطالبہ نہیں کر سکتا تو اس صورت میں مسلمان کے مال میں ہلاکت آ گئی۔

تویٰ: تویٰ کی تین صورتیں ہیں: ① محتال علیہ دَین ادا کرنے سے انکار کر دے۔ ② دین کی ادائیگی سے قبل محتال علیہ فوت ہو جائے۔ ③ عدالت نے محتال علیہ کو مفلس قرار دیا ہو۔

(۲) امام شافعی اور امام مالک و امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک حوالہ سے محیل بری ہو جاتا ہے حوالہ کے بعد محتال کو یہ حق حاصل نہیں کہ محیل سے مطالبہ کرے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: وفیه اذا اتبع احدکم علی ملی فلیتبع اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب محیل پیچھے لگا دے تو پیچھے لگے رہو اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ محیل کی طرف رجوع ہو سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محیل بری ہو جائے گا۔

جواب: اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حوالہ قبول کرنے کا مدار محتال علیہ کے غنی ہونے پر ہے اگر وہ غنی نہیں ہے تو اس صورت میں حوالہ قبول کرنے کی علت معدوم ہے لہٰذا اس صورت میں محیل کی طرف رجوع کیا جائے گا اس میں قطعاً مذکور نہیں کہ محیل کی طرف رجوع نہیں ہو سکتا چاہے محتال علیہ زندہ ہو یا مر جائے یا انکار کر دے یا مفلس ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ

باب ٦٨: بیع منابذہ اور بیع ملامسہ کا حکم

(١٢٣١) قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے منابذہ اور ملامسہ سودے سے منع کیا ہے۔

تشریح: منابذۃ: نبذ (پھینکنا ڈالنا) سے باب مفاعلہ ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کی طرف ڈالنا پھینکنا اور ملامسة لمس (چھونا ہاتھ لگانا) سے باب مفاعلہ ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کو چھونا زمانہ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ اگر سودا کرتے ہوئے بائع مبیع کو مشتری کی طرف پھینک دے یا مشتری ثمن کو بائع کی طرف پھینک دے تو سودا پکا ہو جاتا تھا اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا یہ دستور زبان بندی تھا اسلام نے اس کو ختم کر دیا بیع میں آخر تک ہر فریق کو اپنی بات کہنے کا اختیار ہے پھر اختلاف ہوا کہ یہ اختیار کب تک ہے؟

احناف کے نزدیک تفرق اقوال تک اختیار ہے جب ایجاب وقبول مکمل ہو گئے تو اب کسی فریق کو بیع ختم کرنے کا اختیار تام حاصل نہیں اور شوافع کے نزدیک تفرق ابدان تک یا اختر اخترت کہنے تک ہے اور اسی کا نام خیار مجلس ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اور ملامسہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ بائع ثمن کو ہاتھ لگا دے یا مشتری مبیع کو ہاتھ لگا دے تو سودا پکا ہو جاتا تھا اب دوسرے فریق کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا تھا یہ بھی دستور زبان بندی تھا جس کو اسلام نے ختم کر دیا۔

علاوہ ازیں ان بیوع میں مخاطرہ (سٹہ) کا پہلو بھی ہے اور شریعت میں معاملات میں کامل رضا مندی ضروری ہے اور دیکھنے بھالنے کا اختیار باقی رہتا ہے خیار رویت اور خیار عیب اسی وجہ سے مشروع کی گئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی السَّلَفِ فِی الطَّعَامِ وَالتَّمْرِ

باب ٦٧: کھجور اور غلہ پر قرض دینا یعنی بیع سلم کرنا

(١٢٣٢) قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي التَّمْرِ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَّ

وَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں میں بیع سلم کر لیا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے بیع سلم کرنی ہو وہ متعین ماپی ہوئی چیز یا متعین وزن کی ہوئی چیز کی متعین مدت کے لئے بیع سلم کرے۔

تشریح: سلم اور سلف ہم معنی ہیں سلم کے لغوی معنی ہیں سپرد کرنا اور سلف کے معنی ہیں قرض دینا بیع سلم میں مبیع موجود نہیں ہوتی نہ مجلس عقد میں نہ بائع کی ملک میں اور ثمن اسی مجلس میں سپرد کرنا ضروری ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا نام سلم (سپرد کرنا) رکھا گیا اور چونکہ مبیع موجود نہیں اس لیے جو ثمن سپرد کیا گیا وہ گویا قرضہ ہے اس لیے اس کا دوسرا نام سلف ہوا۔ بیع سلم میں مبیع کی ہمہ جہتی تعیین ضروری ہے پس جس چیز کی پوری تعیین نہ ہوسکتی ہو اس کا سلم جائز نہیں اور جس چیز کی پوری طرح تعیین ممکن ہو اس کا سلم جائز ہے مثلاً غلوں کی ہمہ جہتی تعیین ممکن ہے پس ان کی بیع سلم جائز ہے بلکہ اب تو مشینری دور ہے ہزاروں چیزیں ایک ہی سائز کی بنتی ہیں پس ان سب کی بیع سلم جائز ہے۔

بیع سلم بالاجماع جائز ہے: البتہ جواز کے لیے (تقریباً) سات شرائط ہیں: ① مبیع کی جنس معلوم ہو ② نوع معلوم ہو ③ وصف معلوم ہو ④ مکیلی ہے تو کیل معلوم ہوا اور اگر موزونی ہے تو وزن معلوم ہو ⑤ اجل معلوم ہو ۶ و ⑥ مبیعہ عقد کے وقت سے لیکر ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو ⑦ ادائیگی کی جگہ معلوم ہو۔

شوافع کے ہاں باقی شرائط تو ہیں لیکن اجل کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بیع سلم حالی بھی جائز ہے حدیث الباب احناف کے موافق جارہی ہے اور شوافع کے خلاف جارہی ہے **مَنْ اَسْلَفَ فَلْیُسْلِفْ فِی کیل معلوم ووزن معلوم** یہ احناف کی دلیل ہے اور شوافع اس کی تاویل کرتے ہیں حدیث کا مدلول یہ ہے کہ اجل معلوم ہونا چاہیے نہ ہو تو نہ ہو۔

حیوانات میں بیع سلم جائز ہے یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: عندالاحناف لایجوز صرف مکیلی موزونی اور معدودات متقاربہ میں صحیح ہے یعنی جن کے اوصاف ضبط ہو سکیں ان میں بیع سلم جائز ہے اور ظاہر ہے کہ حیوانات کے اوصاف ضبط نہیں ہو سکتے اس لیے ان میں بیع سلم بھی جائز نہیں ہے۔

احناف کی دلیل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **نہی عن سلف فی الحیوان** کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان میں بیع سلم سے منع فرمایا امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

② اور فتویٰ عبداللہ وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہے جو کہ کتاب الآثار کے اندر موجود ہے کہ حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ موقوف مرفوع کے حکم میں ہے۔

③ ضبط اوصاف بھی متعذر ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی رائے: یہ ہے کہ جیسے مکیلی موزونی اور عددی متقارب کے اندر بیع سلم جائز ہے اسی طرح حیوانات میں بھی جائز ہے اصل مبنی علیہ اختلاف کا یہ ہے کہ حیوان کی بیع نسیئۃ جائز ہے یا نہیں۔ احناف کے ہاں جائز نہیں ہے اسی طرح بیع سلم بھی جائز نہیں ہے۔ اور دیگر آئمہ کے ہاں حیوان کی بیع نسیئۃ جائز ہے تو ان کے نزدیک بیع سلم بھی جائز ہے۔

المسئلة الثانية : استقراض الحيوان يجوز ام لا عند الاحناف لا يجوز. (حیوان کا ادھار پر دینا جائز ہے یا نہیں احناف کے ہاں جائز نہیں) اس لیے بیع سلم بھی جائز نہیں ہے اور دیگر ائمہ کے ہاں استقراض الحیوان جائز ہے اس لیے بیع سلم بھی جائز ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي أَرْضِ الْمُشْتَرَكِ يُرِيدُ بَعْضُهُمْ بَيْعَ نَصِيبِهِ

باب ۶۸: مشترک زمین میں سے اپنا حصہ بیچنا

(۱۲۴۳) مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيكٌ فِي حَائِطٍ فَلَا يَبِيعُ نَصِيبَهُ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يَعْرِضَهُ عَلٰى شَرِيكِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جس شخص کا کسی باغ میں حصہ ہو، تو وہ اس میں سے اپنا حصہ اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک اس کی پیش کش اپنے شراکت دار کو نہ کر دے۔

تشریح: اگر کوئی مکان یا زمین دو یا زیادہ لوگوں کے درمیان مشترک ہو اور ایک شریک اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو بیچنے سے پہلے اسے اپنا حصہ شریک کے سامنے پیش کرنا چاہئے اگر شریک خریدنے سے انکار کرے یا صحیح قیمت نہ دے تو دوسرے کو بیچ سکتا ہے یہ اخلاقی بات ہے اس سے شرکاء کے درمیان یگانگت موافقت اور تعلقات میں استواری پیدا ہو جاتی ہے اور اگر وہ چپکے سے کسی کو بیچ دے گا تو بھی شریک حق شفعہ کی بنیاد پر لے لیگا اور دلوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت وعداوت اور کدورت پیدا ہو جائے گی۔

مذا: مسئلہ: شریک نے خریدنے سے انکار کر دیا پس مالک نے اپنا حصہ کسی کو فروخت کر دیا تو اب شریک کو حق شفعہ ملے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کے سامنے پیش کش کی جا چکی ہے اسے خریدنے کا موقع دیا گیا تھا مگر اس نے نہیں خریدا تو اس نے اپنا حق شفعہ ساقط کر دیا۔

(۲) اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ حق شفعہ بیع کے بعد ثابت ہوتا ہے اور جب اس کو خریدنے کی پیش کش کی گئی اس وقت بیع نہیں ہوئی تھی اور حق شفعہ بھی ثابت نہیں ہوا تھا اس لیے اس کے انکار کا اعتبار نہیں۔

فائدہ: ارض المشترك: مرکب اضافی درحقیقت مرکب توصیفی ہے تقدیر عبارت ارض مشترکۃ ہے جب مرکب توصیفی کو مرکب اضافی بناتے ہیں تو ترکیب مقلوبی کر دیتے ہیں یعنی صفت کی موصوف کی طرف اضافت کرتے ہیں جیسے جسم حسن سے حسن الجسم مگر کبھی اصل ترکیب باقی رکھ کر اضافت کر دیتے ہیں یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت کر دیتے ہیں یہ اس کی مثال ہے مگر یہ ترکیب غیر معروف ہے۔

وجادۃ کا حکم: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سلیمان یشکری کا صحیفہ آ گیا تھا اور حضرت سلیمان یشکری رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ تھا حضرت سلیمان یشکری اس صحیفے سے روایت کرتے تھے ایسے صحیفے کو وجادۃ کہا جاتا ہے۔

مناولہ یہ وہ صحیفہ ہوتا ہے جو شیخ اپنے شاگرد کو دے دیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم اس میں موجود تمام روایات کو آگے

روایت کرسکتے ہو یا شیخ اس شاگرد کو اجازت دے دیتا ہے کہ اس صحیفے کے اندر جو روایات ہیں اس کی تمہیں اجازت دیتا ہوں لیکن اگر کسی شاگرد کو اپنے شیخ کا کوئی صحیفہ مناولہ اجازت کے بغیر کہیں سے مل گیا وہ صحیفہ وجادۃ کہلاتا ہے اور یہ معتبر نہیں ہوتا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ جو روایات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بطور وجادہ کے نقل کریں وہ روایات معتبر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ

باب ۶۹: مخابرہ اور معاومہ کا حکم

(۱۲۳۴) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور معاومہ سے منع کیا ہے اور آپ ﷺ نے عرایا کی اجازت ہے۔

(۱۲۳۵) قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلِمَةٍ فِيْ دَمٍ وَّلَا مَالٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں قیمتیں زیادہ ہوگئیں لوگوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ آپ ہمارے لئے قیمتیں مقرر کردیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیمت مقرر کرنے والا ہے وہ تنگی عطا کرتا ہے اور کشادگی عطا کرتا ہے وہ بہت زیادہ رزق عطا کرنے والا ہے، میری یہ آرزو ہے۔ میں جب اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو کوئی بھی شخص جان یا مال کے اعتبار سے مجھ سے کسی بدلے کا مطالبہ نہ کرے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں چند چیزوں کی ممانعت مذکور ہے: ① محاقلہ ② مزابنہ ③ عرایا ان کی وضاحت گذر چکی ہے ④ مخابرہ اس کی وضاحت ان شاء اللہ باب المزارعۃ میں آئے گی۔ ⑥ معاومہ اس سے مراد یہ ہے کہ باغ کے پھلوں کو ایک سال یا زائد مدت کے لیے فروخت کرنا جسے بیع السنین بھی کہتے ہیں یہ ناجائز ہے اس لیے کہ اس میں مبیع معدوم ہے اور معدوم چیز کی بیع ناجائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْعِيْرِ

باب: قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِيْ بِمَظْلِمَةٍ فِيْ دَمٍ وَلَا مَالٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مہنگائی ہوئی تو ہم نے عرض کیا کہ قیمتیں مقرر کردیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ، نرخ مقرر کرنے والا، تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ کوئی شخص مجھ سے اپنے خون یا مال میں ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔

تشریح: مصری نسخہ میں یہاں باب ہے باب ماجاء فی التسعیر تسعیر کے معنی ہیں قیمتوں کو کنٹرول کرنا چیزوں کے بھاؤ مقرر کرنا۔ زیر بحث باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے لیے سرکاری طور پر اشیاء کے دام مقرر کر دیں تاکہ کوئی زیادہ قیمت وصول نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ہی مسعر ہے وہی قابض اور باسط ہے اور وہی رزاق ہے میں اللہ سے اس حال میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی آدمی مجھ سے ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو آپ کی غرض یہ تھی کہ دام مقرر کرنا عاقدین کا باہمی معاملہ ہے حکومت کوئی دام مسلط نہ کرے ہاں البتہ خرابی کی صورت میں گنجائش ہے۔

فائدہ: حکومت کے لیے کنٹرول ریٹ قائم کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج میں اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے السیاسۃ الشرعیۃ فی طرق الحکمیۃ میں بحث کی ہے کہ اگر بھاؤ بہت چڑھ جائیں اور ضرر عام لازم آئے تو حکومت قیمتوں پر کنٹرول کر سکتی ہے اور بوقت اضطرار تسعیر کا جواز۔

حدیث: لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ (یعنی نہ ضرر قبول کرو اور نہ ہی دوسرے کو پہنچاؤ) سے اور فقہی ضابطہ الضرر یزال سے ثابت ہے کیونکہ ضرر عام کے ازالہ کے لیے ضرر خاص برداشت کیا جا سکتا ہے وہ اہون ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی کَرَاهِیَةِ الْغِشِّ فِی الْبُیُوْعِ

باب ۷۱: خرید و فروخت میں دھوکہ دینا حرام ہے

(۱۲۳۶) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰی صُبْرَةٍ مِّنْ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ مَا هٰذَا قَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ ثُمَّ قَالَ مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ اناج کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا دست مبارک اس میں داخل کیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کو کچھ نمی محسوس ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا: اے اناج والے یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ بارش کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم نے اسے اناج کے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص دھوکہ دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تشریح: اسلامی حکومت میں ایک محکمہ احتساب (دارو گیر کا محکمہ) ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ ہر چیز پر نظر رکھے کسی بھی چیز میں ملاوٹ نہ ہونے دے دور نبوی میں آپ ﷺ خود یہ فریضہ انجام دیتے تھے کبھی اچانک پہنچ کر چیزیں چیک کرتے تھے اس حدیث میں اسی کا بیان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی اسْتِقْرَاضِ الْبَعِیْرِ اَوِ الشَّیْئِ مِنَ الْحَیَوَانِ

باب ۷۲: اُونٹ یا کوئی بھی جانور ادھار کے طور پر لینا

(۱۲۳۷) اِسْتَقْرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سِنًّا فَاَعْطَاهُ سِنًّا خَیْرًا مِّنْ سِنِّهٖ وَقَالَ خِیَارُکُمْ اَحَاسِنُکُمْ قَضَاءً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض کے طور پر لیا تو آپ نے اس کے بدلے میں بہتر اونٹ عطا کیا اور ارشاد فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو بہتر طریقے سے قرض واپس کریں۔

(۱۲۳۸) اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ثُمَّ قَالَ اشْتَرُوْا لَهٗ بَعِيْرًا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَطَلَبُوْهُ فَلَمْ يَجِدُوْا اِلَّا سِنًّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ فَقَالَ اشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضا کیا اور اس بارے میں سخت زبان استعمال کی آپ کے ساتھیوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو! کیونکہ حقدار کو بات کہنے کی گنجائش ہوتی ہے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کو ایک اونٹ خرید کر دے دو! لوگوں نے اونٹ تلاش کیا تو انہیں اس سے بہتر اونٹ ملا۔ آپ نے فرمایا اسے وہی خرید کر دیدو کیونکہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اچھے طریقے سے قرض ادا کرے۔

(۱۲۳۹) اِسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ اِبِلٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ قَالَ اَبُوْ رَافِعٍ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهٗ فَقُلْتُ لَا اَجِدُ فِي الْاِبِلِ اِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْطِهٖ اِيَّاهُ فَاِنَّ خِيَارَ النَّاسِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً.

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اُونٹ قرض کے طور پر لیا پھر آپ کی خدمت میں صدقے کے اونٹ آئے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس اُونٹ والے شخص کا قرض ادا کروں میں نے عرض کی مجھے اونٹوں کے اندر صرف ایک اُونٹ ملا ہے لیکن وہ بھی اس سے بہتر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وہ ہی اسے دیدو کیونکہ لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اچھے طریقے سے قرض ادا کرے۔

(۱۲۴۰) اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ سَمْحَ الْبَيْعِ سَمْحَ الشِّرَاءِ سَمْحَ الْقَضَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فروخت میں نرمی کرنے والے اور خریدنے میں نرمی کرنے والے اور قرض کی ادائیگی میں نرمی کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

(۱۲۴۱) غَفَرَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ سَهْلًا اِذَا بَاعَ سَهْلًا اِذَا اشْتَرٰى سَهْلًا اِذَا اقْتَضٰى.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایک شخص کی مغفرت کردی جو فروخت کرتے ہوئے نرمی سے کام لیتا تھا، خریدتے ہوئے نرمی سے کام لیتا تھا اور تقاضا کرتے ہوئے نرمی سے کام لیتا تھا۔

تشریح: قرض اور بیع کے احکام ایک ہیں ان میں بہت کم فرق ہے اور بیع ہر چیز کی ہوسکتی ہے اور قرض صرف مثلیات یعنی ایسی چیزیں لی جاسکتی ہیں جن کی طرح سے تعیین ہوسکتی ہو اور مثلیات چار چیزیں ہیں: مکیلات، موزونات، مزروعات (گز سے ناپنے والی

چیزیں)اور معدودات متقاربہ یعنی ایسی گننے کی چیزیں جن کے افراد میں بہت کم تفاوت ہو جیسے انڈے اخروٹ وغیرہ ان کے علاوہ سب ذوات القیم ہیں ان کا قرض جائز نہیں یہ اتفاقی مسلمہ اصول ہے البتہ حیوان کو قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: احناف کے ہاں استقراض الحیوان جائز نہیں اس لیے کہ قرض کی حقیقت ہی نہیں پائی جاتی قرض کہتے ہیں کہ تملیك الشئ بشرط ردمثله لہٰذا قرض ہمیشہ ذوات الامثال میں سے ہوگا اور حیوان ذوات الامثال میں سے نہیں ہے حقیقت قرض نہ پائے جانے کی وجہ نہی عن بیع الحیوان نسیئة حدیث سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ ہے۔

سوال: اس کا تعلق تو بیع کے ساتھ ہے دعویٰ یہ ہے کہ استقراض الحیوان جائز نہیں ہے؟

جواب: استقراض الحیوان اگرچہ ابتداءً تبرع ہے لیکن انتہاءً بیع ہے اور بیع الحیوان نسیئۃً جائز نہیں ہے اسی وجہ سے جائز نہیں کہ ضبط اوصاف ممکن نہیں ہے۔اسی طرح استقراض الحیوان بھی ناجائز ہے ضبط اوصاف ممکن نہ ہونے کی وجہ سے۔

باقی ائمہ کی دلیل: حدیث الباب ہے اور حدیث ابی رافع رضی اللہ عنہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص عمر والا اُونٹ قرض کے طور پر لیا پھر اس کی ادائیگی کے لیے اس سے عمدہ اونٹ عطاء کیا بڑا یعنی جوان اُونٹ۔

جواب: یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ ابھی تک حرمت ربوا کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

ثانیًا: وہ حدیث قولی ہے اور یہ فعلی ہے.....الخ۔

ثالثًا: وہ محرم ہے اور یہ مبیح ہے.....الخ۔

رابعًا: یہ حقیقت میں شراء ثمن مؤجل تھی اس ثمن کے بدلے اونٹ دے دیا اسی کو راوی نے استقراض الحیوان سے تعبیر کر دیا اصل میں یہ استقراض ہے ہی نہیں۔

سوال: اگلی حدیث میں ہے کہ زکوٰۃ کے اُونٹوں سے قرضہ ادا کیا قرضہ تو اپنے لیے لیا ہوگا تو پھر زکوٰۃ کے اونٹوں سے ادائیگی کا کیا معنی ہے؟

جواب: مطلب یہ تھا کہ زکوٰۃ کا اُونٹ جن مستحقین کو دیئے گئے تھے ان سے خرید کر قرضہ ادا کرو اور اس پر اشتروا کا لفظ بھی دلالت کر رہا ہے۔

باب

باب: خرید و فروخت اور قرض کی ادائیگی میں نرمی برتنے کی فضیلت

تشریح: سمح اور سماحة کے معنی ہیں: عالی ظرفی سیر چشمی اس سے القاب میں سماحۃ الشیخ استعمال ہوتا ہے اور بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ بائع کسی قیمت پر اڑ نہ جائے اگر مشتری دام کم کرنے کی درخواست کرے اور اس کا نقصان نہ ہوتا ہو تو دام کچھ کم کر دے یا مبیع کچھ زیادہ دیدے اور خریدنے میں میں نرمی یہ ہے کہ پیسے اگر زیادہ دینے پڑیں تو دے دے اور قرض کی ادائیگی میں نرمی یہ ہے کہ وقت پر قرض ادا کرے اور کچھ زیادہ دے اس کے علاوہ بھی نرمی کی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ فِی الْمَسْجِدِ

باب ۷۳: مسجد میں خرید وفروخت کی ممانعت

(۱۲۴۲) اِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّبِيْعُ اَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّنْشُدُ فِيْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّ اللهُ عَلَيْكَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم اس شخص کو دیکھو جو مسجد میں کوئی چیز فروخت کر رہا ہو یا خرید رہا ہو تو یہ کہو: اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں منافع نہ دے اور جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کر رہا ہو تو تم یہ کہو اللہ تعالیٰ تمہاری چیز واپس نہ کرے۔

تشریح: مسجد کے اندر شرا، بیع کا کیا حکم ہے؟ غیر معتکف کے لیے مطلقاً ناپسندیدہ ہے عام ازیں ضرورت ہو یا نہ ہو عام ازیں اہل وعیال کے لیے ہو یا بغرض تجارت ہو عام ازیں احفار مبیعہ ہو یا نہ ہو۔

معتکف کے لیے دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ① ساز وسامان مسجد میں نہ ہو۔ ② بیع سے مقصود تجارت نہ ہو بلکہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کو پورا کرنا ہو۔

سوال: کہ حدیث سے تو عموم معلوم ہوتا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ یہ محمول ہے معتکف کے ماسواء پر اور اگر معتکف بھی داخل ہے تو پھر خاص صورتیں مراد ہیں:

(۱) احضار مبیعہ ہو۔

(۲) تجارت کی غرض سے ہو حقیقۃ میں کوئی تضاد نہیں ہے جو مکروہ قرار دیتے ہیں وہ غیر معتکف کے لیے ہے اور جنہوں نے کہا ہے جائز ہے وہ معتکف کے لیے ہے اور ساز وسامان سے مراد وہ سامان ہے کہ جس کی وجہ سے مسجد مصروف ہو جائے۔

گم شدہ سامان کی دو صورتیں ہیں:

(۱) گم باہر ہوا ہو تو مطلقاً لا یجوز۔

(۲) اور اگر مسجد میں گم ہوا ہو تو پھر گنجائش ہے۔

تشریح: احکام: حکم کی جمع ہے اس کے معنی ہیں فیصلہ ابواب الاحکام یعنی ابواب القضاء اور پہلے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ امام ترمذی نے ابواب البیوع یعنی ابواب المعاملات کے درمیان میں ابواب الاحکام داخل کئے ہیں یہ ابواب الاحکام دو صفحوں (۱۳ باب) تک ہیں ان کے بعد پھر ابواب البیوع شروع ہوں گے۔

سوال: پہلے بھی تو احکام ہی کا بیان ہو رہا تھا اب نئے سرے سے باب قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: ان احکام سے وہ احکام مراد ہیں جو خصومت اور قضاء سے متعلق ہیں عہدہ قضاء فرض کفایہ ہے فاحکم بین الناس.

بَابُ مَاجَاءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الْقَاضِیْ

باب ۱: قاضی کا بیان

(۱۲۴۳) اَنَّ عُثْمَانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اذْهَبْ فَاقْضِ بَیْنَ النَّاسِ قَالَ اَوَ تُعَافِیْنِیْ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ فَمَا تَکْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ وَقَدْ كَانَ اَبُوْكَ یَقْضِیْ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ كَانَ قَاضِیًا فَقَضٰی بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِیِّ اَنْ یَّنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَافًا فَمَا اَرْجُوْ بَعْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: عبداللہ بن موہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ! لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو! انہوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! کیا آپ مجھے اس سے معاف نہیں رکھیں گے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ تم اس کو کیوں ناپسند کرتے ہو، جبکہ تمہارے والد فیصلے کیا کرتے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص قاضی ہو اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرے تو امید ہے وہ برابر چھوٹ جائے گا، اس لئے میں اس کے بعد (اس عہدے کی) آرزو نہیں رکھتا۔

(۱۲۴۴) اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ قَاضِیَانِ فِی النَّارِ وَقَاضٍ فِی الْجَنَّةِ رَجُلٌ قَضٰی بِغَیْرِ الْحَقِّ فَعَلِمَ ذَاكَ فَذَاكَ فِی النَّارِ وَقَاضٍ لَّا یَعْلَمُ فَاَهْلَكَ حُقُوْقَ النَّاسِ فَهُوَ فِی النَّارِ وَقَاضٍ قَضٰی بِالْحَقِّ فَذٰلِكَ فِی الْجَنَّةِ.

ترجمہ: قاضی تین قسم کے ہیں دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قسم کا قاضی جنت میں جائے گا، وہ شخص جو حق کے خلاف فیصلہ کرے اور وہ یہ بات جانتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا، وہ قاضی (جسے قضا سے متعلق احکام) کا علم نہ ہو اور وہ لوگوں کے حقوق ضائع کر دے وہ جہنم میں جائے گا۔ اور وہ قاضی جو حق کے مطابق فیصلہ کرے، وہ جنت میں جائے گا۔

(۱۲۴۵) مَنْ سَأَلَ الْقَضَاءَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُجْبِرَ عَلَيْهِ يُنْزِلُ اللهُ عَلَيْهِ مَلَكًا فَيُسَدِّدُهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قضاء کے منصب کا مطالبہ کرے اس کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا، اور جس شخص کو اس پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ اس پر نازل کرتا ہے، جو اسے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

(۱۲۴۶) مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيهِ شُفَعَاءَ وُكِلَ إِلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شخص قضاء کے عہدے کا طلبگار ہو، اور اس بارے میں سفارش ڈھونڈتا ہو، اسے اس حوالے کر دیا جائے گا اور جس شخص کو اس پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو نازل کرتا ہے، جو اس کی مدد کرتا ہے۔

(۱۲۴۷) مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ أَوْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ.

ترجمہ: جو شخص قضاء کے عہدے پر فائز ہو (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا جائے تو اسے چھری کے بغیر ذبح کر دیا گیا۔

تشریح: امر ہے عہدۂ قضاء کو قبول کیا جائے یا نہ؟ تو اس میں تفصیل ہے کہ عہدۂ قضاء کی صلاحیت متعدد شخصوں میں ہوگی یا نہیں اگر متعدد شخصوں میں صلاحیت ہے تو دونوں جائز ہیں یعنی قبول کرنا بھی جائز ہے اور قبول نہ کرنا بھی جائز ہے۔ قبول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عہدۂ قضاء کو قبول کیا اور قبول نہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبول نہیں کیا۔ باقی افضل کیا ہے؟ تو دونوں قسم کی احادیث ہیں بعض سے قبول کرنا افضل معلوم ہوتا ہے اور بعض سے قبول نہ کرنا افضل معلوم ہوتا ہے۔

تطبیق: یہ ہے کہ جن احادیث سے فضیلت معلوم ہوتی ہے اس کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جن کے اندر صلاحیت ہو اور جن سے قبول نہ کرنا افضل معلوم ہوتا ہے ان کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جن کے اندر اہلیت نہیں ہے۔

یا بعنوان آخر یوں کہہ لو کہ عہدۂ قضاء کو قبول کرنا افضل ہے یہ اس شخص کے لیے ہے جو طالب نہ ہو اور جن احادیث سے قبول نہ کرنا افضل ہے اس شخص کے لیے ہے جو طالب ہو۔

بعنوان ثالث: جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدۂ قضاء کو قبول کیا جائے یہ اس شخص کے لیے ہے جس کا مقصود عالم کو فساد سے پاک کرنا ہو اور جن احادیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے ان کا مصداق وہ ہیں کہ جن کا مقصود وجاہت اور چودھراہٹ ہو یہ تفصیل تو تب ہے جب متعدد افراد میں صلاحیت ہو اور اگر صرف ایک ہی شخص میں صلاحیت ہے اور امیر المؤمنین کی طرف سے عہدۂ قضاء پیش کیا جائے تو اب قبول کرنا فرض ہے انکار کی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس وقت تو خود مطالبہ کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مطالبہ کیا۔

(۲) حدیث ذکر کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قاضی بنانا چاہا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **او تعافینی الخ**

تقدیر عبارت ہے اتر حمنی و تعافنی الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے والد بھی تو قاضی رہے ہیں اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: من کان قاضیا فقضی بالعدل فباحری ان ینقلب منہ کفافا کہ جو قاضی ہو صحیح فیصلہ کرے تو وہ زیادہ لائق ہے کہ اس کے کفاف کے ساتھ لوٹے وفی الحدیث قصۃ یعنی یہ حدیث طویل ہے اس میں مزید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال وجواب مذکور ہیں میں نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

اگلی حدیث میں ہے کہ جو قضاء کو طلب کرے تو اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور آگے کبری تھا کہ جس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیا تو اس کی ہلاکت میں کیا تردد ہے اور جو مجبور کیا جائے تو اس پر فرشتہ اترتا ہے اس کی رہنمائی کرتا ہے صحیح فیصلہ اس کے ذہن میں ڈالتا ہے۔

اگلی حدیث میں ہے کہ فقد ذبح بغیر سکین یہ تشبیہ پر محمول ہے باقی تشبیہ کس بات میں ہے تو اس میں ایک قول یہ ہے کہ حسن فی الظاہر اور فساد فی الباطن جیسے جانور بغیر چھری کے ہلاک کر دیا جائے تو جان نکل جاتی ہے لیکن ظاہری طور پر صحیح اور اچھا لگتا ہے بالکل اسی طرح ہے جب ایسے آدمی کو قاضی بنا دیا جائے جو نااہل ہو تو اس کا حال بھی ایسے ہی ہے کہ ظاہری حالت اچھی ہوتی ہے اکرام ہوتا ہے اعزاز ہوتا ہے اس کو وجاہت حاصل ہوتی ہے سلامیاں دی جاتی ہیں اور باطن کے اندر اگر حدود شرع کی رعایت نہیں کرتا تو اندر سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ تشبیہ زیادۃ فی الایذاء میں ہے کہ جیسے جانور کو اگر چھری کے ساتھ ذبح کریں تو وقتی طور پر تکلیف ہوتی ہے لیکن فوراً ختم ہو جاتی ہے اور بغیر چھری کے بہت زیادہ متاذی ہوتا ہے اسی طرح قاضی کو عمر بھر تکلیف بجالانی پڑتی ہے دشمنی ہو جاتی ہے اور مصیبتوں اور پریشانیوں میں گھرا رہتا ہے۔

یہ حدیثیں عہدہ قضا کے ساتھ نہیں ہر عہدہ کا یہی حکم ہے جو شخص اپنی خواہش سے کوئی عہدہ حاصل کرتا ہے اس کے لیے سفارش لگاتا ہے لوگوں کی ذہن سازی کرتا ہے ووٹ مانگتا ہے تو جب اس کو عہدہ مل جاتا ہے تو لوگ اسے کو چھوڑ دیتے ہیں اس کی کوئی مدد نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دیتے ہیں کہ لے تو نے ذمہ داری لی ہے پس اسے نبیڑ! اور جس کو زبردستی کوئی ذمہ داری سونپی جاتی ہے ہر شخص اس کی مدد کرتا ہے وہ جس کام کے لیے کہتا ہے ہر شخص فورا کرتا ہے کیونکہ انہی لوگوں نے اس کو مجبور کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی آسمان سے ایک فرشتہ اتارتے ہیں جو اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اس کو سیدھا رکھتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کون عہدہ کا طالب ہے اور کس کو زبردستی ذمہ داری سونپی گئی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں دنیا میں کوئی شخص اس کا اقراری نہیں کہ وہ عہدہ چاہتا ہے الیکشن میں بھی یہ قانون ہے کہ کوئی امیدوار خود امیدوار نہیں بن سکتا لوگ اس کی سفارش کرتے ہیں مگر ہر شخص حقیقت حال سے واقف ہے کہ وہ سفارشی اسی کے ایجنٹ ہوتے ہیں اور امیدواران کے ذریعہ اپنے لیے زمین ہموار کرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِيْ يُصِيْبُ وَيُخْطِئُ

باب ۲: وہ قاضی جو ٹھیک فیصلہ بھی کرتا ہے اور غلطی بھی کرتا ہے

(۱۲۴۸) اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے اور درست فیصلہ کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ فیصلہ کرتے ہوئے غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

تشریح: فَلَهٗ اَجْرَانِ ایک روایت میں ہے: اذا اصاب فله عشرة اجور شاہ صاحب فرماتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے لیکن ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن اس کے لیے شاہد ہے: قال سبحانه: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الانعام:۱۶۰) لہٰذا دس والی حدیث کا مضمون صحیح ہوا۔

وَاِذَا حَكَمَ فَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ: عارضہ میں ہے کہ جس عمل کا تعلق عامل سے ہو تو اس پر ایک نیکی ملتی ہے اور جو عمل متعدی الی الغیر ہو تو اس پر دو نیکیاں ملتی ہیں چونکہ غلطی کی صورت میں غیر کو فائدہ نہیں پہنچا یا یعنی مستحق کو اس لیے صرف اجتہاد کا ثواب ملے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ میں حق ایک ہے امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی یہی بات مروی ہے مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے ظاہر ہے دونوں برحق نہیں ہوسکتیں ان میں سے کوئی ایک حق ہے اور جس مجتہد نے نفس الامری حق کو پالیا ہے اس کو ڈبل ثواب ملے گا اور جو اس کو چوک گیا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے بھی اپنی پوری طاقت صرف کردی ہے مگر اس کو ایک ثواب ملے گا اور کس نے نفس الامری حق پایا ہے اور کون اس کو چوک گیا ہے؟ اس کا پتا آخرت میں چلے گا۔

سوال: یہاں اگر کوئی سوال کرے کہ امام نسفی رحمہ اللہ کی مصفی سے اشباہ میں پھر وہاں سے مختار کے مقدمہ میں جو نقل کیا گیا ہے کہ اذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا قلنا وجوبا مذهبنا صواب يحتمل الخطأ ومذهب مخالفنا خطأ يحتمل الصواب واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا الحق مانحن عليه والباطل ما عليه خصومنا. یعنی جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے فقہی مذہب کے بارے میں اور ہمارے مخالف کے فقہی مذہب کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب برحق ہے مگر اس میں چوک کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب غلط ہے اور اس میں درستگی کا احتمال ہے اور جب ہم سے پوچھا جائے ہمارے یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدوں کے بارے میں اور ہمارے مخالف گمراہ فرقوں کے عقیدوں کے بارے میں تو ہم قطعی طور پر کہیں گے کہ برحق وہ عقیدے ہیں جن پر ہم ہیں اور غلط وہ عقیدے ہیں جن پر ہمارے مخالف ہیں اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ آپ تو فرما رہے ہیں کہ فقہی اختلافات میں عمل کے اعتبار سے سب برحق ہیں؟

جواب: شامی میں ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے فقہی فتاوی سے نقل کی ہے کہ ان ذلك مبنی علی الضعیف یعنی یہ قول جس بنیاد پر متفرع ہے وہ ضعیف ہے پس یہ بات جو اس پر متفرع ہے کیسے درست ہوسکتی ہے؟ تفصیل شامی (۱:۳۶) میں ہے۔

فائدہ: مجتہدین بہت گزرے ہیں چار ائمہ رحمہم اللہ میں انحصار نہیں اور آج بلکہ آئندہ بھی نئے مسائل میں اجتہاد جاری ہے یہ سب مجتہدین اگر اہل السنہ والجماعہ کے عقائد پر ہیں تو وہ سب برحق ہیں اور ان سب کا یہی حکم ہے البتہ جو لوگ اہل السنہ والجماعہ کے عقائد سے خارج ہیں جیسے غیر مقلدین، مودودی اور شیعہ وغیرہ ان کے لیے یہ حکم نہیں اور اہل السنہ والجماعہ میں شامل چار مکاتب فکر کی پیروی کرنے والے ہی ہیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے "مائۃ دروس" میں اور علامہ احمد طحطاوی رحمہ اللہ نے درمختار کے حاشیہ میں اس کی صراحت کی ہے کیونکہ

حقانیت کا مدار اصول وعقائد پر ہے۔ فروعات پر نہیں فروعات میں اختلاف تو دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے چلا آ رہا ہے جبکہ تمام صحابہ برحق تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِيْ كَيْفَ يَقْضِيْ؟

باب ۳: قاضی کس طرح فیصلہ کرے؟

(۱۲۴۹) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ فَقَالَ اَقْضِيْ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَجْتَهِدُ رَاْيِيْ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ نے دریافت کیا: تم کس طرح فیصلہ کرو گے انہوں نے عرض کی۔ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود (حکم) کے مطابق فیصلہ کروں گا نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں (اس حکم کا موجود نہ ہو) انہوں نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت کے مطابق (فیصلہ کروں گا) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت میں (اس کا حکم نہ ہو) انہوں نے عرض کی۔ میں اپنی رائے کے ذریعے فیصلہ کروں گا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ہر طرح کی حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے نمائندے کو (یہ) توفیق عطا کی ہے۔

تشریح: قضاء کے کیا اصول ہیں وہ فقہ میں بیان کئے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ قیاس بھی حجۃ شرعیہ ہے اسلئے کہ حضرت محمد ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے چند سوالات کیے۔

سوال: حدود شرعیہ میں اجماع کو ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: اجماع حجۃ بنا ہے حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد اس لیے کہ حضور ﷺ کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں تھی اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کا بھی ذکر نہیں کیا۔

جواب: جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا تھا اس وقت شیخین رضی اللہ عنہما کے فیصلے معروف ومشہور نہیں تھے۔

فائدہ: اس حدیث میں خاص بات توجہ طلب یہ ہے کہ حدیث حجت نہیں بلکہ سنت حجت ہے چنانچہ تمام احادیث میں سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہے کسی ایک حدیث میں بھی حدیث مضبوط پکڑنے کا حکم نہیں اور حدیث کے معنی ہیں کہ ما اضیف الی النبی ﷺ من قول اوفعل اوتقریر۔ یعنی نبی ﷺ کے اقوال وافعال وتائیدات حدیث ہیں اور سنت کے معنی ہیں: الطریقة المسلوکة فی الدین۔ یعنی دینی راہ اور دونوں میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے جو احادیث منسوخ یا مخصوص یا ماول ہیں وہ صرف حدیث ہیں سنت نہیں اور ملک وملت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی خلفائے راشدین کی باتیں سنت ہیں حدیث نہیں اور معمول بہا اقوال وافعال نبوی حدیث بھی ہیں اور سنت بھی پس فرقہ اہل حدیث گمراہ فرقہ ہے کیونکہ حدیث حجت نہیں اہل حق صرف اہل السنہ والجماعہ ہیں کہ حجت سنت ہے۔

اجتہاد: جہد طاقت اور مشقت کو کہتے ہیں اور اجتہاد کسی چیز میں مقدور بھر تفکر کو کہتے ہیں امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے

مراد نفس سوچ بچار نہیں بلکہ کسی قضیہ کو قرآن وسنت کے معنی کی طرف لوٹا کر بطور قیاس اس کا حکم معلوم کرنا ہے۔

هذا حديث لا نعرفه الا من هذا الوجه... الخ۔ اس حدیث کی تصحیح وتضعیف میں ائمہ کا شدید اختلاف رہا ہے جن کے نزدیک یہ ضعیف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو حارث بن عمرو مجہول ہے دوم وہ مجہولین سے روایت کرتے ہیں یعنی حارث کے اساتذہ معلوم نہیں کہ کون ہیں؟ تاہم اس کے معنی کی صحت پر تقریباً اتفاق اور سب ائمہ اجتہاد اور قیاس کے جواز کے قائل ہیں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ علل متناہیہ میں فرماتے ہیں:

لا يصح وان كان الفقهاء كلهم يذكرونه في كتبهم ويعتمدون عليه وان كان معناه صحيحا. (تحفہ)

"ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ علل متناہیہ میں فرماتے ہیں صحیح نہیں ہے اگرچہ سارے فقہاء اس کو ذکر کرتے ہیں اپنی کتابوں میں اور اس پر اعتماد بھی کرتے ہیں اور اس کے معنی درست ہیں۔"

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین میں اور ابوبکر الخطیب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے کذا فی التحفہ عرف الشذی میں ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان الحديث وان كان منقطعا لكنه مروي عن اصحاب معاذ فيكون حجة واخذ... الخ

جبکہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ باجودیکہ سند کے بارے میں بہت سخت ہیں فرماتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے کہ شعبہ سے ائمہ کی جماعت نے روایت کی ہے جن میں یحییٰ بن سعید، عبداللہ بن المبارک، ابوداؤد الطیالسی رحمہم اللہ شامل ہیں اور جہاں تک حارث بن عمر الہذلی کا تعلق ہے تو اگرچہ حارث اس حدیث کے علاوہ دوسری سند سے معروف نہیں لیکن ان کی روایت کے قابل اعتماد ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ ان سے شعبہ روایت کرتے ہیں اور یہ کہ وہ یعنی حارث مغیرہ بن شعبہ کے بھانجے ہیں (لہٰذا حدیث صحیح ہے) اعلام الموقعین میں مزید تفصیل ہے لہٰذا اصح یہ ہے کہ اولاً تو اس کی حدیث کی سند بھی صحیح ہے لیکن اگر اس میں کچھ ضعف ہو تو ثانیاً کہا جائے گا کہ اس مضمون کی اور احادیث بھی ہیں جن کا مجموعہ حد تواتر تک پہنچتا ہے۔

تقلید شخصی کا ثبوت حدیث سے: یہ حدیث اجتہاد اور قیاس کے جواز پر بھی صریح ہے نیز اس سے تقلید شخصی کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو گویا اہل یمن کے ذمے یہ لازم کر دیا کہ وہ ہر معاملے میں ان سے رجوع کریں اور تمام مسائل میں ان کی پیروی کریں اور یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ایسا نہیں تھا جو ان کی طرح شرعی مسائل جانتا ہو اس لیے اہل یمن انہی کی تقلید شخصی کرتے تھے اور چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اس لیے اہل یمن کا یہ عمل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق تھا۔

اس پر غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قاضی کی حیثیت سے بھیجا گیا تھا اور اسی حیثیت میں ان کی اطاعت ضروری قرار دی گئی تھی نہ کہ مفتی کی حیثیت میں؟

جواب: یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیک وقت حاکم بھی تھے قاضی بھی مفتی بھی اور معلم بھی چنانچہ صحیح بخاری میں باب میراث البنات کے تحت حضرت اسود بن یزید کی روایت ہے کہ:

اتانا معاذ رضي الله عنه بن جبل باليمن معلما واميرا فسالناه عن رجل توفي وترك ابنته واخته

فاعطی الابنة النصف والاخت النصف.

"ہمارے پاس معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن سے امیر اور معلم بن کر آئے ہم نے ان سے ایک ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا جو فوت ہو چکا تھا، اس نے اپنی ایک بیٹی اور بہن چھوڑی تھی، بیٹی کو نصف دیا گیا اور بہن کو بھی نصف دیا گیا۔"

اس روایت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مفتی ہونے کی حیثیت صاف واضح ہے اور اسی حیثیت میں انہوں نے میراث کا یہ فتویٰ دیا اور اس کی کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی اور اہل یمن نے دلیل پوچھے بغیر ہی اس حکم پر عمل کیا اور اسی کا نام تقلید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِمَامِ الْعَادِلِ

باب ۴: عادل حکمران کی فضیلت

(۱۲۵۰) اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ وَ اَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ.

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجلس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجلس کے اعتبار سب سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔

(۱۲۵۱) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ يَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ.

ترجمہ: حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ زیادتی نہ کرے جب وہ زیادتی کرتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

تشریح: عدل وانصاف کی فضیلت کا بیان ہے حاصل یہ ہے کہ عدل وانصاف قیامت کے دن اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور جور وظلم اللہ کے ہاں بغض اور اللہ کی رحمت سے دوری کا باعث ہے۔

امام عادل: جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی بجالائے اور مخلوق کے بھی جائز حقوق بجالائے یا اللہ تعالیٰ کے حقوق بجا نہ لائے اللہ مع القاضی یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت قاضی کے ساتھ ہوتی ہے خلی عنہ اللہ کی رحمت اس سے دور ہو جاتی ہے الگ ہو جاتی ہے لزمہ الشیطان جس کو شیطان چمٹ جائے اس کی ہلاکت میں کیا شبہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَاضِي لَا يَقْضِي بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَهُمَا

باب ۵: قاضی جب تک فریقین کی بات نہ سن لے فیصلہ نہ کرے

(۱۲۵۲) قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِيْ كَيْفَ تَقْضِيْ قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: جب دو آدمی تم سے فیصلہ لینے کے لئے آئیں، تو تم پہلے کے حق میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کا کلام نہ سن لو، عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم کیسے فیصلہ کرو گے؟

تشریح: اسلامی عدالت میں ہر شخص براہ راست قاضی سے ملتا ہے درمیان میں کوئی وکیل نہیں ہوتا اور غیر مسلم عدالتوں میں فریقین خاموش کھڑے رہتے ہیں اور ایڈووکیٹ بحثیں کرتے ہیں اور چونکہ وہ قانون داں ہوتے ہیں اس لیے ایسے ایسے نکتے نکالتے ہیں کہ جج پریشان ہوجاتا ہے اور کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا اور مقدمہ چلتا رہتا ہے اور سالوں تک مقدمے لٹکے رہتے ہیں اسلامی عدالت کا یہ دستور نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنے مقدمہ کی پیروی خود کرتا ہے اور قاضی سے براہ راست گفتگو کرتا ہے چنانچہ فریقین کی بات ختم ہوتے ہی قاضی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي إِمَامِ الرَّعِيَّةِ

باب ٦: رعایا کا حکمران

(۱۲۵۳) مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُونَ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلَى حَوَائِجِ النَّاسِ.

ترجمہ: عمر بن مرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جو بھی حکمران اپنے دروازے کو ضرورت مند لوگوں، محتاجوں اور مسکینوں کے لئے بند کرلے گا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کے دروازے اس کی حاجت، ضروریات کے لئے بند کرلے گا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی امام اور حاکم کو اپنا دروازہ ضرورت مند لوگوں کے لیے بند کرنا جائز نہیں چنانچہ یہ حدیث سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر کردیا جو لوگوں کی ضرورتیں معلوم کر کے ان کو پورا کرے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں یہ اعلان کرادیا تھا کہ جس کے گھر بچہ پیدا ہو اس کا نام ہمارے ہاں لکھوادیا جائے چنانچہ اس کا وظیفہ جاری کردیا جاتا تھا۔ دشمنان اسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر فجر میں قاتلانہ حملہ کا پروگرام بنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ تو شہید ہوگئے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس دن اتفاق سے فجر کی نماز میں نہیں آئے ان کی جگہ جو آیا وہ شہید ہوگیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا مگر اندھیرے میں وار اوچھا پڑا خنجر پیٹ کے بجائے سرین کے گوشت میں لگا اور وہ بچ گئے اس واقعہ کے بعد انہوں نے سیکورٹی قائم کی اب ہر شخص ان سے نہیں مل سکتا تھا اس وقت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن مرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو بھی امام اپنا دروازہ حاجت مندوں غریبوں اور محتاجوں کے ورے بھیڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت حاجت اور مسکنت کے ورے آسمانوں کے دروازے بھیڑ لیتے ہیں یعنی اس کی ضرورتیں پوری نہیں کرتے یہ حدیث سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی مقرر کیا جو لوگوں کی ضرورتیں ان تک پہنچاتا تھا (اس طرح لوگوں کی حاجتیں بھی امیر المومنین تک پہنچ گئیں اور زمانہ کے احوال کی بھی رعایت ہوگئی۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَقْضِي الْقَاضِيْ وَهُوَ غَضْبَانُ

باب ۷: قاضی غضب کی حالت میں فیصلہ نہ کرے

(۱۲۵۴) لَا يَحْكُمُ الْحَاكِمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ.

ترجمہ: تم دو آدمیوں کے درمیان اس وقت فیصلہ نہ کرنا جب تم غضب کی حالت میں ہو۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مدعی یا مدعی علیہ کی کسی بات پر قاضی کو غصہ آ جاتا ہے یا اور کسی شخص پر قاضی غضبناک ہوتا ہے پس اس حالت میں قاضی کو فیصلہ نہیں کرنا چاہئے غصہ میں دماغ کا ٹمپریچر ڈاؤن ہو جاتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ قوت عاقلہ کی کمزوری سے غصہ آتا ہے اور غصہ سے قوت عاقلہ کمزور ہوتی ہے غصہ اتنا ہو کہ حق اور باطل کے درمیان تمیز نہ کر سکے۔ اسی طرح ہر وہ چیز کہ جس سے حق اور باطل میں کما ینبغی امتیاز نہ کر سکے تو فیصلہ نہ کرے مثلاً شدۃ بھوک ہو شدۃ پیاس ہو یا غمگین ہو کسی وجہ سے یا کوئی اور وجہ ہو لیکن یہ حکم صرف امت کے لیے ہے حضور ﷺ کے لیے نہیں ہے اس لیے کہ حضور ﷺ غصہ کی حالت میں بھی کما ینبغی حق اور باطل میں امتیاز کر سکتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ مؤید بالوحی ہوتے ہیں لیکن امت کے لیے یہ تائید نہیں ہوتی اس لیے امتی کو ایسی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے الحاکم حاکم عام ہے قاضی ہو یا قاضی کے ماسواء ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ هَدَايَا الْاُمَرَاءِ

باب ۸: امراء (سرکاری اہلکاروں) کو ملنے والے تحائف کا حکم

(۱۲۵۵) بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ أَرْسَلَ فِيْ أَثَرِيْ فَرُدِدْتُ فَقَالَ أَتَدْرِيْ لِمَ بَعَثْتُ إِلَيْكَ لَا تُصِيْبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ إِذْنِيْ فَإِنَّهُ غُلُوْلٌ (وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) لِهٰذَا دَعَوْتُكَ فَامْضِ لِعَمَلِكَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے مجھے یمن بھیجا جب میں روانہ ہونے لگا تو آپ نے میرے پیچھے شخص بھیجا مجھے واپس بلوایا گیا آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلوایا ہے تم میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہوگی اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر قیامت کے دن آئے گا، اسی لئے میں نے تمہیں بلایا تھا اب تم کام کے لئے چلے جاؤ۔

تشریح: امراء کے پاس جو ہدیے آتے ہیں وہ ہدیے کم رشوت زیادہ ہوتی ہے اور ضروری نہیں کہ آج ہی ہدیہ دینے والے کو حاکم سے کوئی کام لینا ہو دو چار سال کے بعد بھی وہ کسی کام کے لیے کہہ سکتا ہے اس لیے امراء کو ہدایا نہیں لینے چاہئیں البتہ وہ لوگ جو اس کو امیر بننے سے پہلے ہدیے دیتے لیتے رہے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں، اسی طرح وہ اقارب جن کے ساتھ ہدیہ دینے لینے کا رواج ہے وہ بھی مستثنیٰ ہیں اور جو حکم ہدیہ کا ہے وہی حکم دعوت کا ہے اور اس سلسلہ میں آگے باب آ رہا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وزراء اور سربراہوں کو دوسرے ملک جانے پر جو ہدایا ملتے ہیں وہ بھی سرکاری مال ہیں کیونکہ ان کو وہ ہدیہ ملک کا صدر یا وزیر ہونے کی حیثیت سے ملا ہے مگر کوئی اپنا ہدیہ سرکاری خزانہ میں داخل نہیں کرتا خود رکھ لیتا ہے یہ خیانت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي فِي الْحُكْمِ

باب ۹: فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا

(۱۲۵۶) لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔

(۱۲۵۷) لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔

تشریح: رشوۃ ایسے عمل پر اجرت لینا جو عمل اجرت لینے والے کی اپنی ذمہ داری ہو باقی دینے اور لینے کا حکم مختلف ہے اگر مقصود کسی کے حق کا ابطال ہو تو لا یجوز دوسرے لفظوں میں اگر تحصیل منفعت ہو تو لا یجوز اگر دفع ظلم عن نفسہ مقصود ہو تو جائز ہے یہ حکم تو دینے والے کے لیے ہے لیکن لینے والے کے لیے ہر حال میں لا یجوز الراشی لینے والا المرتشی دینے والا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ وَاِجَابَةِ الدَّعْوَةِ

باب ۱۰: قضاۃ کا تحفہ قبول کرنا اور دعوت قبول کرنا

(۱۲۵۸) لو اُهْدِيَ اِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عليه لَاَجَبْتُ.

ترجمہ: اگر مجھے ایک پایہ (بکری وغیرہ کا پاؤں) تحفے کے طور پر دیا جائے، تو میں اسے قبول کرلوں گا، اور اگر اس کے لئے مجھے دعوت دی جائے تو میں دعوت کو قبول کرلوں گا۔

تشریح: کیونکہ حدیث میں ھدیۃ کا ذکر تھا اس لیے ہدیۃ کا ذکر بھی کر دیا اصل مقصود دعوۃ کو قبول کرنے کو بیان کرنا ہے حاکم کا کسی کی دعوت قبول کرنا اگر دعوۃ عام ہو تو جائز ہے خاص ہو تو شرکت لا یجوز۔ عامہ اور خاصہ میں ما بہ الامتیاز یہ ہے کہ اگر داعی کو قاضی کی عدم شرکت معلوم ہو جائے تو دعوت کو ملتوی نہ کرے تو یہ دعوت عامہ ہے اور اگر قاضی کی عدم شرکت پر دعوت ملتوی کر دے تو لا یجوز باقی حضور ﷺ کے متعلق یہ مقصود نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام: امراء کو جو تحفے عوام دیتے ہیں وہ درحقیقت رشوت ہوتے ہیں اس لیے جائز نہیں یہی حکم دعوت قبول کرنے کا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی التَّشْدِیْدِ عَلٰی مَنْ یُقْضٰی لَهٗ بِشَیْءٍ لَیْسَ لَهٗ اَنْ یَاْخُذَهٗ

باب ۱۱: جس شخص کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ ہو جائے (جو غلط ہو) تو اس شخص کے لئے اس چیز کو لینا درست نہیں ہے، اس بارے میں شدت سے تاکید

(۱۲۵۹) اِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَّکُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاِنْ قَضَیْتُ لِاَحَدٍ مِّنْکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِیْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ فَلَا یَاْخُذْ مِنْهُ شَیْئًا.

ترجمہ: تم لوگ میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو میں ایک انسان ہوں ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی ایک اپنی دلیل پیش کرنے میں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ تیز زبان ہو تو اگر میں کسی شخص کے حق میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں نے اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے تو وہ اسے وصول نہ کرے۔

تشریح: عدالت میں ایک مقدمہ چلا قاضی نے اس کے سامنے جو شواہد و دلائل آئے ان کے پیش نظر فیصلہ کر دیا مگر نفس الامر میں چیز جس کو دلائی ہے اس کی نہیں ہے تو قاضی کے فیصلے کے باوجود وہ چیز اس کے لیے حلال نہیں اگر وہ اس کو لے گا تو اس حدیث میں اس کے لیے سخت وعید آئی ہے کیونکہ قاضی اگرچہ حقیقت حال سے واقف نہیں مگر صاحب معاملہ تو جانتا ہے کہ چیز اس کی نہیں۔

باب ماجاء فی التشدید علی من یقضی الخ

باب ۱۲: دعویٰ کرنے والے کا ثبوت پیش کرنا لازم ہے

(۱۲۶۰) جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِّنْ کِنْدَةَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ الْحَضْرَمِیُّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِیْ عَلٰی اَرْضٍ لِّیْ فَقَالَ الْکِنْدِیُّ هِیَ اَرْضِیْ وَفِیْ یَدِیْ لَیْسَ لَهٗ فِیْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِلْحَضْرَمِیِّ اَلَکَ بَیِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَکَ یَمِیْنُهٗ قَالَ یَا رسولَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَّا یُبَالِیْ عَلٰی مَا حَلَفَ عَلَیْهِ وَلَیْسَ یَتَوَرَّعُ مِنْ شَیْءٍ قَالَ لَیْسَ لَکَ مِنْهُ اِلَّا ذٰلِکَ قَالَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِیَحْلِفَ لَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰی مَالِکَ لِیَاْکُلَهٗ ظُلْمًا لَیَلْقَیَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ.

ترجمہ: حضر موت سے ایک شخص اور کندہ سے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرمی شخص نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ اس شخص نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ کندی نے عرض کی۔ وہ میری زمین ہے، وہ میرے پاس ہے اس کا اس زمین میں کوئی حق نہیں ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرمی سے دریافت کیا۔ کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے اس نے عرض کی نہیں، تو نبی اکرم ﷺ نے دوسرے فریق سے کہا پھر تم قسم اٹھا لو حضرمی نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ ایک گنہگار شخص ہے یہ اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ کس بات پر قسم اٹھا رہا ہے یہ کسی بات سے جھجکتا نہیں ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے لئے صرف

یہی ہوسکتا ہے راوی بیان کرتے ہیں۔ وہ شخص قسم اٹھانے کیلئے تیار ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر اس نے تمہارے مال پر اس لئے قسم اٹھائی ہے تا کہ اسے ظلم کے طور پر ہتھیا لے تو جب یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منہ پھیرا ہوگا (یعنی ناراض ہوگا)۔

(۱۲۶۱) فِیْ خُطْبَتِهٖ اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ.

ترجمہ: دعویٰ کرنے والے پر ثبوت پیش کرنا لازم ہے اور جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہو اس کا قسم اٹھانا لازم ہے۔

(۱۲۶۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰی اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے یہ فیصلہ دیا ہے، دعویٰ کرنے والے پر ثبوت پیش کرنا لازم ہے جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہو اس کا قسم اٹھانا لازم ہے۔

مذاہب فقہاء: قضاء القاضی بشهادة الزور: قضاء قاضی بشہادۃ الزور آیا صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے یا باطناً بھی نافذ ہوگی؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا یا ظاہراً اور باطناً دونوں طرح سے اس میں دو مذہب ہیں۔

① عندالاحناف ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوگی فریقین میں سے جس کے حق میں فیصل کیا گیا ہے۔

امام صاحب کا استدلال: کتاب الاصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے ہے وہ یہ کہ ایک آدمی نے عورت کو نکاح کا پیغام دیا اس نے انکار کر دیا پھر اس آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ یہ میری منکوحہ ہے اور بینہ پیش کر دیئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منکوحہ ہونے کا فیصلہ کر دیا پھر اس عورت نے کہا کہ میں یقیناً جانتی ہوں کہ یہ آدمی کاذب ہے لیکن جب آپ نے فیصلہ کر ہی دیا ہے تو پھر میرا اس کے ساتھ نکاح کروا دیں تا کہ حرام کا ارتکاب نہ ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاهداك زوجاك کہ شہادت سے اب واقعہ نکاح نفس الامر میں آ گیا نکاح جدید کی ضرورت نہیں۔

شرائط: لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قضاء قاضی کے باطناً نافذ ہونے کے لیے پانچ شرائط ہیں:

① کہ قاضی کا فیصلہ عقود یا فسوخ ہو یعنی عقد کرنے یا عقد کو فسخ کرنے کا دعویٰ ہو۔

② املاک مرسلہ کا دعویٰ نہ ہو املاک مرسلہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی شئی کے بارے میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے لیکن سبب ملکیت کو بیان نہ کرے۔

③ کہ وہ معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو یعنی اس بات کا احتمال ہو کہ وہ عقد اب قائم کر دیا جائے مثلاً معاملہ نکاح ہو۔

④ کہ وہ محل قابل للعقد ہو مثلاً اجنبیہ کے بارے میں نکاح کا دعویٰ کرنا۔

⑤ کہ قاضی نے بینہ کی بنیاد پر یا مدعیٰ علیہ کے نکول عن الیمین کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو ان شرائط کے ساتھ قضاء قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہوگا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ ہونا ضروری نہیں۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تم میں سے کسی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ دے دوں لیکن حقیقت میں وہ دوسرے کا حق ہو تو وہ اس کے حق میں آگ کا ٹکڑا ہوگا لہٰذا کسی آدمی کو ایسی چیز نہیں

لینی چاہیے اس سے معلوم ہوا کہ قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگی نہ کہ باطناً۔

جواب: یہ حدیث املاک مرسلہ کے بارے میں ہے عقد اور فسخ سے متعلق نہیں اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ حدیث ابو داؤد میں بھی مذکور ہے اور اس میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ معاملہ میراث کا تھا اور میراث کے اندر انشاء کا احتمال نہیں ہے اس لیے اس میں آپ کا فیصلہ ظاہراً نافذ ہوا نہ کہ باطناً۔

فائدہ: چند باتیں اس سلسلے میں ذہن میں رکھنا ضروری ہیں جن کے ذہن میں نہ ہونے کی وجہ سے حنفیہ پر بکثرت اعتراضات کئے جاتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ حنفیہ کا اس مسلک کے اختیار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگوں کے لیے راستہ کھول دیا گیا ہے کہ لوگ جھوٹے دعوے کر کے اور جھوٹے گواہ پیش کر کے ناجائز طور پر لوگوں کے اموال پر قبضہ کر کے ان کو ہمیشہ کے لیے اپنا بنالیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اگر چہ وہ عورت اس فیصلے کے نتیجے میں اس کی منکوحہ تو ہوگئی لیکن پھر بھی اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا جب تک وہ اس عقد کو فسخ کر کے از سر نو نیا عقد صحیح نہ کرے یہ باتیں اگر چہ کہیں منقول تو نہیں دیکھیں لیکن قواعد کا تقاضہ یہی ہے۔

ملکیت میں ہونے سے انتفاع کا حلال ہونا لازم نہیں آتا وطی کرنا اس لیے حلال نہیں ہوگا کہ محل کا مملوک ہونا یہ ایک چیز ہے اور اس سے انتفاع کا جائز ہونا دوسری چیز ہے ہوسکتا ہے کہ ایک محل مملوک ہو لیکن اس سے انتفاع جائز نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے بیع فاسد کے ذریعہ ایک جاریہ خریدی اور اس بیع کے نتیجے میں اس جاریہ پر اس شخص کی ملکیت ثابت ہوگئی اور وہ محل ملک میں آگیا لیکن انتفاع کرنا اس جاریہ سے حلال نہیں بلکہ اس کے لیے حکم یہ ہے کہ بیع فسخ کرے اور از سر نو صحیح طریقے سے بیع کرے تب اس جاریہ سے انتفاع کرنا حلال ہوگا اس میں آپ نے دیکھا کہ محل مملوک ہے لیکن انتفاع حلال نہیں ہے اسی طرح ایک عورت حیض میں ہے اس صورت میں بھی محل مملوک ہے لیکن اس حالت میں انتفاع حلال نہیں ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک خبث کی کئی قسمیں ہیں ایک خبث محل، ایک خبث بدل، ایک خبث کسب، زیر بحث مسئلے میں خبث کسب پایا جارہا ہے کیونکہ ناجائز طریقے سے ایک چیز حاصل کی گئی ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ حرام اختیار کیا گیا ہے اگر چہ وہ چیز ملک میں آگئی ہے لیکن اس سے انتفاع حلال نہیں جب تک حلال طریقے سے دوبارہ اپنی ملکیت میں نہ لائے۔

العرف الشذی میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ خبث صرف ایک مرتبہ کا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کا ہے مستمر ہوگا اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے لیے انتفاع جائز نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ ابھی بیان کیا اس کی تفصیل علامہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ادب القضاء کی شرح میں علامہ صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو یہ فرمایا کہ شاھداك زوجاك یعنی تیرے گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا اس لیے دوبارہ نکاح نہیں کرتا چنانچہ اس عورت اور مدعی نے وہاں سے واپس جانے کے بعد نکاح کرلیا یہ الفاظ آئے ہیں فتزوجا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کرنے سے کیوں انکار کیا؟ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس عورت نے فیصلہ سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ اب میرا نکاح اس شخص سے کر دیجئے تو آپ نے نکاح کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ ہے کہ اگر اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ خود دوبارہ نکاح کرتے تو یہ نکاح کرنا گویا ان کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہوتا کہ میں نے یہ فیصلہ غلط کیا کیونکہ جب ایک مرتبہ فیصلہ نافذ ہوگیا کہ وہ عورت اس کی منکوحہ ہے تو پھر دوبارہ نکاح کرنے کے تو کوئی معنی نہیں ہیں اس لیے قاضی خود دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا لیکن خود اس شخص کے ذمے دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ یہ واجب ہے کہ پہلے عقد کو طلاق کے ذریعہ ختم کرے اور پھر از سرنو دوبارہ نکاح کرے اس لیے اس مرد اور عورت نے دوبارہ نکاح کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اَنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِیْ وَالْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

باب: گواہ مدعی کے ذمے اور قسم مدعی علیہ کے ذمے

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْحَضْرَمِیُّ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِیْ عَلٰى اَرْضٍ لِیْ فَقَالَ الْكِنْدِیُّ هِیَ اَرْضِیْ وَفِیْ يَدِیْ لَيْسَ لَهٗ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِلْحَضْرَمِیِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِیْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَیْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذٰلِكَ قَالَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ لِيَحْلِفَ لَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِكَ لِيَاْكُلَهٗ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرموت اور کندہ سے ایک ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے میری زمین پر قبضہ کرلیا ہے جبکہ کندی نے عرض کیا۔ وہ میری زمین ہے، میرے ہاتھ میں ہے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرمی سے پوچھا: کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: پھر تم اس سے قسم لے سکتے ہو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ تو فاجر آدمی ہے قسم اٹھالے گا پھر اس میں پرہیز گاری بھی نہیں۔ فرمایا تم اس سے قسم کے علاوہ کچھ بھی نہیں لے سکتے۔ پس اس نے قسم کھائی اور جانے کے لیے مڑا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر اس نے تیرے مال پر قسم کھائی تاکہ اسے ظلماً کھائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔

مذاہب فقہاء: اس باب میں اور آئندہ باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قاضی کس طرح فیصلہ کرے گا؟

احناف کے نزدیک فیصلہ کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے اگر وہ گواہ پیش کردے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے اگر وہ قابل اعتماد ہوں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کردے اور مدعی گواہ پیش نہ کرسکے یا نا تمام پیش کرے یا وہ نا قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ گواہ کالعدم قرار دیئے جائیں اور قاضی مدعی علیہ کو قسم کھلائے اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کرے اور اگر وہ قسم کھالے تو اس کے حق میں فیصلہ کرے حنفیہ کے نزدیک فیصلہ کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک دوسرا طریقہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو اور وہ قابل اعتماد ہو تو قاضی مدعی سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم لے پھر اس کے حق میں فیصلہ کرے اس کا نام قضاء القاضی بشاهد واحد ویمین ہے

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل دوسرے باب میں آرہی ہے اس باب میں حنفیہ کی دلیل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گواہ مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے (یہ حدیث باب میں ہے) اس حدیث میں نبی ﷺ نے تقسیم فرمائی ہے پس گواہ اور قسم جمع نہیں ہوں گے یہ تقسیم کے منافی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ

باب ۱۳: ایک گواہ کے ہمراہ قسم اٹھانا

(۱۲۶۳) قَضٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ رَبِيْعَةُ وَاَخْبَرَنِي ابْنٌ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ وَجَدْنَا فِي كِتَابِ سَعْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ کے ہمراہ قسم کے ذریعے فیصلہ کر دیا تھا۔ ربیعہ نامی راوی بیان کرتے ہیں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے یہ بات مجھے بتائی ہے، وہ یہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تحریر میں یہ بات پائی ہے: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ اور قسم کے ذریعے فیصلہ دیا تھا۔

(۱۲۶۴) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ کے ہمراہ قسم کے ذریعے فیصلہ کر دیا تھا۔

(۱۲۶۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِالْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ وَقَضٰى بِهَا عَلِيٌّ فِيْكُمْ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک گواہ کے ہمراہ قسم کے ذریعے فیصلہ کر دیا تھا۔

مذاہب فقہاء: ① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک: یہ ہے کہ مدعی کے لیے اپنے دعویٰ کے ثبوت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کرنا ضروری ہے اگر مدعی نے صرف ایک گواہ پیش کیا تو صرف تنہا ایک گواہ کی گواہی پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ چاہے مدعی قسم کھانے کو بھی تیار ہو۔

② کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قضاء بالشاھد والیمین جائز ہے اور حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

احناف کی دلیل: ① قرآن کریم کی آیت سے استدلال کرتے ہیں فرمایا: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الطلاق: ۲) ان دونوں آیتوں میں گواہوں کے لیے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ نصاب شہادت دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں اس بارے میں کوئی مزید تفصیل قرآن کریم میں بیان نہیں فرمائی۔ مستقل طور پر نصاب شہادت بیان فرمایا۔

دوسرا استدلال: پچھلے باب کی اس حدیث سے ہے: البنیة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه اس حدیث میں حضور ﷺ نے بینہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری اور اس کا وظیفہ قرار دیا ہے اور یمین مدعا علیہ کا وظیفہ قرار دیا گویا کہ دونوں کے وظائف

کی تقسیم فرمادی اور تقسیم شرکت کے منافی ہے لہٰذا مدعا علیہ سے بینہ اور گواہ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا اور مدعی سے یمین کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا جبکہ قضاء بالشاھد والیمین میں مدعی سے یمین کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو اس حدیث کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل: وہ واقعہ ہے جو نسائی اور ابوداؤد میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک اونٹ خریدا اور پیسے طے ہوگئے پھر آپ نے اس اعرابی سے فرمایا کہ میرے ساتھ گھر چلو گھر سے تمہیں پیسے دے دوں گا چنانچہ آپ تیزی سے آگے آگے گھر کی طرف روانہ ہوگئے اور وہ اعرابی آپ کے پیچھے اونٹ کو لیے ہوئے سست رفتاری سے چلنے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضور ﷺ زیادہ آگے نکل گئے اور وہ اعرابی پیچھے رہ گیا راستے میں اس کو کچھ لوگ ملے اور اس سے اونٹ کا سودا کرنے لگے اعرابی نے دور سے حضور ﷺ کو پکارتے ہوئے کہا آپ اونٹ خرید رہے ہو یا میں دوسرے کو فروخت کردوں؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ اونٹ تم سے خرید چکا ہوں اور پیسے ادا کرنے کے لیے گھر کی طرف جارہا ہوں کیا میں نے تم سے یہ اونٹ نہیں خرید لیا؟ اس اعرابی نے کہا کہ آپ نے ابھی نہیں خریدا اور اگر آپ نے خریدا ہے تو کوئی گواہ لائیں اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جو انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں وہاں پہنچ گئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یہ اونٹ خریدا ہے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم نے کیسے گواہی دے دی جبکہ تم اس وقت موجود نہیں تھے؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تو اس سے بڑی بات میں آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے وہ یہ کہ آپ کے پاس جبرئیل امین علیہ السلام آتے ہیں آپ کے پاس وحی آتی ہے آپ نے جنت اور دوزخ دیکھی ہے میں نے ان باتوں میں آپ کی تصدیق کی ہے ان کے مقابلے میں یہ تو بالکل معمولی بات ہے چونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ اونٹ خریدا ہے بس اس پر میں نے گواہی دے دی حضور ﷺ نے ان کے اس جذبے کی قدر کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ تمہاری گواہی دو آدمیوں کے قائم مقام ہوگی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام میں امتیازی مقام حاصل تھا کہ ان کی ایک آدمی کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے قائم مقام تھی اس وجہ سے ان کا لقب صاحب الشہادتین مشہور ہوگیا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ نصاب شہادت دو آدمی ہیں اگر ایک آدمی کی گواہی کافی ہوتی تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی کوئی امتیازی خصوصیت نہ ہوتی ان کی خصوصیت اسی وقت ہوسکتی ہے جب یہ کہا جائے کہ دوسرے لوگوں سے تو دو گواہوں کا مطالبہ ہے لیکن حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کو گواہی کے معاملے میں دو آدمیوں کے قائم مقام قرار دے دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بینہ میں نصاب شہادت کا پورا ہونا ضروری ہے۔

لیکن بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں پورا نصاب شہادت مہیا کرنا ممکن نہیں ہوتا مثلاً جنگل اور بیابان میں ایک معاملہ ہوا اب ظاہر ہے کہ وہاں نصاب شہادت کا پورا کرنا مشکل ہے تو ایسے خاص اعذار کی حالت میں جن کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ وہاں تحمل شہادت کے وقت ایک سے زائد افراد کو گواہ بنانا ممکن نہیں تھا ان مقامات پر حضور ﷺ نے قضاء بالشاھد والیمین کی اجازت دی ہے یہ ایک استثنائی صورت ہے اور حدیث باب کے ذریعہ اس صورت کو اصل حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

حنفیہ کا یہ جو اصول ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی:

اس کا مطلب یہ ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ کے حکم کو بالکلیہ منسوخ کرنا یا کتاب اللہ کے حکم میں خبر واحد سے تقیید یا تخصیص پیدا کرنا تو درست نہیں لیکن اگر کوئی مستقل مسئلہ ہے جو قرآن کریم میں مسکوت عنہ ہے اس مسکوت عنہ کو اگر خبر واحد بیان کردے تو

اس کو قرآن کریم پر زیادتی نہیں کہتے خود فقہاء حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عذر کی حالت میں نصاب شہادت کیا ہو؟ یہ صورت قرآن کریم میں مسکوت عنہ تھی حدیث باب نے اس کو بیان فرمادیا۔ جس کی وجہ سے نہ تو قرآن کریم کے حکم کی تنسیخ ہوئی اور نہ اس کی وجہ سے تقیید اور تخصیص ہوئی اس طرح حضور ﷺ نے عذر کی حالت میں قضاء بالشاهد واليمين کی اجازت دے دی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بعض معاملات میں نہ صرف ایک مرد کی بلکہ ایک عورت کی گواہی بھی قبول ہے مثلاً ایسے عیوب جن پر عورتوں کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوتا ان میں ایک عورت کی گواہی قبول ہے اسی طرح بچے کی پیدائش پر صرف دایہ کی گواہی بھی قبول ہے۔ اور قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورتیں قرآن کریم میں مسکوت عنہم ہیں اور قیاس کی بنیاد پر ایسی صورتوں کا استثناء ہوسکتا ہے تو حدیث کی بنیاد پر بطریق اولی استثناء ہوسکتا ہے لہٰذا عذر کی حالت میں شاہد اور یمین کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی گنجائش ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: یہی احادیث ہیں رضی اللہ عنہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ الخ تینوں کا قدر مشترک یہ ہے: قضی بیمین واحد وشاهد نبی کریم ﷺ نے مدعی کے ایک گواہ موجود ہونے کی صورت میں مدعی سے قسم لی اور اس قسم کو دوسرے گواہ کے قائم مقام سمجھ کر مدعی کے حق میں فیصلہ کردیا۔

جواب ①: حدیث البينة على المدعى یہ مشہور تو ہے ہی بلکہ قریب الی التواتر ہے اور قضی بیمین وشاہد والی جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب کی سب خبر واحد ہیں لہٰذا مشہور بلکہ قریب الی التواتر کے معارض جو خبر واحد ہو وہ متروک العمل ہوتی ہے۔

جواب ②: یہ آیت قرآنیہ کے بھی معارض ہے: ﴿فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ... الخ﴾ یہ اس بات پر دال ہے کہ اگر مدعی کے پاس دو مرد گواہ نہ ہوں بلکہ ایک مرد ہو تو دو عورتیں دوسرے گواہ کی جگہ گواہی دیں اگر دوسرے گواہ کی ضرورت نہ ہوتی ایک کے ہوتے ہوئے مدعی سے قسم لی جاسکتی تو اتنی لمبی چوڑی عبارت کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ یوں ہونا چاہیے تھا: فان لم یکونا رجلین فاقضوا بیمین مع بینة. چنانچہ ابوالزناد اور ابن شبرمہ کا اسی پر مناظرۃ ہوا ابوالزناد کی رائے یہ تھی قضی بیمین وشاهد. جائز ہے اور ابن شبرمہ کی رائے یہ تھی کہ لا یجوز اور اس پر ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے یہی دلیل پیش کی کہ اگر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے تو آیت کریمہ یوں ہونی چاہیے تھی فان لم یکونا رجلین فرجل ویمین تو اتنی لمبی چوڑی آیت نہ ہوتی۔

جواب ③: البينة على المدعى الخ قولی حدیث ہے اور یہ فعلی ہے الخ۔

جواب ④: البينة على المدعى... الخ یہ قاعدہ کلیہ ہے اور قضی بیمین وشاهد ایک واقعہ جزئیہ ہے اور مسئلہ کی بناء قاعدہ کلیہ پر رکھنی چاہیے نہ کہ واقعہ جزئیہ پر۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الْعَبْدِ یَكُوْنُ بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَیُعْتِقُ اَحَدُهُمَا نَصِیْبَهٗ

باب ۱۴: وہ غلام جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کردے

(۱۲۶۶) مَنْ اَعْتَقَ نَصِیْبًا اَوْ قَالَ شِقْصًا اَوْ قَالَ شِرْكًا لَهٗ فِیْ عَبْدٍ فَكَانَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ مَا یَبْلُغُ ثَمَنَهٗ بِقِیْمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِیْقٌ وَّاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ.

ترجمہ: جو شخص اپنے حصے کو آزاد کردے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ایک حصے کو آزاد کردے (راوی کو شک ہے، یا شاید یہ الفاظ ہیں) کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کردے اور اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو اس غلام کی عام قیمت تک پہنچتا ہو تو وہ غلام (اس شخص کی طرف سے) آزاد شمار ہوگا ورنہ اتنا حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے کیا ہے۔

(۱۲۶۷) مَنْ اَعْتَقَ نَصِيْبًا لَهٗ فِيْ عَبْدٍ فَكَانَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهٗ فَهُوَ عَتِيْقٌ مِّنْ مَالِهٖ.

ترجمہ: جو شخص کسی غلام میں اپنے حصے کو آزاد کردے اور اس کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ وہ اس غلام کی قیمت تک پہنچتا ہو، تو وہ غلام اس شخص کے مال میں سے آزاد شمار ہوگا۔

(۱۲۶۸) مَنْ اَعْتَقَ نَصِيْبًا اَوْ قَالَ شِقْصًا فِيْ مَمْلُوْكٍ فَخَلَاصُهٗ فِيْ مَالِهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ قُوِّمَ قِيْمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ يُسْتَسْعٰى فِيْ نَصِيْبِ الَّذِيْ لَمْ يُعْتِقْ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ: جو شخص کسی غلام میں (اپنے) حصے کو آزاد کردے تو اس غلام کی آزادی اس شخص کے مال میں سے ہوگی اگر اس شخص کے پاس مال موجود ہو اگر اس کے پاس مال موجود نہیں ہوگا تو اس غلام کی مناسب قیمت لگائی جائے گی پھر وہ اپنے اس بقیہ حصے کے لئے محنت مزدوری کرے گا جو آزاد نہیں ہوا، اس بارے میں اس کو مشقت کا شکار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: ابواب الاحکام پورے ہوگئے اب پھر ابواب البیوع یعنی ابواب المعاملات شروع ہوتے ہیں۔

اس باب میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی غلام دو یا زیادہ آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے کوئی ایک شریک اپنا حصہ آزاد کردے تو کیا صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا یا سارا غلام آزاد ہوجائے گا؟ اس سلسلہ میں پہلے دو مسئلے جان لیں۔

پہلا مسئلہ: عتق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ ① امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجزی ہوتا ہے۔

② صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا۔

③ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کبھی متجزی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

غرض: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عتق ہر حال میں متجزی ہوتا ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کسی حال میں متجزی نہیں ہوتا اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو عتق متجزی نہیں ہوتا یعنی اس صورت میں سارا غلام آزاد ہوجاتا ہے اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہوتا ہے اس صورت میں عتق متجزی ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: جن ائمہ کے نزدیک عتق متجزی ہوتا ہے ان میں اختلاف ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ غلامی میں برقرار رہے گا یا وہ بھی ثانی حال میں (بعد) میں آزاد ہوجائے گا؟

① امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اب وہ غلام غلامی میں باقی نہیں رہ سکتا۔

② ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دوسرے شریک کا حصہ بدستور غلامی میں باقی رہے گا اور یہیں سے اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوگیا کہ غلام پر سعایہ (کمانا) ہے یا نہیں؟ احناف کے تینوں ائمہ رحمۃ اللہ علیہم سعایہ کے قائل ہیں اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم سعایہ کے قائل نہیں۔

اور تین مذاہب ہیں:

① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عتق تجزی کو قبول کرتا ہے اور بعض صورتوں میں غلام پر سعایہ بھی واجب ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہوا یک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اب وہ معتق دو حال سے خالی نہیں معسر ہے یا موسر۔ اگر موسر ہے تو شریک ساتھی کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ ① وہ اپنا حصہ بھی آزاد کر دے۔ ② معتق پر ضمانت لازم کر دے۔ ③ غلام سے سعایہ کرائے اور اگر معتق معسر ہے تو اس صورت میں شریک ساتھ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: (۱) اپنا حصہ آزاد کر دے۔ (۲) غلام سے سعایہ کرائے۔

دلیل اوّل: زیر بحث باب کی روایت ہے: **وفیه فقد عتق منه ما عتق** اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ معتق نے جتنا غلام آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوا اس سے معلوم ہوا کہ عتق کے اندر تجزی ہو سکتی ہے۔

دلیل ثانی: زیر بحث باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ **وفیه ثم یستسعی فی النصیب الذی لم یعتق غیر مشقوق علیه** اس جملے کے اندر صراحتاً یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر معتق تنگ دست ہے تو غلام سے سعایہ کرایا جائے گا۔

② امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر معتق موسر ہے تو اس صورت میں عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا بلکہ معتق پر ضمانت لازم ہوگی اور غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر معتق معسر ہے تو اس صورت میں عتق تجزی کو قبول کرتا ہے اور ان کے نزدیک غلام پر سعایہ نہیں ہوگا اور یہ غلام ایک دن آزاد ہوگا اور ایک دن غلامی کرے گا۔

③ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عتق تجزی کو قبول نہیں کرتا اگر معتق موسر ہے تو اس پر ضمانت لازم ہوگی اور اگر معسر ہے تو غلام پر سعایہ واجب ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَى

باب ۱۵: لفظ عمریٰ سے جائداد دینے کا بیان

(۱۲۶۹) الْعُمْرَى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا أَوْ مِيرَاثٌ لِأَهْلِهَا.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عمریٰ اس کے مالکان کے لئے جائز ہے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جن کے لئے کیا گیا ہے ان کو میراث (کے طور پر) ملے گا۔

(۱۲۷۰) أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرَى لَهُ وَلِعَقِبِهِ فَإِنَّهَا لِلَّذِي يُعْطَاهَا لَا تَرْجِعُ إِلَى الَّذِي أَعْطَاهَا لِأَنَّهُ أَعْطَى عَطَاءً وَّقَعَتْ فِيهِ الْمَوَارِيثُ.

ترجمہ: جس شخص کو کوئی چیز عمریٰ کے طور پر دی گئی ہو، تو وہ اس کی ملکیت ہوگی یا پسماندگان کی ملکیت ہوگی بے شک وہ چیز اس کی ہوگی جسے دی گئی ہے، جس شخص نے دی ہے، وہ اسے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے اس طریقے سے دی ہے: جس میں وراثت کا حکم جاری ہو جائے گا۔

تشریح: یہ دو باب آپ کے کام کے نہیں ہیں یہ دونوں باب عربی معاشرہ کے لیے ہیں جہاں عربی بولی جاتی ہے دو لفظ ہیں عمری اور رقبی جب کوئی شخص کسی کو کوئی جائداد دے اور یہ الفاظ استعمال کرے مثلاً کہے: ھذہ الدار لك عمری یا کہے ھذہ الدار لك رقبی یا کہے اعمرتك ھذہ الدار یا کہے ارقبتك ھذہ الدار تو یہ ہبہ ہے یا عاریت ہے؟

جواب اس کا مدار عرف پر ہے اگر عرف میں ان لفظوں کا مفہوم ہبہ ہے تو جائداد ہبہ ہے اور معمرلہ (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) اس جائداد کا مالک ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء مالک ہونگے اور اگر ان لفظوں کا مفہوم عاریت ہے تو معمر زندگی بھر اس جائداد سے فائدہ اٹھائے گا اس کی وفات کے بعد وہ جائداد معمر (جائداد دینے والے) یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گی اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف عرف پر مبنی ہے کیونکہ عرف بدلتا رہتا ہے۔

اس باب میں عمری کا بیان ہے۔ عمری کی تین صورتیں ہیں جو آدمی عمری دے اس کو معمر کہتے ہیں اور جس آدمی کو عمری دیا جائے اس سے معمرلہ کہتے ہیں اور جو چیز دی جائے اس سے عمری کہتے ہیں:

① معمر کہے اعمرتك ھذہ الدار وھی لك ولعقبك یعنی یہ گھر تمہیں عمری کے طور پر دے دیا یہ تمہارا اور تمہارے وارثوں کا ہے۔

② معمر کہے داری لك عمری ماعشت فان مت فھی راجعة الی یعنی میں اپنا گھر تمہیں عمری کے طور پر دیتا ہوں جب تک تم زندہ ہو اور جب تمہارا انتقال ہو جائے تو میرے پاس واپس آ جائے گا۔

③ معمر کہے اعمرتك ھذہ الدار کہ میں نے عمری کے طور پر اپنا یہ گھر دیدیا اور یہ تصریح نہ کی کہ معمرلہ کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

عمری کا حکم کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں:

① امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تینوں صورتوں میں عمری عاریت پر محمول ہے پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ معمرلہ کے مرنے کے بعد ورثاء اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں جبکہ ملکیت ان کی طرف منتقل نہیں ہوگی دوسری صورت میں معمر نے تصریح کر دی ہے کہ معمرلہ کے مرنے کے بعد وہ میرا ہوگا اور تیسری مطلق ہے وہ بھی اسی پر محمول ہوگی۔

دلیل: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: وفیه العمری جائزة لاهلها نبی ﷺ نے ان الفاظ کے ذریعہ عمری کو جائز قرار دیا اور اس زمانے میں عمری کا مفہوم یہ تھا کہ عمری عاریت ہے ہبہ نہیں اور عاریت کسی نہ کسی وقت واپس آ جاتی ہے تو گویا عمری کا عاریت ہونا تقریر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

جواب: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا آئندہ جو بھی آدمی عمری کرے گا وہ ہبہ سمجھا جائے گا اس باب کی دیگر روایات کے مضمون سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عمری تینوں صورتوں میں ہبہ ہے پہلی صورت میں اس کا ہبہ ہونا بالکل ظاہر ہے دوسری صورت میں اس لیے ہبہ ہوگا کہ واپسی کی شرط فاسد ہے عمری صحیح ہو جائے گی اور شرط لغو ہو جائے گی جب اس صورت میں ہبہ ہے تو تیسری صورت میں بطریق اولی ہبہ ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کو له ولعقبه کہہ کر عمری دیا گیا تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کو دیا گیا ہے اب وہ دینے والے کی طرف کبھی نہیں لوٹے

گا اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ عمری ہبہ ہے اور وہ معمر کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور مسند احمد کی ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ ہیں وہ یہ کہ لاتفسدوا علیکم اموالکم من اعمر عمری فھی لہ ولورثتہ یعنی اپنے اموال کو خراب مت کرو اور جو شخص آئندہ کرے گا وہ اس کو اور اس کے ورثاء کو ملے گا ان احادیث سے صاف واضح ہو رہا ہے۔ کہ حضور ﷺ نے سابقہ رائج طریقے کی تقریر نہیں فرمائی بلکہ اس میں تبدیلی فرمائی اور اس کو عاریت کی بجائے آپ ﷺ نے ہبہ قرار دیا۔

البتہ یہ سارا اختلاف اور ساری تفصیل اس وقت ہے جب کوئی شخص صرف عمری کا لفظ تنہا استعمال کرے مثلاً یوں کہے: اعمرتك هذه الدار یا داری لك عمری لیکن اگر کوئی عمری کی بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرے مثلاً یہ کہے: داری لك ماعشت تو اس صورت میں بڑھا دیا تو اس صورت میں بھی عاریت ہے ہبہ نہیں ہے اس لیے معمر لہ کے انتقال کے بعد وہ مکان معمر کی طرف لوٹ آئے گا۔

امام ترمذی کا تسامح: یہاں پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذاہب کے بیان کرنے میں تھوڑا سا خلط کر دیا ہے، پہلی صورت جس میں یہ الفاظ کہے: هی لك حیاتك ولعقبك۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہبہ ہو جائے گا حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ہبہ نہیں ہوگا بلکہ عاریت ہوگا اور صرف منفعت منتقل ہو جائے گی یہ بھی اس وقت تک عاریت ہوگا جب تک ورثا باقی رہیں گے اور جب ورثا کا انتقال ہو جائے گا تو اس کے بعد وہ مکان معمر یا اس کے ورثا کو واپس مل جائے گا امام ترمذی رحمہ اللہ سے ایک تسامح تو یہ ہوا۔

دوسرا تسامح یہ ہوا کہ اوپر کی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر معمر نے ولعقبہ نہیں کہا تو اس صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق وہ مکان معمر کی طرف واپس لوٹ جائے گا حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح قول یہ ہے کہ واپس لوٹ کر نہیں جائے گا بلکہ ہر حال میں ہبہ منعقد ہو جائے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الرُّقْبٰى

باب ۱۶: لفظ رقبیٰ سے جائداد دینے کا حکم

(۱۲۷۱) اَلْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِاَهْلِهَا وَالرُّقْبٰى جَائِزَةٌ لِاَهْلِهَا.

ترجمہ: جس شخص کو عمریٰ کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو یہ اس کے لئے جائز ہے اور جس شخص کو رقبیٰ کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہو یہ اس کے لئے جائز ہے۔

تشریح: رقبیٰ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حکم عاریت کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے ہبہ منعقد ہو جائے گا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ ہے کہ رقبیٰ باطل ہے یعنی یہ الفاظ کہنے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور وہ مکان بدستور رقبیٰ کرنے والے کی ملکیت میں رہے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ صورت عذر کو مستلزم ہے جب تک ان

دونوں میں سے ایک کا انتقال نہیں ہوگا اس وقت تک یہ معاملہ لٹکا رہے گا لہٰذا غدر پائے جانے کی وجہ سے یہ معاملہ باطل ہے جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے جس میں فرمایا کہ الرقبی جائزۃ لاھلھا اس کے معنی وہ نہیں ہیں جو آپ نے بیان کیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ کہا: ارقبتك هذه الدار تو اس کے معنی یہ ہیں اعطیتك رقبة هذه الدار یعنی یہ مکان پوی زمین سمیت تمہیں دے دیا ہے اسکے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ الرقبی جائزۃ لاھلھا لہٰذا اگر کوئی شخص ارقبتك کے لفظ سے ہبہ کرے گا تو عمری کی طرح ہبہ منعقد ہو جائے گا لیکن جہاں رقبی کے وہ معنی مراد ہوں جس میں غدر پایا جاتا ہو تو وہ رقبی باطل ہے۔

بَابُ مَاذُکِرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِی الصُّلْحِ بَیْنَ النَّاسِ

باب ۱۷: لوگوں کے درمیان صلح کرنے کا بیان

(۱۲۷۲) اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا وَّالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا.

ترجمہ: لوگوں کے درمیان صلح کروانا جائز ہے صرف اس صلح کا حکم مختلف ہے جو کسی حلال کو حرام کردے یا کسی حرام کو حلال کردے اور مسلمان اپنی شرائط پوری کریں گے ماسوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال کردے۔

تشریح: اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جب مسلمان کسی جھگڑے میں باہمی مصالحت کریں تو وہ جن شرطوں پر بھی مصالحت کریں جائز ہے البتہ حکم شریعت کے خلاف کوئی مصالحت جائز نہیں بس اس ایک بات کا خیال رکھ کر ہر شرط پر مصالحت جائز ہے اور ہر فریق پر ان شرطوں کو پورا کرنا لازم ہے جو شریعت کے خلاف نہیں۔

صلح کی تین قسمیں ہیں: ① صلح عن الاقرار ② صلح عن السکوت ③ صلح عن الانکار.

صلح عن الاقرار: یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے حق کا اقرار کر لیتا ہے۔ صلح عن السکوت یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے حق کا نہ اقرار کرتا ہے اور نہ انکار کرتا ہے۔

صلح عن الانکار: یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے حق کا انکار کردے عندالاحناف تینوں صورتوں میں صلح صحیح ہے اور شوافع کے ہاں صلح عن الاقرار تو صحیح ہے لیکن صلح عن السکوت اور صلح عن الانکار صحیح نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ جب مدعی علیہ کے حق کو تسلیم نہیں کر رہا یا سکوت اختیار کر رہا ہے مدعی علیہ کے لیے صلح سے پہلے وہ مال لینا جائز نہیں تھا اب صلح کر لی تو وہ مال جو پہلے لینا حرام تھا اب اس کو حلال کیا ہے اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ صلح عن السکوت اور صلح عن الانکار صحیح نہیں ہیں۔

جواب: حرام سے مطلق حرام مراد نہیں ہے بلکہ حرام بعینہ مراد ہے مثلاً مدعی علیہ کہے میں صلح کرتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ اتنی شراب دی جائے گی یا تو زوجہ کہے کہ میں صلح کروں گی اس شرط پر کہ تم سوکن کے قریب نہ جاؤ گے وہ حدیث کا مصداق ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الرَّجُلِ یَضَعُ عَلٰی حَائِطِ جَارِہٖ خَشَبًا

باب ۱۸: پڑوسی کی دیوار پر شہتیر لگائے

(۱۲۷۳) اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدَکُمْ جَارُہٗ اَنْ یَّغْرِزَ خَشَبَہٗ فِیْ جِدَارِہٖ فَلَا یَمْنَعْہُ فَلَمَّا حَدَّثَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ طَاْطَئُوْا رُؤُسَھُمْ فَقَالَ مَالِیْ اَرَاکُمْ عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ وَاللّٰہِ لَاَرْمِیَنَّ بِھَا بَیْنَ اَکْتَافِکُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جب کسی شخص کا پڑوسی اس سے یہ اجازت مانگے، کہ وہ اس کی دیوار میں اپنا شہتیر لگالے تو وہ شخص اسے منع نہ کرے۔

تشریح: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حق واجب ہے اگر کوئی شخص پڑوسی سے اس کی دیوار پر کڑی رکھنے کی اجازت مانگے تو پڑوسی پر واجب ہے کہ اپنی دیوار پر اس کو کڑی رکھنے دے ورنہ گناہ گار ہوگا دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حکم اخلاق ومروت کے باب سے ہے یعنی دیوار پر لکڑی رکھنے دینا مستحب ہے واجب نہیں۔

چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ظاہر پر حمل کیا اور نہی تحریم پر محمول فرمائی لیکن سامعین اس نہی کو تنزیہ اور حسن معاشرہ کی ترغیب پر حمل کررہے تھے اس لیے انہوں نے اپنے سر جھکالیے جس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور فرمایا: لَاَرْمِیَنَّ بِھَا ضمیر یا اس کلمہ کی طرف عائد ہے یا خشبہ کی جانب بین اکتافکم ای فی ظھورکم کمارمیت بھا فی وجوھکم میں اس بات کو یا اس شہتیر کو ضرور تمہارے کندھوں کے درمیان پھینک کررہوں گا یہ کنایہ ہوتا ہے علی الرغم سے یعنی تمہیں قبول ہو پسند ہو یا نہ ہو۔ حدیث کے مقابلے میں خاموش ہونا ہی سلامتی کی علامت اور ادب کا تقاضا ہے اس لیے وہ خاموش ہوگئے۔

بَابُ مَاجَاءَ اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلٰی مَایُصَدِّقُہٗ صَاحِبُہٗ

باب ۱۹: قسم (کا وہ مفہوم مراد ہوگا) جس کی تمہارا ساتھی تصدیق کرے

(۱۲۷۴) اَلْیَمِیْنُ عَلٰی مَایُصَدِّقُکَ بِہٖ صَاحِبُکَ وَقَالَ قُتَیْبَۃُ عَلٰی مَا صَدَّقَکَ عَلَیْہِ صَاحِبُکَ۔

ترجمہ: قسم کا وہ معنی مراد ہوگا جس میں تمہارا ساتھی تمہاری تصدیق کرے۔

تشریح: اس باب میں لوگ جو قسمیں آپس میں کھاتے ہیں وہ زیر بحث نہیں بلکہ عدالت میں جو قسم کھائی جاتی ہے اس کا بیان ہے اگر مدعی علیہ قسم میں توریہ کرے تو اس کا اعتبار نہیں مدعی جس بات پر قسم کھلا رہا ہے اسی پر قسم محمول ہوگی مثلاً ایک شخص پر کسی کا پیسوں کا مطالبہ ہے مدعی علیہ کہتا ہے وہ قلاش ہے اور مدعی کہتا ہے کہ اس کے پاس پیسے ہیں قاضی نے مدعی سے ثبوت مانگا مگر وہ گواہوں سے ثابت نہ کرسکا تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی اس نے قسم کھائی میرے پاس پیسے نہیں اور مراد لی میری جیب میں پیسے نہیں یہ توریہ غیر معتبر ہے اور مدعی جو قسم کھا رہا ہے کہ اس کی ملک میں پیسے ہیں یا نہیں؟ وہی قسم ہوجائے گی اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا البتہ اگر قسم کھانے والا مظلوم ہو تو احناف کے نزدیک توریہ کی گنجائش ہے ظالم ہو تو گنجائش نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الطَّرِیْقِ إِذَا اخْتُلِفَ فِیْهِ: کَمْ یُجْعَلُ؟

باب ۲۰: جب راستے کے بارے میں اختلاف ہو جائے، تو اسے کتنا رکھا جائے؟

(۱۲۷۵) اِجْعَلُوا الطَّرِیْقَ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: راستے کو سات گز (چوڑا) رکھو۔

(۱۲۷۶) إِذَا تَشَاجَرْتُمْ فِی الطَّرِیْقِ فَاجْعَلُوْهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب راستے کے بارے میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اسے سات گز تک رکھو۔

تشریح: اذا تشاجرتم مشاجرہ اختلاف اور تنازعہ کو کہتے ہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کوکب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس گلی پر محمول ہے جس کی دونوں جانب گھر ہوں پھر وہ منہدم ہو گئے ہوں اور معلوم نہ ہو سکے کہ سابقہ گلی کتنی تنگ یا کشادہ تھی تو اس وقت یہ حکم ہے کہ سات گز کی بقدر مقرر کر دی جائے گی کہ اتنی مقدار میں کفایت ہو جاتی ہے لیکن اگر شارع عام ہو یا اس سابقہ گلی کی مقدار معلوم ہو تو اس میں تصرف نہیں ہوگا تاہم اگر وہ راستہ کسی ذاتی زمین اور ملک میں ہو تو وہ تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ یہ صورت اختلاف کی ہے اگر وہ باہمی رضامندی سے کمی بیشی کرنا چاہیں گے تو اپنی حاجت کے مطابق کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی تَخْیِیْرِ الْغُلَامِ بَیْنَ أَبَوَیْهِ إِذَا افْتَرَقَا

باب ۲۱: بچے کو اس کے ماں باپ کے درمیان (کسی ایک کے ساتھ رکھنے) کا اختیار دینا، جب ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے

(۱۲۷۷) أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَیَّرَ غُلَامًا بَیْنَ أَبِیْهِ وَأُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان (یعنی کسی ایک کے ساتھ رہنے) کا اختیار دیا تھا۔

مذاہب فقہاء: اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر خاوند اور بیوی کے درمیان کسی بھی وجہ سے فرقت واقع ہو جائے تو بچہ کس کو ملے گا اس میں دو مذہب ہیں:

① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر لڑکا ہے تو سات سال تک ماں کے پاس رہے گا اور سات سال کے بعد باپ کے پاس رہے گا اگر لڑکی ہے تو بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی اور بلوغت کے بعد باپ کے پاس رہے گی۔

② امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بچہ سن تمیز کو پہنچ چکا ہو تو اس کو اختیار دیا جائے گا ماں باپ میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے: وفیه ان النبی ﷺ خیر غلاما ...الخ کہ جب زوجین کے درمیان فرقت ہوگئی تو نبی ﷺ نے بچے کو اختیار دیا تھا۔

جواب: یہ حدیث خصوصیت پر محمول ہے وہ اس طرح کہ یہاں زوجین کے درمیان جو فرقت واقع ہوئی تھی اس کا سبب اباء عن الاسلام تھا کہ بیوی مسلمان ہوگئی تو خاوند نے اسلام سے انکار کردیا ایسی صورت میں بالاتفاق بچہ اس کو ملے گا جو دین کے اعتبار سے بہتر ہو اس اصول کے مطابق ماں کو ملنا چاہیے تھا لیکن نبی ﷺ نے بہتر اتمام حجت کے لیے اس کا بچے کو اختیار دیا کیونکہ آپ بذریعہ وحی یہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ بچہ ماں کو اختیار کرے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ اَنَّ الْوَالِدَ یَاخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِہٖ

باب ۲۲: باپ اولاد کے مال میں سے لے سکتا ہے

(۱۲۷۸) اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلْتُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ وَاِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پاکیزہ چیز جو تم کھاتے ہو وہ تمہاری اپنی کمائی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔

مذاہب فقہاء: احناف یہ کہتے ہیں کہ والد کو اپنی اولاد کے مال میں تصرف کی اجازت ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت بشرطیکہ منقولات میں تصرف ہو غیر منقولات میں نہ ہو۔ حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ باپ اپنے بیٹے کے حق میں تصرف کرسکتا ہے۔

احناف کی دلیل: باپ اور بیٹے کی ملک میں تباین ہے باپ کی ملک علیحدہ ہے اور بیٹے کی ملک الگ ہے اور لا یحل مال امر مسلم... الخ باقی تباین کی دلیل وراثت کا جاری ہونا ہے۔ نیز فقہاء یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ اگر والد فقیر ہو تو اس کا خرچہ بیٹے کے ذمے ہے اگر بیٹے کا مال الگ نہیں بلکہ باپ ہی کا ہے تو وہ فقیر کہاں سے بن گیا۔

باقی ائمہ کی دلیل: ان اولاد کم من کسبکم۔

جواب: حدیث کا مدلول یہی ہے کہ بوقت ضرورت بقدر ضرورت تصرف کرسکتا ہے من کسبکم تمہارے لیے اطیب ہے اس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید اولاد کا کمایا ہوا مال اطیب ہے یا نہیں تو حدیث میں بتلا دیا کہ وہ بھی اطیب ہے باقی کب اطیب ہوگا؟ اس کا اس حدیث میں بیان نہیں ہے اس کے لیے فیصلہ دوسرے دلائل سے کیا جائے گا وہ ہے لا یحل مال امر مسلم ... الخ۔

اس اختلاف کا دارومدار اس پر ہے کہ انت ومالك لابیك الحدیث میں اضافت کونسی ہے تو قول اول کے مطابق تملیک کے لیے ہے جبکہ قول ثانی کی مطابق اباحت کے لیے ہے یعنی عند الحاجۃ۔ تحفۃ الاحوذی میں ہے: قال ابن ارسلان: اللام للاباحة لا للتملیك کیونکہ بیٹے کا مال تو اسی کی ملک ہوتا ہے اسی پر زکوۃ آتی ہے اور اسی کی میراث ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ مَنْ يُكْسَرُ لَهُ الشَّيْئُ مَا يُحْكَمُ لَهُ مِنْ مَالِ الْكَاسِرِ

باب ۲۳: جب کسی شخص کی کوئی چیز توڑ دی جائے، تو توڑنے والے کے مال میں سے اس شخص کے حق میں کیا فیصلہ دیا جائے؟

(۱۲۷۹) اَهْدَتْ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ طَعَامًا فِيْ قَصْعَةٍ فَضَرَبَتْ عَائِشَةُ الْقَصْعَةَ بِيَدِهَا فَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَّاِنَاءٌ بِاِنَاءٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ نے ایک پیالے میں کوئی چیز تحفے کے طور پر بھیجی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ہاتھ مار کر اس پیالے کو (کھانے سمیت) گرا دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھانے کے بدلے میں کھانا ہوگا، اور برتن کے بدلے میں برتن (ادا کرنا ہوگا)۔

(۱۲۸۰) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعَارَ قَصْعَةً فَضَاعَتْ فَضَمِنَهَا لَهُمْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ کسی سے ادھار لیا وہ ضائع ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا معاوضہ انہیں ادا کیا۔

زیر بحث باب کی روایت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے ایک اصول کی طرف اشارہ ہے وہ اصول یہ ہے جب کوئی آدمی کسی کی چیز ضائع کر دے تو اس پر ضمان واجب ہے وہ اس طرح کے وہ چیز دو حال سے خالی نہیں ذوات الامثال میں سے ہوگی یا ذوات القیم میں سے اگر ذوات الامثال میں سے ہو تو ضمان بالمثل واجب ہوگا اور اگر ذوات القیم میں سے ہو تو ضمان بالقیمت لازم ہوگا۔

جواب: یہ ضمان مروتا ہے حقیقتاً نہیں ہے دونوں پیالے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے آپ علیہ السلام نے یہ رفع نزاع کے لیے فرمایا کہ الطعام بالطعام واناء باناء بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹوٹے ہوئے پیالے کو باقی رکھو اس سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو تائید ہوتی ہے کہ غاصب جب مغصوبہ چیز میں تصرف فاحش کر لے اور ضمان ادا کر دے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں اناء باناء کا ذکر ہے کیا برتن ذوات الامثال میں سے ہیں یا ذوات القیم میں سے؟

جواب: اس زمانے میں برتن ذوات القیم میں سے تھے کیونکہ اس زمانے میں ان کی صنعت ہاتھ سے ہوتی تھی اور یہ تفاوت کو مستلزم ہے موجودہ دور میں برتن ذوات الامثال میں سے ہیں کیونکہ مشین کے ذریعے بنائے جاتے ہیں اور یہ عدم تفاوت کو مستلزم ہے۔

سوال: زیر بحث باب میں مذکور ہے اناء باناء اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں برتن ذوات الامثال میں سے تھے اگر ذوات القیم میں سے ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیمت ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟

جواب: اس حدیث میں ضمانت کے وجوب کو بیان کرنا مقصد ہے کہ برتن کا ضمان آئے گا یہ بیان کرنا مقصود نہیں کہ وہ ضمان بالمثل

ہوگا یا بالقیمت۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی حَدِّ بُلُوْغِ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ

باب ۲۴: مرد اور عورت کے بالغ ہونے کی حد

(۱۲۸۱) عُرِضْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِیْ جَیْشٍ وَّاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ یَقْبَلْنِیْ فَعُرِضْتُ عَلَیْهِ مِنْ قَابِلٍ فِیْ جَیْشٍ وَّاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِیْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے نبی اکرم ﷺ کے سامنے لشکر میں شامل ہونے کے لئے پیش کیا گیا میں اس وقت چودہ سال کا تھا نبی اکرم ﷺ نے مجھے قبول نہیں کیا۔ پھر اگلے سال ایک لشکر کے لئے مجھے پیش کیا گیا میں اس وقت پندرہ سال کا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے مجھے قبول کر لیا۔

مذاہب فقہاء: اس میں اختلاف ہے کہ بلوغت کی عمر کتنی ہے؟ صاحبین رحمہما اللہ اور جمہور کے نزدیک پندرہ سال آخری حد ہے اور اس میں لڑکا لڑکی دونوں برابر ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکی کے لیے سترہ سال اور لڑکے کے لیے اٹھارہ سال مقرر ہیں لیکن فتویٰ عند الحنفیہ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے یہ تو اکثر مدت کی بات ہوئی اقل مدت لڑکی کے لیے نو سال ہیں اور لڑکے کے لیے بارہ سال ہدایہ میں ہے: وادنی المدة لذلك فی حق الغلام اثنا عشرة سنة وفی حق الجارية تسع سنين (فصل فی حد البلوغ قبيل كتاب الماذون ص:۳۰۰ ج۳) گویا ادنیٰ و اعلیٰ مدت کے درمیان کسی بھی وقت بالغ ہوسکتا ہے اور اس کی پہچان واسباب یہ ہیں احتلام احبال انزال بالوطی اور لڑکی میں بروقت حیض آنا اور حاملہ ہونا یعنی بعد الوطی اور احتلام ہونا ہدایہ میں ہے فجعل كل ذالك علامة البلوغ. (ص۳۰۰ ج۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ اَبِیْهِ

باب ۲۵: سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی سزا

(۱۲۸۲) مَرَّ بِیْ خَالِیْ اَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ نِیَارٍ وَّمَعَهٗ لِوَاءٌ فَقُلْتُ اَیْنَ تُرِیْدُ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِلٰی رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةَ اَبِیْهِ اَنْ اٰتِیَهٗ بِرَاْسِهٖ.

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میرے ماموں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے ان کے پاس جھنڈا موجود تھا میں نے دریافت کیا۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا: نبی اکرم ﷺ نے مجھے ایک ایسے شخص کی طرف بھیجا ہے، جس نے اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ شادی کر لی ہے (اس لئے بھیجا ہے) کہ میں اس کا سر آپ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو جاؤں۔

مذاہب فقہاء: حنفیہ کے نزدیک محارم سے نکاح کرنے سے شبہ فی العقد پیدا ہوتا ہے اور شبہ سے حد اٹھ جاتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے الحدود تندرء بالشبهات پس محارم سے نکاح کر کے صحبت کرنے سے حد اٹھ جائے گی مگر اس کا یہ مطلب نہیں

ہے کہ مجرم کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ وہ جس درجہ کا گناہ ہے اس کے بقدر سزا دی جائے گی اگر جہالت کی وجہ سے یہ حرکت کی ہے اور جہالت کا موقعہ ہے تو ہلکی سزا دی جائے گی اور اگر خباثت کی وجہ سے یہ حرکت کی ہے یا جہالت کا کوئی موقع نہیں تو سخت سزا دی جائے گی اور وہ قتل کی سزا ہے۔

اگر کوئی شخص منکوحۃ الاب کے ساتھ نکاح کرے تو اس کی کیا سزاء ہے؟ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے اسی طرح کوئی شخص محارم میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے اور وطی بھی کر لے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعزیر ہے امام سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے لیکن تعزیراً دیگر ائمہ حتی کہ صاحبین رحمہما اللہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں کہ اس کی سزا حد زنا ہے اگر محصن ہے تو رجم اور اگر غیر محصن ہے تو سو کوڑے۔ حدیث میں جو واقعہ ہے دونوں فریق اسی کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھو سر کاٹنا نہ محصن کی سزا ہے اور نہ غیر محصن کی کیونکہ محصن کی سزا رجم ہے اور غیر محصن کی سزاء کوڑے ہیں۔

جمہور کہتے ہیں: یہ سزا رجم تھی اس کو جاری کیا گیا ہے سر کو کاٹنے کے ساتھ لیکن کتنا تکلف ہے حدیث امام صاحب رحمہ اللہ کے موافق ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے منکوحۃ الاب کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ استحلال کے طور پر اور ظاہر ہے کہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے تو ارتداد کی وجہ سے اس کا سر قلم کیا۔ اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے پاس جھنڈا تھا اور جھنڈا کافر کے مقابلے میں لے جایا جاتا ہے۔

سند کی بحث: محمد بن اسحٰق اور اشعث رحمہما اللہ یہ دونوں عدی بن ثابت سے روایت کر رہے ہیں اشعث اور محمد بن اسحٰق کا آپس میں اختلاف ہو رہا ہے اختلاف کا حاصل تین باتیں ہیں:

① اشعث اپنی سند میں عدی بن ثابت اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے سرے سے واسطہ ذکر نہیں کرتے اور محمد بن اسحٰق عدی بن ثابت اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے درمیان عبد اللہ بن یزید کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

② اشعث کبھی تو واسطہ سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے اور جب ذکر کرتے ہیں تو عن ابیہ کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

③ محمد بن اسحٰق کی روایت کے مطابق متعین ہے کہ یہ مسندات براء رضی اللہ عنہ میں سے ہے اور اشعث یزید بن براء رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق مسندات براء بن عازب رضی اللہ عنہ میں سے نہیں ہے بلکہ براء کے ماموں ابو بردۃ رضی اللہ عنہ کے مسندات میں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْآخَرِ فِي الْمَاءِ

باب ۲۶: سینچائی میں جس کا کھیت بعد میں ہو اس کا حکم

(۱۲۸۳) أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمُوا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُولَ

اللهِ اَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ يَا زُبَيْرُ اسْقِ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللهِ اِنِّىْ لَاَحْسِبُ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِىْ ذٰلِكَ ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ٦٥)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں حضرت زبیر ﷺ کے ساتھ "حرہ" سے آنے والی پانی کی نالی کے بارے میں اختلاف کیا جس کے ذریعے لوگ کھجوروں کے باغ کو پانی دیا کرتے تھے انصاری نے کہا: یہ پانی کو چھوڑ دیں وہ بہتا رہے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس بات سے اختلاف کیا انہوں نے اپنا یہ مقدمہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے زبیر تم اپنے کھیتوں کو سیراب کرو پھر پانی کو اپنے پڑوسی کے لئے چھوڑ دو تو انصاری غصے میں آ گیا اور بولا: (آپ نے یہ فیصلہ اس لئے کیا ہے) کیونکہ یہ آپ کے پھوپھی زاد ہیں تو نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے زبیر! تم اپنے (باغ کو) سیراب کرو پھر پانی کو روکے رکھو، یہاں تک کہ وہ منڈیروں تک پہنچ جائے۔

جب ایک شخص کی زمین پانی کے قریب ہو اور دوسرے کی بعید ہو تو پہلے کس کو پانی پلانے کا حق ہے اس سلسلے میں حدیث ذکر کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرب من الماء سیراب کرے احناف کی بعض کتابوں میں اس کے خلاف ہے تو کوئی تدافع نہیں اس کا دارومدار عرف پر ہے البتہ حضور ﷺ کے دور کا جو عرف معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے اقرب الی الماء سیراب کرے اس کے بعد ابعد الی الماء سیراب کرے۔ ایک انصاری شخص کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پانی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تو وہ فیصلہ حضور ﷺ کے پاس لے گئے آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا اس پر اس انصاری شخص نے کہا کہ یہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے یعنی آپ نے یہ فیصلہ قرابت کی وجہ سے کیا ہے اس پر حضور ﷺ کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا اے زبیر رضی اللہ عنہ پہلے تم اپنا پورا حق وصول کرلو جب تک پانی منڈیر تک نہ پہنچے اس وقت تک روکے رکھو پس معلوم ہوا کہ پہلے حق اقرب الی الماء کو ہے باقی انصاری نے اعتراض کیا یہ بظاہر تو خطرناک بات ہے یہ صحابی رضی اللہ عنہ رسول سے متصور نہیں ہو سکتا۔

جواب: بے شک صحابی رضی اللہ عنہ ہی ہیں ان سے یہ کلام صادر ہو گیا مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی یہ کہنا کہ یہ منافق تھا اور اس کو انصاری کہنا یہ قبیلہ کی نسبت کی وجہ سے ہے پیش ہے صحیح بخاری کی روایت میں تصریح ہے کہ قد شهد بدرا۔

سوال: یہ مستلزم ہے جور النبی ﷺ کو اور نبی ﷺ کی طرف جور کی نسبت تو کفر صریح ہے؟

جواب: یہ جور کی نسبت کو مستلزم نہیں ہے اس لیے کہ اس کی کلام کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اے اللہ کے پیغمبر ﷺ حق تو میرا تھا یعنی آپ ﷺ نے قرابت کی وجہ سے غیر حق والے کو ترجیح دیدی یہ کفر ہے۔

دوسرا مطلب: یہ ہے کہ میرا بھی زمین کو پہلے سیراب کرنا امر جائز تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی پہلے سیراب کرنا امر جائز تھا آپ ﷺ نے قرابت کی وجہ سے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا یہ بھی شئی عظیم ہے لیکن یہ جور کو مستلزم نہیں ہے باقی پہلا فیصلہ بطور مصالحت کے تھا کہ تم بقدر ضرورت اپنی زمین کو سیراب کر کے پانی کو چھوڑ دو لیکن جب انصاری نے اس کی قدر دانی نہ کی تو نبی ﷺ نے فرمایا اب فیصلہ بطور قضاء کے ہوگا اور شرعا جب تک انسان اپنا پورا حق وصول نہ کر لے اسوقت تک پانی روک سکتا ہے بعض نے یہ

بھی کہہ دیا کہ پہلا فیصلہ قضاء شرعی کی حیثیت سے تھا اور دوسرا فیصلہ توہین عدالت کی وجہ سے تھا لیکن راجح اول ہی ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مَنْ یُعْتِقُ مَمَالِیکَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَیْسَ لَهٗ مَالٌ غَیْرُهُمْ

باب ۲۷: جو شخص مرتے وقت اپنے غلاموں کی آزاد کردے اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو

(۱۲۸۴) اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَعْتَقَ سِتَّةَ اَعْبُدٍ لَّهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ مَالٌ غَیْرُهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ لَهٗ قَوْلًا شَدِیْدًا ثُمَّ دَعَاهُمْ فَجَزَّاَهُمْ ثُمَّ اَقْرَعَ بَیْنَهُمْ فَاَعْتَقَ اثْنَیْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے مرتے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کردیا اس شخص کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا جب اس بات کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے اس بارے میں سخت الفاظ ارشاد فرمائے پھر آپ نے ان غلاموں کو بلایا آپ نے انہیں تقسیم کر کے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور ان میں سے دو کو آزاد قرار دیا اور چھ کو غلام برقرار رکھا۔

تشریح: اگر کوئی شخص اپنی موت کے وقت سارے غلاموں کو آزاد کردے اور ان غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال نہ ہو تو کیا حکم ہے اس پر یہ حدیث ذکر کی ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کردیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق سخت قسم کے الفاظ فرمائے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس کا جنازہ نہ پڑھوں اور بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس کے دفن کے وقت حاضر ہوتا تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیتا (زجراً وتوبیخاً) اس نے اپنے ورثاء کا حق ضائع کردیا ہے الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب غلاموں کو بلایا اور دو دو کی تین ٹولیاں بنائیں اور پھر قرعہ ڈالا جن کا نام نکل آیا ان کو آزاد کردیا باقی چار کو رقیت پر باقی رکھا مرتے وقت اعتاق وصیت کے حکم میں ہے: اور وصیت ثلث مال میں جاری ہوتی ہے اور یہاں پر کل غلام چھ ہیں اور چھ کا ثلث دو ہے البتہ ثلث کی تعیین کیسے ہوگی اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

① احناف یہ کہتے ہیں کہ ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہوگا باقی دو ثلث کے اندر دو ورثاء کے لیے سعایت کریگا مثلاً چھ غلاموں کے چھتیس حصے بنائیں ۱۲ حصے تو آزاد ہوگئے اور ۲۴ باقی رہ گئے اب سارے یہ کما کردیں گے تو سارے آزاد ہوجائیں گے بالفعل پورا کوئی آزاد نہیں ہوگا۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ثلث کا تعین قرعہ اندازی کے ذریعے ہوگا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں فرمایا۔

جواب ①: یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہوگیا چنانچہ ابتداء اسلام میں حقوق کے اثبات یا نفی کے لیے قرعہ اندازی کی جاتی تھی جب استقسام بالازلام کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو حقوق کے اثبات یا نفی کی قرعہ اندازی کا حکم بھی منسوخ ہوگیا البتہ حصہ کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی اب بھی جائز ہے۔

جواب②: جب اس آدمی نے تمام غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کی تو ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہو چکا اگر قرعہ اندازی سے یہ فیصلہ کیا جائے تو اس سے ایک بہت بڑی خرابی لازم آتی ہے وہ یہ کہ قرعہ اندازی سے آزادی کے بعد غلامی ثابت ہو جاتی ہے حالانکہ آزادی کے بعد غلامی کبھی نہیں آسکتی۔

کیا قرعہ اندازی سے حق ثابت کیا جاسکتا ہے؟

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے اس کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اور ابتداء میں حضور ﷺ نے بہت سے فیصلے قرعہ اندازی سے کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن بعد میں حقوق کے اثبات یا نفی میں قرعہ اندازی کا استعمال منسوخ کر دیا گیا چنانچہ شروع اسلام میں اس کام کے لیے بھی قرعہ اندازی سے کام لیا جاتا تھا کہ کون حق دار ہے؟ اور کون حق دار نہیں؟ حتیٰ کہ فصل خصومات میں بھی قرعہ اندازی سے فیصلہ کر لیا جاتا تھا چنانچہ زمانہ جاہلیت میں استقسام بالازلام کا طریقہ بھی اسی لیے رائج تھا لیکن بعد میں جب قمار غدر اور استقسام بالازلام کی ممانعت آئی تو اس وقت اثبات حقوق یا نفی میں قرعہ اندازی کا استعمال بھی منسوخ کر دیا گیا۔

تعیین انصبہ میں قرعہ اندازی جائز ہے:

البتہ اب قرعہ اندازی کو اثبات حقوق میں تو استعمال کرنا جائز نہیں لیکن تعیین انصبہ میں قرعہ اندازی سے کام لینا جائز ہے مثلاً فرض کریں کہ دلائل اور بینہ سے یہ بات طے ہو گئی کہ یہ مکان فلاں تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے لیکن اب اس مکان کے تین حصوں میں سے زید کو کون سا حصہ دیا جائے؟ عمرو کو کون سا اور بکر کو کون سا دیا جائے گا؟ یہ ابھی طے نہیں ہوا اس کو طے کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ تینوں یا تو آپس میں رضامندی سے طے کر لیں کہ فلاں حصہ زید کا فلاں عمرو کا فلاں بکر کا لیکن اگر اس طرح طے نہ کر سکیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ طے کر لیں اس کو تعیین انصبہ کہا جاتا ہے اس میں قرعہ اندازی سے کام لینا جائز ہے۔

قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا:

حنفیہ نے بعض روایتیں قرعہ کے منسوخ ہونے کے بارے میں بھی پیش کی ہیں وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ اس پر اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کے نواجذ (داڑھیں) ظاہر ہو گئے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس پر نکیر فرمائی کہ اس طرح حقوق کے اثبات میں قرعہ اندازی کو استعمال کرنا درست نہیں ہے لہٰذا اگر کسی روایت سے یہ معلوم ہو کہ حضور ﷺ نے اثبات حقوق میں قرعہ اندازی کو استعمال کیا ہے تو اس کو اسی زمانے کی طرف منسوب کیا جائے گا جس زمانے میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا جائز تھا۔

جواب①: گرچہ یہ حدیث سنداً سو فیصد صحیح ہے لیکن اس میں علت خفیہ قادحۃ پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بات بہت مستبعد ہے کہ کسی آدمی کے مرنے کے وقت چھ غلام ہوں اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو اگر چہ یہ کہا گیا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ شخص جہاد میں گیا ہو اور چھ غلام مال غنیمت میں حاصل ہوئے ہوں۔

جواب②: امکان تو ہے لیکن وقوع نہیں ہے اور امکانات سے احکام متعلق نہیں ہوتے اعادہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے احناف کے ہاں یہ حدیث معمول بہا نہیں ہے اور اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو یہ خصوصیت ہے نبی کریم ﷺ کی اس لیے کہ

آپ ﷺ کو آزاد کرنے کا حق تھا آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مَنْ مَلَکَ ذَامَحْرَمٍ

باب ۲۸: جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے (ذی رحم محرم کا مالک ہونے سے وہ آزاد ہوجاتا ہے)

(۱۲۸۵) مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے، تو وہ رشتے دار آزاد شمار ہوگا۔

(۱۲۸۶) مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شخص کسی محرم رشتے دار کا مالک بن جائے، تو وہ (محرم رشتے دار) آزاد شمار ہوگا۔

مذاہب فقہاء: اس پر تو سب کا اتفاق ہے۔ البتہ قرابت سے کون سی قرابت مراد ہے شوافع کہتے ہیں کہ صرف قرابت ولد مراد ہے یعنی اصول فروع والی قرابت مراد ہے حدیث احناف کے موافق ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے دو شخص جن میں ولادت کا تعلق ہے اگر ان میں سے ایک دوسرے کا مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہوجائے گا اور ولادت کا تعلق اصول و فروع کے درمیان ہوتا ہے پس ماں باپ دادا دادی نانا نانی اوپر تک اور بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی نیچے تک اگر کوئی ان کا مالک ہو تو وہ فوراً آزاد ہوجائیں گے اور بھائی بہن آزاد نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے ساتھ ولادت کا تعلق نہیں۔

جمہور ائمہ کے نزدیک کہ ہر وہ قرابت جو محرمہ للنکاح ہے عام ازیں قرابت ولد ہو یا نہ ہو وہ عتق کا سبب ہے ہر ذی رحم محرم کا مالک ہونے سے مملوک آزاد ہوجاتا ہے رحم سے مراد ناتا ہے یعنی ددھیالی یا ننھیالی رشتہ دار پس سسرالی اور رضاعی رشتہ دار نکل گئے اور محرم وہ رشتے دار ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے پس اگر کوئی ماں باپ بیٹا بیٹی بھائی بہن چچا پھوپھی اور ماموں خالہ کا مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہوجائے گا البتہ ماموں زاد خالہ زاد چچا زاد اور پھوپھی زاد آزاد نہیں ہونگے کیونکہ وہ اگرچہ ذو رحم ہیں مگر محرم نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ مَنْ زَرَعَ فِیْ اَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ

باب ۲۹: جب کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کھیتی باڑی کرے

(۱۲۸۷) مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص دوسرے لوگوں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر کھیتی باڑی کرے تو اسے اس کھیت میں سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اسے اس کا خرچ مل جائے گا۔

مذاہب فقہاء: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرے تو فصل کس کی ہوگی اس میں دو مذاہب ہیں:

① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی آدمی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرتا ہے تو اس کے لیے تین امور ہیں: (۱) اس پر زمین کو غصب کرنے کا گناہ ہوگا۔ (۲) زمین والے کے لیے اس پر نقصان کی ضمانت ہوگی۔ (۳) پیداوار کا یہ مالک ہو جائے گا لیکن یہ ملکیت خباثت سے خالی نہیں ہوگی۔

دلیل اوّل: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک کھیت کے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ کو بہت اچھا لگا آپ ﷺ نے فرمایا ما: احسن زرع زھیر۔ زہیر کا کتنا اچھا کھیت ہے لوگوں نے بتایا یہ اصل میں زہیر کا کھیت نہیں زمین کسی کی ہے زہیر رضی اللہ عنہ نے مالک کی اجازت کے بغیر کاشت کی ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا پیداوار زہیر ہی کی ہوگی اور مالک کے لیے ضمانت ہوگی اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ فصل زہیر کی ہوگی۔

دلیل ثانی: دوسری دلیل قیاسی ہے قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ پیداوار بذر کی نماء ہے اور بذر کاشت کرنے والے کی ملکیت تھا اس لیے پیداوار بھی اس کی ملکیت ہوگی۔ زمین کو اگرچہ استعمال کیا گیا ہے لیکن زمین کا کوئی حصہ اس میں شامل نہیں البتہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے۔ کہ زمین کو پیداوار کے لیے غصب کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ملکیت میں خباثت پیدا ہوگئی۔

② امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں پیداوار صاحب ارض کی ہوگی اور کاشت کرنے والے کو اجرت ملے گی۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو دوسرے کی زمین کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرے تو اس کاشتکار کو پیداوار میں سے کچھ نہیں ملے گا لبتہ زراعت کا نفقہ مل جائے گا۔

جواب: لیس لہ من الزرع شیئ کا مطلب یہ ہے کہ اس پیدوار سے انتفاع اس کے لیے جائز نہیں اگرچہ وہ پیداوار اس کی ملکیت میں آگئی اور لہ نفقۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جتنا خرچ کیا تھا اس کے بقدر پیداوار سے انتفاع کرلے تو وہ اس کے لیے حلال اور طیب ہے۔

مَا جَآءَ فِی النَّحْلِ وَالتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْوَلَدِ

باب ۳۰: عطیہ دیتے ہوئے اولاد کے درمیان برابری رکھنا

(۱۲۸۸) اَنَّ اَبَاهُ نَحَلَ ابْنًا لَهُ غُلَامًا فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ يُشْهِدُهُ فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ قَدْ نَحَلْتَهُ مِثْلَ مَا نَحَلْتَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَارْدُدْهُ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ان کے والد نے اپنے ایک بیٹے کو ایک غلام عطیے کے طور پر دیا پھر وہ اس پر

گواہ بنانے کے لئے نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے تاکہ آپ کو اس پر گواہ بنائیں تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح عطیہ دیا ہے، جیسے اسے دیا ہے؟ انہوں نے عرض کی نہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر تم اسے واپس لے لو۔

مذاہب فقہاء: اس میں اختلاف ہے کہ اولاد کے درمیان ہدیہ میں مساوات کا کیا حکم ہے اس میں دو مذہب ہیں:

① امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مساوات مستحب ہے واجب نہیں اگر اضرار مقصد ہو تو مساوات واجب ہے اور اگر کسی کو خاص وصف کی وجہ سے زیادہ دے تو یہ بھی جائز ہے مثلاً خدمت یا علم یا کسی اور وجہ سے زیادہ دے۔

② بعض ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک مساوات واجب ہے تساوی کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے ان کے والد نے اپنے بیٹے کو عطیہ دیا اور نبی ﷺ کو شاہد بننے کی درخواست کی آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا سب اولاد کو عطیہ دیا ہے انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اس کو واپس لوٹا لو کیونکہ میں ظلم پر گواہ بننے کے لیے تیار نہیں ہوں اس سے معلوم ہوا کہ مساوات ضروری ہے۔

جواب: حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ عمرۃ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو زیادہ دینے پر مجبور اور اصرار کیا دوسری اولاد جو دوسری بیوی سے تھی اس کو محروم کر دیا جب نبی ﷺ کو پوری حقیقت معلوم ہوگئی اور زیادہ دینے کی کوئی معقول وجہ بھی نہ تھی کہ ترجیح دی جائے تو آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اس میں دوسرے کا ضرر ہے اس لیے آپ ﷺ نے اس کو ظلم قرار دے کر واپسی کا حکم دیا اور شہادت سے انکار کر دیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تسویہ اور برابر کا کیا مطلب ہے؟ یعنی کیا مذکر اور مؤنث سب برابر ہوں گے یا اس میں میراث کے قاعدہ کے مطابق ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (النساء:۱۱) پر عمل کیا جائے گا؟ اس بارے میں فقہاء کے دونوں قول ہیں بعض کے نزدیک میراث کے قاعدے کے مطابق دیا جائے گا اور بعض کے نزدیک سب کو برابر دیا جائے گا لیکن فقہاء حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکی اور لڑکے دونوں کو برابر دیا جائے گا اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں فرمایا گیا کہ اولاد کو برابر دینا چاہیے اور اگر اولاد کے اندر تفریق جائز ہوتی کہ جس کو چاہے زیادہ دے اور جس کو چاہے کم دے تو اس صورت میں مؤنث زیادہ حق دار تھی کہ اس کو زیادہ دیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ اگر زندگی میں کوئی باپ اپنی اولاد کو کچھ عطیہ دے تو اس وقت مذکر اور مؤنث میں فرق نہ کرنا چاہیے برابر دینا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّفْعَةِ

باب ۱۳۱: شفعہ کا بیان

(۱۲۸۹) جَارُ الدَّارِ اَحَقُّ بِالدَّارِ۔

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مکان کا پڑوسی مکان کا زیادہ حقدار ہوتا ہے۔

شفعہ فروخت شدہ مکان اور فروخت شدہ زمین کے وقت احد الشریکین کو اور جار کو جو شرعاً بثمن المشتری تملیک کا حق حاصل ہوتا

ہے اس کا نام شفعہ ہے۔

باقی شفعہ کی کتنی اقسام ہیں کون سی اجماعی ہیں اور کون سی اختلافی ہیں بعنوان آخر کن کن اشخاص کے لیے حق شفعہ ثابت ہے اور کن کن کے لیے ثابت نہیں ہے۔

اقسام شفعہ: شفعہ کی تین قسمیں ہیں:

① شفعه للشريك في نفس المبيع ② شريك في حق المبيع ③ للجار الملاصق۔

شفعه للشريك في نفس المبيع کا مطلب یہ ہے کہ جو مکان یا زمین فروخت کی گئی ہو وہ شریک اس مکان یا زمین کے اندر شریک ہو۔

شريك في حق المبيع کا مطلب یہ ہے کہ زمین تو الگ الگ ہو لیکن حقوق میں شرکت ہو مثلاً فروخت شدہ مکان یا زمین کا راستہ اور شریک کا راستہ ایک ہو۔

شفعه للجار الملاصق کا مطلب یہ ہے کہ فروخت شدہ مکان یا زمین کے اندر نہ شرکت ہو اور نہ حقوق میں شرکت ہو البتہ اس کی زمین یا مکان فروخت شدہ مکان یا زمین کے پڑوس میں متصل واقع ہو تو کہا جائے گا یہ جار ملاصق ہے بعنوان آخر شفعہ کے مستحق تین لوگ ہیں الخ۔ بعض کی رائے یہ ہے۔

پہلی دو قسمیں اجماعی ہیں بعض نے کہا کہ صرف پہلی قسم اجماعی ہے زیادہ جھگڑا تیسری قسم میں ہے کہ اس کے لیے شفعہ ثابت ہے یا نہیں۔

مذاہب فقہاء: ① احناف یہ کہتے ہیں کہ جیسے پہلی دو قسموں کے لیے شفعہ ثابت ہے اسی طرح تیسری قسم کے لیے بھی ثابت ہے۔

② اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ جار ملاصق کے لیے شفعہ ثابت نہیں ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث سمرہ سے ہے کہ جار الدار احق بدار کہ دار کا پڑوسی زیادہ حق دار ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تحسین بھی فرمائی اور تصحیح بھی فرمائی ہے چنانچہ فرمایا: هذا حديث حسن صحيح حسن کا سماع ثابت ہے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے اسی وجہ سے ہمارے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کی اس دلیل کی تصحیح و تحسین فرمائی۔

اور حسن کا سماع ثابت ہے سمرہ رضی اللہ عنہ سے پس متصل ہے لہٰذا قابل استدلال ہے اور وفی الباب کے عنوان کے تحت جن احادیث کا حوالہ دیا ان میں ایک شرید ہیں ان کی سند پر کلام ہے۔ شرید سے روایت کرتے ہیں ان کے بیٹے عمرو اور عمرو کے دو شاگرد ہیں (۱) عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائی (۲) ابراہیم بن میسرہ اب ان میں فرق یہ ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی سند کے مطابق ہے عن عبداللہ بن عبدالرحمٰن عن عمرو بن شرید عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مسندات شرید میں سے ہے اور ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ یوں نقل کررہے ہیں عن عمرو بن شريد عن ابي رافع عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ مسندات ابو رافع رضی اللہ عنہ میں سے ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ كلا الحديثين عندي صحيح.

سوال: اضطراب ہے عیسیٰ بن یونس اس کو مسندات انس رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں اور اسماعیل بن علیہ اس کو مسندات سمرۃ رضی اللہ عنہ میں سے قرار دے رہے ہیں؟

جواب: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ دیدیا ہے کہ اسماعیل بن علیہ والا طریق صحیح ہے لہٰذا اضطراب ختم ہوگیا۔

جمہور کی دلیل: دوسرے باب کی حدیث ہے: عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة طریق استدلال یہ ہے کہ فلا شفعہ میں نفی جنس شفعہ کی ہے اور تقسیم مشترک ہی کی ہوگی معلوم ہوا کہ مشترک چیز کے تقسیم ہوجانے کے بعد سرے سے کسی قسم کا شفعہ ہی نہیں نہ شرکت کا اور نہ جوار کا۔

جواب اس حدیث کے اندر منفی جنس شفعہ نہیں بلکہ خاص نوع ہے شفعہ بحث الشرکت ہے اب شرکت کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں ہے اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ جوار کی وجہ سے بھی شفعہ کا حق نہ ہو ظاہر ہے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی اور نوع کی نفی سے جنس کی نفی لازم نہیں آتی۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الشُّفْعَةِ لِلْغَائِبِ

باب ۳۲: غیر موجود شخص کے لئے شفعہ کرنا

(۱۲۹۰) اَلْجَارُ اَحَقُّ بِشُفْعَتِهٖ یُنْتَظَرُ بِهٖ وَاِنْ کَانَ غَائِبًا اِذَا کَانَ طَرِیْقُهُمَا وَاحِدًا.

ترجمہ: پڑوسی شفعہ کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے اگر وہ موجود نہ ہو اس بارے میں اس کا انتظار کیا جائے گا اگر ان دونوں کا راستہ ایک ہو۔

تشریح: شفیع غیر حاضر ہو تو بھی اس کے لیے شفعہ ہے: اگر شفیع کی عدم موجودگی میں کوئی جائداد فروخت ہوئی تو اس کے واپس آنے تک انتظار کیا جائے گا اگر وہ واپس آ کر جائداد کا مطالبہ کرے تو اس کا حق زیادہ ہے لیکن شرائط معروفہ کے ساتھ ① طلب مواثبۃ ہو ② طلب اشہاد ہو ③ طلب خصومت ہو فورا شور مچائے اس کو طلب مواثبۃ کہتے ہیں پھر فورا گواہ بنائے پھر فورا عدالت سے رجوع کرے یہ مسئلہ اجماعی ہے کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔اور یہ حدیث بھی قابل استدلال ہے۔

سند پر کلام: مزے کی بات یہ ہے کہ شعبہ جرح بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ روایت بھی کر رہے ہیں بعینہ اسی حدیث کو ورواہ شعبہ عن عبد الملک بن ابی سلیمان هذا الحدیث لیکن بڑے بڑے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبد الملک بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ میزان ہیں معیار ہیں حدیث کی صحت وسقم کا تو جو میزان العلم ہے اس کی توثیق میں کیا شبہ ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ اِذَا حُدَّتِ الْحُدُوْدُ وَوَقَعَتِ السِّهَامُ فَلَا شُفْعَةَ

باب ۳۳: جب حدود متعین ہو جائیں اور حصے ہو جائیں تو شفعہ کا حق نہیں ہوگا

(۱۲۹۱) اِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب حدود مقرر ہو جائیں اور راستے الگ ہو جائیں تو شفعہ کا حق نہیں رہے گا۔

جمہور کے ہاں شفعہ صرف غیر منقولات میں ہوتا ہے منقولات میں نہیں ہوتا عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ شفعہ ہر چیز میں ہوتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے بھی یہی ہے۔

جواب: استغراق حقیقی نہیں بلکہ عرفی ہے غیر منقولی چیز عام ازیں مکانات کے قبیل سے ہوں یا ارضین کے قبیل سے ہوں یعنی عام مخصوص منہ البعض ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ اَنَّ الشَّرِيْكَ شَفِيْعٌ

باب ۳۴: شراکت دار شفعہ کا حق رکھتا ہے

(۱۲۹۲) اَلشَّرِيكُ شَفِيعٌ وَالشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شراکت دار شفعہ کا حق رکھتا ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہوتا ہے۔

مذاہب فقہاء : تشریح: یہاں مصری نسخہ میں یہ باب ہے باب ماجاء ان الشريك شفيع ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے اس حدیث کا بھی منطوق ومفہوم لیا ہے منطوق یہ ہے کہ شریک کے لیے شفعہ ہے اور مفہوم یہ ہے کہ غیر شریک کے لیے شفعہ نہیں اور احناف نے صرف منطوق لیا ہے کہ شریک کے لیے خواہ نفس مبیع میں شریک ہو یا حقوق میں شفعہ ہے اور مفہوم مخالف ان کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ دیگر روایات سے غیر شریک کے لیے بھی شفعہ ثابت ہے اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ شفعہ صرف جائداد یعنی مکان اور زمین میں ہے منقولات میں حق شفعہ نہیں اور یہ روایت مرفوع نہیں ہے اصح یہ ہے کہ مرسل ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي اللُّقَطَةِ وَضَالَّةِ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ

باب ۳۵: گری ہوئی چیز، گمشدہ اونٹ یا بکری کا حکم

(۱۲۹۳) اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ فَقَالَ خُذْهَا فَاِنَّمَا هِيَ لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ اَوِ احْمَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتّٰى تَلْقٰى رَبَّهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گری ہوئی چیز کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ اس کے بعد اس تھیلی اور اس کے منہ پر باندھی ہوئی رسی کو پہچان لو، پھر تم اسے خرچ کر لو! اگر (بعد میں) اس کا مالک آجائے تو تم وہ (قیمت جو اس میں موجود تھی) اس کو ادا کر دینا۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گمشدہ بکری کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اسے پکڑ لو کیونکہ وہ یا تو تمہیں ملے گی یا

تمہارے کسی بھائی کو ملے گی یا اسے بھیڑیا لے جائے گا۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ غضب ناک ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارا اس کے ساتھ کیا واسطہ ہے۔ اس کے پاؤں اس کے ساتھ ہیں پانی کا ذخیرہ (یعنی اس کا پیٹ) اس کے ساتھ ہے۔ وہ خود اپنے مالک تک پہنچ جائے گا۔

(۱۲۹۴) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ اللُّقْطَةِ فقال عَرِّفْها سَنَةً فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَادِّها وَاِلَّا فَاعْرِفْ وِعَاءَها وعِفَاصَها ووِكَاءَها وعَدَدَها ثُمَّ كُلْها فَاِذَا جَاءَ صَاحِبُها فَادِّها.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے گری ہوئی چیز ملنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ایک سال تک اس کا اعلان کرو، اگر اس کا اعتراف کر لیا جائے تو اسے ادا کر دو ورنہ اس کی تھیلی، ڈوری اور اس میں موجود (رقم) وغیرہ کی پہچان رکھو۔ اور پھر تم اسے استعمال کر لو، اگر بعد میں اس کا مالک آجائے تو اسے ادائیگی کر دینا۔

(۱۲۹۵) خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِي حَدِيثِه فَالْتَقَطْتُ سَوْطًا فَاَخَذْتُه قَالَا دَعْهُ فَقُلْتُ لَا اَدَعُه تَأْكُلُهُ السِّبَاعُ لَاٰخُذَنَّهُ فَلَاَسْتَمْتِعَنَّ بِهِ فَقَدِمْتُ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَسَاَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ وحَدَّثْتُه بِهَا فَقَالَ لِي عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا فَمَا اَجِدُ مَنْ يَّعْرِفُهَا ثُمَّ اَتَيْتُه بِهَا فقال عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ فَعَرَّفْتُهَا ثم اَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا آخَرَ وَقَالَ اَحْصِ عِدَّتَهَا وَوِعَاءَهَا وَوِكَاءَهَا فَاِنْ جَاءَ طَالِبُهَا فَاَخْبَرَكَ بِعِدَّتِهَا ووعاءها ووكاءها فَادْفَعْهَا اِلَيْهِ وَاِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا.

ترجمہ: سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت زید بن صوحان رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا رہا تھا مجھے ایک کوڑا ملا۔ ابن نمیر نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ میں نے اس کوڑے کو اٹھا لیا، تو ان دونوں نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ میں نے کہا میں اسے نہیں چھوڑوں گا ورنہ اسے درندے کھا جائیں گے میں تو اسے ضرور حاصل کروں گا۔ اور اس کے ذریعے نفع حاصل کروں گا۔ سوید بیان کرتے ہیں۔ پھر میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا اور یہ پورا واقعہ سنایا تو انہوں نے فرمایا۔ تم نے اچھا کیا ہے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک تھیلی پائی جس میں ایک سو دینار موجود تھے۔ میں اسے لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو میں نے ایک سال تک اسکا اعلان کیا لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اسے جانتا ہو پھر میں اسے لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا آپ نے فرمایا: ایک اور سال تک اس کا اعلان کرو۔ میں نے ایک سال تک اس کا اعلان کیا، پھر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک اور سال تک اس کا اعلان کرو پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس کی گنتی کر لو وہ تھیلی اور اس کی پہچان یاد رکھو اگر اس کا طلب گار آ گیا اور اس نے اس کی گنتی، اس کی تھیلی اور اس کی رسی کی پہچان کروا دی۔ تو تم اس کے سپرد کر دینا ورنہ تم اسے خود استعمال کرو۔

تشریح: گرا پڑا سامان ہو تو اس کو لقطہ کہا جاتا ہے لغۃ فصیحہ میں ق کے فتح کے ساتھ ہے حیوان ہو تو اس کو ضالۃ کہا جاتا ہے اور اگر

انسانی بچہ ہوتو اس کو لقیط کہا جاتا ہے اسمیں چھوٹے چھوٹے کئی مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ: لقطہ کے التقاط کا کیا حکم ہے شرعی حیثیت کیا ہے؟ ① احناف کے ہاں تفصیل ہے اگر بڑے سامان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو اٹھالینا مباح ہے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو احناف کے ہاں اٹھالینا افضل ہے۔

② شوافع کے ہاں واجب ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ ترک التقاط یہ تضیع کے باب میں سے نہیں ہے بلکہ یہ حفاظت غیر لازمہ کے امتناع کے قبیل سے ہے اگر التقاط سے مقصود اپنے استعمال میں لانا ہوتو التقاط حرام ہے گناہ کبیرہ ہے وہیں پڑے رہنے دے لہٰذا جن احادیث میں فرمایا کہ ضالة المسلم حرق النار تو اس کا مصداق یہی ہے کہ اٹھانے سے مقصود اپنے تصرف میں لانا ہو

دوسرا مسئلہ: بعد از التقاط کا حکم: اس میں بھی تفصیل ہے گراپڑا سامان دو حال سے خالی نہیں کہ اگر وہ اتنی معمولی مالیت کا ہو ملتقط کا ظن غالب یہی ہے کہ مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا تو اگر یہ خود اہل صدقہ میں سے ہے تو خود استعمال کرے اور اگر خود اہل صدقہ میں سے نہیں ہے تو پھر کسی فقیر کو دیدے اور اگر یہ لقطہ اتنی مالیت کا ہو کہ مالک اس کا تعاقب اور تلاش کرے گا تو ایسی صورت میں مالک تک پہنچانے کے ارادہ سے اس کی حفاظت اور تشہیر دونوں واجب ہیں۔

تیسرا مسئلہ: مدۃ تشہیر کتنی ہے؟ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلے کو زیر بحث لایا ہے۔

مذاہب فقہاء: اعلان کی مدت کیا ہے اور دو مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعلان کی کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے بلکہ چیز کی حالت اور شان کے بقدر اعلان ہوگا۔

دلیل: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تین سال تک لقطہ کا اعلان کرنے کا حکم دیا اسی باب میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم دیا بعض روایات میں دس دن کے اعلان کا بعض میں ایک ماہ تک اور بعض میں تین ماہ کا ذکر ہے ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے تعریف کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ شئی کی حالت اور شان کے بقدر اعلان ہوگا۔

(۲) بعض ائمہ کے نزدیک لقطہ کا علان ایک سال تک کرنا واجب ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے وفیه عرفها سنة اس میں ایک سال تک اعلان کا حکم ہے اگر صرف یہی روایت ہوتی پھر تو ٹھیک تھا لیکن اس کے خلاف بھی روایات مذکور ہیں مثلاً اسی باب میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں تین سال کا ذکر ہے ان روایات متعارضہ میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ لقطہ کی شان کے بقدر مدت تک اعلان کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر ۴: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ لقطہ مالک کے حوالہ کب کیا جائے گا اس میں دو مذہب ہیں:

① امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب کوئی آدمی آ کر شئی کی علامت بیان کردے تو وہ چیز اس کے حوالے کر دینا واجب ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات محفوظ رکھنے کا حکم دیا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ جب کوئی علامت بتائے تو پھر اس کو دے دو۔

② جمہور ائمہ کے نزدیک محض علامات بتانے سے حوالے کرنا ضروری نہیں بلکہ اصل مقصد اعتماد اور یقین ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بھی علامات محفوظ کرنے کے حکم سے اصل مقصد اطمینان ہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر علامت تو صحیح بتائے لیکن

اطمینان نہ ہو تو اس صورت میں حوالے کرنا واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر ۵: مسئلہ مدۃ تشہیر گزر جانے کے بعد: مالک کے نہ آنے پر آیا ملتقط خود تصرف کر سکتا ہے یا نہیں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلے کو زیر بحث لایا ہے اس میں دو مذاہب ہیں:

(۱) احناف یہ کہتے ہیں کہ اگر ملتقط خود اہل صدقہ میں سے ہو خود تصرف کر سکتا ہے اور اگر خود اہل صدقہ میں سے نہ ہو امیر ہو یا بنو ہاشم میں سے ہو تو اہل صدقہ کو دیدے۔

دلیل ۱: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ایک حدیث سے ہے وفیہ ضالة المسلم حرق النار۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ملتقط غنی ہے تو اسکے لیے استعمال کرنا جائز نہیں اگر وہ استعمال کرے گا تو ایسا ہوگا جیسے وہ آگ کا انگارہ کھا رہا ہے اس کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے ہے۔

احناف کی دلیل ۲: حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جس کی تخریج دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے کہ:

فان جاء صاحبه فليؤدها اليه فان لم يأت فليتصدق.

"اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے اور اگر نہ آئے تو صدقہ کر دے۔"

دلیل ۳: حدیث عیاض بن حماد جس کی تخریج ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں کی ہے اس کے اندر یہ ہے کہ اگر اس کا مالک آجائے تو فبها والا فمال الله يوتيه من يشآء اور عمومی طور پر مال اللہ تعبیر ہوتی ہے مال صدقہ سے تو معلوم ہوا کہ اس پر صدقہ کے احکام جاری ہوں گے۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت مقررہ تک اعلان کرنے کے بعد ملتقط خود استعمال کر سکتا ہے چاہے فقیر ہو یا غنی جب مالک آجائے تو ضمانت لازم ہوگی۔

دلیل اوّل: زیر بحث باب میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود غنی ہونے کے لقطہ سے انتفاع کی اجازت دی۔

جواب ①: یہ ہے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ جس وقت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تھیلی ملی تھی اس وقت بھی غنی تھے خصوصا یہ بھی عدم غنی ہونے پر دال ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ... الخ﴾ (آل عمران:۹۲) نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنا باغ سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کر دو تو انہوں نے وہ باغ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر صدقہ کر دیا تو معلوم ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (پہلے) فقیر تھے اور ظاہر ہے کہ فقیر اہل صدقہ میں سے ہے۔

جواب ②: تصرف ہوا ہے لیکن باذن الحاکم۔

دلیل ثانی: ترمذی میں حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وفيه والا فشانك بها کہ اگر اس سامان کا مالک نہ آئے تو تم جانو اور تمہارا وہ سامان جانے یعنی پھر خود استعمال کر لو۔

جواب: فشانك بها کا یہ معنی نہیں ہے کہ پھر خود استعمال کر لو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر مالک نہ آئے تو پھر احکام شرعیہ کے مطابق

عمل کرو اگر مستحق ہو تو استعمال کرلو ورنہ صدقہ کر دو۔

دلیل ثالث: باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے ایک دینار مل گیا تھا آپ نے اس کا اعلان کیا جب مالک نہیں ملا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کی اجازت دی اگر لقطہ کو صدقہ کرنا واجب ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانے کی اجازت نہ دیتے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بنو ہاشم میں سے ہیں اور بنو ہاشم کے لیے صدقہ ناجائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ ملتقط لقطہ سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے چاہے مستحق ہو یا نہ ہو۔

واقعہ علی رضی اللہ عنہ کا جواب ①: یہ ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ جب ابھی تک لقطہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

جواب ②: اس واقعہ سے استدلال درست نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ اس واقعہ میں دینار کے کھانا کا کوئی ذکر نہیں۔

ثانیًا: یہ کہ لقطہ کو کھانے کا جائز ہونا یہ ایک الگ بات ہے اور بشرط ضمان کھانے پر مالک کی رضا پر ظن غالب دوسری بات ہے۔

تفصیل اجمال: اس اجمال کی تفصیل ابو داؤد میں اس طرح مذکور ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں بھوکے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو راستہ میں سے ایک دینار مل گیا دینار کا مالک اعلان کے باوجود معلوم نہ ہوا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے وہ دینار لے کر یہودی کی دکان پر آٹا لینے کے لیے گئے یہودی نے آٹا مفت دے دیا پھر ایک قصائی سے ایک درہم کا گوشت خریدا اور دینار اس کے پاس رہن رکھ دیا جب کھانا تیار ہوا اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پھر حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما نے تمام واقعہ سنایا پھر پوچھا کہ یہ کھانا ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جائز ہے کھانا کھا رہے تھے اتنے میں باہر سے ایک لڑکے نے آواز لگائی کہ میرا دینار گم ہوگیا ہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دینار کا مالک آ گیا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ قصائی کے درہم کا میں ذمہ دار ہوں آپ اس سے دینار لے کر واپس کر دیں۔

جواب ②: گرے پڑے ہوئے سامان کو اٹھانا دو حیثیتیں بغرض حفاظت مالک تک پہنچانے کے ارادہ سے اس طور پر اس پر لقطہ کے احکام جاری ہوں گے (۲) بغرض تصرف بارادہ اداء ضمان اکتفاء علی الاجازت الحکمیہ جیسا کہ کسی دوست کا سامان کسی کے پاس ہو تو وہ بوقت مجبوری اس کو استعمال کر لیتا ہے۔

اکتفاء علی الاجازۃ الحکمیۃ اور اس حیثیت سے لقطہ کو اٹھانا اس صورت میں اس پر لقطے کے احکام جاری نہیں ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سامان کو اٹھانا اسی دوسری حیثیت سے تھا۔

پانچواں مسئلہ: التقاط الابل یجوز ام لا: عند الاحناف یجوز عند الشوافع لا یجوز۔

احناف کی دلیل: (واقعہ) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو تعلیق المحمود ابو داؤد کا حاشیہ ہے اس میں ہے کہ ان کے زمانہ میں گمشدہ اونٹ کو محفوظ کر لیا جاتا تھا جب حفاظت میں دشواری ہوتی تو فروخت کر کے اس کے ثمن بیت المال میں محفوظ کر لئے جاتے تھے اور مالک کے آنے پر ہر وہ ثمن مالک کو دے دیئے جاتے تھے یہ قرینہ ہے کہ التقاط الابل جائز ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ ہے۔

جواب ①: احناف یہ کہتے ہیں کہ لقطہ سے خاص لقطہ مراد ہے کہ جس کی مالیت اتنی ہو کہ ظن غالب یہ ہو کہ مالک ایک سال تک اس

کی تلاش میں ہوگا اس کے متعلق ارشاد فرمایا عرفھا سنة وعاء چمڑے کا برتن ہو یا چمڑے کے ماسواء کا برتن ہو اور عفاص چمڑے کے برتن کو کہتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دعاء مطلق برتن عام ازیں اس کے اندر کھانے کی چیز ہو یا نہ ہو اور عفاص وہ ہے کہ جس کے اندر کھانے پینے کی کوئی چیز ہو اگر لقطہ کو استعمال کر لیا تو مالک کو کیا دیگا اگر ذوات الامثال میں سے ہے تو مثل دے گا اور اگر ذوات القیم میں سے ہے تو قیمت دے گا فانما ھی لك مالک کے نہ آنے پر مدۃ تشہیر تک اور تم اہل صدقہ میں سے ہو اور اگر مالک آ گیا تو وہ لے لے گا اور اگر مالک بھی نہ آئے اور تم بھی نہ اٹھاؤ تو پھر بھیڑیا لے لے گا عرض کیا گیا کہ اونٹ کا کیا حکم ہے تو حضور ﷺ غصے ہو گئے اور چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا مالك ولھا تمہارا کیا واسطہ گم شدہ اونٹ کے ساتھ اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ ہے کئی کئی دن تک کھا پی سکتا ہے چرتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پا لے گا دیکھو صراحتاً معلوم ہو رہا کہ اونٹ کا التقاط جائز نہیں ہے۔

جواب②: نبی کریم ﷺ کا زمانہ خیر کا تھا ضائع کا اندیشہ نہیں تھا اس لیے اجازت نہیں دی۔

سوال: بکری کے ضائع ہونے کا بھی اندیشہ نہیں تھا؟

جواب: بکری اپنا دفاع نہیں کر سکتی بخلاف اونٹ کے کہ کوئی حملہ کر کے دیکھے نیز یہ حدیث دال ہے کہ التقاط والا حکم معلول بالعلۃ ہے اور وہ علۃ ضیاع کا خوف ہے بعد میں ضیاع کا اندیشہ ہو تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے التقاط الابل کی اجازت دے دی تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْوَقْفِ

باب ۳۶: وقف کا حکم

(۱۲۹۶) قَالَ اَصَابَ عُمَرُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَصَبْتُ مَالًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِيْ مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ قَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اِنَّهَا لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ تَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَالْقُرْبٰى وَالرِّقَابِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهَا اَنْ يَّاْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْ يُطْعِمَ صَدِيْقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ فِيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین (مال غنیمت میں) حصے میں ملی۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے خیبر میں کچھ زمین ملی ہے۔ مجھے ایسی کوئی زمین کبھی نہیں ملی جو میرے نزدیک اس سے زیادہ نفیس ہو۔ آپ مجھے کیا ہدایت کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم چاہو تو زمین اپنے پاس رکھو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو صدقہ کر دیا۔ اس طرح کہ اس زمین کو فروخت نہیں کیا جا سکتا اسے ہبہ نہیں کیا جا سکتا، وراثت میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کی پیداوار کو غریبوں میں قریبی رشتے داروں میں، غلاموں کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسافروں کے لئے، مہمانوں کے لئے خرچ کیا جائے گا، اور جو شخص اس کا نگران ہوگا اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا اگر وہ خود مناسب طریقے سے اس میں سے کھا لیتا ہے یا اپنے کسی درست کو کھلا دیتا ہے، جبکہ وہ اسے جمع کرنے والا نہ ہو۔

(۱۲۹۷) اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ سوائے تین اعمال کے، صدقہ جاریہ، وہ علم جس کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے۔

تشریح: زیر بحث باب کی روایت میں ایک زمین کو وقف کرنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو صدقہ کردیا یعنی اصل کو وقف کردیا اور منافع کو صدقہ کردیا اور وقف کے اندر یہ شرط رکھی کہ اس کی اصل کو کبھی فروخت نہیں کیا جاسکے گا نہ ہبہ ہوگا نہ اس میں کبھی وراثت جاری ہوگی البتہ اس کے منافع کو مستحقین پر خرچ کیا جائے۔

ان شئت حبست اس لفظ کو دو طرح پڑھنا صحیح ہے:

(۱) حبست بالتخفیف اس صورت میں یہ باب ضرب یضرب سے ماضی کا صیغہ ہوگا اس کا لغوی معنی ہے روک کر رکھنا اور اس مقام پر روکنے سے مراد وقف ہوگا۔

(۲) حبست بالتشدید اس صورت میں یہ ماضی کا صیغہ ہوگا باب تفعیل سے معنی یہ ہوگا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر چاہو اس کی اصل کو وقف کردو منافع کو صدقہ کردو بعض فقہاء کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوگی۔

مذاہب فقہاء: وقف کی حقیقت کیا ہے؟ وقف کی حقیقت میں اختلاف ہے اور اس میں دو مذہب ہیں:

① ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک شئی موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا ہبہ اور وراثت نہیں ہوسکتے۔

② امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ یہاں کل چار صورتیں بنتی ہیں: (۱) اگر کوئی آدمی زمین کا رقبہ وقف کرے تو اس سے واقف کی ملکیت ختم ہوجائے گی۔ (۲) اگر کسی آدمی نے زمین کا رقبہ تو وقف نہیں کیا بلکہ اس کے منافع وقف کئے اور منافع کو اپنی موت کے بعد تک منسوب کیا کہ میرے مرنے کے بعد بھی اس کے منافع وقف ہوں گے اس صورت میں منافع ہمیشہ کے لیے وقف ہوں گے۔ (۳) اگر واقف نے موت کے ساتھ معلق تو نہیں کیا لیکن کسی حاکم نے یہ فیصلہ کردیا کہ یہ وقف دائمی ہے تو پھر بھی یہی مسئلہ ہے ان سب صورتوں میں واقف وقف سے رجوع نہیں کرسکتا۔ (۴) واقف نے رقبہ وقف نہیں کیا بلکہ منافع وقف کئے اور موت پر معلق بھی نہیں کیا اور کسی حاکم نے دائمی ہونے کا فیصلہ بھی نہیں کیا اس صورت میں اس وقت تک وقف ہوگا جس وقت تک واقف وقف کرلے اور واقف رجوع کرسکتا ہے مگر احناف کے یہاں فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے کیونکہ اس میں وقف کی مصلحت ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ اس صورت میں وقف کی بیع اور ہبہ صحیح ہے اگرچہ مکروہ ہے اس لیے وقف کے خرد برد ہونے کا احتمال ہے اس لیے بر بنائے مصلحت صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے پس فتویٰ کی رو سے اس باب میں کوئی اختلاف نہیں۔

لا جناح علی من...الخ جو آدمی وقف کا متولی ہو اس کے لیے جائز ہے کہ شرعی دستور کے مطابق اس وقف کی آمدنی استعمال کرے اسی طرح اگر اپنے دوست کو کھلائے اور مہمانوں کو کھلائے الغرض اپنی تمام ضروریات کو اعتدال کے ساتھ اس کی آمدن سے

پورا کر سکتا ہے۔

قال فذ کرته لمحمد ابن سرین......الخ ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات محمد بن سرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ذکر کی کہ مجھے حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی ہے تو حضرت محمد بن سرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم جو یہ الفاظ کہہ رہے ہو غیر متمول فیہ مجھے یہ حدیث اس طرح یاد ہے یعنی غیر متاثل مالا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے مال کو جڑ پکڑانے والا نہ ہو ابن عون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث مجھے بعد میں ایک اور شخص نے سنائی اور اس شخص نے یہ کہا کہ اس نے ایک سرخ چمڑے کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی یہ عبارت پڑھی۔ غیر متاثل مالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ متاثل والی روایت زیادہ صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَجْمَاءِ اَنَّ جُرْحَهَا جُبَارٌ

باب ۳۷: جانور کے زخمی کرنے کا کوئی تاوان نہیں ہوتا

(۱۲۹۸) اَلْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانور اگر کسی کو زخمی کر دے تو اس کا کوئی جرمانہ نہیں ہوتا۔ کنویں میں اگر کوئی گر جائے، تو اس کا کوئی جرمانہ نہیں ہوتا (معدنیات) کان میں گر جائے، تو بھی کوئی جرمانہ نہیں ہوتا اور خزانے میں پانچویں حصے کی ادائیگی لازم ہے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپائے کا زخم رائگاں ہے اور کنواں رائگاں ہے اور کھان رائگاں ہے اور رکاز میں خمس ہے اس حدیث کی شرح کتاب الزکوۃ باب ۱۶ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي اِحْيَاءِ اَرْضِ الْمَوَاتِ

باب ۳۸: بنجر زمین کو آباد کرنا

(۱۲۹۹) مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهٗ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ.

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کسی بنجر زمین کو آباد کرے وہ زمین اس کی ہوگی اور کسی ظالم شخص کو (اس پر قبضہ کرنے کا) حق نہیں ہوگا۔

(۱۳۰۰) مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے وہ زمین اس کی ہوگی۔

مذاہب فقہاء: اگر کوئی شخص کسی ویران زمین کو آباد کرے اور کاشت کے قابل بنائے تو کیا آباد کاری کرنے سے وہ اس کا مالک ہو جائے گا یا حکومت کی اجازت ضروری ہے؟

① ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک آباد کاری سے مالک ہو جائے گا اجازت لینے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے کسی ویران زمین کو آباد کیا وہ زمین اس کی ہے یعنی آباد کاری کرنے والا زمین کا مالک ہو گیا۔

جمہور کی دلیل: حدیث باب سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہے (لام لام تملیک ہے)۔

جواب: لام لام استحقاق ہے آباد کرنے والا زمین کا حق دار بن جاتا ہے لہٰذا حاکم کو چاہیے کہ اس کے لیے فیصلہ کر دے یعنی اس کی اجازت دے دے۔

② امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مالک ہونے کے لیے حکومت کی اجازت ضروری ہے۔ اجازت خواہ لاحقہ ہو یا سابقہ یعنی اجازت لے کر زمین آباد کی ہو یا آباد کرنے کے بعد اجازت لی ہو بہر حال اجازت لینی ضروری ہے محض آباد کاری سے مالک نہیں ہوگا اور دلیل نبی ﷺ کا ارشاد ہے: لیس للمرء الا ماطابت به نفس امامه انسان کے لیے صرف وہ چیز طیب ہے جس سے اس کے امام کا دل خوش ہو جائے۔ (نصب الرایہ ۴۳۱:۳) یہ ارشاد سرکاری املاک کے بارے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ آدمی سرکاری چیز کا مالک جبھی ہوگا جب امیر اجازت دے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی سرکاری چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔

وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ: حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ظالم کی رگ (مرکب اضافی) یا ظالم رگ (مرکب توصیفی) کے لیے کوئی حق نہیں اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی آباد کی ہوئی زمین میں درخت لگائے یا کوئی تعمیر کرے تو وہ ظالم ہے۔ اور اس کا یہ تصرف ظالمانہ ہے پس اس پر اپنے درخت کو کاٹ لینا اور عمارت کو توڑ لینا ضروری ہے ہاں اگر وہ درخت کاٹنے کے بجائے کٹے ہوئے درختوں کی قیمت لینا چاہے اور مالک اس پر راضی ہو تو یہ جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَطَائِعِ ... الخ

باب ۳۹: جاگیر دینا

(۱۳۰۱) اَنَّهُ وَفَدَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ فَقَطَعَ لَهُ فَلَمَّا اَنْ وَلّٰى قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجْلِسِ اَتَدْرِيْ مَا قَطَعْتَ لَهُ اِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ فَانْتَزَعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَاَلَهُ عَنْ مَا يُحْمٰى مِنَ الْاَرَاكِ قَالَ مَالَمْ تَنَلْهُ خِفَافُ الْاِبِلِ فَاَقَرَّ بِهِ قُتَيْبَةُ. وَقَالَ: نَعَمْ.

ترجمہ: راوی بیان کرتے ہیں: میں نے قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا، کیا محمد بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے حوالے سے آپ کو یہ حدیث سنائی ہے؟ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے نمک کی کان بطور جاگیر عطا کرنے کی درخواست کی۔ نبی اکرم ﷺ نے وہ انہیں عطا کر دی جب وہ واپس جانے لگے تو حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کی: کیا آپ جانتے ہیں۔ آپ نے اسے کیا عطا کیا ہے۔ آپ نے انہیں جاری رہنے والا پانی عطا کر دیا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے وہ ان سے واپس لے لی پھر انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس زمین کی درخواست کی جہاں پیلو کے درخت بکثرت تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ وہاں تک جہاں تک اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچے۔

(۱۳۰۲) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَقْطَعَهٗ اَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتَ.

ترجمہ: علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے انہیں "حضر موت" میں زمین جاگیر کے طور پر دی تھی۔

تشریح: قطائع جمع ہے قطیعۃ کی اس کا معنی ہے جاگیر مراد اس سے وہ زمین ہے جس کو حاکم بطور عطیہ دے۔

قلت لقتیبہ بن سعید...الخ حدیث کی روایت کونقل کرنے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں جن میں سے ایک طریقہ ہے عرض اس مقام پر یہی طریقہ مراد ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب شاگرد استاد کے سامنے حدیث پڑھے تو شاگردان الفاظ سے شروع کرے **حدثکم فلاں** کہ فلاں نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے جیسے اس مقام پر مذکور ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد قتیبہ بن سعید رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیث پڑھی اور کہا **حدثکم محمد بن یحیٰی** کہ آپ کو یہ حدیث محمد بن یحییٰ نے سنائی اور پھر آخر میں استاد اقرار کرتا ہے جیسے اس مقام پر مذکور ہے **فاقر به قتیبه** کہ قتیبہ نے اپنے شاگرد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی اور اقرار کیا۔

فَانْتَزَعَهٗ مِنْهُ:

سوال: جب ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ان کو کھان دے دی تو پھر واپس کیوں لیا، بظاہر یہ آپ ﷺ کی شان کے خلاف ہے؟

جواب: نبی ﷺ کا خیال یہ تھا کہ اس کان سے نمک نکالنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑے گی تب اس سے فائدہ حاصل ہو سکے گا لیکن جب آپ کو یہ بتا دیا گیا کہ وہ کان تیار ہے چونکہ ایسی معدن سے تمام مسلمانوں کا حق متعلق ہوتا ہے کسی ایک کو دے کر دوسروں کو محروم کرنا مناسب نہیں اس لیے نبی ﷺ نے واپس لے لی۔

سَاَلَهٗ عَمَّا يَحْمِي......الخ: یہ اس حدیث کا دوسرا جملہ ہے کہ شرکاء مجلس میں سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی پیلو کے درخت کے جنگل کو قبضے میں کرلے تو اس کا کیا حکم ہے آپ ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: **مالم تنله خفاف الابل** مطلب یہ ہے کہ اگر بستی کی ضروریات اس زمین سے متعلق نہ ہوں اور بستی کے اونٹوں کی چراہ گاہ نہ ہو تو پھر اس احیاء سے ملکیت حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔

کیا شرعاً جاگیر دینا جائز ہے؟ دو طریقوں سے جاگیر دینا جائز ہے: ① یہ کہ کوئی سرکاری زمین جو سرکار کی ملکیت میں ہو اگر حاکم کسی شخص کو بطور جاگیر کے دے دے تو یہ جائز ہے۔

② یہ کہ حاکم ارض موات میں سے کوئی حصہ کسی کو بطور جاگیر دے دے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تین سال کے اندر اندر اس کو آباد کرے اگر ایسا نہ کیا تو واپس لے کر وہ کسی دوسرے کو دے دی جائے۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ سے جاگیر واپس لے لی اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کسی کی مملوکہ زمین کو لے سکتی ہے تو کیا اس حدیث کے مطابق حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین کو لے لے؟

جواب: حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کی مملوکہ زمین کو لے لے اور زیر بحث باب کی روایت سے یہ استدلال ہرگز درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے صحابی سے جاگیر واپس لی تھی ان کی ملکیت میں آنے سے پہلے نہ تو اس پر قبضہ کیا تھا اور نہ ہی احیاء موات کا کوئی عمل کیا تھا۔

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَقْطَعَهٗ اَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتَ: اس حدیث میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو حضر موت میں جاگیر دینے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جب نبی ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ حضر موت بھیجا تو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اُونٹ پر

سوار تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ جب راستے میں دھوپ تیز ہوگئی تو انہوں نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ارداف کا مطالبہ کیا۔ وائل بن حجر نے جواب دیا کہ تم بادشاہوں کے پیچھے بیٹھنے کے قابل نہیں ہو لہٰذا میرے اُونٹ کے سائے میں ساتھ ساتھ چلتے رہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یمن تک پورا سفر اسی طرح طے کیا وہاں پہنچ کر ان کو زمین دے دی اور واپس آ گئے۔ بعد میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ یمن سے دمشق ان کی ملاقات کے لئے آئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور اکرام کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فَضْلِ الْغَرْسِ

باب ۴۰: درخت لگانے کی فضیلت

(۱۳۰۳) مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَیْرٌ بَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو بھی مسلمان کوئی پودا وغیرہ لگاتا ہے یا کوئی کھیت لگاتا ہے اور اس میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا جانور کچھ کھا لیتے ہیں، تو وہ اس شخص کے لئے صدقہ شمار ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمُزَارَعَةِ

باب ۴۱: کھیتی باڑی کا بیان

(۱۳۰۴) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَامَلَ اَهْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْ زَرْعٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو وہاں کام کرنے کی اجازت اس شرط پر دی تھی کہ وہاں کی پیداوار میں سے، پھلوں یا کھیت میں سے نصف (مسلمانوں کو ادا کیا جائے گا)۔

اس باب میں مزارعت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ مزارعت کی چار صورتیں ہیں:

① مالک اپنی زمین کاشتکار کو کرائے پر دے دے۔ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

② کہ زمین کو اس شرط پر مزارعت کے لیے دینا کہ پیداوار کا کچھ حصہ زمیندار کا ہوگا اور کچھ حصہ کاشتکار کا اگر زمین کا مالک ایک متعین مقدار اپنے لیے مقرر کرلے تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں پیداوار کتنی ہوگی۔

③ زمین کا مالک ایک مخصوص حصہ کی پیداوار اپنے لیے خاص کرلے۔ یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔

④ یہ کہ زمین کا مالک ایک مناسب مقدار اپنے لیے مقرر کرلے مثلاً کل پیداوار کا ثلث یا ربع اس جواز میں اختلاف ہے اور مذاہب فقہاء دو مذہب ہیں:

① جمہور ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

دلیل: ان کا استدلال زیر بحث باب کی روایت سے ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر والوں سے جو معاہدہ کی تھا وہ مزارعت کا تھا کہ خیبر والے زمینوں کو کاشت کریں گے باغات کو پانی دیں گے پیداوار کا نصف ان کا ہوگا اور نصف مسلمانوں کا اس سے معلوم ہوا کہ مزارعت جائز ہے۔

② امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے۔

دلیل: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ابوداؤد میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس کا حوالہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے کہ جو آدمی مزارعت نہ چھوڑے اس کے لیے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے (لیکن فتویٰ جمہور ائمہ کے مذہب کے مطابق ہے)۔

باب

باب ۴۲: مزارعت (کے احکام)

(۱۳۰۵) قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا اِذَا كَانَتْ لِاَحَدِنَا اَرْضٌ اَنْ يُّعْطِيَهَا بِبَعْضِ خِرَاجِهَا اَوْ بِدَرَاهِمَ وَقَالَ اِذَا كَانَتْ لِاَحَدِكُمْ اَرْضٌ فَلْيَمْنَحْهَا اَخَاهُ اَوْ لِيَزْرَعْهَا.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس کام سے منع کر دیا تھا جو پہلے ہمارے لئے نفع بخش تھا جب ہم میں سے جس شخص کی زمین ہوتی تھی تو وہ اسے کچھ خراج (پیداوار) یا چند دراہم کے عوض میں دوسرے کو دے دیتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کے پاس زمین ہو تو وہ بلا معاوضہ اپنے بھائی کو دے دے یا خود اس میں کھیتی باڑی کرے۔

(۱۳۰۶) اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يُحَرِّمِ الْمُزَارَعَةَ وَلٰكِنْ اَمَرَ اَنْ يَّرْفُقَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مزارعت کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ آپ نے یہ ہدایت کی تھی کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کا سلوک کریں۔

تشریح: پہلے (باب میں) بتایا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ نے مزارعت سے مصلحتاً منع فرمایا تھا جو مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ تہی دست تھے جبکہ انصار کے پاس زمین جائداد اور مکان سب کچھ تھا جس کی وجہ سے توازن بگڑ گیا تھا پس آپ ﷺ نے توازن قائم کرنے کے لیے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی شخص اپنی زمین بٹائی پر یا کرایہ پر نہ دے یا تو خود کاشت کرے یا کسی مہاجر کو کاشت کرنے کے لیے عاریتاً دے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے مزارعت کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم بھی آپ ﷺ نے بر بنائے مصلحت دیا تھا اور وہ مصلحت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتائی تھی اسی طرح مزارعت کی ممانعت کا حکم بھی مصلحتاً دیا تھا وہ مصلحت بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتائی ہے کہ مزارعت کی ممانعت لوگوں کے مفاد کی خاطر تھی پھر جب بنو نضیر کا علاقہ فتح ہوا اور ان کی زمینیں مہاجرین کو دے دی گئیں تو توازن قائم ہو گیا اور مزارعت کی ممانعت ختم ہو گئی چنانچہ خود نبی ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا معاملہ فرمایا۔

اَبْوَابُ الدِّيَاتِ

دیت کے بیان میں

بَابُ مَا جَاءَ فِی الدِّیَةِ کَمْ هِیَ مِنَ الْاِبِلِ

باب ۱: اُونٹ کے حساب سے کتنی دیت ہوگی؟

(۱۳۰۷) قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ دِیَةِ الْخَطَاِ عِشْرِیْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِیْنَ بَنِیْ مَخَاضٍ ذُکُوْرًا وَعِشْرِیْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِشْرِیْنَ جَذَعَةً وَعِشْرِیْنَ حِقَّةً.

ترجمہ: حضرت خشف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا۔ اس میں بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض جو مذکر ہوں۔ بیس بنت لبون، بیس جزعے اور بیس حقے دیئے جائیں گے۔

(۱۳۰۸) مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا دُفِعَ اِلٰی اَوْلِیَاءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُوْا اَخَذُوا الدِّیَةَ وَهِیَ ثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَثَلَاثُوْنَ جَذَعَةً وَاَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوْا عَلَیْهِ فَهُوَ لَهُمْ وَذٰلِكَ لِتَشْدِیْدِ الْعَقْلِ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: جو شخص قتل عمد کرے اسے مقتول کے اولیاء کے سپرد کیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اسے قتل کر دیں اگر چاہیں تو دیت قبول کر لیں اور یہ تیس حصے، تیس جذعے اور چالیس خلفے ہوگی اور اگر وہ اس کے ساتھ صلح کر لیں انہیں اس کا حق حاصل ہے۔

یہاں چند مسائل کا معلوم کرنا ضروری ہے۔

دیات جمع ہے دیت کی اور یہ لفیف مفروق ہے ودی یدی سے بمعنی دیت ادا کرنا۔ اصطلاح میں دیت اس مال کو کہتے ہیں جو بطور بدل کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر ہو اور مقرر شدہ مقدار میں کمی زیادتی نہ ہو سکے۔

احادیث متعلقہ بالدیات کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھیں کہ قتل جنایت کی پانچ قسمیں ہیں: ① قتل عمد ② قتل شبہ عمد ③ قتل خطاء ہے ④ جاری مجری خطاء ⑤ قتل بالسبب۔

قتل عمد: کے مفہوم میں امام صاحب اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمداً جان بوجھ کر ایسے آلے کے ذریعے قتل کرنا کہ جو آہنی ہو یعنی لوہے کا ہتھیار ہو یا تفریق اعضاء میں آہنی آلہ کے قائم مقام ہو جیسے مثلاً بانس کا ایسا چھلکا ہو جو دھاری دار ہو یا تیز دھاری دار پتھر ہو۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قتل عمد یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسے آلے کے ذریعے قتل کرنا کہ جس کے مارنے سے عام طور پر موت واقع ہو جاتی ہو عام ازیں کہ وہ لوہے کا ہتھیار ہو یا نہ ہو ماسواء ہونے کی صورت میں عام ازیں کہ وہ تفریق اعضاء کے اندر آہنی ہتھیار کے قائم مقام ہو یا نہ ہو مثلاً کسی وزنی پتھر سے مار دیا یا کسی بڑی لکڑی سے مار دیا۔

قتل شبہ عمد: اس کی تعریف میں بھی صاحبین اور امام صاحب رحمہم اللہ کے ہاں اختلاف ہے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسے آلہ کے ذریعہ قتل کرنا کہ جو آہنی بھی نہ ہو اور تفریق اعضاء کے اندر آہنی ہتھیار کے قائم مقام بھی نہ ہو مثلاً بڑا پتھر مارنا کسی بڑی لکڑی سے مار دینا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جان بوجھ کر ایسے آلے سے قتل کرنا کہ جس سے عام طور پر موت واقع نہیں ہوتی ہو مثلاً کوئی چھوٹی لکڑی چھوٹا پتھر وغیرہ سے مارنا۔

ثمرہ اختلاف: اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ جب کسی بڑے پتھر یا کسی بڑی لکڑی سے مارا جائے تو صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں یہ قتل عمداً ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک قتل شبہ عمد ہے قتل خطاء کے اندر تعمیم ہے خطاء فی القصد ہو یا خطاء فی الفعل ہو خطاء فی القصد یہ ہے کہ دور سے کوئی چیز دکھائی دی اس کو ہرن سمجھ کر گولی ماری یا تیر مارا اور واقعہ میں وہ دور سے دکھائی دینے والی چیز آدمی تھا اور گولی اور تیر لگنے سے مر گیا خطاء فی الفعل یہ ہے کہ کسی شکار کو شکار ہی سمجھ کر گولی ماری یا تیر چلایا لیکن ہاتھ میں اضطراب پیدا ہو گیا وہ گولی ہرن کے بجائے کسی انسان کو لگ گئی۔

قتل جاری مجری خطاء: یہ ہے کہ کوئی شخص سویا ہوا ہو سونے کی حالت میں کروٹ بدلی اور کسی بچے پر جا گرا جس کی وجہ سے بچہ مر گیا۔

قتل بالسبب: یہ ہے کہ مثلاً غیر مملوکہ زمین میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا۔

وجہ حصر: یہ ہے کہ قتل بالمباشرۃ ہوگا یا بدون المباشرۃ اگر بدون المباشرۃ ہو تو قتل بالسبب ہے اور اگر بالمباشرۃ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں ہے عمداً ہوگا یا خطاء ہوگا عمداً ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں آہنی الہ کے ذریعے ہوگا یا ایسے آلہ کے ذریعے ہوگا کہ جو تفریق اعضاء میں سے آہنی آلے کے قائم مقام ہو تو یہ قتل عمد ہے اور اگر آہنی آلہ کے ذریعے نہ تھا اور نہ ہی ایسا آلہ تھا جو تفریق اعضاء میں آہنی آلہ کے قائم مقام تھا تو یہ شبہ عمد ہے اور اگر خطاء ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں ہے حالت یقظہ میں ہوگا یا حالت نوم میں ہوگا۔ اگر حالت یقظہ میں ہو تو قتل خطاء ہے اور اگر حالت نوم میں ہو تو جاری مجری خطاء ہے۔

قتل عمداً کا حکم: ① قاتل کا گناہ گار ہونا ② حکم قصاص ہے اور ③ حکم حرمان عن المیراث۔ اور کفارہ بھی واجب ہوگا یا نہیں تو احناف کے نزدیک نہیں ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہوگا اس بات پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ قتل عمداً کے احکام میں سے ایک حکم قصاص ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ قصاص بعینہ ہے یا قصاص اور دیت میں سے کوئی ایک لاعلی التعیین ہے۔ احناف امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا موجب قصاص ہی بعینہ ہے اگر ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں قصاص کو معاف کر کے تو جائز ہے بشرطیکہ قاتل کی رضامندی ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احد الامرین کا وجوب ہے لاعلی التعیین البتہ تعین کا حق اولیاء مقتول کو ہوگا اگر وہ دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو ایسی صورت کے اندر قاتل سے دیت وصول کی جائے گی خواہ قاتل راضی ہو یا نہ ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اصل واجب تو قصاص ہی ہے لیکن بایں ہمہ اگر اولیاء مقتول دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی رضا کے بغیر جبرا دیت وصول کر سکتے ہیں حدیث بظاہر شوافع کے موافق جارہی ہے کہ ایسی صورت کے اندر قاتل کو اولیاء مقتول کے حوالے کیا جائے گا کہ وہ چاہیں تو قصاص لیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔ معلوم ہوا کہ قاتل کی رضامندی کوئی ضروری نہیں ہے۔

جواب: دیت لے لیں اس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کی رضامندی کے ساتھ۔

شبہ عمداً کا پہلا حکم: ① گناہ گار ہونا ② حکم دیۃ مغلظۃ علی عاقلۃ القاتل کا واجب ہونا۔ اگر دیت ادا کی جائے جنس ابل سے تو اس میں تغلیظ ہوگی البتہ تغلیظ کی صورت کیا ہوگی اس میں اختلاف ہے تو احناف کہتے ہیں کہ سو اونٹ ہوں گے چار قسم کے ۲۵ بنت مخاض یک سالہ مادہ ہو جو دوسرے میں جارہی ہو ۲۵ بنت لبون کہ جن کی عمر دو سال مکمل ہو کر تیسرے سال میں جارہی ہو ۲۵ حقے کہ جن کی عمر تین سال مکمل ہو کر چوتھے سال میں جارہی ہو ۲۵ جزعے کہ جن کی عمر چار سال مکمل ہو کر پانچویں سال میں جارہی ہو۔

شوافع کہتے ہیں کہ سو اونٹ ہوں گے اثلاثا ۳۰ حقے ۳۰ جزعے اور چالیس ۴۰ خلفات یعنی گابھن اونٹنیاں مابعد میں جو حدیث آرہی ہے وہ شوافع کے موافق جارہی ہے اور احناف کا متدل اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ جس کی تخریج امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کی (شوافع کی دلیل کا)۔

جواب ①: یہ ہے کہ ابتداء تغلیظ کی یہی صورت تھی بعد میں استقرار جو ہوا وہ اسی اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہوا۔

جواب ②: یہ ہے کہ احکام دیت کے بارے میں اثر صحابی رضی اللہ عنہ بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو فقاہت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے وہ فقاہت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں ہے نیز اقل مقدار کو لینا متیقن ہے لیکن زائد مقدار متیقن نہیں اس لیے متیقن ہونے کی وجہ سے اربعا (جس کے قائل احناف ہیں) کو اختیار کیا جائے گا اگر من جنس ذھب ہو یا من جنس فضہ ہو تو وہی مقدار ادا کی جائے گی جو حدیثوں کے اندر مذکور ہے۔

تیسرا حکم: حرمان من المیراث ہے۔

چوتھا حکم: کفارہ کا قاتل پر واجب ہونا احد الامرین تحریر رقبہ مؤمنہ اگر میسر ہو اور اگر میسر نہ ہو تو پھر پے در پے دو مہینے روزے رکھنا۔

قتل خطاء کا پہلا حکم: دیت کا واجب ہونا اگر دیت من جنس الابل ادا کی جائے تو اس) پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اخماسا ہوگی البتہ تھوڑا سا اختلاف ہے احناف کہتے ہیں کہ ۲۰ بنت مخاض ۲۰ ابن مخاض ۲۰ بنت لبون ۲۰ حقے اور ۲۰ بیس جزعے اور شوافع کے ہاں بھی یہی تفصیل ہے مگر بجائے ابن مخاض کے ۲۰ ابن لبون ہوں گے حدیث الباب احناف کے موافق جارہی ہے شوافع کے خلاف حجت ہے کیونکہ حدیث میں صراحۃ ابن مخاض کا ذکر ہے۔

دوسرا حکم: حرمان عن المیراث ہے۔

تیسرا حکم: کفارہ کا واجب ہونا البتہ گناہ ہوگا یا نہیں تو اس میں قول فیصل یہ ہے کہ عمدا اور شبہ عمدا والا گناہ تو نہیں ہوگا البتہ بے احتیاطی کا گناہ ضرور ہوگا۔ جاری مجری خطاء کے وہی احکام ہیں جو قتل خطاء کے ہیں اس کا عنوان ہی دال ہے کہ اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو قتل خطاء کا ہے۔

قتل بالسبب کا حکم: احناف کے نزدیک دیت واجب ہوگی باقی حرمان عن المیراث اور کفارہ واجب نہیں ہوگا مباشرۃ نہ ہونے

کی وجہ سے دیت اس لیے ہوگی تاکہ نفس کا ہدر اور لغو ہونا لازم نہ آئے اور شوافع کہتے ہیں کہ اس کا حکم بھی قتل خطاء والا ہے یعنی دیت بھی ہوگی حرمان عن المیراث بھی ہوگی اور کفارہ بھی ہوگا۔

کن کن اموال سے دیت ادا کی جائے گی: احناف کے نزدیک صرف تین قسم کے اموال سے ادا کی جائے گی۔

① ابل ② ذہب ③ فضہ۔

ابل ہوں تو سو اونٹ یہ علیحدہ بات ہے کہ قتل عمد کی صورت میں دیت مغلظہ ہوگی الخ اگر ذھب سے ادا کی جائے تو ایک ہزار دینار اور اگر دراہم سے ادا کی جائے تو احناف کے نزدیک دس ہزار دراہم اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار دراہم ہوگی۔

احناف کی دلیل: فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ ہے موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اندر موجود ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے کہ **جعله اثنا عشر الفا** کہ فضہ سے بارہ ہزار دراہم مقرر کئے۔

جواب: یہ ہے کہ کوئی تدافع نہیں ہے اس لیے کہ اصل میں دراہم دو قسم کے چلتے تھے:

① وزن ستہ والے جو تقریباً چھ مثقال کے برابر ہوتے تھے۔

② وزن سبعہ والے جو سات مثقال کے برابر ہوتے تھے اب اگر وزن ستہ کے اعتبار سے بارہ ہزار دراہم لیں تو وزن سبعہ کے اعتبار سے دس ہزار دراہم کے برابر ہوتے ہیں اور اگر وزن سبعہ کے اعتبار سے دس ہزار دراہم لیں تو وہ وزن ستہ کے اعتبار سے بارہ ہزار دراہم کے برابر ہوجاتے ہیں احناف کے نزدیک ایسے تین قسم کے اموال سے دیت ادا کی جائے گی۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں: کہ چھ قسم کے اموال سے دیت ادا کی جاسکتی ہے تین تو یہی ہیں اور چوتھا گائے کے اعتبار سے ان کی تعداد دو سو ہوگی اور نمبر ۵۔ بکریوں کے اعتبار سے اور ان کی تعداد ایک ہزار ہوگی اور نمبر ۶۔ جوڑوں کے اعتبار سے اور ان کی مقدار دو سو جوڑا ہے موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ایک شلوار اور ایک قمیص کے اعتبار سے دو سو جوڑے ہوں گے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے اندر دو سو گائے اور ہزار بکریاں اور دو سو جوڑے مقرر کیے۔

جواب: بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیے تھے لیکن اصل دیت ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ دیت کے بدل ہونے کی حیثیت سے۔

پہلا فرق: یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان تین قسم کے اموال سے دیت ادا کرنا یہ اصل دیت نہیں بلکہ بدل دیت ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل دیت ہے۔

دوسرا فرق: یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چونکہ یہ اصل دیت نہیں اس لیے گائے دو سو سے زائد بھی لے سکتا ہے اور بکریاں ہزار سے زائد بھی لے سکتا ہے اسی طرح جوڑوں کی صورت میں دو سو سے زائد جوڑے بھی لے سکتا ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں چونکہ یہ اصل دیت ہے اس لیے اس سے زیادتی بالکل جائز نہیں ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہو کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دیت ایسی ہونی چاہیے کہ جس کی مالیت معلوم ہو اور ظاہر ہے کہ گائے بکریاں اور جوڑوں کی قیمت مختلف ہوتی رہتی ہے۔

سوال: اونٹوں کی مالیت بھی مختلف ہوتی رہتی ہے پھر اس کے ساتھ دیت کے جواز کا قول احناف نے کیسے کیا؟

جواب①: اُونٹوں کے ساتھ دیت ادا کرنے پر اجماع ہے۔

جواب②: اُونٹ کے بارے میں آثار متواترہ ہیں اور احادیث مرفوعہ بھی وارد ہیں اور ان تین قسم کے اموال کے بارے میں نہ ہی اتنے آثار وارد ہیں اور نہ احادیث مرفوعہ بھی وارد ہیں لہٰذا ابل کے بارے میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا ان آثار متواترہ کثیرہ اور احادیث مرفوعہ کی وجہ سے اور ان تین قسم کے اموال کے اندر قیاس کو نہیں چھوڑا جائے گا آثار کثیرہ متواترہ اور احادیث مرفوعہ کے وارد نہ ہونے کی وجہ سے۔

پانچواں مسئلہ: کہ کن کن صورتوں میں دیت عاقلہ پر ہوگی اور کن کن صورتوں میں قاتل پر ہوگی تو اس کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ وہ دیت جو ابتداءً قتل کی وجہ سے واجب ہوگی وہ عاقلہ پر آئے گی جیسے قتل شبہ عمد، قتل بالسبب، قتل خطاء، قتل جاری مجری خطاء، ان میں ابتداءً قتل کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے لہٰذا یہ عاقلہ پر ہوگی اور ہر وہ دیت جو ابتداءً واجب نہ ہو بلکہ بطور مصالحت کے واجب ہو جیسے قتل عمد اس میں ابتداء قصاص ہے ہاں اگر مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کی رضامندی کے ساتھ دیت بھی لے سکتے ہیں لیکن چونکہ دیت یہ ابتداءً واجب نہیں ہوتی بلکہ بطور مصالحت کے واجب ہوتی ہے اس لیے یہ قاتل پر ہوگی۔

چھٹا مسئلہ عاقلہ کا مصداق: احناف کہتے ہیں کہ قاتل دو حال سے خالی نہیں ہے اہل دیوان میں سے ہوگا یا اہل دیوان میں سے نہیں ہوگا۔ اہل دیوان وہ ہیں کہ جن کا کسی خاص شعبہ میں اندراج ہو مثلاً ڈرائیور ہیں اور اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہیں ہے تو پھر قبیلہ والے اور خاندان والے اہل دیوان سمجھے جائیں گے الاقرب فالاقرب یعنی اگر قرب سے دیت پوری نہیں ہوتی تو پھر ابعد کو ملا لیا جائے گا۔

ساتواں مسئلہ دیت کتنے عرصے میں: وصول کی جائے گی۔ تین سالوں کے اندر پوری دیت وصول کی جائے گی اور فی کس ۳، ۴ دراہم سے زیادہ کسی سے وصول نہیں کیا جائے گا موجودہ زمانہ میں ۳ دراہم کی مالیت ادا کرنی ہوگی گویا سالانہ ایک درہم یا ایک درہم کا ثلث ادا کیا جائے اب سال میں ایک درہم کی مالیت ادا کرنا اس میں کونسی دشواری ہے چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے اور امام قدوری رحمہ اللہ نے مختصر القدوری کے اندر اس کی تصریح کی ہے کہ سالانہ چار درہم اور تین سالوں کے اندر فی کس بارہ دراہم وصول کئے جائیں گے لیکن یہ مرجوح ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کی تصریح راجح ہے بچوں اور عورتوں سے دیت وصول نہیں کی جائے گی کیونکہ قاتل جو قتل کرتا ہے وہ پشت پناہی کی وجہ سے کرتا ہے اور پشت پناہی مردوں کی طرف سے ہوتی ہے عورتوں اور بچوں کی طرف سے نہیں ہوتی۔

شوافع کہتے ہیں کہ اگر جنس ابل سے دیت ادا کرنے پر قدرت ہو تو پھر دراہم کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور احناف یہ کہتے ہیں کہ جنس ابل پر قدرت کے ہوتے ہوئے دراہم کی طرف رجوع کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ: دیت اعضاء یعنی جس طرح پورے جسم کی دیت ہوتی ہے اسی طرح اعضاء کی بھی دیت ہوتی ہے مثلاً ایک انگلی کی دیت پوری دیت کا دسواں حصہ ہے یعنی دس اُونٹ چاہے انگلی ہاتھ کی ہو یا پاؤں کی اسی سے مفاصل اصابع کی دیت کا حساب لگایا جائے گا اگر انگلی میں تین مفاصل ہوں تو ایک مفصل میں انگلی کی دیت کا ثلث ہوگا اگر دو ہوں تو ایک انگلی میں دیت کا نصف ہوگا ایک دانت کی دیت پوری دیت کا بیسواں حصہ ہوگی یعنی ۵ اونٹ ایک ہاتھ کی دیت پوری دیت کا نصف ہوگی علیٰ ہذا القیاس تفصیل مطولات کتب فقہ میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الدِّیَةِ کَمْ هِیَ مِنَ الدَّرَاهِمِ

باب ۲: دراہم سے دیت کی مقدار کتنی ہے؟

(۱۳۰۹) اَنَّهٗ جَعَلَ الدِّیَةَ اِثْنَیْ عَشَرَ اَلْفًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ آپ نے بارہ ہزار درہم دیت مقرر کی ہے۔
اور اگر دراہم سے ادا کی جائے تو احناف کے نزدیک دس ہزار دراہم اور شوافع کے نزدیک بارہ ہزار دراہم ہوگی۔ کمامر

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمُوْضِحَةِ

باب ۳: موضحہ زخم کی دیت

(۱۳۱۰) فِی الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضحہ زخم کے بارے میں پانچ، پانچ (اونٹ بطور دیت ادائیگی) کا حکم دیا ہے۔

مسئلہ دیت زخم: جس طرح اعضاء کی دیت ہوتی ہے اسی طرح زخموں کی بھی دیت ہوتی ہے زخم کی دیت کا معلوم کرنے سے پہلے زخم کی اقسام کو معلوم کرنا ضروری ہے: (۱) خارصہ وہ ہے کہ چمڑے پر خراش آجائے۔ (۲) دامعہ وہ ہے کہ خون ظاہر ہوجائے اور جاری نہ ہو۔ (۳) دامیہ وہ ہے کہ خون جاری ہوجائے۔ (۴) باضعہ وہ ہے کہ جو کھال کو کاٹ دے۔ (۵) متلاحمہ وہ ہے کہ جو گوشت کو کاٹ دے۔ (۶) سمحاق وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور ہڈی کی جلی تک پہنچ جائے۔ (۷) موضحہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور ہڈی ظاہر ہوجائے۔ (۸) ہاشمہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور ہڈی ٹوٹ جائے۔ (۹) منقلہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے منتقل ہوجائے۔ (۱۰) آمہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور اثر دماغ تک پہنچ جائے۔ (۱۱) دامغہ وہ ہے کہ سر پر چوٹ لگے اور دماغ اپنے پردے سے باہر آجائے۔ (۱۲) جائفہ وہ ہے کہ پیٹ پر زخم لگ جائے۔ (۱۳) شجاج وہ ہے کہ چہرے پر زخم لگ جائے۔ موضحہ میں دیت کا بیسواں ہاشمہ میں دیت کا دسواں منقلہ میں دسواں اور بیسواں حصہ دونوں ہیں آمہ اور جائفہ میں دیت کا ثلث ہے باقیوں میں عادل آدمی کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی دِیَةِ الْاَصَابِعِ

باب ۴: انگلیوں کی دیت

(۱۳۱۱) فِی دِیَةِ الْاَصَابِعِ الْیَدَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ سَوَاءٌ عَشْرٌ مِنَ الْاِبِلِ لِکُلِّ اِصْبَعٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے۔ ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہوگی۔

(۱۳۱۲) هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ يَعْنِي الْخِنْصِرَ وَالْاِبْهَامَ.

ترجمہ: یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ یہ اور یہ (یعنی انگوٹھا اور چھوٹی انگلی دیت کے اعتبار سے) برابر ہیں۔

تشریح: ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیۃ فی انگلی دس اونٹ ہوں گے تو دس کو دس میں ضرب دینے سے سو سو ہو جائیں گے لیکن دیۃ النفس ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ دیۃ الاصابع ہونے کی حیثیت سے اس میں انگوٹھے اور خنصر کا کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح قلیل المنفعۃ اور کثیر المنفعت میں کوئی فرق نہیں ہے سب ائمہ کا اتفاق ہے کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے دس درہم کی مالیت میں پورا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور جب اس کی انگلی کاٹی جائے تو دس اونٹ واجب ہوتے ہیں یہ اس لیے کہ جب یہ چوری کرتا ہے تو یہ ظالم ہے اور ظالم کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور جب اس کی انگلی کاٹی جائے تو یہ مظلوم ہے اور مظلوم کی اللہ کے ہاں بڑی قیمت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَفْوِ

باب ۵: قصاص معاف کرنے کا ثواب

(۱۳۱۳) دَقَّ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ سِنَّ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاسْتَعْدٰى عَلَيْهِ مُعَاوِيَةُ فَقَالَ لِمُعَاوِيَةَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا دَقَّ سِنِّيْ قَالَ مُعَاوِيَةُ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ وَاَلَحَّ الْاٰخَرُ عَلٰى مُعَاوِيَةَ فَاَبْرَمَهُ فَلَمْ يُرْضِهِ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ شَاْنُكَ بِصَاحِبِكَ وَاَبُو الدَّرْدَاءِ جَالِسٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهٖ خَطِيْئَةً قَالَ الْاَنْصَارِيُّ ءَاَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِيْ قَالَ فَاِنِّيْ اَذَرُهَا لَهٗ قَالَ مُعَاوِيَةُ لَا جَرَمَ لَا اُخَيِّبُكَ فَاَمَرَ لَهٗ بِمَالٍ.

ترجمہ: ابوسفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں! قریش سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے انصار سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا دانت توڑ دیا یہ معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا اس شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی۔ اے امیر المؤمنین! اس شخص نے میرا دانت توڑ دیا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تمہیں راضی کر دیں گے۔ اس پر دوسرے شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منت سماجت کی یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تنگ آ گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تمہارا معاملہ تمہارے ساتھی کے سپرد ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کو جسمانی طور پر کوئی تکلیف لاحق ہو اور وہ (تکلیف پہنچانے والے کو) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ

اس کے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی ایک خطا کو مٹا دیتا ہے۔

اس انصاری نے دریافت کیا: کیا آپ نے خود نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بتایا میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا ہے اور میرے ذہن نے اسے محفوظ رکھا ہے تو وہ شخص بولا میں اسے معاف کرتا ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن میں تمہیں محروم نہیں رکھوں گا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ مال دینے کی ہدایت کی۔

ترغیب دی گئی ہے کہ صاحب حق کو چاہیے کہ اپنے حق کو معاف کردے اس پر یہ قصہ نقل کیا کہ ایک قریشی نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا پس فریادرسی حاصل کی اس انصاری شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس قریشی شخص کے خلاف کہ اس سے بدلہ دلوائیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس لیے فریادرسی کی کیونکہ اس زمانہ میں خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی اس انصاری شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین اس نے میرا دانت توڑ دیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس انصاری شخص سے فرمایا کہ ہم تجھے راضی کردیں گے پریشان نہ ہوں وَاَلَحَّ الاٰخِرِ..... ہے کہ آخر کا مصداق کیا ہے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہی مدعی انصاری شخص ہے اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعتبار سے یہ بھی آخر ہے پس آخر نے یعنی انصاری شخص نے اصرار کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنگ کردیا ملال میں ڈال دیا کہ حضرت مجھے بدلہ دلوادو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لازم پکڑ اپنا معاملہ اپنے ساتھی سے یعنی مدعی علیہ سے قصاص لینا چاہتا ہے تو لے لے اور بعض نے کہا کہ مدعی علیہ آخر ہے کہ اس نے منت اور سماجت کی کہ حضرت مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملال میں ڈال دیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا معاملہ تیرے ساتھی کے ساتھ ہے چاہے معاف کردے چاہے قصاص لے لے۔ حضرت ابوالدارداء رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کو تکلیف پہنچائی گئی ہو تو وہ معاف کردے بدلہ نہ لے اللہ اس معاف کرنے کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کردیں گے اور گناہ معاف فرمادیں گے اس پر انصاری نے کہا کہ اے ابوالدارداء رضی اللہ عنہ کیا آپ نے خود یہ ارشاد سنا ہے اس پر ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا سمعت اذنای اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا ہے اس پر انصاری نے کہا کہ میں قصاص معاف کرتا ہوں اس حدیث کے سنانے پر مدعی کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا اور فورا معاف کردیا اور اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم تجھے محروم نہیں کرینگے اور اس کو کچھ نہ کچھ مال دیدیا مال صدقہ سے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيْ مَنْ رُضِخَ رَأْسُهُ بِصَخْرَةٍ

باب ۶: جس کا سر پتھر سے کچل دیا جائے اس کا حکم

(۱۳۱۴) خَرَجَتْ جَارِيَةٌ عَلَيْهَا اَوْضَاحٌ فَاَخَذَهَا يَهُوْدِيٌّ فَرَضَخَ رَأْسَهَا بِحَجَرٍ وَاَخَذَ مَا عَلَيْهَا مِنَ الْحُلِيِّ قَالَ فَاُدْرِكَتْ وَبِهَا رَمَقٌ فَاُتِيَ بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ مَنْ قَتَلَكِ اَفُلَانٌ قَالَتْ بِرَأْسِهَا لَا قَالَ فَفُلَانٌ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَقَالَتْ بِرَأْسِهَا اَيْ نَعَمْ قَالَ فَاُخِذَ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَرُضِخَ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ۔

تَرْجَمَہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک لڑکی جا رہی تھی اس نے چاندی کا زیور پہنا ہوا تھا۔ ایک یہودی نے اسے پکڑا اور

اس کا سر پتھر سے کچل دیا اور اس کے جسم پر موجود زیورا تار لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس لڑکی تک کوئی پہنچ گیا۔ اس میں ابھی تھوڑی سی جان باقی تھی۔ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تم کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیا فلاں نے؟ اس نے اپنے سر کے ذریعے اشارہ کیا کہ نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ فلاں نے یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر کے ذریعے اشارہ کیا جی ہاں تو اس یہودی کو پکڑ لیا گیا۔ اس نے اعتراف کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔

واقعہ: ایک بچی گھر سے باہر نکلی زیورات پہن کر اس بچی کے سر کو ایک یہودی نے پتھر کے ساتھ کچل دیا اور اس کے زیورات لے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ بچی لائی گئی اس حال میں کہ اس میں کچھ نہ کچھ جان باقی تھی پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس بچی سے پوچھا کہ آپ کو کس نے مارا ہے جن کے متعلق احتمال تھا کہ انہوں نے مارا ہوگا ان سب کا نام لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیتے رہے اور وہ بچی اشارہ کرتی رہی کہ اس نے مجھے قتل نہیں کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کا نام لیا تو بچی نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں اس نے مجھے قتل کیا پس یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف کیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا پس اس یہودی کا بھی سر کچل دیا گیا۔

پہلا مسئلہ: صرف مقتول کے قول کی وجہ سے قاتل سے قصاص لیا جا سکتا ہے یا نہیں مشہور قول کے مطابق جمہور کے نزدیک صرف مقتول کے قول کی وجہ سے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا تاوقتیکہ بینہ نہ ہوں یا خود قاتل اقرار نہ کر لے اور مالکیہ کے ہاں قصاص لیا جا سکتا ہے۔

جمہور کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں قاتل کے اقرار کا ذکر ہے مالکیہ کی دلیل اس واقعہ کی وہ روایات ہیں کہ جن میں اقرار کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: وہ ساکت ہے اور یہ ناطق ہے اور جب ساکت اور ناطق کے درمیان تعارض ہو جائے تو ترجیح ناطق کو ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ: طریق قتل میں مساوات ہیں یا نہیں: ① عند الاحناف: مساوات نہیں بلکہ قصاص متعین ہے تلوار کے ساتھ۔

② باقی ائمہ کہتے ہیں کہ مساوات ہوگی بشرطیکہ اس نے امر منکر کے ذریعے قتل نہ کیا ورنہ مساوات نہیں ہوگی۔

احناف کی دلیل: لا قود الا بالسیف باقی ائمہ کی دلیل جیسے واقعہ عرنین۔ اسی طرح یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ دیکھو جس طرح اس یہودی نے بچی کے سر کو کچل دیا اسی طرح اس یہودی کے سر کو بھی کچل دیا گیا۔

جواب①: یہ واقعہ حدود کے احکام کے نزول سے پہلے کا ہے۔

جواب②: یہ زجرا تو بیخا سیاسۃً ہے اس وجہ سے نہیں کہ قتل میں مساوات ضروری ہیں۔

تیسرا مسئلہ: کسی مثقل چیز کے ذریعے مارنا: امام صاحب رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق یہ شبہ عمد ہے اور شبہ عمدا کے اندر تو قصاص نہیں ہے ابو عمرو بن العلاء یا کسی اور نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اگر کسی نے دوسرے کو بڑا پتھر مار کے قتل کر دیا ہو تو کیا یہ بھی شبہ عمدا ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہاں ولو ضربہ بابا قبیس (قبیس پہاڑ کا نام ہے) جہلاء نے امام صاحب رحمہ اللہ پر طعن کیا کہ امام صاحب رحمہ اللہ کو تو عربی نہیں آتی اسماء ستة مکبرة کا اعراب حالت جری میں ی کے ساتھ ہوتا ہے بابی قبیس ہونا

چاہتے ہیں۔

جواب ①: اس اعتراض کا منشاء جہالت ہے اسماء ستہ مکبرہ کے اعراب سے ناواقفیت ہے جیسے یہ لغت ہے جر یاء کے ساتھ ہوتی ہے اسی طرح یہ لغت بھی ہے کہ تینوں حالتوں میں الف اپنے حال پر برقرار رہتا ہے کافیہ کی شرح رضی کے اندر اس کو بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (فلیرجع هنا) یہ تو لغات عرب کے اندر وسعت کی دلیل ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شبہ عمدا ہے اور شبہ عمدا کے اندر تو قصاص نہیں پھر اس یہودی کو کیسے قتل کیا گیا ہے؟

جواب ②: صحیح بات یہ ہے کہ قتل بالمثل یہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک شبہ عمد تب ہوگا کہ جب قاتل کا ارادہ مثقل کے ذریعے تادیب کا ہو اور اگر اس کا ارادہ مثقل چیز کے ذریعے مارنے اور قتل کرنے کا ہے تو پھر یہ بھی امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قتل عمد کے تحت داخل ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس یہودی کا ارادہ تو قتل کرنے کا تھا تاکہ وہ کسی کو بتانہ سکے اور اس کے زیورات مجھے مل جائیں۔

جواب ③: یہودی کو قتل کرنا بدلہ قصاص کے نہیں تھا بلکہ قطاع الطریق راہزن ہونے کی حیثیت سے تھا۔

سوال: احناف کے فنون کے اندر تو یہ لکھا ہوا ہے دن کے وقت ہو تو قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا؟

جواب ①: متون والا قانون مرجوح ہے اصل یہی ہے کہ اگر دن کے وقت جو قتل کرے تو بھی اس کو قتل کیا جائے گا۔

جواب ②: بے شک قاعدہ کا مقتضی یہی تھا کہ قتل نہ کیا جائے لیکن اس کو قتل کیا گیا زجراً تو بیخاً اور سیاسۃً۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ تَشْدِيْدِ قَتْلِ الْمُؤْمِنِ

باب ۷: مؤمن کو قتل کرنے کی شدید مذمت

(۱۳۱۵) لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: پوری دُنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کے قتل ہونے سے زیادہ کم تر ہے۔

تشریح: اس سے زیادہ سخت وعید سورۂ نساء آیت ۹۳ میں ہے ارشاد پاک ہے جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کریں گے اور اس کو بڑا سخت عذاب دیں گے۔ اس ارشاد سے بہ ظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمداً کسی مؤمن کو قتل کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے مگر جمہور کے نزدیک قتل عمدا بھی دیگر کبائر کی طرح ہے جو سچی توبہ سے معاف ہو سکتا ہے ان کی دلیل سورۃ النساء کی آیات ۴۸-۱۱۶ ہیں ان آیات پاک میں یہ مضمون ہے کہ شرک تو ناقابل معافی جرم ہے مگر اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ کو جس کے لیے منظور ہوگا بخش دیں گے اور عمداً قتل مؤمن شرک کے علاوہ گناہ ہے پس وہ قابل معافی ہے اور دوسری دلیل مسلم شریف (۱۷: ۸۳ کتاب التوبہ) کی حدیث ہے اس میں ایک اسرائیلی کا واقعہ ہے جس نے سو قتل کئے تھے پھر اس کو ندامت ہوئی تھی اور اس نے سچی توبہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا تھا۔

اور مذکورہ آیت میں جو وعید ہے وہ زجر وتوبیخ پر محمول ہے اور خلود سے مدت دراز تک جہنم میں رہنا مراد ہے یا خلود اس کے لیے ہے جو قتل مؤمن کو حلال سمجھتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی قاتل کی توبہ مقبول تھی مگر وہ مصلحتاً اس میں سختی کرتے تھے در منثور (۱۹۸:۲) میں روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو مؤمن کو قتل کرے گا اس کی توبہ مقبول ہے۔

بَابُ الْحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ

باب ۸: خون کے بارے میں فیصلہ

(۱۳۱۶) اَنَّ اَوَّلَ مَا يُحْكَمُ بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (کے مقدمات) کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱۳۱۷) اِنَّ اَوَّلَ مَا يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فِي الدِّمَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (کے مقدمات) کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱۳۱۸) لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَاءِ وَاَهْلَ الْاَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ اگر آسمان اور زمین کے رہنے والے سب لوگ کسی مؤمن کے قتل کرنے میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔

تشریح: کتاب الصلوٰۃ (باب ۱۹۱) میں یہ حدیث گزری ہے کہ قیامت کے دن بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اس حدیث کا باب کی حدیث سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ جس عمل کو سب سے پہلے جانچا جائے گا وہ نماز ہے اور جس کا سب سے پہلے نتیجہ نکلے گا وہ خون کا معاملہ ہے باب کی حدیثوں میں اس کی صراحت ہے۔

جواب ②: قیامت کے دن بندوں کے درمیان جو پہلا پہلا فیصلہ ہوگا وہ قتل ناحق کا ہوگا حقوق العباد کے اعتبار سے اور حقوق اللہ کے اعتبار سے سب سے پہلے نماز کا فیصلہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ ابْنَهٗ يُقَادُ مِنْهُ اَمْ لَا؟

باب ۹: جو شخص اپنے بیٹے کو قتل کردے، کیا اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟

(۱۳۲۰) لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بیٹے کے عوض میں باپ کو

(قصاص میں) قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۱۳۲۱) لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: مسجد میں حد قائم نہیں کی جائے گی اور بیٹے کے بدلے میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: بیٹے کے عوض میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا اجماعی مسئلہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ سبب بنا ہے بیٹے کے وجود کا اب ایسا نہیں ہو سکتا بیٹا سبب بن جائے باپ کے عدم کا بے شک سند اضعیف ہے لیکن امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے اور جب امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے کسی حدیث کو تو اس کی سند سے بحث کرنا مفروغ عن المبحث ہو جاتا ہے اگر باپ بیٹے پر زناء کی تہمت لگا دے تو باپ پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔

جواب: حدود کو مساجد کے اندر جاری نہیں کیا جائے گا مساجد کے متلوث بالنجاست ہونے کے احتمال کی وجہ سے البتہ اس کا فیصلہ مساجد کے اندر کیا جا سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلٰثٍ

باب ۱۰: کسی بھی مسلمان کا خون بہانا تین میں سے کسی ایک وجہ سے جائز ہے

(۱۳۲۲) لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کسی بھی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں صرف تین میں سے کسی ایک وجہ سے (اسے قتل کیا جا سکتا ہے) شادی شدہ زانی، قتل کے بدلے میں قتل یا اپنے دین (اسلام) کو ترک کر کے (مسلمانوں کی) جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے شخص کو (قتل کیا جا سکتا ہے)۔

کسی مسلمان کے خون کو بہانا حلال نہیں ہے مگر تین خصلتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کی وجہ سے ① زناء بحالت احصان۔ ② النفس بالنفس بصورت قصاص۔ ③ التارك لدنيه المفارق للجماعة. اس کی صفة شفه ہے یعنی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنے والا ہو یعنی ارتداد اختیار کر لے۔ ہر صورت قتل کیا جائے گا ضروریات دین کا انکار بتاویل فاسد اس کو بھی قتل کیا جائے گا تیسری قسم کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے باقی ان تین میں حصر نہیں ہے وہ صورتیں بھی اس کے تحت داخل ہیں جو ان کے حکم کے اندر ہوں۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی سنایا کہ ان میں سے ایک دوسرے کے پاس گیا اور گھوڑے پر سوار تھا جب اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ انہوں نے ایک آدمی کو باندھا ہوا ہے پوچھا کہ کیوں اس کو باندھا ہوا ہے اس نے بتلایا کہ

حضرت یہ مرتد ہوگیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک اس کو قتل نہیں کرو گے اس وقت تک میں اپنے گھوڑے سے نہیں اتروں گا چنانچہ اس کو قتل کر دیا گیا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْمَنْ يَقْتُلُ نَفْسًا مُعَاهَدَةً

باب ۱۱: جو شخص کسی معاہد کو قتل کر دے (اس کا حکم)

(۱۳۲۳) اَلَا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَّهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَقَدْ اَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللهِ فَلَا يُرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَ اِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کسی ایسے معاہد کو قتل کر دے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہو تو اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی پناہ کی خلاف ورزی کی وہ شخص جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ اگر چہ جنت کی خوشبو ۷۰ برس کے فاصلے سے محسوس ہو جاتی ہے۔

(۱۳۲۴) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَدَى الْعَامِرِيَّيْنِ بِدِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ لَهُمَا عَهْدٌ مِّنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر قبیلے سے تعلق رکھنے والے دو آدمیوں (کے قتل ہو جانے) پر مسلمانوں کی طرف سے انہیں دیت دلوائی تھی کیونکہ ان دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسول نے معاہدہ کیا ہوا تھا۔

ذمی کو قتل کرنے پر وعید غیر مسلم چار قسم کے ہیں ① ذمی وہ غیر مسلم جس کو اسلامی ملک کی شہرت حاصل ہے ② مستامن (امن طلب کرنے والا) وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہے ③ معاہد (عہد و پیمان کرنے والا) دار الحرب کا وہ غیر مسلم جس کے ساتھ اسلامی ملک سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا ہے ④ حربی: اس دار الحرب کا باشندہ جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر کوئی مسلمان مستامن یا معاہد یا حربی کو قتل کرے تو قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ذمی میں اختلاف ہے ① احناف کے نزدیک اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا ② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا۔ (تفصیل آگے آرہی ہے)۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ حُكْمِ وَلِيِّ الْقَتِيْلِ فِي الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ

باب ۱۲: مقتول کے ولی کا قصاص یا معاف کرنے کا فیصلہ کرنا

(۱۳۲۵) لَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَمَنْ قُتِلَ لَهٗ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِمَّا اَنْ يَّعْفُوَ وَاِمَّا اَنْ يَّقْتُلَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ کو فتح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے

درمیان کھڑے ہوئے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر ارشاد فرمایا: جس شخص کا کوئی (عزیز یا رشتے دار) قتل ہو جائے اسے دو میں سے ایک بات کا اختیار ہے یا تو وہ معاف کردے یا پھر (قاتل کو) قتل کردے۔

(۱۳۲۶) اَنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَسْفِكَنَّ فِيْهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَنَّ فِيْهَا شَجَرًا فَاِنْ تَرَخَّصَ مُتَرَخِّصٌ فَقَالَ اُحِلَّتْ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاِنَّ اللهَ اَحَلَّهَا لِيْ وَلَمْ يُحِلَّهَا لِلنَّاسِ وَاِنَّمَا اُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ثُمَّ هِيَ حَرَامٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ اِنَّكُمْ مَعْشَرَ خُزَاعَةَ قَتَلْتُمْ هٰذَا الرَّجُلَ مِنْ هُذَيْلٍ وَاِنِّيْ عَاقِلُهٗ فَمَنْ قُتِلَ قَتِيْلٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَاَهْلُهٗ بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ اِمَّا اَنْ يَّقْتُلُوْا اَوْ يَاْخُذُوا الْعَقْلَ.

ترجمہ: حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے۔ اسے لوگوں نے حرم قرار نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر جو شخص ایمان رکھتا ہو، وہ اس میں خون نہ بہائے اور اس کے درخت کو نہ کاٹے اگر کوئی شخص اس بارے میں رخصت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور یہ کہے: یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے لئے حلال قرار دیا گیا تھا (تو یاد رکھنا) اسے اللہ تعالیٰ نے صرف میرے لئے حلال قرار دیا ہے۔ اسے لوگوں کے لئے حلال قرار نہیں دیا اور میرے لئے بھی دن کے ایک مخصوص حصے میں حلال قرار دیا گیا تھا، پھر یہ قیامت تک قابل احترام ہے۔ اے خزاعہ قبیلے کے لوگو! تم نے ہذیل قبیلے کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ میں اس کی دیت دلوا دیتا ہوں آج کے بعد جس کا کوئی عزیز قتل ہو جائے، تو اس مقتول کے رشتے داروں کو دو باتوں میں سے ایک چیز کا اختیار ہوگا یا تو وہ (قاتل کو) قتل کر دیں یا وہ دیت وصول کر لیں۔

(۱۳۲۷) قُتِلَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَدُفِعَ الْقَاتِلُ اِلٰى وَلِيِّهٖ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاللهِ مَا اَرَدْتُّ قَتْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَمَا اِنَّهٗ اِنْ كَانَ قَوْلُهٗ صَادِقًا فَقَتَلْتَهٗ دَخَلْتَ النَّارَ فَخَلّٰى عَنْهُ الرَّجُلُ قَالَ وَكَانَ مَكْتُوْفًا بِنِسْعَةٍ قَالَ فَخَرَجَ يَجُرُّ نِسْعَتَهٗ قَالَ فَكَانَ يُسَمّٰى ذَا النِّسْعَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل کو اس کے ورثاء کے سپرد کیا گیا تو قاتل نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں نے جان بوجھ کر اسے قتل نہیں کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا (یعنی مقتول کے ورثا سے فرمایا) اگر یہ سچ کہہ رہا ہے اور تم نے پھر بھی اسے قتل کر دیا تو تم جہنم میں داخل ہو جاؤ گے، تو اس شخص نے اس قاتل کو معاف کر دیا۔ وہ قاتل رسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ وہ اپنی رسی کو کھینچتا ہوا وہاں سے نکلا اور اس کا نام "ذونسعہ" (رسی والا) پڑ گیا۔

تشریح: ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا اور قاتل کو پکڑا گیا اور مقتول کے اولیاء کے حوالے کر دیا گیا قاتل نے قسم کھا کر کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم میرا اس کے قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا اس پر حضور ﷺ نے مقتول کے وارث کو فرمایا کہ اگر یہ اپنی بات میں سچا ہے اور پھر تو نے اس کو قتل کر دیا تو تو آگ میں ڈالا جائے گا۔

سوال: جب قصاص کا فیصلہ ہو گیا تو اب اگر وہ اس کو قتل کرتا تو یہ شارع کے حکم کی وجہ سے تھا تو پھر اس کو کیسے فرمایا: دخلت النار اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں؟

توجیہ نمبر ①: ان کان صادقا ای فی زعمك یعنی اگر یہ تیرے گمان کے مطابق بھی اپنی بات میں سچا ہے تو پھر بھی تو نے قتل کیا تو اب ظاہر ہے کہ تیرا اس کو قتل کرنا بے گناہ ہے اس لیے فرمایا اگر قتل کرے گا تو دخلت النار۔

توجیہ ②: اگر معاف نہیں کرے گا بلکہ قصاص لے لے گا تو معاف کرنے کی صورت میں جو مرتبہ تجھے حاصل ہونا تھا وہ حاصل نہیں ہوگا تو اسی انحطاط مرتبہ کو تعبیر کر دیا دخلت النار کے ساتھ لیکن راجح وہی اول ہے۔ دیگر کتابوں میں تفصیل ہے کہ حضور ﷺ نے ذو النسعة سے فرمایا ہے کہ دیت ادا کرو اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں تو طاقت نہیں رکھتا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے قبیلہ سے تعاون طلب کر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا قبیلہ بھی اس کی طاقت نہیں رکھتا پھر حضور ﷺ نے بیت المال سے دیت ادا کر دی تھی (نسعة کا معنی ہے چمڑے کا تسمہ)

بَابُ مَا جَآءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ

باب ۱۳: مثلہ کرنے کی ممانعت

(۱۳۲۸) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا بَعَثَ أَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّةِ نَفْسِهِ بِتَقْوَى اللهِ وَمَنْ مَّعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا فَقَالَ أُغْزُوْا بِسْمِ اللهِ وَفِي سَبِيْلِ اللهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ اغْزُوْا وَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر مقرر کرتے تھے تو آپ اسے بطور خاص اس کی اپنی ذات کے حوالے سے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور مسلمانوں کے حوالے سے بھلائی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کا آغاز کرو! جو شخص اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں ان کے ساتھ لڑائی کرو تم خیانت نہ کرنا اور عہد شکنی نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔

(۱۳۲۹) اَنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ.

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں بھلائی کو لازم قرار دیا ہے تو جب تم (کسی کو قصاص میں یا جنگ کے دوران) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو (یعنی اذیت پہنچائے بغیر قتل کرو) اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو آدمی اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو تکلیف نہ پہنچائے۔

تشریح: مثلہ یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ پاؤں اور ناک وغیرہ کاٹ دینا یہ بالاتفاق ناجائز ہے باقی حضور ﷺ جب کسی کو امیر بناتے تو اس کو خصوصی طور پر تقویٰ کی وصیت فرماتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ماتحت تو ڈر کی وجہ سے تقویٰ اختیار کر لیں گے چونکہ امیر کو کسی کا ڈر تو ہوگا نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ غیر محتاط ہو جائے ڈر نہ ہونے کی وجہ سے۔

لا تغدروا: عہد شکنی نہ کرو اور بچوں کو قتل نہ کرو بشرطیکہ اس کی طرف سے خیانت نہ ہو ورنہ ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا بچے کے قتل نہ کرنے میں ایک تو یہ ہے کہ یہ کسی کی طرف سے مدافعت نہیں ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کو غلام بنالو۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ دِیَةِ الْجَنِیْنِ

باب ۱۴: پیٹ میں موجود بچے کی دیت

(۱۳۳۰) قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْجَنِیْنِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ فَقَالَ الَّذِیْ قُضِیَ عَلَیْهِ اَیُعْطٰی مَنْ لَّا شَرِبَ وَلَا اَكَلَ وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ هٰذَا لَيَقُوْلُ بِقَوْلِ شَاعِرٍ بَلْ فِيْهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ اَمَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں ایک غلام یا کنیز تاوان کے طور پر ادا کرنے کا فیصلہ دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ دیا گیا۔ اس نے عرض کی۔ کیا ہم اس کی ادائیگی کریں کہ جس نے کچھ کھایا نہیں کچھ پیا نہیں وہ چیخ کر رویا نہیں۔ اس طرح کا خون تو رائیگاں جاتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو شاعروں کی طرح کلام کر رہا ہے بلکہ اس طرح کے خون میں غلام یا کنیز کو تاوان کے طور پر ادا کیا جائے گا۔

(۱۳۳۱) اِنَّ امْرَاَتَیْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰی بِحَجَرٍ او عُمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنَهَا فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الْجَنِيْنِ غُرَّةٌ عَبْدٌ او اَمَةٌ وجَعَلَهٗ عَلٰی عَصَبَةِ الْمَرْاَةِ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دو عورتیں آپس میں سوکن تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر یا شاید خیمے کی لکڑی ماری تو اس عورت کا پیٹ میں موجود بچہ ضائع ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے بارے میں ایک غلام یا کنیز تاوان کے طور پر ادا کرنے کا فیصلہ دیا اور آپ نے اس کی ادائیگی عورت کے خاندان کے ذمے لازم کی۔

جنین کا معنی ہے حمل۔ اگر کوئی حاملہ عورت کو مارنے اور اس کا بچہ گر جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ① مردہ ہو کر پیدا ہوگا۔ ② یا زندہ ہو کر پیدا ہوگا اگر زندہ پیدا ہو جانے کے بعد مر جائے تو پھر دیت کاملہ ہوگی اور اگر وہ مرا ہوا پیدا ہو تو اس کی دیت غرۃ ہے باقی یہ کوئی ضابطہ اور معیار کے طور پر نہیں فرمایا بلکہ اصل واجب دیت کا بیسواں حصہ ہے اس زمانہ کے اندر عمومی طور پر غلام یا باندی کی قیمت دیت کے بیسویں حصے کے برابر ہوتی تھی اسی طرح آگے فرس اور بغل کا ذکر اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ان کی قیمت دیت کے بیسویں حصے کے برابر ہوتی تھی اس لیے یہ فرمایا ایک حدیث میں پانچ سو درہم کا بھی تذکرہ ہے۔

غرة عبدا اوامة غرہ بضم الغین وتشدید الراء بالتنوین: اصل میں گھوڑے کی پیشانی پر بیاض کو کہتے ہیں لیکن پھر اس میں توسیع کر کے ہر عمدہ چیز کو کہا جانے لگا اگر چہ وہ سفید نہ ہو چونکہ غلام اور باندی عمدہ مال ہوتے ہیں اس لیے ان کو غرہ کہا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ

باب ۱۵: کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا

(۱۳۳۲) قُلتُ لِعَلِیٍّ یَا اَمِیرَ الْمُؤْمِنِیْنَ هَلْ عِنْدَکُمْ سَوْدَاءُ فِی بَیْضَاءَ لَیْسَ فِی کِتَابِ اللهِ قَالَ لَا وَالَّذِی فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عَلِمْتُهُ اِلَّا فَهْمًا یُعْطِیهِ اللهُ رَجُلًا فِی الْقُرآنِ وَمَا فِی الصَّحِیفَةِ قُلتُ وَمَا فِی الصَّحِیفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِکَاکُ الْاَسِیْرِ وَاَنْ لَّا یُقْتَلَ مُؤْمِنٌ بِکَافِرٍ۔

ترجمہ: ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اے امیر المؤمنین! کیا آپ کے پاس موجود تحریر میں کوئی ایسا حکم بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا ہے اور جان کو پیدا کیا ہے۔ میرے علم میں صرف وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن کے حوالے سے کسی شخص کو عطا کرتا ہے یا صحیفے میں موجود کچھ احکام ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں: میں نے دریافت کیا: صحیفے میں کیا تحریر ہے تو انہوں نے بتایا۔ اس میں دیت کے احکام ہیں۔ قیدی کو آزاد کرنے کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے۔ کسی کافر کے بدلے میں کسی مؤمن کو قتل نہ کیا جائے۔

وما فی الصیحفة: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات مذکور ہیں پھر ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ سوال کی غرض یہ تھی تا کہ خاص وصیت کا وہم ختم ہو جائے یعنی خلافت کی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اس صحیفے میں دیت کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے کہ کوئی مومن کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے۔

اگر کوئی شخص ذمی کو قتل کر دے تو آیا ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

تو احناف کہتے ہیں کہ قتل کیا جائے گا عند الجمہور قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: ① حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے جس کی تخریج دار قطنی نے کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو جس نے ذمی کو قتل کیا تھا اس مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم فرمایا پھر یہ فرمایا کہ عہد و پیمان کی رعایت رکھنے والوں میں سے میں سب سے زیادہ رعایت رکھنے والا ہوں۔

دلیل②: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے اندر ایک مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم دیا تھا مصنف عبد الرزاق کے اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کا تذکرہ ہے۔

دلیل③: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی کے بدلے میں ایک مسلمان کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا بطور قصاص کے اس فیصلے کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند کے اندر ذکر کیا۔

دلیل④: حدیث اموالھم کاموالنا ودمائھم کدمائنا. "ان کے مالوں کو ہمارے مالوں کی طرح تحفظ حاصل ہے اور ان کی جانوں کو ہماری جانوں کا تحفظ حاصل ہے۔"

لہٰذا احناف اس بات کے قائل ہیں کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا اس حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے لیکن سند کو

تقویت حاصل ہوجاتی ہے خلفاء راشدہ کے فیصلوں کی وجہ سے۔

جمہور کی دلیل: حدیث علی رضی اللہ عنہ حدیث الباب ہے کہ لا یقتل مسلم بکافر. دوسری حدیث کے اندر ان لا یقتل مومن بکافر یہ حدیث حدیث علی رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہے۔

هل عند كم سوداء في بيضاء: کیا تمہارے پاس کوئی لکھی ہوئی چیز ہے یہ کنایہ ہے لکھے ہوئے ہونے سے ایسی لکھی ہوئی چیز کہ جو کتاب اللہ کے اندر نہ ہو۔

جواب ①: اس حدیث میں کافر سے مراد مطلق کافر نہیں بلکہ کافر حربی مراد ہے کہ مسلمان کو کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور دلیل تخصیص خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلے میں خصوصا اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں وہ خود اپنے زمانہ خلافت میں فیصلہ میں کہہ رہے ہیں کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ روایت کریں اور فتویٰ کچھ دیں اس سے تو حضرت کی عدالت پر حرف آئے گا لازمی یہ ماننا پڑے گا کہ کافر سے مراد کافر حربی ہیں۔

باب

باب ۱۶: کفار کی دیت کا حکم

(۱۳۳۳) دِيَةُ عَقْلِ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ عَقْلِ الْمُؤْمِنِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کسی کافر کے بدلے میں کسی بھی مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ذمی کی دیت: ① عند الاحناف مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ ② امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ ③ امام مالک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمی کی دیت ۴ ہزار درہم ہے اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

احناف کی دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو عامر کے دو آدمیوں کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح کا ادا کرنے کا حکم فرمایا معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی۔

دوسری دلیل: شعیب بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مرسلا منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیت الذمی الف دینار کدیة المسلم او کما قال علیه السلام یہ مراسیل سعید المسیب کے بارے میں ہے اور ظاہر ہے کہ دینار کے اعتبار سے مسلمان کی دیت بھی ایک ہزار ہے بس ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور مراسیل سعید المسیب کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے کہ حجۃ ہیں۔

تیسری دلیل: حاشیہ ہدایۃ کے اندر مبسوط کے حوالہ سے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ:

ان ابابکر و عمر رضی الله عنهما کان یجعلان دیة الذمی کدیة المسلم۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ذمی کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ٹھہراتے تھے۔"

اور نیز شروح ہدایۃ کے اندر ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دیة الذمی کدیة المسلم اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ابواب الدیات کے اندر حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں۔

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دلیل: یہاں حدیث نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دية عقل الكافر نصف عقل المسلم او كما قال.

جواب: یہ منسوخ ہے آپ ﷺ کے فیصلے کی وجہ سے اور اثر عمر رضی اللہ عنہ کا جواب روی کے ساتھ نقل کر کے ضعف کی طرف اشارہ فرمادیا اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے بطور مصالحت کے ایسا کیا ہوگا۔

امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کی دلیل: اثر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہے:

انه قال دية اليهودي والنصراني اربعة الاف ودية المجوسي ثمانمائة.

"یہودی اور عیسائی کی دیت چار ہزار دینار اور مجوسی کی دیت آٹھ ہزار دینار ہے۔"

بَابُ مَا جَآءَ فِى الرَّجُلِ يَقْتُلُ عَبْدَهٗ

باب ۱۷: جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے

(۱۳۳۴) مَنْ قَتَلَ عَبْدَهٗ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهٗ جَدَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے ہم اسے قتل کروا دیں گے اور جو شخص اس کا کوئی عضو کاٹ دے ہم اس کا عضو کٹوا دیں۔

تشریح: اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر آقا نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ غلام کا قصاص لینے کا حق مولی کو ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا ایک ہی آدمی کا مطالب اور مطالب ہونا جو صحیح نہیں۔

سوال: زیر بحث باب کی روایت میں ہے کہ مولی کو قصاصاً غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا؟

جواب ①: اس حدیث میں عبد سے مراد آزاد کردہ غلام ہے معنی یہ ہوگا کہ جو آدمی اپنے آزاد کردہ غلام کو قتل کرے اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اس سے مراد وہ غلام نہیں جس میں فی الحال رقیت موجود ہے۔

جواب ②: اس حدیث میں زجر مذکور ہے اور زجر سے مراد یہ ہے کہ مولی اگرچہ قصاص کا مستحق تو نہیں لیکن ہم تعزیراً اس کو قتل کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِى الْمَرْأَةِ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

باب ۱۸: عورت اپنے شوہر کی دیت میں وارث ہوگی

(۱۳۳۵) اَنَّ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْاَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا حَتّٰى اَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيُّ اَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ كَتَبَ اِلَيْهِ اَنْ وَرِّثْ اِمْرَاَةَ اَشْيَمَ الضَّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا.

ترجمہ: سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے دیت کی ادائیگی (قاتل کے) خاندان کے ذمے ہوگی اور کوئی عورت اپنے شوہر کی دیت میں کسی چیز کی وارث نہیں ہوگی۔

تشریح: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ خاوند کے جیسے دیگر اموال میں سے عورت کو حصہ ملے گا اسی طرح خاوند کی دیت سے بھی اس کو حصہ ملے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتداء رائے یہ تھی کہ خاوند کی دیۃ سے بیوی کو حصہ نہیں ملے گا ان کا اجتہاد یہ تھا کہ بیوی اسی مال سے وراثت کی حقدار ہے کہ جو مال موت کے وقت خاوند کا مملوک ہو اور دیۃ ظاہر ہے کہ دیۃ تو موت کے وقت خاوند کا مملوک نہیں ہے تو کیسے حصہ دیا جائے حتیٰ کہ ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ ضبابی مقتول ہو گئے تھے کوفہ میں بقتل خطاء تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک بن سفیان کلابی کو خط لکھا کہ اس کی بیوی کو بھی اس کی دیت سے حصہ دیا جائے کیونکہ اس زمانہ میں ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ گورنر تھے تو اس کی طرف خط لکھا جب یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنی تو اپنے اجتہاد سے رجوع کر لیا تھا۔ معلوم ہوا کہ دیت کے مال میں سے بھی بیوی کو حصہ دیا جائے گا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ دیت کا جو مال ہے اس کا سبب بھی خاوند کی حیاۃ ہی ہے اس لیے جیسے دیگر اموال میں میراث جاری ہو گی اسی طرح دیت کے مال میں بھی جاری ہو گی بعض کتابوں میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ دیت کے مال میں سے خاوند کو حصہ نہیں ملے گا لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو ذکر نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ راجح یہی ہے کہ حصہ ملے گا ضباب کوفہ کے اندر ایک قلعہ ہے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ضبابی کہتے ہیں باقی یہ کوئی قبیلہ نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْقِصَاصِ

باب ۱۹: قصاص کا حکم

(۱۳۳۶) اَنَّ رَجُلًا عَضَّ یَدَ رَجُلٍ فَنَزَعَ یَدَهٗ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتَاهُ فَاخْتَصَمَا اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَعُضُّ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ کَمَا یَعُضُّ الْفَحْلُ لَا دِيَةَ لَكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ پر کاٹ دیا۔ دوسرے نے اپنا ہاتھ کھینچا تو پہلے شخص کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے وہ اپنا مقدمہ لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ایک شخص اپنے بھائی کے ہاتھ کو یوں چباتا ہے جیسے اونٹ چباتا ہے۔ تمہیں کوئی دیت نہیں ملے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا۔ اور زخموں میں بھی قصاص ہوتا ہے۔

مذاہب فقہاء: امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ اور جمہور کے نزدیک اگر ایک آدمی اپنا دفاع کرتا ہو اور دوسرے کا ناگزیر نقصان کرے تو وہ ہدر ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ ضمان کے قائل ہیں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو ایسے میں ضمان وقصاص کے قائل نہیں ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ دفاع بقدر ضرورت ہو اور نیت بھی اپنی حفاظت کی ہو نہ نقصان پہنچانے کی مثلاً حضرت جبرائیل علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام سے اس وقت پیش آئے جب وہ غسل کر رہی تھیں تو انہوں نے اپنے دفاع کے لیے فرمایا: انی اعوذ بالرحمٰن منك ان کنت تقیا یہ ابتدائی دفاعی الفاظ تھے جو نرم ہیں۔ فانزل الله تعالی والجروح قصاص یہ اضافہ غالبا صرف ترمذی کی روایت میں ہے اس سے اس کا شان نزول بیان کرنا مراد ہے یعنی جہاں قصاص

بمعنی مماثلت ممکن ہوتو قصاص لیا جائے گا ورنہ حکومۃ عدل ہوگی۔

(۱) اُونٹ عجیب وغریب جانور ہے اس کی بردباری کا عالم یہ ہے کہ ایک بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ کر جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔لیکن کینہ پرور بھی اتنا ہی ہے اگر کسی کا دشمن ہوجائے تو اس کی کھوپڑی پکڑ کر اکھاڑ لیتا ہے اس لیے نبی ﷺ نے اس کی مثال دی ہے۔(بخاری حدیث ۶۸۹۲ کتاب الدیات، باب ۱۸ مسلم شریف حدیث ۱۶۷۳)۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْحَبْسِ فِی التُّهْمَةِ

باب ۲۰: حوالات اور تہمت کی سزا

(۱۳۳۷) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ حَبَسَ رَجُلًا فِی تُهْمَةٍ ثُمَّ خَلّٰی عَنْه.

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تہمت کی وجہ سے ایک شخص کو قید کروادیا تھا پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا۔

تشریح: اسلام میں جیل کی سزا نہیں جرائم کی سزائیں ہاتھ کے ہاتھ چکادی جاتی ہیں البتہ حوالات (حراست) ہے یعنی کسی پر کوئی الزام ہو اور ابھی تحقیق جاری ہو تو دوران تحقیق حراست میں رکھا جاتا ہے تاکہ بھاگ نہ جائے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص پر تہمت تھی تو آپ ﷺ نے اس کو روک لیا اور ستون وغیرہ سے باندھ دیا پھر تحقیق میں وہ بے قصور ثابت ہوا تو چھوڑ دیا۔

بَابُ مَاجَآءَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِیْدٌ

باب ۲۱: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوجائے وہ شہید ہے

(۱۳۳۸) مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْاَرْضِ شِبْرًا طُوِّقَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِیْنَ.

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔جو شخص کسی دوسرے کی ایک بالشت زمین ہتھیا لے گا قیامت کے دن اس کی گردن میں سات زمینوں جتنا وزنی طوق ڈالا جائے گا۔

(۱۳۳۹) مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِیْدٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

(۱۳۴۰) مَنْ اُرِیْدَ مَالُهٗ بِغَیْرِ حَقٍّ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِیْدٌ.

ترجمہ: ابراہیم بن محمد بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا مال ناحق طور پر چھینا جارہا ہو اور وہ لڑائی کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔

(۱۳۴۱) مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ.

ترجمہ: طلحہ بن عبداللہ، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

تشریح: انسان کا دین محترم ہے جان محترم ہے مال محترم ہے اہل وعیال محترم ہے ان میں سے اگر کسی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے حکمی شہید ہے ثواب کے اعتبار سے چونکہ اکثر احادیث کے اندر مال کا ذکر ہے اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان کے اندر مال کا ذکر کیا۔ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ مال کی، ذات کی، دین کی اور اہل وعیال کی حفاظت کرنی چاہیے اور اس کے لیے لڑنا چاہیے کتے کی موت نہیں مرنا چاہیے پھر اگر کامیاب ہو تو بامراد ہوا اور مارا گیا تو شہید ہوا پس وہ بھی بامراد ہوا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْقَسَامَةِ

باب ۲۲: قسامہ (حلف برداری) کا بیان

قسامت کا حکم:

(۱۳۴۲) خَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَهْلِ بْنِ زَيْدٍ وَ مُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ بْنِ زَيْدٍ حَتّٰى اِذَا كَانَا بِخَيْبَرَ تَفَرَّقَا فِي بَعْضِ مَاهُنَاكَ ثُمَّ اِنَّ مُحَيِّصَةَ وَجَدَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ قَتِيْلًا قَدْ قُتِلَ فَدَفَنَهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ هُوَ وَحُوَيِّصَةُ بْنُ مسعودٍ وعَبْدُ الرحمٰنِ بْنِ سَهْلٍ وَ كَانَ اَصْغَرَ الْقَوْمِ ذَهَبَ عَبْدُ الرحمٰنِ لِيَتَكَلَّمَ قَبْلَ صَاحِبَيْهِ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَبِّرْ لِلْكُبْرِ فَصَمَتَ وَتَكَلَّمَ صَاحِبَاهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مَعَهُمَا فَذَكَرُوا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَقْتَلَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَهْلٍ فَقَالَ لَهُمْ اَتَحْلِفُوْنَ بِخَمْسِيْنَ يَمِيْنًا فَتَسْتَحِقُّوْنَ صَاحِبَكُمْ او قَاتِلَكُمْ قَالُوْا وَ كَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُوْدُ بِخَمْسِيْنَ يَمِيْنًا قَالُوْا وَ كَيْفَ نَقْبَلُ اَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْطٰى عَقْلَهٗ.

ترجمہ: حضرت سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یحییٰ نامی راوی بیان کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ حدیث حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ دونوں حضرات یہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے یہ لوگ خیبر میں تھے وہاں یہ ایک جگہ پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے پھر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو مقتول پایا جنہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ان میں سب سے کم عمر تھے وہ اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بات شروع کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلے بڑوں کو موقع دو! وہ خاموش ہو گئے۔ ان کے دونوں ساتھیوں نے بات چیت کی

پھر انہوں نے بھی ان دونوں کے ساتھ بات چیت میں حصہ لیا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا۔ کیا تمہارے پچاس افراد قسم اٹھا کر اپنے ساتھی (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اپنے قاتل کے حقدار بن جائیں گے۔ انہوں نے عرض کی۔ ہم کیسے قسم اٹھا سکتے ہیں جب کہ ہم وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر یہودی پچاس قسمیں اٹھا کر تم سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے عرض کی۔ ہم کافروں کی قسم کا کیسے اعتبار کریں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دیکھی تو آپ نے اپنی طرف سے انہیں دیت عطا کی۔

تشریح: قسامہ اور قسم مترادف الفاظ ہیں دونوں کے معنی ہیں: حلف برداری مگر قسامہ خاص قسم کی حلف برداری کا نام ہے مطلق قسم کھانا قسامہ نہیں ہے۔ کہ اسلامی حکومت میں کوئی خون رائیگاں نہیں جاتا بہر صورت قاتل کا پتہ چلایا جاتا ہے اگر کسی بھی صورت سے قاتل کا پتہ نہ چلے تو آخری صورت قسامہ ہے یعنی جہاں لاش ملی ہے اور اس پر قتل کے آثار ہیں قاتل کے ورثاء وہاں کے پچاس آدمیوں کا انتخاب کریں گے اور وہ سب قاضی کے سامنے اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ نہ انہوں نے قتل کیا نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں کیونکہ اتنی بڑی تعداد میں کوئی نہ کوئی قتل سے واقف ہوگا پس وہ ضرور نشاندہی کرے گا جھوٹی قسم نہیں کھائے گا اور اگر سب قسمیں کھالیں تو بستی والوں پر دیت ڈال دی جائے گی۔ اور قسامہ سے فیصلہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ قتل کبھی مخفی جگہ میں یا تاریک رات میں ہوتا ہے جہاں کوئی گواہ نہیں ہوتا پس اگر مخفی قتل کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا کہ گواہ نہیں تو لوگ قتل پر جری ہو جائیں گے اور اگر بے دلیل مقتول کے ورثاء کا دعویٰ مان لیا جائے گا تو ہر کوئی اپنے دشمن پر دعویٰ دے گا کہ اس نے قتل کیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ قسامہ سے فیصلہ کیا جائے۔

باب قسامہ میں تین مسئلوں میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء: پہلا مسئلہ: قسامہ کے لیے لوث (کسی بات کا غیر واضح ثبوت شبہ) ضروری ہے یا نہیں۔

① حنفیہ کے نزدیک ضروری نہیں صرف اتنی بات ضروری ہے کہ موت حادثاتی ہو طبعی نہ ہو معین شخص یا معین لوگوں پر شبہ ہونا ضروری نہیں۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک قسمیں لینے کے لیے لوث ضروری ہے یعنی کسی معین شخص پر یا معین لوگوں پر شبہ ہو کہ انہوں نے قتل کیا ہے تب ان سے قسمیں لی جائیں گی۔

دوسرا مسئلہ: قسامہ سے قصاص ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

① امام امالک رحمہ اللہ کے نزدیک قصاص ثابت ہوتا ہے جب مقتول کے ورثاء کسی معین آدمی کے بارے میں پچاس قسمیں کھائیں کہ اس نے عمداً قتل کیا ہے تو قصاص واجب ہوگا۔

② باقی تمام فقہاء کے نزدیک قسامہ سے قصاص ثابت نہیں ہو سکتا اس سے دیت ہی ثابت ہوتی ہے۔

تیسرا مسئلہ: قسامہ میں پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے یا نہیں؟

① حنفیہ کے نزدیک مقتول کے ورثاء قسمیں نہیں کھائیں گے۔

② امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے مقتول کے ورثاء پچاس قسمیں کھائیں گے اگر وہ کسی معین آدمی کے بارے میں عمداً قتل کرنے کی پچاس قسمیں کھالیں تو دیت مغلظہ واجب ہوگی اور قتل خطا کی قسمیں کھائی تو دیت مخففہ واجب ہوگی اور اگر مقتول کے ورثاء قسمیں کھانے سے انکار کر دیں تو مدعیٰ علیہ یا جہاں لاش ملی ہے وہاں کے لوگ پچاس قسمیں کھائیں گے اور ان پر دیت مخففہ واجب ہوگی۔

جب تک حدود کا حاکم تک کے پاس ثبوت نہ ہو تو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ساقط ہو جائے یعنی حدود میں کامل مکمل تفتیش ضروری ہے کہ شاید کسی مرحلے پر جا کر حد ساقط ہو جائے حد کو ساقط کرنا ہے حق عبد کو ساقط نہیں کرنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ چوری کا اندیشہ ہو تو حد تو ساقط ہو جائے گی لیکن مال مسروق تو مسروق منہ کو دیا جائے گا عفو کے اندر خطاء ہو جانا زیادہ بہتر ہے (عقوبت) اور حد کے اندر خطاء ہونے سے۔ مضمون کو امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہے لہٰذا سند کا ضعف کوئی مضر نہیں ہے۔

❊

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مَنْ لَا یَجِبُ عَلَیْهِ الْحَدُّ

باب ۱: حد کس پر واجب نہیں

(۱۳۴۳) رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ عَنِ النَّآئِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَشِبَّ وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰی یَعْقِلَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین طرح کے لوگوں سے قلم (شرعی سزا کا حکم) اٹھا لیا گیا ہے سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔ بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے یہاں تک کہ اسے عقل آ جائے۔

حدود: حد کی جمع ہے اور حد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اس میں کسی کو کسی طرح تبدیلی کا حق نہیں اور ایسی سزائیں صرف چار ہیں ان میں سے تین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور ایک کا حدیث میں ہے پہلی زنا کی سزا ہے۔ اگر زانی غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑوں کی سزا ہے اور یہ سزا قرآن کریم میں مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا سنگساری ہے یہ سزا بھی قرآن کریم میں مذکور تھی مگر بعد میں آیت منسوخ کر دی گئی اور حکم باقی رکھا گیا ہے اب اس کا ذکر حدیث میں ہے دوسری چوری کی سزا ہے اور وہ ہاتھ کاٹنا ہے اور یہ سزا بھی قرآن کریم میں مذکور ہے تیسری حد قذف ہے یعنی تہمت لگانے کی سزا اور وہ اسی کوڑے ہیں اور اس کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں ہے چوتھی شراب پینے کی سزا ہے اس کا تذکرہ حدیثوں میں ہے قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔

ان چار جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں قاضی انتظامی نقطہ نظر سے جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے اور بالکل معاف بھی کر سکتا ہے قرآن وحدیث نے ان جرائم کی سزائیں مقرر نہیں کی ہیں البتہ حدیثوں میں راہنمائی ہے کہ کس طرح کی سزائیں دینی چاہئیں پھر فقہاء نے احادیث کی روشنی میں بہت سے جرائم کی سزائیں مقرر کی ہیں اسی طرح آج کل پارلیمنٹ بھی جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے سزائیں مقرر کر سکتی ہے قاضی وہ سزائیں بھی دے سکتا ہے مگر شرعاً وہ ان کا پابند نہیں وہ ان کے علاوہ بھی سزا دے سکتا ہے اور سزاؤں میں تخفیف وتشدید بھی کر سکتا ہے۔

فائدہ: مذکورہ بالا سزائیں صرف ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے مگر ان کے ڈر سے آدمی سہارا رہتا ہے کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے مثلاً سنگساری حد درجہ کی بھیانک سزا ہے مگر اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار عینی دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس طرح زنا ہوتے دیکھا ہو جیسے سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے ظاہر ہے کوئی بھی برسرعام زنا نہیں کرتا جو زنا کرتا ہے چھپ کر کرتا ہے پس آسانی سے اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا مشکل ہی سے کسی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے اور حد زنا جاری کرنے کی نوبت آتی ہے اگر آپ سعودیہ میں جو قتل اور زنا وغیرہ ہوتے ہیں ان کا اور یورپ امریکہ اور برطانیہ میں جو جرائم ہوتے ہیں ان کا تناسب دیکھیں تو حیرت زدہ رہ جائیں! سعودیہ میں یہ گناہ ایک دو فیصد بھی نہیں ہوتے اور یورپ وغیرہ میں ان جرائم کی کوئی حد ہی نہیں حالانکہ سعودیہ میں سب اولیاء اللہ نہیں بستے ان کے بھی نفس ہیں ان کے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے مگر ان سزاؤں کا ہوا ایسا سوار ہے کہ کوئی گناہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا غرض مذکورہ بالا سزائیں وحشت ناک ضرور ہیں مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت شاذ ونادر ہی آتی ہے کیونکہ ان کا ہوا ہی جرائم سے باز رکھنے کے لیے کافی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ دَرْءِ الْحُدُوْدِ

باب: حدود کو ہٹانے کا بیان

(۱۳۴۴) اِدْرَئُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کر دو اور اگر کوئی گنجائش ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام کا غلطی سے معاف کر دینا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی گئی ہے کہ حد شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور شبہے تین ہیں:

اوّل: شبہ فی الفعل یعنی کوئی شخص بیوی کے شبہ میں کسی اجنبی عورت سے صحبت کرے تو یہ شبہ فی الفعل ہے۔

دوم: شبہ فی العقد یعنی کوئی شخص محارم سے نکاح کر کے صحبت کرے تو یہ شبہ فی العقد ہے۔

سوم: شبہ فی المحل یعنی مزنیہ میں حلت کا احتمال ہو جیسے بیوی کی باندی سے صحبت کرنا شبہ فی المحل ہے ان تین شبہوں سے حد ساقط ہو جاتی ہے مگر قاضی انتظامی نقطہ نظر سے جو سزا مناسب سمجھے گا دے گا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی السِّتْرِ عَلَی الْمُسْلِمِ

باب ۳: مسلمان کی پردہ پوشی کرنا

(۱۳۴۵) مَنْ نَفَّسَ مِنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلٰى مُسْلِمٍ سَتَرَ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان سے کسی دنیاوی پریشانی کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی پریشانی کو دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

(۱۳۴۶) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا وہ اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑتا جو شخص اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان سے مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن پریشانیوں کو دور کرے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

تشریح: ومن ستر... الخ یعنی اس کا کوئی گناہ عیب چھپا دیا بشرطیکہ اس سے دوسروں کا نقصان نہ ہوتا ہو یا اس کو مثلاً زنا کی حالت میں دیکھا تو اس کی پردہ پوشی کی الا یہ کہ اسے یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ آدمی چشم پوشی سے باز نہیں آئے گا تب حسب ضرورت اظہار کرنا چاہیے لیکن اگر گواہ سمجھتا ہے کہ راز افشا نہ کرنے کی صورت میں بھی آدمی نادم وتائب ہوگا تو ایسی صورت میں اخفاء مستحب ہے البتہ اگر وہ چوری کا مال لے چکا ہے تو گواہی تو کرے گا تاکہ صاحب حق کو نقصان نہ ہو لیکن سرق کی بجائے اخذ کہے گا تاکہ مال بھی واپس ہو اور ہاتھ بھی نہ کٹے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی التَّلْقِيْنِ فِی الْحَدِّ

باب ۴: حد کے بارے میں تلقین کرنا

(۱۳۴۷) اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ اَحَقٌّ مَا بَلَغَنِيْ عَنْكَ قَالَ مَا بَلَغَكَ عَنِّيْ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ وَقَعْتَ عَلٰى

جَارِيَةِ آلِ فُلاَنٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک سے فرمایا تھا۔ کیا وہ بات درست ہے جو تمہارے حوالے سے مجھ تک پہنچی ہے؟ انہوں نے دریافت کیا۔ میرے حوالے سے کیا بات آپ تک پہنچی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے تم نے فلاں قبیلے کی لڑکی کے ساتھ زنا کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ جی ہاں! پھر انہوں نے چار مرتبہ یہ اعتراف کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت انہیں سنگسار کر دیا گیا۔

تلقین فی الحد کا مطلب: یہ ہے کہ جب حد کا ثبوت اقرار کے ذریعے ہو تو قاضی اور حاکم کو چاہیے کہ وہ ایسی کوشش کرے کہ حد ساقط ہو جائے مثلاً اگر کوئی آ کر اقرار کرے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کو کہے کہ تجھے پتہ بھی ہے کہ زنا کسے کہتے ہیں مسلمان ہو اور زنا کا ارتکاب کرے کیا کہہ رہے ہو پھر تفصیل اور صراحتاً کے ساتھ اقرار کرے جیسے سرمچو سرمہ دانی میں اور ڈول کی رسی کنویں میں تو پھر اقرار کے ذریعے زنا کا ثبوت ہو گا اسی پر حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنایا باقی یہاں تلقین اسی طرح ہوئی کہ لوگوں میں یہ بات چل رہی تھی کہ ماعز زنا کے مرتکب ہو گئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان سے پوچھوں گا اگر وہ انکار کر دیں گے تو میں لوگوں کو روک دوں گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصد حد کو دور کرنا تھا تو بایں طور تلقین ہوگئی لیکن حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے خلاف ۴ مرتبہ اقرار کر لیا۔

سوال: احق ما بلغنی عنك یہ تو تجسس کرنا ہے اور یہ ادراء الحدود کے خلاف ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی باتوں کی وجہ سے فی الجملہ علم ہو چکا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمان زنا کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ انکار کر دیں گے تو میں لوگوں کو باتیں کرنے سے روک دوں گا۔

سوال: اگلی حدیث میں آ رہا ہے کہ خود حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا تھا اور اس میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے علم ہو چکا تھا؟

جواب: اصل میں یہاں اختصار ہے اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی باتوں کی وجہ سے علم ہو چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے خود بھی اقرار کر لیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ دَرْءِ الْحَدِّ عَنِ الْمُعْتَرِفِ إِذَا رَجَعَ

باب ۵: اعتراف کرنے والا جب رجوع کر لے تو اس سے حد کو ساقط کر دینا

(۱۳۴۸) جَاءَ مَاعِزُ الْاَسْلَمِيُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَقَالَ اِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْاٰخَرِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ قَدْ زَنٰى فَاَمَرَ بِهٖ فِي الرَّابِعَةِ فَاُخْرِجَ اِلَى الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ حَتّٰى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهٗ لَحْيُ جَمَلٍ فَضَرَبَهٗ بِهٖ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰى مَاتَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ فَرَّ حِيْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ماعز اسلمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اس نے زنا کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری سمت سے آیا اور اس نے بتایا۔ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ دوسری طرف سے آیا۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت چوتھی مرتبہ کے اعتراف کے بعد اسے حرہ کے میدان میں لے جایا گیا اور پتھروں کے ذریعے سنگسار کر دیا گیا جب اسے پتھروں کی تکلیف پہنچی تو وہ بھاگا، یہاں تک کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جس کے پاس اونٹ کا جبڑا موجود تھا۔ اس شخص نے وہی اسے مار دیا۔ لوگوں نے بھی اسے مارا، یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا بعد میں لوگوں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہ جب اسے پتھروں کی تکلیف اور موت کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا۔

(۱۳۴۹) اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَسْلَمَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَا فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ اعْتَرَفَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ حَتّٰى شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَبِكَ جُنُوْنٌ قَالَ لَا قَالَ اَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَاُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرًا وَّلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اسلم قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے زنا کرنے کا اعتراف کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر اعتراف کیا آپ نے پھر اس سے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ یہ گواہی دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم پاگل ہو۔ اس نے عرض کیا نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم شادی شدہ ہو اس نے عرض کی۔ جی ہاں! تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اسے عیدگاہ میں سنگسار کر دیا گیا جب اسے پتھروں کی تکلیف لاحق ہوئی تو وہ بھاگا لیکن اسے پکڑ کر سنگسار کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال کیے تاہم آپ نے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی۔

تشریح: جب زناء کا ثبوت اقرار کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت کے اندر خواہ حد قائم کرنے سے پہلے رجوع کرے یا دوران حد رجوع کرلے تو حد ساقط ہو جائے گی عام ازیں کہ رجوع بالقبول ہو یا بالفعل ہو مثلاً بھاگنا اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔

لم یصل علیه: یہاں لم یصل ہے اور بخاری شریف میں ہے کہ یصلی.

جواب ①: اثبات ونفی میں تعارض ہو جائے تو ترجیح اثبات کو ہوتی ہے۔

جواب ②: ابتداءً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ نہ پڑھنے کا ارادہ فرما لیا اور فرمایا کہ تم جنازہ پڑھ لو اور پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوسرے دن) نماز جنازہ پڑھ لی۔

جب زنا اقرار کی وجہ سے ثابت ہو تو کتنی مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے؟

مذاہب فقہاء: احناف وحنابلہ کہتے ہیں کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے اور پھر احناف کے نزدیک مجالس اربع کے اندر اقرار کرے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ اقرار ہو جائے تو زنا ثابت ہو جائے گا۔

احناف اور حنابلہ کی دلیل: واقعہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ ہے یہاں انہوں نے چار مرتبہ اقرار کیا اور مجلس بھی بدلتی رہی آپ ﷺ کے اعراض کی وجہ سے ورنہ سوال ہوگا کہ اگر زناء کے ثابت ہونے کے لیے اقرار مرۃ کافی ہے تو پھر نبی ﷺ نے اعراض کیوں فرمایا حالانکہ حد کے ثبوت کے بعد تو اقرار صحیح نہیں ہے لامحالہ کہنا ہوگا کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

شوافع اور مالکیہ کی دلیل: مابعد میں آنے والی حدیث کا حوالہ دیا کہ دو آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں ایک مقدمہ لائے ایک نے کہا کہ میرے بیٹے نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم جاؤ کہ اگر وہ عورت اقرار کرے تو اس کو رجم کرو اور اگر چار مرتبہ اقرار ضروری ہوتا تو پھر فان اعترفت مرۃ نہ فرماتے بلکہ فرماتے فان اعترفت اربع مرات تو تب حد جاری کرو پس معلوم ہوا کہ زنا کے ثبوت کے لیے اقرار مرۃ کافی ہے۔

جواب: اعترفت سے مراد وہ اعتراف ہے کہ جو قاعدہ شرعیہ کے مطابق ہو اور قاعدہ شرعیہ کے مطابق وہ اعتراف ہے جو اربع مراۃ ہو اور اس کے مقابلے میں حدیث ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ صریح ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی کَرَاهِیَةِ اَنْ یُشْفَعَ فِی الْحُدُوْدِ

باب ٦: حدود کے بارے میں سفارش کرنا حرام ہے

(١٣٥٠) اَنَّ قُرَيشًا اَهَمَّهُم شَأْنُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رسولَ الله ﷺ فَقَالُوا مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيهِ اِلَّا اُسَامَةُ بْنُ زَيدٍ حِبُّ رسولِ الله ﷺ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فقال رسولُ الله ﷺ اَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ فقال اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِينَ مَنْ قَبْلَكُم اِنَّهُم كَانُوا اِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشريفُ تَرَكُوهُ وَاِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ اَقَامُوا عَلَيهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لو اَنَّ فَاطِمَةَ بنتَ محمدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: قریش، مخزوم قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کے سلسلے میں پریشان تھے جس نے چوری کی تھی۔ انہوں نے سوچا اس عورت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کون بات کرے گا پھر انہیں خیال آیا کہ یہ جرات صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کر سکتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے محبوب ہیں۔ اسامہ نے اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بات کی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کی ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہے ہو پھر نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے۔ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے کے لوگ اس لئے ہلاکت کا شکار ہو گئے کہ جب ان میں کوئی صاحب حیثیت شخص چوری کرتا تھا تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تھا تو وہ اس پر حد جاری کر دیا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ نے چوری کا ارتکاب کیا ہوتا تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدود اربعہ (چار سزائیں) اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں ہیں ان میں کسی طرح کی تبدیلی یا تخفیف کا حق کسی کو نہیں ان میں کوئی سفارش بھی نہیں کی جا سکتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی تَحْقِیْقِ الرَّجْمِ

باب ۷: رجم (سنگساری) کی سزا قطعی ہے

(۱۳۵۱) رَجَمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَرَجَمَ اَبُوْ بَكْرٍ وَرَجَمْتُ وَلَوْلَا اَنِّیْ اَكْرَهُ اَنْ اَزِيْدَ فِیْ كِتَابِ اللهِ لَكَتَبْتُهٗ فِی الْمُصْحَفِ فَاِنِّیْ قَدْ خَشِيْتُ اَنْ تَجِیْءَ اَقْوَامٌ فَلَا يَجِدُوْنَهٗ فِیْ كِتَابِ اللهِ فَيَكْفُرُوْنَ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے رجم کروایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رجم کروایا تھا۔ میں نے بھی رجم کروایا ہے اگر میں اس بات کو ناپسند نہ کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی اضافہ کروں تو میں اس کو مصحف میں لکھوا دیتا کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کچھ لوگ آئیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اسے نہیں پائیں گے تو اس کا انکار کردیں گے۔

(۱۳۵۲) اِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ فِيْمَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةُ الرَّجْمِ فَرَجَمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ وَاِنِّیْ خَائِفٌ اَنْ يَّطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ فَيَقُوْلُ قَائِلٌ لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِیْ كِتَابِ اللهِ فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ اَنْزَلَهَا اللهُ اَلَا وَاِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلٰی مَنْ زَنٰی اِذَا اَحْصَنَ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ حَبَلٌ اَوِ اعْتِرَافٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ہمراہ مبعوث کیا۔ اس نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو چیز نازل کی اس میں رجم سے متعلق آیت بھی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے رجم کروایا ہے۔ آپ کے بعد ہم نے رجم کروایا ہے۔ مجھے یہ اندیشہ ہے۔ جب طویل زمانہ گزر جائے گا تو کوئی شخص یہ کہے گا ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں رجم کا حکم نہیں ملتا تو وہ لوگ ایک فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا تھا۔ یاد رکھنا رجم کا حکم حق ہے اس شخص کے لئے جو زنا کا ارتکاب کرے، جب کہ وہ شادی شدہ ہو، اور ثبوت قائم ہو جائیں یا حمل کی وجہ سے (زنا ظاہر ہو) یا اعتراف کی وجہ سے (ثابت ہو)۔

تحقیق الرجم: رجم (سنگساری) کو دلیل سے ثابت کرنا چونکہ اس حکم کی آیت منسوخ کردی گئی ہے اس لیے کچھ لوگ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ سنگساری کی سزا ختم کردی گئی ہے صرف کوڑوں کی سزا باقی ہے اس لیے یہ باب قائم کیا ہے تاکہ دلیل سے ثابت کریں کہ یہ سزا باقی ہے۔

① آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ کی گئی ہے اور حکم باقی ہے یہ ہے: الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم. یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ان کو قطعی طور پر سنگسار کردو اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں یہ آیت سورۃ الاحزاب میں تھی۔ (فتح الباری ۱۲: ۱۴۳)

اور اس کی تلاوت اس لیے منسوخ کی گئی ہے کہ قرآن کریم دعوت بھی ہے۔ صرف کتاب احکام نہیں اور جب یہ کتاب دعوت ہے تو اس کو غیر مسلم بھی پڑھیں گے اور جب وہ اس آیت پر سے گذریں گے تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ غیر مسلموں کے نزدیک زنا کوئی گناہ نہیں وہ خیال کریں گے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو فوراً گردن نپ جائے گی حالانکہ اسلام سابقہ تمام

گناہوں سے درگذر کرتا ہے حدیث میں ہے الاسلام یھدم ما کان قبله اسلام سابقہ گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے مگر ان کو یہ اندیشہ دامن گیر رہے گا کہ شاید ہم اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس گناہ سے نہ بچ سکیں حالانکہ اسلام سے مکمل زندگی بدل جاتی ہے۔غرض اس مصلحت سے حکمت بالغہ کا تقاضا ہوا کہ قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت باقی نہ رکھی جائے جو غیر مسلموں کے لیے قبول اسلام میں روڑا بنے اس لیے پہلے یہ آیت قرآن میں نازل کی گئی پھر جب اس پر عمل شروع ہو گیا تو اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔

صحابہ کرام آنحضور ﷺ کا حکم حق اور قرآن کے مطابق سمجھتے تھے حتیٰ کہ اسے کتاب اللہ کے حکم سے تعبیر کرتے جیسا کہ اگلے باب کی حدیث کے الفاظ فقال انشدك الله یارسول الله لما قضیت بیننا بکتاب الله اس پر صریح ناطق ہیں اور پھر حضور ﷺ کا فیصلہ جس میں رجم کا حکم مصرح ہے عین حکم کتاب اللہ قرار پانا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: والذی نفسی بیده لاقضین بینکما بکتاب الله وفیه .... فان اعترفت فارجمها... الخ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رجم کو کتاب کے مطابق قرار دیا ہے۔

منکرین یہ بھی شبہ پیش کرتے ہیں کہ رجم کے واقعات نزول کے اعتبار سے (۱۰۲) ایک سو دو نمبر پر ہے جبکہ سورۃ مائدہ جس میں رجم کی طرف اشارہ ہے صلح حدیبیہ کے بعد سن ۷ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور ترتیب نزولی میں (۱۱۲) ایک سو بارہ نمبر پر ہے اسی طرح باقی واقعات رجم کے بھی سورہ نور سے مؤخر ہیں کیونکہ غامدیہ عورت کے رجم میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی موجودگی ثابت ہے حالانکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ یکم صفر سن ۸ ہجری میں مدینہ منورہ آکر مشرف باسلام ہوئے ہیں اگلے باب کا واقعہ بھی سن ۷ ہجری کے بعد کا ہے کہ اس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے حالانکہ آپ کی آمد فتح خیبر کے موقعہ پر سن ۷ ہجری میں ہوئی ہے علاوہ ازیں رجم کے حکم کا سورہ نور کی آیت بالا سے کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ مفسرین ومحدثین اس کو غیر محصن کا حکم قرار دیتے ہیں جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد آیت نمبر ۳ میں ہے ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ... الآية﴾ (النور: ۳) اس سے معلوم ہوا کہ زانی جب سو کوڑوں کے بعد شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ عند الزنا غیر شادی شدہ ہو لہٰذا جب سورہ مائدہ کی آیت ۴۱، ۴۲، ۴۳ میں رجم کی طرف صاف اشارہ موجود ہے اور آنحضور علیہ السلام کا فیصلہ بھی اس کے مطابق صحیح سنت سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ امت کا بھی اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

محققین اور محدثین نے جو فہرست پیش کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو رجم کو ذکر کر رہے ہیں ان کی تعداد پچاس ہے ان میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بھی ہیں اجلاء صحابہ بھی ہیں لامحالہ قدر مشترک تواتر ہے بلکہ تعارض ہے ہی نہیں آیت کریمہ میں زانیہ غیر محصنہ کی حد کا بیان ہے چنانچہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر کے اندر اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تفسیر روح المعانی کے اندر اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح کی ہے کہ رجم احادیث متواترہ سے ثابت ہے پس ان اجلاء علماء کے مقابلے میں ملحدین اور بے دین کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔

وَاِنِّيْ خَائِفٌ اَنْ يَّطُوْلَ بِالنَّاسِ.... الخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اندیشہ بالکل ٹھیک تھا کہ آج منکرین حدیث اور مستغربین یہی کہتے ہیں ولولا انی اکرہ ان ازید فی کتاب الله لکتبته فی المصحف یعنی میں اگر اس سے نہ ڈرتا کہ کتاب اللہ میں زیادتی نہ کر لوں تو اس حاشیہ پر لکھ لیتا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الرَّجْمِ عَلَی الثَّیِّبِ

باب ۸: رجم کا حکم شادی شدہ شخص کے لئے ہے

(۱۳۵۳) اَنَّهُمْ كَانُوْا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاَتَاهُ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فَقَامَ اِلَيْهِ اَحَدُهُمَا فَقَالَ اَنْشُدُكَ اللهَ يَارَسُوْلَ اللهِ لَمَا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَالَ خَصْمُهُ وَكَانَ اَفْقَهَ مِنْهُ اَجَلْ يَارَسُوْلَ اللهِ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَاْذَنْ لِيْ فَاَتَكَلَّمَ اِنَّ ابْنِيْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَاَتِهِ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَفَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ ثُمَّ لَقِيْتُ نَاسًا مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فَزَعَمُوْا اَنَّ عَلَى ابْنِيْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ وَاِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَاَةِ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ اَلْمِائَةُ شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ وَاغْدُ يَا اُنَيْسُ عَلَى امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدٰى عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت شبل رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں: یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے دو آدمی آپس میں بحث کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑا ہوا اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں آپ کو اللہ کے نام کی قسم دیتا ہوں، جب آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔ دوسرا شخص بولا (راوی بیان کرتے ہیں) وہ زیادہ سمجھدار تھا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔ لیکن آپ مجھے اجازت دیں تو میں کچھ کہوں میرا بیٹا اس شخص کے ہاں ملازم تھا اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا ہے۔ لوگوں نے مجھے یہ بتایا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا تو میں نے اس کے فدیے کے طور پر ایک سو بکریاں اور ایک خادم دے دیئے ہیں پھر میری ملاقات کچھ اہل علم سے ہوئی تو انہوں نے یہ بات بیان کی کہ میرے بیٹے کو ایک سو کوڑوں اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہو گی جبکہ سنگسار اس شخص کی بیوی کو کیا جائے گا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ میں تم دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ ایک سو بکریاں اور خادم تمہیں واپس مل جائیں گے۔ تمہارے بیٹے کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا (پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا) اے انیس تم کل اس شخص کی بیوی کے پاس جانا اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دینا۔ (راوی بیان کرتے ہیں) اگلے دن وہ اس خاتون کے پاس گئے اس عورت نے اعتراف کیا تو انہوں نے اسے سنگسار کروا دیا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(۱۳۵۴) خُذُوْا عَنِّيْ فَقَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا اَلثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ الرَّجْمُ وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ سے (شرعی احکام) حاصل کرلو اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے حکم جاری کر دیا ہے۔ شادی شدہ شخص کو شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرنے کے نتیجے میں ایک سو کوڑے مارے جائیں گے پھر سنگسار کیا جائے گا۔ کنوارے شخص کو کنواری لڑکی کے ساتھ زنا کرنے پر ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔

سوال: کہ آپ ﷺ نے تحقیق زنا کے لیے آدمی روانہ فرمایا جبکہ پیچھے گذرا ہے کہ حدود کے درپے نہیں ہونا چاہیے؟

جواب: نووی رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے کہ چونکہ یہاں لڑکے کے باپ نے اس عورت پر تہمت لگادی تو اس کی تفتیش کرانا مراد تھی نہ کہ حدزنا کی توثیق۔

دوسرا جواب: گنگوہی صاحب رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ اب اسے نظر انداز کرنا مشکل تھا لہٰذا حضرت انیس کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اعتراف کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ انکار کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی کہ گواہ نہیں ہیں اگرچہ شہرت زیادہ ہے اس حدیث میں تغریب عام کا حکم ہے لیکن اس کے لیے آگے مستقل باب آرہا ہے۔

دوسری حدیث: اذازنت الامة فاجلدوها فان زنت فی الرابعة فبیعوها ولو بضفیر.

"اگر باندی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ اور چوتھی دفعہ کرے تو اسے بیچ دو چاہے رسی کے عوض کیوں نہ ہو۔"

لغات: ضفیر. گندھے ہوئے بالوں اور رسی کو کہتے ہیں۔

اشکال: اس حدیث کے ظاہر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر وہ باندی اپنانے اور رکھنے کی قابل نہیں تو دوسرے کو دینا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

جواب: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عرف میں دیا ہے کہ یہ اس کے علاج کا ایک طریقہ ہے یعنی ہر مشتری اس کو آگے بیچتا رہے کیونکہ زنا کرنے کے لیے تو تعلقات چاہیے جن کے لیے وقت درکار ہے جبکہ اس کو فرصت ہی نہیں ملے گی۔

دوسرا جواب: کوکب الدری میں ہے کہ مکروہ اس وقت ہے جب عیب کو چھپا کر بیچا جائے جبکہ لفظ ضفیر اس کی طرف اشارہ ہے کہ عیب بتلا کر بیچا جائے۔

تیسرا جواب: کہ مکروہ اس وقت ہے جب زنا اس کی عادت ہو جو عیب ہے لیکن اگر وہ اپنے اس مولی سے تنگ ہو تو ہوسکتا ہے کہ مالک اور ماحول کی تبدیلی کے بعد وہ خوش ہو کر مطمئن ہو جائے اور زنا چھوڑ دے۔

مذاہب فقہاء: قوله ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا﴾ ...الآية (النساء:۱۵)

① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی شدہ زانی کو پہلے کوڑے لگیں گے پھر اسے رجم کیا جائے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام اسحٰق رحمہ اللہ کا مذہب بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

② جبکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور جمہور کے نزدیک فقط رجم پر اکتفاء کیا جائے گا۔

فریق اوّل کا استدلال باب کی حدیث سے ہے نیز بخاری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کو جمع کیا تھا۔

جمہور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کو آنحضور ﷺ کے عمل نے منسوخ کیا ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل موقوف ہے عارضہ میں ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اما ان علیاً جلد ورجم وفعل النبی ﷺ اولی واحکم.

باب تربص الرجم بالحبلی حتی تضع

باب ۹: حاملہ ملزمہ کو بچے کی پیدائش تک رجم نہ کرنا

(۱۳۵۵) اَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ اعْتَرَفَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِالزِّنَا وَقَالَتْ اَنَا حُبْلٰى فَدَعَى النَّبِيُّ ﷺ وَلِيَّهَا فَقَالَ اَحْسِنْ اِلَيْهَا فَاِذَا وَضَعَتْ حَمْلَهَا فَاَخْبِرْنِي فَفَعَلَ فَاَمَرَ بِهَا فَشُدَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ثُمَّ اَمَرَ بِرَجْمِهَا فَرُجِمَتْ ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهَا فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَارَسُوْلَ اللهِ رَجَمْتَهَا ثُمَّ تُصَلِّيْ عَلَيْهَا فَقَالَ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَ شَيْئًا اَفْضَلَ مِنْ اَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جہینہ قبیلے سے تعلق رکھنے والی ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں زنا کا اعتراف کیا اس نے عرض کی میں حاملہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کے سرپرست کو بلوایا اور فرمایا اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو جب یہ بچے کو جنم دے تو مجھے بتانا اس نے ایسا ہی کیا۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم کے تحت اس عورت کے کپڑے اچھی طرح باندھ دیئے گئے پھر نبی اکرم ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا تو اسے سنگسار کر دیا گیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی۔

تشریح: ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب بھی ذکر کیا ہے باب تربص الرجم بالحبلی حتی تضع پھر لکھا ہے کہ حبلی کو رجم نہ کرنے پر اتفاق ہے یہاں تک کہ اس کا بچہ پیدا ہو کر کھانے پینے لگ جائے یا کوئی کفیل مل جائے البتہ مریض کی حد اگر خطرہ جان کا سبب بنتی ہو تو موخر ہوگی ورنہ نہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جب اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو وہ آئی اور بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا تب اسے رجم کیا گیا ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو الگ واقعہ کہا ہے گویا ایک واقعہ میں بچے کو کفیل مل گیا تھا اس وجہ سے رجم جلدی واقع ہوا جبکہ دوسرے کو نہیں ملا تھا اس لیے انتظار کرنا پڑا عورت کے بدن پر کپڑے اس لیے باندھے گئے کہ تکلیف کے وقت آدمی ستر چھپانے کی پرواہ نہیں کرتا۔

اس حدیث سے جمہور کا استدلال صحیح ہے کہ مرجوم اور ہر طرح کے گنہگار کی نماز جنازہ ادا کی جائیگی جبکہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مرجوم اور خودکشی کرنے والے کی نماز کوئی بھی نہیں پڑھے گا بعض کے نزدیک وَلَدُ الزنا کی نماز جنازہ نہیں ہوگی۔

امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ کے ہاں اہل فضل مرجوم کے جنازہ میں شرکت نہ کریں امام کے علاوہ دوسرے لوگ شرکت کر سکتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ رَجْمِ اَهْلِ الْكِتَابِ

باب ۱۰: اہل کتاب کو سنگسار کرنا

(۱۳۵۶) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَجَمَ يَهُوْدِيًّا وَيَهُوْدِيَّةً.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو سنگسار کروا دیا تھا۔

(۱۳۵۷) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَجَمَ يَهُوْدِيًّا وَيَهُوْدِيَّةً.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی شخص اور ایک یہودی عورت کو سنگسار کروا دیا تھا۔

① **احصان کی دوقسمیں ہیں:** احصان الرجم اور احصان القذف۔

احصان الرجم یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں عاقل بالغ آزاد اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کر کے ہم بستر ہو چکے ہوں تو وہ محصن بکسر الصاد) اور محصنہ (بفتح الصاد) ہیں اور زنا میں ان کی سزا رجم ہے۔

احصان القذف یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان اور عفیف (پاک دامن) ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا الزام نہ لگا ہو ایسا مرد اور ایسی عورت جن پر الزام زنا لگایا گیا ہے باب قذف میں محصن اور محصنہ ہیں ایسے لوگوں پر اگر کوئی زنا کا الزام لگائے تو شرعی ثبوت پیش کرے ورنہ تہمت لگانے والے کو حد قذف لگے گی اور اگر کوئی شخص پاگل بچے غلام غیر مسلم یا غیر عفیف پر تہمت لگائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی۔

اہل کتاب اہل ذمہ زنا کے مرتکب ہو جائیں تو رجم کیا جائے گا یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: ① احناف اور مالکیہ کہتے ہیں کہ رجم نہیں کیا جائے گا۔

② امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ رجم کیا جائے گا مبنی علیہ یہ ہے کہ رجم کے لیے احصان ضروری ہے لیکن اختلاف اس میں ہو گیا کہ احصان کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے یا نہیں تو احناف و مالکیہ کہتے ہیں کہ اسلام شرط ہے اور شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اسلام شرط نہیں ہے جب اس میں اختلاف ہے تو جن کے نزدیک اسلام شرط ہے تو شرط نہ پائی گئی اس لیے رجم نہیں کیا جائے گا اور جن کے نزدیک شرط نہیں ہے ان کے نزدیک رجم کیا جائے گا اس پر دلیل کہ احصان کے لئے تو مسلمان ہونا شرط ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ (یا عمرا کہا) دونوں طرح مروی ہے یعنی مرفوعاً بھی اور موقوفاً بھی من اشرك بالله فليس بمحصن الذی اخرجه اسحق بن راهويه في سننه اور سند کے سارے رجال ثقہ ہیں۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کی دلیل یہی واقعہ ہے کہ ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو رجم کیا گیا معلوم ہوا کہ احصان کے لیے اسلام شرط نہیں ہے۔

جواب ①: یہ رجم بحکم توراۃ ہوا ہے اسلام نہیں ہوا۔

جواب ②: بحکم اسلام ہی ہوا لیکن اس زمانہ میں ہوا کہ ابھی تک اسلام کو یہ محصن ہونے کے لیے شرط قرار نہیں دیا گیا۔

جواب ③: تعزیر ہونے کی حیثیت سے رجم ہوا ہے۔ آزاد ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، نکاح کا ہونا، نکاح صحیحہ کا ہونا، وطی کا پایا جانا یہ سارے امور اتفاقی ہیں اختلاف صرف اسلام والی وصف میں ہے نیز حدود کا مسئلہ ہے اور حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور کفر کی وجہ سے شبہ ہے اس لیے رجم نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی النَّفْیِ

باب ۱۱: جلاوطنی کا حکم۔

(۱۳۵۸) اَنَّ النبیَّ ﷺ ضَرَبَ وغَرَّبَ وَاَنَّ ابابکرٍ ضَرَبَ وغَرَّبَ واَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وغَرَّبَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے (کوڑے) بھی لگوائے ہیں اور جلاوطن بھی کروایا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (کوڑے) بھی لگوائے ہیں اور جلاوطن بھی کروایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (کوڑے) بھی لگوائے ہیں اور جلاوطن بھی کروایا ہے۔

مذاہب فقہاء: زانی غیر محصن کے متعلق ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس کی حد جلد مائۃ ہے البتہ اس میں اختلاف ہوا کہ تغریب عام بھی حد کی جزء ہے یا نہیں۔

① احناف کہتے ہیں کہ جزء نہیں ہے ② باقی ائمہ کہتے ہیں کہ جزء ہے۔

احناف کی دلیل: ﴿اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا... الخ﴾ (النور: ۲) اس میں صرف جلد مائۃ کا ذکر ہے تغریب عام کا ذکر نہیں ہے اور جن احادیث میں تغریب کا ذکر ہے وہ ساری خبر واحد ہیں اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل: قضی النبی ﷺ باقامۃ وتغریب عام اس میں تغریب عام کا عطف ہورہا ہے باقامۃ حد پر تو عطف دال ہے کہ تغریب عام کی جزء ہے حد کی جزء نہیں ہے۔

مزید قرینہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربعۃ بن امیہ بن خلف کو مدینہ بدر کر کے خیبر بھیجا اور وہ مرتد ہو کر ہرقل کے پاس چلا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا اغرب بعدہ مسلما کمارواہ عبدالرزاق تو اگر تغریب حد کا جزء ہوتی اس پر عمل درآمد بہر حال لازم ہوتا یہ واقعہ اگرچہ حد شراب کا ہے لیکن اس سے اتنی بات معلوم ہوئی کہ تغریب امام کی صوابدید پر ہے چونکہ حدود کا مقصد فحاشی ومنکرات کا سد باب ہے اس لیے امام کو دیکھنا چاہیے کہ کس صورت میں بہتری ہے کیونکہ کبھی تغریب میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے جس سے حد کی افادیت نہ صرف ختم ہوجاتی ہے بلکہ الٹا نقصان ہوجاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک عورت کے لیے تغریب نہیں ہے خلافاً للشافعی رحمۃ اللہ علیہ حالانکہ عورت کی تخصیص کی کوئی منقولی دلیل نہیں ہے۔ سوائے اس وجہ کے جو اوپر بیان ہوئی۔

باقی ائمہ کی دلیل: وہ احادیث ہیں کہ جن میں تغریب عام کا ذکر ہے اور یہاں بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد بھی جاری کی اور جلاوطن بھی کردیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا۔

بَابُ مَاجَآءَ اَنَّ الْحُدُوْدَ کَفَّارَۃٌ لِاَهْلِهَا

باب ۱۲: حدود (سزا ملنے والوں) کے لئے کفارہ ہوتی ہیں

(۱۳۵۹) کُنَّا عِندَ النَّبِیِّ ﷺ فِی مَجْلِسٍ فقال تُبَایِعُوْنِی عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوا بِاللّٰهِ شَیْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا

قَرَاَعَلَيْهِمُ الاٰيةَ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: تم میرے ہاتھ پر اس بات پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپ علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے ایک آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا: توتم میں سے جو شخص اس کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جو کسی غلطی کا ارتکاب کرلے اور اس پر اسے سزامل جائے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوگی اور جو ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا اور اگر وہ چاہے تو (آخرت میں) اسے عذاب دے گا اور اگر چاہے تو اس کی مغفرت کردے گا۔

حدود کفارات کے قبیل سے ہیں یا زواجر کے قبیل سے ہیں؟

مذاہب فقہاء: ① عندالاحناف زواجر کے قبیل سے ہیں یعنی حدود سے اصل مقصود اخلاء العالم عن الفساد ہے اگر توبہ نہ کی تو اخروی موآخذہ تحت المشیت ہے بغیر توبہ کے گناہ ختم نہیں ہوگا۔

② ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ حدود کفارات کے قبیل سے ہیں جب حد جاری ہوجائے گی تو گناہ معاف ہوجائے گا اخروی مواخذہ کا احتمال باقی نہیں رہے گا اس لیے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کی تین صورتیں ہیں: ① حد ② توبہ ③ فضل الٰہی۔

احناف کی دلیل: نصوص عامہ ہیں: ① قطاع الطریق کے متعلق جو آیت کریمہ ہے قطع طریق کی حد کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (المائدہ: ۳۳)

② حد سرقہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ﴾ (المائدہ: ۳۹) تاب کی ضرورت تب ہی ہوگی کہ جب حد مکفر نہ ہو۔

③ حد قذف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا... الخ﴾ (النور: ۵) یہاں بھی توبہ کا ذکر ہے۔

④ مستدرک حاکم کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

⑤ روایت نقل کی گئی ہے: لا ادری الحدود کفارة ام لا؟ "مجھے معلوم نہیں کہ حدود کفارہ بنیں گی کہ نہیں۔"

او کما قال علیہ السلام طحاوی شریف اور ابو داؤد شریف کے اندر ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا حد کے جاری کرنے کے بعد تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے ارشاد فرمایا: استغفر اللہ اور ساتھ دعاء بھی فرمادی: اللّٰھم تب علیہ۔ (باب فی التلقین فی الحد ص ۲ ج ۲)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل: حدیث عبادۃ رضی اللہ عنہ بن صامت حدیث الباب ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے فعوقب علیہ ائمہ ثلاثہ یہ اس کا معنی کرتے ہیں اس پر حد جاری کی گئی فھو کفارة لہ پس معلوم ہوا کہ حدود کفارات کے قبیل سے ہیں۔

جواب ①: یہ مقید ہے اذا تاب کی قید کے ساتھ اس پر قرینہ دیگر نصوص ہیں۔

جواب②: اصل سبب قریب تو توبہ ہے لیکن عمومی طور پر حد کا جاری ہونا توبہ کا سبب بن جاتا ہے تو سبب قریب توبہ ہے اور سبب بعید حد ہے تو یہاں پر سبب بعید یعنی حد کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

جواب③: کفارۃ لہ یعنی حد کے کفارہ ہونے کی امید ہے۔

جواب④: خبر واحد ہے آیت کریمہ اور نصوص قطعیہ کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اِقَامَۃِ الْحَدِّ عَلَی الْاِمَاءِ

باب ۱۳: کنیزوں پر حد جاری کرنا

(۱۳۶۰) اِذَا زَنَتْ اَمَۃُ اَحَدِکُمْ فَلْیَجْلِدْھَا ثَلَاثًا بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ عَادَتْ فَلْیَبِعْھَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کی کنیز زنا کا ارتکاب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حکم کے مطابق تین مرتبہ اسے کوڑے لگوائے اگر وہ پھر (یعنی چوتھی مرتبہ) ایسا کرے تو اسے فروخت کر دے خواہ بالوں کی ایک رسی کے عوض میں کرے۔

(۱۳۶۱) خَطَبَ عَلِیٌّ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَقِیْمُوا الْحُدُوْدَ عَلٰی اَرِقَّائِکُمْ مَنْ اَحْصَنَ مِنْھُمْ وَمَنْ لَّمْ یُحْصِنْ وَاِنَّ اَمَۃً لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ زَنَتْ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَجْلِدَھَا فَاَتَیْتُھَا فَاِذَا ھِیَ حَدِیْثَۃُ عَھْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِیْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُّھَا اَنْ اَقْتُلَھَا اَوْ قَالَ تَمُوْتَ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَہٗ فَقَالَ اَحْسَنْتَ.

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اپنے غلاموں اور کنیزوں پر بھی حدود قائم کرو ان میں سے جو شادی شدہ ہوں اور جو شادی شدہ نہ ہوں بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کنیز نے زنا کا ارتکاب کیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں اسے کوڑے لگواؤں میں اس کے پاس آیا تو ابھی اس کے نفاس کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے لگائے تو میں اسے قتل کر دوں گا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) وہ مر جائے گی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے ٹھیک کیا ہے۔

(۱۳۶۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ ضَرَبَ الْحَدَّ بِنَعْلَیْنِ اَرْبَعِیْنَ قَالَ مِسْعَرٌ اَظُنُّہٗ فِی الْخَمْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد میں چالیس جوتے مارنے کی حد مقرر کی ہے۔ مسعر نامی راوی بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے یہ حکم شراب پینے والے کے لئے ہے۔

(۱۳۶۳) اَنَّہٗ اُتِیَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَہٗ بِجَرِیْدَتَیْنِ نَحْوَ الْاَرْبَعِیْنَ وَفَعَلَہٗ اَبُوْبَکْرٍ فَلَمَّا کَانَ عُمَرُ اِسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ کَاَخَفِّ الْحُدُوْدِ ثَمَانِیْنَ فَاَمَرَ بِہٖ عُمَرُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دو چھڑیوں کے ذریعے اسے چالیس چھڑیاں لگوائیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا (یعنی چالیس چھڑیوں کی سزا دی) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اسے حدود میں سب سے کم تر حد کی طرح سزا ہونا چاہیے جو اسی کوڑے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق حکم دیا۔

مذاہب فقہاء: تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام باندی اگر زنا کریں تو وہ خود خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کی سزا پچاس کوڑے ہے اور یہ مسئلہ سورۃ النساء آیت ۲۵ میں ہے البتہ حد جاری کرنے کا حق صرف حاکم کو ہے یا آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

① ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ ② حنفیہ کے نزدیک آقا کو یہ حق حاصل نہیں صرف حاکم حد جاری کر سکتا ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث ابی عبداللہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ:

الزکوۃ والحدود والجمعۃ والجہاد الی الحکام والسلطان.

"زکوٰۃ، حدود، جمعہ اور جہاد کا قیام حکام اور سلاطین پر ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج کی ہے جس کی سند حسن ہے نیز آیت کریمہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ فَاجْلِدُوْا... الخ کا حکم حکام کو ہے جیسے آزاد کے بارے میں حکام کو ہے ایسے ہی غلام کے بارے میں بھی حکام کو ہے

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل: حدیث الباب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اقیموا الحدود علی ارقائکم من احصن منہم ومن لم یحصن۔

جواب: یہ تسبیب پر محمول ہے کہ تم سبب بن جاؤ ان کا معاملہ حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ حد جاری کریں معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد کرنا صحیح ہے لیکن حجۃ تب ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تائید حاصل ہو تقریر حاصل ہو۔

محکوم علیہ الحد بیمار ہو تو آیا بیماری کے دوران اس پر حد جاری کی جائے گی یا نہیں تو تفصیل اس میں یہ ہے کہ اگر حد رجم یا قتل ہے تو پھر جاری کی جائے گی اور اگر حد رجم اور قتل نہیں ہے تو پھر تندرستی تک انتظار کیا جائے تندرست ہو جانے کے بعد حد جاری کی جائے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَدِّ السَّکْرَانِ

باب ۱۴: جو شخص شراب پئے اسے کوڑے لگاؤ اور جو شخص (سزا ملنے کے باوجود) چوتھی مرتبہ ایسا کرے تو اسے قتل کر دو

(۱۳۶۴) مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْہُ فَاِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَۃِ فَاقْتُلُوْہُ.

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص شراب پئے اسے کوڑے لگاؤ اور اگر (بار، بار سزا ملنے کے باوجود) چوتھی مرتبہ وہ ایسا کرے تو اسے قتل کر دو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شرابی کو سزا دینے کا یہ طریقہ تھا کہ کوئی شخص دونوں ہاتھوں میں دو چھڑیاں یا دو چپل

لے کرایک ساتھ چالیس مرتبہ مارتا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی معمول رہا پھر جب خرابی بڑھ گئی یعنی نئے ایمان لانے والوں میں شراب نوشی کا رجحان بڑھتا نظر آیا تو دور فاروقی میں اس سلسلہ میں مشورہ ہوا۔

بَابُ مَاجَآءَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ

مخمور کو کوڑے مارے جائیں پھر اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو قتل کر دیا جائے

عَنْ مُعَاوِیَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ.

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو اور اگر چوتھی مرتبہ بھی پیئے تو اسے قتل کردو۔

تشریح: کتاب العلل کے شروع میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جامع ترمذی کی تمام روایتیں معمول بہا ہیں یعنی ان پر کسی نہ کسی مجتہد نے عمل کیا ہے مگر دو حدیثیں ایسی ہیں جن پر کسی نے عمل نہیں کیا ان میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ اگر اس کو تعزیر و سیاست پر محمول کریں تو یہ حدیث بھی معمول بہا بن جاتی ہے۔

تعزیر: حدود کے علاوہ دوسری سزاؤں کو کہتے ہیں جن کا قاضی کو اختیار ہوتا ہے اور حدود و تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حدود پر تو ہر حال میں عمل کرنا ضروری ہے اس میں کسی مصلحت کا لحاظ نہیں کیا جاتا نہ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے نہ وہ معاف ہوسکتی ہے اور تعزیر میں مصلحت کا لحاظ کیا جاتا ہے پس اگر حاکم کسی شرابی کے قتل میں مصلحت دیکھے تو اس کو چوتھی مرتبہ میں قتل کرسکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل علم اکابر صحابہ سے مشورہ کیا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اور دیگر کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے انہوں نے مشورہ دیا کہ اس پر اخف الحد جاری کی جائے اور اخف الحد قذف ہے اور وہ ۸۰ کوڑے ہیں پھر اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا لیکن احناف اور مالکیہ کے نزدیک متعین ہے اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک چالیس لگادے تو تب بھی ٹھیک ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ کَمْ تُقْطَعُ یَدُ السَّارِقِ؟

باب ۱۵: کتنی قیمت والی چیز کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے

(۱۳۶۵) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْطَعُ فِیْ رُبْعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا.

ترجمہ: حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ مہنگی چیز کی چوری پر ہاتھ کٹوا دیتے تھے۔

(۱۳۶۶) قَطَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مِجَنٍّ قِیْمَتُهٗ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کٹوادیا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

مذاہب فقہاء: نصاب سرقہ کیا ہے؟ یعنی کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔

① ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک نصاب سرقہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں (امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی دینار کے ڈھائی درہم ہوتے ہیں اور عرب کسر چھوڑ دیتے ہیں یا پوری گنتے ہیں یہاں احتیاطا پوری گنی گئی ہے)۔

② حنفیہ کے نزدیک نصاب سرقہ ایک دینار یا دس درہم ہیں۔

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کہ کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے؟ کوئی تقدیر (اندازہ) مروی نہیں صرف یہ مروی ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹا پھر اس ڈھال کی قیمت کا اندازہ کرنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا چوتھائی دینار بھی اس کا اندازہ کیا گیا تین درہم بھی اور اس کے علاوہ بھی اور ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے دس درہم اندازہ کیا علاوہ ازیں ایک ضعیف روایات میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے لاقطع الافی عشرة دراهم یعنی دس درہم ہی میں ہاتھ کاٹا جائے حنفیہ نے اس روایت کو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے جو ڈھال کی قیمت کا اندازہ کیا ہے اس کو لیا ہے یہ روایت اگرچہ کمزور ہے اور چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات اصح مافی الباب ہیں مگر احناف نے یہ روایت دو وجہ سے لی ہے ایک چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات دس درہم والی روایت کے ضمن میں خود بخود آ جاتی ہیں اس لیے ان پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔

دوم: حدود میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جو صورت حد کو ہٹانے والی ہو اس کو اختیار کیا جائے مثلاً ایک شخص نے پانچ درہم چرائے پس اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اب فرض کرو نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم تھی پھر بھی ہاتھ نہ کاٹا گیا تو یہ حد جاری نہ کرنے میں غلطی ہوئی اور یہی بہتر ہے پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ اگر مجرم کے لیے کوئی بچنے کی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں غلطی کرے اس لیے احناف نے دس درہم نصاب سرقہ تجویز کیا ہے۔

فائدہ: نسب کی حفاظت کے لیے حد زنا ہے اور عقل کی حفاظت کے لیے حد خمر ہے اور آبرو کی حفاظت کے لیے حد قذف ہے اور مال کی حفاظت کے لیے حد سرقہ ہے اور دین کی حفاظت کے لیے حد ارتداد ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَعْلِیْقِ یَدِ السَّارِقِ

باب ۱۶: کٹے ہوئے ہاتھ کا ہار پہنانا

(۱۳۶۷) سَاَلْتُ فَضَالَةَ بْنِ عُبَیْدٍ عَنْ تَعْلِیْقِ الْیَدِ فِیْ عُنُقِ السَّارِقِ اَمِنَ السُّنَّةِ هُوَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِسَارِقٍ فَقُطِعَتْ یَدُهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِیْ عُنُقِهٖ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن محیریز بیان کرتے ہیں: میں نے فضالہ بن عبید سے چور کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکانے کے بارے میں دریافت کیا۔ کیا یہ سنت ہے، تو انہوں نے جواب دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اس کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔

تشریح: یہ عمل دو مقصد سے کیا گیا تھا:

ایک: اس کی حرکت کی تشہیر کرنے کے لیے کہ لوگ جان لیں کہ وہ چور ہے۔

دوم: ظلماً ہاتھ کاٹنے اور سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے (مگر یہ بالا جماع حد کا جز نہیں تعزیر ہے اور قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْخَائِنِ وَالْمُخْتَلِسِ وَالْمُنْتَهِبِ

باب ۱۷: خیانت کرنے والا، اچک کر لے جانے والا اور ڈاکو کا حکم

(۱۳۶۸) لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَّلَا مُنْتَهِبٍ وَّلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: خیانت کرنے والے اچک کر لے جانے والے اور ڈاکو کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: خائن اس آدمی کو کہتے ہیں جسے امین بنایا گیا ہو امانت رکھوا کر وہ اسے خود رکھ لے اور کہے کہ وہ ضائع ہو گیا ہو یا پھر سرے سے لینے کا انکار کردے منتھب جو زبردستی چھین لے مختلس اچک کر لے جانے والے کو کہتے ہیں ان تینوں صورتوں میں قطع اس لیے نہیں ہے کہ یہاں چوری کے معنی متحقق نہیں ہوتے کیونکہ چوری اس کو کہتے ہیں کہ ایسے مال کو چھپکے سے لے لے جس کی حفاظت اس طور سے کی گئی ہو جو عادۃً حفاظت کے لیے کافی ہو پھر چور سب لوگوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرتا ہوا لے جائے جبکہ خیانت کی صورت میں تو مال اسی کے پاس ہوتا ہے اور منتھب تو علانیہ لے جاتا ہے کسی کے دیکھنے کی پرواہ نہیں کرتا جبکہ مختلس صرف مالک کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے نہ کہ عام لوگوں سے۔

بَابُ مَاجَآءَ لَا قَطْعَ فِی ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ

باب ۱۸: پھلوں اور کھجور کے خوشوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

(۱۳۶۹) لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَّلَا كَثَرٍ.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ پھلوں اور کھجوروں کے خوشوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

بَابُ مَاجَآءَ اَنْ لَا يُقْطَعَ الْاَيْدِیْ فِی الْغَزْوِ

باب ۱۹: جنگ کے دوران ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے

(۱۳۷۰) لَا تُقْطَعُ الْاَيْدِیْ فِي الْغَزْوِ.

ترجمہ: حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جنگ کے دوران (کسی چور کے) ہاتھ کو نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: جہاد کے دوران اگر کوئی سرقہ کرے تو دو حال سے خالی نہیں۔ ① مال غنیمت میں سے چوری کرے گا۔ ② کسی اور مال سے چوری کرے گا اگر مال غنیمت میں سے ہو تو نہ دارالحرب میں حد قائم کی جائے گی اور نہ دارالسلام میں حد قائم کی جائے گی اس لیے کہ شبہ موجود ہے کہ اپنی ملکیت ہو اور حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر مال غنیمت کے علاوہ چوری کرے یا کوئی خیانت کرے جو موجب حد ہو تو آیا دارالحرب میں حد قائم کی جائے گی یا نہیں تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ حد جاری کی گئی تو کفار کے ساتھ مل جائے گا تو پھر دارالحرب میں حد قائم نہ کی جائے پھر آیا دارالسلام میں حد قائم کی جائے گی یا نہیں تو احناف کے اس میں دونوں قول ہیں البتہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہاں تو قائم نہیں کی جائے گی لیکن دارالاسلام میں بہر حال میں قائم کی جائے گی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرَّجُلِ یَقَعُ عَلٰی جَارِیَةِ امْرَأَتِہٖ

باب ۲۰: بیوی کی باندی سے صحبت کرنے کا حکم

(۱۳۷۱) رُفِعَ اِلَی النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَجُلٌ وَقَعَ عَلٰی جَارِیَةِ امْرَأَتِہٖ فَقَالَ لَاَقْضِیَنَّ فِیْهَا بِقَضَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَئِنْ کَانَتْ اَحَلَّتْهَا لَهٗ لَاَجْلِدَنَّهٗ مِائَةً وَاِنْ لَمْ تَکُنْ اَحَلَّتْهَا لَهٗ رَجَمْتُهٗ.

ترجمہ: حبیب بن سالم بیان کرتے ہیں: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی کنیز کے ساتھ زنا کر لیا ہے تو انہوں نے فرمایا: میں اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کروں گا اگر یہ عورت اس کنیز کو اس مرد کے لئے حلال قرار دے دیتی ہے تو میں اس مرد کو سو کوڑے لگاؤں ا، اور اگر وہ اس کے لئے حلال قرار نہیں دیتی تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔

مذاہب فقہاء: ① اس حدیث کو صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی باندی سے بیوی کی اجازت سے صحبت کرے تو اس کو سو درے مارے جائیں گے اور اگر بلا اجازت صحبت کرے تو سنگسار کیا جائے گا اور شافعیہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالکیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نہیں لیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ زنا ہے پس شوہر کو سنگسار کیا جائے گا خواہ بیوی نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو اور انہوں نے حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا ہے دونوں بزرگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ شوہر کو سنگسار کیا جائے۔

اور حنفیہ نے بھی اس حدیث کو نہیں لیا ابواب الحدود کے شروع میں (باب ۲ میں) بتایا گیا ہے کہ تین شبہوں کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے ان میں سے ایک شبہ فی المحل ہے اور یہ اس کی مثال ہے۔ یہاں بیوی میں ایک دوسرے کی چیز استعمال کرنے میں بے تکلفی ہوتی ہے پس بیوی کی باندی سے صحبت کرنے میں شبہ ہے اس لیے حد ساقط ہو جائے گی البتہ قاضی مناسب سزا دے گا۔

اور حنفیہ کا استدلال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ہے انہوں نے فرمایا جس نے بیوی کی باندی سے صحبت کی اس پر حد جاری نہیں کی جائے۔

باب کی حدیث کی سند میں اضطراب ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو سندیں بیان کی ہیں ایک قتادہ یہ حدیث حبیب بن سالم سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت نعمان سے دوسری ابوبشر حبیب سے اور وہ حضرت نعمان سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نہ قتادہ نے یہ حدیث حبیب سے سنی ہے نہ ابوبشر نے دونوں نے خالد بن عرفطہ سے یہ حدیث سنی ہے (دونوں حدیثیں ابوداؤد میں ہیں نمبر ۴۴۵۸۔۴۴۵۹) اس لیے یہ حدیث صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لی ہے دوسرے فقہاء نے یہ روایت نہیں لی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِى الْمَرْاَةِ اِذَا اسْتُكْرِهَتْ عَلَى الزِّنَا

باب ۲۱: جب کسی عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے

(۱۳۷۲) اسْتُكْرِهَتِ امْرَاَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَدَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْهَا الْحَدَّ وَاَقَامَهُ عَلَى الَّذِىْ اَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا.

ترجمہ: عبدالجبار بن وائل اپنے والد (حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے حد کو ساقط کر دیا اور جس شخص نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اس پر حد کو جاری کیا۔

(۱۳۷۳) اَنَّ امْرَاَةً خَرَجَتْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِىِّ ﷺ تُرِيْدُ الصَّلٰوةَ فَتَلَقَّاهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهُ مِنْهَا فَصَاحَتْ فَانْطَلَقَ وَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَتْ اِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِىْ كَذَا وَ كَذَا وَمَرَّتْ بِعِصَابَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنَّ ذَاكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِىْ كَذَا وَ كَذَا فَانْطَلَقُوْا فَاَخَذُوا الرَّجُلَ الَّذِىْ ظَنَّتْ اَنَّهُ وَقَعَ عَلَيْهَا وَاَتَوْهَا فَقَالَتْ نَعَمْ هُوَ هٰذَا فَاَتَوْا بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا اَمَرَ بِهِ لِيُرْجَمَ قَامَ صَاحِبُهَا الَّذِىْ وَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنَا صَاحِبُهَا الَّذِىْ وَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ لَهَا اذْهَبِىْ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ وَقَالَ لِلرَّجُلِ قَوْلًا حَسَنًا وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِىْ وَقَعَ عَلَيْهَا ارْجُمُوْهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ.

ترجمہ: علقمہ بن وائل کندی اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نماز پڑھنے کے لئے نکلی ایک شخص اس کے سامنے آیا اس نے عورت کو پکڑ لیا اور اس کے ذریعے اپنی حاجت کو پورا کیا (یعنی زنا کا ارتکاب کیا) اس عورت نے چیخ ماری تو وہ شخص چلا گیا پھر ایک اور شخص اس کے پاس سے گزرا تو اس عورت نے کہا: اس آدمی نے میرے ساتھ یہ حرکت کی ہے، پھر وہ عورت کچھ مہاجرین کے پاس سے گزری تو اس عورت نے یہ بتایا کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی ہے، وہ لوگ چلے گئے انہوں نے جا کر اس شخص کو پکڑا جس کے بارے میں اس نے یہ بیان کیا تھا۔ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، پھر وہ اس عورت کے پاس آئے تو اس نے بتایا۔ ہاں یہی وہ شخص ہے، پھر وہ لوگ اس شخص کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص کھڑا ہوا جس نے درحقیقت اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ شخص ہوں جس نے اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

دوسرے شخص کے بارے میں حکم دیا جس نے واقعی اس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا۔تم لوگ اسے سنگسار کردو۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے اگرتمام اہل مدینہ اسے کر لیتے تو ان سب کی طرف سے قبول ہوجاتی۔

تشریح: اس حدیث میں دو مسئلے قابل ذکر ہیں:

① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام نخعی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا مذہب ایک یہ کہ اگر کسی عورت کے ساتھ زبردستی وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے دوسرا یہ کہ حد قائم کرنے کی صورت میں عورت کو مہر دینا نہیں ہے کیونکہ مہر اور حد دونوں جمع نہیں ہوسکتے ہیں ہاں اگر حد ساقط ہوجائے تب مہر لازم ہوگا یہ مذہب ہے۔

② امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مہر لازمی ہے ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے عارضہ میں نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر گواہ نہ ہوں تو یمین کے بغیر مہر لازم نہ ہوگا۔

سوال: یہاں ایک سوال ہے کہ مجرم نے چار مرتبہ الگ الگ مجلسوں میں اقرار نہیں کیا بلکہ وہ انکار کرتا ہوگا پس زنا کا ثبوت نہیں ہوا پھر اس کو سنگسار کیوں کیا گیا؟

جواب: اگر اقرار یا انکار کے ساتھ قرینہ حالیہ مل جائے تو پھر نہ چار مرتبہ اقرار کی ضرورت ہے نہ انکار معتبر ہے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گذرا ہے کہ اگر حمل ہو (اور زبردستی زنا کا ثبوت نہ ہو نہ نکاح کا کوئی ثبوت ہو) حمل ہی ثبوت زنا کے لیے کافی ہے یہاں بھی قرینہ حالیہ موجود ہے وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے اس لیے اقرار ضروری نہیں اور مجرم تو انکار کیا ہی کرتا ہے اگر اس کے انکار کا اعتبار کیا جائے گا تو پھر گواہوں سے بھی زنا کا ثبوت نہیں ہوسکے گا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِيمَنْ يَقَعُ عَلَى الْبَهِيمَةِ

باب ۲۲: جانور سے بدفعلی کرنے کا حکم

(۱۳۷۴) مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ وَقَعَ عَلٰى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوْهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيمَةَ فَقِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا شَأْنُ الْبَهِيمَةِ قَالَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا وَلٰكِنْ اَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهَ اَنْ يُّؤْكَلَ مِنْ لَّحْمِهَا اَوْ يُنْتَفَعُ بِهَا وَقَدْ عُمِلَ بِهَا ذٰلِكَ الْعَمَلُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا ہے۔ جب تم کسی ایسے شخص کو پاؤ جس نے کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کی ہو تو اسے بھی قتل کردو اور جانور کو بھی ماردو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا اس جانور کا کیا قصور ہے تو انہوں نے فرمایا میں نے تو نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں کوئی بات ارشادفرماتے ہوئے نہیں سنا لیکن میرا خیال ہے۔ آپ نے اس وجہ سے اسے ناپسند کیا ہے کہ اس جانور کا گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع حاصل کیا جائے جبکہ اس کے ساتھ یہ بدفعلی کی گئی ہے۔

(۱۳۷۵) اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَتٰى بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو عاصم کے حوالے سے، ابورزین کے حوالے سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے

سے نقل کیا ہے: وہ یہ فرماتے ہیں جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

حدود کا بیان پورا ہوا اب جو ابواب ہیں ان میں چند اور جرائم کی سزاؤں کا بیان ہے یہ سزائیں از قبیل تعزیرات ہیں حدود نہیں ہیں سب سے پہلے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو اسکو بھی اور جانور کو بھی قتل کر دیا جائے نبی ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو جانور کے ساتھ بدفعل کرتے ہوئے پاؤ تو اس کو بھی قتل کرو اور جانور کو بھی قتل کرو۔

① امام اسحاق رحمہ اللہ کا مذہب اسی حدیث کے مطابق ہے اور ایک روایت میں امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بھی اسی طرح ہے کہ اس شخص کو قتل کیا جائے۔

② جبکہ جمہور کے نزدیک اس آدمی کو تعزیر دی جائے گی ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں ای فاضربوہ ضربا شدیدا گویا یہ حکم تہدید کے لیے ہے امام ترمذی رحمہ اللہ دوسری سند میں فرماتے ہیں کہ من اتی بھیمۃ فلاحد علیہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ وزنی قرینہ ہے کہ فاقتلوہ کا حکم زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے یا کنایہ ہے ضرب شدید سے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِي حَدِّ اللُّوْطِيِّ

باب ۲۳: قوم لوط کا عمل کرنے والے کی سزا

(۱۳۷۶) مَنْ وَّجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو تم قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کروادو۔

(۱۳۷۷) اَنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے وہ قوم لوط کا سا عمل کریں گے۔

لواطت: فطرت کے خلاف عمل ہے اس لیے زنا سے بھاری گناہ ہے اور حدیث میں ہے کہ جب تم کسی کو لوط علیہ السلام کی قوم کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل ومفعول کو قتل کردو اور دوسری حدیث میں ہے کہ اپنی امت پر جس چیز میں مبتلا ہونے سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ لوط علیہ السلام کی قوم کا عمل ہے۔

لوطی کی کیا حد ہے؟ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی حد نہیں ہے بلکہ تعزیر ہے اور امام جتنی سخت سے سخت سزاء دینا چاہے حتی کہ اگر قتل کرنا چاہے تو قتل بھی کرسکتا ہے خصوصا جب عادی مجرم ہو۔

دوسرا قول: صاحبین رحمہما اللہ کا ہے کہ حدہ حد الزانی دیکھا جائے گا کہ محصن ہے یا نہیں۔ اگر محصن ہے تو رجم کیا جائے گا اور اگر غیر محصن ہے تو جلد مائۃ ہے۔

تیسرا قول: آئمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا ہے مطلقا رجم ہے خواہ محصن ہو یا غیر محصن ہو اور یہ ایسا رجم ہے کہ جس میں احصان شرط نہیں ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل: اس کی سزاء میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہوا ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس کو پہاڑ سے گرادیا جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس پر دیوار گرادی جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس کو گندی جگہ میں محبوس کیا جائے حتی کہ وہیں مرجائے بھوکا پیاسہ ہوکر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف یہ وزنی قرینہ ہے کہ اس کی شرعا کوئی حد متعین نہیں ہے ویسے بھی جیسے بھیمۃ کے بارے میں آیا کہ من وقع علی بهيمة فاقتلوه اب یہاں سب متفق ہیں کہ فاقتلوه کا حکم زجرا علی وجه المبالغه پر محمول ہے حقیقت پر محمول نہیں ہے کیونکہ یہ زناء کے حکم میں نہیں ہے اس لیے کہ زناء کہتے ہیں قضاء الشهوة فی محله کو اور یہاں پر قضاء الشهوة فی غير محله ہے بالکل ایسے ہی لواطت کے اندر بھی قضاء الشہوۃ فی غیر محلہ ہے لہٰذا یہاں پر بھی تعزیر ہوگی باقی حدیث میں جو ہے اقتلو الفاعل والمفعول یہ زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے یا سیاسۃً ہے یا یہ کنایۃ ہے ضرب شدید سے۔

پھر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک اغلام بحکم زنا ہے اس کے ثبوت کے لیے بھی زنا کی طرح چار عادل مرد گواہ ضروری ہیں جنہوں نے سرمہ دانی میں سلائی کے داخل ہونے کی طرح یہ فعل دیکھا ہو اور حنفیہ کے نزدیک یہ بحکم زنا نہیں ہے کیونکہ اس سے نہ تو نسب گڈمڈ ہوتا ہے اور نہ اس میں ہتک عزت ہے اس لیے عام معاملات کی طرح یہ معاملہ بھی دو عادل گواہوں سے ثابت ہوسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُرْتَدِّ

باب ۲۴: مرتد کی سزا

(۱۳۷۸) اَنَّ عَلِيًّا حَرَّقَ قَوْمًا ارْتَدُّوا عَنِ الْاِسْلَامِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ وَلَمْ اَكُنْ لِاُحَرِّقَهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِيًّا فَقَالَ صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

ترجمہ: عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتد ہوجانے والے کچھ لوگوں کو جلوا دیا جب اس کی اطلاع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ملی تو انہوں نے فرمایا۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں ان لوگوں کو قتل کرواتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرے اسے تم قتل کردو میں انہیں جلواتا نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح کا کسی کو عذاب نہ دو۔

تشریح: دین کی حفاظت کے لیے حد ارتداد ہے مرتد کے بارے میں جمہور فقہاء متفق ہیں کہ اگر وہ مرد ہو تو اس کی سزاء قتل ہے باقی بعد الاستتابت ہے یا قبل الاستتابت ہے تو استحبابی طریقہ یہ ہے کہ اس کو شکوک وشبہات زائل کرنے کا موقع دیا جائے لیکن وجوبی طور پر نہیں اگر مرتدۃ عورت ہو تو احناف کہتے ہیں کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ جیل خانہ میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے یا وہیں مرجائے اور جمہور کہتے ہیں کہ اس کو قتل کردیا جائے یہ اختلاف عورت کے بارے میں ہے مرد کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من بدل دينه فاقتلوه اسی طرح دوسری حدیث میں فرمایا: لا يحل دم امرء مسلم الا من ثلث ① النفس بالنفس ② الثيب الزانی ③ التارك لدينه۔

جمہور کی دلیل: عورت کے بارے میں التارك لدینه۔ نمبر ۲۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہمامن بدل دینه فاقتلوه۔
اسی پر قصہ ذکر کیا کہ کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے لوگوں کو قتل کرنے کے بعد جلا دیا تھا الملل والنحل للاسفرایینی میں ہے یہ عبداللہ بن سبا یہودی کے ساتھی کچھ روافض تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ مانتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے توبہ کرنے کو کہا لیکن وہ نہ مانے۔

آگ سے جلانے کا حکم اختلافی ہے:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً ممنوع ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب میں ہے ان کے نزدیک نہی عن التحریق تحریمی ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اس طرف ہے کہ بعض صورتوں میں یہ جائز ہے گویا نہی تنزیہ کے لیے ہے چنانچہ درمختار میں لوطی کو جلانا جائز کہا ہے اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ موذی حیوانات کا جلانا جائز مانتے ہیں فبلغ ذالك ابن عباس رضی اللہ عنہما جلانے کی یہ خبر ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے تو فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا گویا انہوں نے نہی تحریم پر محمول کیا من بدل دینه دین سے مراد اسلام اور دین حق ہے لہٰذا اگر کوئی کافر مسلمان ہوجاتا ہے تو بالاتفاق اس کو تحفظ دیا جائے گا۔

فقال صدق ابن عباس رضی اللہ عنہما ابوداؤد کی روایت میں ہے ویح ام ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ ویح کا لفظ مدح اور تعجب دونوں کے لیے آتا ہے لہٰذا کسی نے ویح کو تصویب ومدح پر حمل کیا تو اس پر صدق کا اطلاق کیا جبکہ بعض نے کہا کہ یہ ترحم کا کلمہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے رحم کی دعا مانگی کیونکہ انہوں نے مرفوع حدیث میں نہی کو تحریم پر حمل کر کے احراق کو ناجائز کہا حالانکہ یہ تنزیہ کے لیے ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْمَنْ شَهَرَ السِّلَاحَ

باب ۲۵: جو شخص (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے

(۱۳۷۹) مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ حَدِّ السَّاحِرِ

باب ۲۶: جادو کرنے والے کی سزا

(۱۳۸۰) حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ.

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جادو کرنے والے کی سزا یہ ہے اسے تلوار کے ذریعے قتل کر دیا جائے۔

ساحر کی کیا حد ہے؟ ① احناف اور شوافع رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں تفصیل ہے کہ اگر ساحر کا سحر کسی کفریہ عمل پر مشتمل ہو تو اس کی حد قتل ہے ارتداد

اور اگر اس کے سحر کی وجہ سے کسی نفس کا اتلاف ہو تو اس کی حد قتل ہے قصاصا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو اس کی سزاء تعزیر ہے۔

② امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں قتل کیا جائے گا دلیل حدیث الباب جندب رضی اللہ عنہ ہے حد الساحر ضربة بالسیف۔

جواب①: یہ محمول ہے اس صورت پر کہ جب اس کا سحر کفریہ عمل پر مشتمل ہو یا اتلاف النفس کو مشتمل ہو۔

جواب②: یا پھر یہ سیاسۃً ہے عبرۃً ہے۔

جواب③: یہ حدیث سنداً ضعیف ہے اس حدیث سے حد ثابت نہیں ہوسکتی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْغَالِّ مَا يُصْنَعُ بِهٖ؟

باب ۲۷: مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

(۱۳۸۱) مَنْ وَّجَدْتُمُوْهُ غَلَّ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاحْرِقُوا مَتَاعَهٗ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو تم ایسی حالت میں پاؤ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چوری کی ہو تو تم اس کے سامان کو جلا دو۔

تشریح: مال غنیمت میں تقسیم سے پہلے پہلے اگر کوئی شخص چیز لے لے تو اس کی کیا حد ہے۔

① جمہور کے نزدیک اس کی حد مفوض الی رائے الامام ہے۔

② امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی سزاء تحریق المتاع ہے کہ اس کے ساز و سامان کو جلا دیا جائے اگر کوئی جانور ہو یا قرآن پاک کا نسخہ ہو یا دینی کتابیں ہوں تو ان کو فروخت کیا جائے اور پھر ان کے ثمنوں کو صدقہ کر دیا جائے۔

جمہور کی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غزوات بھی متعدد ہیں اور سرایا بھی متعدد ہیں اور ان میں منافق بھی شامل ہوجاتے تھے اور مال غنیمت کے اندر خیانت کے مرتکب ہوتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامان کو جلانے کا حکم نہیں دیا۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب حدیث عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ من وجدتموہ غل فی سبیل اللہ فاحرقوا متاعہ آگے صالح کہتے ہیں کہ میں مسلمہ بن عبدالملک کے پاس گیا اور ان کی مجلس میں سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے مسلمہ بن عبدالملک نے ایک شخص کو پایا کہ جس نے مال غنیمت میں چوری کی اب مسئلہ چلا کہ اس غال کے ساتھ کیا کیا جائے اور کیا سزاء دی جائے تو سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حدیث عمر رضی اللہ عنہ سنائی کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: من وجدتموہ غل فی سبیل اللہ فاحرقوا متاعہ تو مسلمہ بن عبدالملک نے اس کے سامان کو جلانے کا حکم دیا تو اس غال کے ساز و سامان کو جلا دیا گیا پس اس غال کے سامان میں قرآن پاک کا ایک نسخہ بھی پایا گیا اب مسلمہ بن عبدالملک پریشان ہوگیا کہ اس کا کیا کریں تو پھر سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کو بیچ دو اور اس کے ثمنوں کو صدقہ کر دو تو معلوم ہوا کہ غال کی سزاء شریعت میں تحریق المتاع ہے لیکن یہ خیانت شدہ مال کے علاوہ ہے اس لیے کہ وہ مال تو مجاہدین کا ہے۔

جواب①: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محمد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی سند

میں صالح بن محمد بن عبداللہ بن زائدہ ہیں اور ابوواقد لیثی کے ساتھ انہی کی کیفیت مشہور ہے اور یہ منکر الحدیث ہیں پس منکر الحدیث سے استدلال بھی منکر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غال کے بارہ میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن آپ ﷺ نے کہیں بھی متاع کے جلانے کا حکم نہیں فرمایا۔

جواب②: سیاسۃً ہے تعزیراً ہے اور مصلحتاً ہے حد شرعی ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے وجہ وہی ہے کہ کسی حدیث میں بھی تحریق المتاع کا حکم نہیں ہے۔

جواب③: ابوداؤد شریف میں ہے کہ اصل میں یہ سالم بن عبداللہ کا فتویٰ ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان نہیں ہے۔اور سامان جلانا علاج بالضد ہے اس نے مال کی حرص میں خیانت کی اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَقُوْلُ لِلْآخِرِ يَا مُخَنَّثُ

باب ۲۸: او ہجڑے کہنے کی سزا

(۱۳۸۲) إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ يَا يَهُوْدِيُّ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِيْنَ وَإِذَا قَالَ يَا مُخَنَّثُ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِيْنَ وَمَنْ وَّقَعَ عَلٰى ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے کہے اے یہودی! تم اسے بیس کوڑے لگواؤ اور جب وہ یہ کہے: اے ہیجڑے! تم اسے بتیس کوڑے لگواؤ اور جو شخص کسی محرم عورت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے تم اسے قتل کر دو۔ایک شخص دوسرے کو یہودی کہے تو اس کو بیس کوڑے لگاؤ یا مخنث کہے کہ عورتوں کے مشابہ ہے چال ڈھال میں تو اس کو بھی بیس کوڑے لگاؤ اور یہ تعزیری سزاء ہے۔

اور جو آدمی محارم کے ساتھ زناء کا مرتکب ہو جائے:

مذاہب فقہاء: ① عندالاحناف اس کی سزاء حد زناء ہے اگر محصن ہے رجم اگر غیر محصن ہے تو جلد مائۃ ہے اور فاقتلوہ والاحکم سیاسۃً اور تعزیراً ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت یہ مسئلہ ذکر کیا کہ اگر کوئی آدمی محارم کے ساتھ نکاح کرے تو اس کا کیا حکم ہے عندالاحناف اس کی سزاء تعزیر ہے۔

② باقی ائمہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس کی سزاء حد ہے احناف یہ کہتے ہیں کہ نکاح والا شبہ پایا جاتا ہے اس لیے حد نہیں ہوگی البتہ تعزیر ہوگی اور یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے یہاں دوبارہ اس کو ذکر (محض تکرار ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعْزِيْرِ

باب ۲۹: تعزیر (گوشمالی) کا بیان

(۱۳۸۳) لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ.

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دس سے زیادہ کوڑوں کی سزا صرف کسی حد میں دی جاسکتی ہے۔

تعزیر اور حد میں فرق ہے (کئی وجوہ سے)؟ ① حد میں سزاء کی مقدار شارع کی جانب سے متعین ہے اور تعزیر میں سزاء مفوض الی رائے الامام ہوتی ہے۔

② حد میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی بخلاف تعزیر کے کہ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے لوگوں کے احوال مختلف ہونے کی وجہ سے کسی کے لیے اتنی بات کافی ہوجاتی ہے کہ اس کی طرف ذرا گھور کر دیکھ لو اور کسی کے لیے اتنی بات ہے کہ اس کو ڈنڈے لگائے جائیں گے۔

③ حد کو معاف نہیں کیا جاسکتا اور تعزیر کو معاف کیا جاسکتا ہے۔

④ حد میں جرائم متعین ہیں لیکن تعزیر کے اندر جرائم متعین نہیں ہیں بعض اوقات جرم نہیں ہوتا لیکن تعزیر لگا دی جاتی ہے۔

واقعہ: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں گشت فرما رہے تھے تو ایک عورت یہ شعر پڑھ رہی تھی **هل من سبیل الی خمر اشربها** اور **هل من سبیل الی نصر بن الحجاج** تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ نصر بن حجاج کون ہیں تو بتایا گیا کہ وہ بہت خوبصورت نوجوان ہیں اور اس کے بال بھی خوبصورت ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اس کا بالوں کی وجہ سے حسن ہے اور یہ فتنہ کا باعث بن رہے ہیں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بال کاٹنے کا حکم دیا تو بال کاٹنے کی وجہ سے اس کے حسن میں اور اضافہ ہوگیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو عمامہ باندھنے کا حکم فرمایا خدا کی قدرت کہ عمامہ باندھا تو اس کی وجہ سے حسن میں اور اضافہ ہوگیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا کہ یہاں سے بصرہ چلے جاؤ میں اور تم دونوں ایک شہر میں نہیں رہ سکتے اس پر اس نے کہا کہ میرا قصور کیا ہے کہ تم مجھے یہاں سے جلاوطن کررہے ہو فرمایا کہ قصور تو میرا ہے کہ میں نے ابھی تک تمہیں نکالا نہیں آخر وہ بصرہ چلے گئے اور وہاں پر حاکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے وہاں پر بھی مسعود بن مشاجع کی بیوی ان پر عاشق ہوگئی تو حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کو فاس نامی جگہ میں بھیج دیا وہاں کے حاکم عثمان بن عاص تھے وہاں پر بھی ایسا واقعہ پیش آگیا تو حضرت عثمان بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا کہ تم فلاں جگہ چلے جاؤ اس پر اس نے کہا کہ ایسا نہ کہ میں کہیں نصاری کے ساتھ مل جاؤں جہاں بھی جاتا ہوں مجھے نکال دیتے ہو اس پر حضرت عثمان بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بال منڈوا دو اور اس کو بالکل سیدھا سادھا لباس پہنا دو اور اس کو سجدہ میں رہنے کا پابند کیا جائے الغرض یہ تعزیر بھی مشروع ہے اور اس میں جرم کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے حضرت عمرو بن عتبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد سے ادب کی خاطر لاٹھی نہ اٹھاؤ قرآن مجید میں ہے ﴿فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ﴾ (النساء: ۳۴) اب بستروں کا علیحدہ کرنے اور ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ یہ تعزیر ہی تو ہے ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہاری اولاد سات سال کی ہوجائے تو ان کو نماز کا حکم کرو اور جب دس سال کی عمر ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو یہ کیا ہے تعزیر ہی تو ہے حد نہیں ہے پس جس طرح قرآن وحدیث سے حد کی مشروعیت ثابت ہے ایسے ہی تعزیر کی مشروعیت بھی ثابت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ حد کی مقدار متعین ہے اور تعزیر کی مقدار مفوض الی رائے الامام ہے الخ اس میں اختلاف ہے کہ تعزیر میں زائد سے زائد مقدار متعین ہے یا نہیں۔ چار اقوال ہیں:

مذاہب فقہاء: ① احناف اور شوافع کا قول یہ ہے کہ مادون الحد ہونی چاہیے اور عبد کے حق میں حد قذف کے چالیس کوڑے

ہیں تو اب اس کو تعزیراً انتالیس تک کوڑے لگائے جائیں اس سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔

② اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حر کی جو حد ہے (۸۰) کوڑے اس تک مقدار نہ پہنچے مثلاً ۷۵ تک لگائے جاسکتے ہیں۔

③ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جرائم کے اعتبار سے تعزیر بھی مختلف ہوسکتی ہے اگر امام سو کوڑوں سے زیادہ لگانا چاہیے اور مصلحتاً بھی اسی میں سمجھے تو تو زیادہ بھی لگا سکتا ہے۔

④ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دس کوڑے لگا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں لگا سکتا۔

جمہور کی دلیل: عمل صحابہ رضی اللہ عنہم ہے کہ دس کوڑوں سے زائد بھی لگائے ہیں جیسا کہ ابھی گزرا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو یہودی یا مخنث کہے تو بیس کوڑے لگائے جائیں۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ یہ حدیث پہلی حدیث کے بھی خلاف ہے اور جمہور کے قول کے بھی خلاف ہے۔

جواب ①: یہ حکم منسوخ ہے دلیل نسخ عمل صحابہ ہے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے لگانا بھی ثابت ہے۔

جواب ②: یہ حکم مخصوص ہے فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ اس لیے کہ اس وقت دس کوڑے بھی کافی ہوتے تھے لیکن اس جواب کو زیادہ پسند نہیں کیا گیا۔

جواب ③: لا یجلد فوق عشر جلدات.... الخ یہ مطلق نہیں بلکہ گھریلو جرائم کے اعتبار سے ہے کہ اگر کسی کو تادیبی سزاء دے تو دس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے اس سے وہ جرائم مراد نہیں ہیں جن سے معاشرہ میں فساد پھیل جائے۔

جواب ④: صرف یہ اشراف کے اعتبار سے ہے کہ جو تھوڑی سی سزاء سے بھی منزجر ہو جائیں مجرموں کو تو روکنے کے لیے زیادہ بھی لگائے جاسکتے ہیں۔

جواب ⑤: فی حد من حدود اللہ کے دو معنی ہیں: (۱) حد اصطلاحی (۲) ایسے جرائم جو اہم ہوں کہ جن کی وجہ سے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا ہو تو پھر اس میں زیادہ بھی لگا سکتا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

سند پر بحث: اس کی سند میں بکیر بن عبداللہ کے تلامذہ کے درمیان اختلاف ہو رہا ہے لیث بن سعد بکیر سے نقل کرتے ہوئے جابر بن عبداللہ کے بعد ابو بردۃ رضی اللہ عنہ بن نیار کا واسطہ ذکر کر رہے ہیں اور ابن لھیعہ وہ بکیر سے روایت کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں: عن جابر بن عبداللہ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں ابو بردۃ بن نیار کا واسطہ ذکر نہیں کر رہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درمیان میں ابو بردہ بن نیار کا واسطہ ہے۔

اَبْوَابُ الصَّيْدِ

شکار کرنے کا بیان

بَابُ مَاجَآءَ مَا يُؤْكَلُ مِنْ صَيْدِ الْكَلْبِ وَمَا لَا يُؤْكَلُ؟

باب ۱: کون سا شکار حلال ہے اور کونسا حرام؟

(۱۳۸۴) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّا أَهْلُ صَيْدٍ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَأَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ قُلْتُ وَإِنْ قَتَلَ قَالَ وَإِنْ قَتَلَ قُلْتُ أَنَا أَهْلُ رَمْيٍ قَالَ مَا رَدَّتْ عَلَيْكَ قَوْسُكَ فَكُلْ قَالَ قُلْتُ أَنَا أَهْلُ سَفَرٍ نَمُرُّ بِالْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوسِ فَلَا نَجِدُ غَيْرَ اٰنِيَتِهِمْ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ كُلُوا فِيهَا وَاشْرَبُوا.

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم شکاری لوگ ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم اپنے کتے کو بھیجتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور وہ تمہارے لئے شکار کرلے تو تم اسے کھالو۔ میں نے عرض کیا اگر چہ وہ اس جانور کو مار دے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر چہ وہ اسے ماردے۔ میں نے عرض کی۔ ہم تیر انداز لوگ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو تمہارے تیر لگنے سے مرے اسے کھالو۔ میں نے عرض کی۔ ہم سفر میں ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہودیوں، عیسائیوں یا مجوسیوں کے پاس سے گزرتے ہیں، تو وہاں ہمیں صرف انہی کے برتن ملتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا تو تم اسے پانی کے ذریعے دھوکر پھر ان میں کھا بھی لو اور پی بھی لو۔

(۱۳۸۵) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّا نُرْسِلُ كِلَابًا لَّنَا مُعَلَّمَةً قَالَ كُلْ مَا أَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَإِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَإِنْ قَتَلْنَ مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ غَيْرُهَا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّا نَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ قَالَ مَا خَزَقَ فَكُلْ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَأْكُلْ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم لوگ اپنے تربیت یافتہ کتے کو (شکار کے لئے) بھیجتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر چہ وہ اسے مار ڈالے۔ بشرطیکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا کتا اس شکار میں شریک

نہ ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہم لاٹھی کے ذریعے بھی (جانور کو شکار کر لیتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اس لاٹھی کی لوہے کی نوک) جسے چیر دے اسے کھالو اور جو اس لاٹھی کے چوڑائی کی سمت میں لگنے کی وجہ سے مرے اسے نہ کھاؤ۔

شکار تیر کے ذریعے کتے کے ذریعے اور باز کے ذریعے جائز ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ جب چند شرائط پائی جائیں:

① جس کتے کے ذریعے یا باز کے ذریعے شکار کیا جائے وہ معلم ہو۔ کتے کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ شکار کو پکڑے نے بعد خود نہ کھائے دوسری مرتبہ بھی پکڑنے کے بعد خود نہ کھائے اور تیسری مرتبہ پکڑنے کے بعد خود شکار میں سے خود نہ کھائے تو اب یہ کلب معلم سمجھا جائے گا اور باز کے معلم ہونے کے لیے اجابت کافی ہے کہ چھوڑنے پر چلا جائے اور بلانے پر واپس آجائے۔

② عندالارسال تسمیہ پڑھی جائے یعنی حقیقۃً ہو یا حکماً ہو بعنوان آخر قصداً ترک نہ ہو اگر حقیقۃً ذکر ہے تو فبہا اور اگر نسیان ہو گیا تو حکما تسمیہ موجود ہے۔

③ چھوڑتے ہی شکار کی طرف چلا جائے درمیان میں وقفہ نہ ہو۔

④ شکار کو زخمی کرے۔

⑤ دوسرے کلب غیر معلم کی شرکت نہ ہو نیز ایسے کلب معلم کی بھی شرکت نہ ہو کہ جس پر تسمیہ نہ پڑھی گئی ہو (ورنہ شکار حلال نہیں ہوگا)۔

⑥ شکار مرا ہوا پایا گیا ہو اس کے زخم کی وجہ سے اور اگر اس کو زندہ پالیا تو پھر ذبح کرنا ضروری ہوگا صرف اس کا زخمی کرنا کافی نہیں ہے اگر ذبح کرنے سے پہلے مر گیا تو حرام ہوگا (ذبح اختیاری پر قدرت کے باوجود ذبح نہ کرنے کی وجہ سے)۔

⑦ وہ صید حرم کا نہ ہو اگر شکار حرم کا ہے تو کتنے ہی کلب معلم بھیجے پھر بھی حلال نہیں ہوگا الغرض کتا جوارزل الحیوان ہے برتن میں منہ ڈال دے تو ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک سات مرتبہ دھونا ضروری ہے ایک مرتبہ مٹی سے مانجنا ضروری ہے لیکن جب اس میں انسانی صفات پیدا ہوتی ہیں تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہو جاتا ہے اور وہ انسان جس میں حیوانی صفات پیدا ہو جائیں تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے مثلاً کفر و شرک اور مجوسیت والی وصف پائی جائے تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے۔

شکار کے احکام سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ہیں اور وہ احکام دو بنیادوں پر مبنی ہیں:

پہلی بنیاد: شکار میں بھی ذبح اس کی تمام شرائط کے ساتھ ضروری ہے مگر دو باتوں میں تخفیف کی گئی ہے ایک تسمیہ جانور کے بجائے آلہ پر مقرر کیا گیا ہے کیونکہ شکار میں جانور قابو میں نہیں ہوتا آلہ ہی اختیار میں ہوتا ہے۔ **دوم:** ذبح کے لیے گلہ اور لبہ میں ذبح کرنا شرط نہیں شکار کا سارا ہی جسم محل ذبح ہے اور ان دو شرطوں میں تخفیف اس لیے کی گئی ہے کہ شکار کا کچھ حاصل نکلے ورنہ شکار کا عمل لاحاصل ہو جائے گا جانور قابو میں نہ ہونے کی وجہ سے ذبح سے پہلے ہی مر جائے گا۔

دوسری بنیاد: شکار کی حلت کے لیے دو شرطیں بڑھائی گئی ہیں: ایک شکاری جانور کو بالقصد شکار پر چھوڑنا تا کہ اصطیاد (مشکل سے شکار) تحقق ہو۔ **دوم:** شکاری جانور کو روکے رکھے خود نہ کھائے تا کہ اس کا معلم (سکھلایا ہوا) ہونا تحقق ہو۔

ذبح کی دو قسمیں ہیں: ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبہ ہے اور اس میں تسمیہ ذبیحہ پر ضروری ہے پس اگر ذبح کرنے کے لیے بکری لٹائی اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر وہ بکری چھوڑ کر

دوسری بکری ذبح کی اور از سر نو بسم اللہ نہ پڑھی تو یہ دوسری بکری حرام ہے اور اگر بکری تو وہی رہی لیکن چھری بدل دی دوسری چھری سے ذبح کیا تو وہ حلال ہے۔

اور اگر جانور بے قابو ہو جیسے شکار تو ذبح اضطراری کافی ہے اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے حدیث میں ہے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ذبح حلق اور لبہ ہی میں ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو طعنت فی فخذھا لأجزاء عنك اگر تم جانور کی ران میں نیزہ مارو تو بھی وہ تمہارے لیے کافی ہے (مشکوۃ حدیث ۴۰۸۲ یہ حدیث کتاب میں بھی آ رہی ہے) اور شکار میں چونکہ جانور اختیار میں نہیں ہوتا اس لیے تسمیہ ذبیحہ پر ضروری نہیں بلکہ آلہ پر ضروری ہے پس اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی شکار پر تیر چلایا اور وہ تیر کسی دوسرے شکار کو لگ گیا تو وہ شکار حلال ہے اور اگر شکار پر چلانے کے لیے ایک تیر نکالا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر وہ تیر چھوڑ کر دوسرا تیر چلایا اور از سر نو بسم اللہ نہ پڑھی تو شکار حلال نہیں۔ ان دو شرطوں کے علاوہ ذبح کی باقی شرطیں بحالہ ہیں مثلاً ذابح کا صاحب ملت (مسلمان یا کتابی) ہونا یہ بات جانور وغیرہ سے شکار کرنے میں بھی ضروری ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صَیْدِ کَلْبِ الْمَجُوْسِیِّ

باب ۲: مجوسی کے کتے کا شکار

(۱۳۸۶) نُهِيْنَا عَنْ صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوسِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمیں مجوسی کے کتے کے کیے ہوئے شکار (کو کھانے) سے منع کیا گیا ہے۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جس طرح ذابح کا صاحب ملت (مسلمان یا کتابی) ہونا ضروری ہے اس طرح جانور وغیرہ سے شکار کرنے کی صورت میں بھی یہ بات ضروری ہے پس آتش پرست اور ہندو وغیرہ کے کتے کا شکار حرام ہے کیونکہ وہ صاحب ملت توحید نہیں۔

بَابُ فِیْ صَیْدِ الْبُزَاةِ

باب ۳: باز کے شکار کا حکم

(۱۳۸۷) سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ صَيْدِ الْبَازِيْ فقال مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جسے وہ تمہارے لئے شکار کر لے اسے کھا لو۔

بزاۃ بازی کی جمع ہے خاص قسم کا پرندہ ہے عموماً طور پر شکار کیا جاتا ہے ان میں سے انتہائی قیمتی پرندہ ہے اس کے ذریعے شکار جائز ہے بشرطیکہ معلم ہو۔

مذاہب فقہاء: باز کی تعلیم ① عند الاحناف اجابت ہے نہ کھانا اس کی تعلیم کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔

② شوافع کا قول یہ ہے کہ باز کے معلم ہونے کے مفہوم میں عدم اکل داخل ہے اور اگر خود کھالے گا تو حلال نہیں ہوگا۔

احناف کی دلیل: فتویٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر طبری کے اندر اس کو نقل کیا ہے کہ جو اس بات پر دال ہے کہ باز کے معلم ہونے کے لیے نہ کھانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اگر کھالے تو بھی معلم سمجھا جائے گا بشرطیکہ اجابت ہو۔

شوافع کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے قال ما امسك عليك فكل اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر روکے نہ تو پھر نہ کھاؤ۔

جواب ①: یہ استدلال بطور مفہوم مخالف کے ہے اور مفہوم مخالف احناف کے ہاں کوئی حجۃ نہیں ہے۔

جواب ②: یہ قید بیان واقعہ کے لیے ہے احترازی نہیں ہے۔

جواب ③: اصل یہ ہے کہ جانور کے اندر تعلیم کا مفہوم یہ ہے کہ جانور اپنے مالوف اور مانوس چیز کو چھوڑ دے پس جب گوشت کو کھانا چھوڑ دے گا تو معلم سمجھا جائے گا اور پرندوں کے اندر مالوف چیز انسانوں سے دور رہنا ہے اب یہاں اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان بلائے تو آجائے اور جب چھوڑے تو چلا جائے لہٰذا کلب اور باز کی تعلیم کے درمیان فرق ہونا چاہیے۔

بَابُ فِي الرَّجُلِ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَغِيبُ عَنْهُ

باب ۴: شکار تیر کھا کر غائب ہو گیا پھر مرا ہوا ملا تو کیا حکم ہے؟

(۱۳۸۸) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَرْمِي الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِي قَالَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِيهِ أَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ.

تَرْجَمَہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں شکار کو تیر مارتا ہوں اور پھر میں اسے اگلے دن اپنے تیر کے ہمراہ پاتا ہوں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں یہ یقین ہو کہ وہ تمہارے ہی تیر کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے اور تم اس میں کسی درندے (کے حملے) کا نشان نہ پاؤ تو تم اسے کھالو۔

شکار کو تیر مارا شکار تیر کھا کر غائب ہو گیا اور تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملا پھر دوسرے دن مرا ہوا ملا اور اس میں ہمارا تیر پیوست ہے پس ظاہر یہ ہے کہ وہ ہمارے تیر سے مرا ہے کیونکہ موت کا کوئی دوسرا سبب موجود نہیں ایسے شکار کا کیا حکم ہے؟ حضور ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں یقین ہو کہ وہ شکار تمہارے ہی تیر سے مرا ہے اور اس پر کسی درندے کے نوچنے کا نشان نہ ہو تو تم کھا سکتے ہو (البتہ اگر کسی درندے نے اس کو نوچا ہو تو وہ حلال نہیں کیونکہ موت کے دو سبب جمع ہو گئے اور معلوم نہیں کس سبب سے مرا ہے؟ اس لیے حلال نہیں۔

بَابُ فِيْ مَنْ يَرْمِي الصَّيْدَ فَيَجِدُهُ مَيِّتًا فِي الْمَاءِ

باب ۵: شکار کو تیر مارا پس وہ پانی میں گر گیا اور مر گیا تو کیا حکم ہے؟

(۱۳۸۹) سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنِ الصَّيْدِ فَقَالَ إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِنْ وَجَدْتَهُ قَدْ قُتِلَ

فَکُلْ اِلَّا اَنْ تَجِدَہٗ قَدْ وَقَعَ فِیْ مَاءٍ فَلَا تَاْکُلْ فَاِنَّکَ لَا تَدْرِیْ اَلْمَاءُ قَتَلَہٗ اَوْ سَھْمُکَ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تم اسے اپنا تیر مارو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو پھر تم اسے اس حالت میں پاؤ کہ وہ مر چکا ہے تو تم اسے کھا لو ماسوائے اس صورت کے کہ تم اسے پانی میں گرا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھانا کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ وہ پانی کی وجہ سے مرا ہے یا تمہارے تیر کی وجہ سے مرا ہے۔

ایک شخص نے ایک شکار کو تیر مارا پھر وہ پانی میں جا گرا اس کے بعد مرا ہوا پایا گیا تو اب اس کا اکل جائز نہیں ہے اس لیے کہ تردد پیدا ہو گیا ہے کہ میرے تیر کی وجہ سے مرا ہے یا پانی میں گرنے کی وجہ سے مرا ہے اور جب حلت وحرمت دونوں کے سبب جمع ہو جائیں تو ترجیح حرمت کو ہوتی ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جب حلقوم کٹ جائے اب اگر وہ پانی میں گر جائے تو بھی اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ موت تیر کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

باب

باب ۶: جو کتا شکار میں سے کچھ کھا لے، اس کا حکم

(۱۳۹۰) سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَنْ صَیْدِ الْکَلْبِ الْمُعَلَّمِ قَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ وَذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰہِ فَکُلْ مَا اَمْسَکَ عَلَیْکَ فَاِنْ اَکَلَ فَلَا تَاْکُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَکَ عَلٰی نَفْسِہٖ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ خَالَطَتْ کِلَابَنَا کِلَابٌ اُخْرٰی قَالَ اِنَّمَا ذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی کَلْبِکَ وَلَمْ تَذْکُرْ عَلٰی غَیْرِہٖ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ کتے کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم اپنے کتے کو بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لے لو تو جو وہ تمہارے لئے شکار کرے اسے کھا لو اگر وہ خود اسے کھا چکا ہو تو تم اسے نہ کھاؤ کیونکہ یہ شکار اس نے اپنے لئے کیا ہوگا۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کیا خیال ہے اگر ہمارے کتے کے ساتھ کچھ دوسرے کتے بھی آ کر مل جاتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ کا نام اپنے کتے کو بھیجتے ہوئے لیا تھا دوسروں پر نہیں لیا تھا۔

دوسرا مسئلہ: کلب کے مفہوم میں عدم اکل داخل ہے یا نہیں۔

① اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کلب کے معلم ہونے کا مفہوم میں عدم اکل داخل ہے۔

دلیل: وان اکل فلا تأکل انما امسک علی نفسہ.

② امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے باز کے معلم ہونے کے لیے عدم اکل شرط نہیں ہے اسی طرح کلب کے معلم ہونے کے لیے بھی عدم اکل شرط نہیں ہے مالکیہ کی دلیل ابوداؤد شریف کے اندر ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے کہ **کل وان اکل** کھا اگرچہ کتے نے کھا لیا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ کھانا اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔

جواب: حدیث عدی بن حاتم جیسے سنن میں ہے ایسے ہی صحیحین میں بھی موجود ہے اور یہ حدیث ابوثعلبہ صرف سنن میں ہے صحیحین میں نہیں ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صَیْدِ الْمِعْرَاضِ

باب ۷: لاٹھی کے ذریعے شکار کا حکم

(۱۳۹۱) قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ صَیْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ مَآ اَصَبْتَ بِحَدِّہٖ فَكُلْ وَمَآ اَصَبْتَ بِعَرْضِہٖ فَهُوَ وَقِیْذٌ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے لاٹھی کے شکار کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اس کی نوک لگنے کی وجہ سے مرے اس کو کھالو اور جو چوڑائی کی سمت میں لاٹھی لگنے کی وجہ سے مرے وہ مردار شمار ہوگا۔

معراض کے متعدد معنی کیے گئے ہیں: ① ایسا تیر جس کے ساتھ پَر اور پھالا لگا ہوا نہ ہو ② ایسی لکڑی جس کے ایک سرے پر لوہا لگا ہوا ہو ③ ایک خاص قسم کا تیر ہوتا ہے جب اس کو پھینکا جائے تو وہ عرضاً جا کر لگتا ہے ④ ایسی لکڑی جس کے دونوں سرے باریک ہوں اور درمیانی حصہ موٹا ہو ⑤ مطلقاً بھاری لکڑی بھی اس کا معنی کیا گیا ہے اس کے شکار کے اندر بعض کی رائے یہ ہے کہ مطلقاً حلال ہے جیسے امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ⑥ اور بعض کہتے ہیں کہ مطلقاً حرام ہے جیسے حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ اگر دھار کی طرف سے لگے اور شکار کو زخمی کر دے تو شکار حلال ہے اور اگر عرضاً لگے ہو اور دباؤ اور ثقل کی وجہ سے شکار مرا ہو تو حرام ہے اور وہ چونکہ یہ عموماً یہ عرضاً جاتا ہے اس لیے اس کو معراض کہتے ہیں۔

بَابٌ فِی الذَّبْحِ بِالْمَرْوَۃِ

باب ۸: دھار دار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے

(۱۳۹۲) اَنَّ رَجُلًا مِنْ قَوْمِهٖ صَادَ اَرْنَبًا اَوِ اثْنَیْنِ فَذَبَحَهُمَا بِمَرْوَۃٍ فَعَلَّقَهُمَا حَتّٰی لَقِیَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَسَاَلَهٗ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهِمَا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ان کی قوم سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے ایک یا شاید دو خرگوشوں کا شکار کیا اور انہیں پتھر کے ذریعے ذبح کر کے لٹکا دیا جب اس کی ملاقات نبی اکرم ﷺ سے ہوئی تو اس نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے اسے ان دونوں کو کھا لینے کی ہدایت کی۔

مروۃ خاص قسم کا پتھر ہوتا ہے جو سفید اور دھار دار ہوتا ہے اس سے اگر جانور ذبح کیا جائے تو حلال ہے مشکوۃ حدیث ۴۰۷۱) میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو چیز خون بہا دے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال ہے (یہ حدیث آگے بھی آرہی

ہے لہٰذا اگر دھاردار پتھر سے یا بانس وغیرہ کے چھلکے سے جانور ذبح کیا جائے تو جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ أَکْلِ الْمَصْبُوْرَةِ

باب ۹: جس جانور کو باندھ کر (نشانے بازی کے ذریعے مارا جائے) اسے کھانا حرام ہے

(۱۳۹۳) نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَکْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِیَ الَّتِیْ تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ.

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ کھانے سے منع کیا ہے اور یہ وہ جانور ہے جسے باندھ کر اس پر تیراندازی کی جائے۔

(۱۳۹۴) أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی یَوْمَ خَیْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ کُلِّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَعَنْ کُلِّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّیْرِ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِیَّةِ وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنِ الْخَلِیْسَةِ وَأَنْ تُوْطَأَ الْحَبَالٰی حَتّٰی یَضَعْنَ مَا فِیْ بُطُوْنِهِنَّ.

ترجمہ: اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت عرباض اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن نوکیلے دانتوں والے درندے اور نوکیلے پنجوں والے پرندے، پالتو گدھوں، مجثمہ اور خلیسہ کھانے سے منع کیا تھا نیز حاملہ کنیزوں کے ساتھ صحبت کرنے سے منع کیا تھا جب تک وہ بچے کو جنم نہ دیں۔

(۱۳۹۵) نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ یُّتَّخَذَ شَیْءٌ فِیْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی جاندار چیز کو پکڑ کر اس پر نشانے بازی کرنے سے منع کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے باقی مجثمہ کیا چیز ہے آگے راوی نے خود اس کی تفسیر کردی وھی التی تصبر بالنبل کہ جس کو باندھ کر تیروں کے ذریعے نشانہ بنا کر مارا جائے اور وہ مرجائے اس کے کھانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا چونکہ اس کو محبوس کیا جاتا ہے باندھ کر مارا جاتا ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے عنوان بھی مصبورۃ کا لگایا ہے۔ یہ حرام ہے ذبح اختیاری پر قدرت کے ہوتے ہوئے ذبح اختیاری کا نہ پایا جانا ذبح اضطرار تو تب کفایت کرتی ہے جب ذبح اختیاری پر قدرت نہ ہو۔

اس باب کی دوسری حدیث ان رسول اللہ نھی یوم خیبر عن کل ذی ناب من السباع... الخ یعنی ہر ناب والے جانور کے کھانے سے ناب اگرچہ داڑھ کو کہتے ہیں لیکن مراد جانور ہیں۔ جو دوسرے جانوروں کو شکار کرتے ہیں ان کے ناب یعنی رباعیات کے بعد داڑھ خاص کر بڑے ہوتے ہیں جیسے کتے شیر وغیرہ وعن کل ذی مخلب من الطیور اور ہر پنجے والے پرندے سے یہاں بھی پنجے سے مراد وہ پنجہ ہے جو شکار کے لیے استعمال ہوتا ہے جو خاص طور پر ٹیڑھے اور تیز نوکدار ہوتے ہیں جبکہ حلال پرندوں کے پنجے تقریباً یا پھر بالکل سیدھے ہوتے ہیں۔ جیسے مرغی کے جبکہ باز اور گدھ وغیرہ کے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔

بَابُ فِیْ ذَکٰوةِ الْجَنِیْنِ

باب ۱۰: جنین کو ذبح کرنا

(۱۳۹۶) ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جنین کی ماں کو ذبح کرنا جنین کو ذبح کرنا شمار ہوگا۔

مذاہب فقہاء: اگر بچہ ماں کے ذبح کے بعد زندہ نکلے اور ذبح کرنے کا موقعہ ملے تو بالاتفاق اس کا ذبح اختیاری لازم ہے اگر وہ بغیر ذبح کے مرگیا تو اس کا کھانا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہاں اگر فوراً نکلتے ہی مرجائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو مکروہ کہتے ہیں جیسا کہ عارضہ میں ہے لیکن اگر بچہ ماں کے ذبح کے ساتھ ہی مرجائے یعنی کھال اتارنے اور پیٹ چاک کرنے سے پہلے پہلے تو اس کے حلال ہونے میں اختلاف ہے۔

① امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کھانا ممنوع ہوگا۔

② صاحبین رحمہما اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک وہ ماں کے ذبح کے ساتھ حکماً ذبح ہوگیا لہٰذا وہ حلال ہے تاہم امام مالک و محمد رحمہما اللہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کے بدن پر بال نمودار ہوئے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال: قرآن مجید کی اس آیت سے ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدہ:۳) اسی طرح ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: لا یکون زکوۃ نفس زکوۃ نفسین۔

جمہور کا استدلال باب کی حدیث سے ہے کہ بچہ کا ذبح وہی ہے جو ماں کا ہے نیز یہ ماں کا جزء ہے لہٰذا یہ کل کے ذبح کے ساتھ ذبح ہوگیا۔

حنفیہ نے حدیث باب کے جواب میں بہت دیئے۔ اور طبیعت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ علامہ عینی نے بنایہ میں اسے اقوی قرار دیا ہے وہ بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں: وبالجملة فقول من قال بموافقة الحديث اقوى علاوہ ازیں ابوداؤد نسائی اور دارقطنی وغیرہ میں یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے:

قلنا يا رسول الله ﷺ ننحر الناقة ونذبح البقر والشاة فنجد في بطنها انلقيه ام نأكله ؟ قال: كلوا ان شئتم فان ذكوته ذكوة امه.

"ہم نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اونٹنی، گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں، اسے کھائیں یا پھینک دیں۔"

اس میں وہ تاویلات نہیں چل سکتی ہیں جو عام شارحین نے کی ہیں۔ والله اعلم وعلمه اتم واحكم

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ کُلِّ ذِیْ نَابٍ وَذِیْ مِخْلَبٍ

باب ۱۱: ہر نوکیلے دانت والے درندے اور نوکیلے پنجوں والے پرندے (کو کھانا) حرام ہے

(۱۳۹۷) نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ.

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہر نوکیلے پنجے والے درندے (کو کھانے سے) منع کیا ہے۔

(۱۳۹۸) حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَعْنِی یَوْمَ خَیْبَرَ الْحُمُرَ الْاِنْسِیَّۃَ وَلُحُوْمَ الْبِغَالِ وَکُلَّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَذِیْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّیْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں یعنی غزوہ خیبر کے دن پالتو گدھوں کو، خچروں کے گوشت کو، ہر نوکیلے دانت والے درندے اور ہر نوکیلے پنجے والے پرندے کو (حرام قرار دیا ہے)۔

(۱۳۹۹) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ حَرَّمَ کُلَّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہر نوکیلے دانتوں والے درندے (کو کھانے) کو حرام قرار دیا ہے۔

(۱۴۰۰) قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَۃَ وَھُمْ یُجِبُّوْنَ اَسْنِمَۃَ الْاِبِلِ وَیَقْطَعُوْنَ اَلْیَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا قُطِعَ مِنَ الْبَھِیْمَۃِ وَھِیَ حَیَّۃٌ فَھِیَ مَیْتَۃٌ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ اونٹ کی کوہان اور دنبوں کی چکی کاٹ لیا کرتے تھے (اور اسے کھایا کرتے تھے) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے وہ حصہ مردار شمار ہوگا۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح سابقہ باب سے پیوستہ باب میں گزری ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ مَا قُطِعَ مِنَ الْحَیِّ فَھُوَ مَیِّتٌ

باب: زندہ جانور سے جو عضو کاٹا جائے وہ مردار ہے

عَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَۃَ وَھُمْ یَجُبُّوْنَ اَسْنِمَۃَ الْاِبِلِ وَیَقْطَعُوْنَ اَلْیَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا یُقْطَعُ مِنَ الْبَھِیْمَۃِ وَھِیَ حَیَّۃٌ فَھُوَ مَیْتَۃٌ.

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کے کوہان اور زندہ دنبوں کی چکیاں کاٹتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا زندہ جانور سے جو حصہ کاٹا جائے وہ مردار ہے۔

تشریح: اور لوگ زندہ دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیا کرتے تھے یعنی زندہ جانوروں کے اعضاء کو کاٹ کر پکانے اور کھانے کا رواج تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس عضو کو مردار اور حرام قرار دیدیا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں کسی قسم کی اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے لہٰذا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ کر الگ کیا جائے تو وہ حرام و مردار ہے۔

بَابُ فِی الذَّکٰوۃِ فِی الْحَلْقِ وَاللَّبَّۃِ

باب ۵: حلق اور لبہ میں ذبح کرنا

(۱۴۰۱) قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللہِ ﷺ اَمَا تَکُوْنُ الذَّکَاۃُ اِلَّا فِی الْحَلْقِ وَاللَّبَّۃِ قَالَ لَوْ طَعَنْتُ فِیْ فَخِذِھَا لَاَجْزَاَ عَنْكَ.

ترجمہ: ابو العشراء اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا شرعی طور پر ذبح کرنا صرف حلق اور لبہ میں ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم ان کی ران پر نیزہ مار دو تو تمہارے لئے یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: ذبح کی دو قسمیں ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری۔ اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبہ ہے اور اگر جانور قابو سے باہر ہو جیسے شکار تو ذبح اضطراری بھی کافی ہے اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے سائل ذبح کی دوسری قسم کو نہیں جانتا تھا آپ ﷺ نے اس کو دوسری قسم سے بھی آگاہ کیا۔

بَابُ فِیْ قَتْلِ الْوَزَغِ

باب ۱: چھپکلی کو مارنے کا حکم

(۱۴۰۲) مَنْ قَتَلَ وَزَغَۃً بِالضَّرْبَۃِ الْاُوْلٰی کَانَ لَہٗ کَذَا وَ کَذَا حَسَنَۃً فَاِنْ قَتَلَھَا فِی الضَّرْبَۃِ الثَّانِیَۃِ کَانَ لَہٗ کَذَا وَ کَذَا حَسَنَۃً فَاِنْ قَتَلَھَا فِی الضَّرْبَۃِ کَانَ لَہٗ کَذَا وَ کَذَا حَسَنَۃً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص پہلی ضرب میں چھپکلی کو مار دے اسے اتنی، اتنی نیکیاں ملیں گی اور اگر دوسری ضرب میں اسے مار دے تو اتنی، اتنی نیکیاں ملیں گی اور اگر تیسری ضرب میں اسے مار دے تو اسے اتنی، اتنی نیکیاں ملیں گی۔

وزغ: اسم جنس ہے اس کی دو نوعیں ہیں گرگٹ اور چھپکلی حضور اقدس ﷺ نے چھپکلی اور گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا ہے اور ان کا فاسق (شرارتی) نام رکھا ہے اور فرمایا وہ حضرت ابراہیم کی آگ میں پھونک مارتا تھا اور فرمایا جس نے پہلے وار میں مار ڈالا اس کے لیے سو نیکیاں ہیں اور دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم۔ (مشکوۃ احادیث ۴۱۱۹۔۴۱۲۱)

سوال: جس چھپکلی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک ماری تھی اس کا چاہے کچومر نکال دو مگر پوری نوع کو اس کی سزا دینا خلاف اصول ہے؟

جواب: چھپکلی کو مارنے کا حکم اس جرم کی سزا میں نہیں ہے بلکہ یہ حکم اس جانور کی ایذا رسانی کی وجہ سے ہے اور پھونک مارنے کو ایذاء رسانی کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے یعنی جہاں اس کا کچھ نہیں اٹھتا تھا وہاں بھی وُہ اپنی حرکت سے باز نہیں آئی اسی طرح وہ انسان کو ہر ممکن ضرر پہنچانے کی کوشش کرتی ہے برتن میں تھوکتی ہے نمک میں رال ٹپکاتی ہے جس کے نتیجہ میں برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور کچھ بس نہیں چلتا تو چھت پر چڑھ کر کھانے وغیرہ پر بیٹ کرتی ہے (حاشیہ الکوکب الدری ۱۲:۳۹) پس یہ حکم اس کے ضرر دینے کے لیے ہے۔

بَابُ فِيْ قَتْلِ الْحَيَّاتِ

باب ۲: سانپوں کو مارنے کا حکم

(۱۴۰۳) اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَاقْتُلُوا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْاَبْتَرَ فَاِنَّهُمَا يَلْتَمِسَانِ الْبَصَرَ وَيُسْقِطَانِ الْحُبْلٰى.

ترجمہ: سالم بن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ سانپوں کو ماردو بطور خاص دو سیاہ نقطوں والے کو ضرور مارو اور کٹی ہوئی دم والے کو (بھی ماردو) کیونکہ یہ دونوں بینائی کو زائل کر دیتے ہیں اور حمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔

(۱۴۰۴) اِنَّ لِبُيُوتِكُمْ عُمَّارًا فَحَرِّجُوا عَلَيْهِنَّ ثَلَاثًا فَاِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَاقْتُلُوهُنَّ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گھروں میں بھی کچھ سانپ رہتے ہیں۔ انہیں تین مرتبہ تنبیہ کرو اس کے بعد بھی وہ نظر آجائیں تو انہیں قتل کر دو۔

(۱۴۰۵) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُوْلُوا لَهَا اِنَّا نَسْأَلُكِ بِعَهْدِ نُوْحٍ وَبِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ اَنْ لَّا تُؤْذِيْنَا فَاِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوْهَا.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ بیان کرتے ہیں: حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات روایت کی ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب گھر میں کوئی سانپ نظر آجائے تو تم اسے کہو ہم تم سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے عہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ تم ہمیں اذیت نہ دو اگر وہ پھر آجائے تو اسے ماردو۔

سانپ بھی موذی جاندار ہیں لہٰذا ان کو قتل کرنا بھی مباح ہے خصوصاً جو زیادہ موذی ہیں ذوالطفتین خاص قسم کا سانپ ہوتا ہے جس کے سر پر دو لکیریں سی ہوتی ہیں ان میں یہ نشانی ہوتی ہے کہ ان میں زہر زیادہ ہوتا ہے اور ابتر دم کٹے ہوئے کے ساتھ مشابہ ورنہ حقیقت دم نہیں کٹا ہوا ہوتا یہ بھی زیادہ زہریلے ہوتے ہیں اگر کسی انسان کی ان پر نگاہ پڑ جائے تو بنائی ختم ہو جاتی ہے اور اگر وہ حاملہ عورت کی طرف دیکھ لے تو اس کا حمل گر جاتا ہے یہ ان کی تاثیر ہے۔ البتہ جو گھروں کے اندر رہتے ہیں بستے ہیں ان کے قتل سے منع فرمایا یعنی ان کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ درحقیقت وہ جنات ہوتے ہیں ان کو نکلنے کا موقع دیا جائے۔ اگلی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جنان البیوت کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے جنان بکسر الجیم جان کی جمع ہے چھوٹے باریک سانپ کو کہتے ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ باریک ہوتے ہیں اور ان کا رنگ چاندی کی طرح سفید ہوتا ہے اور پھر چلنے کے اندر سیدھے چلتے ہیں بل نہیں کھاتے ان کو قتل کرنے میں جلدی نہ کی جائے بلکہ ان کو کہا جائے کہ نکل جاؤ اور ان کو حضرت نوح علیہ السلام کا عہد و پیمان یاد دلاؤ اگر نکل جائیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قتل کر دو ورنہ بسا اوقات نقصان دیتے ہیں۔

فائدہ: ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے بعض اجسام میں ایسی ارواح ودیعت فرمائی ہیں جن میں بہت سخت تاثیر ہوتی ہے تاہم چونکہ روح اور آنکھ میں شدت ارتباط ہے اس لیے یہ تاثیر آنکھوں کی طرف منسوب ہوتی ہے لہٰذا آنکھ سے دیکھنا

اس تاثیر کی شرط پر نہیں دیکھئے کبھی نابینا شخص کے سامنے جب محسود کے اوصاف بیان ہوتے ہیں تو بھی اس کی نظر بد کا اس پر اثر ہوتا ہے۔ (مختصر زاد المعادص: ۲۳۷)

محشی نے طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ علماء نے ایک سانپ کا ذکر کیا ہے جس کو ناظر کہتے ہیں وہ جب آدمی کی آنکھوں کو دیکھتا ہے تو وہ اسی وقت مرجاتا ہے:

قال ابن القیم ولا یمکن لعاقل انکار تاثیر الارواح فی الاجسام فانه امر مشاهد (ایضاً)۔

"ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ارواح کی اجسام پر جو تاثیر ہے اس کا انکار کوئی عاقل نہیں کرسکتا کیونکہ یہ ایک مشاہدے کی بات ہے۔"

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ قَتْلِ الْكِلَابِ

باب ۳: کتوں کو مارنے کا حکم

(۱۴۰۶) لَوْلَا اَنَّ الْكِلَابَ اُمَّةٌ مِّنَ الْاُمَمِ لَاَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ اَسْوَدَ بَهِيْمٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کتے مخلوق کی ایک مخصوص قسم نہ ہوتی تو میں ان سب کو مارنے کا حکم دے دیتا، تاہم ان میں سے ہر کالے کتے کو مار دیا کرو۔

تفصیل گزر چکی ہے اور آخری حکم بالاتفاق منسوخ ہے اب صرف کالا کتا یعنی پریشان کرتا ہوا اس کو مارنا جائز ہے۔

بَابُ مَنْ اَمْسَكَ كَلْبًا مَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِهٖ؟

باب ۴: شوقیہ کتا پالنے سے روزانہ ثواب کم ہوتا ہے؟

(۱۴۰۷) مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اَوِ اتَّخَذَ كَلْبًا لَيْسَ بِضَارٍ وَلَا كَلْبِ مَاشِيَةٍ نَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص کتا پالے (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) کتا رکھے جو شکار کرنے یا جانوروں کی حفاظت کے لئے نہ ہو، تو اس شخص کے عمل میں روزانہ دو قیراط کم ہوتے ہیں۔

(۱۴۰۸) اَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ اَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ كَلْبَ مَاشِيَةٍ قال قِيْلَ لَهٗ اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُوْلُ اَوْ كَلْبَ زَرْعٍ فقالَ اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ لَهٗ زَرْعٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مارنے کا حکم دیا ہے سوائے شکاری کتوں کے یا جانوروں کی حفاظت والے کتوں کے، راوی بیان کرتے ہیں: ان سے کہا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو یہ کہتے ہیں: یا کھیت کی حفاظت کرنے والے کتوں کے، تو انہوں نے فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کھیت تھے (اس لئے انہیں علم ہوگا)۔

(۱۴۰۹) مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْ صَيْدٍ اَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جانوروں کی حفاظت والے یا کھیت کی حفاظت والے یا شکار کے کتے کے علاوہ کوئی اور کتا پالے تو اس کے اجر میں روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہے۔

(۱۴۱۰) قَالَ اِنِّیْ لِمِمَّنْ یَّرْفَعُ اَغْصَانَ الشَّجَرَةِ عَنْ وَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَهُوَ یَخْطُبُ فَقَالَ لَوْلَا اَنَّ الْكِلَابَ اُمَّةٌ مِنَ الْاُمَمِ لَاَمَرْتُ بِقَتْلِهَا فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ اَسْوَدَ بَهِیْمٍ وَمَا مِنْ اَهْلِ بَیْتٍ یَرْتَبِطُوْنَ كَلْبًا اِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ اِلَّا كَلْبَ صَیْدٍ اَوْ كَلْبَ حَرْثٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ان افراد میں سے ایک ہوں جو اس وقت نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ٹہنیاں ہٹا رہے تھے جب آپ خطبہ جمعہ دے رہے تھے آپ نے ارشاد فرمایا: اگر کتے مخلوق کی ایک مخصوص قسم نہ ہوتے تو میں انہیں قتل کرنے کا حکم دیتا تم ان میں سے ہر کالے سیاہ کتے کو مار دو اور جس گھر کے لوگ کتا پالتے ہیں، ان کے عمل میں سے روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہے۔ سوائے شکاری کتے کے، یا کھیت کی حفاظت والے کتے کے، یا بکریوں کی حفاظت والے کتے کے (یعنی کہ انہیں پالنے کی اجازت ہے)۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شوقیہ کتا پالنا جائز نہیں البتہ وہ کتا جس کو شکار کی تعلیم دی گئی ہو یا وہ کتا جو مویشی کی یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لیے ہو وہ مستثنیٰ ہے اسکو پالنا بلا کراہت جائز ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ تغلیظ پر محمول ہے کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک گناہ سے نیکی ختم نہیں ہوتی یا پھر مستقبل کی نیکیوں کے ثواب کی کمی پر محمول ہے یعنی جو شخص کتا پالے گا تو اس کے نیک عمل پر اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا کہ دوسروں کو ضابطے کے مطابق ملتا ہے پھر قیراط کے مقدار یہاں پر اس قیراط سے کم ہے جو صلوۃ جنازہ اور اتباع جنازہ کے بارے میں ہے کیونکہ وہاں انعام کی بات کی گئی ہے جو زیادہ۔

بَابٌ فِی الذَّكَاةِ بِالْقَصَبِ وَغَیْرِهٖ

باب ۵: بانس وغیرہ سے ذبح کرنا

(۱۴۱۱) قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنَّا نَلْقَی الْعَدُوَّ غَدًا وَلَیْسَتْ مَعَنَا مُدًی فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَیْهِ فَكُلُوْهُ مَا لَمْ یَكُنْ سِنًّا اَوْ ظُفُرًا وَسَاُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ اَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَاَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَی الْحَبَشَةِ.

ترجمہ: رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کل ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو چیز خون کو بہا دے اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، تو تم اسے کھا لو بشرطیکہ اسے "سن یا ظفر" کے ذریعے ذبح نہ کیا گیا ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں: میں تمہیں اسکے بارے میں بتاتا ہوں السن ہڈی کو کہتے ہیں اور ناخن حبشہ کی مخصوص چھری ہے۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر چیز سے ذبح کیا جاسکتا ہے اگر اس سے کھال کٹ جائے اور خون بہ جائے خواہ پتھر ہو یا بانس کا چھلکا ہو یا کوئی اور چیز ہوحتی کہ ویلڈنگ کرنے کی آگ سے بھی ذبح کیا جاسکتا ہے البتہ جسم میں لگے ہوئے ناخن اور دانت سے ذبح کرنا جائز نہیں کیونکہ ان میں دھار نہیں ہوتی اور ناخن میں ممانعت کی ایک دوسری وجہ کفار کی مشابہت بھی ہے۔

فائدہ: اگر دانت منفصل ہو اور اس میں دھار نکال لی گئی ہو یا ناخن جدا ہو اور دھار دار ہو تو اس سے ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً ناخن اور دانت سے ذبح کرنا درست نہیں اور احناف کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک حدیث میں متصل ناخن اور دانت مراد ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کی مختلف روایات ہیں مشہور یہ ہے کہ منفصل ہڈی سے ذبح جائز ہے اور دانت سے مطلقاً جائز نہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْبَعِیْرِ اِذَا نَدَّ

باب ۶: پالتو جانور بدک جائے تو اس کا حکم وحشی جانور کا ہو جاتا ہے

(۱۴۱۲) كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَنَدَّ بَعِيْرٌ مِنْ إِبِلِ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ خَيْلٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا فَعَلَ مِنْهَا هٰذَا فَافْعَلُوْا بِهٖ هٰكَذَا.

ترجمہ: عبایہ بن رفاعہ اپنے والد کے حوالے سے، اپنے دادا حضرت رافع رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں شریک تھے لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ سرکش ہو کر بھاگ گیا۔ لوگوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے ایک شخص نے اسے تیر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو روک دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ جانور بھی وحشی جانوروں کی طرح سرکش ہو جاتے ہیں، تو ان میں سے جو اس طرح کی حرکت کرے تو تم اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرو۔

مانوس جانوروں میں سے اگر کوئی جانور وحشی بن جائے تو اس میں ذبح اضطراری کفایت کر جائے گی جیسے کہ وحشی جانوروں میں ذبح اضطراری کفایت کر جاتی ہے اسی کو بتلانے کے لیے باب قائم کیا۔

تشریح: لوگوں کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بدک گیا اور بھاگنا شروع کر دیا اور ان کے پاس گھوڑے بھی نہیں تھے کہ ان پر سوار ہو اس اونٹ کو پکڑتے پس ایک شخص نے اس پر تیر پھینکا تیر لگنے کی وجہ سے وہ مر گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چوپایوں میں سے سرکش ہیں جیسے وحشی جانوروں میں سے سرکش ہیں جو ایسا کرے تو اس کے ساتھ ایسے کرو۔

قربانی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے منقول (احادیث کا) مجموعہ

ربط: پہلے ان جانوروں کا ذکر تھا جن کا ذبح کرنا جائز تھا مباح تھا لیکن عبادت نہیں تھا اب ان جانوروں کا ذکر ہے کہ جن کا ذبح کرنا عبادت بھی ہے۔

تشریح: اضاحی جمع ہے اضحیہ کی وہ جانور جو قربانی کی تاریخ ہائے متعینہ میں ذبح کیا جائے اگر چہ بعض اوقات نفس ذبیحہ کو بھی اضحیہ کہتے ہیں امام نووی فرماتے ہیں اضحیہ یوم النحر کے مذبوحہ جانور کا نام ہے اس میں ہمزہ کا ضمہ وکسرہ دونوں جائز ہیں تاہم مشہور ضمہ ہے جبکہ ضحیۃ بھی مروی ہے چوتھی لغت اضحاۃ بفتح الہمزہ ہے اولین کی جمع اضاحی ہے ثالث کی ضحایا اور رابع کی اضحیٰ ہے عید الاضحیٰ کی وجہ تسمیہ چوتھی لغت کے مطابق ہے۔

مذاہب فقہاء: اضحیہ عند الاحناف واجب ہے یعنی فرض عملی ہے اور عند الجمہور سنت مؤکدہ ہے۔

احناف کے دلائل: ① ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر:۲) اور جب قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ ہو تو امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور یہاں قرینہ صارفہ نہیں ہے۔

② بعض احادیث میں اضحیہ کا حکم دیا گیا ہے بصیغہ امر اور جب تک قرینہ صارفہ نہ ہو تو امر وجوب پر دال ہوتا ہے۔

③ وہ نصوص جن میں قدرت کے باوجود اضحیہ نہ کرنے پر وعید شدید کا ذکر ہے۔

④ وہ نصوص جن میں حضور ﷺ کے اضحیہ پر مداومت کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مداومت مع الوعید علی الترک دلیل وجوب ہے۔

⑤ وہ نصوص جن میں نماز عید سے پہلے ذبح کیے گئے جانوروں کے بارے میں کہ اعادہ کیا جائے اور اعادہ کا حکم بھی دلیل ہے کہ اضحیہ بطور وجوب ہے ان نصوص کی بنا پر احناف کہتے ہیں کہ اضحیہ صاحب نصاب پر واجب ہے اور نصاب کے لیے حولان حول شرط نہیں ہے۔

دیگر ائمہ کی دلیل: (۱) بعض حدیثوں میں اضحیہ کو ارادہ کے ساتھ معلق کیا گیا ہے: فمن اراد ان یضحیہ؟

جواب: یہ ایسے ہے جیسے فرمایا: من اراد الحج فلیعجل (جو حج کا ارادہ رکھے تو جلدی کرے) معلوم ہوا کہ عام ہے۔

(۲) نیز حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ ماھذہ الاضاحی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سنۃ ابیکم ابراہیم اس حدیث سے

معلوم ہوا کہ قربانی سنت ہے۔

جواب: یہاں سنت واجب کے مقابلے میں نہیں بلکہ سنت سے مراد طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے۔

یوم النحر سے مراد دسویں ذوالحجہ ہے اس کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ سب کا اتفاق ہے کہ دسویں ذوالحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے اس لیے اس کی تخصیص کی ورنہ کوئی حصر مقصود نہیں ہے گیارھویں بھی یوم النحر ہے اور بارھویں بھی یوم النحر ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ فَضْلِ الْاُضْحِیَةِ

باب ۱: قربانی کرنے کی فضیلت کا بیان

(۱۴۱۳) مَا عَمِلَ اٰدِمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمِ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ اِنَّھَا لَتَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا۔

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن کسی بھی آدمی کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ قربانی کا وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور بے شک (جانور کا خون) زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (قبولیت کے مقام) پر گرتا ہے تو تم اس خوشخبری سے خوش ہو جاؤ۔

تشریح: قربانی کے فضائل دوسری احادیث میں بھی بہت آئے ہیں تاہم ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ قربانی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ان میں لوگوں نے عجائبات نقل کیے ہیں جو صحیح نہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قربانی جنت تک پہنچانے کی سواری ہوگی۔

بَابٌ فِی الْاُضْحِیَةِ بِکَبْشَیْنِ

باب ۲: دو مینڈھوں کی قربانی کرنا

(۱۴۱۴) ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ ذَبَحَھُمَا بِیَدِہٖ وَسَمّٰی وَکَبَّرَ وَوَضَعَ رِجْلَهٗ عَلٰی صِفَاحِھِمَا۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والے، سیاہ و سفید رنگ کے دو مینڈھوں کی قربانی کی تھی آپ نے اپنے دست مبارک کے ذریعے انہیں ذبح کیا تھا بسم اللہ پڑھی تھی، تکبیر کہی تھی اور اپنا ایک پاؤں ان کے پہلو پر رکھا تھا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْاُضْحِیَةِ عَنِ الْمَیِّتِ

باب ۳: مرحوم کی طرف سے قربانی کرنا

(۱۴۱۵) عَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ کَانَ یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ اَحَدُھُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَّفْسِهٖ فَقِیْلَ لَهٗ فَقَالَ اَمَرَنِیْ بِهٖ یَعْنِی النَّبِیَّ ﷺ فَلَا اَدَعُهٗ اَبَدًا۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے۔ وہ ہمیشہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے جن میں سے ایک نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہوتا تھا اور دوسرا اپنی طرف سے ہوتا تھا جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا آپ ﷺ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے (راوی کہتے ہیں) یعنی نبی اکرم ﷺ نے (یہ حکم دیا ہے) (حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) اس لئے میں اسے کبھی ترک نہیں کروں گا۔

فائدہ: ائمہ اربعہ کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے غیر مقلدین اس کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک میت کی طرف سے قربانی جائز نہیں اور ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے قربانی کرنے کی بہ نسبت میت کی طرف سے صدقہ کرنا زیادہ پسند ہے اور اگر کوئی قربانی کرے تو اس کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے مگر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک تصدق ضروری نہیں عام قربانی کی طرح اس کا گوشت بھی کھا سکتے ہیں کیونکہ وہ قربانی علی ملک الحی ہوتی ہے یعنی خود قربانی کرنے والے کی ملک ہوتی ہے البتہ اس کا ثواب مرنے والے کو پہنچایا جاتا ہے ہاں اگر میت نے وصیت کی ہو اور اس کے ترکہ سے قربانی کی جائے تو پھر گوشت صدقہ کرنا واجب ہے کیونکہ وہ بحکم نذر ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَضَاحِيْ

باب ۴: کون سے جانور کی قربانی مستحب ہے؟

(۱۴۱۶) ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَأْكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَّيَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ وَّيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے سینگ والے، نر مینڈھے کی قربانی کی تھی اسکا منہ، چاروں پاؤں اور آنکھیں سیاہ تھیں۔

قربانی اس جانور کی مستحب ہے جس کا گوشت عمدہ ہو اور فقہاء کرام نے گوشت کی عمدگی کا سب سے پہلے لحاظ کیا ہے باقی چیزوں کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوْزُ مِنَ الْأَضَاحِيْ

باب ۵: کون سے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے

(۱۴۱۷) قَالَ لَا يُضَحّٰى بِالْعَرْجَاءِ بَيِّنٌ ظَلَعُهَا وَلَا بِالْعَوْرَاءِ بَيِّنٌ عَوَرُهَا وَلَا بِالْمَرِيْضَةِ بَيِّنٌ مَرَضُهَا وَلَا بِالْعَجْفَاءِ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب "مرفوع" روایت کے طور پر نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسے لنگڑے جانور، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، ایسا کانا جانور، جس کا کانا پن ظاہر ہو، ان کی قربانی نہ کی جائے۔ اسی طرح بیمار، نہایت کمزور جانور کی بھی قربانی نہ کی جائے، جس کی بیماری ظاہر ہو یا جس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ ہو (یعنی وہ اتنا زیادہ کمزور ہو)۔

تشریح: عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں اور وہ عیب جن کی وجہ سے قربانی صحیح نہیں ہوتی یہ ہیں:

① وہ جانور جو اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہو چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہ ہو یا چوتھا رکھتا تو ہو مگر اس سے چل نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں وہ واضح لنگڑا اور جو چلتے وقت لنگڑا پاؤں ٹیک کر چلتا ہو اور چلنے میں اس سے سہارا لیتا ہو اگرچہ لنگڑا کر چلتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے یہ واضح لنگڑا نہیں۔

② وہ جانور جو اندھا یا کانا ہو یعنی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی چلی گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں یہ واضح کانا ہے۔

③ ایسا بیمار جانور جو گھاس نہ کھاتا ہو اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

④ اتنا دبلا مریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ پیروں پر کھڑا نہ ہو سکتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

فائدہ: جس جانور کا سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست نہیں البتہ پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ کا خول اتر گیا ہو یا گری (اصل سینگ) کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْاَضَاحِيْ

کس جانور کی قربانی مکروہ ہے؟

(۱۴۱۸) اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ نَّسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَّلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھ اور کان کا اچھی طرح جائزہ لیں اور ہم کوئی ایسا جانور قربان نہ کریں جس کا کان آگے کی طرف سے یا پیچھے کی طرف سے کٹا ہوا ہو یا اس میں سوراخ موجود ہو۔

تشریح: قربانی کے تعلق سے لا یجوز اور یکرہ ایک ہیں پس اس باب میں بھی وہی مسئلہ ہے جو گذشتہ باب میں تھا یعنی عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں۔

وہ جانور جن کی قربانی مکروہ ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھوں اور کانوں کو غور سے دیکھیں مقابلہ جس کا کان اگلی جانب سے کٹا ہوا ہو اور لٹک رہا ہو مدابرہ جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور لٹک رہا ہو شرقاء جس کا کان طولا کٹا ہوا ہو (یا پھٹا ہوا ہو) خرقاء جس کے کان کے اندر گول سراخ ہو بعضوں نے کہا کہ جو عرضا پھٹا ہوا ہو اس قسم کے عیوب کو دیکھیں کہ اگر عیب یسیر ہے تو پھر کوئی مانع نہیں یہ قابل برداشت ہے اور اگر عیب کثیر ہے تو یہ قابل برداشت نہیں ہے لہٰذا یہ مانع ہے۔

باقی عیب کثیر اور قلیل کے درمیان کیا فرق ہے: (۱) ثلث یا مافوق الثلث کثیر ہے اور مادون الثلث یسیر ہے۔ (۲) ربع اور مافوق الربع کثیر ہے اور مادون الربع یسیر ہے۔ (۳) نصف اور مافوق النصف کثیر ہے اور مادون یسیر ہے۔

توضیح راوی: راوی تھے شریح بن نعمان امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریح کل تین ہیں:

(۱) شریح بن نعمان ساعدی کوفی۔

(۲) شریح بن حارث ان کی نسبت کندی ہے اور یہ کندہ قبیلہ ہے علاقہ کوفہ ہے اور یہ قاضی بھی ہیں اور ان کی کنیت ابوالیسر ہے۔

(۳) شریح بن ھانی یہ بھی کوفی ہیں البتہ ان کے والد جو ھانی ہیں لہ صحبۃ (یہ صحابی ہیں) ان تینوں کے اندر قدر مشترک یہ ہے کہ یہ تینوں اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ہیں اور ایک ہی زمانہ کے ہیں۔

بَابُ فِی الْجَذَعِ مِنَ الضَّانِ فِی الْاَضَاحِیْ

باب ۷: چھ ماہ کی بھیڑ کی قربانی

(۱۴۱۹) جَلَبْتُ غَنَمًا جُذْعَانًا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ فَکَسَدَتْ عَلَیَّ فَلَقِیْتُ اَبَا هُرَیْرَۃَ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: نِعْمَ اَوْ نِعْمَتِ الْاُضْحِیَّۃُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّانِ قَالَ فَانْتَهَبَهُ النَّاسُ.

ترجمہ: ابو کباش بیان کرتے ہیں: میں چھ ماہ کے دنبے کو فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ لے کر گیا لیکن وہ فروخت نہ ہوئے میری ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: بہترین قربانی چھ ماہ کی بھیڑ کی ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ یہ سن کر لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔

(۱۴۲۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطَاهُ غَنَمًا یُقَسِّمُهَا عَلٰی اَصْحَابِهٖ ضَحَایَا فَبَقِیَ عَتُوْدٌ اَوْ جَدْیٌ فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے انہیں کچھ بکریاں عطا کی تاکہ ان بکریوں کو نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کے درمیان قربانی کرنے کے لئے تقسیم کر دیں ان میں سے ایک "عتود یا جدی" باقی بچ گئی (یعنی ایک سال کی بکری یا چھ ماہ کا بچہ) راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اسے تم قربان کر لو۔

تشریح: تمام ائمہ رحمہم اللہ متفق ہیں کہ قربانی کا جانور جوان ہونا ضروری ہے بچے کی قربانی درست نہیں اور جانور اس وقت جوان ہوتا ہے جب اس کے دودھ کے دانت ٹوٹتے ہیں عربی میں اس کو ثنی (وہ جانور جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں) اور مسن (بڑی عمر کا مراد جوان جانور) کہتے ہیں اور اونٹ پانچ سال میں گائے بھینس دو سال میں اور بھیڑ بکری ایک سال میں جوان ہوتے ہیں پس اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی درست نہیں البتہ بھیڑ دنبہ خواہ چکتی دار ہو یا بے چکتی اگر چھ ماہ یا زیادہ عمر کا ہو اور فربہ ہو کہ اگر سال بھر کی بھیڑوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے چھوٹا معلوم نہ ہو: ایسی بھیڑ کی قربانی درست ہے۔

بَابُ فِی الْاِشْتِرَاکِ فِی الْاُضْحِیَةِ

باب ۸: بڑے جانور میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں

(۱۴۲۱) كُنَّا مَعَ رسولِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةٌ وفِي الْبَعِيرِ عَشْرَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں شریک تھے عید الاضحی کا موقع آ گیا تو ہم لوگ سات آدمی ایک گائے میں اور دس آدمی ایک اونٹ میں شریک ہوئے۔

(۱۴۲۲) نَحَرْنَا مَعَ رسولِ اللهِ ﷺ بِالْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حدیبیہ کے مقام پر سات آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ اور سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔

تشریح: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک اونٹ گائے بھینس میں زیادہ سے زیادہ سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور حضرت اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک اُونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں تفصیل کتاب الحج میں گذر چکی ہے۔

باب فی الضحیة بعضباء القرن والاذن

باب ۹: ٹوٹے سینگ یا کٹے کان والے جانور کی قربانی کا بیان

(۱۴۲۳) اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ قُلْتُ فَاِنْ وَلَدَتْ قَالَ اذْبَحْ وَلَدَهَا مَعَهَا قُلْتُ فَالْعَرْجَاءُ قَالَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَنْسِكَ قُلْتُ فَمَكْسُوْرَةُ الْقَرْنِ فَقَالَ لَا بَأْسَ اُمِرْنَا اَوْ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ نَّسْتَشْرِفَ الْعَيْنَيْنِ وَالْاُذُنَيْنِ

ترجمہ: حجیہ بن عدی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: انہوں نے ارشاد فرمایا ہے۔ گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جائے گا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ اگر وہ بچے کو جنم دے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اس کے ساتھ اس کے بچے کو بھی ذبح کر دو۔

راوی بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی۔ اگر وہ لنگڑی ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر وہ قربان گاہ تک پہنچ سکتی ہو (تو قربانی جائز ہوگی)۔

(۱۴۲۴) قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ يُضَحّٰى بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ قَالَ قَتَادَةُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَقَالَ الْعَضْبُ مَا بَلَغَ النِّصْفَ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے ٹوٹے ہوئے سینگ یا کٹے ہوئے کان والے جانور کو قربان کیا جائے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے اس روایت کا تذکرہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: لفظ عضب سے مراد یہ ہے۔ جس کا نصف یا اس سے زیادہ (سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا) ہو۔

بَابُ مَا جَآءَ اَنَّ الشَّاةَ الْوَاحِدَةَ تُجْزِئُ عَنْ اَهْلِ الْبَيْتِ

باب ۱۰: ایک بکری پوری فیملی کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے؟

(۱۴۲۵) سَاَلْتُ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ كَيْفَ كَانَتِ الضَّحَايَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ فَيَاْكُلُوْنَ وَيُطْعِمُوْنَ حَتّٰى تَبَاهَى النَّاسُ فَصَارَتْ كَمَا تَرٰى.

ترجمہ: عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قربانی کس طرح ہوا کرتی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ ایک آدمی ایک بکری کو اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کر لیتا تھا اور وہ لوگ اسے کھا لیتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ (بعد کے زمانے میں) لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر کا اظہار کرنے لگے اور صورتحال وہ ہوگئی جو اب تم دیکھتے ہو۔

مذاہب فقہاء: ① امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر کوئی شخص پوری فیملی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے تو جائز ہے سب کی طرف سے قربانی ہو جائے گی بشرطیکہ وہی تنہا اس بکری کا مالک ہو اور سب گھر والے ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔

② حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہر صاحب نصاب پر مستقل قربانی واجب ہے اگر چہ رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں کیونکہ قربانی ایک عبادت ہے اور عبادت ہر شخص پر لازم ہے اس میں ایک دوسرے کی طرف سے قائم مقام نہیں کر سکتا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال باب کی حدیث سے ہے۔

احناف فرماتے ہیں: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ عام طور پر غریب ہوتے تھے اور گھر کے ایک شخص پر ہی قربانی واجب ہوتی تھی وہی قربانی کرتا تھا اور ایک ہی قربانی کرتا تھا جس کو سب کھاتے تھے پھر مفاخرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور لوگ کئی کئی قربانیاں کرنے لگے (مفاخرت کبھی بیش قیمت جانور میں ہوتی ہے اور کبھی قربانیوں کی تعداد میں) پس اس حدیث سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا استدلال درست نہیں۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اور اس میں امت کے ان لوگوں کو شریک کیا جو استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکے تھے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی میں دوسروں کو شریک کر سکتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ یہ روایت مختصر ہے پوری روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربان کئے تھے ایک اپنی طرف سے واجب قربانی کی تھی اور دوسری نفل قربانی کی تھی جس میں امت کو شریک کیا تھا یعنی ان کو ایصال ثواب کیا تھا اور ایسا کرنا جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں مسئلہ واجب قربانی میں دوسروں کو شریک کرنے کا ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔

بَابُ وُجُوْبِ الْاَضْحِيَةِ

باب ۱۱: قربانی کرنا سنت ہے

(۱۴۲۶) اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْاُضْحِيَةِ اَوَاجِبَةٌ هِيَ فَقَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ فَاَعَادَهَا عَلَيْهِ فَقَالَ اَتَعْقِلُ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ.

ترجمہ: جبلہ بن سحیم بیان کرتے ہیں: انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے قربانی کے بارے میں دریافت کیا۔ کیا یہ واجب ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی ہے۔ مسلمانوں نے بھی کی ہے۔ راوی نے دوبارہ ان سے یہ سوال کیا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ کیا تمہیں سمجھ نہیں آتی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔

(۱۴۲۷) اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس برس مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور آپ نے (ہر سال) قربانی کی۔

بَابُ فِي الذَّبْحِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

باب ۱۲: نماز (عید) پڑھنے کے بعد قربانی کرنا

(۱۴۲۸) خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ يَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ لَا يَذْبَحَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ قَالَ فَقَامَ خَالِيْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا يَوْمٌ اَللَّحْمُ فِيْهِ مَكْرُوْهٌ وَاِنِّيْ عَجَّلْتُ نُسُكِيْ لِاُطْعِمَ اَهْلِيْ وَ اَهْلَ دَارِيْ او جِيْرَانِيْ قال فَاَعِدْ ذِبْحًا اٰخَرَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدِيْ عَنَاقُ لبنٍ و هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ اَفَاَذْبَحُهَا قال نَعَمْ وهِيَ خَيْرُ نَسِيْكَتَيْكَ وَلَا تُجْزِءُ جَذَعَةٌ بَعْدَكَ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید قربان کے دن ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص اس وقت تک قربانی نہ کرے جب تک وہ نماز عید ادا نہ کرلے۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میرے ماموں کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج کے دن گوشت سے لوگ جلد اکتا جاتے ہیں، اس لئے میں نے جلدی قربانی کرلی ہے تاکہ اپنے گھر والوں کو اپنے محلے والوں کو (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اپنے پڑوسیوں کو (گوشت) کھلا دوں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم دوبارہ دوسری قربانی کرو انہوں نے عرض کی۔ لیکن اس کی عمر ایک سال سے کم ہے کیا میں اسے قربان کردوں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہاں وہ تمہاری بہترین قربانی ہوگی۔ لیکن تمہارے بعد کسی بھی شخص کے لئے ایک سال سے کم عمر بکری کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

بَابُ فِیْ كَرَاهِيَةِ اَكْلِ الْاُضْحِيَةِ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

باب ۱۳: تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانا مکروہ ہے

(۱۴۲۹) لَا يَأْكُلُ اَحَدُكُمْ مِنْ لَّحْمِ اُضْحِيَتِهٖ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: کوئی بھی شخص تین دن سے زیادہ قربانی کو گوشت نہ کھائے۔

یہ دو باب ہیں پہلے باب میں یہ مسئلہ ہے کہ قربانی کا گوشت صرف ایام قربانی (۱۰۔۱۲) میں کھا سکتے ہیں اس کے بعد نہیں کھا سکتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال یہ اعلان کرایا تھا کہ تین دن کے بعد کوئی قربانی کا گوشت نہ کھائے کیونکہ مدینہ منورہ میں باہر سے بہت مسلمان آ گئے تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ سب کو گوشت پہنچے مگر آئندہ سال بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اعلان کرایا کہ ایام قربانی کے بعد بھی قربانی کا گوشت کھا سکتے ہیں اور پہلے اعلان کی وجہ سمجھائی کہ وہ مصلحت تھی مسئلہ نہیں تھا۔

هذا يوم اللحم فيه مكروه حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایسا دن ہے جس میں گوشت مکروہ ہے طبیعت کو مرغوب نہیں اس میں اختلاف ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے اس کی کئی توجیہات ہیں۔

تشریح: توجیہ (۱): اے اللہ کے پیغمبر یہ قربانی کا دن ایسا ہے جس کے ابتدائی حصہ میں گوشت مرغوب ہوتا ہے ہر شخص کی رغبت ہوتی ہے اور دن کے آخیر حصہ میں غیر مرغوب ہو جاتا ہے بار بار کھا لینے کی وجہ سے یا دیکھنے کی وجہ سے اس وجہ سے کہ کیونکہ دن کے ابتدائی حصہ میں رغبت ہوتی ہے اور دن کے آخری حصہ میں رغبت باقی نہیں رہتی اس لیے میں نے خیال کیا کہ دن کے ابتدائی حصہ میں میں قربانی کرلوں تا کہ میرے اہل وعیال اور ہمسائے رغبت کے وقت گوشت کھالیں اس لیے میں نے قربانی کا جانور نماز سے پہلے پہلے ذبح کرلیا۔

توجیہ (۲): یہاں مضاف محذوف ہے کہنا یہ چاہیے کہ یہ ایسا دن ہے جس میں دوسرے گوشت کا سوال کرنا گوشت کا لالچ کرنا کہ فلاں گھر سے آئے گا فلاں گھر سے آئے گا پھر پکایا جائے گا پھر کھایا جائے گا یہ ناپسندیدہ ہے تو میں نے یہ خیال کیا کہ نماز سے پہلے ذبح کرلوں تا کہ میرے بچوں کو دوسروں سے سوال نہ کرنا پڑے تو عبارت یوں بنے گی: **هذا يوم سوال اللحم فيه مكروه هذا يوم طلب اللحم فيه مكروه.**

توجیہ (۳): یہ لفظ لحم نہیں ہے بلکہ لَحَم ہے حاء کی زبر کے ساتھ اب معنی ہوگا گوشت کی لالچ کرنا تو مطلب ہوگا یہ ایسا دن ہے جس میں گوشت کی لالچ رکھنا ناپسندیدہ ہے میں نے اس خیال سے کہ میرے بچوں کے دلوں میں لالچ نہ آئے نماز سے پہلے جانور ذبح کر دیا۔ الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا پہلا ارادہ ہو دوسرا ہو یا تیسرا ہو نماز سے پہلے اگر قربانی کا جانور ذبح کر دیا پھر بھی تمہیں دوبارہ قربانی کرنا ہوگی پہلے والی کفایت نہ کرے گی معلوم ہوا کہ شہری آدمی کے لیے جو شہر کے حکم میں ہے اس کے لیے نماز سے پہلے قربانی جائز نہ ہوگی تو انہوں نے فرمایا میرے پاس عناق لبن ہے عناق لبن میرے پاس بکری کا بچہ ہے جو مادہ ہے اور ابھی تک

دودھ پی رہا ہے آیا میں اس کی قربانی کرسکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قربانی کرلو عناق لبن ایک معنی یہ کیا گیا ہے اس قسم کی نسل کا ہے جو بڑے ہوکر دودھ زیادہ دیتا ہے عناق جس کی عمر سال سے کم ہو اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا یہ صرف تیرے لیے ہی جائز ہوگا۔

سوال: بچے کا تو دودھ ہوتا ہی نہیں تو عناق لبن کیسے کہا؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی دودھ پی رہا ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نسل کا ہے جو نسل بڑی ہوکر دودھ زیادہ دیتی ہے۔

بَابُ فِي الرُّخْصَةِ فِيْ اَكْلِهَا بَعْدَ ثَلَاثٍ

باب ۱۴: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کی اجازت

(۱۴۳۰) كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ لِيَتَّسِعَ ذُو الطَّوْلِ عَلٰى مَنْ لَا طَوْلَ لَهُ فَكُلُوْا مَا بَدَا لَكُمْ وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں پہلے تین دن سے زیادہ قربانی کو گوشت استعمال کرنے سے منع کیا تھا تاکہ صاحب حیثیت لوگ غریب لوگوں کو زیادہ گوشت دیں اب تم جتنا مناسب سمجھو اسے کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ کر کے رکھو۔

(۱۴۳۱) قُلْتُ لِاُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْهٰى عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيِّ قَالَتْ لَا وَلٰكِنْ قَلَّ مَنْ كَانَ يُضَحِّيْ مِنَ النَّاسِ فَاَحَبَّ اَنْ يُّطْعِمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّيْ وَلَقَدْ كُنَّا نَرْفَعُ الْكُرَاعَ فَنَاْكُلُهُ بَعْدَ عَشَرَةِ اَيَّامٍ.

ترجمہ: عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں: میں نے سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے قربانی کا گوشت استعمال کرنے سے منع کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ نہیں! بلکہ ایک مرتبہ لوگوں نے کم قربانی کی تو آپ ﷺ کو یہ اچھا لگا کہ وہ لوگ (جنہوں نے قربانی کی ہے) وہ ان کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے۔ (ام المومنین بیان کرتی ہیں) ہم لوگ تو ایک پایا سنبھال کر رکھ لیتے تھے اور اسے دس دن گزرنے کے بعد کھایا کرتے تھے۔

بَابُ فِي الْفَرَعِ وَالْعَتِيْرَةِ

باب ۱۵: فرع اور عتیرہ کا بیان

(۱۴۳۲) لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ وَالْفَرَعُ اَوَّلُ النِّتَاجِ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ فَيَذْبَحُوْنَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فرع اور عتیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ فرع جانور کے پیدا ہونے والے پہلے بچے کو کہتے ہیں جسے کافر اپنے بتوں کے لئے ذبح کیا کرتے تھے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْعَقِیْقَةِ

باب ۱۶: عقیقہ کا بیان

(۱۴۳۳) اَنَّهُمْ دَخَلُوْا عَلٰی حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَسَاَلُوْهَا عَنِ الْعَقِیْقَةِ فَاَخْبَرَتْهُمْ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَمَرَهُمْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُکَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِیَةِ شَاةٌ.

ترجمہ: یوسف بن مالک بیان کرتے ہیں: وہ لوگ سیدہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا، تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے لڑکے کے بارے میں لوگوں کو (عقیقے کے موقع پر) دو بکریاں ذبح کرنے اور لڑکی کے عقیقے پر ایک بکری ذبح کرنے کی ہدایت کی تھی۔

(۱۴۳۴) مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَةٌ فَاَهْرِیْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَاَمِیْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰی.

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچے کا عقیقہ ہوتا ہے تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی کو دور کردو (یعنی بال صاف کردو)۔

(۱۴۳۵) اَنَّ اُمَّ کُرْزٍ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنِ الْعَقِیْقَةِ فَقَالَ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْاُنْثٰی وَاحِدَةٌ وَلَا یَضُرُّکُمْ ذُکْرَانًا کُنَّ اَمْ اِنَاثًا.

ترجمہ: سیدہ ام کرز رضی اللہ عنہا نے یہ بات بیان کی ہے: میں نے نبی اکرم ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ لڑکے کے عقیقے میں دو بکریاں اور لڑکی کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی جائے گی اور وہ بکرا ہو یا بکری، اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

مذاہب فقہاء: عقیقہ: ① احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ ② شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک سنت ہے۔ ③ حنابلہ کے نزدیک سنت یا واجب ہے

دوسرا مسئلہ: ① امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کا عقیقہ یکساں ہے یعنی دونوں کا ایک بکری سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔
② باقی ائمہ کے نزدیک لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ مستحب ہے باب کی حدیث جمہور کی دلیل ہے۔

عقیقہ میں فدیہ کے معنی ہیں اس سے بچے کی بلائیں دور ہوتی ہیں آگے حدیث آرہی ہے کہ لڑکا گروی رکھا ہوا ہے کہ یعنی لڑکا معرض آفات میں رہتا ہے عقیقہ کے ذریعہ اس کو چھڑایا جاتا ہے۔ یعنی عقیقہ سے اس کی آفتیں ٹلتی ہیں اور لڑکے پر چونکہ لڑکی کی بہ نسبت آفتیں زیادہ آتی ہیں اس لیے شریعت نے لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ مسنون کیا اور لڑکی کی طرف سے ایک کا علاوہ ازیں لڑکے کی خوشی دو چند ہوتی ہے اس لیے عقیقہ کی مانگ کرنے والے بھی زیادہ ہوتے ہیں پس دو بکریاں ذبح کریں تا کہ سب کو گوشت پہنچے۔

بَابُ الْاَذَانِ فِیْ اُذُنِ الْمَوْلُوْدِ

باب ۱۷: نومولود کے کان میں اذان دینا

(۱۴۳۶) رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بِالصَّلٰوۃِ.

ترجمہ: عبید اللہ بن ابو رافع اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان دی جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں جنم دیا تھا۔

(۱۴۳۷) خَیْرُ الْاُضْحِیَۃِ الْکَبْشُ وَخَیْرُ الْکَفَنِ الْحُلَّۃُ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ سب سے بہترین قربانی مینڈھے کی ہے اور سب سے بہترین کفن حلہ ہے۔

(۱۴۳۸) کُنَّا وُقُوفًا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ بِعَرَفَاتٍ فَسَمِعْتُہُ یَقُوْلُ یَا اَیُّہَا النَّاسُ عَلٰی کُلِّ اَھْلِ بَیْتٍ فِیْ کُلِّ عَامٍ اُضْحِیَۃٌ وَعَتِیْرَۃٌ ھَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِیْرَۃُ ھِیَ الَّتِیْ تُسَمُّوْنَہَا الرَّجَبِیَّۃَ.

ترجمہ: حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ عرفات میں وقوف کیا ہوا تھا میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ اے لوگو! ہر گھر میں ہر سال ایک قربانی اور عتیرہ لازم ہے، کیا تم لوگ جانتے ہو عتیرہ سے مراد کیا ہے؟ یہ وہ چیز ہے، جسے تم "رجبیہ" کا نام دیتے ہو۔

اور یہ حکم اس لیے ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد پہلا کلمہ جو بچے کے کان میں پڑے وہ اللہ کا نام ہونا چاہیے اور اذان واقامت کی تخصیص اس لیے ہے کہ بچے کے دل ودماغ میں نماز کی اہمیت جاگزیں ہو اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے اور حدیث میں ہے کہ بچہ کو ولادت کے وقت شیطان ستاتا ہے جس سے بچہ چلاتا ہے۔ (بخاری حدیث ۳۴۳۱) پس ولادت کے بعد فورا اذان دینا شیطان کو بھگانے کے لیے بھی ہے تاکہ وہ بچہ کو پریشان نہ کرے۔

فائدہ: شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ اذان واقامت نماز جنازہ کے لیے ہیں یعنی ہر مسلمان کی پس مرگ جو نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے یہ اذان واقامت اس کے لیے ہے۔

باب

باب ۱۸: عقیقہ میں ایک بکری (کی قربانی)

(۱۴۳۹) عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاۃٍ وَقَالَ یَا فَاطِمَۃُ اِحْلِقِیْ رَاْسَہٗ وَتَصَدَّقِیْ بِزِنَۃِ شَعْرِہٖ فِضَّۃً قَالَ فَوَزَنَتْہُ فَکَانَ وَزْنُہٗ دِرْھَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْھَمٍ.

ترجمہ: امام محمد بن علی بن حسین (محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "حسن" کے عقیقہ پر ایک بکری ذبح کی تھی اور ارشاد فرمایا تھا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اس کے سر کے بال منڈوا دو اور ان بالوں کے وزن جتنی چاندی صدقہ کردو جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کا وزن کیا، تو اس کا وزن ایک درہم یا ایک درہم کے کچھ حصے جتنا تھا۔

(۱۴۴۰) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِكَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لائے آپ نے دو مینڈھے منگوائے اور انہیں ذبح کر دیا۔

(۱۴۴۱) شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْاَضْحٰى بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهٗ نَزَلَ عَنْ مِّنْبَرِهٖ فَاُتِيَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَّمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عید الاضحیٰ کے موقع پر عید گاہ میں موجود تھا جب آپ نے اپنا خطبہ ختم کیا، تو آپ منبر سے نیچے تشریف لائے آپ کے پاس ایک دنبہ لایا گیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے ذریعے اسے ذبح کیا اور یہ پڑھا۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ہر اس شخص کی طرف سے ہے۔ جو شخص قربانی نہ کر سکے۔

(۱۴۴۲) اَلْغُلَامُ مُرْتَهِنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَاْسُهٗ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بچہ اپنے عقیقے کے عوض میں رہن ہوتا ہے (اس کی پیدائش) کے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے گا، اس کا نام رکھا جائے گا اور اس کا سر مونڈھ دیا جائے گا۔

تشریح: نومولود کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا مسنون ہے اور اس کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ بچہ کا پیٹ سے باہر آنا ایسی نعمت ہے جس کا شکر بجالانا ضروری ہے کیونکہ بچہ جب تک پیٹ میں تھا اس کی دید سے محرومی تھی اور جب پیدا (ظاہر) ہوگیا تو اس سے آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور شکریہ ادا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ نعمت سے موازنہ کر کے شکر بجالایا جائے جیسے قابل زکوۃ مال کو گن کر اور حساب لگا کر زکواۃ ادا کرنا ویسے ہی اندازے سے زکوۃ نکالنے سے بہتر ہے اور نومولود کے بال پیٹ کی زندگی کا بقیہ ہیں اور ان کا دور کرنا نئ مستقل زندگی کی علامت ہے اس لیے جب وہ بال کاٹے جائیں اور نئی زندگی کا آغاز ہو تو بہترین طریقہ پر شکر بجالانے کے لیے ان کو چاندی سے تولنے کا حکم دیا۔

---✻---

باب

باب: امام کا عیدگاہ میں قربانی کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُّ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ الْاَضْحٰی بِالْمُصَلّٰی فَلَمَّا قَضٰی خُطْبَتَهٗ نَزَلَ عَنْ مِنْبَرِهٖ فَاُتِیَ بِكَبْشٍ فَذَبَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ وَغَيْرِهِمْ اَنْ يَّقُوْلَ الرَّجُلُ اِذَا ذَبَحَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالْمُطَّلِبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْطَبٍ يُقَالُ اَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ جَابِرٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدگاہ میں تھا۔ جب آپ ﷺ خطبے سے فارغ ہوئے تو منبر سے نیچے آ گئے۔ پھر ایک دُنبہ لایا گیا اور آپ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ" پڑھا۔ **ترجمہ:** "شروع اللہ کے نام سے اور اللہ بہت بڑا ہے، یہ میری طرف سے ہے اور میری امت کے ان افراد کی طرف سے جو قربانی نہیں کر سکتے۔" یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ کہ ذبح کرتے وقت "بِسْمِ اللہ واللہ اکبر" پڑھا جائے۔ ابن مبارکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں۔

تشریح: ① حضور ﷺ نے عیدگاہ میں قربانی دو وجہ سے کی تھی ایک اس لیے کہ لوگ ذبح کرنے کا طریقہ اور مسائل سیکھیں۔
② لوگوں کو ترغیب ہو اور وہ بھی قربانی کریں اس لیے کہ انسانی فطرت ہے الناس علی دین ملوکھم لوگ بڑوں کی پیروی کرتے ہیں۔

باب

عقیقہ کی حکمت

عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَةٍ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰی وَيُحْلَقُ رَاْسُهٗ.

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقے کے ساتھ مرتبط ہے (یعنی رہن ہے) لہٰذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کا عقیقہ کر دیا جائے اور پھر اس کا نام رکھ کر سر منڈوایا جائے۔

الغلام مرتھن العقیقۃ: اصل میں لفظ رہن ہے بعض نے اس کو مرتہن سے تعبیر کر دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نومولود بچہ اپنے عقیقہ کی وجہ سے محبوس رہتا ہے باقی اس کی کئی توجیہات ہیں:

توجیہ ①: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہر نومولود بچہ جو بچپن میں ہی وفات پا جائے وہ قیامت کے دن والدین کے حق میں سفارش کرے گا تو فرمایا کہ بچہ محبوس رہتا ہے یعنی والدین کے حق میں سفارش تب کریگا جب عقیقہ ہوا گر عقیقہ نہ کیا جائے

تو وہ بچہ ایسا نہیں کرے گا کہا گیا ہے کہ سب سے عمدہ مطلب یہی ہے۔

توجیہ ②: جس طرح شئی مرھونہ اور حبس عند المرتھن میں تلازم ہے بالکل ایسے ہی نومولود بچہ اور عقیقہ میں بھی تلازم ہے یعنی عقیقہ بھی ضروری ہے۔

توجیہ ③: یعنی بچہ کما ینبغی نشوونما پانے سے محبوس رہتا ہے اگر عقیقہ کیا جائے تو انتہائی عمدہ طریقے سے اس کی نشوونما ہوتی ہے۔

توجیہ ④: مس شیطان کے اثر میں محبوس رہتا ہے تاوقتیکہ اس کا عقیقہ کر دیا جائے اگر عقیقہ کر دیا جائے تو مس شیطان جو بوقت ولادت ہوا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔

توجیہ ⑤: نومولود بچہ بالوں کی گندگی میں محبوس رہتا ہے تاوقتیکہ اس کا عقیقہ کیا جائے اس لیے کہ جس دن اس کا عقیقہ کیا جائے گا اسی دن اس کے بالوں کا حلق ہوگا تو بالوں کی گندگی دور ہوگی۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ساتویں دن کی تخصیص کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی حکمت: ولادت اور عقیقہ کے درمیان فصل ضروری ہے کیونکہ ولادت کی ابتداء میں اہل خانہ زچہ بچہ کو سنوارنے میں مشغول ہوتے ہیں پس اس وقت میں عقیقہ کرنے کا حکم دینا مناسب نہیں اس سے گھر والوں کی مشغولیت دو چند ہو جائے گی۔

دوسری حکمت: کبھی جانور فوراً مہیا نہیں ہوتا تلاش کرنا پڑتا ہے پس پہلے ہی دن عقیقہ کرنے کا حکم دینے میں تنگی ہے اور سات دن سے معتد بہ فصل ہو جاتا ہے نہ کم نہ زیادہ اس لیے ساتویں دن عقیقہ کرنے کا حکم دیا۔ اور جانور ذبح کرنے کے بعد سر منڈانے میں حاجیوں کی مشابہت اختیار کی جاتی ہے اور ساتویں دن نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے نام رکھنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

باب

باب ۱۹: جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ بال نہ کٹوائے

(۱۴۴۳) مَنْ رَاٰی هِلَالَ ذِی الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَاْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ.

ترجمہ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں: جو شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ اپنے بال یا ناخن نہ کٹوائے۔

مذاہب فقہاء: جب ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو عام ازیں بطور وجوب کے ہو یا بطور تطوع کے ہو پس وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے آیا یہ حکم استحبابی ہے یا وجوبی ہے۔

(۱) جمہور کے ہاں یہ حکم استحبابی ہے باقی اس کے خلاف میں کراہت ہے یا نہیں؟

① احناف کہتے ہیں کہ کوئی کراہت نہیں ہے۔ ② امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ کراہت ہے۔

③ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم وجوبی ہے لیکن ان دونوں کے ماسواء خوشبو لگانا شادی شدہ لوگوں کا اپنی ازواج کے پاس جانا خصوصی انتفاع کرنا بالاجماع جائز ہے۔

اَبْوَابُ النُّذُوْرِ وَ الْاَیْمَانِ
منتوں اور قسموں کا بیان

ربط : پہلے ان احکام کا بیان تھا جو من جانب اللہ تھے اب ان احکام کا بیان ہے جو من جانب نفسہ یعنی جن کو بندہ اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔

نذر کے معنی منت اور یمین کے معنی ہیں قسم پھر منت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ منت ہے جس کو پورا کرنا واجب ہے اور دوسری وہ منت ہے جس کو پورا کرنا جائز نہیں مثلاً کسی نے منت مانی کہ اگر اس کا کام ہوگیا تو وہ دس روزے رکھے گا اس منت کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر منت مانی کہ اس کا کام ہوگیا تو وہ اپنے لڑکے کی قربانی کرے گا یا شراب پیئے گا اس منت کا وفا (پورا کرنا) جائز نہیں۔

شرعاً جس منت کا وفا واجب ہے اس کی تعریف ہے: ایجاب الانسان علی نفسه والتزامه من طاعة یکون الواجب من جنسها. یعنی کسی ایسی عبادت کو اپنے ذمے لازم کرنا اور اس کو سر لینا جس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت ہو جیسے روزہ نماز اور صدقہ وغیرہ کی منت مانی اور شرط پائی گئی تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور طاعۃ کی قید سے مباح چیزیں نکل گئیں مثلاً منت مانی کہ اگر اس کا کام ہوگیا تو وہ دو کلو ٹماٹر کھائے گا ظاہر ہے کہ یہ کام مباح ہے اس کے قبیل سے کوئی واجب عبادت نہیں اس لیے اس منت کا وفا ضروری نہیں اسی طرح کسی گناہ کے کام کی منت مانی تو بھی اس کا وفا جائز نہیں۔

یمین کی تعریف:

عقد قوی به عزم الحالف علی الفعل او الترك یعنی کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے قسم کھانے والے کا کسی کام کو کرنے کا یا نہ کرنے کا ارادہ پختہ ہو جائے۔ پھر یمین کی چار قسمیں ہیں۔

① **یمین منعقدہ:** آئندہ کسی ممکن کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنا جیسے میں کل روزہ رکھوں گا یا نہیں رکھوں گا۔

اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس قسم پر پکڑتے ہیں جس کو تم نے مضبوط کیا ہے۔ (المائدہ آیت ۸۹) یعنی اس کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہے۔

② **یمین لغو:** (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں ایک لوگ بول چال میں جو قسم کے ارادہ کے بغیر ہاں بخدا اور نہیں بخدا کہتے ہیں یہ یمین لغو ہے دوسری کسی گذشتہ بات پر اپنی دانست کے مطابق قسم کھانا جبکہ واقعہ میں ایسا نہ ہو جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ زید آیا ہے اس پر اعتماد کر کے قسم کھائی کہ وہ آ گیا پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آیا تو یہ یمین لغو ہے اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ اس قسم کے بارے میں ارشاد پاک ہے اللہ تم کو تمہاری بیہودہ قسموں پر نہیں پکڑتے (مائدہ آیت ۸۹) یعنی اس میں کفارہ واجب نہیں۔

③ **یمین غموس:** قاضی کے سامنے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا تا کہ اپنے حق میں فیصلہ کرا کے کسی مسلمان کا مال ہتھیا لے یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔ (مشکوۃ حدیث ۵۰ باب الکبائر) اسی طرح اگر کسی گزشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی تو وہ بھی یمین غموس ہے اور گناہ کبیرہ ہے احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں یہ سخت گناہ ہے توبہ لازم ہے۔

④ **یمین محال:** کسی محال عقلی یا عادی کی قسم کھانا۔ محال عقلی جیسے رات دن کو یکجا کر دینے کی قسم کھانا اور محال عادی جیسے آسمان پر چڑھنے کی قسم کھانا۔ آخری دونوں قسموں میں قرآن وحدیث میں کوئی نص نہیں ہے اس لیے ان میں اختلاف ہوا ہے کہ کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ یمین غموس میں صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے دیگر آئمہ کے نزدیک واجب نہیں وہ اتنا بھاری گناہ ہے کہ کفارہ سے نہیں ڈھل سکتا توبہ ہی سے معاف ہوسکتا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۲۵ میں ارشاد پاک ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (آخرت میں) تمہاری داروگیر نہ فرمائیں گے تمہاری بیہودہ قسموں پر البتہ اس پر داروگیر فرمائیں گے جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے (مراد یمین غموس ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں۔

اور محال کی قسم میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ انعقاد یمین کے لیے امکان برشرط ہے اس لیے ان کے نزدیک ایسی قسم منعقد نہیں ہوتی پس کفارہ واجب نہیں۔

نذر وایمان کے درمیان ربط: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ نذر پسندیدہ ہے نہ قسم چنانچہ بکثرت قسم کھانا ممنوع ہے اگر قسم کھانا نیکی کا کام ہوتا تو اس کی کثرت مطلوب ہوتی جیسے نماز اور روزے وغیرہ کی کثرت مطلوب ہے لیکن چونکہ یہ ایک معاشرتی ضرورت ہے لوگ بات چیت قول وقرار اور معاملات میں قسمیں کھاتے ہیں اس لیے فی الجملہ اس کو مشروع کیا گیا ہے اسی طرح نذر متعلق بھی ناپسندیدہ ہے حدیث میں ہے کہ منت نہ مانا کرو کیونکہ منت تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اس کے ذریعہ بس بخیل کی جیب سے مال نکال لیا جاتا ہے (اور نقدیر منجز یعنی کسی چیز پر معلق کئے بغیر کوئی عبادت مقصودہ اپنے ذمے لازم کرنا پسندیدہ ہے) مگر چونکہ وہ بھی ایک معاشرتی ضرورت ہے جب لوگ پریشانیوں میں خاص طور پر بیماریوں میں پھنستے ہیں اور علاج معالجہ میں لاکھوں روپے اڑا دیتے ہیں پھر جب اس طرف سے مایوسی ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور آخری علاج کے طور پر راہ خدا میں خرچ کرنے کا عہد کرتے ہیں اس لیے اس کو بھی فی الجملہ مشروع کیا گیا اور یہ بات یعنی دونوں کا دراصل ناپسندیدہ ہونا اور معاشری ضرورت سے فی الجملہ مشروع ہونا دونوں کے درمیان مشترک امر ہے اس لیے کتب حدیث اور کتب فقہ میں دونوں کے احکام ساتھ ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ لَّا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ

باب ۱: گناہ کے کام کی منت ماننا جائز نہیں

(۱۴۴۲) لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا گناہ کے کام سے متعلق نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے

اور اس کا کفارہ وہی ہے، جو قسم کا کفارہ ہے۔

(۱۴۴۵) لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَ كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے متعلق نذر کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔

مذاہب فقہاء: ① امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی لہٰذا اگر کوئی شخص کسی گناہ کے کام کی نذر مانے تو وہ نذر بے کار ہے پس کفارہ بھی واجب نہیں۔

② اور امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اگر چہ اس کا وفا جائز نہیں پس قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

③ لا نذر فی معصیة: میں نفی کس چیز کی ہے انعقاد کی یا وفا کی؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انعقاد کی نفی ہے یعنی نذر معصیت منعقد ہی نہیں ہوتی۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وفا کی نفی ہے۔ یعنی نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے مگر اس کا پورا کرنا جائز نہیں اور دلیل اگلا جملہ ہے کہ اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے معلوم ہوا کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اس وجہ سے کفارہ واجب ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ معصیت کی نذر ماننا حرام کو حلال کرنا ہے جو بحکم یمین ہے جیسا کہ اس کے برعکس صورت یعنی حلال کو حرام کرنا یمین ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو حرام کیا تھا چنانچہ سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہد استعمال کریں اور قسم کا کفارہ دیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد استعمال فرمایا اور کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔

فائدہ: باب میں حضرت عمران کی صحیح حدیث موجود ہے جو نسائی (حدیث ۳۸۴۵) میں ہے اس کے الفاظ بہت واضح ہیں:

قال: النذر نذران فما كان من نذر فی طاعة الله فذلك لله وفيه الوفاء وما كان من نذر فی معصية الله فذلك للشيطان ولا وفاء فيه ويكفره ما يكفر اليمين.

یعنی نذر یہ شیطان کے لیے ہے اور اس کو پورا کرنا جائز نہیں اور اس کا گناہ وہ چیز مٹاتی ہے جو قسم (توڑنے) کا گناہ مٹاتی ہے یعنی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے اس کا گناہ مٹ جاتا ہے۔

باب

باب ۲: جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری (کے کام) سے متعلق نذر مانے وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے

(۱۴۴۶) مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری (کے کام) کی نذر مانے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (کے کام) کی نذر مانے وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔

بَابُ لَانَذْرَ فِیْ مَالَا یَمْلِکُ ابْنُ اٰدَمَ

باب ۳: آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اس سے متعلق نذر کی کوئی حیثیت نہیں ہے

(۱۴۴۷) لَیْسَ عَلَی الْعَبْدِ نَذْرٌ فِیْمَا لَا یَمْلِكُ.

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اس (کے بارے میں) نذر بندے پر لازم نہیں ہوتی۔

اپنی مملوکہ چیز کی نذر ماننا بالاجماع جائز ہے البتہ غیر مملوک کی بوقت نذر نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟

① احناف کہتے ہیں کہ اگر نسبت الی الملک ہو یا الی سبب الملک ہو تو نذر جائز ہوگی وگرنہ نذر جائز نہ ہوگی مثلاً یوں کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی اور فلاں غلام کو میں نے خرید لیا تو وہ آزاد ہے اور اگر نہ ملک کی طرف نسبت ہے اور نہ سبب ملک کی طرف تو یہ بالاجماع ناجائز ہے مثلاً یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی تو فلاں کا غلام آزاد ہے۔

② شوافع کے نزدیک نذر منعقد نہیں ہوگی ان کی دلیل حدیث الباب ہے: لَیس عَلَی العبدِ نَذْرٌ فِیما لا یَمْلِكُ

جواب: یہ اس صورت پر محمول ہے جس میں نہ ملک کی طرف نسبت ہو اور نہ سبب ملک کی طرف نسبت ہو۔

بَابُ فِیْ كَفَّارَةِ النَّذْرِ اِذَا لَمْ یُسَمِّ

باب ۴: غیر متعین نذر کا کفارہ

(۱۴۴۸) كَفَّارَةُ النَّذْرِ اِذَا لَمْ یُسَمِّ كَفَّارَةُ یَمِینٍ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی نے نذر متعین نہ کی ہو تو اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔

بَابُ فِیْمَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاٰی غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا

باب ۵: قسم کھائی پھر اس کے علاوہ میں بھلائی دیکھی تو کیا کرے؟

(۱۴۴۹) یَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْاَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اَتَتْكَ عَنْ مَسْاَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَیْهَا وَاِنْ اَتَتْكَ عَنْ غَیْرِ مَسْاَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَیْهَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاَیْتَ غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا فَاْتِ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَلْتُكَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِكَ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمٰن! تم حکومت نہ مانگنا کیوں اگر یہ مانگے بغیر تمہیں مل گئی تو اس کے بارے میں تمہاری مدد کی جائے گی اور جب تم کوئی قسم اٹھاؤ اور پھر اس کے برعکس کام کو اس سے

زیادہ بہتر سمجھو تو وہ کام کرو جو زیادہ بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دو۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی بات پر قسم کھالیتا ہے مثلاً ماں باپ سے یا بہن بھائی سے نہیں بولے گا پھر جب غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے تو پچھتاتا ہے اور قسم ایمان میں سے ہے جب کھالی، کھالی اب وہ ختم نہیں ہوسکتی اس لیے شریعت نے حکم دیا کہ اس قسم پر برقرار مت رہو قسم توڑ دو اور کفارہ دے دو۔

بَابُ فِی الْکَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ

باب ٦: قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا

(۱۴۵۰) مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِّنْھَا فَلْیُکَفِّرْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَلْیَفْعَلْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کوئی قسم اٹھائے اور اس کے برعکس کام کو اس سے زیادہ بہتر سمجھے تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور وہ کام کرے (جو زیادہ بہتر ہو)

مذاہب فقہاء: کفارۃ قبل الحنث جائز ہے یا نہیں؟ ① احناف کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں عام ازیں کہ کفارہ مالیہ ہو یا غیر مالیہ ② حنابلہ کے نزدیک مطلقا جائز ہے اور ③ شوافع کے نزدیک اگر غیر مالیہ ہو تو پھر تقدیم جائز نہیں اگر مالیہ پر تو تقدیم جائز ہے۔ احادیث دونوں قسم کی ہیں تو ضرورت ہے کہ درایت کے ذریعے ترجیح دی جائے اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ کفارہ کا سبب کیا ہے تو احناف کے نزدیک کفارہ کا سبب حنث ہے اور شوافع اور مالکیہ کہتے ہیں کہ کفارہ کا سبب یمین ہے احناف کا قول زیادہ راجح ہے ظاہر ہے کہ سبب کے پائے جانے سے پہلے پہلے ادائیگی صحیح نہیں باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ کفارہ کا سبب حنث ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ کفارہ تکفیر سے ہے یعنی مکفر الاثم ہونا اب گناہ حنث میں سے ہے نہ کہ یمین سے اور یمین تو سیئہ کے قبیل سے نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قسم اٹھانا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قسم اٹھانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یمین سیئہ کے قبیل سے نہیں ہے تو یہ کفارہ کا سبب بن نہیں سکتی پس لامحالہ سبب حنث ہے۔ لہٰذا حنث ہوگا تو سبب پایا جائے گا حنث نہیں ہوگا تو سبب نہیں پایا جائے گا اور کفارہ بھی لازم نہ ہوا اور دیگر ائمہ کے ہاں کیونکہ سبب یمین ہے اس لئے سبب پایا گیا اس لئے کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ فِی الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْیَمِیْنِ

باب ۷: قسم کے ساتھ ان شاء اللہ ملا کر کہنے کا حکم

(۱۴۵۱) مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَقَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ فَلَا حِنْثَ عَلَیْہِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی قسم اٹھائے اور پھر ان شاء اللہ کہہ دے تو وہ قسم توڑنے والا شمار نہ ہوگا۔

(۱۴۵۲) مَنْ حَلَفَ فَقَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ فَلَا حِنْثَ عَلَیْہِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی قسم اٹھائے اور پھر ان شاء اللہ کہہ دے تو وہ قسم توڑنے والا نہیں ہوگا۔

(۱۴۵۲) اِنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى سَبْعِيْنَ اِمْرَاَةً تَلِدُ كُلُّ امْرَاَةٍ غُلَامًا فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَلِدِ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا امْرَاَةٌ نِصْفَ غُلَامٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَكَانَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے یہ بات کہی کہ آج رات میں اپنی ستر بیویوں کے ساتھ صحبت کروں گا ان میں سے ہر ایک بچے کو جنم دے گی۔ تو حضرت سلیمان نے ان تمام ازواج کے ساتھ صحبت کی لیکن ان میں سے صرف ایک خاتون نے نامکمل بچے کو جنم دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو اسی طرح ہوتا جیسے انہوں نے کہا تھا۔

ابواب الایمان کے اندر جب لفظ استثناء آئے تو مراد ان شاء اللہ کا کلمہ ہے اگر حالف حلف کے ساتھ ساتھ ان شاء اللہ کہدے تو اگر یہ استثناء موصولا ہو تو موثر ہے یمین منعقد نہیں ہوگی اور اگر مفصول ہو درمیان میں وقفہ ہو بلا کسی عذر کے اس کے بعد استثناء کرے تو یہ استثناء موثر نہ ہوگی یعنی یمین کے انعقاد سے مانع نہیں ہے ائمہ اربعہ کا اسی مسئلہ پر اجماع ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ مفصولا بھی استثناء موثر ہے مگر ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول نقل نہیں۔

اور یہی حکم طلاق، عتاق، نکاح اور رجعت وغیرہ تمام ایمان کا ہے جن میں اقالہ نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص بیوی سے کہے: انت طالق ان شاء اللہ (اگر اللہ چاہے تو تجھے طلاق) تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اللہ نے چاہا یا نہیں اس کا پتہ نہیں چل سکتا۔

لم یحنث حانث نہ ہونا یمین کے منعقد نہ ہونے کی وجہ سے ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ خطاء ہے خطاء عبدالرزاق سے ہوئی۔

بَابُ فِيْ كَرَاهِيَةِ الْحَلْفِ بِغَيْرِ اللّٰهِ

باب ۸: غیر اللہ کی قسم کھانا ممنوع ہے

(۱۴۵۳) سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ عُمَرَ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاَبِيْ وَاَبِيْ فَقَالَ اَلَا اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَاءِكُمْ فَقَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا حَلَفْتُ بِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ ذَاكِرًا وَلَا اٰثِرًا.

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا، میرے باپ کی قسم میرے باپ کی قسم تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ خبردار! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات سے منع کر دیا ہے کہ تم لوگ اپنے باپ دادا کی قسم اٹھاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کے بعد میں نے جان بوجھ کر یا بھول کر کبھی بھی (باپ دادا کی) قسم نہیں اٹھائی۔

(۱۴۵۴) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَدْرَكَ عُمَرَ وَهُوَ فِيْ رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِاَبِيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ

اَن تَحلِفُوا بِاٰبَاءِ کُم لِیَحلِف حَالِفٌ بِاللّٰہِ اَولِیَسکُتْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا وہ اس وقت چند سواروں کے درمیان تھے اور اپنے والد کے نام کی قسم اٹھا رہے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو اس بات سے منع کر دیا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کی قسم اٹھاؤ، قسم اٹھانے والے شخص کو اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانی چاہیے یا پھر خاموش رہنا چاہیے۔

(۱۴۵۵) اَنَّ ابْنَ عُمَرَ سَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ لَا وَالْکَعْبَةِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ یَحْلِفُ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ کَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ.

ترجمہ: سعد بن عبیدہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کی قسم اٹھاتے ہوئے سنا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی ہے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص غیر اللہ کی قسم اٹھائے اس نے کفر کیا (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اس نے شرک کیا۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی تین صورتیں ہیں:

اوّل: حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا یہ شرک ہے۔ **دوم:** تکیہ کلام کے طور پر غیر اللہ کی قسم کھانا۔ **سوم:** دلیل کو بصورت قسم ذکر کرنا۔ یعنی جس چیز کی قسم کھائی جائے وہ حقیقت میں قسم نہ ہو بلکہ دلیل ہو قرآن کریم میں کائناتی چیزوں کی جو قسمیں کھائی گئی ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں یعنی وہ سب دلیلیں ہیں جو قسم کی صورت میں لائی گئی ہیں مثلاً سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی ہیں پھر فرمایا ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝﴾ چاروں قسمیں اس مقسم بہ کی دلیل ہیں یہ جائز ہے کیونکہ یہ حقیقت میں قسمیں نہیں ہیں اسی طرح بطور تکیہ کلام غیر اللہ کی قسم کھانا بھی جائز ہے اور وہ بمنزلہ یمین لغو کے ہے مثلاً عربی میں تکیہ کلام کے طور پر قسم کھاتے ہیں **لعمرك** تیری زندگی کی قسم **لعمری** میری زندگی کی قسم **ای و** **ایعنی ای واللہ** ہاں بخدا! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ایک واقعہ میں قسم کھائی ہے **وقرۃ عینی** میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم یہ قسمیں بمنزلہ لغو یمین ہے ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ البتہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا گناہ کبیرہ اور شرک ہے اور غیر اللہ کی حقیقتاً قسم کھانا یہ ہے کہ دو باتوں کا اعتقاد کر کے قسم کھائے ایک جس کی قسم کھاتا ہے اس کی عظمت کا اللہ کی عظمت کی طرح اعتقاد ہو دوسرے اللہ کے نام کی بے حرمتی کی طرح غیر اللہ کی بے حرمتی پر گناہ اور وبال کا اعتقاد ہو مثلاً کوئی پیران پیر (حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) کی قسم کھاتا ہے تو ان دونوں باتوں کا اعتقاد ہوتا ہے اس لیے وہ شرک ہے۔

اس باب کی پہلی حدیث کا مطلب سابقہ باب کی تشریح میں گذرا ہے اس کی دوسری حدیث میں ہے: **من قال فی حلفة وبِلات والعزی فلیقل لا الہ الا اللہ** اگر اس قسم سے مراد لات اور عزیٰ کی تعظیم ہو تو چونکہ یہ کفر ہے اس لیے ایمان کی تجدید ضروری ہے وہ دخول فی الاسلام کی نیت سے **لا الہ الا اللہ....الخ** پڑھ کر تجدید کرے لیکن ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کی زبان غیر اختیاری طور پر سابقہ عادت کی وجہ سے اس پر جاری ہو جائے تو وہ تہمت سے بچنے اور زبان کو صاف کرنے کے لیے کلمہ پڑھ لے **کذا فی العارضة والکوکب الدری والحاشیة**۔

مسئلہ: غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی جیسے رسول اللہ کی قسم! کعبہ کی قسم، باپ کی قسم، بچے کی قسم وغیرہ اس طرح کی قسم کھا کر اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو کفارہ واجب نہیں البتہ غیر اللہ کی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

قرآن کریم کی قسم: کلام اللہ کی قسم ہے جو اللہ کی صفت ہے پس جائز ہے البتہ قرآن کو ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی مگر قسم نہیں کھائی تو قسم نہیں ہوئی۔

بَابُ فِیْ مَنْ یَحْلِفُ بِالْمَشْیِ وَلَا یَسْتَطِیْعُ

باب ۹: جو شخص پیدل چلنے کی قسم اٹھائے حالانکہ وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو

(۱۴۵۶) نَذَرَتِ امْرَأَةٌ اَنْ تَمْشِیَ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ فَسُئِلَ نَبِیُّ اللّٰہِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنْ مَشْیِهَا مُرُوْهَا فَلْتَرْكَبْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک عورت نے بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر مانی، نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے تم اس سے کہو کہ وہ سوار ہو جائے۔

(۱۴۵۷) مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِشَیْخٍ كَبِیْرٍ یَتَهَادٰی بَیْنَ ابْنَیْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَذَرَ اَنْ یَّمْشِیَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ لَغَنِیٌّ عَنْ تَعْذِیْبِ هٰذَا نَفْسَهٗ قَالَ فَاَمَرَهٗ اَنْ یَّرْكَبَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ ایک بڑی عمر کے صاحب کے پاس سے گزرے جو اپنے دو بیٹوں کے سہارے چل رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ ان کا کیا معاملہ ہے لوگوں نے بتایا۔ رسول اللہ ﷺ! انہوں نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان صاحب کے اپنی ذات کو تکلیف دینے سے بے نیاز ہے، راوی بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان صاحب کو ہدایت کی کہ وہ سوار ہو جائیں۔

اس پر اتفاق ہے کہ اس قسم کے الفاظ سے حج یا عمرہ بطور نذر واجب ہو جاتا ہے اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر مقام نذر کی دوری یا کسی اور مجبوری کی بنا پر پیدل پا جانا دشوار ہو تو سوار ہو کر جانا جائز ہے۔ اور اگر پیدل چلنا دشوار ہو تو سوار ہو کر جائے اس صورت میں ایک ہدی اور استطاعت نہ ہونے کی صورت میں تین روزے واجب ہوں گے۔

بَابُ فِیْ كَرَاهِیَةِ النُّذُوْرِ

باب ۱۰: نذر ماننے کا مکروہ ہونا

(۱۴۵۸) لَا تَنْذِرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْقَدْرِ شَیْئًا وَاِنَّمَا یُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِیْلِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اس کے ذریعے کنجوس آدمی کا مال نکلوایا جاتا ہے۔

اعتراض: نذر مت مانو کیونکہ نذر تقدیر کو ٹال نہیں سکتی ماقبل کی احادیث اور آیت قرآنیہ ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (الحج: ۲۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر جائز ہے اور یہاں پر منع آ گیا؟

جواب: مطلقاً نذر سے نہی نہیں ہے بلکہ خاص نذر سے روکنا مقصود ہے جبکہ نذر ماننے والا نذر کو تقدیر کے ٹل جانے کے اندر مؤثر بالذات سمجھ رہا ہو تو یہ عقیدہ فاسدہ ہے اس عقیدہ کے ساتھ نذر مانو اس صورت میں یہ نہی تحریمی ہوگی۔

بعنوان ثانی کہ عمومی طور پر ناذر کا مقصود نذر سے جلب منفعت ہوتا ہے یا دفع مضرت ہوتا ہے اور یہ ایک قسم کا معاوضہ بن جاتا ہے اور معاوضہ پر کام کرنا بخیلوں کا کام ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بعض جلب منفعت اور دفع مضرت کی وجہ سے نذر ماننی مناسب نہیں ہے اس صورت میں نہی تنزیہی ہوگی

① بعنوان ثالث نذر دو قسم پر ہے نذر مطلقاً لله علی ان اصوم یوم الجمعة کسی مقصد کے حصول کے ساتھ معلق نہیں۔

② نذر معلق کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو اتنا مال صدقہ کروں گا حدیث کا مدلول نذر مطلق سے روکنا ہے باقی نذر معلق سے روکنا اس وجہ سے ہے کہ عمومی طور پر لوگ اس کو ردّ تقدیر میں مؤثر بالذات سمجھتے ہیں اگر نذر معصیت کی ہو تو اس کو پورا کرنا صحیح نہیں ہے۔

بَابٌ فِيْ وَفَاءِ النَّذْرِ

باب ۱۱: نذر کو پورا کرنا

(۱۴۵۹) قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا (میں نے یہ نذر) زمانہ جاہلیت میں مانی تھی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اپنی نذر کو پورا کرو۔

اوف بنذرك: اپنی اس نذر کو پورا کرلو اس میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے زمانہ کفر میں نذر مانی تو آیا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا واجب ہے؟ یا نہیں؟

مذاہب فقہاء: ① کہ بعض شافعیہ کے نزدیک واجب ہے۔ ② جمہور کے نزدیک واجب نہیں۔

شافعیہ کا استدلال: حدیث باب میں صیغہ امر سے ہے جو ایجاب کے لیے آتا ہے جبکہ جمہور کا استدلال یہ ہے کہ اسلام ماقبل اسلام کے جملہ افعال واعمال کے لیے ہادم ہے اور یہ کہ کافر کی نذر بذات خود منعقد ہوتی نہیں ہے کہ نذر تو عبادت ہے جس کے لیے اسلام شرط ہے لہٰذا ایفاء بھی لازم نہیں۔

جواب: حدیث باب کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ جب آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ارادہ کر چکے ہیں اس لیے بطور تطوع واستحباب کے اجازت دے دی۔

رہا یہ مسئلہ کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یا نہیں؟ تو اس کی تفصیل باب ماجاء فی الاعتکاف میں گزری ہے۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ يَمِيْنُ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۱۲: نبی اکرم ﷺ (کن الفاظ میں) قسم اٹھاتے تھے

(۱۴۶۰) كَثِيْرًا مَّا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَحْلِفُ بِهٰذِهِ الْيَمِيْنِ لَا وَ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ.

ترجمہ: سالم بن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ اکثر اوقات ان الفاظ میں قسم اٹھایا کرتے تھے۔ "دلوں کو پھیرنے والی ذات کی قسم"

تشریح: لا ومقلب القلوب یہ مقسم بہ کا بیان ہے جبکہ کلمہ لا کلام سابق کی نفی کے لیے ہے تقلیب قلوب سے مراد احوال اور رائے کا بدلنا ہے احیاء العلوم میں جہاں قلب کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد یہ گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ایک لطیفہ غیبیہ ہے جو مسکن روح ہے۔ واللہ اعلم

ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں اس سے معلوم ہوا کہ اسم اعظم یعنی اللہ کے علاوہ دیگر افعال باری تعالیٰ وصفاتہ کی قسم کھانا بھی جائز ہے تاہم حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے علم کی قسم کھائی جیسے وعلم اللہ کہا تو یمین منعقد نہ ہوگی بخلاف وقدرۃ اللہ کیونکہ علم بمعنی معلوم بھی آتا ہے جیسے: ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ..... الآیة﴾

بَابُ فِيْ ثَوَابِ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً

باب ۱۳: غلام آزاد کرنے کا ثواب (پہلا باب)

(۱۴۶۱) مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً اَعْتَقَ اللهُ مِنْهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ حَتّٰى يُعْتِقَ فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص مؤمن غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر ایک عضو کے عوض میں اس آزاد کرنے والے کے ایک عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس غلام کی شرمگاہ کے عوض اس شخص کی شرمگاہ کو بھی آزاد کر دے گا۔

یہ باب ابواب الایمان والنذور میں اس لیے لائے ہیں کہ قسم کے کفارہ میں غلام بھی آزاد کیا جاتا ہے اور غلام آزاد کرنے کی منت بھی مانی جاتی ہے اس مناسبت سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں غلام آزاد کرنے کا ثواب بیان کیا ہے۔

بَابُ فِي الرَّجُلِ يَلْطِمُ خَادِمَهٗ

باب ۱۴: خادم اور غلام کو تھپڑ مارنے کی سزا

(۱۴۶۲) لَقَدْ رَاَيْتُنَا سَبْعَةَ اِخْوَةٍ مَا لَنَا خَادِمٌ اِلَّا وَاحِدَةٌ فَلَطَمَهَا اَحَدُنَا فَاَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ اَنْ نُّعْتِقَهَا.

ترجمہ: حضرت سوید بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے اپنے بارے میں یہ بات یاد ہے ہم سات بھائی تھے اور ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا ہم میں سے ایک بھائی نے اسے طمانچہ رسید کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ ہدایت کی کہ ہم اس (غلام) کو آزاد کر دیں۔

اس پر اجماع ہے کہ یہ امر ندب واستحباب کے لیے تھا کیونکہ تھپڑ مارنا آزاد کرنے کے لیے موجب نہیں بالاتفاق تاہم مستحب ہے کہ اسے آزاد کیا جائے تاکہ قیامت کے دن بدلہ چکانے کی نوبت ہی نہ آئے۔

باب

باب ۱۵: اسلام کے علاوہ مذہب کی جھوٹی قسم کھانا حرام ہے

(۱۴۶۳) مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ:

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کی جھوٹی قسم اٹھائے تو وہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اس نے کہا ہے۔

(۱۴۶۴) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اُخْتِيْ نَذَرَتْ اَنْ تَمْشِيَ اِلَى الْبَيْتِ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ اُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری بہن نے یہ نذر مانی ہے۔ وہ بیت اللہ پیدل جائے گی۔ چادر اوڑھے بغیر، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کے اس سختی کو جھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس عورت کو چاہیے کہ وہ سوار ہو جائے اور چادر بھی اوڑھ لے اور (قسم کے کفارے کے طور پر) تین دن روزے رکھے۔

(۱۴۶۵) من حَلَفَ مِنكم فقال فِي حَلْفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ومَنْ قَالَ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ تم میں سے جو شخص قسم اٹھاتے ہوئے "لات" اور "عزیٰ" کی قسم اٹھائے تو اسے کلمہ پڑھنا چاہیے اور جو شخص یہ کہے۔ آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں اسے صدقہ کرنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص یہ قسم اٹھالے کہ میرا یہ کام نہ ہوا تو نصرانی یا مجوسی ہو جاؤں گا اگر اس کا قصد وارادہ نصرانی یا مجوسی ہونے کا ہو تو ہو جائے گا اور اگر محض تاکید ہو تو کافر نہ ہوگا بلکہ گناہ گار ہوگا باقی کفارہ بھی ہوگا یا نہیں۔ احناف کے نزدیک کفارہ بھی واجب ہوگا حقیقت قسم کے پائے جانے کی وجہ سے اور حنابلہ کے نزدیک کفارہ نہ ہوگا کیونکہ قسم نہیں پائی گئی۔

---*---

باب

باب: ننگے پاؤں ننگے سر حج کرنے کی منت ماننا

عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَّ اُخْتِيْ نَذَرَتْ اَنْ تَمْشِيَ اِلَى الْبَيْتِ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ اللهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ اُخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ.

ترجمہ:۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ بیت اللہ ننگے پاؤں اور بغیر چادر کے چل کر جائے گی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کی اس سختی کو جھیلنے کی ضرورت نہیں۔ اسے چاہیے کہ سوار ہو اور چادر اوڑھ کر جائے اور تین روزے رکھے۔

تشریح: یہاں نذر دو چیزوں کی ہے پیدل چل کر جانے کی (۲) دوپٹہ نہ اوڑھنے کی اب جس صفت پر کعبۃ اللہ جانے کی نذر مانی تھی وہ پورا نہ کیا اس لیے ھدی لازم آئے گی اگرچہ اس میں ذکر نہیں ہے لیکن اس مضمون سے متعلق دوسری احادیث میں اس کا ذکر ہے دوسرا یہ تھا کہ سر کو نہیں ڈھانپوں گی تو یہ معصیت ہے اور معصیت کی نذر منعقد تو ہو جاتی ہے البتہ ایفاء جائز نہیں ہوتا بلکہ حکم ہے کہ کفارہ یمین ادا کرے یعنی تین دن کے روزے رکھے اس حدیث میں آپ ﷺ نے ھدی کا بھی حکم دیا ہے اور تین روزوں کا بھی حکم دیا ہے لیکن بعض حضرات نے صرف ھدی کا ذکر کیا اور بعض نے صرف تین روزوں کا ذکر کیا ہے۔

تشریح: حدیث کے حصہ اولیٰ کے متعلق بحث "باب فی کراھیۃ الحلف بغیر اللہ" کے بعد والے باب بلا ترجمہ میں گزری ہے۔

بَابُ قَضَاءِ النَّذْرِ عَنِ الْمَيِّتِ

باب ۱۶: میت کی طرف سے نذر کو پورا کرنا

(۱۴۶۶) اَنَّ سعدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ نَذْرٍ كَانَ عَلٰى اُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ اَنْ تَقْضِيَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِقْضِ عَنْهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے نذر کا مسئلہ دریافت کیا۔ جو ان کی والدہ کے ذمے لازم تھی اور ان کی والدہ کا اسے پورا کرنے سے پہلے انتقال ہو گیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اس خاتون کی طرف سے اسے پورا کردو۔

کسی نے نذر مانی اور نذر پوری کرنے سے پہلے پہلے مر گیا ایسی صورت میں اس کے ورثاء پر عہد کا ایفاء ہوگا۔

عندالاحناف تفصیل یہ ہے کہ وہ نذر بدنی عبادت کی ہوگی یا مالی عبادت کی ہوگی مثلاً یہ کہا کہ سو رکعت نفل پڑھوں گا یا تین روزے رکھوں گا تو پھر ورثاء پر پورا کرنا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ بدنی عبادت میں نیابت جاری نہیں ہوتی اور اگر مالی نذر ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں ہے وصیت کی ہوگی یا نہیں اگر وصیت کی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ ثلث مال کے ساتھ پوری ہو سکتی

ہے یا نہیں اگر ہو سکتی ہے تو پورا کرنا ضروری ہے اگر وصیت کی ہی نہیں یا ثلث مال سے پوری نہیں ہو سکتی تو ان دونوں صورتوں میں تبرع ہوگا یعنی ادا کرنا جائز ہوگا واجب نہ ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد کو حکم دیا کہ اپنی والدہ کی نذر پوری کرو دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر مانی تھی باقی اگر وصیت کی ہے تو پورا کرنا وجوبی ہے ورنہ تبرعا پورا کرے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي فَضْلِ مَنْ أَعْتَقَ

باب ۱۷: غلام آزاد کرنے کا ثواب (دوسرا باب)

(۱۴۶۷) أَيُّمَا امْرِءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَاءٍ مُسْلِمًا كَانَ فِكَاكُهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ وَأَيُّمَا امْرِءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُمَا عُضْوًا مِّنْهُ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فِكَاكَهَا مِنَ النَّارِ يُجْزِئُ كُلُّ عُضْوٍ مِّنْهَا عُضْوًا مِّنْهَا.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے، جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کر دے تو وہ غلام اس کے لئے جہنم (سے بچاؤ کے لئے) فدیہ ہو جائے گا اس غلام کا ہر ایک عضو (آزاد کرنے والے) کے عضو کا بدلہ ہوگا اور جو مسلمان دو مسلمان کنیزوں کو آزاد کر دے تو وہ دونوں کنیزیں اس شخص کے لئے جہنم سے بچاؤ کا فدیہ ہو جائیں گی ان عورت کے لئے جہنم سے بچاؤ کا فدیہ ہوگی اس کنیز کا ہر ایک عضو آزاد کرنے والی کی ہر ایک عضو کا بدلہ ہوگا۔

اَبْوَابُ السِّیَرِ

اسلام کا حربی نظام

بَابُ مَا جَآءَ فِی الدَّعْوَةِ قَبْلَ الْقِتَالِ

باب ا: جنگ سے پہلے دعوت دینا

(۱۴۶۸) اَنَّ جَیْشًا مِنْ جُیُوْشِ الْمُسْلِمِیْنَ کَانَ اَمِیْرَ هُمْ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ حَاصَرُوْا قَصْرًا مِنْ قُصُوْرِ فَارِسَ فَقَالُوْا یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَلَا نَنْهَدُ اِلَیْهِمْ قَالَ دَعُوْنِیْ اَدْعُوْهُمْ کَمَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَدْعُوْهُمْ فَاَتَاهُمْ سَلْمَانُ فَقَالَ لَهُمْ اِنَّمَا اَنَا رَجُلٌ مِنْكُمْ فَارِسِیٌّ تَرَوْنَ الْعَرَبَ یُطِیْعُوْنِیْ فَاِنْ اَسْلَمْتُمْ فَلَکُمْ مِثْلُ الَّذِیْ لَنَا وَعَلَیْکُمْ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْنَا وَاِنْ اَبَیْتُمْ اِلَّا دِیْنَکُمْ تَرَکْنَاکُمْ عَلَیْهِ وَاَعْطُوْنَا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ وَقَالَ وَرَطَنَ اِلَیْهِمْ بِالْفَارِسِیَّةِ وَاَنْتُمْ غَیْرُ مَحْمُوْدِیْنَ وَاِنْ اَبَیْتُمْ نَابَذْنَاکُمْ عَلٰی سَوَآءٍ قَالُوْا مَا نَحْنُ بِالَّذِیْ نُعْطِی الْجِزْیَةَ وَلٰکِنَّا نُقَاتِلُکُمْ فَقَالُوْا یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَلَا نَنْهَدُ اِلَیْهِمْ قَالَ لَا قَالَ فَدَعَاهُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلٰی مِثْلِ هٰذَا ثُمَّ قَالَ انْهَدُوْا اِلَیْهِمْ قَالَ فَنَهَدْنَا اِلَیْهِمْ فَفَتَحْنَا ذٰلِكَ الْقَصْرَ.

ترجمہ: ابوبختری بیان کرتے ہیں: مسلمانوں کے ایک لشکر کے امیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ایران کے ایک قلعے کا محاصرہ کرلیا لوگوں نے کہا اے ابوعبداللہ! کیا ہم ان پر حملہ نہ کردیں تو انہوں نے فرمایا۔ مجھے موقع دو کہ میں ان لوگوں کو اسی طرح دعوت دوں جیسے میں نے نبی اکرم ﷺ کو کفار کو دعوت دیتے ہوئے سنا ہے۔ پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان سے فرمایا۔ میں بھی تمہاری طرح ایرانی ہوں اور تم نے عربوں کو دیکھا ہے۔ وہ میری اطاعت کرتے ہیں اگر تم لوگ اسلام قبول کر لیتے ہو تو تمہیں وہ تمام سہولیات حاصل ہوں گی جو ہمیں حاصل ہیں اور تم پر وہ تمام ادائیگیاں لازم ہوں گی جو ہم پر لازم ہیں اور اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اس پر قائم رہنے دیتے ہیں تم لوگ ہمیں جزیہ دو جبکہ تم ذلت کی حالت میں ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے فارسی زبان میں یہ تقریر کی تھی (اور انہوں نے یہ بھی فرمایا) کہ تم لوگوں کی تعریف نہیں کی گئی ہوگی۔ اگر تم اس کا بھی انکار کر دیتے ہو، تو یہ تمہارے لئے بہتر نہیں ہوگا۔ ہم تمہیں آگاہ کرنے کے بعد

جنگ کریں گے انہوں نے کہا ہم جزیہ نہیں دیں گے ہم آپ کے ساتھ جنگ کریں گے مسلمانوں نے کہا۔ اے ابوعبداللہ! کیا ہم ان پر حملہ نہ کر دیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نہیں! حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تین دن تک انہیں، اس طرح کی دعوت دیتے رہے پھر انہوں نے حکم دیا ان پر حملہ کر دو! راوی بیان کرتے ہیں۔ ہم نے ان پر حملہ کیا اور اس قلعے کو فتح کر لیا۔

سیر : سیرۃ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں۔ سوانح، حالات زندگی اور یہ مفرد کے معنی ہیں جمع کے معنی دوسرے ہیں سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی ہیں اسلام کا حربی نظام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی سے یہی مراد ہے۔

لغت میں سیر سے مراد مطلق طریقہ ہے محدثین کے ہاں وہ طریقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں اختیار فرمایا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرایا میں اختیار کیا کفار کو قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے یا نہیں اگر ایسے کفار ہوں جن کو پہلے دعوت نہ پہنچی ہو تو قتال سے پہلے دعوت دینا واجب ہے اور اگر دعوت پہنچ چکی ہو تو پھر قبل القتال دعوت دینا مستحب ہے اسی پر باب میں احادیث پیش کی ہیں: انما انا رجل منکم فارسی ترون العرب یطیعونی۔

واقعہ سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ :

بس فارسی مرد ہوں عرب لوگ میری اطاعت کر رہے ہیں یہ بات یا تو اس وجہ سے کہی کہ تم جانتے ہو کہ عرب لوگ جلدی کی اطاعت قبول نہیں کرتے لیکن میری اطاعت قبول کر رہے ہیں یہ اسلام کی برکات ہیں اگر تم نے بھی اسلام قبول کر لیا تو تمہاری بھی اطاعت کریں گے یا پھر اس وجہ سے کہا یہ عرب جو نسب کے اعتبار سے میرے خاندان میں سے نہیں اور میرے علاقہ سے بھی نہیں یہ غیر ہو کر میری اطاعت کر رہے ہیں اور تم اپنے ہو کر اطاعت نہیں کر رہے اس واقعہ کے اندر دعوۃ استحبابی مراد ہے۔

باب

آبادی میں مسلمان بھی ہوں تو حملے سے پہلے ان کو علیحدہ ہونے کا موقعہ دیا جائے

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ خَرَجَ اِلٰى خَيْبَرَ اَتَاهَا لَيْلًا وَكَانَ اِذَا جَآءَ قَوْمًا بِلَيْلٍ لَمْ يُغِرْ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يُصْبِحَ فَلَمَّا اَصْبَحَ خَرَجَتْ يَهُوْدُ بِمَسَاحِيْهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ فَلَمَّا رَاَوْهُ قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَافَقَ وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ نِ الْخَمِيْسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خیبر کے لئے نکلے تو وہاں رات کو پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اگر کسی قوم کے پاس رات کو پہنچتے تو صبح ہونے سے پہلے حملہ نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے وغیرہ لے کر آپ کی آمد سے بے خبر کھیتی باڑی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔ خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر آ گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ اکبر'' خیبر برباد ہو گیا۔ ہم لوگ جب کسی قوم کے میدان جنگ میں اترتے ہیں تو اس ڈرائی گئی قوم کی صبح بڑی بری ہوتی ہے۔

تشریح: عام طور پر علماء ایک فریق بیان کرتے ہیں کہ جس لشکر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود شریک ہوں وہ غزوہ اور جیش (بڑا لشکر) کہلاتا

ہے اور جس میں آپ ﷺ شریک نہ ہوں وہ سریہ (چھوٹا لشکر) کہلاتا ہے مگر یہاں جیش کے معنی ہیں بڑا لشکر اور سریہ کے معنی ہیں چھوٹا لشکر قطع نظر اس سے کہ اس میں نبی پاک ﷺ شریک ہیں یا نہیں؟ حضور ﷺ ہر لشکر کو خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہدایت دیا کرتے تھے کہ جس بستی پر حملہ کرنا ہے اگر وہاں اسلام کی کوئی فعلی علامت مثلاً مسجد ہو یا کوئی یا قولی علامت مثلاً اذان سنی جائے تو اندھا دھند حملہ نہ کر دیا جائے بلکہ مسلمانوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا موقع دیا جائے پھر جنگ شروع کی جائے۔

بَابٌ فِی الْبَیَاتِ وَالْغَارَاتِ

باب ۲: شب خون مارنے کا اور دشمن کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنے کا بیان

(۱۴۷۰) كَانَ رَسُوْلُ ﷺ اِذَا بَعَثَ جَيْشًا اَوْسَرِيَّةً يَقُوْلُ لَهُمْ اِذَا رَاَيْتُمْ مَسْجِدًا اَوْسَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا اَحَدًا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب خیبر کے لئے تشریف لے گئے تو آپ رات کے وقت وہاں پہنچے آپ جب بھی کسی قوم کے علاقے میں رات کے وقت پہنچتے تھے تو صبح سے پہلے ان پر حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہوئی اور یہودی اپنی کدالیں اور پھاوڑے لے کر باہر نکلے اور انہوں نے آپ کو دیکھا اور بولے محمد ﷺ آگئے ہیں اللہ کی قسم! حضرت محمد لشکر سمیت آئے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہ ان لوگوں کی بہت بری صبح ہوتی ہے جنہیں ڈرایا گیا ہو۔

(۱۴۷۱) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ اَقَامَ بِعَرْصَتِهِمْ ثَلَاثًا.

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ جب کسی قوم پر غلبہ پا لیتے تھے تو آپ ان کے علاقے میں تین دن قیام کرتے تھے۔

البیات اور الغارات دونوں جمع مونث سالم ہیں ان کا مفرد البیۃ اور الغارۃ ہے تا ندورہ ہٹا کر آخر میں الف اور ل ب م کی ت بڑھائی گئی ہے اور البیۃ کے معنی ہیں شب خون مارنا یعنی رات میں اچانک حملہ کرنا اور الغارۃ کے معنی ہیں دشمن کو دھوکہ میں رکھ کر حملہ کرنا۔

البتہ آپ ﷺ کی سیرت میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ ﷺ دشمن کو غافل رکھ کر اچانک اس کے سر پر پہنچ جاتے تھے دشمن کو کانوں کان حملہ کی خبر نہیں ہونے دیتے تھے فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر جرار لے کر جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے آنگن میں پہنچ گئے تھے تب مکہ والوں کو پتہ چلا ہے کہ آپ ﷺ آگئے حالانکہ اتنے بڑے لشکر کی نقل وحرکت مخفی نہیں رہتی۔

اسی طرح غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ اچانک رات میں خیبر پہنچے تھے اس وقت یہودی قلعہ بند ہو کر سو رہے تھے نبی ﷺ نے نماز فجر کے بعد ریہرسل کا حکم دیا اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہو کر ریہرسل میں شریک ہوئے اس جنگ میں تین سو گھوڑے تھے انہوں نے چاروں طرف بے تحاشا دوڑنا شروع کر دیا اور خیبر میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا جب یہود کدال

پھاوڑے اور بورے لے کر قلعہ سے باہر نکلے تو حیران رہ گئے کہنے لگے محمد بخدا بہت بڑا لشکر لے کر آ گئے ہیں حالانکہ کل پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا خیبر کا ناس ہوا اس سے اور رعب پڑا یہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات خیبر پہنچ گئے اور دشمن کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی اسی کا نام الغارۃ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیوں کا بڑا مدار اسی طریقہ پر تھا۔

بَابُ فِی التَّحْرِیْقِ وَالتَّخْرِیْبِ

باب ۳: (دشمن کے گھروں یا باغات) کو آگ لگانا اور برباد کرنا

(۱۴۷۲) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِی النَّضِیْرِ وَقَطَعَ وَھِیَ الْبُوَیْرَۃُ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ ﷺ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَلِیُخْزِیَ الْفَاسِقِیْنَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے باغات جلوا دیئے تھے اور انہیں کٹوا دیا تھا جو "بویرہ" کے مقام پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

"تم نے جو بھی کھجور کے درخت کاٹے ہیں یا جن کی جڑوں پر انہیں چھوڑ دیا ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے تحت ہے تا کہ وہ گنہگاروں کو رسوا کر دے۔"

دشمن کے درخت وغیرہ اموال ضائع کرنے کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک جائز ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو اس سے منع کیا تھا۔

لیکن محقق قول یہ ہے کہ یہ امام کی صوابدید پر ہے کہ اگر وہ ضرورت محسوس کرے تو جائز ورنہ مکروہ ہوگا جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ترمذی نے نقل کیا ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد بھی یہی تھا یعنی انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ شام کی فتح جلاؤ کے بغیر بھی ہو جائے گی۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْغَنِیْمَۃِ

باب ۴: غنیمت کا بیان

(۱۴۷۳) اِنَّ اللّٰہَ فَضَّلَنِیْ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ اَوْقَالَ اُمَّتِیْ عَلَی الْاُمَمِ وَاُحِلَّ لِیَ الْغَنَائِمُ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے۔ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت باقی انبیا پر کئی وجوہ سے ثابت ہے اگلی روایت میں چھ کا ذکر ہے لیکن ان میں حصر مقصود نہیں ہے کہ چھ سے زیادہ بھی صحیح روایات سے ثابت ہیں اس لیے کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد مختلف موقعوں پر فرمایا علم کے اضافے کے ساتھ ساتھ تعداد بڑھتی چلی گئی اور پھر بھی اخیر تک نہیں پہنچی۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مدح وتعریف کرنا کہ جس سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں کمی کا تاثر ابھرنے لگے جائز نہیں۔

قولہ واحل لنا الغنائم: سابقہ امم میں بعض امتیں ایسی تھیں جن کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ادوار میں۔

دوسری وہ تھیں جن کو جہاد کرنے کا حکم تھا مگر ان کے لیے غنائم سے کسی قسم کا استفادہ جائز نہ تھا بلکہ جہاد قبول ہونے کی صورت میں آسمان سے آگ آتی اور غنیمت کو کھا جاتی اور اس کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء کی بعثت مخصوص علاقہ اور مخصوص قوم کے لیے ہوتی تھی اس لیے ان کا جہاد وقتی ہوتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ساری دنیا کی طرف ہے اور قیامت تک کے لیے ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیشہ جہاد جاری رہے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضرورت کے پیش نظر غنیمت کو حلال کیا ہے۔

بَابُ فِیْ سَهْمِ الْخَيْلِ

باب ۵: غنیمت میں گھوڑوں کا حصہ

(۱۴۷۵) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَسَمَ فِي النَّفْلِ لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ وَلِلرَّجُلِ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے سوار کو دو حصے دیئے تھے اور پیدل شخص کو ایک حصہ دیا تھا۔

مذاہب فقہاء: ① امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غنیمت میں گھوڑسوار کے دو حصے ہیں: ایک گھوڑے کا اور ایک سوار کا۔
② جمہور فقہاء کے نزدیک بشمول صاحبین گھوڑسوار کے تین حصے ہیں ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے اس لیے کہ گھوڑا زیادہ کھاتا ہے اس لیے اس کا حصہ بھی دوگنا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: یہ ہے کہ جنگ خیبر میں صرف وہ صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہوئے تھے جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے نیا کوئی شخص جنگ خیبر میں شریک نہیں ہوا تھا اور وہ پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن میں تین سو گھڑسوار تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی کل غنیمت کے پہلے اٹھارہ حصے کئے پھر ہر حصے کے سو حصے کیئے پس کل اٹھارہ سو حصے ہوئے تقسیم اس طرح فرمائی کہ پیادوں کو ایک ایک حصہ دیا اور گھڑسواروں کو دو دو حصے دیئے یہ مجمع بن جاریہ کی روایت ہے اور ابوداؤد میں ہے۔

سوال: امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حاشیہ پر لکھا ہے ھذا وھم کہ اس نے کہہ دیا کہ سوار تین سو تھے۔ حالانکہ سوار دو سو تھے تو اب کل تعداد ۱۴۰۰ ہوگئی اب جمہور کے مطابق بھی تفسیر آسانی کے ساتھ منطبق ہوگئی ۱۸ حصوں میں سے ۱۲ راجلین کو اور سوار دو سو ہیں تو ہر سوار کو جب تین حصے ملیں گے تو ۱۸ پورے ہو جائیں گے۔

جواب: ۱۵۰۰ کے عدد کو وہم کہنا خود وہم ہے کیونکہ اس کے خلاف پر دلیل موجود ہے چنانچہ بخاری میں تصریح ہے کہ اہل حدیبیہ کی تعداد ۱۵۰۰ تھی اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ راجل ۱۲۰۰ تھے تو لامحالہ فارس تین سو ہوں گے۔

سوال: بخاری کے اسی صفحہ پر ۱۴۰۰ سو کی بھی روایت ہے؟

جواب: عدد اقل اکثر کے منافی نہیں ہے اور نیز مثبت للز یادۃ روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔
دلیل جمہور: حدیث الباب ابن عمر رضی اللہ عنہ لِلْفَرَسِ بِسَهْمَيْنِ وَلِلرَّجُلِ بِسَهْمٍ۔
جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس موقع پر فارس کو تین حصے دیئے دو حصے تو بطور استحقاق کے اور ایک حصہ بطور انعام کے اور امیر ایسا کرسکتا ہے۔
جواب ثانی: اس حدیث میں فرس سے مراد فارس ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کو راجل کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے اور راجل کے مقابل فارس ہوگا نہ کہ فرس بس معلوم ہوا کہ فارس کے دو حصے ہیں باقی وہ روایات جن میں تین حصوں کی تصریح ہے یہ روایات بالمعنی کے قبیل سے ہیں کہ نافع نے فرس کو حقیقی معنی پر محمول کر کے ایک حصہ مالک کا سمجھ کر کہہ دیا: للفرس ثلاثہ اسھم۔
سوال: یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول تین حصوں کا ہے؟
جواب: یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل نہیں بلکہ بما بہ یرضی قائلہ کے قبیل سے ہے۔
سوال: جب راوی کا فتویٰ کسی نص کی وجہ سے ہو تو وہ روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے؟
جواب: یہ تب ہوگا جب راوی کا فتویٰ اس نص کی وجہ سے ہو اور یہاں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے۔
جواب ثانی: یہ درایت کے بھی خلاف ہے کہ حیوان کے دو حصے اور انسان کا ایک حصہ تو یہ حیوان کو انسان پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّرَايَا

باب ۶: جنگی مہمات کا بیان

(۱۴۷۶) خَيْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَ خَيْرُ السَّرَايَا اَرْبَعُ مِائَةٍ وَخَيْرُ الْجُيُوشِ اَرْبَعَةُ اٰلَافٍ وَلَا يُغْلَبُ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار آدمی بہترین ساتھی ہوتے ہیں چار سو آدمیوں کی جنگی مہم سب سے بہتر ہوتی ہے چار ہزار لوگوں کا لشکر سب سے بہتر ہوتا ہے اور بارہ ہزار لوگ کم ہونے کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔

قولہ السرایا سریۃ بتشدید الیاء کی جمع ہے لشکر کی وہ ٹکڑی جو زیادہ سے زیادہ چار سو تک افراد پر مشتمل ہو چونکہ اس میں عموماً تجربہ کار آدمی ہوتے ہیں۔

سریہ میں اچھی تعداد چار سو اور لشکر کی چار ہزار کی حکمت تو اللہ ہی کو معلوم ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتلادی مگر جو ظاہر حکمت ہے ابن العربی کے قول کے مطابق تین سو حد کثرت ہے اور سو کا اضافہ کر کے حد کثرت پر پہلی زیادتی شمار ہوتی ہے جبکہ بارہ ہزار چار ہزار پر کم از کم تضعیف ہے تو چار ہزار چار سو کی۔

بَابُ مَنْ يُعْطَى الْفَيْءُ؟

باب ۶: مال غنیمت میں سے بطور انعام کس کو دیا جائے؟

(۱۴۷۷) اَنَّ نَجْدَةَ الْحَرُوْرِيَّ كَتَبَ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْزُوْ بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَكَتَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبْتَ اِلَيَّ تَسْأَلُنِيْ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْزُوْ بِالنِّسَاءِ وَكَانَ يَغْزُوْ بِهِنَّ فَيُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَاَمَّا بِسَهْمٍ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں: نجدہ حروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا جس میں ان سے دریافت کیا۔ نبی اکرم ﷺ جنگ میں خواتین کو شامل رکھتے تھے اور کیا آپ انہیں کوئی طے شدہ حصہ بھی دیتے تھے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے جواب میں لکھا۔ تم نے مجھے خط لکھا جس میں مجھ سے سوال کیا کہ نبی اکرم ﷺ خواتین کو جنگ میں شامل رکھتے تھے؟ تو آپ ﷺ خواتین کو جنگ میں لے جایا کرتے تھے وہ بیماریوں (یعنی زخمیوں) کی تیمار داری کرتی تھیں اور انہیں مال غنیمت سے کچھ دے دیا جاتا تھا، تاہم نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے کوئی باقاعدہ حصہ مقرر نہیں کیا۔

فئی کا اصل یعنی وہ مال جو کفار سے بلا قتال حاصل ہو لیکن یہاں پر مال غنیمت مراد ہے یعنی مال غنیمت کن کن کو دیا جائے گا۔

مذاہب فقہاء: اگر عورتیں اور بچے جہاد میں شریک ہوں تو ان کو حصہ دیا جائے گا یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے۔

عند الجمہور: ① ان کو مستقل حصہ نہیں دیا جائے گا البتہ امام ان کی دل جوئی کے لیے جتنا مناسب سمجھے حصہ سے کم کم دے۔

② امام اوزاعی رحمہ اللہ کے ہاں عورتوں اور بچوں کو مجاہدین کے برابر حصہ ملے گا۔

جمہور کی دلیل: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما نجدہ مروی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف خط لکھا وہ سوال کر رہے تھے کہ هل كان رسول الله ﷺ يغزو بالنساء وهل كان يضرب لهن بسهم. پس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ آپ ﷺ عورتوں کو ساتھ لے جاتے تھے اور وہ مریضوں کا علاج کرتی تھیں اور آپ ﷺ ان کو کچھ نہ کچھ دیتے تھے۔ بہر حال مستقل حصہ نہیں دیتے تھے۔

دلیل امام اوزاعی رحمہ اللہ: رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر سے حاصل شدہ مال غنیمت سے بچوں کو بھی حصہ دیا اور آپ ﷺ کے بعد حکام بھی بچوں کو حصہ دیا کرتے تھے حتیٰ کہ جو دار الحرب میں قتال کرتے ہوئے عورت بچہ جن دیتی اس کو بھی حصہ دیتے تھے۔

جواب: بہت کمزور استدلال اس کا معنی یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ عطیہ دیتے تھے مستقل حصہ نہیں دیتے تھے لہٰذا کوئی محل نزاع نہیں۔

بَابُ هَلْ يُسْهَمُ لِلْعَبْدِ؟

باب ۸: کیا غلام کو حصہ دیا جائے گا؟

(۱۴۷۸) قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِيْ فَكَلَّمُوْا فِيَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَكَلَّمُوْهُ اَنِّيْ مَمْلُوْكٌ قَالَ فَاَمَرَ بِيْ فَقُلِّدْتُ

السَّیْفَ فَاِذَا اَنَا اَجُرُّهُ فَاَمَرَلِی بِشَیْءٍ مِنْ خُرْثِیِّ الْمَتَاعِ وَعَرَضْتُ علیه رُقْیَةً کُنْتُ اَرْقِی بِهَا الْمَجَانِیْنَ فَاَمَرَنِی بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا.

ترجمہ: عمیر جو ابولحم کے آزاد کردہ غلام ہیں وہ بیان کرتے ہیں: میں اپنے آقا کے ہمراہ غزوہ خیبر میں شریک ہوا لوگوں نے میرے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے بات کی لوگوں نے اس بارے میں آپ کو بتایا کہ میں غلام ہوں، راوی بیان کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے سامان میں سے کوئی چیز مجھے عطا کرنے کی ہدایت کی پھر میں نے آپ کو ایک دم پڑھ کے سنایا جس کے ذریعے میں پاگلوں کو دم کیا کرتا تھا تو آپ نے اس کا کچھ حصہ مجھے استعمال کرنے کی ہدایت کی اور کچھ کو ترک کرنے کی ہدایت کی۔

اگر کوئی غلام فوج میں شامل ہو کر باقاعدہ لڑے تو کیا اس کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟ تمام ائمہ متفق ہیں کہ غلام کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ غلام کا مال اس کا نہیں ہوتا اس کے آقا کا ہوتا ہے اور اگر آقا جنگ میں شریک ہوا ہے تو وہ اپنا حصہ پائے گا اور اگر شریک نہیں ہوا تو غنیمت میں اس کا حصہ نہیں البتہ امام اپنی صوابدید سے کچھ انعام دے سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَهْلِ الذِّمَّةِ یَغْزُوْنَ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ هَلْ یُسْهَمُ لَهُمْ؟

باب ۹: اگر ذمی مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے تو اس کو غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا؟

(۱۴۷۹) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ خَرَجَ اِلٰی بَدْرٍ حَتّٰی اِذَا کَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ لَحِقَهُ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ یَذْکُرُ مِنْهُ جُرْاَةً وَنَجْدَةً فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ اَلَسْتَ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ قَالَ لَا قَالَ اِرْجِعْ فَلَنْ اَسْتَعِیْنَ بِمُشْرِكٍ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ بدر تشریف لے گئے جب آپ حرة الوبر کے مقام پر پہنچے تو ایک مشرک آپ سے ملا اس کی جرات اور بہادری کا تذکرہ کیا گیا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت کیا۔ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اس نے جواب دیا۔ نہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم واپس چلے جاؤ کیونکہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیں گے۔

(۱۴۸۰) وَیُرْوٰی عَنِ الزُّهْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَسْهَمَ لِقَوْمٍ مِّنَ الْیَهُوْدِ قَاتَلُوْا مَعَهُ.

ترجمہ: زہری سے یہ روایت نقل کی گئی ہے: نبی اکرم ﷺ نے یہود سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ کو حصہ دیا تھا جنہوں نے آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تھی۔

(۱۴۸۱) قَدِمْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِیْ نَفَرٍ مِّنَ الْاَشْعَرِیِّیْنَ خَیْبَرَ فَاَسْهَمَ لَنَا مَعَ الَّذِیْنَ افْتَتَحُوْهَا.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اشعر قبیلے کے کچھ افراد کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں خیبر میں حاضر ہوا تو آپ نے ہمیں بھی ان لوگوں کے ساتھ حصہ دیا جو خیبر کی فتح میں شریک تھے۔

مذاہب فقہاء: غیر مسلم اہل ذمہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کریں تو مجاہدین کے ساتھ ان کا بھی حصہ مستقل ہے یا

نہیں (۱) ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ ان کا حصہ مستقل نہیں لیکن ان کو خدمت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ دے دیا جائے گا۔ (۲) بعض تابعین رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ ان کو بھی مستقل حصہ دیا جائے گا۔

دلیل کے طور پر زہری سے مرسلا روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ دیا تھا جواب یہ بطور حصہ کے نہیں تھا بلکہ بطور عطیہ کے تھا۔

جمہور کی دلیل: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ذمہ کو واپس بھیج دیا تھا (خلاصہ حدیث) اب امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا جب جہاد میں شریک نہیں فرمایا تو حصہ بطریق اولی نہ دیا ہوگا باقی اہل ذمہ سے یعنی غیر مسلموں سے تعاون لینا جائز ہے یا نہیں اگر کوئی مصلحت ہو تو جائز ہے جبکہ انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اگر مصلحت نہ ہو بلکہ الٹا نقصان ہو تو پھر تعاون لینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: قتال سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے اگر کوئی امداد کی غرض سے لشکر میں آ کر مل جائے تو مستقل حصہ دیا جائے گا اگر قتال کے بعد آ کر ملے تو حصہ نہیں دیا جائے گا باقی حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی فتح کے بعد آئے تھے تو ان کو مستقل حصہ نہیں ملنا چاہیے تھا۔

جواب: یہ حصہ خمس میں سے دیا تھا اور خمس سے دینا جائز ہے۔

جواب: ممکن ہے غنیمت سے حصہ دیا ہو لیکن رضامندی کے ساتھ۔

جواب: یا پھر سہم بمعنی عطیہ کے طور پر دیا تھا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِي الْاِنْتِفَاعِ بِاٰنِيَةِ الْمُشْرِكِيْنَ

باب ۱۰: مشرکین کے برتنوں استعمال کرنا

(۱۴۸۲) سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ قُدُوْرِ الْمَجُوْسِ قَالَ اَنْقُوْهَا غَسْلاً وَاطْبُخُوْا فِيْهَا وَنَهٰى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ وَذِيْ نَابٍ.

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوسیوں کی ہانڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ انہیں دھو کر اچھی طرح صاف کر لو اور پھر ان میں پکالو! ویسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نوکیلے دانتوں والے درندے (گوشت کھانے) سے منع کیا ہے۔

(۱۴۸۳) اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ قَوْمٍ اَهْلِ كِتَابٍ نَاْكُلُ فِيْ اٰنِيَتِهِمْ قَالَ اِنْ وَجَدْتُّمْ غَيْرَ اٰنِيَتِهِمْ فَلَا تَاْكُلُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاغْسِلُوْهَا وَكُلُوْا فِيْهَا.

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں اور ان کے برتنوں میں کھا لیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تمہیں اس کے علاوہ

اگر برتن مل جائیں تو تم ان میں نہ کھاؤ لیکن اگر نہیں ملتے تو تم ان برتنوں کو دھو کر ان میں کھالو۔

(۱۴۸۴) اَنَّہٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا بِاَرْضِ اَھْلِ کِتَابٍ فَنَطْبَخُ فِیْ قُدُوْرِھِمْ وَنَشْرَبُ فِیْ اٰنِیَتِھِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَیْرَھَا فَارْحَضُوْھَا بِالْمَاءِ ثُمَّ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا بِاَرْضِ صَیْدٍ فَکَیْفَ نَصْنَعُ قَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ الْمُکَلَّبَ وَذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰہِ فَقَتَلَ فَکُلْ وَاِنْ کَانَ غَیْرَ مُکَلَّبٍ فَذَکِّ وَکُلْ وَاِذَا رَمَیْتَ بِسَھْمِکَ وَذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰہِ فَقَتَلَ فَکُلْ۔

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ ہم لوگ اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں، ان کی ہنڈیا میں پکالیتے ہیں، ان کے برتنوں میں پی لیتے ہیں (اس کا حکم کیا ہے؟) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تمہیں ان کے علاوہ برتن نہیں ملتے تو تم ان (کے برتنوں) کو پانی کے ذریعے دھو کر (استعمال کرلو)۔ پھر حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں شکار کر کے جانور حاصل کیا جاتا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم اپنے تربیت یافتہ کتے کو بھیجتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لو اور پھر وہ کتا اس شکار کو ماردے تو تم اسے کھالو، لیکن اگر تمہارا بھیجا ہوا کتا تربیت یافتہ نہ ہو، تو تم شکار کو پہلے ذبح کرو، پھر اسے کھانا اور جب تم اپنا تیر پھینکتے ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور اس تیر کی وجہ سے شکار مرجائے تو تم اسے کھالو۔

بَابُ فِی النَّفْلِ

باب ۱۱: مال غنیمت میں سے انعام دینے کا بیان

(۱۴۸۵) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُنَفِّلُ فِی الْبَدْاَۃِ الرُّبُعَ وَفِی الْقُفُوْلِ الثُّلُثَ۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ابتدا میں چوتھائی مالِ غنیمت تقسیم کردیتے تھے اور واپسی پر باقی تین حصے تقسیم کرتے تھے۔

(۱۴۸۶) اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَنَفَّلَ سَیْفَہٗ ذَا الْفَقَارِ یَوْمَ بَدْرٍ وَھُوَ الَّذِیْ رَاٰی فِیْہِ الرُّؤْیَا یَوْمَ اُحُدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے اپنی تلوار ذوالفقار غزوہ بدر کے دن مال غنیمت سے لی تھی اور یہ وہی تلوار ہے، جسے آپ نے غزوہ احد کے دن خواب میں دیکھا تھا۔

نفل کا معنی انعام اور ایک معنی غنیمت ہے انعام کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طور پر جتنے کا مستحق بنتا ہے اس استحقاقی حصہ سے زائد بطور انعام کے دیا جاتا ہے باقی تنفل جائز ہے یا نہیں کہ کسی مجاہد کو یا پوری جماعت کو اس کے حصہ سے زائد دے دے تو یہ بالاجماع جائز ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ مال غنیمت کے کون سے حصے سے دیا جائے گا۔

مذاہب فقہاء: ① احناف کے نزدیک مال غنیمت کو دارالاسلام میں لانے سے پہلے دیا جائے گا پھر خمس نکالنے کے بعد مجاہدین

کے جو چار حصے ہیں ان سے انعام دیا جائے گا اور بقیہ کو مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا اگر دارالاسلام میں لانے کے بعد دینا چاہتے ہیں تو خمس سے دے سکتے ہیں باقی چار حصوں میں سے نہیں دیا جائے گا۔

② اور حنابلہ کے ہاں ہر حال میں خمس نکالنے کے بعد باقی چار حصوں میں سے دیا جائے گا۔

③ ایک قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ یہ انعام ہر صورت میں خمس سے ہوگا یعنی اولا خمس نکالا جائے گا پھر اس میں سے حصہ دیا جائے گا۔

④ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفل خمس الخمس سے دیا جائے گا اور اس میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ نفل کی مقدار کتنی ہوگی احناف کی رائے یہ ہے کہ یہ امام کی صوابدید پر ہے البتہ بعض اہل علم نے کہا کہ ثلث یا ربع دیا جاسکتا ہے اور یہ پورے مال غنیمت کا مراد ہے چنانچہ حدیث اس لیے ذکر کی ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ بڑا لشکر کسی مہم پر روانہ ہوتا ہے تو بعض اوقات امیر جہاد اس بڑے لشکر سے ایک چھوٹی جماعت ایک خاص مہم پر روانہ کر دیتے ہیں ان کے لیے بطور انعام کے ربع مقرر کرتے کہ اس مہم میں جتنا مال غنیمت تمہیں حاصل ہوگا اس کا ربع تمہیں بطور تنفیل کے ملے گا اور مابقی پورے لشکر کو قاعدہ شرعیہ کے مطابق ملے گا جب بڑا لشکر اپنی مہم سے فارغ ہو جاتا تو دارالحرب سے واپس آ رہا ہوتا اور واپسی کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لشکر سے ایک چھوٹی جماعت روانہ کرتے ان کے لیے نفل ثلث مقرر کر دیتے اور باقی مال تمام لشکر میں تقسیم کرتے باقی تفاوت اس لیے ہے کہ ابتداء میں مشقت نہیں ہوتی سب کا جوش ہوتا ہے اور جب پورا لشکر واپس آ رہا ہوتا ہے تو ہر شخص تھکا ماندہ ہوتا ہے اور ایسی صورت میں بڑے لشکر کو چھوڑ کر جانا یہ دل گردے کا کام ہے کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ جلدی اپنے بیوی بچوں میں جاؤں تو وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

جواب: یہاں پر ثلث اور ربع کا ذکر ہے زیادتی کی نفی تو نہیں ہے دوسری حدیث میں ہے: **تنفل سیفه ذوالفقار یوم بدر** بطور صفی کے تلوار لی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی امیر یا بادشاہ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ نفل کا ایک معنی یہ بھی ہو گیا یعنی ایک نفل بمعنی غنیمت ② نفل بمعنی انعام ③ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے لیے انتخاب کر لینا اس کو عام اصطلاح میں صفی کہتے ہیں **فقار** اصل میں ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کو کہتے ہیں اس طور پر وہ نشان ریڑھ کی ہڈی کے مشابہ تھے اس لیے اس کا نام ذوالفقار پڑ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں نے اس کو ہوا میں لہرایا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ

باب ۱۲: جو شخص کسی مقتول کو قتل کرے اس کا سامان اس شخص کو ملے گا

(۱۴۸۷) مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا لَهٗ عَلَیْهِ بَیِّنَةٌ فَلَهٗ سَلَبُهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مقتول کو قتل کر دے اور اس پر ثبوت پیش کر دے تو اس مقتول کا سامان اسے ملے گا۔

سلب (مقتول کا ساز و سامان) قاتل کا حق ہے یا انعام؟ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے یا اعلان ہے؟

سلب مقتول کافر کا ساز و سامان کپڑے اور ہتھیار وغیرہ آیا قاتل ان کا مستحق ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہوا ہے قاتل کے سلب

کا مستحق ہونا دائمی قانون شرعی ہے امام اعلان کرے یا نہ کرے یا یہ موقوف ہے امام کی تنفیل امام کے اعلان کرنے پر کہ جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اس کو ملے گا۔

① احناف کہتے ہیں کہ قاتل کا مستحق سلب ہونا یہ موقوف ہے امام کے اعلان پر اگر امام نے اعلان کیا تو پھر تو کافر کے سلب کا مستحق ہوگا ورنہ مستحق نہ ہوگا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

② امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاتل کا مستحق سلب ہونا یہ دائمی قاعدہ شرعیہ ہے امام خواہ اعلان کرے یا نہ کرے وہ اس کا مستحق ہوگا۔

منشاء اختلاف: یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا: من قتل قتیلا..... اس ارشاد کی کیا حیثیت ہے قال الاحناف اس کی حیثیت تنفیل ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو ارشاد فرمایا یہ امیر المسلمین امیر جہاد ہونے کی حیثیت سے ہے یہ شارع ہونے کی حیثیت سے نہیں لہٰذا یہ اعلان ہوگا کسی امیر جہاد کی جانب سے تو پھر مستحق ہوگا ورنہ مستحق نہ ہوگا۔

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد قاعدہ شرعیہ ہونے کی حیثیت سے ہے شارع ہونے کی حیثیت سے ہے۔

احناف کے ہاں وجوہ ترجیح کیا ہے؟

① یہ جو ارشاد فرمایا ہے یہ خاص مواقع میں سے ہے ایک غزوہ بدر کے موقع پر اور ایک غزوہ حنین کے موقع پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ ان دونوں موقعوں پر تحریض علی القتال مقصود تھا اس لیے امیر المسلمین ہونے کی حیثیت سے جہاد پر ابھارنے کے لیے فرمایا: من قتل قتیلا فله سلبه بے شک ہم اس کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ قاعدہ شرعیہ ہے اگر یہ ارشاد مسجد نبوی میں ہوتا جبکہ یہاں نہیں فرمایا بلکہ غزوہ بدر اور غزوہ حنین کے موقع پر فرمایا۔

② حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کی ساری عمر جہاد میں گذری جہاد کے متعلق احکام کا علم ان کو زیادہ ہوگا چنانچہ بعض مواقع میں جھگڑا ہوا کہ قاتل نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے سلب کا مطالبہ کیا لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پہنچا شکایت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا تو لہٰذا خالد رضی اللہ عنہ کا قاتل کے بارہ میں نہ دینے کا فیصلہ کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ ارشاد بطور تنفیل کے تھا شارع ہونے کی حیثیت سے نہیں تھا۔

بَابُ فِیْ کَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ

باب ۱۳: تقسیم سے پہلے غنیمت میں سے حصہ بیچنا جائز نہیں

(۱۴۸۸) نَهٰى رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اسے فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ غنیمت میں سے کس کو کیا اور کتنا ملے گا یہ بات متعین نہیں پس یہ مجہول کی بیع ہے اس لیے جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَرَاھِیَۃِ وَطْیِ الْحَبَالٰی مِنَ السَّبَایَا

باب ۱۴: حاملہ قیدی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہے

(۱۴۸۹) ان رسولَ اللہ ﷺ نَھٰی اَنْ تُوطَأَ السَّبَایَا حَتّٰی یَضَعْنَ مَا فِیْ بُطُوْنِھِنَّ.

ترجمہ: اُم حبیبہ بنت عرباض بن ساریہ بیان کرتی ہیں: ان کے والد نے انہیں یہ بات بتائی ہے نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے۔قیدی عورتوں کے ساتھ صحبت کی جائے جب تک وہ اپنے پیٹ میں موجود بچوں کو جنم نہیں دیتی۔

تشریح: جنگ میں جو عورتیں قید ہوں اور وہ باندی بنا کر فوج میں تقسیم کردی جائیں تو ان سے استبرائے رحم کے بعد ہی مولی صحبت کرسکتا ہے یعنی جب تک باندی کو حیض نہ آجائے آقا اس سے صحبت نہیں کرسکتا اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد جب نفاس بند ہو صحبت کرسکتا ہے۔اسی طرح جب باندی میں ملکیت بدلے تب بھی استبرائے رحم ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ طَعَامِ الْمُشْرِکِیْنَ

باب ۱۵: اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

(۱۴۹۰) سَاَلْتُ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰی فَقَالَ لَا یَتَخَلَّجَنَّ فِیْ صَدْرِکَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِیْهِ النَّصْرَانِیَّةَ.

ترجمہ: قبیصہ بن ہلب اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا کھانا جس میں عیسائیت کی مشابہت ہو وہ تمہارے ذہن میں کوئی شک پیدا نہ کرے۔

یہ مشکل باب ہے یہاں طعام کے معنی ذبیحہ کے ہیں سورۃ المائدہ (آیت ۵) میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے اور باب میں جو دو حدیثیں ہیں (حضرت ہلب اور حضرت عدی کی) وہ اہل کتاب کے ذبیحہ کے بارے میں ہیں اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں مسئلہ بھی اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت بیان کیا ہے مشرکین کے ذبیحہ سے کوئی تعرض نہیں کیا اس لیے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ باب میں لفظ مشرکین محفوظ ہے یا کہ نہیں؟ میرے خیال میں یہ تصحیف ہے اور شروع سے چلی آرہی ہے اس لیے میں نے عربی عنوان نہیں بدلا اور اردو میں عنوان معنون (باب) کے مطابق قائم کیا ہے۔

مشرکین کا ذبیحہ بالاجماع حرام ہے: پہلے حدیث گزری ہے کہ اگر شکار پر مجوسی کتا چھوڑے تو وہ شکار حلال نہیں یہی حکم مشرکین اور ہندوؤں کے ذبیحہ کا ہے اور اہل کتاب یعنی یہود ونصاری کا ذبیحہ بہ نص قرآنی حلال ہے سورۃ المائدہ (آیت ۵) میں ہے اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے البتہ اگر وہ لوگ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیں تو پھر ان کا ذبیحہ حرام ہے جیسے مسلمان اگر

جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دے تو اس کا ذبیحہ بھی جمہور کے نزدیک حرام ہے اور ہدایہ ۲: ۳۴۷) میں ہے: ان المسلم والکتابی فی ترك التسمیة سواء اور ابن قدامہ نے مغنی (۱۳: ۲۵۸) میں یہی مذہب امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا نقل کیا ہے۔

البتہ بت پرستوں اور آتش پرستوں کا ذبیحہ جائز نہیں پھر اس آیت میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے کیونکہ عام کھانا تمام کفار کا برابر ہے یعنی جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور وجہ نہ ہو تفسیر مدارک میں ہے: ای ذبائحهم لان سائر الاطعمة لا یختص حلها بالملة اسی طرح خازن وغیرہ میں اس آیت کی تفسیر میں بھی یہی لکھا ہے:

واجمعو اعلی تحریم ذبائح المجوس وسائر اهل الشرك ... الی ... واجمعوا علی ان المراد بطعام الذین اوتو الکتاب ذبائحهم خاصة لان ماسوی الذبائح فهی محللة قبل ان کانت لاهل الکتاب وبعد ان صارت لهم فلا یبقی لتخصیصها باهل الکتاب فائدة.

کہ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کے علاوہ جتنے کافر ہیں ان کی ذبیحہ حرام ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتب میں کافر کی ذبیحہ حرام ہونے پر اس آیت کو فقہاء مذاہب اربعہ رحمۃ اللہ علیہم نے پیش کیا ہے:

اَخَذَ الْجَاهِیْرُ مِنْ مَفْهُوْمِ اَهْلِ الْکِتٰبِ ان طعام الوثنین لا یحل للمسلمین و کذا نسائهم. (تفسیر المنارج ۶/ص ۱۸۵)

"اہل کتاب کے مفہوم سے جمہور نے یہ مطلب لیا ہے کہ بت پرستوں کا کھانا اور ان کی عورتیں مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔"

اجمعوا علی تحریم ذبائح الکفار غیر اهل الکتاب لقوله تعالی وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ. (شرح مؤطا محمد ص ۱۶۶)۔

نیز لکھتے ہیں:

اس امت کے مشرکین کا حکم: اس امت میں کوئی فرد یا مذہب کفریہ عقائد رکھتا ہو تو اس پر جہاں کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا ساتھ ہی یہ حکم بھی لگایا جائے گا کہ اس کی ذبیحہ حرام ہے۔ اور اس سے رشتہ ناتا حرام ہے ناجائز۔

فائدہ: ① اہل کتاب کا ذبیحہ اس وقت حلال ہے جب وہ تسمیہ کے ساتھ شرعی طریقہ پر ذبح کریں اور ذبح کرنے والا حقیقت میں عیسائی یا یہودی ہو اگر صرف مردم شماری میں عیسائی یا یہودی ہو اور اس مذہب پر یقین نہ رکھتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں اسی طرح اگر وہ بالقصد اللہ کا نام نہ لے تو بھی ذبیحہ حلال نہیں اسی طرح اگر مشروع طریقہ پر ذبح کی چار رگوں میں سے تین رگیں نہ کاٹے تو بھی ذبیحہ حلال نہیں۔

آج کل یہود تو ان باتوں کی پابندی کرتے ہیں مگر عیسائیوں کی صورت حال بگڑ گئی ہے وہ صرف مردم شماری کے فارم میں عیسائی ہوتے ہیں حقیقت میں وہ کسی مذہب کے قائل نہیں ہوتے نہ وہ بسم اللہ پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں نہ وہ ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں بلکہ ان کے ہاں مشینی ذبح رائج ہے اسی لیے ایشاء کے تمام علماء کا فتویٰ عام ہے کہ عیسائیوں کے ذبیحہ کے بارے میں حرمت کا کم از کم احتیاط کا ہے البتہ اگر کوئی واقعی عیسائی ہو اور وہ تسمیہ کے ساتھ شرعی طریقہ پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبْيِ

باب ۱۶: قیدیوں کے درمیان تفریق کرنا حرام ہے

(۱۴۹۱) مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص والدہ اور اس کے بچے کے درمیان علیحدگی کروادے اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے محبوب لوگوں کے درمیان قیامت کے دن علیحدگی کروادے گا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي قَتْلِ الْاُسَارٰى وَالْفِدَاءِ

باب ۱۷: قیدیوں کو قتل کرنے کا اور بدلہ لے کر چھوڑنے کا بیان

(۱۴۹۲) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ خَيِّرْهُمْ يَعْنِيْ اَصْحَابَكَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ الْقَتْلَ اَوِ الْفِدَاءَ عَلٰى اَنْ يُّقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلٌ مِثْلُهُمْ قَالُوا الْفِدَاءَ وَيُقْتَلُ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبریل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور ان سے کہا۔ آپ انہیں اختیار دیجئے! یعنی اس بارے میں اختیار دیجئے کہ وہ غزوۂ بدر میں قیدی ہونے والے مشرکین کو قتل کردیں یا پھر ان سے فدیہ لیں، لیکن اگر فدیہ لیا تو پھر ان (مسلمانوں) میں سے بھی اتنے ہی افراد اگلے سال (جنگ میں) مارے جائیں گے۔ تو اصحاب نے اس بات کو اختیار کیا کہ ہم اب فدیہ لے لیتے ہیں اگرچہ (اگلے برس) ہمارے افراد قتل کردیئے جائیں۔

(۱۴۹۳) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَدٰى رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے عوض میں دو مسلمانوں کو قید سے آزاد کروایا تھا۔

جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کا مسئلہ چار طرح سے حل کیا جاتا ہے۔

پہلا طریقہ: جس قیدی کا قتل کرنا قرین مصلحت ہو اس کو قتل کردیا جائے آج بھی دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

دوسرا طریقہ: جس قیدی کو مفت رہا کرنا قرین مصلحت ہو اس کو چھوڑ دیا جائے اس کو عربی میں مَن (بلا معاوضہ چھوڑ دینا) کہتے ہیں سورۂ محمد میں آیت ۵ میں اس کا ذکر ہے۔

تیسرا طریقہ: اپنے قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے یا جنگ کا ہرجانہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس کو فداء (معاوضہ لے کر چھوڑنا) کہتے ہیں سورۂ محمد کی مذکورہ آیت میں اس کا بھی ذکر ہے۔

چوتھا طریقہ: قیدیوں کو غلام باندی بنا کر فوج میں تقسیم کردیا جائے یہ مسئلہ کا آخری حل ہے اور یہ حل اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ

پہلے سے یہ طریقہ چلا آ رہا تھا اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں قید میں رکھنا اور کھلانا پلانا ملک کی تباہی کا باعث ہوسکتا ہے اور مفت چھوڑ دینا وبال جان بن سکتا ہے اور بلا وجہ قتل کرنا انسانیت کے خلاف ہے اس لیے قیدیوں کے مسئلہ کا آخری حل غلامی ہے دنیا کو اگر یہ حل پسند نہیں تو وہ اس سے بہتر حل پیش کرے۔

مذاہب فقہاء: کافر قیدی مسلمانوں کے پاس قید ہو جائیں ان کے بارے میں چار حکم نصوص میں منقول ہیں: (۱) بغیر فدیہ لیے چھوڑ دینا (۲) فدآء عام یہ ہے کہ مفادہ بالمال ہو یا الاسیر ہوادلے بدلے (۳) القتل (۴) استرقاق یعنی غلام بنایا جائے۔ ان میں سے جو دو اخیری حکم ہیں بالاجماع جائز ہیں امام اپنی صوابدید پر عمل کرے۔

اولین جو ہیں یہ جائز ہیں یا نہیں (۱) احناف کی کتابیں جو کہ مشہور ہیں ان میں عدم جواز ہے (۲) دیگر ائمہ کے ہاں یہ جائز ہے احناف کہتے ہیں: فاما منا و اما فدآء، یہ منسوخ ہے،

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (التوبہ:۵)، یہ ناسخ ہے دیگر ائمہ کے ہاں یہ پہلی دو صورتیں بھی جائز ہیں اور وہ منسوخ نہیں سمجھتے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول سیر کبیر میں نقل کیا گیا ہے کہ جہاں ضرورت شدیدہ ہو تو وہاں پر یہ من بھی جائز ہے جب یہ جائز ہے تو فدآء تو بطریق اولی جائز ہوگا۔

سوال: غزوہ بدر میں تو فدیہ لیا گیا؟

جواب: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ابھی ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ نازل نہ ہوئی تھی۔

سوال: جب اختیار دے دیا گیا تو پھر عتاب کیوں نازل ہوا؟

جواب: یہ تخییر بطور امتحان کے تھی یہ بطور اباحت کے نہ تھی اس کی نظیر جیسے ازواج مطہرات کو تخییر دی گئی کہ اگر چاہو تو دنیا اختیار کر لو تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے اور اگر چاہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا اختیار تو تخییر بطور امتحان کے تھی اس طرح یہ تخییر بھی بطور امتحان کے تھی۔

سند پر کلام: وروی ابن عون عن سیرین۔

سوال: یہ روایت مرسل کیسے بن گئی جبکہ صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے؟

جواب: صحیح جواب یہ ہے کہ اس نسخہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر یہ کاتب کی خطاء ہے مصری نسخوں میں ہے عن عبیدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲) یہاں مرسل کا اصطلاحی معنی افراد نہیں بلکہ مرسل بمعنی منقطع مراد اور انقطاع یوں ہے کہ ابن عون کی جتنی بھی روایات ہیں ابن سیرین سے وہ سب ہشام کے واسطہ سے ہیں یہاں ابن عون براہِ راست ابن سیرین سے روایات کر رہے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی النَّهْیِ عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ

باب ۱۸: جنگ میں خواتین اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت

(۱۴۹۴) اَنَّ اِمْرَاَةً وُجِدَتْ فِیْ بَعْضِ مَغَازِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَقْتُوْلَةً فَاَنْكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْ

قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ایک جنگ میں ایک خاتون مقتول پائی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور آپ نے خواتین اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔

(۱۴۹۵) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنَّ خَيْلَنَا اُوْطِئَتْ مِنْ نِّسَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَوْلَادِهِمْ قَالَ هُمْ مِنْ اٰبَائِهِمْ.

ترجمہ: حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے گھوڑوں نے کفار کی عورتوں اور ان کے بچوں کو روند ڈالا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ اپنے باپ دادا کے ساتھ ہیں۔

جنگ میں صرف فوجیوں کو جولڑنے کے لیے آئے ہیں قتل کیا جاتا ہے عام شہریوں کو قتل نہیں کیا جاتا اسی طرح فوج کے ساتھ جو عورتیں بچے غلام اور نوکر آئے ہیں ان کو بھی قتل نہیں کیا جاتا نہ ان کے دوکانداروں کو قتل کیا جاتا ہے جو فوجیوں کے ساتھ دوکانیں لے کر آئے ہیں۔

فائدہ: یہ پرانے زمانہ کی بات ہے جب جنگ میں اختیار ہوتا تھا اب تو فضائی جنگ بھی ہوتی ہے جس میں بم پھینکے جاتے ہیں اور میزائل داغے جاتے ہیں اب یہ بات اختیار میں نہیں رہی کہ جسے چاہیں ماریں اور جسے چاہیں نہ ماریں آج کی جنگ میں جان و مال کی تباہی پہلے سے ہزاروں گناہ زیادہ ہوتی ہے۔

باب

باب: دشمن کو جو قتل کیا جائے آگ میں جلایا نہ جائے

(۱۴۹۶) قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ بَعْثٍ فَقَالَ اِنْ وَّجَدْتُّمْ فُلَانًا وَفُلَانًا لِرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ فَاَحْرِقُوْهُمَا بِالنَّارِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ اَرَدْنَا الْخُرُوْجَ اِنِّيْ كُنْتُ اَمَرْتُكُمْ اَنْ تُحْرِقُوْا فُلَانًا وَفُلَانًا بِالنَّارِ وَاِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا اِلَّا اللهُ فَاِنْ وَّجَدْتُّمُوْهُمَا فَاقْتُلُوْهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ کیا آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم فلاں اور فلاں شخص کو پاؤ آپ ﷺ نے قریش سے تعلق رکھنے والے دو آدمیوں کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی، تو ان دونوں کو آگ سے جلا دینا پھر نبی اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ ہم روانہ ہونے لگے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں یہ ہدایت کی تھی کہ تم فلاں اور فلاں کو آگ کے ذریعے جلا دینا، آگ کے ذریعے عذاب صرف اللہ تعالیٰ دے سکتا ہے اگر تم ان دونوں کو پاؤ تو انہیں قتل کر دینا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْغُلُوْلِ

باب ۱۹: مال غنیمت میں خیانت کرنا

(۱۴۹۷) مَنْ مَّاتَ وَهُوَ بَرِيْءٌ مِنْ ثَلَاثٍ اَلْكِبْرُ وَالْغُلُوْلُ وَالدَّيْنُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ تکبر اور مال غنیمت میں خیانت اور قرض سے بری الذمہ ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۱۴۹۸) مَنْ فَارَقَ الرُّوحُ الْجَسَدَ وهُوَ بَرِيْئٌ مِنْ ثَلَاثٍ اَلْكَنْزُ وَالْغُلُولُ وَالدَّيْنُ دخلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس شخص کی روح جسم سے اس عالم میں جدا ہو کہ وہ تین چیزوں سے بری الذمہ ہو، خزانہ اکٹھا کرنے، مال غنیمت میں خیانت کرنے اور قرض سے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

(۱۴۹۹) قِيلَ يَا رسولَ اللهِ ﷺ إِنَّ فُلانًا قَدِ اسْتُشْهِدَ قال كَلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ بِعَبَاءَةٍ قَدْ غَلَّهَا قال قُمْ يَا عُمَرُ فَنَادِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الجنةَ إِلَّا المُومِنُونَ ثَلَاثًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ بات بیان کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بات عرض کی گئی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں شخص شہید ہو گیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں اس چادر کے ہمراہ دیکھا ہے، جسے اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کے طور پر لیا تھا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عمر! تم اٹھو اور یہ اعلان کرو کہ جنت میں صرف اہل ایمان داخل ہوں گے، اور یہ تین مرتبہ اعلان کرو۔

تشریح: اس حدیث میں مؤمن سے مؤمن کامل مراد ہے اور مؤمن کامل وہ ہے جس کے نامہ اعمال میں کوئی کبیرہ گناہ نہ ہو اور نجات اولی کے لیے ایمان کامل شرط ہے اور مال غنیمت میں خیانت کرنا کبیرہ گناہ ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معذب دیکھا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي خُرُوْجِ النِّسَآءِ فِي الْحَرْبِ

باب ۲۰: جنگ کے دوران خواتین کا جانا

(۱۵۰۰) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيمٍ وَنِسْوَةٍ مَّعَهَا مِنَ الْأَنصارِ يَسْقِينَ المَاءَ وَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ان کے ہمراہ چند دیگر انصاری خواتین کو جنگ میں ساتھ لے کر گئے تھے جو پانی پلایا کرتی تھیں، بیماروں (یعنی زخمیوں) کو دوا دیا کرتی تھیں۔

تشریح: عورتوں پر جہاد فرض نہیں جیسا کہ بخاری باب جہاد النساء میں ص ۴۰۲ ج ۱ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اسی طرح نعم الجہاد الحج اس کی وجہ محشی نے ابن ابطال سے یہ نقل کی ہے کہ چونکہ عورتوں کے حق میں تستر اور مردوں سے اجتناب مطلوب ہے جو وجوب جہاد کی صورت میں مشکل ہے اس لیے جہاد واجب نہ ہوا۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں قطعاً جہاد میں نہیں جاسکتیں کیونکہ متعدد صحابیات کا جہاد میں جانا ثابت ہے جو مریضوں کی دیکھ بھال وغیرہ جیسے امور سرانجام دیتیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قَبُوْلِ هَدَايَا الْمُشْرِكِيْنَ

باب ۲۱: مشرکین کے تحائف قبول کرنا

(۱۵۰۱) اِنَّ كِسْرٰى اَهْدٰى لَهٗ فَقَبِلَ وَاِنَّ الْمُلُوْكَ اَهْدَوْا اِلَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُمْ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: کسریٰ نے آپ کی خدمت میں تحفہ بھجوایا تو آپ نے اسے قبول کرلیا۔ اسی طرح بادشاہوں نے آپ کی خدمت میں تحائف بھجوائے تو آپ نے انہیں قبول کرلیا۔

باب

باب ۲۲: مشرکین کے تحائف قبول کرنا مکروہ ہے

(۱۵۰۲) اَنَّهٗ اَهْدٰى لِلنَّبِيِّ ﷺ هَدِيَّةً لَّهٗ اَوْ نَاقَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَسْلَمْتَ قَالَ لَا قَالَ فَاِنِّيْ نُهِيْتُ عَنْ زَبْدِ الْمُشْرِكِيْنَ.

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی طرف سے ایک تحفہ (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ایک اونٹنی پیش کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ انہوں نے عرض کی۔ نہیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے مشرکین کے تحائف قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

تشریح: یہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول نہیں کیا تھا تو وہ ہدیہ دینے والے کی مصلحت سے تھا بعض مرتبہ ہدیہ واپس کردیا جائے تو اس سے ہدیہ دینے والی کی اصلاح ہوجاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ سَجْدَةِ الشُّكْرِ

باب ۲۳: سجدہ شکر کا بیان

(۱۵۰۳) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتَاهُ اَمْرٌ فَسُرَّ بِهٖ فَخَرَّ لِلّٰهِ سَاجِدًا.

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اطلاع آئی جس سے آپ بہت خوش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں چلے گئے۔

تشریح: جب کوئی خوش کن خبر پہنچے یا فرحت افزا معاملہ پیش آئے یا کوئی آفت ومصیبت ٹلے تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا مسنون ہے اور شکر بجالانے کے دو طریقے ہیں کامل اور ناقص۔ کامل شکر بجالانا یہ ہے کہ کم از کم دو نفلیں پڑھے اور زیادہ پڑھے تو اور بھی بہتر ہے اور ناقص شکر بجالانا یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کی طرح سجدہ شکر کرے سجدہ شکر احناف کے نزدیک بھی مشروع ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جو

مروی ہے کہ لمہ یرہ آپ نے اس کو نہیں دیکھا یعنی اس کو شکر تام نہیں سمجھا شکر تام دو نفلیں پڑھنا ہے اور فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جو آٹھ نفلیں پڑھی تھیں ان کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے وہ نفلیں فتح مکہ کے شکریہ کی پڑھی ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اَمَانِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ

باب ۲۴: عورت اور غلام کا امان دینا

(۱۵۰۴) اَنَّ الْمَرْاَۃَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ یعنی تُجِیْرُ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: عورت لوگوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔

(۱۵۰۵) اَنَّھَا قَالَتْ اَجَرْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ اَحْمَائِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ قَدْ اَمَّنَّا مَنْ اَمَّنْتِ

ترجمہ: سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے اپنے سسرالی عزیزوں میں سے دو آدمیوں کو پناہ دی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسے تم نے پناہ دی ہے ہم بھی اسے پناہ دیتے ہیں۔

اگر کوئی مسلمان عورت کسی کافر کو پناہ دے تو اس کا پناہ دینا معتبر ہے اب اس کافر کو قتل کرنا کسی کے لیے جائز نہیں اسی طرح جو غلام ماذون فی القتال ہے یعنی وہ جنگ میں شامل کرلیا گیا ہے جیسے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ جنگ خیبر میں شامل کر لیے گئے تھے ایسا غلام اگر کسی کافر کو پناہ دے تو وہ پناہ بھی معتبر ہے اور اگر وہ غلام جنگ میں شامل نہیں کیا گیا تو اس کا پناہ دینا معتبر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْغَدْرِ

باب ۲۵: عہد شکنی کا بیان

(۱۵۰۶) کَانَ بَیْنَ مُعَاوِیَۃَ وَبَیْنَ اَھْلِ الرُّوْمِ عَھْدٌ وَّکَانَ یَسِیْرُ فِیْ بِلَادِھِمْ حَتّٰی اِذَا انْقَضَی الْعَھْدُ اَغَارَ عَلَیْھِمْ فَاِذَا رَجُلٌ عَلٰی دَابَّۃٍ اَوْ عَلٰی فَرَسٍ وَھُوَ یَقُوْلُ اَللہُ ﷺ اَکْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرَ وَاِذَا ھُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَۃَ فَسَاَلَہٗ مُعَاوِیَۃُ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ کَانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ قَوْمٍ عَھْدٌ فَلَا یَحُلَّنَّ عَھْدًا وَلَا یَشُدَّنَّہٗ حَتّٰی یَمْضِیَ اَمَدُہٗ اَوْ یُنْبِذَ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِیَۃُ بِالنَّاسِ.

ترجمہ: سلیم بن عامر بیان کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان امن معاہدہ چل رہا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیش قدمی شروع کی جیسے ہی معاہدے کا وقت ختم ہوا تو ان پر حملہ کر دیا۔ اسی دوران ایک شخص اپنے جانور پر یا شاید اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور وہ یہ کہہ رہا تھا اللہ اکبر وعدہ پورا ہوا ہے کوئی عہد شکنی نہیں ہوئی۔ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

جس شخص کا کسی قوم کے ساتھ امن معاہدہ چل رہا ہو تو جب تک اس کی طے شدہ مدت پوری نہیں ہو جاتی یا وہ دشمن کو آگاہ نہیں کر دیتا اس کی خلاف ورزی نہ کرے اور اسے توڑے نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ اَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

باب ۲۶: قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے مخصوص جھنڈا ہوگا

(۱۵۰۷) اِنَّ الغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے جھنڈا گاڑھا جائے گا۔

تشریح: اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی نیک تشہیر کرتے تو اس کے آگے جھنڈا گاڑتے اور جب کسی کو رسوا کرتے تو اس کی پشت پر جھنڈا کھڑا کرتے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق یہ ارشاد فرمایا چنانچہ پوری حدیث اسی طرح ہے: ينصب لكل غادر لواء عند استه بقدر غدرته لہٰذا بڑے غدار کا جھنڈا زیادہ بلند ہوگا تا کہ وہ زیادہ رسواء ہو یہ گویا علامت میں سے ہے سزا تو الگ ہوگی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِى النُّزُوْلِ عَلَى الْحُكْمِ

باب ۲۷: کسی کے فیصلہ کی شرط پر دشمن کا جنگ بند کرنا

(۱۵۰۸) رُمِيَ يَوْمَ الْاَحْزَابِ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَطَعُوْا اَكْحَلَهُ اَوْ اَبْجَلَهُ فَحَسَمَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالنَّارِ فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَتَرَكَهُ فَنَزَفَهُ الدَّمُ فَحَسَمَهُ اُخْرٰى فَانْتَفَخَتْ يَدُهُ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْرِجْ نَفْسِي حَتّٰى تَقِرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ فَاسْتَمْسَكَ عِرْقُهُ فَمَا قَطَرَ قَطْرَةً حَتّٰى نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَحَكَمَ اَنْ يُّقْتَلَ رِجَالُهُمْ وَيُسْتَحْيَا نِسَاءُهُمْ يَسْتَعِيْنُ بِهِنَّ الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَصَبْتَ حُكْمَ اللهِ فِيْهِمْ وَكَانُوْا اَرْبَعَ مِاءَةٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِهِمْ اِنْفَتَقَ عِرْقُهُ فَمَاتَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر لگ گیا جس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آگ کے ذریعے داغ لگوایا تو ان کا ہاتھ سوج گیا جب انہوں نے یہ دیکھا تو یہ دعا کی اے اللہ! میری جان کو اس وقت تک نہ نکالنا جب تک بنو قریظہ کے حوالے سے میری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کر دے تو ان کی رگ سے خون نکلنا بند ہو گیا اس کے بعد ایک قطرہ بھی نہیں گرا یہاں تک کے جب ان لوگوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث تسلیم کیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوایا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی خواتین کو زندہ رکھا جائے اور مسلمان ان سے کام لیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے وہ لوگ چار سو افراد

تھے جب مسلمان ان کے قتل سے فارغ ہوئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی رگ میں سے خون بہنا شروع ہو گیا اور ان کا انتقال ہو گیا۔

(۱۵۰۹) اُقْتُلُوا شُيُوخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَحْيُوا شَرْخَهُمْ وَالشَّرْخُ الْغِلْمَانُ الَّذِيْنَ لَمْ يُنْبِتُوا.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: مشرکین کے عمر رسیدہ لوگوں کو قتل کر دو البتہ ان کے بچوں کو زندہ رہنے دو۔

(۱۵۱۰) قَالَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ فَكَانَ مَنْ اَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَّمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيلُهُ فَكُنْتُ مِمَّنْ لَّمْ يُنْبِتْ فَخُلِّيَ سَبِيْلِي.

ترجمہ: حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ہمیں جنگ قریظہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو جس لڑکے کے زیر ناف بال اُگ چکے تھے اسے قتل کر دیا گیا۔ اور جس کے نہیں اگے تھے اسے چھوڑ دیا گیا میں ان لوگوں میں سے تھا جس کے بال نہیں اُگے تھے تو مجھے چھوڑ دیا گیا۔

اس باب میں تین حدیثیں ہیں پہلی اور تیسری حدیث کا تعلق غزوہ بنو قریظہ سے ہے اور دوسری حدیث عام ہے۔

فائدہ: جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فیصلہ کے لیے بلائے گئے تو وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے تھے جب وہ کیمپ کے قریب پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے کے لوگوں سے فرمایا: قوموا الی سیدکم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہوؤ یعنی وہ بیمار ہیں ان کو سہارا دے کر اتارو کچھ لوگ اس سے قیام تعظیمی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال درست نہیں یہ استدلال جب ہو سکتا ہے کہ قوموا لسیدکم ہو یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہوؤ جبکہ حدیث میں لام نہیں ہے بلکہ الی ہے اور اس کے معنی وہ ہیں جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِى الْحِلْفِ

باب ۲۸: باہمی تعاون کا معاہدہ کرنا

(۱۵۱۱) فِي خُطْبَتِهٖ اَوْفُوا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ يَعْنِي الْاِسْلَامُ اِلَّا شِدَّةً وَلَا تُحْدِثُوا حِلْفًا فِي الْاِسْلَامِ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی۔ زمانہ جاہلیت کے حلف کو پورا کرو کیونکہ اسلام اس کی شدت میں اضافہ ہی کرتا ہے اور اسلام (قبول کر لینے کے بعد کسی کافر قبیلے کے ساتھ) تم کوئی معاہدہ نہ کرو۔ یعنی اس بات کا معاہدہ کہ کسی جنگ کی صورت میں تم ان کا ساتھ دو گے۔

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی بلکہ محض قبائلی نظام تھا اس لیے لوگ دوسرے کی مدد کے لیے اتحاد کرتے بایں صورت کہ فریقین قسمیں کھاتے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور میراث باہم لینے کا عہد و پیمان بھی کرتے ایسے معاہدے کو حلف (بکسر الحاء) کہا جاتا تھا۔

دوسری طرف اسلام نے جاہلیت کی رسومات میں سے بعض کو یکسر ختم کر دیا تھا بعض کو باقی رکھا۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کرتے تھے کہ ہم ہر حال میں متحد رہیں گے اور حاجت مندوں کی مدد کریں گے نبی ﷺ نے فرمایا یہ معاہدے پورے کرو یعنی ان پر عمل کرو کیونکہ اسلام اس قسم کے معاہدوں کی تاکید ہی کرتا ہے ان کو کالعدم قرار نہیں دیتا لیکن اب اسلام میں اس قسم کے معاہدوں کی ضرورت نہیں کیونکہ اسلام خود ایک مضبوط رشتہ ہے اب اس کی بنیاد پر تعاون ہونا چاہیے اور ظلم وزیادتی کی اسلام خود ممانعت کرتا ہے پس اس کے ازالہ کے لیے کسی تحائف کی ضرورت نہیں۔

بَابُ فِیْ اَخْذِ الْجِزْیَةِ مِنَ الْمَجُوْسِیِّ

باب ۲۹: مجوسیوں سے جزیہ لینا

(۱۵۱۲) كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَلٰى مُنَاذِرَ فَجَاءَنَا كِتَابُ عُمَرَ اُنْظُرْ مَجُوْسَ مَنْ قِبَلَكَ فَخُذْ مِنْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اَخْبَرَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ.

ترجمہ: حضرت بجالہ بن عبدہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت جزء بن معاویہ کا "مناذر" کے مقام پر سیکرٹری تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ہمارے پاس آیا انہوں نے فرمایا۔ اپنے علاقے کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کرو کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

(۱۵۱۳) اَنَّ عُمَرَ كَانَ لَا يَاْخُذُ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰى اَخْبَرَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ.

ترجمہ: حضرت بجالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا۔ نبی اکرم ﷺ نے ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

(۱۵۱۴) اَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوْسِ الْبَحْرَيْنِ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے بحرین کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے تردد تھا کہ آیا مجوس سے جزیہ لیا جائے یا نہیں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی جیسا کہ باب کی دوسری ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام فرمان جاری فرما دیا مجوس سے جزیہ لینے پر اجماع ہے۔

مذاہب فقہاء: ① امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جزیہ صرف اہل کتاب اور مجوس سے لیا جائے گا۔

② حنفیہ کے نزدیک جزیرۃ العرب میں جو مشرکین ومجوس ہیں ان کے سوا تمام کفار سے لیا جائے گا یعنی مشرکین عرب کے لیے یہ رخصت نہیں ان کے لیے قتل یا اسلام ہے لشدۃ کفرھم۔

③ امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک سوائے مرتد کے باقی تمام کفار سے لیا جائے گا تفصیل ودلائل سے معذرت کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ مَا یَحِلُّ مِنْ اَمْوَالِ اَھْلِ الذِّمَّۃِ؟

باب ۳۰: ذمیوں کے مال میں سے کون سی چیز حلال ہے؟

(۱۵۱۵) قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللہِ ﷺ اِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا ھُمْ یُضِیْفُوْنَا وَلَا ھُمْ یُؤَدُّوْنَ مَالَنَا عَلَیْھِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْنُ نَاْخُذُ مِنْھُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اِنْ اَبَوْا اِلَّا اَنْ تَاْخُذُوْا کَرْھًا فَخُذُوْا۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں اور وہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے اور ہمارا ان پر جو حق ہے وہ اسے ادا نہیں کرتے۔ نہ ہی ہم (معاوضہ دے کر) ان سے کوئی چیز حاصل کرسکتے ہیں (ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہ لوگ انکار کرتے ہیں تو تم ان سے زبردستی وصول کرلو۔

تشریح: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جب کوئی لشکر کسی مہم پر روانہ ہوتا تھا تو وہ رسد ساتھ لے کر چلتا تھا مگر چھوٹا لشکر رسد ساتھ کرلے نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کا دستور تھا کہ چھوٹا لشکر جس گاؤں سے گذرے گاؤں والے اس کی ایک وقت دعوت کریں یا ان کی ضرورت کی چیزیں فروخت کریں یہ طریقہ پہلے سے چلا آرہا تھا پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو غیر مسلموں کو چونکہ مسلمانوں سے بیر تھا اس لیے وہ ان کی دعوت نہیں کرتے تھے نہ ان کو کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پریشانی کا سامنا تھا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پریشانی کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ تمہیں خوشی سے نہ دیں تو زبردستی لے لو (اور دام ان کو دے دو)۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْھِجْرَۃِ

باب ۳۱: ہجرت کا بیان

(۱۵۱۶) یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰکِنْ جِھَادٌ وَّنِیَّۃٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن یہ بات ارشاد فرمائی۔ مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی البتہ جہاد اور نیت باقی ہیں جب تم سے جنگ میں نکلنے کے لئے کہا جائے تو تم روانہ ہوجاؤ۔

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کی دو قسمیں اگرچہ اب باقی نہ رہیں: ① دین اور نفس کے خطرہ سے (مکہ وغیرہا چھوڑ کر) مدینہ منورہ جانا۔ ② حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی غرض سے وہاں جانا۔ مگر نفس ہجرت قیامت تک باقی ہے۔ یعنی جب ہجرت پر قدرت ہو اور دین کو خطرہ لاحق ہو تو ہجرت لازمی ہوگی مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج دنیا میں کون سی جگہ ہے جہاں

دین کو خطرہ درپیش نہیں؟ یعنی ہر جگہ کچھ نہ کچھ گناہ ناگزیر تو ہیں ہی۔

اس کے لیے ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جہاں نسبتاً کم مظالم اور اقل معاصی ہوں اسی کی طرف ہجرت کرے۔

جس دار الکفر میں رہ کر دین پر عمل کرنا ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے رہی یہ بات کہ کہاں جائیں؟ یہ سوچنا نہیں اللہ تعالیٰ انتظام کرنے والے ہیں: ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾ (النساء:۱۰۰) یعنی جو اللہ کے دین کے لیے اپنا وطن چھوڑ دے گا وہ زمین میں جانے کی بہت جگہ پائے گا اور وسعت اللہ تعالیٰ اس کا انتظام فرمائیں گے بس دار الکفر سے نکل کھڑا ہونا شرط ہے البتہ جس دار الکفر میں دین پر عمل کرنے میں کوئی خاص پریشانی نہ ہو وہاں دین پر عمل کرنا ممکن ہو جیسے آج کا ہندوستان تو وہاں سے ہجرت ضروری نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ بَيْعَةِ النَّبِيِّ ﷺ

باب ۳۲: نبی ﷺ سے بیعت جہاد کرنے کا بیان

(۱۵۱۷) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:۱۸) قَالَ جَابِرٌ رضی اللہ عنہ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَنْ لَّا نَفِرَّ وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان سے راضی ہو گیا جنہوں نے درخت کے نیچے تم سے بیعت کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر اس بات کی بیعت کی تھی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے ہم نے آپ ﷺ کے دست اقدس پر مر جانے کی بیعت نہیں کی تھی۔

(۱۵۱۸) قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ عَلٰى اَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رسولَ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ.

ترجمہ: ابو عبید بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ آپ لوگوں نے کس بات پر نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر حدیبیہ کے موقع پر بیعت کی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا۔ موت پر۔

(۱۵۱۹) قَالَ كُنَّا نُبَايِعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَيَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر اطاعت و فرمانبرداری کی بیعت کی تو آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا۔ اس حد تک جس کی تم میں استطاعت ہو۔

(۱۵۲۰) قَالَ لَمْ نُبَايِعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمَوْتِ اِنَّمَا بَايَعْنَاهُ عَلٰى اَنْ لَّا نَفِرَّ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر موت کی بیعت نہیں کی تھی ہم نے اس بات کی بیعت کی تھی کہ ہم فرار نہیں ہوں گے۔

تشریح: اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں جو بیعت ہوئی تھی وہ موت پر نہ تھی جبکہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اسی باب میں مروی ہے موت پر بیعت کی تصریح کرتی ہے تو بظاہر دونوں میں تعارض لگتا ہے۔

اس تعارض کو رفع کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ بیعتوں کی دو قسمیں بنالی جائیں کہ بعض صحابہ نے موت پر بیعت کی اور بعض نے عدم فرار پر جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا معنی کلا الحدیثین صحیح۔ حافظ ابن حجر نے بھی اس توجیہ کو محتمل قرار دیا ہے مگر علامہ عینی اور اصحاب السیر وغیرہ ہم اس تطبیق سے خوش نہیں۔

اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ سب صحابہ نے صبر کرنے پر بیعت کر لی تھی مگر صبر کے ساتھ چونکہ کبھی عدم فرار ملزوم ہوتا ہے اور کبھی موت اس لیے کسی نے ایک ملزوم کا ذکر کیا اور کسی نے دوسرے کا گویا اصل مقصد میں کوئی اختلاف نہیں صرف تعبیر کا فرق ہے کیونکہ مراد موت نہ تھی بلکہ جم کر لڑنا مقصد تھا اگرچہ اس میں موت کی نوبت آئے۔

بَابُ فِیْ نَکْثِ الْبَیْعَةِ

باب ۳۳: بیعت کو توڑ دینا

(۱۵۲۱) ثَلَاثَةٌ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ رَجُلٌ بَایَعَ اِمَامًا فَاِنْ اَعْطَاهُ وَفٰی لَهٗ وَاِنْ لَّمْ یُعْطِهٖ لَمْ یَفِ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے دن تین طرح کے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا، ان کا تزکیہ نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، ایک وہ شخص جو کسی امام کی بیعت کرے اور اگر امام اسے کچھ دے تو وہ اس بیعت کو پورا کرے اور اگر کچھ نہ دے تو اس کو پورا نہ کرے۔

تشریح: قولہ لایکلمھم اللہ کنایہ ہے اعراض سے یا مطلب یہ ہے کہ ان سے نرم لہجہ میں بات نہیں کریں گے بلکہ سخت انداز سے گفتگو فرمائیں گے مسلم ص:۷۱ ج:۱ میں یہ اضافہ بھی ہے ولا ینظر الیھم اس سے مراد نظر رحمت کی نفی ہے یا پھر یہ بھی اعراض سے کنایہ ہے قولہ ولا یزکیھم یعنی ان کو گناہوں اور عیوب سے۔

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث مختصر لکھی ہے باقی دو شخصوں کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے بخاری شریف (حدیث ۲۳۵۸، کتاب المساقاۃ) میں مفصل ہے: دوسرا شخص جس کے پاس سر راہ ضرورت سے زیادہ پانی ہے اور وہ مسافر کو نہیں دیتا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے عصر کی نماز کے بعد کسی کو کوئی سامان بیچا اور قسم کھائی کہ وہ اتنے میں لایا ہے خریدار نے اس کی بات مان کر سامان خرید لیا حالانکہ وہ اتنے میں نہیں لایا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ بَیْعَةِ الْعَبْدِ

باب ۳۴: غلام کی بیعت کا بیان

(۱۵۲۲) جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ ﷺ اَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِعْنِيْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ اَسْوَدَيْنِ وَلَمْ يُبَايِعْ اَحَدًا بَعْدُ حَتّٰى يَسْاَلَهُ اَعَبْدٌ هُوَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک غلام آیا اس نے نبی اکرم ﷺ کے دست اقدس پر ہجرت کی بیعت کی نبی اکرم ﷺ کو یہ پتہ نہیں تھا۔ وہ غلام ہے، پھر اس کا آقا آیا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اسے مجھے فروخت کر دو۔ پھر آپ ﷺ نے اسے دو سیاہ فام غلاموں کے عوض میں خرید لیا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی سے بیعت لیتے تھے تو اس سے دریافت کر لیتے تھے کہ کیا وہ غلام تو نہیں ہے۔

تشریح: ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ عبد مملوک کی بیعت مولیٰ کو ترک کرنے کی صورت میں صحیح نہیں کہ اس کا حق مقدم ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ بَیْعَةِ النِّسَآءِ

باب ۳۵: عورتوں سے بیعت لینے کا بیان

(۱۵۲۳) بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَاَطَقْتُنَّ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِاَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ بَايِعْنَا قَالَ سُفْيَانُ تَعْنِيْ صَافِحْنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَاَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ.

ترجمہ: سیدہ امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم خواتین نے نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی، آپ ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا۔ یہ بیعت اس حد تک ہو گی جس کی تم میں استطاعت ہو، جس کی تم طاقت رکھتی ہو تو میں نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہمارے بارے میں ہم سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے بیعت لیں۔ سفیان نامی راوی بیان کرتے ہیں۔ اس خاتون کی مراد یہ تھی کہ آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دیں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ۱۰۰ عورتوں سے میرا کلام بھی ایک عورت کے ساتھ بات کرنے کی مانند ہے۔

فائدہ: عورتوں کی بیعت کا ذکر سورۃ الممتحنۃ آیت ۱۲ میں ہے اور بزرگوں کے یہاں جو طریقہ ہے کہ عورت پس پردہ ہوتی ہے اور عمامہ چادر یا رومال وغیرہ پکڑا کر بیعت کی جاتی ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں مگر یہ ضروری نہیں بغیر کوئی چیز پکڑائے بھی عورت سے الفاظ بیعت کہلوائے جاسکتے ہیں البتہ عورت کا پس پردہ ہونا ضروری ہے اور پیر جو کچھ کہلوائے عورت اس کو سراً کہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ عِدَّةِ اَصْحَابِ بَدْرٍ

باب ۳۶: اصحاب بدر کی تعداد

(۱۵۲۴) قال کُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّ اَصْحَابَ بَدْرٍ یومَ بَدْرٍ کَعِدَّۃِ اَصْحَابِ طَالُوتَ ثَلَاثَ مِاءَۃٍ وَّثَلَاثَۃَ عَشَرَ رَجُلًا.

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ یہ گفتگو کیا کرتے تھے، غزوۂ بدر کے دن، اصحاب بدر کی تعداد، حضرت طالوت علیہ السلام کے ساتھیوں جتنی تھی۔ یعنی وہ تین سو تیرہ افراد تھے۔

تشریح: ترمذی اور دیگر مشہور روایت کے مطابق اصحاب بدر کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور اتنی ہی تعداد حضرت طالوت علیہ السلام کے ساتھیوں کی تھی جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں آیا ہے اور بہت واضح ہے اصحاب طالوت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ نہر اُردن عبور کر کے جالوت سے لڑکر فتح سے ہم کنار ہوئے تھے طالوت نے کہا تھا کہ جو بھی جالوت کو قتل کرے گا وہ اسے اپنی لڑکی نکاح میں دے گا اور حکومت بھی تقسیم کر کے اسے آدھی دے گا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اس انعام کے مستحق ٹھہرے تفصیل خازن وغیرہ تفاسیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں مشہور روایت یہی ہے کہ وہ تین سو تیرہ تھے: اور مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل بدر تین سو انیس تھے ان روایات میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اگر اس آخری شخص کو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شمار کیا جائے تو تین سو پندرہ تھے اور اگر اس آخری شخص کو اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شمار نہ کیا جائے تو تعداد تین سو تیرہ تھی اور اس سفر میں چار کم عمر لڑکے بھی ساتھ تھے حضرت براء، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ان کو قتال کی اجازت نہیں تھی اگر ان کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین سو انیس ہوجاتی ہے یہ سب تفصیل فتح الباری (۲۲۶:۷) میں ہے۔

فائدہ: ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ واقعہ بدر سے آٹھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجو نہیں تھے (جن کے الگ الگ اعذار تھے یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی نہ کسی کام پر لگا دیا تھا اس لیے ان کو شریک سہام کر دیا گیا تھا)۔ حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر حضرت عاصم بن عدی حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ عنہم ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء بنا کر روکا تھا حضرت حارث بن وابصہ وخوات بن جبیر کسرا بالروحاء لاخلاف فیھم۔ جبکہ حضرت سعد بن عبادہ حضرت سعد بن مالک الساعدی رضی اللہ عنہم ورجل من الانصار ورجل آخر لم یتفق علی ھؤلاء الاربعۃ یعنی ان کے بارے میں کوئی حتمی بات طے نہیں کہ شریک تھے یا نہیں تاہم سہم غالباً ثابت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْخُمُسِ

باب ۳۷: خمس (غنیمت کے پانچویں حصہ) کا بیان

(۱۵۲۵) اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِوَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ اٰمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ قَالَ وَفِی الْحَدِیْثِ قِصَّۃٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس قبیلے کے وفد سے یہ فرمایا تھا۔ میں تم لوگوں کو یہ

ہدایت کرتا ہوں، تمہیں جو مال غنیمت حاصل ہو اس کے پانچویں حصے کو ادا کرو۔

تشریح: جو اموال کفار سے حاصل ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں:

① **مال غنیمت:** وہ مال ہے جو غیر مسلموں سے جنگ وقتال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

② **مال فئی:** یہ وہ مال ہے جو غیر مسلموں سے جنگ کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے جزیہ خراج (مال گزاری) غیر مسلم تاجروں سے لی ہوئی چنگی (ٹیکس) اور وہ مال جو کفار سے مصالحت کے طور پر حاصل ہوتا ہے یا وہ مال جس کو چھوڑ کر کفار بھاگ گئے ہوں۔

مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے اور اس کے پانچ مصرف ہیں جن کا تذکرہ سورہ الانفال آیت ۴۱ میں آیا ہے اور ارشاد پاک ہے اور یہ بات جان لو کہ جو چیز کفار سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا پانچواں حصہ ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اور رسول ﷺ کے رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لیے۔

تفصیل: مصارف خمس میں کائنات کے خالق و مالک کا تذکرہ بطور توطئہ ہے باقی مصارف کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① غنیمت میں جو حصہ رسول اللہ ﷺ کا تھا آپ اپنی حیات مبارکہ میں اس میں سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خرچ نکالتے تھے آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ حصہ مصالح مسلمین میں خرچ کیا جانے لگا اور جو کام زیادہ اہم ہوتے تھے ان میں پہلے خرچ کیا جاتا تھا پھر دوسرے کاموں میں۔

② اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو دیا جاتا ہے خواہ وہ غریب ہوں یا مالدار اور خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور ان میں جو مقروض ہوتا تھا یا شادی کرنا چاہتا تھا یا حاجت مند تھا اس کی اعانت پہلے کی جاتی تھی۔

③ اور یتیموں کا حصہ ایسے بچوں پر خرچ کیا جاتا ہے جو غریب ہوں اور ان کا باپ وفات پا چکا ہو۔

④ اور غریبوں مسکینوں اور مسافروں کا حصہ انہیں پر خرچ کیا جاتا تھا اور مسافر سے مراد وہ ہے جو وطن سے دور ہو اور اس کو مال کی شدید حاجت پیش آ گئی ہو۔

فائدہ: ① خمس کے مذکور مصارف میں سے کس مصرف پر کتنا خرچ کیا جائے گا؟ یہ امام کی صوابدید پر موقوف ہے وہ خوب غور کر کے طے کرے کہ زیادہ اہم کون ہے؟ اور کس مصرف میں کتنا خرچ کرنا ہے؟ اور کس شخص کو کتنا دینا ہے؟

فائدہ: ② حنفیہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ نصرت قدیم کی بناء پر تھا اس لیے وہ بھی نہیں رہا البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور ﷺ کے قرابت دار مساکین واہل حاجت کو مقدم رکھا جائے گا۔ (فوائد عثمانی)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النُّهْبَةِ

باب ۳۸: مال غنیمت لوٹنا جائز نہیں

(۱۵۲۶) كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَتَقَدَّمَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَتَعَجَّلُوا مِنَ الْغَنَائِمِ فَاطَّبَخُوا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ فِي أُخْرَى النَّاسِ فَمَرَّ بِالْقُدُورِ فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمْ فَعَدَلَ بَعِيرًا بِعَشْرِ شِيَاهٍ.

ترجمہ: عبایہ بن رفاعہ اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: کچھ جلد باز لوگوں نے جلدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مال غنیمت میں (ملنے والے جانوروں کو) پکانا شروع کر دیا، نبی اکرم ﷺ پیچھے والے لوگوں کے ساتھ آ رہے تھے جب آپ ﷺ ہنڈیوں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ کے حکم کے تحت انہیں الٹا دیا گیا، پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کے درمیان مال غنیمت کو تقسیم کیا، آپ ﷺ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا۔

(۱۵۲۷) مَنِ انْتَهَبَ فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ لے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آنحضور ﷺ تو ویسے بھی ہمیں حسب ضرورت عطاء فرمائیں گے اس لیے وہ اجازت کو لازمی نہ سمجھے حالانکہ اذن ضروری تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى أَهْلِ الْكِتٰبِ

باب ۳۹: یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کا حکم

(۱۵۲۸) لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلٰى أَضْيَقِهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تمہارا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ راستے میں سامنا ہو تو اسے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کرو۔

(۱۵۲۹) إِنَّ الْيَهُودَ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَحَدُهُمْ فَإِنَّمَا يَقُولُ السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْ عَلَيْكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرما۔ جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے، اور السام علیکم (تمہیں موت آئے) کہے، تو علیك (یعنی تم کو بھی) کہہ دو۔

تشریح: مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں جو یہودی آباد تھے وہ مسلمانوں کو سلام کیا کرتے تھے مگر وہ یہ حرکت کیا کرتے تھے کہ السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہتے تھے جس کے معنی ہیں تم مرو جب نبی ﷺ کو ان کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا یہود السام علیکم کہتے ہیں پس تم جواب میں علیکم کہو یعنی ہم نہیں تم مرو چنانچہ یہودیوں نے یہ حرکت چھوڑ دی۔ اور اس حدیث میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو دو حکم اور بھی دیئے ہیں ایک ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے دوسرا جب آمنا سامنا ہو تو ان کو دائیں بائیں ہٹنے پر مجبور کیا جائے یہ دونوں حکم آپ ﷺ نے مسلمانوں کے احساس کمتری کو ختم کرنے کے لیے دیئے تھے۔

مبتدع اگر مفسد اور خطرناک ہو تو اپنے تحفظ کے پیش نظر اسے ابتداء بالسلام کی گنجائش ہے قالہ الطیبی ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

ومن هدیه ﷺ ترك السلام ابتداء وردا علی من احدث حدثا حتی یتوب.

"نبی ﷺ کی اقتداء میں سے یہ بھی ہے کہ بدعتی کو نہ سلام کیا جائے اور نہ ہی سلام کا جواب دیا جائے۔"

مگر آج کل کے دور کے نازک حالات کے پیش نظر طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اصل ہے گویا اہل بدع سے دور رہنے کی بھرپور کوشش ہونی چاہیے لیکن اگر ناگزیر ضرورت کی بناء پر آمنا سامنا ہو جائے اور ترک سلام یا ردسلام کے ترک میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو خصوصا دینی نقصان کا مثلاً فساد برپا ہونا یا اس مبتدع کا ضدی بننے اور لوگوں میں باقاعدہ کام کرنے کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ اسے اپنے قابو میں رکھنے کے لیے ظاہری سطح پر خوشگوار تعلق قائم کر دیا جائے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ الْمُقَامِ بَیْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِکِیْنَ

باب ۴۰: مشرکین کے درمیان بود و باش اختیار کرنا

(۱۵۳۰) اَنَّ رَسُوْلَ ﷺ بَعَثَ سَرِیَّةً اِلٰی خَثْعَمٍ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِیْهِمُ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِیَّ ﷺ فَاَمَرَلَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ یُقِیْمُ بَیْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِکِیْنَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلِمَ قَالَ لَا تَرَایَا نَارَاهُمَا.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے خثعم قبیلے کی طرف ایک جنگی مہم روانہ کی کچھ لوگوں نے سجدے کے ذریعے بچنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے انہیں تیزی سے قتل کر دیا اس بات کی اطلاع نبی اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا۔ میں ایسے ہر مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو، لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ وہ کس وجہ سے؟ آپ نے ارشاد فرمایا (انہیں ایک دوسرے سے اتنا دور رہنا چاہیے) کہ ایک کی آگ دوسرے کو نظر نہ آئے۔

اس مسئلہ کی ضروری تشریح باب ما جاء لیس علی المسلمین جزیة میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ اِخْرَاجِ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ

باب ۴۱: جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کا نکالنے کا بیان

(۱۵۳۱) لَئِنْ عِشْتُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَاُخْرِجَنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اگر میں زندہ رہا اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔

(۱۵۳۲) لَاُخْرِجَنَّ الیهودَ والنصارٰی مِنْ جزیرةِ العرب فَلَا اَتْرُكُ فِیْهَا اِلَّا مُسْلِمًا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ بتایا انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ عنقریب یہودیوں، عیسائیوں کو جزیدہ عرب سے نکال دوں گا، اور یہاں صرف مسلمانوں کو رہنے دوں گا۔

تشریح: ملک کے شہری کو ملک بدر کرنا جائز نہیں اور یہود ونصاری اس وقت اسلامی مملکت کے شہری تھے اور اسلامی حکومت صرف جزیرۃ العرب کی حد تک تھی مگر جب دوسرے علاقے اسلامی قلم رو میں آئیں گے تو ان کو جزیرۃ العرب سے نکال کر باہر بسایا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی حکومت کی حدود میں وسعت ہوئی تو آپ نے ان کو جزیرۃ العرب سے باہر اذرعات میں بسایا اپنی حکومت سے نہیں نکالا اور جزیرۃ العرب کو ان سے خالی کرنے کی وجہ کتاب الزکوۃ (باب ۱۱) میں گذر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَرِکَۃِ النَّبِیِّ ﷺ

باب ۴۲: نبی ﷺ کی میراث کا بیان

(۱۵۳۳) جَآءَتْ فَاطِمَۃُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَتْ مَنْ یَرِثُكَ قَالَ اَھْلِیْ وَوَلَدِیْ قَالَتْ فَمَالِیْ لَا اَرِثُ اَبِیْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ وَلٰکِنْ اَعُوْلُ مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَعُوْلُہٗ وَاُنْفِقُ عَلٰی مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُنْفِقُ عَلَیْہِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور دریافت کیا۔ آپ کا وارث کون ہوگا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ میری بیوی اور میرے بچے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں۔ پھر کیا وجہ ہے؟ میں اپنے والد کی وارث نہیں بن رہی؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا (پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا) لیکن میں ان تمام لوگوں کی کفالت کرتا رہوں گا جن کی نبی اکرم ﷺ کفالت کیا کرتے تھے اور میں ان تمام لوگوں کا خرچ فراہم کروں گا جن کا نبی اکرم ﷺ خرچ فراہم کیا کرتے تھے۔

(۱۵۳۴) اَنَّ فَاطِمَۃَ جَآءَتْ اَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا تَسْاَلُ مِیْرَاثَھَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَا اُوْرَثُ قَالَتْ وَاللّٰہِ لَا اُکَلِّمُکُمَا اَبَدًا فَمَاتَتْ وَلَا تُکَلِّمُھُمَا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں تاکہ نبی اکرم ﷺ کی وراثت طلب کریں۔ ان دونوں حضرات نے یہ بات بیان کی۔ ہم نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ میرا کوئی وارث نہیں ہوتا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم میں آپ دونوں حضرات کے ساتھ کبھی کلام نہیں کروں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس کے بعد مرتے دم تک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں حضرات کے ساتھ کبھی کلام نہیں کیا۔

(۱۵۳۵) قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَدَخَلَ عَلَیْہِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ ثُمَّ جَآءَ عَلِیٌّ وَالْعَبَّاسُ یَخْتَصِمَانِ فَقَالَ عُمَرُ لَھُمْ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ تَقُوْمُ

السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَا وَلِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجِئْتَ اَنْتَ وَهٰذَا اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ تَطْلُبُ اَنْتَ مِيْرَاثَكَ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ وَيَطْلُبُ هٰذَا مِيْرَاثَ امْرَأَتِهٖ مِنْ اَبِيْهَا فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهٗ صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ.

ترجمہ: مالک بن اوس بن حدثان بیان کرتے ہیں: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر حضرت عثمان حضرت زبیر بن عوام حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم بھی وہاں آ گئے پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی وہاں آئے وہ دونوں کسی بات پر تکرار کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا میں آپ لوگوں کو اللہ کے نام کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں جس کے حکم کے تحت آسمان اور زمین قائم ہیں کیا آپ حضرات یہ بات جانتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے، انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کے رسول کا نائب ہوں اس وقت آپ اور یہ صاحب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے آپ نے اپنے بھتیجے کی وراثت کے بارے میں سوال کیا اور ان صاحب نے اپنی اہلیہ کی ان کے والد سے ملنے والی وراثت کا مطالبہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہ (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) سچے تھے، نیک تھے، ہدایت یافتہ تھے، حق کے پیروکار تھے۔

ترکہ: "ر" کے زیر کے ساتھ ہے اردو میں "ر" کے سکون کے ساتھ بولا جاتا ہے یہ باب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابواب السیر میں اللہ جانے کیوں لائے ہیں؟ نبی ﷺ کی میراث کا اسلام کے حربی نظام سے کچھ تعلق نہیں شاید یہ باب یہاں اس لیے لائے ہیں کہ ہر خلیفہ کا جب انتقال ہوتا ہے تو اس کا ترکہ اسکے وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے مگر اس ضابطہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مستثنیٰ ہیں ان کا ترکہ ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ امت پر وقف (صدقہ) ہوتا ہے اور یہی حکم خلیفہ کے ہاتھ میں جو سرکاری املاک ہیں ان کا ہے وہ بھی ملک کی ہیں خلیفہ کے ورثاء کی نہیں۔

تشریح: یہ مسئلہ اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک اجماعی ہے شیعہ اس میں اختلاف کرتے ہیں بلکہ شیعوں کے مذہب کی بنیاد جن چند مسائل پر ہے ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے وہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو میراث نہ دے کر ان کا حق مارا اور اہل السنہ والجماعۃ کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام کے متروکات امت پر صدقہ ہوتے ہیں اور وہ کارِ خیر میں خرچ کئے جاتے ہیں ورثاء میں تقسیم نہیں کئے جاتے۔

تشریح: قولہ لَا نُوْرَثُ اس کو بفتحہ را بھی پڑھ سکتے ہیں اور بالکسر بھی پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا (یعنی جماعۃ الانبیاء علیہم السلام) کا کوئی وارث نہیں ہوتا دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ ہم کسی کو میراث نہیں دیتے یعنی جو کچھ بچتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے کسی خاص فرد معین کا حق نہیں ہوتا۔

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں تشریف لے گئیں؟ کیا ان کو یہ حکم معلوم نہیں تھا؟ معلوم تھا تو پھر کیا وجہ تھی؟

جواب: باعتبار شق اول بھی دیا جاسکتا ہے اور یہ کوئی عیب نہیں کہ آدمی پر بعض نادر اور قلیل الوقوع مسائل کا علم مخفی رہے باعتبار شق ثانی کے جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ قرآنی آیات میراث کو عام سمجھ کر کچھ تاویل کی قائل ہوں کیونکہ وہ مجتہدہ تھیں۔

اعتراض: کہ پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض کیوں ہوئیں جیسا کہ بخاری میں ہے: **فهجرت ابابكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت....** الخ (ص:۵۳۴ ج:۱)؟

جواب: حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ طبعی بات ہے کہ جب مناظرہ میں کسی کی بات نہیں چلتی ہے تو اس کو ندامت ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ مناظرہ کیا پس معلوم ہوا کہ یہ رنج ندامت تھا نہ کہ رنج عداوت سمہودی نے فرمایا کہ ان کا مطالبہ تولی وقف کا تھا نہ کہ ملک کا **وهذا الطف**۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جو آپ نے بخاری شریف (حدیث ۳۰۹۴) میں پڑھی ہوگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیدادوں کے متولی تاحیات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رہے آپ رضی اللہ عنہ جائداد کی آمدنی ازواج مطہرات پر اور آل رسول پر خرچ کرتے تھے اور جو بچ جاتی اس کو وجوہ خیر میں خرچ کرتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متولی بنے ان کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائداد کا متولی ہمیں بنادیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تولیت ان کے سپرد کردی اور شرط لگائی کہ آمدنی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خرچ کرتے تھے اسی طرح کریں گے مگر ان میں نباہ نہ ہوا تو وہ پلان کے تحت آئے اور مذکورہ چار اکابر کو سفارش کے لیے پہلے بھیجا پھر خود اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم چاہتے ہیں کہ جائیداد کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے اور ایک حصہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے حصہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو متولی بنادیا جائے ان چاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تائید کی اور سفارش کی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول نہ کیا ان کو یہ منظور نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد پر تقسیم کا لفظ بولا جائے کیونکہ آج تولیت تقسیم ہوگی تو کل میراث تقسیم ہوگی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آپ دونوں متفق ہوکر متولی رہ سکتے ہو تو رہو ورنہ میں نظم خود سنبھال لوں گا چنانچہ وہ سب اٹھ کر چلے گئے اور تولیت مشترک طور پر باقی رہی پھر اس جائیداد کا کیا ہوا؟ معلوم نہیں کیا ہوا؟ آج وہ محفوظ نہیں سب خرد برد ہوگئی۔

اعتراض: اگر یہ حکم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے تو پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل:۱۶)

جواب: ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ اس سے مراد مرتبہ اور والد کا مقام ہے اور اسی منزلت ومقام کی دعا حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی کی تھی: ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ (مریم:۵،۶) اور ﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا﴾ (الانبیاء:۸۹)

انبیاء کا مال میراث کیوں نہیں ہوتا؟ اس کی حکمت میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

① تاکہ بعض ورثہ کو ان کی موت کی خواہش پیدا نہ ہو کہ یہ سبب ہلاکت ہے: **قاله القاری فی شرح الشمائل**۔
② یا اس لیے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ انہوں نے بھی باقی لوگوں کی طرح اپنی اولاد کے لیے مال کمایا۔
③ یا اس لیے کہ ان کی دیکھا دیکھی کوئی مال کی رغبت میں نہ پڑے اور رغبت تیز نہ کرے۔
④ یا اس لیے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ ان کا فقر غیر اختیاری تھا۔
⑤ انبیاء علیہم السلام سب امت کے لیے اباء کی طرح ہیں: **وغير ذلك من التوجيهات**۔

بَابُ مَا جَآءَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ اَنَّ ھٰذِہٖ لَا تُغْزٰی بَعْدَ الْیَوْمِ

باب ۴۳: فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے فرمایا آئندہ اس پر فوج کشی نہیں ہوگی

(۱۵۳۶) لَا تُغْزٰی ھٰذِہٖ بَعْدَ الْیَوْمِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ.

ترجمہ: حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو فتح کے دن یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آج کے دن کے بعد قیامت تک اس پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: مکہ مکرمہ ان شاء اللہ قیامت تک مسلمانوں کی تحویل میں رہے گا اب دوبارہ کافروں کا اس پر تسلط نہیں ہوگا جو بھی فوج کشی کرے گا نامراد ہوگا حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب ایک شخص مکہ پر فوج کشی کرے گا مگر اس کا سارا لشکر زمین میں دھنس جائے گا (بخاری کتاب الحج باب ۴۹) غرض اب مکہ کبھی کافروں کے قبضہ میں اس طرح نہیں جائے گا کہ اس کو چھڑانے کے لیے باقاعدہ جنگ لڑنی پڑے ہاں قیامت کے بالکل قریب چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ شریف ڈھائے گا پھر وہ کبھی آباد نہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی السَّاعَۃِ الَّتِیْ یُسْتَحَبُّ فِیْھَا الْقِتَالُ

باب ۴۴: کن اوقات میں قتال مستحب ہے؟

(۱۵۳۷) غَزَوْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَکَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ اَمْسَکَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَاِذَا انْتَصَفَ النَّھَارُ اَمْسَکَ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّی الْعَصْرَ ثُمَّ اَمْسَکَ حَتّٰی یُصَلِّیَ الْعَصْرَ ثُمَّ یُقَاتِلُ وَکَانَ یُقَالُ عِنْدَ ذٰلِکَ تَھِیْجُ رِیَاحُ النَّصْرِ وَیَدْعُو الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُیُوْشِھِمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ.

ترجمہ: حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوہ میں شرکت کی ہے جب صبح صادق ہوجاتی تو سورج نکلنے تک نبی اکرم ﷺ جنگ شروع نہیں کرتے تھے جب وہ نکل آتا تھا تو جنگ شروع کردیتے تھے اور جب دوپہر کا وقت ہوجاتا تو آپ جنگ سے رک جاتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو پھر آپ جنگ شروع کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوجاتا تو آپ پھر رک جاتے تھے۔ پھر آپ عصر کی نماز ادا کرتے تھے پھر جنگ شروع کردیتے تھے اور اس وقت کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا اس وقت مدد کی ہوا چلتی ہے اور اس دوران اہل ایمان اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔

(۱۵۳۸) اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَ النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ اِلَی الْھُرْمُزَانِ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ فَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ مُقَرِّنٍ شَھِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَکَانَ اِذَا لَمْ یُقَاتِلْ اَوَّلَ النَّھَارِ انْتَظَرَ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ وَتَھُبَّ الرِّیَاحُ وَیَنْزِلَ النَّصْرُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔ انہوں نے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ہرمزان کی طرف بھیجا۔

اس کے بعد انہوں نے طویل حدیث نقل کی ہے۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (جنگوں میں) شریک ہوا ہوں آپ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہیں کرتے تھے اور انتظار کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ جب سورج ڈھل جاتا اور ہوائیں چلنے لگتیں اور مدد نازل ہوتی (اس وقت جنگ شروع کرتے تھے)۔

ان اوقات ثلاثہ میں یعنی صبح بعد الزوال اور بعد العصر لڑائی کی ایک حکمت اسی باب کی حدیث میں مروی ہے کہ زوال کے وقت نصرت و مدد کی ہوائیں چلتی ہیں اور نمازوں میں مسلمان مجاہدین کے لیے دعائیں مانگتے ہیں علاوہ ازیں تکبیر کی بھی بڑی فضیلت ہے جبکہ عصر کے بعد کا وقت انبیاء علیہم السلام کے لیے مختص ہے۔

کہ دعا اگرچہ ہر وقت قبول ہو سکتی ہے مگر بعض اوقات بطور خاص اجابت دعا کے لیے اہم ہیں:

آخر الليل، نزول المطر، التقاء الصفوف مع العدو، ليلة القدر، ساعة الجمعة، حين السجود، ومنها وقت الضرورة.

"یعنی رات کا آخری حصہ، بارش کے وقت، دشمن کے ساتھ لڑائی کے وقت، شب قدر میں، جمعہ کی خاص گھڑی میں، سجدہ کی حالت میں، ضرورت کے وقت۔"

بَابُ مَا جَآءَ فِی الطِّیَرَةِ

باب ۴۵: نیک فالی اور بدفالی کا بیان

(۱۵۳۹) اَلطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ وَمَا مِنَّا وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ طیرہ شرک ہے ہم میں سے ہر شخص کو اس کا خیال آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے توکل کو ختم کر دیتا ہے۔

(۱۵۴۰) لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَاُحِبُّ الْفَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْفَالُ قَالَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ بیماری کے متعدی ہونے اور بدفالی کی کوئی حقیقت نہیں ہے البتہ میں فال کو پسند کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ فال سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اچھی بات۔

(۱۵۴۱) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُعْجِبُهُ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ اَنْ يَّسْمَعَ يَا رَاشِدُ يَا نَجِيْحُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات پسند تھی کہ جب آپ کسی کام کے لئے نکلیں تو آپ یہ الفاظ سنیں۔ "اے ٹھیک راستہ پانے والے! اے کامیاب شخص!"

طیرۃ کے معنی ہیں شگون خواہ اچھا ہو یا برا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برے شگون کے ساتھ خاص کر دیا اور اچھے شگون کے لیے لفظ "فال" استعمال کیا آگے حدیث آ رہی ہے کہ عدوی اور طیرہ کچھ نہیں اور میں فال کو پسند کرتا ہوں صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا فال کیا

ہے؟ یہ پوچھنا اس لیے پڑا کہ آپ ﷺ نے یہ نیا لفظ استعمال کیا تھا۔

شریعت نے بدفالی کی ممانعت کی ہے اور نیک فال کی اجازت دی ہے کیونکہ بدفالی سے دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہوتے ہیں آدمی ادھیڑ بن میں لگ جاتا ہے کہ میرا کام ہوگا یا نہیں؟ اور کبھی بدشگونی سے اللہ کے انکار کی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ وَصِیَّةِ النَّبِیِّ ﷺ فِی الْقِتَالِ

باب ۴۶: جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

(۱۵۴۲) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا بَعَثَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ اَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّةِ نَفْسِهٖ بِتَقْوَى اللهِ وَمَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا وَقَالَ اغْزُوْا بِسْمِ اللهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ وَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا فَاِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ اِلٰى اِحْدٰى ثَلٰثِ خِصَالٍ اَوْ خِلَالٍ اَيَّتُهَا اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ وَادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَالتَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ اِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ وَاِنْ اَبَوْا اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ مَا يَجْرِيْ عَلَى الْاَعْرَابِ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا فَاِنْ اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ وَاِذَا حَاصَرْتَ حِصْنًا فَاَرَادُوْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَاجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَمَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اَصْحَابِكُمْ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَاِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تُنْزِلُوْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللهِ فَلَا تُنْزِلُوْهُمْ وَلٰكِنْ اَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ اَتُصِيْبُ حُكْمَ اللهِ فِيْهِمْ اَمْ لَا اَوْ نَحْوَ.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر بنا کر روانہ کرتے تو اس کو اس کی اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور دیگر مسلمانوں کے بارے میں بھلائی کی تلقین کرتے آپ ﷺ یہ ارشاد فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کا آغاز کرو اور ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا ہے۔ اور مال غنیمت میں چوری نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، مثلہ نہ کرو، بچوں کو قتل نہ کرو، جب تمہارا اپنے مشرک دشمن سے سامنا ہو، تو اسے تین میں سے کسی ایک کو قبول کرنے کی دعوت دو وہ ان میں سے جس بات کو مان جائیں تم ان کی طرف سے اسے قبول کرو اور ان کے ساتھ جنگ کرنے سے رک جاؤ تم انہیں، اسلام کی دعوت دو اور اس بات کی کہ وہ اپنے علاقے کو چھوڑ کر مہاجرین کے علاقے میں آ جائیں اور انہیں یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو انہیں وہ سب کچھ ملے گا جو مہاجرین کو حاصل ہے اور ان پر وہ تمام ادائیگیاں لازم ہوں گی جو مہاجرین پر لازم ہیں تاہم اگر وہ وہاں جانے سے انکار کر دیں تو تم انہیں یہ بتا دینا کہ تم لوگ دیہاتی مسلمانوں کی طرح رہ سکتے ہو تم پر بھی وہ حکم جاری ہوگا، جو دیگر دیہاتی مسلمانوں پر جاری ہوتا ہے لیکن انہیں جہاد میں شریک ہونا پڑے گا اگر وہ لوگ اس سے بھی انکار کر دیں تو تم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے ان کے ساتھ جنگ شروع کرو، پھر تم اگر

کسی قلعے کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تم سے اللہ، اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ مانگیں تو تم انہیں اللہ، اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر پناہ نہ دینا بلکہ تم اپنی طرف سے اور اپنے لشکر کی طرف سے پناہ دینا کیونکہ اگر تم عہد شکنی کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر دیئے گئے پیمان کو توڑنے کے مقابلے میں تمہارا اپنے پیمان کو توڑنا بہتر ہے اسی طرح اگر وہ لوگ یہ کہیں تم ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرو تو تم ایسا نہ کرنا بلکہ اپنے ذاتی فیصلے کے مطابق فیصلہ کرنا کیونکہ تم یہ بات نہیں جانتے کے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے؟ اور کیا تم اس کے مطابق فیصلہ کر رہے ہو یا نہیں؟ (راوی کو شک ہے یا شاید اسی کی مانند کچھ منقول ہے)۔

(۱۵۴۳) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُغِيْرُ اِلَّا عِنْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَكَ وَاِلَّا اَغَارَ فَاسْتَمَعَ ذَاتَ يَوْمٍ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز کے وقت حملہ کیا کرتے تھے اگر آپ کو وہاں سے اذان کی آواز آجاتی تھی تو آپ حملے سے رک جاتے تھے ورنہ حملہ کر دیتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ نے غور سے سننے کی کوشش کی تو آپ کو ایک شخص کی آواز سنائی دی جو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہہ رہا تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ فطرت پر ہے۔ اس شخص نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔

قولہ فادعھم الی احدی ثلث خصال. یعنی اولاً دعوت، ثانیاً جزیہ کا حکم پیش کرو جو یہاں اگرچہ مذکور نہیں مگر دوسری روایات میں مصرح ہے اور ثالثاً قتال ہے۔

اشکال: اس حدیث میں ہے ایتھا اجابوك فاقبل منھم و کف عنھم اس کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ ان تینوں میں سے جو بھی قبول کرلیں پھر ان سے تعرض نہ کرنا حالانکہ یہ حکم تو اول دو شقوں کا ہے؟

حل: اس کا جواب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب میں دیا ہے کہ کف یہاں پر متعدی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ جس رخ اور جس صورت پر چلنا چاہیں آپ بھی باقی خصلتوں کو چھوڑ کر اسی سمت کو اختیار کرلیں لہٰذا اگر وہ قتال کریں گے تو آپ غیر قتال کی خصلتین سے دور رہو یعنی خصلت قتال ہی اختیار کرلیں۔

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ اگر وہ دعوت قبول نہ کریں تو فاستعن باللہ علیھم و قاتلھم آج کل لوگ اس قسم کی احادیث ونصوص سے چڑتے ہیں یہ دراصل ان کی غفلت وحماقت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ان کو بڑے پیار اور شفقت سے دعوت دی اور بار باران کو سمجھایا کہ اللہ کی زمین پر فساد مت پھیلاؤ اپنی غلط حرکات سے باز آؤ اور اس دعوت میں نہ صرف یہ کہ مدت مدیدہ صرف کی بلکہ ہر قسم کی تکلیفات بھی برداشت کیں مگر یہ باغی لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو بتایئے کہ جب انسانی جسم میں کوئی عضو کینسر کا شکار ہو جائے اور ہر طرح کا علاج فیل ہو جائے اور وہ سرایت کرنے لگے تو کیا اس کو یوں ہی چھوڑنا عقلمندی ہے یا پھر آپریشن کر کے اسے کاٹنا تا کہ باقی جسم کو بچایا جائے؟

اَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ

جہاد کے فضائل کا بیان

بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ

باب ۱: جہاد کی فضیلت

(۱۵۴۴) قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ قَالَ اِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَهٗ فَرَدُّوْا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَهٗ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَثَلُ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الَّذِيْ لَا يَفْتُرُ مِنْ صَلٰوةٍ وَّلَا صِيَامٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عرض کی گئی یارسول اللہ ﷺ کون سی چیز جہاد کے برابر ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس کی استطاعت نہیں رکھو گے لوگوں نے دو تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، نبی اکرم ﷺ نے ہر مرتبہ یہی ارشاد فرمایا: تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے پھر آپ نے تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے شخص کی مثال اس روزہ دار اور نفل پڑھنے والے کی طرح ہے جو اپنی نماز میں کوئی وقفہ نہیں کرتا اور روزے میں کوئی وقفہ نہیں کرتا اس وقت تک جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا واپس نہ آجائے۔

(۱۵۴۵) يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِيْ هُوَ عَلَيَّ ضَمَانٌ اِنْ قَبَضْتُهٗ اَوْرَثْتُهُ الْجَنَّةَ وَاِنْ رَجَعْتُهٗ رَجَعْتُهٗ بِاَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میری راہ میں جہاد کرنے والے شخص کی ذمہ داری مجھ پر ہے اگر میں نے اس کی روح کو قبض کر لیا تو میں اسے جنت کا وارث کروں گا اور اگر میں نے اسے (اس کے گھر) واپس بھیجا تو اسے اجر (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) غنیمت کے ہمراہ بھیجوں گا۔

جہاد قرآن وحدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے اس کے معنی ہیں دین کی حفاظت اور سربلندی کے لیے دشمنانِ اسلام سے

لڑنا جاھد العدو مجاھدۃ وجھاد کے معنی ہیں دشمن سے لڑنا اور جاھد فی الأمر کے معنی ہیں کسی کام میں پوری طاقت لگانا پوری کشش کرنا اسی سے مجاہدہ ہے۔

قرآن وحدیث میں یہ لفظ مختلف طرح استعمال کیا گیا ہے کہیں صرف جہاد اور مجاہدہ آیا ہے کہیں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ ملایا ہے اور کہیں اس کے بعد اللہ یا اللہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر آئی ہے اسی طرح فی سبیل اللہ بھی کبھی تنہا آیا ہے اور کبھی جہاد کے مادہ کے ساتھ آیا ہے پس جہاں لفظ مجاہدہ مطلق آیا ہے یا اس کے بعد فی اللہ آیا ہے یا فینا آیا ہے وہ آیتیں عام ہیں مفسرین کرام ان جگہوں میں لفظ دین محذوف مانتے ہیں جیسے ﴿وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ (الحج:۷۸) یعنی اللہ کے دین کے لیے پوری طاقت خرچ کرو ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت:۶۸) یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لیے انتہائی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں سجھاتے ہیں یہ آیات پاک دین کی ہر محنت کے لیے عام ہیں کسی بھی لائن سے دین کی محنت کرنے والے اس کا مصداق ہیں لیکن جہاں لفظ جہاد آیا ہے یا مجاہدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے یا صرف فی سبیل اللہ آیا ہے جیسے مصارف زکوٰۃ کے بیان میں اور انفاق کی فضیلت میں تو ان سب جگہوں میں خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں سورۃ التوبہ میں جہاں بھی اس قسم کی آیات آئی ہیں: شاہ عبد القادر صاحب دہلوی قدس سرہٗ نے اور ان کی اتباع میں حضرت الہند قدس سرہ نے لڑنا ترجمہ کیا ہے اور حدیث کی کتابوں میں جو ابواب الجہاد اور ابواب فضائل الجہاد آئے ہیں وہاں بھی یہی خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں آپ غور سے یہ ابواب پڑھیں۔

کہ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے اور جب قرآن وحدیث میں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے البتہ بعض کاموں کو جہاد کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے ان کے لیے یہ الحاق ہی فضیلت ہے جیسے حدیث ہے: من خرج فی طلب العلم فهو فی سبيل الله حتی یرجع اس میں نبی ﷺ نے طلب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے یہ الحاق ہی طالب علم کی فضیلت ہے۔

قولہ: مایعدل الجهاد؟ یعنی وہ کونسا عمل ہے جس کا ثواب جہاد کے مساوی ہو؟ قولہ لایفتر باب نصر سے ہے فتور کے معنی سستی واضمحلال کے ہیں جس کی ہمت پست نہ ہو اس حدیث میں مجاہد کو تشبیہ اس صائم کے ساتھ دے دی جو روزہ نماز پر مداومت کرتا ہو۔ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح اس صائم کی ہر حرکت وسکون پر ثواب ملتا ہے اسی طرح مجاہد کا حال ہے۔ گو کہ وہ سو رہا ہو مگر حکماً وہ پھر بھی مشغول عبادت ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر وقت دشمن کے لیے حزن دائم اور غیظ لازم بنا رہتا ہے جبکہ باقی اعمال میں فتور آتا رہتا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ.... الآية﴾ (الاية وبعدها التوبة:۱۲۰۔۱۲۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا

باب ۲: سرحد کا پہرہ دیتے ہوئے موت آنے کی فضیلت

(۱۵۴۶) كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ اِلَّا الَّذِيْ مَاتَ مُرَابِطًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُنْمٰى لَهٗ عَمَلُهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

وَيَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ.

ترجمہ: ابوہانی خولانی یہ بات بیان کرتے ہیں: عمرو بن مالک جنبی نے انہیں نے حضرت فضالہ بن عبید کو نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ ہر مرنے والے شخص کا عمل ختم ہو جاتا ہے ماسوائے اس شخص کے، جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو، اس شخص کا عمل قیامت تک چلتا رہتا ہے اور وہ شخص قبر کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ مجاہد وہ شخص ہے، جو اپنی جان کے ساتھ جہاد کرے۔

فائدہ: یہاں بین السطور میں لکھا ہے: **ھذا الجھاد الأکبر** یعنی نفس سے ٹکر لینا ہی بڑا جہاد ہے یہ ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ ہے نبی کریم ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر جب مدینہ قریب آیا تو یہ ارشاد فرمایا اس حدیث کا مطلب عام طور پر صحیح نہیں سمجھا جاتا۔

جب نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم چالیس ہزار کالشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے تو آپ ﷺ تیس ہزار کالشکر لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے اور تبوک تک گئے جو جزیرۃ العرب کی سرحد پر ہے اور وہاں بیس دن قیام کیا مگر کوئی مقابلہ کے لیے نہیں آیا تو آپ ﷺ ظفر مند واپس لوٹے آگے بڑھنا مصلحت کے خلاف تھا۔ جب مدینہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: **رجعنا من الجھاد الأصغر الی الجھاد الأکبر ای ذاھبا الی الجھاد الأکبر** یعنی ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ آئے اب بڑے جہاد کی تیاری کرنی ہے۔

حدیث کا صحیح مطلب: یہ ہے کہ فوج کو غلط فہمی نہ ہو کہ رومی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے ہم زبردست ہیں ہم سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے نبی ﷺ نے فرمایا یہ تو چھوٹا معرکہ تھا آگے ان سے بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں لوٹ کر اس کی تیاری کرنی ہے غافل نہیں ہو جانا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الصَّوْمِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب ۳: جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت

(۱۵۴۷) مَنْ صَامَ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زَحْزَحَهُ اللّٰهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا اَحَدُهُمَا يَقُوْلُ سَبْعِيْنَ وَالْاٰخَرُ يَقُوْلُ اَرْبَعِيْنَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک دن روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے ستر برس کی مسافت تک دور کر دے گا۔

(۱۵۴۸) لَا يَصُوْمُ عَبْدٌ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا بَاعَدَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ النَّارَ عَنْ وَّجْهِهٖ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک دن روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس ایک دن کی وجہ سے اسے جہنم سے ستر برس کے فاصلے پر دور کر دے گا۔

(۱۵۴۹) مَنْ صَامَ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک دن روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان اتنی بڑی خندق بنا دے گا جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

مومن کی زندگی پیہم (مسلسل) عمل ہے آ رہی ہے کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل الحال المرتحل ہے یعنی وہ مسافر جو منزل پر اترتے ہی آگے سفر شروع کر دے اور جہاد کا سفر خود ایک عبادت ہے مگر اس کے ساتھ اور عبادتیں بھی جمع ہو سکتی ہیں اور ایسی عبادتیں دو ہیں اللہ کا ذکر اور روزہ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ النَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

باب ۴: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

(۱۵۵۰) مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كُتِبَتْ لَهُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ.

ترجمہ: حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی ایک چیز خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے سات سو گنا ثواب عطا کرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الْخِدْمَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

باب: جہاد میں خدمت پیش کرنے کا ثواب

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ اَنَّهُ سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ خِدْمَةُ عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ اَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک غلام خدمت کے لئے دینا یا سائے کے لئے خیمہ دینا یا جوان اونٹنی اللہ کی راہ میں دینا۔

سوال: یہ ہے کہ جس طرح مجاہد کے لیے سامان فراہم کرنا اور اس کے گھر کی خبر گیری کرنا جہاد ہے اسی طرح راہ خدا میں خیمہ دینا، خادم مہیا کرنا اور سواری دینا بھی جہاد ہے پھر ان چیزوں کو خیرات کیوں کیا گیا؟

جواب: مجاہد کو سامان جہاد فراہم کرنا اور اس کے گھر کی خبر گیری کرنا چونکہ مجاہد کا براہ راست تعاون ہے اس لیے ان کو جہاد قرار دیا اور جو چیزیں جہاد کے چندہ میں دی جاتی ہیں ان پر پہلے حکومت قبضہ کرتی ہے پھر مجاہدین تک پہنچتی ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ ان تک پہنچیں حکومت مسلمانوں کی دیگر ضروریات میں بھی ان کو خرچ کر سکتی ہے اس لیے ان کو صدقہ کہا گیا۔

(۱۵۵۱) اَنَّهُ سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ خِدْمَةُ عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ اَوْ طَرُوْقَةُ

فَحْلٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کون سا صدقہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندے کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خدمت کرنا (یعنی اپنے ساتھیوں کی کام کاج میں مدد کرنا، یہاں یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے غلام کی خدمات دینا) یا سائے کے لئے خیمہ لگا دینا، یا جوان اونٹنی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا۔

(۱۵۵۲) اَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَمَنِيْحَةُ خَادِمٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ اَوْطَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کون سا صدقہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندے کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خدمت کرنا (یعنی اپنے ساتھیوں کی کام کاج میں مدد کرنا، یہاں یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے۔ اللہ کی راہ میں اپنے غلام کی خدمات دینا) یا سائے کے لئے خیمہ لگا دینا، یا جوان اونٹنی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا۔

تشریح: ولید بن جمیل نے اس روایت کو قاسم ابوعبد الرحمٰن کے حوالے سے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا صدقہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیمے کا سایہ فراہم کرنا ہے اور کسی خادم کو معاوضے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا ہے یا کسی اونٹنی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی ہر شخص فوجی ترتیب پائے ہوئے تھا اور لوگ رضا کارانہ لڑتے تھے اور جو غنیمت ملتی تھی اس میں سے حصہ پاتے تھے اسی طرح ابتدائے اسلام میں حکومت کے پاس بھی کچھ نہیں تھا فوج کے لیے ہتھیار اور رسد مہیا کرنا بھی حکومت کے بس میں نہیں تھا اس لیے جہاد کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اور اس کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں قرآن کریم میں جگہ جگہ جہاد کے لیے خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینا کہا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ یہ قرض دو چند کر کے واپس کیا جائے گا اور اس کا عملی ظہور اس طرح ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان خوش حال ہو گئے فتوحات کی کثرت سے ہر شخص مالا مال ہو گیا یہ اللہ تعالیٰ نے قرض دو چند کر کے واپس کر دیا یعنی جہاد کے لیے خرچ کرنا صرف آخرت ہی میں مفید نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کا نفع حاصل ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا

باب ۵: مجاہد کے لیے سامان جہاد فراہم کرنے کی فضیلت

(۱۵۵۳) مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيْلِ اللهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي اَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی غازی کو سامان فراہم کرے تو اس شخص نے بھی گویا جنگ میں حصہ لیا اور جو شخص غازی کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کا خیال رکھے اس نے بھی جنگ میں حصہ لیا۔

(۱۵۵۴) مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيْلِ اللهِ اَوْ خَلَفَهُ فِي اَهْلِهِ فَقَدْ غَزٰى.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے

والوں کو سامان فراہم کرے تو اس نے بھی جنگ میں شرکت کی۔

(۱۵۵۵) مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا.

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی غازی کو سامان فراہم کرے اس نے ہی جنگ میں شرکت کی یا اس کے گھر والوں کا (اس کی غیر موجودگی میں) خیال رکھے اس نے بھی جنگ میں شرکت کی۔

تشریح: پہلے یہ بات بتائی جاچکی ہے کہ ثواب کی دو قسمیں ہیں اصلی اور فضلی یعنی انعامی اور وہ تمام حدیثیں جن میں ثواب سے مقابلہ کیا گیا ہے ان میں ایک اصلی اور دوسرا فضلی ہوتا ہے یعنی تقابل کی صورت میں ایک کا اصلی ثواب لیا جاتا ہے اور دوسرا کا فضلی۔ اصلی ثواب کا اصلی ثواب ہے اور فضلی ثواب کا فضلی ثواب سے مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

باب ۶: جس کے قدم جہاد میں گرد آلود ہوں اس کی فضیلت

(۱۵۵۶) قَالَ لَحِقَنِي عَبَايَةُ بْنُ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ وَأَنَا مَاشٍ إِلَى الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَبْشِرْ فَإِنَّ خُطَاكَ هٰذِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ سَمِعْتُ أَبَا عَبْسٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَى النَّارِ.

ترجمہ: حضرت برید بن ابومریم بیان کرتے ہیں: حضرت عبایہ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ کی میرے ساتھ ملاقات ہوئی میں اس وقت جمعہ کے لئے جا رہا تھا انہوں نے فرمایا۔ تمہیں خوشخبری ہو کیونکہ تمہارے قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہیں۔ میں نے حضرت ابوعبس رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس شخص کے دونوں پاؤں اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہوں تو یہ دونوں پاؤں جہنم پر حرام ہوں گے۔

تشریح: اغبرار کے معنی گرد آلود ہونا ہے مگر یاد رہے کہ اس سے مراد اختیاری مٹی ملنا نہیں ہے بلکہ چلتے چلتے جو گرد و غبار لگ جائے اور جس سے بچا نہ جاسکے وہی باعث اجر ہے تو جب نفس گرد لگنے کا یہ اجر ہے تو تعب و مشقت اور سعی کا حال کیا ہوگا؟

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُبَارِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

باب ۷: جہاد کے غبار کی فضیلت

(۱۵۵۷) لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے روئے وہ اس وقت تک جہنم میں داخل نہیں ہوگا جب تک دودھ واپس تھن میں نہ چلا جائے (یعنی یہ ناممکن ہے) اور اللہ تعالیٰ کی راہ کا غبار اور جہنم کا

دھواں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب ۸: جو اعمال اسلامی کرتا ہوا بوڑھا ہوا اس کی فضیلت

(۱۵۵۸) مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: سالم بن ابوالجعد بیان کرتے ہیں۔ شرحبیل بن سمط نے کہا۔ اے کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ! ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی حدیث سنائیے اور احتیاط سے تو انہوں نے بتایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ جو شخص مسلمان ہونے کی حالت میں بوڑھا ہو جائے تو یہ بڑھاپا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا۔

(۱۵۵۹) مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں بوڑھا ہو جائے تو یہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہو گا۔

جو شخص آغاز جوانی سے راہ خدا میں جہاد کرتا رہا یا دیگر اعمال اسلامی کرتا رہا یہاں تک کہ کچھ بال سفید ہو گئے تو اس کے لیے کیا فضیلت ہے؟ باب میں دو حدیثیں ہیں پہلی حدیث میں ہے کہ جو شخص کوئی بھی دینی کام کرتے ہوئے بوڑھا ہوا تو وہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ مَنِ ارْتَبَطَ فَرَسًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب ۹: جہاد کے لیے گھوڑا پالنے کی فضیلت

(۱۵۶۰) اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ هِيَ لِرَجُلٍ اَجْرٌ وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ عَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ فَاَمَّا الَّذِيْ لَهُ اَجْرٌ فَالَّذِيْ يَتَّخِذُهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُعِدُّهَا لَهُ هِيَ لَهُ اَجْرٌ لَا يَغِيْبُ فِيْ بُطُوْنِهَا شَيْءٌ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اَجْرًا وفی الحدیث قصة.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت کے دن تک کے لئے بھلائی لکھ دی گئی ہے۔ گھوڑے تین طرح کے ہوتے ہیں ایک شخص کے لئے اجر کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک شخص کے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتے ہیں اور ایک شخص کے لئے گناہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے، جس کے لئے یہ اجر ہوتا ہے تو یہ وہ شخص ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں حاصل کرتا ہے اور اسی کے لئے اسے تیار کرتا ہے تو یہ گھوڑا اس کے لئے اجر ہو گا اس کے پیٹ میں جو بھی چیز جائے گی اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص کے حق میں اجر لکھے گا (اس حدیث میں قصہ منقول ہے)۔

تشریح: چارہ پانی پر اجر اس لیے لکھا جاتا ہے کہ جب گھوڑا پالنے والے نے ان چیزوں میں مشقت اٹھائی تو اس کا یہ عمل اس کے نفس کے ساتھ چپک گیا پھر عمل اور اس کی جزاء اضافی تعلق ہونے کی وجہ سے صورت عمل میں جزا کی شان پیدا ہوگئی اس لیے قیامت کے دن اس کی جزا بصورت عمل متشکل ہوگی۔

فائدہ: یہ حدیث یہاں مختصر ہے بخاری و مسلم میں مفصل ہے اور وہ شخص جس کے لیے گھوڑا پردہ ہے وہ وہ گھوڑا ہے جو اسباب معیشت کے طور پر پالا گیا ہو اور اس میں سے زکوۃ وغیرہ حقوق ادا کئے ہوں اور جس نے فخر و مباحات ریاء و سمعہ اور اہل اسلام کی مخالفت میں استعمال کے لیے گھوڑا پالا وہ اس کے لیے وزر گناہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الرَّمْيِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب ۱۰: اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر اندازی کی فضیلت

(۱۵۶۱) اَنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةً الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِي صُنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَالْمُمِدَّ بِهِ وَقَالَ اِرْمُوْا وَارْكَبُوْا وَلَاَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا كُلُّ مَا يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَأْدِيْبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ اَهْلَهُ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا اسے بنانے والا جس نے ثواب کی امید میں اسے بنایا ہو، اس تیر کو چلانے والا اور اس تیر کو اٹھا کر پکڑانے والا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیر اندازی سیکھو اور گھڑ سواری سیکھو تمہارا تیر اندازی سیکھنا میرے نزدیک گھڑ سواری سیکھنے سے زیادہ محبوب ہے اور آدمی جو کھیل کھیلتا ہے، وہ سب باطل ہیں سوائے تیر اندازی کے اور گھوڑے کو سدھانے کے اور اپنی بیوی کے ساتھ خوش مزاجی کرنے کے کیونکہ یہ حق ہیں۔

(۱۵۶۲) مَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهٗ عَدْلُ مُحَرَّرٍ.

ترجمہ: حضرت ابو نجیح سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر پھینکتا ہے تو یہ اس کے لئے غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے بنانے والے کو جو بنانے میں ثواب کی نیت کرے۔ پھینکنے والے کو اور تیر اٹھا کر دینے والے کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیر اندازی اور گھڑ سواری سیکھو اور تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے گھڑ سواری سے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رکوب سے مراد نیزہ بازی سیکھنا ہے پھر تیر اندازی کی افضیلت کس بنا پر ہے تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیر اندازی کا نفع عام ہے اور یہ آسان بھی ہے جبکہ گھڑ سواری میں کبر و خیلاء کا اندیشہ ہے اس لیے آیت کریمہ میں تیر

اندازی کو مقدم کیا ہے:﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ﴾ (الانفال:۶۰)

قولہ: کل مایلھوبہ الرجل المسلم... الخ یعنی ان تین کھیلوں کے سوا تمام اقسام کھیلوں کی فضول ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو حق یعنی مقصد آخرت میں معاون ومفید ہو وہ بھی ان تینوں کے حکم میں ہوگی جیسے مسابقت خواہ پیدل ہو یا گھڑسواری یا اونٹ دوڑ وغیرہ اسی طرح چہل قدمی جو صحت کی نیت سے ہو تاکہ علم وعمل میں سستی وکاہلی نہ آنے پائے اور دماغ میں بشاشت پیدا ہو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي فَضْلِ الْحَرْسِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب ۱۱: اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینے کی فضیلت

(۱۵۶۳) عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ دو طرح کی آنکھوں کو جہنم نہیں چھو سکے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رو پڑے اور ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزار دے۔

سرحد پر پہرہ دینا رباط اور مرابطہ ہے اور جب لشکر پڑاؤ کرے تو ان کی اور ان کے سامان کی حفاظت کرنا حرس (چوکیداری) اس حدیث میں اسی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي ثَوَابِ الشَّهِيْدِ

باب ۱۲: شہید کے ثواب کا بیان

(۱۵۶۴) اَلْقَتْلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ خَطِيْئَةٍ فَقَالَ جِبْرِيْلُ اِلَّا الدَّيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِلَّا الدَّيْنَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جانا ہر گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے، جبریل علیہ السلام نے یہ بات بتائی۔ صرف قرض معاف نہیں ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ صرف قرض معاف نہیں ہوتا۔

(۱۵۶۵) اَنَّ اَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ مِنْ ثَمَرِ الْجَنَّةِ اَوْ شَجَرِ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے اندر ہوتی ہیں اور وہ جنت کے پھلوں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں۔

(۱۵۶۶) عُرِضَ عَلَيَّ اَوَّلُ ثَلَاثَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ شَهِيْدٌ وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ اَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَنَصَحَ لِمَوَالِيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جنت میں داخل ہونے والے پہلے تین (قسم کے) افراد کو میرے سامنے پیش کیا گیا (ایک) شہید (دوسرا) وہ پاکدامن شخص جو حرام کے ارتکاب سے بچتا ہو اور (تیسرا) وہ غلام ہو گا جو بہتر طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو، اور اپنے آقا کے حقوق کا خیال رکھتا ہو۔

(۱۵۶۷) اَنَّهٗ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُوْتُ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَاَنَّ لَهُ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا اِلَّا الشَّهِيْدُ لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلُ مَرَّةً اُخْرٰى.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو بھی بندہ فوت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے تو وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ دوبارہ دنیا میں جائے اگرچہ اسے دنیا اور اس میں موجود ہر چیز مل جائے۔ صرف شہید ایسا شخص ہے (جو یہ آرزو کرے گا) کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت کو دیکھے گا تو وہ یہ آرزو کرے گا وہ دوبارہ دنیا میں جائے اور اسے دوبارہ شہید کر دیا جائے۔

شہداء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کو جنت میں جانے کا موقع ملتا ہے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں بیٹھ کر (ہرے رنگ کے ہوائی جہازوں کی اگلی سیٹوں پر بیٹھ کر) جنت میں جاتی ہیں اور وہاں چگتی چرتی ہیں پھر واپس آ جاتی ہیں اور عرش کے نیچے فانوسوں میں بسیرا کرتی ہیں جنت میں مستقل داخلہ شہداء کا بھی قیامت کے دن ہوگا جیسا کہ دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنت میں ابھی کوئی نہیں گیا جو بھی مرتا ہے قبر میں جاتا ہے یعنی روح عالم برزخ میں چلی جاتی ہے اور جسم مٹی میں مل جاتا ہے اور عالم برزخ ہماری اسی دنیا کا ضمیمہ ہے آخرت کا حصہ نہیں البتہ آخرت سے اس کا قریبی تعلق ہے پھر قیامت کے دن جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اجسام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی اور ارواح عالم برزخ سے لوٹ کر آئیں گی اور اپنے اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی اور قیامت کے معاملات شروع ہو جائیں گے وہ دن اس دنیا کی زندگی کا آخری دن ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا (سورۃ المعارج آیت ۴) اس دن میں حساب ہوگا اور جزاء سزا کے فیصلے کئے جائیں گے پھر لوگ آخرت میں منتقل کئے جائیں گے جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں پہنچیں گے اور سب سے پہلے جو تین قسم کے لوگ جنت میں جائیں گے ان میں شہداء بھی ہوں گے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ فَضْلِ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ

باب: اللہ کے نزدیک شہداء کے مراتب

(۱۵۶۸) اَلشُّهَدَآءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَاْسَهٗ حَتّٰى وَقَعَتْ قَلَنْسُوَتُهٗ فَلَا اَدْرِيْ قَلَنْسُوَةَ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَرَجُلٌ مُّؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَكَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهٗ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِّنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُّؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ

حَتّٰی قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللهَ حَتّٰی قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ شہید چار طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ مؤمن جس کا ایمان مضبوط ہو اور وہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کو سچ ثابت کرے اور شہید ہو جائے یہ وہ شخص ہے۔ قیامت کے دن لوگ نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (عملی طور پر کر کے دکھایا) اس طرح اور پھر آپ کی ٹوپی گر گئی۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ مجھے یہ علم نہیں ہے۔ ٹوپی گرنے والے الفاظ کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ دوسرا وہ مؤمن شخص جس کا ایمان مضبوط ہو اور دشمن کے مقابلے میں خوف کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہو کہ گویا اس کی جلد کو کانٹوں نے چھلنی کر دیا گیا ہے پھر ایک تیر آ کر لگے اور وہ شہید ہو جائے۔ تیسرا وہ مؤمن شخص جس کا ایمان مضبوط ہو اور دشمن کے مقابلے میں خوف کی وجہ سے اس کی یہ کیفیت ہو کہ گویا اس کی جلد کو کانٹوں سے چھلنی کر دیا گیا ہے، پھر ایک تیر اسے آ کر لگے اور وہ شہید ہو جائے۔

تیسرا وہ مؤمن شخص جس کے نیک اور برے اعمال خلط ملط ہو چکے ہوں اور جب وہ دشمن کے سامنے آئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے شہید ہو جائے، یہ تیسرا درجہ ہے۔ چوتھا وہ مؤمن شخص ہے جو گنہگار ہو لیکن اس کے باوجود دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے شہید کر دیا جائے یہ چوتھے درجے میں ہوگا۔

شہداء میں شہادت (اللہ کے راستہ میں جان دینے) کے علاوہ دو چیزیں اور بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے آخرت میں ان کے درجات متفاوت ہوں گے یہ دو چیزیں: ایمان اور وصف شجاعت ہیں جن کے درجات متفاوت ہیں اس لیے شہداء کے درجات بھی متفاوت ہوں گے۔

قولہ الشهداء اربعة ای اربعۃ انواع اس تقسیم و ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ مجاہد یا تو تقویٰ و بہادری دونوں سے موصوف ہوگا تو یہ قسم اول ہوئی یا صرف متقی ہوگا یہ دوسری قسم ہوئی یا پھر شجاع تو ہوگا مگر متقی نہیں ہوگا تو اس کی دو قسمیں ہیں بایں طور کہ یا تو اس کے برے اور اچھے اعمال مخلوط ہونے کے باوجود وہ مسرف نہ ہوگا یا پھر فاسق اور مسرف بھی ہوگا تو یہ بالترتیب تیسری اور چوتھی قسمیں ہوگئیں۔

وصف شجاعت: بھی ایک پسندیدہ وصف ہے حدیث میں ہے: **لمؤمن قوی احب الی الله من المؤمن الضعيف** یعنی طاقت ور (بہادر) مؤمن اللہ کو کمزور (بزدل) مومن سے زیادہ پسند ہے۔

پھر صلاح و تقویٰ اور بہادری میں سے اول کی اہمیت زیادہ ہے پس بوقت اجتماع صالح کا درجہ بڑھ جائے گا اور بوقت تجرید (خالی ہونے کی صورت) بھی مؤمن صالح متقی آگے رہے گا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی امور کا لحاظ کر کے شہداء کے چار درجے بیان فرمائے ہیں:

① جید الایمان بہادر کا ہے جو جم کر لڑتا ہے۔

② جید الایمان بزدل کا ہے جو میدان میں بھیگی بلی بن جاتا ہے۔

③ اس بہادر مؤمن کا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے مگر اس نے توبہ کر لی ہے۔

④ بہادر گنہگار مؤمن کا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی صرف ٹوپی پہنتے تھے یعنی پگڑی کے بغیر کیونکہ ٹوپی گرنا اسی صورت میں کہا جائے گا جب اس پر پگڑی نہ ہو پگڑی اول تو گرتی نہیں اور اگر گرے تو اس کو پگڑی گرنا کہیں گے غیر مقلدین جن کو اصرار ہے کہ نماز بے ٹوپی پڑھنا سنت ہے وہ غور کریں نبی ﷺ سے کبھی بھی کھلے سر نماز پڑھنا ثابت نہیں عذر اور نوافل کی بات الگ ہے پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز مزین ہو کر پڑھو (الاعراف: ۳۱) اور اسلامی تہذیب میں کھلے سر رہنا پسندیدہ بات نہیں پھر اس حال میں نماز پڑھنا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے؟

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ غَزْوِ الْبَحْرِ

باب ۱۴: سمندر کے راستے سے جہاد کرنے کا ثواب

(۱۵۶۹) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلٰى اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهٗ وَكَانَتْ اُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمًا فَاَطْعَمَتْهُ وَحَبَسَتْهُ تَفْلِيْ رَاْسَهٗ فَنَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يَرْكَبُوْنَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْكٌ عَلَى الْاَسِرَّةِ اَوْ مِثْلَ الْمُلُوْكِ عَلَى الْاَسِرَّةِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اُدْعُ اللهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَاْسَهٗ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهٗ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ عُرِضُوْا عَلَيَّ غُزَاةً فِيْ سَبِيْلِ اللهِ نَحْوَ مَا قَالَ فِي الْاَوَّلِ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اُدْعُ اللهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ فَرَكِبَتْ اُمُّ حَرَامٍ الْبَحْرَ فِيْ زَمَنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے وہ آپ کو کھانا کھلایا کرتی تھیں، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں، ایک دن نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے انہوں نے آپ کو کھانا پیش کیا اور آپ کے سر سے جوئیں نکالنے لگیں اس دوران نبی اکرم ﷺ سو گئے جب آپ بیدار ہوئے تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے، سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے میری امت کے کچھ افراد پیش کئے گئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے کے لئے اس سمندر پر یوں سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتے ہیں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) جس طرح بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں (سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں) میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کرلے، نبی اکرم ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر کردی پھر آپ ﷺ سر رکھ کر سو گئے پھر جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول

اللہ آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کر رہے ہوں گے اس کے بعد آپ ﷺ نے اسی طرح کی بات ارشاد فرمائی جو آپ ﷺ نے پہلے لوگوں کے بارے میں بیان کی تھی۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کرے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم پہلے والوں میں شامل ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں: سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی عہد حکومت میں سمندری جنگ میں شریک ہوئی تھیں اور اسی دوران ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

تشریح: سمندر کے سفر کا پہلا غزوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت کے آخری ایام میں جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی تھی اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بحری جہاد کی اجازت دینے میں تامل تھا ابھی اجازت نہیں ملی تھی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری حملہ کی اجازت چاہی تو آپ رضی اللہ عنہ نے چند شرائط کے ساتھ اجازت دے دی چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک سے ایک جماعت قبرص پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہوگئی جس میں حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابو الدرداء، حضرت شداد بن اوس، حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی ساتھ گئیں جب فوج ساحل پر اتری اور خشکی کا سفر شروع ہوا تو ام حرام کی سواری بدکی اور وہ نیچے گریں اور شہید ہوگئیں یہ واقعہ ۲۸ ھ کا ہے اور سمندر کا دوسرا غزوہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۴۵ ھ میں یزید کی سربراہی میں پیش آیا ہے اس وقت قسطنطنیہ پر حملہ کیا گیا تھا اور اس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اسی غزوہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے دوران قسطنطنیہ کے باہر انتقال فرمایا اور وہ وہیں مدفون ہیں۔ (فتح الباری ۱۱: ۷۵ کتاب الاستیئذان باب من زار قوما فقال عندھم)

سوال: ام حرام رضی اللہ عنہا تو جہاد کے لیے نہیں گئی تھیں نیز عورتوں پر جہاد فرض بھی نہیں پھر ان کو مجاہدین والی فضیلت کیسے حاصل ہوئی؟

جواب: نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ مقام و مرتبہ ان کو حاصل ہوا علاوہ ازیں مجاہدین کی جماعت وہ جماعت ہے جس میں برائے نام شرکت کرنے والے بھی محروم نہیں رہتے ھم قوم لا یشقی جلیسھم مئی خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔

هذا الحديث اصل فی تفضيل معاويه لان الاولين الذين ركبوا البحر كانوا معه الخ هذا كله من العارضة الاحوذی.

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ يُقَاتِلُ لِلرِّيَاءِ وَلِلدُّنْيَا

باب ۱۵: دکھاوے اور دنیا طلبی کے لیے لڑنا

(۱۵۷۰) سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شُجَاعَةً وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً فَاَيُّ ذٰلِكَ فِي سَبِيْلِ اللهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو بہادری ظاہر کرنے

کے لئے یا ریا کاری کی وجہ سے یا دکھاوے کے لئے جنگ میں حصہ لیتا ہے۔ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس لئے جنگ میں حصہ لے کہ اللہ تعالیٰ کا دین سر بلند ہو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شمار ہوگا۔

(۱۵۷۱) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَانَوٰی فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ اِلٰى رَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَاهَاجَرَ اِلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اعمال کی جزاء کا دارو مدار نیت پر ہوتا ہے۔ آدمی کو وہی ثواب ملتا ہے، جو اس نے نیت کی ہو جس شخص کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف شمار ہوگی اور جو شخص دنیا کے لئے ہجرت کرے تا کہ اسے حاصل کرلے یا کسی عورت کی وجہ سے ہجرت کرے تا کہ اس کے ساتھ شادی کرلے تو اس کی ہجرت اسی طرف شمار ہوگی جس کی طرف اس نے (نیت کر کے ہجرت) کی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ حدیثوں پر عمل کرو جن کو میں نے پانچ لاکھ حدیثوں سے جمع کیا ہے۔

① انما الاعمال بالنیات... الخ (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) رواہ البخاری ص:۲ ج:۱ کتاب الایمان صحیح مسلم ص:۱۴۰ ج:۲ کتاب الامارۃ سنن کبریٰ للبیہقی ص:۷۰ ج:۱۔

② من حسن الاسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ (آدمی کے اسلام کا کمال یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے) رواہ ابن ماجہ ص:۲۸۶ ابواب الفتن موطا مالک ص:۷۰۵ باب ماجاء فی حسن الخلق کتاب الجامع مسند ص:۲۳۱ ج:۱ رقم حدیث :۱۷۳۹ ترمذی ابواب الزہد۔

③ لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔ (کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے) رواہ البخاری ص:۶ ج:۱ باب من الایمان ان یحب لاخیہ... الخ کتاب الایمان صحیح مسلم ص:۵۰ ج:۱ کتاب الایمان۔ کالراعی.... الخ

④ ان الحلال بین والحرام بین وبینہما مشتبہات لایعلمہن کثیر من الناس۔ (حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے) اس حدیث پر بحث گزر چکی ہے: فمن اتقی الشبہات استبرا لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام۔ رواہ البخاری ص:۲۷۵ ج:۱ کتاب البیوع صحیح مسلم ص:۲۸ ج:۲ کتاب البیوع سنن کبری للبیہقی ص:۲۳۷ ج:۷ کتاب البیوع۔

⑤ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) رواہ البخاری ص:۶ ج:۱ کتاب الایمان مسلم ص:۴۸ ج:۱ کتاب الایمان۔

انما الاعمال بالنیات: یہ حدیث چونکہ مشہور معرکۃ الآراء ہے اس لیے اس کی لمبی شرحیں کی گئی ہیں طلبہ ان بحثوں میں اُلجھ کر اصل حدیث نہیں سمجھتے اس لیے جاننا چاہیے کہ اس حدیث میں ایک ہی مضمون ہے پہلے جملہ ہے:

انما الاعمال بالنیات: جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ معتبر یعنی موازنہ کیا ہوا ہے اور ترجمہ یہ ہے اعمال کا نیتوں

کے ساتھ موازنہ کیا ہوا ہے اس لیے دوسرا جملہ بڑھایا وانما لکل امراء مانوی یعنی ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے یہ پہلے ہی جملہ کی وضاحت ہے اب پہلے جملہ کے معنی متعین ہو گئے کہ اس کا تعلق ثواب وعدم ثواب سے ہے وجود وعدم وجود سے نہیں ہے پھر مثال سے اس کی مزید وضاحت کی اس زمانہ میں ہجرت ایک کٹھن عمل تھا اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا تجربہ تھا اس کی مثال دی کہ تین شخص ہجرت کرتے ہیں ایک دین کی نصرت کے لیے دوسرا مدینہ میں کاروبار کرنے کے لیے اور تیسرا ام قیس سے نکاح کرنے کے لیے ان میں سے پہلے کی ہجرت باعث اجر ہے باقی دو کی ہجرت کا کوئی ثواب نہیں کیونکہ اعمال کے ثواب وعدم ثواب کا نیتوں کے ساتھ موازنہ کیا ہوا ہے اور پوری حدیث کا سبق اخلاص ہے اخلاص کے معنی ہیں خالص کرنا یعنی ہر عمل میں صرف اللہ کی خوشنودی ملحوظ رہنی چاہیے کوئی بھی عمل نہ تو بے نیت کرنا چاہیے نہ اللہ کی رضا کے علاوہ کسی اور نیت سے کرنا چاہیے۔

بَابُ فِيْ فَضْلِ الْغُدُوِّ وَالرَّوَاحِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب ۱۶: اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح شام جانے کی فضیلت

(۱۵۷۲) غَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَمَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح کے وقت جانا دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے اور جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے۔

(۱۵۷۳) غَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح کے وقت جانا یا شام کے وقت جانا دنیا میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے۔

(۱۵۷۴) مَرَّ رَجُلٌ مِنْ اَصْحٰبِ النَّبِيِّ ﷺ بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَّآءٍ عَذْبَةٌ فَاَعْجَبَتْهُ لِطِيْبِهَا فَقَالَ لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هٰذَا الشِّعْبِ وَلَنْ اَفْعَلَ حَتّٰى اَسْتَاْذِنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مُقَامَ اَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صاحب ایک گھاٹی کے پاس سے گزرے جہاں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا انہیں یہ جگہ پسند آئی انہوں نے آرزو کی کاش وہ لوگوں سے الگ ہو کر اس گھاٹی میں رہیں لیکن پھر انہوں نے یہ سوچا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لئے بغیر ایسا نہیں کروں گا۔ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ایسا نہ کرنا کیونکہ کسی شخص کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھڑے ہونا اس کے اپنے گھر میں ستر برس تک نفل نمازیں ادا کرنے سے بہتر ہے کیا تم لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری

مغفرت کردے اور تمہیں جنت میں داخل کرے تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ میں حصہ لو جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک اونٹنی کا دودھ دوہنے جتنے عرصے کے لئے جنگ میں حصہ لیتا ہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

(۱۵۷۵) لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيْلِ اللهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ اَوْ مَوْضِعُ يَدِهٖ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَوْ اَنَّ امْرَأَةً مِّنْ نِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَاْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبح کے وقت جانا یا شام کے وقت جانا دنیا اور اس میں موجود ہر چیز کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے اور جنت کی اتنی جگہ جو کسی شخص کی کمان جتنی ہو یا ہاتھ رکھنے جتنی ہو یہ دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے اور اگر جنت کی خواتین میں سے کوئی ایک عورت دنیا کی طرف جھانک لے تو آسمان و زمین کے درمیان موجود ہر چیز کو روشن کردے اور اس پوری جگہ کو خوشبو سے بھردے اور اس کے سر کی اوڑھنی دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور آج بھی جنگ میں فوجیوں کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں جو فوجی صبح کی شفٹ میں لڑتے ہیں وہ شام کو آرام کرتے ہیں اور جو شام کی شفٹ میں کھڑے ہوتے ہیں وہ صبح آرام کرلیتے ہیں فوجیوں کے لیے مسلسل لڑنا مشکل امر ہے آدمی تھک جاتا ہے درج ذیل احادیث میں ایک شفٹ میں لڑنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔

قولہ خیر من الدنیا وما فیہا: اس میں یا تو تشبیہ غیر محسوس کی محسوس کے ساتھ مراد ہے یعنی اگر یہ ثواب محسوس ہوتا تو دنیا ومافیہا کی ساری ظاہری نعمتوں سے افضل ہوتا کیونکہ ثواب باقی آتی ہے جبکہ دنیا فانی اور وقتی ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ساری دنیا اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو وہ ثواب جو مجاہد ایک بار جہاد کے لیے چلنے سے کماتا ہے زیادہ ہے اس انفاق سے جیسا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **والذی نفسی بیدہ لو انفقت ما فی الارض ما ادرکت فضل غدوتھم** یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب عبداللہ بن رواحہ کے ساتھی صبح چلے گئے تھے اور انہوں نے جمعہ کی نماز کی خاطر شام کو جاکر ان سے ملنے اور دوگنا ثواب کمانے کی کوشش کی تھی۔

قولہ: ولقاب قوس احدکم او موضع یدہ فی الجنۃ خیر من الدنیا وما فیہا. قاب سے مراد مقدار ہے یعنی تم میں سے ایک کو اگر کمان کی بقدر یا ہاتھ کی مقدار میں جگہ ملے تو وہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے مطلب یہ ہے کہ جنت کا ادنی ترین مقام دنیا کے بلند ترین مقامات سے افضل ہے کیونکہ اور کچھ نہیں تو آدمی اس کی بدولت دوزخ سے تو بچ ہی جائے گا جبکہ دنیا داری کا انجام بربادی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ

باب ۱۷: کون سے لوگ زیادہ بہتر ہیں؟

(۱۵۷۶) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُّمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِي سَبِيْلِ اللهِ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَتْلُوْهُ رَجُلٌ مُّعْتَزِلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَّهٗ يُؤَدِّي حَقَّ اللهِ فِيْهَا اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُّسْاَلُ بِاللهِ وَلَا يُعْطِي بِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کیا تمہیں سب سے بہتر لوگوں کے بارے میں بتاؤں؟ ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ لیتا ہے (اور نکل کھڑا ہوتا ہے) کیا میں تمہیں بتاؤں جو شخص اس کے بعد ہوگا؟ یہ وہ شخص ہے جو اپنی بکریاں لے کر لوگوں سے الگ ہو جاتا ہے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرتا ہے کیا میں تمہیں سب سے بدترین شخص کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ وہ شخص ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگا جائے اور وہ نہ دے۔

تشریح: اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

پہلی بات: راہ خدا میں جہاد کرنے والے کا درجہ اس شخص سے بڑھا ہوا ہے جو اپنی زندگی بناتا ہے اور اعمال صالحہ میں مشغول ہے کیونکہ اس کا عمل لازمی ہے اس کا فائدہ صرف اس کی ذات تک ہے اور مجاہد کا عمل متعدی ہے وہ ساری دنیا کو سنوارنے کی محنت کر رہا ہے اس لیے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔

دوسری بات: اگر اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا جائے تو ضرور دینا چاہیے اللہ کے نام کی عظمت کا یہی تقاضا ہے مگر پیشہ ور سائل اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ اللہ کے نام پر مانگنا ان کا تکیہ کلام ہے پس اس میں سنجیدگی نہیں ہے جیسے سلام کا جواب دینا واجب ہے مگر پیشہ ور سائل کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں شامی میں اس کی صراحت ہے کیونکہ اس کا سلام سلام نہیں ہے بلکہ سوال ہے کذا اھذا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيمَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ

باب ۱۸: شہادت کی سچی چاہت کا اجر

(۱۵۷۷) مَنْ سَأَلَ اللهَ الشَّهَادَةَ مِنْ قَلْبِهٖ صَادِقًا بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ.

ترجمہ: حضرت سہل بن حنیف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی دعا مانگے اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مرتبے پر فائز کرے گا اگرچہ وہ شخص اپنے بستر پر فوت ہوا ہو۔

(۱۵۷۸) مَنْ سَأَلَ اللهَ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِهٖ صَادِقًا مِنْ قَلْبِهٖ أَعْطَاهُ اللهُ أَجْرَ الشَّهِيدِ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کا سا اجر عطا کرتا ہے۔

تشریح: سچے دل سے شہادت کی تمنا اور آرزو کرنے سے بھی شہادت کا ثواب ملتا ہے اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون سچے دل سے مانگ رہا ہے اور کون اوپرے دل سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) ہے جب ان کا انتقال چارپائی پر ہونے لگا تو وہ بہت بے چین تھے لوگوں نے بے چینی کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے شہادت کی تمنا میں اتنے زخم کھائے ہیں کہ میرے بدن پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں زخم کا نشان نہ ہو پھر بھی میں چارپائی پر مر رہا ہوں یہ تھی شہادت کی سچی طلب ایسے لوگوں کا مقام یقیناً شہیدوں کے برابر ہے اور ایک ہم ہیں کہ آپس میں تو خوب لڑتے ہیں مگر جب جہاد کا موقع آتا ہے تو کواڑ بند کر کے چارپائی کے نیچے گھس کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں اس کو شہادت کی سچی طلب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمُجَاهِدِ وَالْمُكَاتَبِ وَالنَّاكِحِ وَعَوْنِ اللّٰهِ اِيَّاهُمْ

باب ۱۹: مجاہد مکاتب کی اور نکاح کرنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں

(۱۵۷۹) ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيْدُ الْاَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعِفَافَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین طرح کے لوگوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا شخص، دوسرا وہ مکاتب شخص جو ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو، اور وہ نکاح کرنے والا شخص جو پاکدامن رہنا چاہتا ہو۔

تشریح: پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہاں جو فرماتے ہیں وہ ضرور کرتے ہیں۔ اس لیے اسے حق سے تعبیر فرمایا چونکہ یہ امور انتہائی مشکل ہیں کیونکہ ان میں نفس کا مقابلہ اور حیوانی صفات سے مبرا ہونا پڑتا ہے اس لیے یہ لوگ جب اپنی نیت کو خالص بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو اللہ کی خاص مدد ان کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے۔

فائدہ: مذکورہ تین شخصوں میں حصر نہیں اس لیے کہ ذکر عدد نفی ماعدا کو مستلزم نہیں اور اسی لیے حنفیہ نے مفہوم عدد کا اعتبار نہیں کیا تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی بھی مدد فرماتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی فَضْلِ مَنْ يُكْلَمُ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ

باب ۲۰: جہاد میں زخم لگنے کی فضیلت

(۱۵۸۰) لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَاللهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی کردیا جائے اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے۔ کسے اس کی راہ میں زخمی کیا گیا ہے، جب وہ شخص قیامت کے دن آئے گا، تو اس زخم کا رنگ خون جیسا ہوگا، لیکن اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

(۱۵۸۱) مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جَرْحًا فِي سَبِيْلِ اللهِ اَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيْحُهَا كَالْمِسْكِ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ جس شخص کو اونٹنی کا دودھ دوہنے جتنے عرصے کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی زخم آجائے یا کوئی چوٹ لگ جائے تو وہ شخص قیامت کے دن اس سے زیادہ بڑے زخم کو ساتھ لے کر آئے گا

جس کا رنگ زعفران جیسا ہوگا، اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

تشریح: قیامت کے دن شہید کے اور محض زخمی ہونے والے کے یہ ہرے زخم اس کی جزائے خیر ہوں گے اور وہ ان سے لطف اندوز ہوگا مشک جیسی خوشبو میں اس طرف اشارہ ہے۔

اعمال اپنی ہیت وصورت کے ساتھ یعنی کماحقہ نفس کے ساتھ چپک جاتے ہیں لہٰذا شہید کی صورت شہادت بھی اس کے نفس کے ساتھ وابستہ ہوجاتی ہے۔

مجازات کا مدار مماثلت پر ہے آخرت میں نعمت وراحت عمل کی قریب ترین صورت میں متمثل ہونگے پہلے آیا ہے کہ جیسا کہ جانور قربان کیا ہوگا ویسا ہی آخرت میں ملے گا البتہ مماثلت میں آخرت کے احوال کا لحاظ ہوگا۔

جب یہ باتیں جان لیں تو اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی کہ جب قیامت کے دن میدان محشر میں شہید حاضر ہوگا تو اس پر اس کا عمل ظاہر ہوگا یعنی وہ ہرے زخموں کے ساتھ آئے گا اور وہ ان سے لطف اندوز ہوگا۔

اس حدیث کا مضمون وہی ہے جو سابقہ باب میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے تاہم اس حدیث میں اس کا رنگ زعفران بتلایا ہے جبکہ یہاں اللون الدم فرمایا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اصل مقصد یہ بتلانا ہے کہ وہ خون اپنے رنگ وبو کے حوالے سے برا نہیں ہوگا بلکہ خوشنما اور خوشبودار ہوگا عارضہ میں ہے کہ خون وہی ہوگا مگر اس کی خباثت نفاست میں تبدیل ہوگئی۔

بَابُ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟

باب ۲۱: کون سا عمل زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟

(۱۵۸۲) قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ اَوْ اَیُّ الْاَعْمَالِ خَیْرٌ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ قِیْلَ ثُمَّ اَیُّ شَیْءٍ قَالَ اَلْجِهَادُ سَنَامُ الْعَمَلِ قِیْلَ ثُمَّ اَیُّ شَیْءٍ یَا رسولَ اللهِ قال ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے دریافت کی گیا۔ کون سا عمل زیادہ فضیلت رکھتا ہے (یا شاید یہ الفاظ ہیں) کون سا عمل زیادہ بہتر ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنا، عرض کی گئی۔ پھر کون سا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جہاد عمل کی کوہان ہے۔ (یعنی سب سے بلند ترین عمل ہے) عرض کی گئی۔ پھر کون سا ہے؟ یارسول اللہ ﷺ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پھر مقبول حج ہے۔

تشریح: اعمال میں الافضل فالافضل کی ترتیب عارضہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے ایمان ہے پھر وقت پر نماز ادا کرنا ہے پھر جہاد ہے ثم الصدقۃ (الزکوۃ) ثم الصیام الخ ثم الحج۔ ایمان تو اس لیے پہلے نمبر پر ہے کہ یہ بنیاد ہے نماز میں نیت جو عمل قلب ہے اور عمل جوارح دونوں جمع ہوجاتے ہیں مع ہذا وہ دیگر برائیوں سے بھی روکتی ہے۔ جہاد میں وعد کی سچائی کی تصدیق کی جاتی ہے جیسا کہ پہلے گزرا ہے پھر صدقہ جو غیر کو دیا جاتا ہے جس سے عمل کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے پھر روزہ جس کی بدولت آدمی آدمیت کی

عادت سے نکل کر فرشتوں کی صف وصفت میں شامل ہوجاتا ہے۔

باب

باب ۲۲: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں

(۱۵۸۳) اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ رَثُّ الْهَيْئَةِ اَاَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَذْكُرُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَرَجَعَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ قَالَ اَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ وَ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهٖ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰى قُتِلَ.

ترجمہ: ابوبکر بن ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے والد کو دشمن کا سامنا ہونے کے وقت یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں، حاضرین میں سے ایک صاحب جو بظاہر مفلوک الحال لگ رہے تھے انہوں نے دریافت کیا۔ آپ نے خود نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا۔ جی ہاں

قولہ: ان ابواب الجنة تحت ظلال السیوف یہ کنایہ ہے گھسان کی لڑائی میں شرکت سے کہ جب دو بدو جنگ ہو رہی ہو اور مجاہد اس میں گھس جائے بایں طور کہ وہ تلوار کے سایہ تلے شہید ہوجائے تو وہ فوراً جنت میں داخل ہوجاتا ہے لہٰذا یہاں ذکر سبب ہوا اور مراد اس سے مسبب ہے مجازاً جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے جعل الرزق (رزقی) تحت ظل رمحی.

بَابُ مَا جَآءَ اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ؟

باب ۲۳: لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟

(۱۵۸۴) سُئِلَ رسولُ اللهِ ﷺ اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قال رَجُلٌ يُّجَاهِدُ فِي سبيلِ اللهِ قالُوا ثُمَّ مَنْ قال ثُمَّ مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي رَبَّهٗ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهٖ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ کون سا شخص زیادہ فضیلت رکھتا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے لوگوں نے دریافت کیا۔ پھر کون سا؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ پھر وہ مؤمن ہے جو کسی گھاٹی میں رہے اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔

یہاں اگرچہ بظاہر مجاہد کی فضیلت تمام لوگوں پر ثابت ہوتی ہے مگر دیگر دلائل سے علماء وصدیقین کی افضلیت کل الناس پر سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے ثابت ہے بلکہ شہداء جب قیامت کے دن علماء کا مقام دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش وہ علماء ہوتے چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مفتاح دار السعادۃ میں قمطراز ہیں:

فمن طلب العلم ليحيى به الاسلام فهو من الصديقين ودرجته بعد درجة النبوة ...الى ...

"جو شخص اسلام کو زندہ کرنے کی نیت سے علم حاصل کرے گا تو وہ شخص صدیقین میں شمار کیا جائے گا اور اس کا درجہ نبوت کے درجے کے بعد دوسرا درجہ ہے۔"

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ علیکم بالعلم قیل ان یرفع ورفعه هلاك العلماء فوالذی نفسی بیده لیودن رجال قتلوا فی سبیل الله شهداء ان یبعثهم الله علماء لما یرون من کرامتهم وان احدًا یولد عالما وانما العلم بالتعلم. (مفتاح ص:۱۲٤دار الکتاب العلمیة)

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کے اٹھ جانے سے پہلے علم سیکھو۔ اور علماء کے اٹھ جانے سے پہلے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں شہید کیے گئے علماء کا اعزاز و اکرام دیکھ کر تمنا کریں گے کہ انہیں علماء کے ساتھ اٹھایا جائے اور کوئی بھی عالم پیدا نہیں ہوتا بلکہ علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔"

باب

باب ۲۴: شہید کے لیے مخصوص ثواب

(۱۵۸۵) مَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَسُرُّهُ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا غَيْرُ الشَّهِيْدِ فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا يَقُوْلُ حَتّٰى اُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مِمَّا يَرٰى مِمَّا اَعْطَاهُ مِنَ الْكَرَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جنت کے رہنے والے کسی بھی شخص کی یہ آرزو نہیں ہوگی کہ وہ دنیا میں واپس جائے صرف شہید ہی یہ آرزو کرے گا کیونکہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ دوبارہ دنیا میں جائے وہ یہ کہے گا کہ مجھے دس مرتبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیا جائے ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو بزرگی عطا کی ہوگی جب وہ اس کو دیکھے گا تو پھر یہ آرزو کرے گا۔

(۱۵۸۶) لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهٗ فِيْ اَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَاْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَيُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ اَلْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَيُزَوَّجُ اِثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَيُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقَارِبِهٖ.

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ شہید کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چھ خصوصیات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔ وہ جنت میں اپنے مخصوص ٹھکانے کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا، وہ قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے محفوظ رہے گا، اس کے سر پر یاقوت سے جڑا ہوا وقار کا تاج رکھا جائے گا، جو دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ بہتر ہے اور اسے بڑی آنکھوں والی بہتر (۷۲) حوریں نکاح میں دی جائیں گی اور اس شخص کے ستر رشتے داروں کے بارے میں اس کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔

قوله: للشهيد عند الله ست خصال.

اشکال: حدیث میں تو سات کا ذکر ہے؟

جواب: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے کہ مفہوم مخالف معتبر نہیں یا پھر ان میں سے دو انعامات کو یکجا شمار کر کے ایک مانا جائے گا جیسے عذاب قبر سے حفاظت اور فزع اکبر سے بے خوف ہونا کہ دونوں میں تلازم ہے۔

فائدہ: ویسے تو فضائل جہاد کی بحث یہاں آکر ختم ہو جاتی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جہاد کے صرف یہی فضائل ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے فضائل اتنے زیادہ ہیں جن کا احصاء مشکل ہے اور مستقل کتاب ہی شاید ان کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

باب

باب ۲۵: پہرے دار کی فضیلت

(۱۵۸۷) رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَالرَّوْحَةُ يَرُوْحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ اَوِ الْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَمَوْضِعُ سَوْطِ اَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن کے لئے پہرہ دینا، دنیا اور اس میں موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے، ایک دن صبح کے وقت یا شام کے وقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنا، دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے اور جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ، دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے۔

(۱۵۸۸) سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ.

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن پہرہ دینا، ایک ماہ کے روزوں اور (رات بھر نوافل میں) قیام سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) بہتر ہے۔ جو شخص اس دوران میں فوت ہو جائے وہ قبر کی آزمائش سے محفوظ ہو جائے گا اور قیامت تک اس کا عمل پھلتا پھولتا رہے گا۔

(۱۵۸۹) مَنْ لَقِيَ اللهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللهَ وَفِيْهِ ثُلْمَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص کسی جہاد کا نشان لئے بغیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو گویا وہ اپنے دین میں کمی کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔

(۱۵۹۰) سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ يَوْمٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ.

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے فرمایا: میں نے تم لوگوں سے ایک حدیث چھپا کر رکھی ہوئی تھی جو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنی تھی اس اندیشے کے تحت کہ تم لوگ مجھ سے الگ ہو جاؤ گے پھر مجھے یہ مناسب لگا کہ میں وہ حدیث تمہیں سنا دوں تا کہ ہر شخص اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کر لے جو اسے مناسب لگے، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن (سرحد پر) پہرہ دینا دیگر جگہوں پر ایک ہزار دن گزارنے سے بہتر ہے۔

(۱۵۹۱) مَا يَجِدُ الشَّهِيْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ شہید کو قتل ہوتے وقت اتنی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہے جتنی کسی شخص کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

(۱۵۹۲) لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ تُهْرَاقُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَمَّا الْأَثَرَانِ فَأَثَرٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَثَرٌ فِي فَرِيْضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی بھی چیز دو قطروں سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے خوف سے نکلنے والے آنسو کا قطرہ اور ایک خون کا وہ قطرہ جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا گیا ہو جہاں تک دو نشانات کا تعلق ہے (جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں) تو ایک نشان وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں (زخم کی شکل میں) آئے اور ایک نشان وہ جو اللہ تعالیٰ کے فرض کی وجہ سے (ماتھے پر سجدے کے نشان کی صورت میں) ہوتا ہے۔

اَبْوَابُ الْجِهَادِ
جہاد کا بیان

بَابٌ فِیْ اَهْلِ الْعُذْرِ فِی الْقُعُوْدِ

باب ۱: معذوروں پر جہاد نہیں

(۱۵۹۳) اِئْتُونِي بِالْكَتِفِ اَوِ اللوحِ فَكَتَبَ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾(النساء:۹۵) وَ عَمْرُو ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَقَالَ هَلْ لِّيْ مِنْ رُّخْصَةٍ فَنَزَلَتْ ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے پاس (کسی جانور کے) شانے کی ہڈی یا کوئی تختی لاؤ (راوی بیان کرتے ہیں) پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) تحریر کروائی۔ اہل ایمان میں سے بیٹھے رہنے والے لوگ برابر نہیں ہیں۔ راوی بیان کرتے ہیں حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے پیچھے موجود تھے انہوں نے عرض کی۔ کیا میرے لئے کوئی رخصت ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: وہ لوگ جنہیں کوئی ضرر نہ ہو۔

تشریح: اہل عذر سے مراد وہ لوگ ہیں جو جہاد میں شرکت کی قدرت نہ رکھتے ہوں خواہ بیماری کی وجہ سے ہو یا کوئی اور طبعی وشرعی عذر کی بناء پر ہو۔ پھر معذورین کے لیے اگر چہ رخصت تو ہے مگر ثواب میں وہ مجاہدین کے برابر نہیں ہیں ہاں ان کو نیت کا اور جذبے جا ثواب ملتا ہے۔

قرآن نے قاعدین کی دو قسمیں ذکر کی ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ بیان کیا ہے۔

① وہ قاعدین جو اولی الضرر ہیں ان پر مجاہدین کو ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ﴾ (النساء:۹۵)

② وہ جو غیر اولی الضرر ہیں ان پر مجاہدین کو کئی گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ۭ﴾ (النساء:۹۵،۹۶)

اس میں درجت مغفرة اور رحمة تینوں اجرًا سے بدل ہیں۔ (تدبر)

اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے فارس کی مشہور جنگ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی گئی تھی۔ میں خود کو جھنڈا اٹھانے کے لیے پیش کیا کہ میں نابینا ہوں یا تو کھڑا رہوں گا یا پھر شہید ہو جاؤں گا چنانچہ تین دن کی شدید لڑائی کے بعد جب مسلمانوں کو تاریخی فتح نصیب ہوئی تو شہداء میں ان کو اس حال میں پایا گیا کہ خون میں لہولہان تھے اور جھنڈا اپنے سینے سے تھامے ہوئے تھے۔

اہل مدینہ ان کو عبداللہ کہتے ہیں اہل عراق ان کو عمرو والد کا نام قیس بن زائدۃ ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِيمَنْ خَرَجَ اِلَى الْغَزْوِ وَتَرَکَ اَبَوَيْهِ

باب ۲: ماں باپ کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلنا

(۱۵۹۴) جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَاْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ اَلَکَ وَالِدَانِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جہاد کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا۔ کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے عرض کی۔ جی ہاں! نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان دونوں کی خدمت کا جہاد کرو۔

جہاد کی قسمیں: جہاد کی دو قسمیں ہیں ① فرض کفایہ ② فرض عین۔

فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ جب چند لوگ اس فریضہ کو انجام دے رہے ہوں تو باقی لوگ بھی فارغ الذمہ ہو جاتے ہیں جیسے نماز جنازہ وغیرہ کا حکم ہے جبکہ فرض عین کی صورت میں ہر آدمی پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

پہلی صورت: میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد کرنے کی اجازت نہیں ہے حدیث باب کی وجہ سے کیونکہ بحالت احتیاج والدین کی خدمت فرض عین ہے اور فرض عین کا درجہ فرض کفایہ پر مقدم ہوتا ہے اور اگر والدین خدمت کے محتاج نہ بھی ہوں مگر ان کی دل آزاری حرام ہے اس لیے بھی ان کی اجازت وخوشی لازمی ہے اسی طرح حکم باقی تطوعات کا ہے جیسے نفلی حج وعمرہ اور روزہ وغیرہ بشرطیکہ والدین مسلمان ہوں۔ علم دین میں توسع حاصل کرنے کی غرض سے سفر کرنے کا حکم بھی اسی طرح ہے جبکہ دوسری صورت یعنی فرض عین ہونے کی صورت میں یا والدین کے مسلمان نہ ہونے کی صورت میں اجازت کی حاجت نہیں اور نہ ہی والدین کو روکنا چاہیے۔

جہاد اقدامی ودفاعی: جہاد کس وقت فرض کفایہ ہے اور کس وقت فرض عین ہو جاتا ہے؟ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اقدامی جہاد فرض کفایہ ہے اور دفاعی جہاد فرض عین ہے جو الاقرب فالاقرب کے اوپر یا نفیر عام کی صورت میں فرض عین ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الرَّجُلِ يُبْعَثُ مِنْ سَرِيَّةٍ وَاحِدَةٍ

باب ۳: جس شخص کو تنہا کسی مہم پر روانہ کیا جائے

(۱۵۹۵) حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ فِي قَوْلِهِ ﴿اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹) قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ

بْنُ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ السَّهْمِيُّ بَعَثَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى سَرِيَّةٍ أَخْبَرَنِيْهِ يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

ترجمہ: ابن جریج اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں بیان کرتے ہیں: تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو، تو حضرت عبداللہ بن حذافہ نے یہ بات بیان کی کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک مہم پر روانہ کیا تھا۔

سریہ: فوجی دستہ (پانچ سے تین سو تک) سوال یہ ہے کہ ایک نفری سریہ بھیجا جا سکتا ہے؟

جواب: یہ ہے کہ بھیجا جا سکتا ہے جیسے یک نفری کمیشن بٹھایا جا سکتا ہے اور حدیث مختصر ہے اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو کسی مہم پر سریہ بھیجنا تھا مگر امیر بنانے کے لیے کوئی موزوں نام سمجھ نہیں آ رہا تھا چنانچہ افراد منتخب کر کے سریہ روانہ کر دیا اور ان کو ہدایت کی کہ فلاں راستہ پر روانہ ہو جاؤ میں پیچھے سے کسی کو امیر بنا کر بھیجوں گا سریہ روانہ ہو گیا آپ ﷺ نے پیچھے سے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور ان کو ایک تحریر لکھ کر دی کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تمہارے امیر ہیں ان کا حکم مانو وہ تحریر لے کر روانہ ہوئے اور قافلہ سے جا ملے جب سریہ کے لوگوں نے تحریر دیکھی تو ان کو امیر مان لیا اسی سریہ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ امیر صاحب کسی بات پر ناراض ہو گئے انہوں نے آگ جلوائی اور حکم دیا کہ اس میں کود و لوگوں میں چہ مگوئیاں ہوئیں کہ امیر کا حکم مانا جائے یا نہیں؟ بعض نے کہا ہم مسلمان ہی آگ سے بچنے کے لیے ہوئے ہیں اس لیے آگ میں نہیں کودیں گے بات لمبی ہو گئی اور آگ بجھ گئی اور امیر صاحب کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا جب سریہ واپس آیا تو انہوں نے نبی ﷺ کو پورا واقعہ بتلایا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم امیر کی اطاعت کرتے اور آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں رہتے امیر کی اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے معصیت کے کام میں کسی کی اطاعت نہیں (بخاری حدیث ۷۱۴۵) غرض یہ یک نفری سریہ نہیں تھا سریہ تو قافلہ کی شکل میں پہلے روانہ ہو چکا تھا مگر چونکہ امیر صاحب مدینہ سے قافلہ تک تنہا گئے تھے اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یک نفری سریہ قرار دیدیا۔ اس کی خبر آنحضور ﷺ کو پہنچتی ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں: لو دخلوها ما خرجوا منها الى يوم القيمة الطاعة فى المعروف. امیر سریہ نے یہ حکم کسی کام یا بات سے رنجیدہ ہونے کے وقت دیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ أَنْ يُّسَافِرَ الرَّجُلُ وَحْدَهٗ

باب ۴: آدمی کا تنہا سفر کرنا مکروہ ہے

(۱۵۹۶) لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ مِنَ الْوَحْدَةِ مَا سَارَى رَاكِبٌ بِلَيْلٍ يَعْنِيْ وَحْدَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ تنہا (سفر کرنے) کے بارے میں مجھے جو علم ہے اگر لوگوں کو پتہ چل جائے تو کبھی بھی کوئی شخص رات کے وقت سفر نہ کرے (یعنی تنہا سفر نہ کرے)۔

(۱۵۹۷) اَلرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ایک سوار شیطان ہوتا ہے دو سوار دو شیطان ہوتے ہیں اور تین سوار حقیقتاً سوار ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرُّخْصَةِ فِی الْكَذِبِ وَالْخَدِیْعَةِ فِی الْحَرْبِ

باب ۵: جنگ میں چال چلنا جائز ہے

(۱۵۹۸) قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جنگ دھوکہ دہی کا نام ہے۔

کذب (اسم) خلاف واقعہ بات مگر یہاں یہ لفظ خدیعہ کا مترادف ہے اور عطف تفسیری ہے اور خدیعہ کے معنی ہیں چال چلنا نبی ﷺ نے فرمایا جنگ چال ہے یعنی جنگ میں جو چال چلنے میں کامیاب ہو گیا وہی ظفر مند رہا اسی طرح مناظرہ میں بھی علمی صلاحیت سے کم اور چال سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور چونکہ جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے جو چال چلی جاتی ہے وہ کذب کے مشابہ ہوتی ہے اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب میں لفظ کذب بڑھایا ہے جیسے دشمن سے کہا پیچھے دیکھ اس نے یہ سمجھ کر پیچھے دیکھا کہ شاید پیچھے سے کوئی آ گیا اور اس کا کام تمام کر دیا جیسے فوج بظاہر پسپا ہو گئی جب دیکھا کہ دشمن تتر بتر ہو گیا تو پلٹ کر حملہ کر دیا اور میدان سر کر لیا یہ چال چلنا ہے۔

ابن العربی اور نووی رحمہما اللہ کے نزدیک: اس سے صریح کذب مراد ہے گو کہ افضل یہ ہے کہ آدمی توریہ اور تعریض سے کام چلانے کی کوشش کرے جبکہ طبری وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ حقیقی کذب جائز نہیں بلکہ معاریض جائز ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدق و کذب کے حسن اور قبح کا دارومدار مقصد کے نیک اور بد ہونے پر ہے اگر مقصد نیک ہے تو کذب حسن بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ عرف میں فرماتے ہیں کذب صرف چار استثنائی صورتوں میں جائز ہے اور وہ بھی دراصل توریہ ہے صلح، دفع ظلم، بیوی کو راضی کرنے اور جنگ میں برتری حاصل کرنے کی غرض سے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ غَزَوَاتِ النَّبِیِّ ﷺ: وَكَمْ غَزٰی

باب ۶: نبی اکرم ﷺ نے کتنی جنگیں لڑیں؟

(۱۵۹۹) كُنْتُ اِلٰی جَنْبِ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ فَقِیْلَ لَهٗ كَمْ غَزَا النَّبِیُّ ﷺ مِنْ غَزْوَةٍ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ فَقُلْتُ كَمْ غَزَوْتَ اَنْتَ مَعَهٗ قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ قُلْتُ اَیَّتُهُنَّ كَانَ اَوَّلَ قَالَ ذَاتُ الْعُشَیْرِ اَوِ الْعُشَیْرَةِ.

ترجمہ: ابو اسحاق بیان کرتے ہیں۔ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پہلو میں موجود تھا ان سے دریافت کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا انیس غزوات میں، راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا۔ ان میں سب سے پہلا کون سا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ ذات العشیر (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) ذات العشیرۃ.

قولہ غزوۃ: اصل میں قصد کو کہتے ہیں۔ اصحاب السیر کی اصطلاح میں ایسے معرکہ کو جس میں نبی کریم ﷺ بنفس نفیس شریک ہوتے غزوہ کہا جاتا ہے غزوات کی تعداد کے حوالے سے روایات میں بظاہر تعارض پایا جاتا ہے باب کی حدیث میں انیس کا ذکر پایا جاتا ہے جبکہ ابویعلی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے اس میں اکیس کا ذکر ہے جبکہ عبدالرزاق نے ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے چوبیس اور ابن سعد نے ستائیس ذکر کیے ہیں۔ ان میں دو طرح کی تطبیق دی گئی ہے:

پہلی تطبیق: یہ کہ شاید بعض راویوں نے اختصار سے کام لیا ہو بایں طور کہ بڑے بڑے غزوات کو ذکر کیا اور باقی کو چھوڑ دیا۔

دوسری تطبیق: اس طرح ہے کہ جو غزوات قریب الوقوع تھے ان میں سے بعض کو بعض میں ضم کر کے راوی نے اختصار کیا جیسے طائف وحنین اور احزاب و بنی قریظہ۔ پھر جن غزوات میں جنگ کی نوبت آئی ہے ان کی تعداد ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق نو ہے:

① بدر ② اُحد ③ خندق ④ بنوقریظہ ⑤ بنوالمصطلق ⑥ خیبر ⑦ فتح مکہ ⑧ حنین ⑨ طائف۔

سب سے پہلا غزوہ کون سا ہے؟ اس میں اختلاف ہے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں: سب سے پہلا غزوہ ابواء ہے پھر بواط پھر عشیرہ اسی ترتیب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور اسی کو حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں اختیار کیا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ پہلا غزوہ عشیرۃ ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲:۴۹)

سرایا اور بعوث کی تعداد میں بھی اختلاف ہے ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھتیس، واقدی کے ہاں اڑتالیس، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں چھپن اور مسعودی کے نزدیک ساٹھ ہیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرف الشذی میں ستر ذکر کئے ہیں جبکہ اکلیل میں حاکم نے سو سے زیادہ بتلائے ہیں شاید ان کا مقصد کل غزوات وسرایا ملا کر دونوں کی مجموعی تعداد ہو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الصَّفِّ وَالتَّعْبِیَةِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ۷: جنگ کے وقت صفیں قائم کرنا اور ترتیب دینا

(۱۶۰۰) عَبَّاَنَا النبیُّ ﷺ بِبَدْرٍ لَیْلًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ غزوہ بدر سے پہلے والی رات نبی اکرم ﷺ نے ہمیں مناسب مقامات پر کھڑا کر دیا تھا۔

عبی تعبیۃ الجیش کے معنی ہیں لشکر کو ترتیب دینا جنگ میں کامیابی کا بڑا مدار اس پر ہے کہ کس فوجی کو کیا کام سونپا جائے اور کس کو کہاں کھڑا کیا جائے جو کمانڈر اس میں ماہر ہوتا ہے اور موقع محل کے لحاظ سے صفیں ترتیب دیتا ہے: ظفر مندی اس کے قدم چومتی ہے اور دنیا کے تمام جنگی معاملات کے ماہر متفق ہیں کہ اس فن میں سب سے زیادہ مہارت نبی کریم ﷺ کو تھی جو کمال آپ ﷺ کو حاصل تھا وہ کمال کسی اور کو حاصل نہیں ہوا آپ ﷺ میدان میں صحابہ رضی اللہ عنہ کو جو جہاں کے لیے موزوں ہوتا تھا متعین فرماتے تھے جنگ بدر میں جو اسلام کی سب سے پہلی جنگ ہے آپ ﷺ نے رات ہی میں سب کو ان کی جگہیں بتا دی تھیں چنانچہ صبح ہوتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے ٹھکانے پکڑ لئے۔

ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مغرب کی جانب منہ کر کے سورج کو پشت کی طرف چھوڑ دیا جبکہ مشرکین کا رخ سورج کی طرف تھا یہ بھی بڑی حکمت عملی تھی کہ جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین کی آنکھوں پر روشنی کی تیز شعاعیں پڑتیں جس کی بناء پر ان کو صحیح نظر نہیں آتا تھا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الدُّعَآءِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ٨: جنگ کے وقت دعا کرنا

(١٦٠١) سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَعْنِى النَّبِىَّ ﷺ يَدْعُوْا عَلَى الْاَحْزَابِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ وَزَلْزِلْهُمْ

ترجمہ: حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو یعنی نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: آپ ﷺ نے (دشمن کے) لشکروں کے لئے دعائے ضرر کی اور یہ دعا کی "اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے! جلدی حساب لینے والے تو (دشمن کے) لشکروں کو پسپا کر دے اور انہیں (یعنی ان کے قدم) اکھاڑ دے۔

کچھ جگہیں اور کچھ زمانے دعا کی قبولیت کے ہیں ان میں سے ایک جب جنگ شباب پر ہو اور گھمسان کا رن پڑ رہا ہو دعا قبول ہوتی ہے نبی ﷺ کو غزوۂ احزاب میں یہ دعا مانگتے سنا ہے اے اللہ قرآن کے نازل کرنے والے اے جلد حساب لینے والے لشکر کے جتھوں کو شکست دے دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْاَلْوِيَةِ

باب ٩: چھوٹے جھنڈوں کا بیان

(١٦٠٢) اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاءُهُ اَبْيَضُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کا مخصوص جھنڈا سفید تھا۔

لواء اور رایہ میں کیا فرق ہے؟ الویۃ لواء کی جمع ہے جو بکسر اللام آتا ہے جھنڈے کو کہتے ہیں مگر لواء اور رایہ میں کیا فرق ہے؟ جس کے لیے امام ترمذی رحمہ اللہ کو الگ الگ باب باندھنے کی ضرورت پیش آئی؟ تو اس بارے میں بہت سارے اقوال ہیں۔ ابن العربی رحمہ اللہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ لواء وہ جھنڈا ہے جو نیزے کے ساتھ باندھ کر لپیٹ دیا جائے جبکہ رایہ وہ ہے جو نیزے سے باندھ کر کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ لہراتا رہے کوکب الدری میں ہے کہ لواء امیر جیش کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ رایہ ایک مرکزی جگہ پر میدان جنگ میں گاڑ دیا جاتا ہے۔

——✻——

بَابُ فِی الرَّايَاتِ

باب ۱۰: بڑے جھنڈوں کا بیان

(۱۶۰۳) بَعَثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ اِلَی الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَسْاَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِّنْ نَّمِرَةٍ.

ترجمہ: یونس بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: محمد بن قاسم نے مجھے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تا کہ میں ان سے نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے بارے میں دریافت کروں تو انہوں نے بتایا۔ وہ سیاہ رنگ کا تھا اور چوکور تھا اور اس پر لکیریں بنی ہوئی تھیں۔

(۱۶۰۴) كَانَتْ رَايَةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ سَوْدَاءَ وَلِوَاؤُهُ اَبْيَضَ.

ترجمہ: ابومجلز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کا بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹے جھنڈے سفید تھے۔

یہ رایۃ کی جمع ہے اسکے معنی ہیں جھنڈا، لشکر میں ایک بڑا جھنڈا ہوتا ہے جو لشکر کا نشان ہوتا ہے اور فوج اس کے نیچے لڑتی ہے آنحضور ﷺ کا جھنڈا چوکور سفید تھا اور اس میں کالی دھاریاں تھیں اور دور سے دیکھنے میں کالا نظر آتا تھا چنانچہ حضرت براء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو کالا کہا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الشِّعَارِ

باب ۱۱: شعار (کوڈ ورڈ) کا بیان

(۱۶۰۵) اِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَقُوْلُوا حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ.

ترجمہ: مہلب بن ابوصفرہ ان صحابی کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ اگر دشمن رات کے وقت تم پر حملہ کردے تو تم لوگ (نشانی کے طور پر) یہ کہنا: "حم لا ینصرون"

تشریح: "شعار" علامۃ ونشانی کو کہتے ہیں آج کل مجاہدین کی اصطلاح میں اس کو، نام شب، کہا جاتا ہے اس کا مطلب خفیہ کوڈ کا تعین ہوتا ہے جس وجہ سے رات کو یا گھمسان کی لڑائی کے دوران اپنے ساتھیوں کی تمیز آسان ہوجاتی ہے۔

اِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ اگر دشمن رات کے وقت تم پر حملہ آور ہو "فقولوا حم لا ینصرون" اس انتخاب میں واللہ اعلم کیا حکمت ملحوظ تھی تاہم محشی نے لکھا ہے کہ اس صورت کی برکت اور فضل سے کفار غالب نہیں ہوں گے گویا تفاول ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حوامیم سبعہ ہیں جن کی اپنی امتیازی شان ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ صِفَةِ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

باب ۱۲: نبی اکرم ﷺ کی تلوار کا بیان

(۱۶۰۶) قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِي عَلٰى سَيْفِ سُمْرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلٰى سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ حَنَفِيًّا.

ترجمہ: ابن سیرین بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنی تلوار حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی مانند بنوائی تھی اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی تھی کہ انہوں نے اپنی تلوار نبی اکرم ﷺ کی تلوار کی طرح بنوائی ہے جو بنوحنیف کی مخصوص تلواروں کی مانند تھی۔

فائدہ: جس طرح مدینہ منورہ اور دیگر شہروں کی طرف نسبت کرتے وقت اول میں یاء حذف کر کے مدنی اور ثانی میں یاء باقی رکھ کر مدینی کہتے ہیں، اسی طرح ملت حنیفی میں یاء باقی رکھ کر ملت حنیفیہ اور قبیلہ بنوحنیفہ میں اور مذہب ابی حنیفہ میں یاء حذف کر کے حنفی کہتے ہیں۔

بَابٌ فِي الْفِطْرِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ۱۳: جنگ کے وقت روزہ توڑ دینا

(۱۶۰۷) لَمَّا بَلَغَ النَّبِيُّ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ مَرَّ الظَّهْرَانِ فَآذَنَنَا بِلِقَاءِ الْعَدُوِّ فَأَمَرَنَا بِالْفِطْرِ فَأَفْطَرْنَا أَجْمَعُوْنَ.

ترجمہ: حضرت اب سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: فتح مکہ کے سال جب نبی اکرم ﷺ "مرالظہران" کے مقام پر پہنچے تو آپ نے ہمیں دشمن کا سامنا ہونے کی اطلاع دی اور ہمیں ہدایت کی کہ ہم روزہ توڑ دیں تو ہم سب لوگوں نے روزہ توڑ دیا تھا۔

تشریح: نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے لئے دس رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور آپ ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان کے روزے رکھتے ہوئے سفر کر رہے تھے، جب مکہ قریب آیا تو آپ ﷺ نے روزے بند کرنے کا حکم دیا تاکہ فوج کھائے پیئے اور طاقت حاصل کرے اور اس سلسلہ کے احکام کتاب الصوم باب 18 میں گزر چکے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْخُرُوْجِ عِنْدَ الْفَزَعِ

باب ۱۴: خطرے کے وقت گھر سے نکلنے کا بیان

(۱۶۰۸) رَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لِأَبِيْ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ مَنْدُوْبٌ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْ فَزَعٍ وَإِنْ وَّجَدْنَاهُ لَبَحْرًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے جس کا نام مندوب تھا (واپس آ کر آپ نے ارشاد فرمایا) کوئی خطرے کی بات نہیں ہے ہم نے اس (گھوڑے کو) سمندر (کی طرح تیز رفتار) پایا ہے۔

(۱۶۰۹) كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَرَسًا لَّنَا يُقَالُ لَهٗ مَنْدُوْبٌ فَقَالَ مَارَاَيْنَا مِنْ فَزَعٍ وَاِنْ وَّجَدْنَاهُ لَبَحْرًا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مدینہ منورہ میں خطرے کا اندیشہ ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ہمارا ایک گھوڑا عارضی طور پر لیا جس کا نام مندوب تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم نے تو خطرے کی کوئی بات نہیں دیکھی اور ہم نے اس (گھوڑے کو) سمندر کی طرح پایا ہے۔

(۱۶۱۰) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ وَاَجْوَدِ النَّاسِ وَاَشْجَعِ النَّاسِ قَالَ وَقَدْ فَزِعَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَيْلَةً سَمِعُوا صَوْتًا قَالَ فَتَلَقَّاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى فَرَسٍ لِاَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ وَهُوَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهٗ فَقَالَ لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَجَدْتُّهٗ بَحْرًا يَعْنِي الْفَرَسَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت تھے سب سے زیادہ سخی تھے سب سے زیادہ بہادر تھے ایک مرتبہ رات کے وقت اہل مدینہ نے ایک آواز سنی اور اس کی وجہ سے گھبراہٹ کا شکار ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس طرف گئے۔ اس گھوڑے کی پشت پر کچھ نہیں تھا (یعنی گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار ہو کر گئے) نبی اکرم ﷺ نے اپنی تلوار لٹکائی ہوئی تھی (واپس آ کر آپ ﷺ نے) ارشاد فرمایا: تم لوگ گھبراؤ نہیں، تم لوگ گھبراؤ نہیں! پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اسے سمندر پایا ہے (یعنی گھوڑے کو)۔

تشریح: رات میں اگر گھبرا دینے والی کوئی بات پیش آئے تو فوراً سب کو باہر نکلنا چاہئے، گھر میں چھپ کر نہیں بیٹھنا چاہئے، ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں رات کے وقت کچھ شور سنائی دیا سب صحابہ گھروں سے نکل آئے اور شور کی جانب چل پڑے، لوگوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ ادھر سے واپس آ رہے ہیں یعنی آپ ﷺ سب سے پہلے نکلے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے آنگن میں گھوڑا بندھا ہوا تھا جس کا نام "مندوب" تھا آپ ﷺ نے وہ گھوڑا کھولا اور ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر دور تک دیکھنے چلے گئے، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: گھبراؤ نہیں، میں دُور تک دیکھ آیا ہوں، خطرے کی کوئی بات نہیں" پھر آپ ﷺ نے فرمایا، یہ گھوڑا سمندر ہے یعنی بڑا سبک رفتار، تیز رو ہے۔

مندوب: ندب سے ہے، ندب کے معنی ہیں: میت پر رونا یا بلانا، کسی کام کی دعوت دینا، اس گھوڑے کا نام یا تو اس لئے ہوگا کہ وہ گھوڑا سست رفتار ہوگا، جس پر سواری کرنے والا روتا ہوگا، نبی ﷺ کی برکت سے وہ تیز ہوگیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کون کہتا ہے: یہ سست رفتار ہے، یہ تو سمندر ہے یا وہ سبک رفتار تیز رو مشہور ہوگا اور لوگوں کو سواری کرنے کی دعوت دیتا ہوگا نبی ﷺ نے تجربہ کے بعد اس شہرت کی تائید فرمائی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الثَّبَاتِ عِنْدَ الْقِتَالِ

باب ۱۵: جنگ کے وقت ثابت قدمی اختیار کرنا

(۱۶۱۱) قَالَ لَنَا رَجُلٌ اَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَا اَبَا عُمَارَةَ قَالَ لَا وَاللهِ مَا وَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَلٰكِنْ وَلّٰى

سَرْعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عَلٰى بَغْلَتِهٖ وَاَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اٰخِذٌ بِلِجَامِهَا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے ایک شخص نے ان سے دریافت کیا۔ اے ابوعمارہ! کیا آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ نہیں اللہ کی قسم! نبی اکرم ﷺ نے پیٹھ نہیں پھیری تھی بلکہ کچھ جلد باز لوگوں نے پیٹھ پھیر لی تھی جب ہوازن نے ان پر تیراندازی کی تھی، نبی اکرم ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اس کی لگام تھامی ہوئی تھی اور نبی اکرم ﷺ یہ کہہ رہے تھے۔ میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(۱۶۱۲) لَقَدْ رَاَيْتُنَا يَوْمَ حُنَيْنٍ وَاِنَّ الْفِئَتَيْنِ لَمُوَلِّيَتَانِ وَمَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِائَةُ رَجُلٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: مجھے غزوہ حنین کے بارے میں اچھی طرح یاد ہے اس وقت دو گروہ تھے جو پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف ۱۰۰ افراد رہ گئے تھے۔

تشریح: جنگ میں ثابت قدم رہنا اور ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرنا ضروری ہے بھاگنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ کا دین اسی وقت سربلند ہوگا جب مسلمانوں میں ثابت قدمی کا جوہر موجود ہو وہ صبر و ہمت کے ساتھ جنگ کی سختیاں جھیلیں اگر یہ عادت پڑ جائے کہ لوگ خطرہ کی بو محسوس کرتے ہی بھاگ کھڑے ہوں تو مقصد فوت ہو جائے گا بلکہ نوبت کبھی رسوائی تک پہنچ جائے گی اس لیے جب کافروں سے دو بدو مقابلہ ہو تو بھاگنا حرام ہے علاوہ ازیں مقابلہ سے بھاگنا نامردی اور کمزوری کی علامت ہے جو بدترین اخلاق میں سے ہے مسلمانوں کو اس سے پاک ہونا چاہیے۔

یہ حنین کے متعلق سوال وجواب ہیں جیسا کہ بخاری میں تصریح ہے اتولیت یوم حنین تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں اس غزوہ کی منظرکشی ہے۔

غزوہ حنین میں نبی ﷺ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا جب لشکر اسلام وادی حنین میں پہنچا اور جنگ شروع ہوئی تو فوج کے دو بازو میمنہ اور میسرہ بے ترتیب آگے بڑھ گئے ہوازن وثقیف کے تیرانداز کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے اچانک تیر برسانے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے دونوں بازو سراسیمہ ہو کر بھاگے اور ان کو دیکھا دیکھی دوسرے بھی بھاگے مگر نبی ﷺ اور چند جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم میدان میں ڈٹے رہے اس وقت آپ ﷺ نے پکار کر فرمایا: انا النبی ﷺ لا کذب انا ابن عبدالمطلب یعنی میں سچا نبی ہوں اور اللہ نے مجھ سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے وہ برحق ہے اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں عبدالمطلب کا حوالہ اس لیے دیا کہ عرب میں مشہور تھا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں بڑا آدمی پیدا ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں پھر آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جہری الصوت تھے دس میل تک ان کی آواز سنائی دیتی تھی جب ان کی آواز کانوں میں پڑی تو لوگ یکدم پلٹ گئے اور پروانے شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا ہے کہ نبی ﷺ میدان میں ڈٹے رہے اور سردار جب تک میدان میں ڈٹا ہوا ہو بھاگنا نہیں کہتے

اگر چہ لوگ منتشر ہو جائیں اسی طرح فوج تھوڑی دیر کے لیے منتشر ہو جائے تو اسے بھی عرف میں بھاگنا نہیں کہتے بھاگنا یہ ہے کہ لشکر ی ایسے جائیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ گئے یہ صورت حال حنین میں پیش نہیں آئی تھی۔

سوال: کہ آنحضور ﷺ تو شعر نہیں جانتے تھے پھر آپ ﷺ نے ایسا منظوم کلام فی البدیہ کیسے بنایا؟

اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ شعر میں نیت وارادہ اور سوچ وبچار کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ یہ ارشاد آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بغیر قصد شعر کے جاری ہو۔

قوله: احسن الناس ای خلقا وخلقا وصورة وسيرة ونسبا وحسبا ومعاشرة ومصاحبة.

بَابُ مَا جَآءَ فِى السُّيُوْفِ وَحِلْيَتِهَا

باب ۱۶: تلواروں کا بیان اور ان کی آرائش وزیبائش

(۱۶۱۳) دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُه عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً.

ترجمہ: حضرت مزیدہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے سال جب (مکہ میں) داخل ہوئے تو آپ ﷺ کی تلوار پر سونا اور چاندی لگا ہوا تھا۔

طالب نامی راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے اپنے استاد سے چاندی کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا۔ اس تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔

(۱۶۱۴) قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی تلوار مبارک کا قبضہ چاندی سے بنا ہوا تھا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِى الدِّرْعِ

باب ۱۷: زرہ کا بیان

(۱۶۱۵) كَانَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دِرْعَانِ يَوْمَ أُحُدٍ فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَه فَصَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: أَوْجَبَ طَلْحَةُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں یہ غزوہ احد کے دن کی بات ہے آپ ایک چٹان پر چڑھنے لگے، لیکن آپ چڑھ نہیں سکے، تو آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھایا پھر نبی اکرم ﷺ اس پر چڑھ گئے جب آپ چٹان پر پہنچ گئے، تو راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد

فرماتے ہوئے سنا: طلحہ نے (اپنے لئے جنت) واجب کر لی ہے۔

تشریح: درع: کے معنی ہیں لوہے کا جالی دار کرتا جس کو فارسی میں زرہ اور اردو میں بکتر کہتے ہیں نبی ﷺ نے جنگ احد میں دو زرہیں زیب تن فرمائی تھیں آپ ﷺ نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا مگر نہ چڑھ سکے کیونکہ چٹان بہت اونچی تھی اور بدن پر زرہوں کا بوجھ تھا چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھایا اور آپ ﷺ چڑھے یہاں تک کہ چٹان پر پہنچ گئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔

﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ (النساء:۷۱) اور اس آیت ﴿وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال:۶۰) پر عمل و مبالغہ دراصل عمل کے پیش نظر تھا جس سے یہ بتلانا ملحوظ یا مقصود تھا کہ جہاد کے اسباب میں مبالغہ توکل کے منافی نہیں ہے **قوله فنهض الى الصخرة** یعنی نبی کریم ﷺ نے ایک چٹان پر چڑھنے کا قصد کیا تاکہ کفار کا جائزہ اور میدان جنگ کا اندازہ کر سکیں اور یہ کہ اہل ایمان آپ ﷺ کو دیکھ کر جھوٹی افواہ جو آپ ﷺ کی موت سے متعلق شیطان کی صدا سے پھیل گئی تھی کی زد میں نہ آئیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْمِغْفَرِ

باب ۱۸: خود (لوہے کی ٹوپی) کا بیان

(۱۶۱۶) دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ فَقِيلَ لَهُ ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اُقْتُلُوهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ فتح مکہ کے سال جب نبی اکرم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے سر مبارک پر خود پہنا ہوا تھا آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ ابن خطل خانہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے قتل کر دو۔

تشریح: مغفر کے معنی ہیں لوہے کی ٹوپی جس کو جنگ میں پہنتے ہیں فارسی اور اردو میں اس کو خود کہتے ہیں جب نبی ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے خود پہن رکھا تھا آپ ﷺ نے سب اہل مکہ کو امان دیدیا تھا مگر بارہ آدمیوں کو مستثنیٰ کیا تھا ان میں سے ایک ملعون ابن خطل بھی تھا آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے (پس وہاں اس کو قتل کریں یا نہ کریں؟) آپ ﷺ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی فَضْلِ الْخَيْلِ

باب ۱۹: گھوڑوں کی فضیلت کا بیان

(۱۶۱۷) اَلْخَيْرُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَلْاَجْرُ وَالْمَغْنَمُ.

ترجمہ: حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت تک کے لئے گھوڑوں کی پیشانی میں

بھلائی رکھ دی گئی ہے اجر اور غنیمت (کی شکل میں)۔

یہ حدیث ابھی ابواب فضائل الجہاد میں گذری ہے

قوله الی یوم القیمة: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ جہاد قیامت تک ہر امام کے زیر کمان وزیر فرمان جاری رہے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قیامت تک سب آئمہ عادل تو نہیں ہو سکتے لہٰذا جابر وظالم کی ماتحتی میں جہاد کرنا ثابت ہوا بلکہ اگر وہ حکم دے تو لازم ہوگا۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ حکم اخذ کیا ہے اور شرح عقائد وغیرہ میں بھی ہے۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْخَيْلِ

باب ۲۰: کون سا گھوڑا پسندیدہ ہے؟

(۱۶۱۸) يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سرخ رنگ کے گھوڑوں میں برکت ہے۔

(۱۶۱۹) خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ الْأَقْرَحُ الْأَرْثَمُ ثُمَّ الْأَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْيَمِينِ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ أَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: سب سے بہترین گھوڑے وہ ہیں جو سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں اور ان کی پیشانی اور ناک کے قریب تھوڑی سی سفیدی ہوتی ہے اس کے بعد وہ گھوڑے ہیں جن کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور پیشانی سفید ہوتے ہیں، صرف دایاں ہاتھ سفید نہیں ہوتا اور اگر کالے رنگ والا گھوڑا نہ ہو، تو اپنی صفات کا حامل سیاہی مائل سرخ گھوڑا (بہتر ہوتا ہے)۔

تشریح: ادہم سیاہ گھوڑے کو کہتے ہیں اور کمیت اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہو یعنی براؤن رنگ کا ہو پھر دونوں کے دو دو درجے ہیں: ① وہ سیاہ جس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں اس کا پہلا نمبر ہے۔ ② وہ سیاہ جس کی پیشانی اور تین پاؤں سفید ہوں مگر اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو اس کا دوسرا نمبر ہے۔ ③ وہ گھوڑا جس کا رنگ سرخ سیاہی مائل ہو اور اس کی پیشانی اور ہونٹ سفید ہوں اس کا تیسرا نمبر ہے ④ وہ گھوڑا جس کا رنگ براؤن ہو اور پیشانی اور تین پاؤں سفید ہوں مگر اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو اس کا چوتھا نمبر ہے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخَيْلِ

باب ۲۱: ناپسندیدہ گھوڑے

(۱۶۲۰) أَنَّهُ كَرِهَ الشِّكَالَ مِنَ الْخَيْلِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو پسند نہیں کرتے

تھے جس کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر سفید نشان ہو یا دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ پر نشان ہو۔

تشریح: شکال کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں کما فی الحاشیۃ جمہور کی رائے یہ ہے کہ جس کی تین ٹانگیں سفید اور ایک رنگ کی ہوں دوسری تفسیر اس کے بالکل برعکس ہے یعنی ایک ہی فقط سفید ہو جبکہ تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کا پاؤں سفید ہو باقی دونوں مخالف سمتوں سے سیاہ ہوں۔ تجربہ سے ایسے گھوڑے کا برا ہونا ثابت ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر شکال کی پیشانی سفید ہو تو پھر کراہیۃ ختم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَاجَآءَ فِى الرِّهَانِ

باب ۲۲: گھڑ دوڑ کا بیان

(۱۶۲۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَجْرٰى الْمُضَمَّرَ مِنَ الْخَيْلِ مِنَ الْحَفْيَاءِ اِلٰى ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ اَمْيَالٍ وَمَا لَمْ يُضَمَّرْ مِنَ الْخَيْلِ مِنْ ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِىْ زُرَيْقٍ وَبَيْنَهُمَا مِيْلٌ وَ كُنْتُ فِيْمَنْ اَجْرٰى فَوَثَبَ بِىْ فَرَسِىْ جِدَارًا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تربیت یافتہ گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کروایا تھا۔ جو حفیاء سے لے کر ثنیۃ الوداع تک تھا ان دونوں کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے اس میں حصہ لیا تھا اور میرا گھوڑا مجھے لے کر ایک دیوار پھلانگ گیا تھا۔

(۱۶۲۲) لَا سَبَقَ اِلَّا فِىْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ مقابلہ صرف تیر اندازی میں، اونٹوں کی دوڑ میں اور گھوڑوں کی دوڑ میں ہو سکتا ہے۔

تشریح: رہان کے معنی ہیں گھوڑ دوڑ کی بازی لگانا دوڑ میں جو انعام مقرر کیا جاتا ہے اس کو سبق کہتے ہیں گھوڑوں کی ریس کرانا جائز ہے خود حضور ﷺ گھوڑوں کی دوڑ کراتے تھے اور جیتنے والے کو انعام بھی دیتے تھے ہاں اگر ریس کے شرکاء باہم شرط لگائیں تو ناجائز ہے کیونکہ یہ قمار (سٹہ) ہے۔

قولہ المضمر تضمیر واضمار سے ہے چونکہ موٹا گھوڑا لڑائی میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا ہے اس لیے اسے لاغر بنایا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسے خوب کھلایا پلایا جاتا ہے۔ جب وہ اچھی طرح فربہ طاقتور بن جائے تب اس کا چارہ کم کر کے صرف بقدر قوت دیا جاتا ہے اور ایک بند کمرہ میں لا کر اس کو جلال و کپڑوں میں لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ خوب پسینہ نکلے اس طرح وہ لاغر ہو جاتا ہے اسی کو مضمر کہتے ہیں **قولہ فوثب بی فرسی جدارا** یعنی میرا گھوڑا سب سے پہلے ہدف تک پہنچنے کے ساتھ۔

تشریح: نصل کے معنی ہیں پیکاں یعنی برچھی یا بھالے وغیرہ کی انی، مراد تیر ہے اور خف (موزہ) سے مراد اونٹ ہیں اور حافر (کھر) سے مراد گھوڑا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مقابلہ صرف تین چیزوں میں ہونا چاہیے تیر اندازی میں اونٹ دوڑانے میں

اور گھوڑے دوڑانے میں کیونکہ اس مقابلہ کا فائدہ ہے اس کے ذریعہ جہاد کی تیاری ہوتی ہے باقی چیزوں میں مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے اور آج کل ٹینک چلانا بندوق چلانا راکٹ اور میزائل داغنا فائٹر اڑانا اور ان میں مقابلہ کرنا اسی حکم میں ہے وہ بھی جہاد میں کام آنے والی چیزیں ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی کَرَاهِيَةِ اَنْ تُنْزِی الْحُمُرُ عَلَی الْخَيْلِ

باب ۲۳: گدھے کے ذریعے گھوڑی کی جفتی کروانا مکروہ ہے

(۱۶۲۳) قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَبْدًا مَامُوْرًا مَا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلَّا بِثَلَاثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُّسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَاَنْ لَّا نَاْکُلَ الصَّدَقَةَ وَاَنْ لَّا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلٰی فَرَسٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ (اللہ تعالیٰ کے) احکامات کے پابند تھے آپ نے ہم لوگوں کو بطور خاص خصوصیت کے ساتھ صرف تین چیزیں بتائیں آپ نے ہمیں ہدایت کی کہ ہم اچھی طرح وضو کریں، اور ہم صدقے میں سے کچھ نہ کھائیں اور ہم گدھے کے ذریعے گھوڑی کی جفتی نہ کروائیں۔

اگر کسی کے پاس گھوڑی ہو تو اس سے گھوڑا پیدا کرنا چاہیے خچر پیدا نہیں کرنا چاہیے۔(ابوداؤد: حدیث ۲۵۶۵)

تشریح: شیعوں نے یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ نبی ﷺ نے اہل بیت کو کچھ خاص علوم دیئے ہیں جو دوسروں کو نہیں دیئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ (المائدہ: ۶۷) یعنی اے پیغمبر جو دین آپ ﷺ کی طرف اتارا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچایئے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے دین کا کچھ حصہ اپنے خاندان کے لیے خاص کیا ہو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سائل کا ذہن کار آمد باتوں کی طرف پھیرتے ہوئے فرمایا ہاں تین باتیں ہمیں خاص طور پر بتائی گئی ہیں ان میں سے پہلی اور تیسری تو آل رسول کے ساتھ خاص نہیں اور دوسری اگرچہ خاص ہے مگر اس کو ساری امت جانتی ہے پس وہ بھی خاص نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کے سوال کا یہی جواب مروی ہے کہ ہمارے پاس کوئی خاص تحریر نہیں پھر سائل کے ذہن کو پھیرتے ہوئے فرمایا تھا ہاں میرے پاس زکوۃ نامہ ہے جس میں زکواۃ کے نصاب کے علاوہ کچھ اور احکام بھی ہیں یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ کذا ہذا

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْاِسْتِفْتَاحِ بِصَعَالِيْكِ الْمُسْلِمِيْنَ

باب ۲۴: غریب مسلمانوں سے دعائے خیر کروانا

(۱۶۲۴) اِبْغُوْنِی ضُعَفَاءَکُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَاءِکُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ مجھے اپنے، ظاہری طور پر کمتر حیثیت کے، لوگوں کے درمیان تلاش کرو کیونکہ کمزوروں کی وجہ سے ہی تم لوگوں کو رزق اور مدد ملتی ہیں۔

الاستفتاح: فتح طلب کرنا، کامیابی تلاش کرنا۔ صعالیك: صعلوک کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں، نادار نہایت غریب۔
حدیث کا پہلا جملہ ہے: ابغونی فی ضعفائکم: اس کے شروع میں ہمزہ وصلی ہے یا قطعی؟ دونوں احتمال ہیں، بغی الشئی بغیة کے معنی ہیں: چاہنا، طلب کرنا۔ اور ابغاہ الشئی: کے معنی ہیں: تلاش کرانا، طلب کرنے میں مدد دینا، یہ حدیث چھ کتابوں میں ہے اور سب میں پہلا جملہ مختلف ہے (حدیث 2954) ابغوالی الضعفاء: میرے لئے کمزوروں کو تلاش کراؤ، نسائی (حدیث 3179) ابغونی الضعیف: کمزور کو طلب کرنے میں میری مدد کرو۔ مسند احمد (5:198) ابغونی ضعفائکم سنن بیہقی (۳:۳۴۵)۔ ابغونی الضعفاء: مستدرک حاکم (۲:۱۰۶) ابغونی فی الضعفاء ترمذی ابغونی فی ضعفائکم مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو باعتبار ظاہر و باطن دونوں کے صحیح ہے تاہم ظاہری معنی کا تعلق آپ ﷺ کی حیات تک محدود تھا پس مطلب یہ ہوا کہ میرا اٹھنا بیٹھنا مساکین کے ساتھ ہے میں انہی کو پسند کرتا ہوں اگر مجھے ڈھونڈ نا ہو تو میرے ملنے کی جگہ غریب و مسکین لوگوں کی مجالس ہیں چنانچہ آپ ﷺ جب گھر سے باہر ہوتے تو اکثر اصحاب صفہ کے ساتھ مسجد میں جلوہ افروز ہوتے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد باطنی معنی ہی متعین ہیں یعنی تم اپنی نشست و برخاست مساکین کے ساتھ رکھو کیونکہ ان کا قرب میرا قرب ہے اور ان کی رضا میری خوشنودی ہے۔

قوله فانما ترزقون.... الخ یہ ماقبل کے لیے تعلیل ہے یعنی ان بے کسوں کی وجہ سے اللہ عز وجل تمہاری مدد فرماتا ہے اور تمہیں رزق دیتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا اور اس کے لیے قوت و طاقت حاصل کرنے کا امر دیا مگر ساتھ ساتھ نصرت و مدد کو ضعفاء کے ساتھ وابستہ فرمایا تاکہ لوگوں کو اپنی طاقت پر ناز نہ رہے اور یہ کہ اسباب تو محض ایک بہانہ ہے اصل فتح دینے والا تو اللہ ہے تاہم اسباب اختیار کرنا جائز بلکہ مامور بہ ہے مگر ان اسباب میں موزوں ترین سبب تواضع و عبادت اور اللہ کی بندگی ہے چونکہ غربا میں یہ چیزیں زیادہ ہوتی ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْاِجْرَاسِ عَلَی الْخَیْلِ

باب ۲۵: گھوڑوں کے گلے میں گھنٹیاں لٹکانا

(۱۶۲۵) لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِکَةُ رُفْقَةً فِیْهَا کَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ فرشتے ان سواروں کے ساتھ نہیں چلتے جن کے ساتھ کتا ہو یا گھنٹی موجود ہو۔

تشریح: یہ حدیث جہاد کے قافلہ کے ساتھ خاص ہے اس میں نبی ﷺ نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ فوجیوں کو کتا ساتھ نہیں رکھنا چاہیے نہ جانوروں کے گلوں میں گھنٹی ہونی چاہیے کیونکہ جب کتا بھونکے گا یا گھنٹی بجے گی تو دشمن کو فوج کی نقل و حرکت کی خبر ہو جائے گی

اور یہ بات جنگی مصلحت کے خلاف ہے اس لیے نبی ﷺ نے فوج کے قافلہ میں گھنٹی اور کتے کو ناپسند فرمایا اور یہ حکم جہاد کے قافلہ کے ساتھ خاص ہے عام قافلوں کے لیے یہ حکم نہیں بعض حضرات حدیث کو عام سمجھتے ہیں۔

یہ توجیہ ممانعت کی ایک زائد وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن مستقل علت یہ نہیں ہے اصل وجہ جیسا کہ بعض روایات میں ہے الجرس مزامیر الشیطان اس کی شیطانی آواز ہے اور کلب کے ذکر سے یہی معنی متعین ہو جاتا ہے اسی طرح وفی الباب احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابوداؤد میں ہے: سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تدخل الملائکة بیتا فیہ جرس.

بَابُ مَنْ يُسْتَعْمَلُ عَلَى الْحَرْبِ؟

باب ۲۶: جنگ کا امیر کسے بنایا جائے؟

(۱۶۲۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَعَثَ جَیْشَیْنِ وَاَمَّرَ عَلِیٌّ اَحَدُهُمَا عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَعَلَی الْاٰخَرِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ فَقَالَ اِذَا کَانَ الْقِتَالُ فَعَلِیٌّ قَالَ فَافْتَتَحَ عَلِیٌّ حِصْنًا فَاَخَذَ مِنْهُ جَارِیَةً فَکَتَبَ مَعِیَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ یَشِیْ بِهٖ فَقَدِمْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَرَاَ الْکِتَابَ فَتَغَیَّرَ لَوْنُهٗ ثُمَّ قَالَ مَا تَرٰی فِیْ رَجُلٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ قُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ وَاِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ فَسَکَتَ.

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے دو لشکر روانہ کئے ان میں سے ایک کا امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور دوسرے کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور ارشاد فرمایا۔ جب جنگ شروع ہو تو علی (دونوں لشکروں کے مشترکہ) امیر ہوں گے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ ضابطہ نکلا کہ جنگ کی ذمہ داری اس شخص کو سونپنی چاہیے جو جنگ لڑانے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے چونکہ یہ صلاحیت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حضرت حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھی اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا جب جنگ شروع ہو تو امیر علی رضی اللہ عنہ ہوں گے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی امارت ختم کیونکہ جنگ میں دو امیر مناسب نہیں دو امیر ہوں گے تو اختلاف ہوگا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْاِمَامِ

باب ۲۷: امیر المؤمنین کی ذمہ داری

(۱۶۲۷) اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِهٖ فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَهْلِ بَیْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْاَةُ رَاعِیَةٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِهَا وَهِیَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی نگرانی کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔ امیر لوگوں کا نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں حساب لیا جائے گا، عورت اپنے

شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس حوالے سے حساب لیا جائے گا، غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس حوالے سے حساب لیا جائے گا خبردار! تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی نگرانی کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔

تشریح: اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم فرمایا ہے اور یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کیونکہ انسانی زندگی کے مختلف لوازمات ہیں جو مساوات کی صورت میں پورے نہیں ہوسکتے کسی کو مرد بنایا اور کسی کو عورت کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر پھر اس نظام کو ایک اور نظام کے سہارے کی ضرورت تھی تاکہ ہر انسانی مشینری کا ہر پرزہ اپنی جگہ صحیح کام آجائے اس حدیث میں اسی حکمت وفلسفہ کی طرف اشارہ ہے اگر باپ کو اولاد پر اور شوہر کو بیوی پر فوقیت نہ دی جاتی تو نظام فیل ہوجاتا اسی طرح اگر مرد کی غیر موجودگی میں بیوی خیانت کرنے لگے اور سید کے مال میں غلام خیانت کرے تو ایک دوسرے پر اعتماد ختم ہوجائے گا خاص کر ملکی سطح پر اگر امام عام نہ ہو یا اس کی تعمیل حکم نہ ہو تو سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔ لہٰذا جب زیریں فریق کو اپنے کام کی وفاداری وامانت داری کا پابند بنایا گیا تو حکام بالا کو بھی اپنی رعایا کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ ان کے معاش ومعاد کا پورا پورا حق ادا کریں ورنہ کوتاہی برتنے کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي طَاعَةِ الْإِمَامِ

باب ۲۸: امیر المؤمنین کی فرمانبرداری

(۱۶۲۸) قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوِدَاعِ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ قَدِ الْتَفَعَ بِهِ مِنْ تَحْتِ إِبْطِهِ قَالَتْ فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى عَضَلَةِ عَضُدِهِ تَرْتَجُّ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللهَ وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ فَاسْمَعُوْا لَهُ وَأَطِيْعُوْا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللهِ.

ترجمہ: سیدہ ام حصین احمسیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے دوران خطبہ دیتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اس وقت آپ نے چادر اوڑھی ہوئی تھی اور آپ نے اس کو اپنی بغل کے نیچے سے لپیٹا ہوا تھا وہ خاتون بیان کرتی ہیں۔ (میں آپ سے اتنے فاصلے پر تھی) کہ آپ کے بازو کے پٹھوں کی حرکت کو دیکھ سکتی تھی میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اگر چہ تم پر کسی حبشی شخص کو حاکم بنایا جائے جس کا کان کٹا ہوا ہو، تو تم اس کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کرو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تمہارے لئے قائم رکھے۔"

تشریح: امام کی اطاعت فرض ہے لوگ امام کی اطاعت نہیں کریں گے تو وہ حکومت کیسے چلائے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا آپ کی حکومت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں فرق کیوں ہے؟ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت مثالی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں انتشار تھا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رعیت میں تھا اور میری رعیت تو ہے یعنی ہم اپنے امیر کی پوری اطاعت کرتے تھے اور تم بات ہی نہیں مانتے پھر فرق ہوگا یا نہیں؟

اشکال: امام کے لیے تو حریت وقریشیت شرط ہے جیسا کہ حدیث آخر میں ہے الائمۃ من قریش اور یہ حدیث تقریبا چالیس صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور عقائد نسفی میں ہے: ویکون من قریش ولا یجوز من غیرھم اس پر شرح عقائد میں مزید لکھا گیا ہے۔

حل: اس کے جواب میں محشی نے مجمع البحار سے دو توجیہ نقل کی ہیں۔

① قریشی ہونا شرط ہے مگر جب لوگ اپنے اختیار سے انتخاب کر سکیں جبکہ زبردستی اقتدار پر قبضہ کرنے والے کی اطاعت بھی لازمی ہے گو کہ وہ غیر قریشی ہو۔

② حدیث باب میں غلام کے امام ہونے کی تصریح تو نہیں حتی کہ تعارض کا ابہام پیدا ہو بلکہ وہ امام کی طرف سے کسی ادارے کا نگران ومسئول بھی تو ہو سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ

باب ۲۹: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں

(۱۶۲۹) اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ وَ کَرِہَ مَالَمْ یُؤْمَرْ بِمَعْصِیَةٍ فَاِنْ اُمِرَ بِمَعْصِیَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَیْہِ وَلَا طَاعَةَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ بندہ مسلمان کو کوئی بات پسند ہو یا ناپسند ہو اطاعت وفرمانبرداری اس پر لازم ہے، جب تک اسے (اللہ تعالیٰ کی) کسی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ اس صورت میں اطاعت و فرمانبرداری اس پر لازم نہیں ہوگی۔

(۱۶۳۰) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ التَّحْرِیْشِ بَیْنَ الْبَهَائِمِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کی لڑائی کروانے سے منع کیا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَ الْبَهَائِمِ وَالْوَسْمِ فِی الْوَجْہِ

جانور لڑانا اور چہرے پر نشان بنانا ممنوع ہے

(۱۶۳۱) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰى عَنِ التَّحْرِیْشِ بَیْنَ الْبَهَائِمِ وَلَمْ یَذْکُرْ فِیْہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَیُقَالُ هٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ قُطْبَةَ.

ترجمہ: مجاہد بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کی لڑائی کروانے سے منع کیا ہے۔

(۱۶۳۲) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْوَسْمِ فِی الْوَجْہِ وَالضَّرْبِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر داغ لگانے اور ضرب لگانے سے منع کیا ہے۔

تشریح: اس باب میں دو حدیثیں ہیں : پہلی حدیث میں جانوروں کو آپس میں لڑانے کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں جانور کے چہرے پر گرم لوہے سے داغنے کی اور چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے قدیم زمانہ سے یہ بری عادتیں چلی آرہی ہیں کہ جانوروں کو لڑاتے ہیں بکرے اور مینڈھے لڑاتے ہیں اس طرح جانوروں کولڑانا جائز نہیں ہے اس سے جانوروں کو اذیت پہنچتی ہے وہ لہولہان ہو جاتے ہیں اور اس میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہوتا صرف سامان تفریح ہے بلکہ بعض تو شرط باندھتے ہیں جو قمار (سٹہ) ہے اور حرام ہے اسی طرح علامت کے طور پر لوہا گرم کر کے جانور کے چہرے پر داغتے ہیں یہ بھی جائز نہیں اگر علامت بنانی ہے تو جسم کے کسی اور حصہ پر بنائی جائے اسی طرح جانور کے چہرے پر مارنا بھی جائز نہیں بعض مرتبہ اس سے آنکھ پھوٹ جاتی ہے پھر رونا پڑتا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَدِّ بُلُوْغِ الرَّجُلِ وَمَتٰی یُفْرَضُ لَهٗ

باب ۳۰: آدمی کی بلوغت کی حد، جب مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہوگا

(۱۶۳۳) عُرِضْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ جَیْشٍ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ یَقْبَلْنِیْ ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَیْهِ مِنْ قَابِلٍ فِیْ جَیْشٍ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِیْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: مجھے ایک لشکر میں شرکت کے لئے نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت میری عمر چودہ سال تھی آپ ﷺ نے مجھے قبول نہیں کیا اس سے اگلے سال ایک لشکر میں شرکت کے لئے مجھے پیش کیا گیا میں اس وقت پندرہ سال کا تھا تو آپ نے مجھے قبول کرلیا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْمَنْ یُسْتَشْهَدُ وَعَلَیْهِ دَیْنٌ

قرضہ چھوڑ کر شہید ہونے والا

(۱۶۳۴) اَنَّهٗ قَامَ بَیْنَهُمْ فَذَکَرَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْاِیْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کَیْفَ قُلْتَ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَیُکَفِّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّیْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ قَالَ لِیْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے یہ حدیث سنائی ہے: ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا تمام اعمال میں سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ آپ کا کیا خیال ہے اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کردیا جائے، تو کیا میرے تمام گناہ معاف

ہو جائیں گے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جی ہاں، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، تم صبر کرنے والے ہو، اور ثواب کی امید رکھنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، (تو تمہیں یہ اجر ملے گا) پھر نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کی۔ آپ کا کیا خیال ہے اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جائے، تو کیا میرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں اگر تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی امید رکھنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو (تو تمہیں یہ اجر ملے گا) البتہ قرضہ معاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ جبریل نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔

تشریح: قوله وانت صابر .... الخ یعنی اگر تم ثابت قدمی سے لڑو اور جزع فزع نہ کرو اور ثواب ہی کی نیت کرو اور آگے بڑھتے رہو اور پیچھے ہٹنے والا نہ ہو تو ایسے میں تیرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے پھر حضور ﷺ نے اس سے پوچھا تم نے کیسے کہا تھا؟ چونکہ اسی دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتلادیا کہ دین شہادت سے معاف نہیں ہوتا تو آپ ﷺ نے اس سائل سے دوبارہ سوال دہرانے کو کہا تاکہ جواب میں الا الدین کا اضافہ اس پر فرمالیں۔ پھر دین سے تمام حقوق العباد مراد ہیں کیونکہ دائن کی طرح دیگر اہل حقوق جیسے مغصوب منہ اور مسروق منہ وغیرہما بھی مطالبہ کرنے میں برابر کے شریک ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ دَفْنِ الشُّهَدَآءِ

شہداء کو دفن کرنے کا بیان

(۱۶۳۵) شُكِيَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْجِرَاحَاتُ يَوْمَ اُحُدٍ فَقَالَ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا فَمَاتَ اَبِیْ فَقُدِّمَ بَيْنَ يَدَیْ رَجُلَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کو شہداء کے بارے میں بتایا گیا آپ ﷺ نے (کہ شہید ہونے والوں کے بارے میں) یہ ہدایت کی ان کی قبر کھودو، اس کو کشادہ رکھو اور اسے اچھی طرح صاف رکھو اور دو یا تین آدمیوں کو ایک قبر میں رکھو اور ان میں آگے اسے رکھو جو سب سے زیادہ قرآن پاک کا عالم ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میرے والد کا انتقال ہو گیا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں، ان کے باقی دو ساتھیوں سے آگے رکھوایا تھا۔

قوله وادفنوا الاثنين... الخ اس سے معلوم ہوا کہ عندا لضرورت ایک سے زائد مردے ایک ہی قبر میں دفنانا جائز ہے تاہم ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ قحط سالی اور وباء کی وجہ سے اموات کو ایک ساتھ دفنانا جائز نہیں کیونکہ ان حالات میں عموماً زندہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے لہٰذا ضرورت متحقق نہیں ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْمَشُوْرَةِ

باب ۳۲: مشورے کا بیان

(۱۶۳۶) لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ وَجِیْءَ بِالْاُسَارٰی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا تَقُوْلُوْنَ فِیْ هٰؤُلَاءِ الْاُسَارٰی وَذَكَرَ قِصَّةً

فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ طَوِیْلَةٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ غزوہ بدر کے موقع پر جب قیدیوں کو لایا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو راوی بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے طویل قصہ کیا ہے۔

تشریح: مشورہ باہمی تجویز کو کہتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعوں پر صحابہ کرام سے مشورہ لیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ (آل عمران:۱۵۹) وقال تعالیٰ: ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:۳۸) گوکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی کام کے نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مشورہ کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہر کام وانجام وحی کے ذریعہ معلوم ہو سکتا تھا تاہم مشورہ لینے میں کچھ اور حکمتیں بھی تھیں مثلاً آنے والی امت کے لیے تعلیم صحابہ کی تطییب خاطر ان کے باہم تالیف علی الدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اجاگر کرنا۔

بَابُ مَا جَآءَ لَا تُفَادٰی جِیْفَةُ الْاَسِیْرِ

باب ۳۳: قیدی کی لاش کا فدیہ نہ لیا جائے

(۱۶۳۷) اِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ اَرَادُوْا اَنْ یَّشْتَرُوْا جَسَدَ رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَاَبَی النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یَّبِیْعَهُمْ اِیَّاهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ مشرکین نے یہ ارادہ کیا کہ وہ مشرکین سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کی میت کو خرید لیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر باب باندھا ہے باب طرح جیف المشرکین فی البئر ولا یوخذ لھم ثمن کتاب الجہاد ص: ۴۵۲ ج: اجیف جیفۃ کی جمع ہے جو سڑی ہوئی لاش کو کہتے ہیں تاہم یہاں مراد مطلق نعش اور میت ہے۔ قولہ جسد رجل ای میتا قوت المغتذی میں ہے کہ یہ نوفل بن عبداللہ بن المغیرہ من بنی مخزوم تھا یہ خندق پھلانگتا ہوا مر گیا تھا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْفِرَارِ مِنَ الزَّحْفِ

باب ۳۴: جہاد سے فرار اختیار کرنا

(۱۶۳۸) بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَرِیَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَیْصَةً فَقَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ فَاخْتَبَیْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَکْنَا ثُمَّ اَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ بَلْ اَنْتُمُ الْعَکَّارُوْنَ وَاَنَا فِئَتُکُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا لیکن لوگ وہاں سے بھاگ گئے جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو ہم شرم سے چھپتے پھر رہے تھے اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ ہم ہلاکت کا شکار ہو گئے، جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم فرار ہو کر آئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہیں! بلکہ تم دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے لوگ ہو، اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔

بعض نسخوں میں اس باب کے ساتھ یہ ترجمہ بھی ہے: **باب ماجاء فی الفرار من الزحف قوله فحاص الناس حیصیة** محشی نے طیبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اگر ناس سے مراد دشمن ہو تو پھر حیصہ کا مطلب حملہ کرنا ہے اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ دشمن نے ہم پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں ہمیں شکست ہوئی اور ہم مدینہ آ گئے اور اگر ناس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سریہ ہو تو حیصہ سے مراد میلان ہوگا یعنی ہم جنگ سے گریزاں ہو کر واپس مدینہ منورہ آ گئے۔

قوله وانا فئتکم اس میں آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے ﴿أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ﴾ (الانفال:۱۶) پھر اس آیت کے دو تین مطلب بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ آدمی تنہا رہ جائے اور کافر دو سے زیادہ آ جائیں تو ایسے وقت میں اپنے لشکر اور گروہ میں آ کر مل جائے تو گناہ نہیں دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو اور اس نیت سے بھاگ کر آئے کہ اپنے گروہ میں جا کر مسلمانوں کو جمع کر کے پھر لڑنے کے لیے آئیں گے تیسری صورت یہ ہے کہ لڑائی میں پینترہ بدلنے کے لیے بھاگ کر پلٹ کر حملہ کر دے یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔

باب

باب ۳۵: شہید کو مقتل میں دفن کرنا

(۱۶۳۹) لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِي بِأَبِي لِتَدْفِنَهُ فِي مَقَابِرِنَا فَنَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللهِ ﷺ رُدُّوا الْقَتْلَى إِلَى مَضَاجِعِهِمْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر میری پھوپھی میرے والد کی میت کے پاس آئیں تاکہ انہیں ہمارے خاندانی قبرستان میں دفن کریں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ مقتولین کو ان کی مخصوص جگہ پر واپس کر دو۔

تشریح: قوله جاءت عمتی ان کا نام فاطمہ بنت عمرو بن حزام الانصاری ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي تَلَقِّي الْغَائِبِ إِذَا قَدِمَ

باب ۳۶: جب کوئی شخص باہر سے واپس آئے تو اس کا استقبال کرنا

(۱۶۴۰) لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ تَبُوكَ خَرَجَ النَّاسُ يَتَلَقَّوْنَهُ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ قَالَ السَّائِبُ فَخَرَجْتُ مَعَ النَّاسِ وَأَنَا غُلَامٌ.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرنے کے لئے ثنیۃ الوداع تک آئے حضرت سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا میں اس وقت کمسن بچہ تھا۔

تشریح: بخاری کی روایت میں ہے: خرجت مع الصبیان قولہ ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ۔ ثنیہ ٹیلے کو کہتے ہیں اور پہاڑی راستہ کو بھی کہا جاتا ہے وداع اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کسی کو اس سمت رخصت فرماتے تو یہاں تک اس کے ساتھ تشریف لے جا کر تودیع فرماتے ثنیۃ الوداع جبل سلع کے پاس مسجد نبوی سے شمال مشرق کی جانب تقریباً دس پندرہ منٹ پیدل کے فاصلے پر ہے اس موقعہ پر وہ مشہور اشعار بھی ہیں۔

طلع البدر علینا من ثنیة الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا لله داع

ترجمہ: "ہمارے اُوپر چاند طلوع ہوا ثنیۃ الوداع کی گھاٹی سے۔ ہم پر شکر واجب ہوگیا جب تک کوئی اللہ کا پکارنے والا رہے گا۔"

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَيْءِ

باب ۳۷: مال فئی کا بیان

(۱۶۴۱) كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ خَالِصًا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْزِلُ نَفَقَةَ أَهْلِهِ سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللهِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، بنونضیر کے اموال وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مال فے کے طور پر عطا کئے تھے یہ وہ چیزیں ہیں جن کے لئے مسلمانوں نے جنگ نہیں کی تھی، اپنے جانور نہیں دوڑائے تھے یہ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے لئے مخصوص تھے اس میں سے آپ اپنے گھر والوں کا سال بھر کا خرچ لیا کرتے تھے اور باقی مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی تیاری کے لئے گھوڑوں اور ہتھیاروں وغیرہ پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

پہلے چند اہم باتیں:

پہلی بات: لباس کے یہاں معروف معنی یعنی کپڑا پہننا ہی مراد نہیں بلکہ پہناوا مراد ہے یعنی جو بھی چیز بدن سے لگا کر پہنی جائے وہ لباس ہے جوتا چپل اور انگوٹھی وغیرہ بھی لباس کے دائرہ میں آتے ہیں اور قرآن کریم نے تو زوجین کی ہم خوابی کو بھی ایک دوسرے کا لباس کہا ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرہ:۱۸۷) "یعنی وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو"۔

دوسری بات: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ قسم اول مبحث ہفتم باب اول میں فرمایا احادیث کی دو قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق ہے یعنی جو حکم شرعی کے طور پر ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

دوسری قسم: وہ حدیثیں ہیں جن کا پیغام رسانی سے تعلق نہیں بلکہ وہ دینوی امور میں ایک رائے کے طور پر وارد ہوئی ہیں جیسے کھجوروں کا گابھا دینے کے معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ارشادات اسی قبیل سے ہیں۔ اس دوسری قسم میں پانچ طرح کی روایات شامل ہیں۔

① علاج ومعالجہ اور طب سے تعلق رکھنے والی روایات جو آگے ابواب الطب میں آرہی ہیں۔

② امور عادیہ یعنی وہ روایات جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات شریفہ کا ذکر آیا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام عبادت (حکم شرعی) کے طور پر نہیں کئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا رائج طریقہ یہی تھا جیسے چمڑے کے دسترخوان پر کھانا لکڑی کے پیالہ میں پینا اور کھجور کے درخت کی چھال بھرے بستر پر سونا وغیرہ۔

③ عام مروجہ باتیں یعنی وہ روایات جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں جیسی باتیں سبھی لوگ کیا کرتے ہیں جیسے حدیث ام زرع۔

④ ہنگامی ارشادات یعنی وہ روایات جن میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے جس کا تعلق وقت کی خاص مصلحت سے ہے وہ تمام امت کے لیے لازم نہیں جیسے دوران جنگ کوئی شعار مقرر کرنا۔

⑤ کوئی خاص حکم اور فیصلہ جس کا مدار گواہیوں اور قسموں پر ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں صرف قسم اوّل کی روایات کی شرح کی ہے قسم دوم کو نہیں لیا گر حدیث کی کتابوں میں یہ فرق نہیں کیا گیا اور محدثین کے لیے یہ بات ممکن بھی نہیں ہے اس لیے کہ اب جو ابواب شروع ہو رہے ہیں ان کو پڑھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ وہ سب احکام شرعیہ نہیں ہیں بلکہ کچھ آداب اسلامیہ بھی ہیں جیسے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام ہیں یہ حکم شرعی ہے اور ایک چپل پہن کر چلنا ممنوع ہے کیونکہ یہ بے ڈھنگا پن ہے مگر یہ کوئی شرعی حکم نہیں۔

ادب: کی تعریف مایحمد فعلہ ولا یذم ترکہ یعنی اگر وہ کام کیا جائے تو واہ واہ اور اگر نہ کیا جائے تو کوئی بات نہیں یعنی اگر وہ کام کیا جائے تو اس پر ثواب ملے گا اور نہ کیا جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

بعنوانِ دیگر: فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی سنتوں کی دو قسمیں کی ہیں: سنن ہدیٰ یعنی احکامات شرعیہ اور سنن زوائد یعنی زائد باتیں اور فقہ کی کتابوں میں عام طور پر سنن ہدیٰ کو لیا گیا ہے سنن زوائد کو چھوڑ دیا گیا ہے مگر محدثین کرام رحمہم اللہ کے لیے یہ امتیاز کرنا مشکل تھا اس لیے وہ ہر طرح کی حدیثیں لائے ہیں۔ اس لیے حدیثیں پڑھتے ہوئے۔ آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کون سی باتیں سنن ہدیٰ کے قبیل کی ہیں اور کون سی باتیں سنن زوائد کے قبیل کی اول کو اپنا لازم اور ثانی پر عمل استحباب کے درجہ میں ہے۔

تیسری بات: لباس کے بارے میں شرعی اصول: تقویٰ کا لباس وہ لباس ہے جس میں جائز ناجائز اُمور کا خیال رکھا گیا ہو یہی پرہیز گاری کا لباس ہے۔ تقویٰ ایک باطنی چیز ہے اس کا نمونہ سامنے آئے تو اس کا پہنچانا آسان ہوتا ہے۔ لباس کے اندر شریعت نے بڑی لچک رکھی ہے اور امت کے لیے کوئی ایسا لباس لازم نہیں کیا کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو اس کے بجائے اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ اصول بتائے ہیں اور یہ بتا دیا کہ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے انسان جس قسم کا بھی لباس پہنے وہ شرعاً جائز اور مباح ہے وہ اصول یہ ہیں کہ مردوں کے لباس حریر کے نہ ہوں دوسرے یہ کہ وہ لباس ساتر ہو یعنی جسم کا جتنا حصہ عورت ہے اس لباس کے ذریعہ وہ حصہ صحیح طریقے پر چھپ جائے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا﴾ (الاعراف:۲۶) اس آیت میں لباس کا اصل مقصد بتا دیا کہ وہ ساتر ہو اور لباس کا دوسرا مقصد یہ بتایا کہ وہ لباس انسان کے لیے زینت کا باعث ہو لہٰذا لباس کے ذریعہ زینت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان اصولوں کے تحت ہو جو شریعت نے لباس کے بارے میں بتائے ہیں۔

تیسرا اصول: یہ ہے کہ مرد کا لباس عورتیں نہ پہنیں اور عورتوں کا لباس مرد نہ پہنیں یعنی لباس کے ذریعہ مرد عورت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

چوتھا اصول: یہ ہے کہ زیر جامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔

پانچواں اصول: یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تکبر کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو اور اس کے اندر اسراف نہ ہو اور زیادہ قیمتی لباس اس لیے پہننا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی نظروں میں بڑا بن جائے یہ بھی ناجائز ہے۔

چھٹا اصول: یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبیہ بالکفار نہ ہو تشبیہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کر کے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

تشبہ اور مشابہت میں فرق: البتہ تشبہ اور مشابہت میں فرق ہے اس کو سمجھ لینا چاہیے تشبہ اسے کہتے ہیں کہ باقاعدہ قصد اور اختیار

سے آدمی دوسری ملت والے کے مشابہ بننے کی کوشش کرے تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ تو ناجائز اور حرام ہے اور دوسری چیز ہے مشابہت وہ یہ ہے کہ ان جیسا بننے کا قصد اور ارادہ تو نہیں تھا لیکن اس لباس کے ذریعہ بلا قصد ان کے ساتھ مشابہت ہوگئی یہ مشابہت حرام تو نہیں ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے اس لیے حتی الامکان مشابہت سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

خلاصہ کلام: لباس کے چند مقاصد ہیں: ① لباس ساتر ہو ② لباس باعث زینت ہو ③ لباس میں مشابہت نہ ہو یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کا لباس نہ پہنیں ④ شلوار تہبند کعبین سے نیچے نہ ہو ⑤ تکبر کا اظہار مقصود نہ ہو ⑥ تشبیہ بالکفار نہ ہو یعنی قصداً کفار والا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ ناجائز اور حرام ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْحَرِیْرِ وَالذَّهَبِ لِلرِّجَالِ

باب ا: مردوں کے ریشمی کپڑے یا سونا پہننے کا حکم

(۱۶۴۲) حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِیْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰی ذُکُوْرِ اُمَّتِیْ وَاُحِلَّ لِاِنَاثِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ریشمی کپڑے کو پہننا اور سونے کو پہننا میری امت کے مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے البتہ خواتین کے لئے اسے حلال قرار دیا گیا ہے۔

(۱۶۴۳) نَهٰی نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحَرِیْرِ اِلَّا مَوْضِعَ اُصْبُعَیْنِ اَوْ ثَلَاثٍ اَوْ اَرْبَعٍ.

ترجمہ: سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے یہ بات بیان کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے البتہ دو انگلی یا تین انگلی یا چار انگلی کے برابر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے مطابق مردوں کے لیے ریشمی لباس اور سونے کا استعمال ناجائز اور حرام ہے تاہم بقدر چار انگشت کے ریشم کا استعمال کسی بھی کپڑے میں جائز ہے اگرچہ عرضا ہو جیسا کہ باب کی اگلی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے عارضہ میں اس ممانعت کی تین وجوہات نقل کی ہیں:

① عورتوں سے مشابہت کی بناء پر حرام ہے۔ ② تکبر کی وجہ سے۔ ③ اسراف کی وجہ سے ممنوع ہے۔

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰه ﷺ: انما یلبس الحریر فی الدنیا لا خلاق له فی الآخرة.

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں ریشم وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔"

یہ روایت اگرچہ بظاہر عام ہے مگر باب کی حدیث نے عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔

---*---

بَابُ مَاجَآءَ الرُّخْصَةِ فِی لُبْسِ الْحَرِيْرِ فِی الْحَرْبِ

باب ۲: جنگ کے دوران ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت

(۱۶۴۴) اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ شَكَيَا الْقُمَّلَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِىْ غَزَاةٍ لَّهُمَا فَرَخَّصَ لَهُمَا فِىْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ قَالَ وَرَاَيْتُهٗ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جنگ کے دوران، جوئیں پڑ جانے کی شکایت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو ریشمی قمیصیں پہننے کی اجازت دی۔

(۱۶۴۵) قَدِمَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَاَتَيْتُهٗ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ فَقُلْتُ اَنَا وَاقِدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ فَبَكٰى وَقَالَ اِنَّكَ لَشَبِيْهٌ بِسَعْدٍ وَاَنَّ سَعْدًا كَانَ مِنْ اَعْظَمِ النَّاسِ وَاَطْوَلَ وَاِنَّهٗ بُعِثَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ جُبَّةٌ مِّنْ دِيْبَاجٍ مَنْسُوْجٍ فِيْهَا الذَّهَبُ فَلَبِسَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَقَامَ اَوْقَعَدَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْمِسُوْنَهَا فَقَالُوْا مَا رَاَيْنَا كَالْيَوْمِ ثَوْبًا قَطُّ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ هٰذِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدٍ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا تَرَوْنَ.

ترجمہ: واقد بن عمرو بیان کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تشریف لائے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے دریافت کیا تم کون ہو؟ میں نے جواب دیا میں واقد بن عمرو ہوں راوی بیان کرتے ہیں، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا۔ تم حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مشابہت رکھتے ہو، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سب سے عظیم اور بلند مرتبہ شخصیت تھے ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی جبہ لایا گیا جس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زیب تن کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے تو لوگ اسے چھو کر دیکھنے لگے اور بولے۔ ہم نے آج تک ایسا کپڑا نہیں دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم لوگوں کو یہ پسند آیا ہے، سعد کے جنت میں رومال اس سے زیادہ اچھے ہیں جسے تم دیکھ رہے ہو۔

تشریح: بضم القاف والمیم قمیص کی جمع ہے اس روایت سے استدلال کر کے امام شافعی رحمہ اللہ اور صاحبین نے جنگی ضرورت کے تحت مجاہد کے لیے خالص ریشمی لباس کو جائز قرار دیا ہے بلکہ ابن ماجشون نے تو حرب میں مستحب کہا ہے۔ پھر امام شافعی رحمہ اللہ دیگر ضروریات کی بنا پر بھی مردوں کے لیے خالص ریشمی لباس پہننا جائز مانتے ہیں جیسے خارش جوؤں یا کسی اور بیماری کی وجہ سے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ ریشم اصلا مردوں کے لیے حرام ہے البتہ جہاں ضرورت ہوگی وہاں جواز کا فتویٰ دیا جائے گا جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ابن نجیم نے العسر وعموم البلوی کے قاعدے کے تحت جہاں بہت سے ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جو عند الحنفیہ آسانی پیدا کرنے کی غرض سے جائز قرار پائے ہیں۔

باب

باب: جنت میں ریشمی کپڑے

قولہ لمنادیل سعد.... الخ مندیل کی جمع ہے وہ چھوٹا سا رومال جو ناک صاف کرنے یا اوساخ اور پسینہ خشک کرنے کی غرض سے ہاتھ میں رکھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سب سے زیادہ معمولی کپڑا ہوتا ہے اور کوئی قابل فخر قابل قدر اور قابل ذکر بھی نہیں سمجھا جاتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس کو بطور خاص ذکر فرمایا کہ جب جنتی رومال کا یہ حال ہے تو باقی لباس کا نہ پوچھو۔ اس روایت کے ذکر کرنے سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا علو مقام ذکر کرنا مقصود تھا جیسا کہ ظاہر ہے۔

رومال کے بارے میں علماء کے اقوال متعدد ہیں کسی نے مباح اور کسی نے مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے مگر ہدایہ نے تطبیق دے کر فیصلہ فرمایا ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے اور اگر ضرورت کے پیش نظر ہو تو جائز ہے جیسا کہ چار زانو بیٹھنے کا حکم ہے کہ تکبرا بیٹھنا منع ہے اور للحاجۃ جائز ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرُّخْصَةِ فِی الثَّوْبِ الْاَحْمَرِ لِلرِّجَالِ

باب ۳: مردوں کے لیے سرخ کپڑا جائز ہے

(۱۶۴۶) قَالَ مَا رَاَیْتُ مِنْ ذِیْ لُمَّةٍ فِیْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ اَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَهٗ شَعْرٌ یَضْرِبُ مَنْکِبَیْهِ بَعِیْدُ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ لَمْ یَکُنْ بِالْقَصِیْرِ وَلَا بِالطَّوِیْلِ.

تَرْجَمَہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے سرخ کپڑوں میں لمبے بالوں والے کسی بھی شخص کو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا آپ کے بال شانوں تک آتے تھے آپ کا سینہ چوڑا تھا آپ نہ چھوٹے قد کے مالک تھے نہ انتہائی طویل قد کے مالک تھے۔

(۱۶۴۷) نَهَانِیَ النَّبِیُّ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْقَسِیِّ وَالْمُعَصْفَرِ.

تَرْجَمَہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے (مردوں کو) ریشمی کپڑے اور کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کو پہننے سے منع کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث سے سرخ رنگ کا جواز ثابت ہوتا ہے فقہاء کرام کے یہاں بھی مختلف اقوال ہیں شرنبلالی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں ان میں سے ایک قول استحباب کا بھی ہے اور سرخ ٹوپی کی اجازت تو بالاتفاق مروی ہے۔ (شامی ۵: ۲۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ تیز سرخ رنگ مردوں کے لیے ناپسندیدہ ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے اور ہلکا سرخ رنگ اور سیاہی مائل سرخی یعنی

براؤن رنگ بغیر کراہت کے جائز ہے۔اور نبی ﷺ کے لباس میں جو سرخ جوڑے کا ذکر آتا ہے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ یمن کا بنا ہوا حبرۃ کپڑا تھا جس کی زمین سفید تھی اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں اذان کے بیان میں (تحفہ ۱: ۵۱۳) حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول آیا ہے جیسے آج کل لال رومال اوڑھے جاتے ہیں ان کی زمین سفید ہوتی ہے اور ان میں سرخ پھول ہوتے ہیں اور جس سرخ لباس پہننے والے کے سلام کا جواب آپ ﷺ نے نہیں دیا تھا وہ احمر قانی یعنی شوخ سرخ رنگ کا کپڑا پہنے ہوئے ہوگا اور ایسا رنگ بہرحال ناپسندیدہ ہے۔

فائدہ: مونڈھوں تک لٹکی ہوئی زلفیں جمۃ کہلاتی ہیں اور کان کی لو سے بڑھی ہوئی زلفیں لمہ کہلاتی ہیں اور کانوں تک زلفیں وفرہ کہلاتی ہیں ان کو یاد رکھنے کا فارمولہ یہ ہے کہ حروف ہجاء کی ترتیب کے خلاف تینوں حالتیں ہیں جب آپ ﷺ زلفیں بنواتے تھے تو بال کانوں تک کٹواتے تھے یہ وفرہ ہیں پھر وہ بڑھ کر آدھی گردن تک پہنچ جاتے تھے یہ لمہ ہیں پھر جب بال بڑھتے تھے تو کندھوں کو چھوتے تھے یہ جمہ ہیں اس کے بعد آپ ﷺ پھر بال کٹوا لیتے تھے مگر اس حدیث میں یہ سب تفصیل مراد نہیں بلکہ مطلق زلفیں مراد ہیں۔ (یہ حدیث شمائل کے بالکل شروع میں بھی ہے)

فائدہ: یہاں طلبہ ایک سوال پوچھتے ہیں کہ سر پر بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں نبی ﷺ نے احرام کھولتے وقت سر منڈوایا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ سر منڈواتے تھے اور نبی ﷺ اور صحابہ کا سروں پر بال رکھنا سنن عادیہ میں سے تھا سنن ہدی میں سے نہیں تھا کیونکہ آپ نے نہ بال رکھنے کی ترغیب دی ہے نہ سر منڈوانے کو ناپسند کیا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الْمُعَصْفَرِ لِلرِّجَالِ

مردوں کے لیے گیروا رنگ ناپسندیدہ ہے

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسم کے رنگے ہوئے کپڑے اور ریشمی کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔

قولہ المعصفر: وہ کپڑا جو عصفر (بضم الاول والثالث) سے رنگا ہوا ہو عصفر ایک سرخ پودا ہوتا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ زرد رنگ کی بوٹی ہے پہلے مطلب کے مطابق یہ روایت حنفیہ کی دلیل ہے کہ سرخ رنگ کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع ہے تاہم شافعیہ وغیرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ نفی ایک مخصوص سرخ رنگ کی ہے جبکہ حلۃ الحمراء عام ہے لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے یہی رائے قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ لُبْسِ الْفِرَآءِ

باب ۴: پوستین پہننا

(۱۶۴۸) سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ السَّمَنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا

حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ چیز حلال ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور وہ حرام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس چیز کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں کیا یہ ان چیزوں سے تعلق رکھتی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے درگزر کیا ہے۔

تشریح: قوله وما سكت عنه فهو مما عفا عنه اس جملے سے استدلال کر کے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

کیا اصل اشیاء میں اباحت ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا اشیاء میں اصل اباحت ہے یا حظر؟ یعنی اگر شریعت میں کسی چیز کا حکم بیان نہ کیا گیا ہو تو اس کو جائز اور مباح کہا جائے گا یا پھر حرام؟ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں جس میں ازلی حکم نہ ہو لہٰذا یہاں حکم سے مراد ازلی حکم نہیں بلکہ وہ حکم ہے جو کسی فعل سے متعلق کر کے شریعت میں بیان کیا گیا ہو اور جو نہ بیان کیا گیا اسے مسکوت عنہ کہا جاتا ہے جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے تو شافعیہ اور اکثر حنفیہ اسی طرح دیگر بہت سے علماء کے نزدیک اشیاء کے اندر اصل اباحت ہے جبکہ عند البعض اصل حظر ہے جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے۔

ایک تیسری رائے توقف کی ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں تیسرے قاعدہ الیقین لا یزول بالشك ضمن میں بیان ہوئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ

باب ۵: مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے

(۱۶۴۹) مَاتَتْ شَاةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِأَهْلِهَا أَلَّا نَزَعْتُمْ جِلْدَهَا ثُمَّ دَبَغْتُمُوهُ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ ایک بکری مر گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک سے فرمایا۔ تم نے اس کی کھال اتار کر اسے دباغت کر کے اسے استعمال کیوں نہیں کیا؟

(۱۶۵۰) أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس چمڑے کی دباغت کر دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

(۱۶۵۱) أَتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر آئی کہ تم لوگ مردار کی کھال یا اس کے پٹھوں میں سے کسی چیز کو استعمال نہ کرو۔

فائدہ: غیر ماکول اللحم جانور کو اگر بسم اللہ پڑھ کر شرعی طریقہ پر ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہو جاتا ہے اور کھال بھی البتہ وہ گوشت کھانا حرام ہے پس اگر وہ گوشت پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہوگی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَرَاهِيَةِ جَرِّ الْإِزَارِ

باب ۶: ٹخنوں سے نیچے تہبند رکھنا حرام ہے

(۱۶۵۲) لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں کرے گا جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو لٹکائے گا۔

تشریح: عربی میں ازار لنگی کو کہتے ہیں اور اردو میں پاجامہ کو اور مراد مطلق کپڑا ہے خواہ لنگی ہو، پاجامہ ہو، پتلون ہو، کرتا ہو، ٹوپی ہو یا پگڑی ہو کیونکہ حدیث میں عام لفظ ثوب آیا ہے ہر کپڑا معروف انداز پر پہننا چاہیے بھونڈے انداز پر نہیں پہننا چاہیے نہ لباس میں تکبر کو راہ ملنی چاہیے ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا آدھی پنڈلی سے بھی نیچے کرتا پہننا اور بالشت بھر اونچی ٹوپی پہننا کبر کی علامت ہے اور ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک امام نماز پڑھانے آیا اس کے عمامہ سے ساری محراب بھر گئی یہ بات تکبر سے ناشی ہے یا تکبر اس کا منشاء (پیدا ہونے کی جگہ) ہے یعنی پہلے سے اگر تکبر نہیں بھی ہوتا تو رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتا ہے۔

تکبر کے کبیرہ ہونے پر اتفاق ہے بلکہ تکبر ام الامراض ہے اس پر بھی اتفاق ہے کہ لباس ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہے تاہم عورتوں کے لیے لٹکانے کے جواز پر اتفاق ہے بلکہ اجماع ہے کما فی الحاشية عن مجمع مگر اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ممانعت علت تکبر کی بناء پر ہے یا عام ہے؟ تو شاہ صاحب عرف میں فرماتے ہیں کہ کتب حنفیہ میں ہے کہ نہی مطلق عن قید الخیلاء ہے اور خیلاء کی قید اتفاقی ہے جبکہ شافعیہ کی کتابوں میں ہے کہ نہی مقید ہے خیلاء کی قید کے ساتھ اور قید احترازی ہے۔ ان کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ نصف ساق تک مستحب ہے۔ جبکہ ٹخنوں تک مباح ہے اور ٹخنوں سے نیچے اگر تکبر ہو تو حرام ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ حضرات اس پر ایک تو باب کی حدیث میں وارد قید سے استدلال کرتے ہیں۔

دوم: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد فرمایا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: احیانا یسترخی شق ازاری اتعاهد ذالك منه قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لست ممن یصنعه خیلاء۔ مگر خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: فی هذه الاحادیث اسبال الازار للخیلاء کبیرة واما الاسبال لغیر الخیلاء فظاهر الاحادیث تحریمه ایضًا گو کہ وہ بھی تقیید کے قائل ہیں۔ لیکن وہ اس جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جن احادیث میں قید وارد ہوئی ہے یا پھر جن مواقع پر جز ثابت ہے تو وہ بعض احیان پر محمول ہے اور وہ احیان وہی تھے جب جز سے بچنے کے باوجود غیر شعوری طور ازار نیچے چلا گیا ہو مثلاً جلدی میں ازار باندھا مگر

وہ پوری طرح ملاحظہ نہ کر سکے جیسا کہ احیاناً۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر میں اس درجہ ہو کہ اپنی رفعت شان یا کسی منصب وجاہ کا وسوسہ تک بھی نہ ہو سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو خوار وذلیل دیکھے اور جس کا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعویٰ کسی بات کا نہ کرے گا نہ تواضع کا اور نہ کسی صفت محمود کا اس لیے کہ دعویٰ جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔ (شریعت وطریقت کا تلازم ص: ۲۲۳)

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ ذُیُوْلِ النِّسَآءِ

باب ۷: عورتوں کے کرتے کہاں تک ہوں؟

(۱۶۵۳) مَنْ جَرَّ ثَوْبَه خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ فَکَیْفَ یَصْنَعْنَ النِّسَاءُ بِذُیُوْلِهِنَّ قَالَ یُرْخِیْنَ شِبْرًا فَقَالَتْ اِذًا تَنْکَشِفُ اَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَیُرْخِیْنَهُ ذِرَاعًا لَا یَزِدْنَ عَلَیْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں کرے گا، تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خواتین اپنے دامن کے بارے میں کیا کریں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وہ ایک بالشت لٹکا کر رکھیں تو سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی پھر تو ان کے پاؤں ظاہر ہو جائیں گے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ ایک ہاتھ تک لٹکا سکتی ہیں، اس سے زیادہ نہ کریں۔

(۱۶۵۴) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ شَبَّرَ لِفَاطِمَةَ شِبْرًا مِنْ نِطَاقِهَا.

ترجمہ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، تہبند ایک بالشت سے زیادہ (ٹخنوں سے نیچے) رکھنے کی اجازت دی تھی۔

تشریح: کساء بکسر الکاف وہ چادر جو بدن کے بالائی حصہ کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

قولہ ملبدا باب تفعیل کا اسم مفعول ہے تلبید پیوند لگانے اور ٹکڑے لگانے کو بھی کہتے ہیں اور گوند وغیرہ سے چپکا کر نمدہ نما کرنے کو بھی کہتے ہیں یہاں مراد معنی اول ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مراد ایسی چادر ہو جس میں ٹکڑوں کی پیوند کاری کی گئی تھی دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ ٹکڑے ایک دوسرے کے اوپر لگائے گئے تھے تاکہ موٹی بنے۔

فائدہ: اس حدیث سے آسانی سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مردوں کے کرتے زمین سے ایک ہاتھ اونچے ہوتے تھے اس سے نیچا کرتا پہننا مردوں کے لیے زیبا نہیں اور آج کل عربوں میں جو کرتا رائج ہے اس کو مردوں کا کرتا کہنا مشکل ہے یہ تو عورتوں کا کرتا ہے اور جر ثوب کے دائرہ میں آتا ہے۔

یہ حدیث تزہید من الدنیا کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے کیونکہ اس وقت سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر بادشاہ سے زیادہ معزز وطاقتور تھے اگر وہ چاہتے تو ایک سے ایک اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین لباس زیب تن فرما سکتے تھے مگر دنیاوی متاع سے اعراض ان کا ایسا

اخلاق تھا جو امت کے لیے راہ آخرت کے سفر کی تیاری میں ہمہ وقت لگے رہنے کا درس تھا گو کہ آپ ﷺ نے عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا ہے مگر زیادہ تر معمولی کو معمول بنایا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ لُبْسِ الصُّوْفِ

باب ۸: اونی لباس پہننا

(۱۶۵۵) اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَةُ ﷞ کِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِیْ هٰذَیْنِ.

ترجمہ: ابو بردہ بیان کرتے ہیں۔ سیدہ عائشہ ﷞ نے ہمارے سامنے صوف (اون) کی موٹی چادر نکالی اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند نکالا اور بتایا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔

(۱۶۵۶) کَانَ عَلٰی مُوْسٰی یَوْمَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ کِسَاءُ صُوْفٍ وَجُبَّةُ صُوْفٍ وَکُمَّةُ صُوْفٍ وَسَرَاوِیْلُ صُوْفٍ وَکَانَتْ نَعْلَاهُ مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَیِّتٍ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ﷜ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے کلام کرنے کے لئے گئے اس وقت انہوں نے اون کا لباس پہنا ہوا تھا اون کا جبہ تھا اون کی ٹوپی تھی اور اونی شلوار پہنی ہوئی تھی اور ان کے پاؤں میں جو، جوتے تھے وہ مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔

قدیم زمانہ سے چمڑے اور اون کا لباس پہننے کا رواج چلا آ رہا ہے پہلے سوتی کپڑوں کا رواج زیادہ نہیں تھا نیز بے سلا لباس پہنا جاتا تھا یعنی چادر اوڑھی جاتی اور لنگی باندھی جاتی تھی اوڑھنے کی چادر کو کساء کہتے تھے یہ چادر عام طور پر اون کی ہوتی تھی اور لنگی کو ازار کہتے تھے یہ بھی اون کی ہوتی تھی سلے ہوئے کپڑوں کا عام رواج نہیں تھا۔ آج بھی چمڑا اور اون لباس میں استعمال ہوتا ہے، مگر اب ان کی کوالٹی اعلیٰ ہوگئی ہے اونی لباس اعلیٰ لباس سمجھا جاتا ہے چمڑے کے کوٹ ٹوپی موزے اور صدری وغیرہ پہنتے ہیں اور طرح طرح کے اونی کپڑے تیار ہوتے ہیں جو سردیوں میں پہنے جاتے ہیں مگر دور نبوی ﷺ میں اونی کپڑوں کا درجہ سوتی کپڑوں سے نیچے تھا بعد میں بھی ایک عرصہ تک ان کا درجہ نیچے رہا جب دنیا نے ترقی کر لی اور سب لوگ سوتی کپڑے پہننے لگ اس وقت اللہ کے نیک بندے صوف (اون) پہنتے تھے چنانچہ وہ صوفی کہلانے لگے اور ان کا طریقہ تصوف کہا جانے لگا قبل ازیں اس کے لیے زہد زہادہ اور احسان کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے اب ان کی جگہ تصوف اور صوفی نے لے لی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْعِمَامَةِ السَّوْدَآءِ

باب ۹: سیاہ عمامے کا حکم

(۱۶۵۷) دَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ مَکَّةَ یَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

ترجمہ: حضرت جابر ﷜ بیان کرتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے سیاہ

عمامہ باندھا ہوا تھا۔

تشریح: پگڑی کسی بھی رنگ کی باندھنا جائز ہے نبی ﷺ نے سیاہ پگڑی بھی باندھی ہے ہری بھی اور سفید بھی پس لال پگڑی تو مناسب نہیں باقی جس رنگ کی چاہے پگڑی باندھ سکتا ہے اور چونکہ جنتیوں کا لباس ہرا ہے اس لیے عام طور پر علماء ہری پگڑی کو پسند کرتے ہیں۔

عمامہ باندھنا سنت ہے اور انبیاء کرام اور سادات کی عادات میں سے ہے۔ عمامہ کی مقدار کیفیت اور شرعی حیثیت کے بارے میں کافی سارا اختلاف پایا جاتا ہے یہ اختلافات روایات میں اختلاف اور سندوں کے درجات کی وجہ سے ہے۔ گویا اس میں بہت گنجائش ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا بشرطیکہ اس پر عرفاً عمامہ کا اطلاق ہو سکے ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں:

فالسنة ان تلبس القلنسوة والعمامة فاما لبس القلنسوة وحدها فهو زی المشركين واما لبس العمامة على غير قلنسوة فهو لباس غير ثابت ولانها تنحل ولا سيما عند الوضوء وبالقلنسوة تشتد. (وفيه مافيه وسيأتی)

"سنت یہ ہے کہ ٹوپی اور عمامہ دونوں استعمال کرے صرف ٹوپی استعمال کرنا مشرکین کا لباس ہے اور ٹوپی کے بغیر صرف عمامہ باندھنا ایسا لباس ہے جو کہ ثابت نہیں اور ساتھ یہ بھی ہے کہ یوں جلدی کھل جاتا ہے اور خاص طور سے وضو کے وقت ٹوپی کے ساتھ مضبوط رہتا ہے۔"

بَابُ سَدَلَ الْعِمَامَةِ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ

باب ۱۰: عمامے کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا

(۱۶۵۸) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْدِلُ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ جب عمامہ باندھتے تھے تو شملے کو دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا کرتے تھے۔

تشریح: پگڑی بغیر شملہ کے باندھنا بھی درست ہے اور شملہ کے ساتھ بھی پھر ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو بھی اور اس کی مقدار کم از کم ایک بالشت اور زیادہ سے زیادہ کمر تک ہونی چاہیے اس سے لمبا شملہ جرثوب کے دائرہ میں آتا ہے اور شملہ دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی سینہ پر ڈالا جا سکتا ہے پہلے روافض بائیں کندھے سے سینہ پر شملہ ڈالتے تھے مگر اب ان کا یہ شعار نہیں رہا اس لیے یہ بھی درست ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خَاتَمِ الذَّهَبِ

باب ۱۱: سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے

(۱۶۵۹) نَهَانِي النَّبِيُّ ﷺ عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ وَعَنْ لِبَاسِ الْقَسِّيِّ وَعَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَعَنْ

لِبَاسِ الْمُعَصْفَرِ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشمی لباس پہننے، رکوع اور سجدے میں قرأت کرنے اور کسم سے رنگے ہوئے کپڑے کو پہننے سے منع کیا ہے۔

(۱۶۶۰) قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ.

ترجمہ: حفص لیثی بیان کرتے ہیں۔ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دے کر یہ بات بیان کرتا ہوں، انہوں نے یہ بات بیان کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کیا ہے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور قسی (ریشم کے) لباس پہننے اور رکوع اور سجدے میں تلاوت کرنے اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع کیا ہے۔

اس حدیث کی تشریح سابقہ ابواب میں گزری ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ خَاتَمِ الْفِضَّةِ

باب ۱۲: چاندی کی انگوٹھی کا بیان

(۱۶۶۱) قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ وَّرِقٍ وَكَانَ فَصُّهُ حَبْشِيًّا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی سے بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔

قوله حبشیا اس کے مطلب میں کئی اقوال ہیں: ① حبشہ سے آیا ہوا تھا جو عقیق یا کسی اور قیمتی پتھر کا تھا۔ ② یا یہ نگینہ حبش کے طرز اور نقش پر بنا ہوا تھا جیسا کہ اوپر ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ ③ یا بنانے والا حبشی تھا۔

بَابُ مَا جَآءَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ فَصِّ الْخَاتَمِ؟

باب ۱۳: انگوٹھی کا نگینہ کیسا ہونا چاہیے؟

(۱۶۶۲) كَانَ خَاتَمُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ فِضَّةٍ فَصُّهُ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی سے بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ بھی اسی سے بنا ہوا تھا۔

تشریح: مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے بشرطیکہ اس کا وزن مثقال یعنی ساڑھے چار ماشوں سے زیادہ نہ ہو جیسا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عرف میں درمختار وغیرہ سے نقل کیا تھا تاہم ایک حدیث میں ولا تتمه مثقالا کے الفاظ ہیں لہٰذا مثقال سے کم ہی بنوانا چاہیے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِيْنِ

باب ۱۴: دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

(۱۶۶۳) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَتَخَتَّمَ بِهٖ فِيْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنِّيْ كُنْتُ اِتَّخَذْتُ هٰذَا الْخَاتَمَ فِيْ يَمِيْنِيْ ثُمَّ نَبَذَهٗ وَنَبَذَهُ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی آپ نے اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا میں نے یہ انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنی ہے، پھر آپ ﷺ نے اسے اتار دیا تو لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیوں کو اتار دیا۔

(۱۶۶۴) رَاَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَلَا اَخَالُهٗ اِلَّا قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ: صلت بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی تھی میرا خیال ہے۔ انہوں نے یہ بات بھی بیان کی تھی میں نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۶۶۵) كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِيْ يَسَارِهِمَا.

ترجمہ: امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔

(۱۶۶۶) رَاَيْتُ ابْنَ اَبِيْ رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَاَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ: حماد بن سلمہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابن ابی رافع کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو ان سے اس بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا۔ میں نے حضرت عبد اللہ بن جعفر کو اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اپنے دائیں دست مبارک میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

(۱۶۶۷) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَنَعَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ فَنَقَشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لَا تَنْقُشُوْا عَلَيْهِ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی آپ نے اس میں محمد رسول اللہ ﷺ نقش کروایا پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یہ نقش تم لوگ اپنی انگوٹھی پر نہ بنوانا۔

(۱۶۶۸) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهٗ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے۔

تشریح: اس کی افضلیت میں اختلاف ہے امام نووی رحمہ اللہ نے یمین کو ترجیح دی ہے کہ انگوٹھی زینت کی چیز ہے اور یمین اولی بالزینت ہے جبکہ حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار میں بائیں کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ یمین میں پہننا روافض کا شعار ہے تاہم یہ شعار ہر دور کے ساتھ نہیں چلتا اسلیے اب گویا دونوں جانب برابر ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے ابوداؤد نے ان میں کسی کو ترجیح نہیں دی ہے جبکہ امام بیہقی نے سونے کا تعلق یمین سے جوڑا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ نَقْشِ الْخَاتَمِ

باب ۱۵: انگوٹھی پر نقش (کندہ کروانا)

(۱۶۶۹) نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِیِّ ﷺ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر تین لائنوں میں یہ نقش تھا "محمد" ایک لائن میں لفظ "رسول" ایک لائن میں اور لفظ "اللہ" ایک لائن میں۔

(۱۶۷۰) قَالَ کَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِیِّ ﷺ ثَلَاثَةَ اَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللّٰهُ سَطْرٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر تین لائنوں میں یہ نقش تھا لفظ "محمد" ایک لائن میں لفظ رسول ایک لائن میں اور لفظ اللہ ایک لائن میں۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پر محمد رسول اللہ منقش تھا اور بیت الخلاء نجاست کے لیے بنایا جاتا ہے نیز وہاں استنجاء بھی کرنا پڑتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے اس کی کہ مستنجی اللہ اور رسول وقرآن کے الفاظ سے گریز کرے اور یہ واجب ہے اسی طرح باقی انبیا کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے نام کا حکم ہے بلکہ ہر قابل تعظیم عبارت کا۔ تاہم اگر کوئی اس میں ذکر اللہ یا کلام اللہ مسطور ہو مگر وہ مستور ہو تو وہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر جیب میں ہو اور جیب بند ہو وہ عبارت اوپر سے پڑھی نہ جاسکتی ہو تو اس کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الصُّوْرَةِ

باب ۱۶: تصویر کی حرمت کا بیان

(۱۶۷۱) قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصُّوْرَةِ فِی الْبَیْتِ وَنَهٰی اَنْ یَّصْنَعَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں تصویریں رکھنے سے منع کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنانے سے بھی منع کیا ہے۔

(۱۶۷۲) اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی اَبِیْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِیِّ یَعُوْدُهٗ فَوَجَدَ عِنْدَهٗ سَهْلَ بْنَ حُنَیْفٍ قَالَ فَدَعَا اَبُوْطَلْحَةَ اِنْسَانًا یَنْزِعُ نَمَطًا تَحْتَهٗ فَقَالَ لَهٗ سَهْلٌ لِمَ تَنْزِعُهٗ قَالَ لِاَنَّ فِیْهَا تَصَاوِیْرُ وَقَالَ فِیْهِ النَّبِیُّ ﷺ مَا قَدْ عَلِمْتَ قَالَ سَهْلٌ اَوَلَمْ یَقُلْ اِلَّا مَا کَانَ رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنَّهٗ اَطْیَبُ نَفْسِیْ.

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بیان کرتے ہیں وہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو پایا راوی بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بلایا تا کہ وہ ان کے نیچے سے چادر نکال دے تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ اسے کیوں نکال رہے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ اس میں تصاویر موجود ہیں اور تصاویر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ آپ جانتے ہیں تو حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد نہیں فرمائی ہے؟ جو تصویریں کپڑے میں نقش کے طور پر ہوں (ان کی اجازت ہے) تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جی ہاں! لیکن میں اپنی تسلی کرنا چاہتا ہوں۔

تشریح: قوله عن الصورة اس سے مراد جاندار کی تصویر ہے کیونکہ بے جان تصویر بنانا اور استعمال کرنا دونوں جائز ہیں قوله فی البیت بیت سے مراد مطلق رہائش گاہ اور ٹھہرنے کی جگہ ہے چاہے گھر ہو یا خیمہ وغیرہ۔

قوله ونهی ان یصنع ذالك اور اس کے بنانے سے بھی منع فرمایا ہے لہٰذا عن الصورة میں لفظ اتخاذ مقدر مانا جائے گا یعنی گھر میں تصویر رکھنے اور بنانے سے منع فرمایا ہے۔ تصویر اگر مجسمہ کی ہو تو اس کی حرمت پر اجماع ہے عام اصطلاح میں اسے ذی ظل یعنی سایہ دار بھی کہتے ہیں ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ عارضہ میں لکھتے ہیں: و اما کیفیة الحکم فیها فانها محرمة اذا کانت اجسادا بالاجماع یعنی مجسموں کا بنانا اور استعمال بالاجماع حرام ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْمُصَوِّرِیْنَ

باب ۱۷: تصویر سازوں کی سزا

(۱۶۷۳) مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عَذَّبَهُ اللّٰهُ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْهَا یَعْنِی الرُّوْحَ وَلَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْهَا وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی حَدِیْثِ قَوْمٍ وَهُمْ یَفِرُّوْنَ بِهٖ مِنْهُ صُبَّ فِیْ اُذُنِهِ الْاٰنُكُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی تصویر بنائے گا اللہ تعالیٰ اسے یہ عذاب دے گا کہ وہ اس میں پھونک مارے (یعنی اسے زندہ کرے) اور جو کوئی شخص لوگوں کی بات چھپ کر سننے کی کوشش کرے گا جبکہ وہ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس شخص کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں دو گناہوں کی سزا کا بیان ہے۔

پہلا گناہ: تصویر سازی ہے تصویر بنانے والوں کو جہنم میں مسلسل عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا اور ان کے عذاب کی موقوفی کو ایک محال امر پر معلق کر دیا جائے گا تصویر سازوں سے کہا جائے گا احیوا ما خلقتم تم نے جو تصویریں بنائی ہیں ان میں

روح ڈالو اور ظاہر ہے یہ بات ان کے بس کی نہیں پس ان کی سزا مسلسل جاری رہے گی ہاں اگر اللہ تعالیٰ ان کے گناہ سے درگذر فرمائیں تو دوسری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ جس کے لیے منظور ہوگا بخش دیں گے۔

دوسرا گناہ: لوگوں کی خانگی باتیں سننا ہے جو شخص ایسے لوگوں کی بات سننے کی کوشش کرتا ہے جو اس سے بچ کر باتیں کر رہے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا سیسہ بہت جلد گرم ہو جاتا ہے۔ اور بہت تیز گرم ہوتا ہے پس اس کی اذیت کا ہر شخص بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

فائدہ: حدیث میں جو حتی ینفخ فیھا آیا ہے وہ تعلیق بالمحال ہے جیسے حتی یلج الجمل فی سم الخیاط تعلیق بالمحال ہے اور جیسے من تحلم کلف ان یعقد شعیرۃ جو شخص خواب گھڑتا ہے وہ مکلف کیا جائے گا کہ جو دانوں میں گرہ لگائے (ابوداؤد حدیث ۵۰۲۴) یہ روایت ترمذی میں کتاب الرؤیا میں آئے گی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْخِضَابِ

باب ۱۸: خضاب کا حکم

(۱۶۷۴) غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بڑھاپے کو (یعنی سفید بالوں کو خضاب کے ذریعے) تبدیل کر دو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو (کیونکہ وہ سفید بال رکھتے ہیں)۔

(۱۶۷۵) إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ.

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: سب سے بہترین چیز جس کے ذریعے تم اپنے سفید بالوں کو تبدیل کرو وہ مہندی اور نیل کے پتے ہیں۔

جب سر یا داڑھی سفید ہو جائیں تو خضاب لگانا چاہیے متفق علیہ روایت ہے کہ یہود ونصاری خضاب نہیں لگاتے پس تم ان کی مخالفت کرو یعنی خضاب لگاؤ (مشکوٰۃ حدیث ۴۴۲۴) اور مرد کے لیے صرف سر اور داڑھی کا خضاب سنت ہے ہاتھوں پیروں پر بے ضرورت خضاب لگانا حرام ہے۔

اور شادی شدہ عورت کے لیے ہاتھوں پیروں پر بھی خضاب کرنا سنت ہے حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سکیڑ لیا اور فرمایا میں کیا جانوں مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا؟ اس نے عرض کیا عورت کا ہاتھ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں پر مہندی کا رنگ کئے ہوئے ہوتی۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت ہند بنت عتبہ جب بیعت کے لیے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا میں اس وقت تک تجھ کو بیعت نہیں کروں گا جب تک تو اپنی ہتھیلیوں کو مہندی سے نہ بدل دے دیکھ تو سہی گویا درندے کی ہتھیلیاں ہیں۔ البتہ اگر شوہر کو مہندی کی بو پسند نہ ہو تو پھر عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ مہندی کا خضاب نہ کرے بلکہ کوئی ایسا خضاب کرے جو شوہر کو پسند ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے

مہندی کے خضاب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کوئی حرج نہیں مگر مجھے مہندی کا خضاب پسند نہیں کیونکہ میرے حبیب ﷺ کو اس کی بو پسند نہیں تھی۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

فائدہ: نبی ﷺ نے خضاب کیا ہے یا نہیں؟ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کی داڑھی اور سر مبارک میں کل سترہ بال سفید ہوئے تھے البتہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کیا ہے اور آپ ﷺ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اس لیے خضاب کرنا سنت ہے۔

خضاب: مطلق رنگ کو بھی کہتے ہیں اور اس چیز کو بھی جس سے بالوں کو رنگا جائے الشیب بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی کو کہتے ہیں یعنی بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرو اور یہود کے ساتھ مشابہت اختیار مت کرو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان کی روایت میں والنصاری کا بھی اضافہ ہے اور صحیحین کی روایت میں ہے:

ان الیھود والنصاری لا یصبغون فخالفوھم۔ "یہود اور عیسائی خضاب نہیں کرتے تم ان کی مخالفت کرو۔"

باب کی دوسری حدیث ہے:

ان احسن ماغیر به الشیب الحناء والکتم۔

"سب سے اچھی چیز جس سے بالوں کی سفیدی کو دُور کیا جائے مہندی اور کتم ہے۔"

قوله: "والکتم" بفتحتین ایک پودا ہے جس کے بیج سے قدیم زمانے میں روشنائی بھی بنائی جاتی تھی اور بالوں کو خضاب بھی کیا جاتا تھا۔

یہ عموماً وسمہ کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے وسمہ بھی ایک درخت ہے جس کے پتوں کو خضاب کے طور پر استعمال کرتے ہیں، بعض حضرات نے کتم اور وسمہ دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے بہر حال کتم کبھی مہندی کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی وسمہ کے ساتھ اس طرح اس کا رنگ سرخی مائل ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ مسئلہ قابل ذکر ہے کہ آیا بالوں کو خالص کالے رنگ سے سیاہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس بارے میں روایات زیادہ ہیں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلا زاد المعاد میں ذکر فرمائی ہیں ان میں ایک طرف کی روایات ممانعت پر ناطق ہیں اور دوسری جانب کی روایات جواز پر دال ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ائمہ رحمہم اللہ میں سے بعض حضرات کی طرف جواز کی نسبت کی گئی ہے یہ تمام روایات اور مجوزین کے نام تحفۃ الاحوذی میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْجُمَّةِ وَاتِّخَاذِ الشَّعْرِ

باب ۱۹: زلفیں اور بال رکھنے کا بیان

(۱۶۷۶) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ حَسَنَ الْجِسْمِ اَسْمَرَ اللَّوْنِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ اِذَا مَشٰى يَتَوَكَّأُ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانے قد کے مالک تھے، نہ زیادہ طویل تھے، نہ زیادہ چھوٹے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوبصورت جسم کے مالک تھے، گندمی رنگ کے مالک تھے، آپ کے بال نہ بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے، تو جھک کر چلتے تھے۔

(۱۶۷۷) قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں کی لو سے کچھ زیادہ لمبے تھے۔

تشریح: قولہ ربعة بفتحہ الراء وسکون الباء شمائل ترمذی حدیث ۳ میں مربوعاً کا لفظ آیا ہے دونوں کا مطلب ایک ہے یعنی درمیانہ قد (قدرے درازی مائل جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) قولہ اسمر اللون گندمی رنگ تھے قولہ لیس بالطویل والا القصر ربعة کی تفسیر اور بیان ہے قولہ لیس بجعد گھونگریالے بالوں کو کہتے ہیں جبکہ سبط سیدھے بالوں کو کہتے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل پیچ دار تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ ان میں ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن تھا قولہ یتکفأ آگے جھکتے ہوئے چلتے پورا ترجمہ اس طرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ کوتاہ قد (ٹھگنے) تھے نہایت خوبصورت معتدل جسم والے تھے گندمی رنگ سے متصف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے جب آپ چلتے تو آگے کی طرف جھک کر چلتے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا

باب ۲۰: روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت

(۱۶۷۸) قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع کیا ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

عن عبداللہ بن مغفل قال نہی رسول اللہ ﷺ عن الترجل الا غبا.

تشریح: قولہ عن الترجل ترجل اور ترجیل بالوں کی صفائی ستھرائی اور تزئین کو کہتے ہیں جیسے کنگھی کرنا اور غبا ایک دن چھوڑ دوسرے دن کام کرنے کو کہتے ہیں جیسے زرغبا تزددحبا دراصل غبا اُونٹوں کو دوسرے دن پانی کے گھاٹ پر لے جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں پر مراد نفی مبالغہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے اور اہتمام کے ساتھ کنگھی کرنے سے منع فرمایا کیونکہ اس سے مبالغہ فی التزئین ہوتا ہے اور یہ مورث غفلت ورعونت اور تشبہ بالنساء ہوتا ہے البتہ ضرورت کی بناء پر روزانہ بھی جائز ہے۔ پھر اخلاق کے لیے مفید یہ ہے کہ حالت زیادہ اچھی نہ ہو کیونکہ اس سے عاجزی وتواضع پیدا ہوتی ہے جبکہ زیادہ ٹھاٹ باٹ سے تکبر جنم لیتا ہے چنانچہ ابوداؤد کی روایت ہے:

عن ابی امامة قال ذکر اصحاب رسول الله ﷺ یوما عنده الدنیا فقال رسول الله ﷺ :الا تسمعوا؟الا تسمعوا؟ان البذاذة من الایمان ان البذاذة من الایمان یعنی التقحل.(اول کتاب الترجل)

"رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دُنیا کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار سنو! خبردار سنو! سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ سادگی ایمان کا حصہ۔"

یہ حکم داڑھی اور باقی لباس کا بھی ہے مگر یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ شمائل ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کان رسول الله ﷺ یکثر دهن راسه وتسریح لحیته.

"رسول اللہ ﷺ اپنے سر کو بہت تیل لگایا کرتے اور داڑھی میں کثرت سے کنگھی کرتے تھے۔"

اس سے تو باب کی حدیث سے تعارض معلوم ہوتا ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اکثار سے روزانہ کنگھی کرنا لازم نہیں آتا بلکہ جب کوئی کام حسب عادت بقدر حاجت کیا جائے تو اسے بھی اکثار کہتے ہیں جیسے ایک طالب علم ہر دوسرے دن گھر جاتا ہے تو استاذ کہتے ہیں یہ لڑکا بہت زیادہ گھر جاتا ہے۔

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں جو نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ داڑھی مبارک میں دن میں دو مرتبہ کنگھی فرماتے تو اس کی سند قوی نہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْاِکْتِحَالِ

باب ۲۱: سرمہ لگانا

(۱۶۷۹) اِکْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ یَجْلُو الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشِّعْرَ وَزَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَتْ لَهٗ مُکْحُلَةٌ یَّکْتَحِلُ بِهَا کُلَّ لَیْلَةٍ ثَلَاثَةً فِیْ هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِیْ هٰذِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اثمد نامی سرمہ لگایا کرو کیونکہ یہ بینائی کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو اگاتا ہے۔

راوی یہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی ایک سرمہ دانی تھی جس کے ذریعے آپ ﷺ روزانہ رات کے وقت تین مرتبہ اس آنکھ میں اور تین مرتبہ اس آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔

شاہ صاحب عرف میں فرماتے ہیں کہ سرمہ دو طرح کا ہوتا ہے: ① سفید ② سیاہ دونوں جائز ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی النَّهْیِ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالْاِحْتِبَآءِ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ

باب ۲۲: اشتمال صماء اور ایک کپڑے کو احتباء کے طور پر لپیٹنے کی ممانعت

(۱۶۸۰) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْ لِبْسَتَیْنِ الصَّمَّآءِ وَاَنْ یَّحْتَبِیَ الرَّجُلُ بِثَوْبِهٖ لَیْسَ عَلٰی فَرْجِهٖ مِنْهُ شَیْءٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے دو طرح کے لباس پہننے سے منع کیا ہے ایک صماء اور دوسرا یہ کہ آدمی اپنے کپڑے کو اس طرح لپیٹے کہ اس کی شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہ ہو۔

قوله الصماء بالمد یه لبستین سے بدل ہے اس لیے مجرور پڑھا جائے گا صماء اس کو کہتے ہیں کہ آدمی چادر کے اندر اپنے آپ کو اس طرح لپیٹ دے کہ اس کے ہاتھ اندر ہی بندھے رہے۔ صماء اسے کہتے ہیں کہ ایک چادر باندھ کر اس طرح بیٹھ جانا جس میں ہاتھ اور پاؤں بند ہو جائیں کہ اگر آدمی جلدی میں اس سے نکلنا چاہے تو نہ نکل سکے اس سے ممانعت کی علت بھی یہی ہے کہ اگر ضرورت اور حادثہ پیش آجائے تو اس وقت جلدی سے نکلنا مشکل ہوگا۔

احتباء: کہ ایک کپڑے میں احتباء کرنا اس طرح کہ شرمگاہ پر اس کے علاوہ کوئی کپڑا نہ ہو اس سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کشف عورت کا قوی امکان ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مُوَاصَلَةِ الشَّعْرِ

باب ۲۳: بالوں میں بال ملانے کی ممانعت

(۱۶۸۱) لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ والْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ قال نافعٌ اَلْوَشْمُ فِی اللِّثَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مصنوعی بال لگانے والی اور مصنوعی بال لگوانے والی، جسم گودنے والی اور گدوانے والی خواتین پر لعنت بھیجی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگانے والی اور لگوانے والی اور گودنے والی اور گدوانے والی (عورتوں) پر لعنت کرے۔ نافع فرماتے ہیں کہ وشم مسوڑھے میں ہے وصل ایک عورت کا کسی دوسری کے بالوں کو اپنے بالوں میں جوڑنے اور لگانے کو کہتے ہیں جبکہ وشم بدن کے کسی بھی حصہ کی کھال کو سوئی سے گود کر خون نکالنے اور اس پر نیل چھڑکنے کو کہتے ہیں سرمہ اور چونہ ملانے سے بھی یہی عمل کیا جاتا ہے دونوں مادوں میں سین تاء طلب کے لیے ہیں جیسا کہ ترجمہ میں اشارہ کیا ہے اور باب استفعال کی خاصیت بھی ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح میں لکھا ہے کہ اس سے وہ جگہ نجس ہو جاتی ہے حتی الامکان اس کو صاف کرنا لازمی ہے شاید یہ ان کے اصول پر مبنی ہو کہ نجاست قلیلہ بھی مانع ہوتی ہے لہٰذا حنفیہ کے نزدیک بھی اگرچہ دم مسفوح نجس ہی ہے مگر قلیل میں شاید اتنی سختی نہ ہو جتنی کثیر میں ہے قلیل و کثیر کی مقدار ابواب الطہارت میں گزری ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ رُکُوْبِ الْمَیَاثِرِ

باب ۲۴: میاثر (ریشمی بچھونوں) پر بیٹھنے کی ممانعت

(۱۶۸۲) نَهَانَا رسولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رُکُوْبِ الْمَیَاثِرِ قال وَفِی الْحَدِیْثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے میاثر پر سوار ہونے (یعنی ریشمی بچھونوں پر بیٹھنے) سے منع

کیا ہے۔

میاثر میثرۃ کی جمع ہے اور میثرۃ ایک کپڑا ہوتا تھا جو دولت مند قسم کے لوگ اپنی سواری کے اوپر بچھایا کرتے تھے گھوڑے پر ایک نمدہ ہوتا ہے ایک زین ہوتی ہے اور زین کے اوپر میثرۃ ہوتا تھا اس سے منع کیا گیا ہے اور ممانعت کی علت اور اس نہی کی وجوہات متعدد ہیں:

① سرخ رنگ کی وجہ سے۔

② ریشم کی وجہ سے کہ مردوں کے لیے سرخ رنگ منع ہے اور ریشم پر صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک تنزیہی ہے روایت سے صاحبین کے قول کی تائید ہوتی ہے جس میں ریشم پر بیٹھنے سے ممانعت آئی ہے۔

③ اس میں متنعمین اور مترفین سے مشابہت آتی ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس میں ناز ونعم میں پلی ہوئی عورتوں سے مشابہت ہو جائے گی کہ ان کے لیے زین اور کجاوے پر خصوصی طور سے میثرہ بچھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی فِرَاشِ النَّبِیِّ ﷺ

باب ۲۵: نبی اکرم ﷺ کے بستر کا بیان

(۱۶۸۳) قَالَتْ اِنَّمَا کَانَ فِرَاشُ النَّبِیِّ ﷺ الَّذِی یَنَامُ عَلَیْهِ اَدَمٌ حَشْوُهُ لِیْفٌ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ کا وہ بستر جس پر آپ ﷺ سویا کرتے تھے چمڑے کا بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْقُمُصِ

باب ۲۶: قمیص کا بیان

(۱۶۸۴) کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ الْقَمِیْصَ.

ترجمہ: سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ترین لباس قمیص تھا۔

(۱۶۸۵) کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ الْقَمِیْصَ.

ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ اپنی والدہ کے حوالے سے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے نزدیک پسندیدہ لباس قمیص تھا۔

(۱۶۸۶) کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْقَمِیْصَ.

ترجمہ: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ لباس قمیص تھا۔

(۱۶۸۷) كَانَ كُمُّ يَدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ إِلَى الرُّسْغِ.

ترجمہ: سیدہ اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے بازو آپ کی کلائی تک تھے۔

(۱۶۸۸) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَأَ بِمَيَامِنِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قمیص پہنتے تھے تو دائیں طرف سے پہننا شروع کرتے تھے۔

تشریح: قمص جمع ہے قمیص کی اس کو پسند کرنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ ساتر ہے اور شلوار بھی اگر چہ ساتر ہے مگر وہ اس وقت رائج نہیں تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ قمیص سے شلوار کا کام لیا جاسکتا ہے جب کہ شلوار قمیص کے قائم مقام نہیں بن سکتی' دوم قمیص ہلکا لباس بھی ہے اور اس میں سہولت بھی ہے کہ ایک دفعہ پہننے کے بعد بار بار تھامنے کی ضرورت پیش نہیں آتی بخلاف چادر کے اور جن روایات میں حلہ کا احب ہونا ثابت ہے تو وہ باقی چادروں کی نسبت اور جبکہ قمیص سلے ہوئے کپڑوں کی نسبت ہے اور بیض کا احب ہونا باعتبار رنگ کے ہے لہٰذا ان روایات میں کسی طرح کا تعارض نہیں ہے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا

باب ۲۷: جب آدمی نیا کپڑا پہنے تو دعا کرے؟

(۱۶۸۹) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْ قَمِيْصًا اَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ اَسْأَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا لباس پہنتے تھے تو اس کا نام لیتے یعنی عمامہ یا قمیص یا تہبند اور پھر یہ دعا کرتے۔

"اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو نے ہی مجھے یہ پہننے کے لئے دیا ہے، لہٰذا میں اس کی بھلائی اور جس بھلائی کے لئے اسے بنایا گیا ہے اس کا تجھ ہی سے طلبگار ہوں۔ اور اس کے شر اور جس شر کے لئے اسے بنایا گیا ہے اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

تشریح: پھر نیا لباس جمعہ کے دن زیب تن فرماتے پھر کپڑے کی خیر سے مراد اس کا باقی ہونا یعنی دیر پا ہونا حلال ہونا پاک ہونا اور عند الضرورت والحاجۃ پہننے میں کام آنا ہے اور جس خیر کے لیے بنایا گیا ہے اس سے مراد وہ ضروریات ہیں جن کے لیے لباس بنایا جاتا ہے مثلاً گرمی سردی اور ستر عورت میں مفید ہونا اسی طرح اللہ کا شکر ادا کرنا تواضع کرنا اطاعت کرنا جبکہ شر سے مراد ان امور کے مخالف اور عکس ہیں۔

غرض نیا لباس پہنتے وقت اللہ کی حمد وثنا بیان کرنی چاہیے اور ہر حال پر شکر گزار رہنا چاہیے اللہ کی طرف سے خیر و بھلائی کی توقع اور دعا کرنی چاہیے اور شر سے پناہ مانگنی چاہیے اپنی حالت پر کبھی نازاں نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی چیز کو اللہ عزوجل کے سوا قابل بھروسہ ماننا چاہیے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ لُبْسِ الْجُبَّةِ وَالْخُفَّیْنِ

باب ۲۸: جبہ اور موزے پہننے کا ذکر

(۱۶۹۰) اَنَّ النبیَّ ﷺ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے رومی جبہ پہنا تھا، جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

(۱۶۹۱) قَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ اَهْدٰى دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دو موزے تحفے کے طور پر پیش کئے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں پہن لیا۔

تشریح: نبی کریم ﷺ نے تنگ آستین والا رومی جبہ زیب تن فرمایا ہے بعض روایات میں شامیة آیا ہے مگر ان میں تطبیق آسان ہے کہ شام اس وقت روم کے زیر تسلط تھا لہٰذا دونوں نسبتیں صحیح ہوئیں پھر جیسا کہ ابواب الطہارۃ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہننا تبوک کے سفر سے واپسی پر تھا جب حضرت مغیرہ نے آپ ﷺ کے وضوء کا پانی ڈالا تھا تاہم اس سے دیگر اوقات میں پہننے کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ حدیث الباب سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کافر ہدیہ میں نئے کپڑے دے دے تو ان کا استعمال جائز ہے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اون موت سے نجس نہیں ہو جاتی۔ حضرت دحیۃ الکلبی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی عام طور پر اس میں دال کو مکسور پڑھا جاتا ہے اگرچہ اس میں فتحہ بھی جائز ہے۔

حضور ﷺ جب حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ان کو سنہ ۶ ہجری کے آخر میں ہرقل کے پاس خط دے کر بھیجا تھا جس کا تفصیلی واقعہ بخاری کے شروع میں مذکور ہے یہ وہاں سنہ ۷ ہجری محرم کے مہینہ میں پہنچے ظاہر یہی ہے کہ یہ خفین بھی اسی مرتبہ ہدیہ کئے تھے لہٰذا عارضہ میں ابن العربی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ وکان کافرا فقبل ھدیۃ محل نظر ہے کیونکہ یہ اس سے کافی پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ شَدِّ الْاَسْنَانِ بِالذَّهَبِ

باب ۲۹: سونے کے تاروں سے دانتوں کو باندھنا

(۱۶۹۲) قَالَ اُصِيْبَ اَنْفِيْ يَوْمَ الْكُلَابِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاتَّخَذْتُ اَنْفًا مِنْ وَّرِقٍ فَاَنْتَنَ عَلَيَّ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ اَتَّخِذَ اَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ.

ترجمہ: حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں جنگ کلاب کے دن میری ناک کٹ گئی تو میں نے چاندی کی ناک بنوائی پھر اس میں سے مجھے بو آنے لگی تو نبی اکرم ﷺ نے ہدایت کی کہ میں سونے کی ناک بنوالوں۔

باب ۱۳ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت مرد کے لیے سونے کا استعمال جائز ہے حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی ناک جنگ کلاب (بضم الکاف) میں کٹ گئی تھی یہ زمانہ جاہلیت کا ایک معرکہ تھا پس انہوں نے پہلے چاندی کی ناک بنوائی مگر وہ بدبودار ہوجاتی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کی اجازت دی (اسی طرح سونے کے تاروں سے دانت پر خول چڑھانا بھی جائز ہے اس لیے کہ چاندی کالی پڑ جاتی ہے)۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل حدیث الباب ہے جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ سونے میں اصل تحریم ہے جبکہ اباحت ضرورت کے پیش نظر ہے جہاں ضرورت چاندی سے پوری ہوگئی وہاں چاندی پر ہی اکتفاء لازمی ہے کیونکہ چاندی کی تحریم ادون واقف ہے۔ (کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس ج ۴)

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہاں چاندی سے ضرورت پوری نہیں ہوئی تھی امام طحاوی رحمہ اللہ نے جواز کا قول کیا ہے جو رفع اختلاف کے لیے کافی ہے۔ (عرف)

بَابُ مَاجَاءَ فِی النَّهْیِ عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ

باب ۳۰: درندوں کی کھال استعمال کرنا جائز نہیں

(۱۶۹۳) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ اَنْ تُفْتَرَشَ.

ترجمہ: ابوالملیح اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال کو بچھونے کے طور پر استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

حضرت ابوالملیح اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال استعمال کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

تشریح: ابوالملیح کا نام عامر یا زید یا زیاد ہے ان کے والد کا نام اسامہ بن عمیر ہے اور صحابی ہیں۔ ابوداؤد ونسائی کے الفاظ یہ ہیں: نهی عن لبس جلود السباع والرکوب علیها عند البعض چونکہ سباع کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی اس لیے استعمال ممنوع ہوا لیکن جمہور کے نزدیک یہ دباغت سے پاک ہوجاتی ہے پھر اس نہی کی وجہ متکبرین سے مشابہت اور کثرت استعمال سے رعونت کا پیدا ہونا اور درندوں کے اخلاق رذیلہ سے بچنا ہے: کما مر فی باب ماجاء فی جلود المیتة اذا دبغت.

بَابُ مَاجَاءَ فِی نَعْلِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ۳۱: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کا بیان

(۱۶۹۴) قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ.

ترجمہ: قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کیسے تھے؟ تو

انہوں نے بتایا ان کے دو تسمے تھے۔

(۱۶۹۵) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ نَعْلَاهُ لَهُمَا قِبَالَانِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کے دو تسمے تھے۔

تشریح: قولہ نعلاہ نعل کا تثنیہ ہے نعل تسمے دار چپل کو بھی کہتے ہیں اور جوتے کو بھی بعض حضرات اس کا اطلاق ہر اس چیز پر کرتے ہیں جو پاؤں کو زمین کی رگڑ سے بچائے یہاں تسمے دار چپل مراد ہے۔

قولہ قبالان بکسر القاف قبال کا تثنیہ ہے تسمے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چپل جوتے دو تسمے والے تھے۔

چونکہ یہاں دو قسم کی روایات ہیں ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسمے پاؤں کی پشت پر تھے جبکہ دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلیوں کے درمیان ہوتے تھے بایں طور کہ ایک ابہام اور ساتھ والی انگلی کے درمیان ہوتا تھا جبکہ دوسرا وسطی اور ساتھ والی کے درمیان ہوتا تھا اس لیے کہا جائے گا کہ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں تسمے انگلیوں کے درمیان سے علیحدہ علیحدہ نکل کر جا کے قدم مبارک کی پشت پر جمع ہو جاتے یعنی بندھے ہوئے تھے تا کہ پاؤں کو تھام لیں پھر پشت سے ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری جانب۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ فِي النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

باب ۳۲: ایک جوتا پہن کر چلنا مکروہ ہے

(۱۶۹۶) لَا يَمْشِيْ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيْعًا اَوْلِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کوئی بھی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے یا تو دونوں کو پہن لے یا دونوں کو اتار دے۔

شمائل ترمذی میں جہاں یہ حدیث آئی ہے تو وہاں واحدۃ کی بجائے واحد کا لفظ تذکیر کے ساتھ آیا ہے چونکہ لفظ نعل مونث ہے لہٰذا شمائل کی روایت میں توجیہ کی جائے گی یعنی لفظ نعل کو بمعنی ملبوس لیا جائے گا۔

شارحین لکھتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے تا کہ اگلے باب کی روایت سے تعارض پیدا نہ ہو۔

اس نہی کی کیا وجہ ہے؟ ① اس سے اعتدال اور توازن بگڑ جاتا ہے کہ اس طرح چلنے سے ایک پاؤں اونچا ہو جائے گا۔

② اس سے دونوں پاؤں میں یکسانیت نہیں رہے گی کہ ایک تو چپل کی وجہ سے محفوظ رہے گا جبکہ دوسرا زمین سے رگڑ کھاتا رہے گا اور ظاہر ہے کہ اس سے چلنے پر اثر پڑے گا کما ہو المشاہد۔

③ اس طرح چلنا برا معلوم ہوتا ہے اور چونکہ اس سے لوگوں کے تمسخر کا اندیشہ ہے جس سے وہ گنہگار ہوں گے شفقۃً ممانعت فرمائی۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح میں لکھا ہے کہ اس حکم میں باقی لباس بھی داخل ہے یعنی یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک موزہ پہن کر چلے یا ایک آستین میں ہاتھ ڈالے یا ایک کندھے پر چادر ڈال کر چلے (جیسے اکثر طلباء رومال ڈالتے ہیں بعض روایات میں خف کی تصریح ہے۔ کما عند ابن ماجہ و مسلم کذا فی التحفۃ)

باب ماجاء فی کراهیة ان یتنعل الرجل وھو قائم

باب ۳۳: کھڑے ہو کر جوتا پہننے کی ممانعت

(۱۶۹۷) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر جوتا پہنے۔

(۱۶۹۸) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى اَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر جوتا پہنے۔

تشریح: کھڑے کھڑے جوتے پہننے سے ممانعت کی کیا وجہ ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ان جوتوں کے متعلق ہے جن کے پہننے میں ہاتھ کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے جیسے تنگ اور فٹ جوتے یا موزے اور جرابے وغیرہ' باعث تعب ومشقت بھی مع ہذا اس میں گرنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے اس لئے بیٹھ کر پہننا چاہئے علیٰ ہذا عام چپل یا وہ جوتے جن میں آسانی سے پاؤں داخل ہوتا ہے اس حکم میں داخل نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الرُّخْصَةِ فِی النَّعْلِ الْوَاحِدَةِ

باب ۳۴: ایک جوتا پہن کر چلنے کی اجازت

(۱۶۹۹) رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ ﷺ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ بعض اوقات نبی اکرم ﷺ ایک جوتا پہن کر چلا کرتے تھے۔

(۱۷۰۰) اَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَهٰذَا اَصَحُّ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد کے حوالے سے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں۔ وہ ایک جوتا پہن کر چلتی تھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ بِاَيِّ رِجْلٍ يَبْدَاُ اِذَا انْتَعَلَ

باب ۳۵: پہلے کس پاؤں میں جوتا پہننا چاہیے

(۱۷۰۱) اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَاْ بِالْيَمِيْنِ وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَاْ بِالشِّمَالِ فَلْتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کسی شخص نے جوتا پہننا ہو تو دائیں پاؤں میں پہلے پہنے اور جب جوتا اتارنا ہو تو بائیں پاؤں سے پہلے اتارے، دایاں پاؤں پہنتے ہوئے پہلے ہو، اور اتارتے ہوئے بعد میں ہو۔

تشریح: جب تم میں سے کوئی چپل (وغیرہ) پہنے تو دائیں (پاؤں) سے شروع کرے اور جب اتارے تو بائیں (پاؤں) سے شروع کرے پس دایاں پہننے میں اول ہو اور اتارنے میں مؤخر۔ اس کا ضابطہ بارہا گزرا ہے کہ یمین کو افضلیت حاصل ہے لہٰذا ہر لائق

تحسین کام میں وہ پہلے ہونا چاہیے جبکہ نسبۃ خسیس کاموں میں دایاں پیچھے ہونا چاہیے تو چونکہ لباس پہننا اچھا کام ہے لہٰذا کوئی بھی لباس پہنتے وقت پہلے دائیں سے شروع کرے جبکہ اتارنا خلاف تستر اور خلاف زینت ہے لہٰذا بائیں سے شروع کرے علیٰ ہذا القیاس۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَرْقِیْعِ الثَّوْبِ

باب ۳۶: کپڑوں میں پیوند لگانے کا بیان

(۱۷۰۲) قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَدْتِّ اللُّحُوْقَ بِیْ فَلْیَکْفِكِ مِنَ الدُّنْیَا کَزَادِ الرَّاکِبِ وَاِیَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْاَغْنِیَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِیْ ثَوْبًا حَتّٰی تُرَقِّعِیْهِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اگر تم (آخرت میں) میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو تمہارے لئے دنیا اتنی ہی کافی ہوگی جتنا سفر کا زادراہ ہوتا ہے اور خوشحال لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے پرہیز کرنا اور کسی بھی کپڑے کو پہننا اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک اس میں پیوند نہ لگالو۔

فائدہ: مالداروں کے ساتھ تعلق کی تین صورتیں ہیں:

① ایک وہ دین کے طالب علم بن کر آپ کے پاس آئیں پس آپ ان کی مدارات کریں ان کو اپنے سے قریب کریں اور ان کو دین سکھائیں یہ ضروری ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں۔

② دوم برابری والا دوستانہ تعلق اس کی حدیث میں ممانعت ہے علماء کے لیے یہی سخت مضر ہے اسی ذریعے سے شیطان عالم کی راہ مارتا ہے۔

③ محتاج بن کر مالداروں کے پاس جانا اور ان کی کاسہ لیسی کرنا یہ قطعاً عالم کی شان کے خلاف ہے یہ تو بئس الفقیر علی باب الأمیر ہے اور پہلی صورت نعم الأمیر علی باب الفقیر ہے (یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہے مگر ابن ماجہ میں دوسرے لفظوں سے ہے)۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے (یعنی جنت میں) ملنا چاہتی ہو تو دنیا میں اتنا حصہ تمہارے لیے کافی ہو جائے جتنا ایک مسافر کا توشہ ہوتا ہے اور مالداروں کی ہم نشینی سے بچو اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھو جب تک اس میں پیوند نہ لگالو۔

قولہ فلیکفك کزاد الراکب چونکہ راکب (گھوڑسوار) راحل اور راجل سے زیادہ تیز ہوتا ہے اس لیے راکب کا ذکر بالخصوص کم زادراہ سے کنایہ ہوا کہ صرف بقدر کفاف تھوڑا سا لیا کرو۔

قولہ وایاك ومجالسة الاغنیاء یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے دنیا کا شوق بڑھ جاتا ہے اور آخرت کی فکر کم یا ختم ہو جاتی ہے کما لایخفی۔

امام حاکم نے ایک اور حدیث کی تخریج کی ہے جو حضرت عبد اللہ بن الشخیر سے مرفوعاً مروی ہے: اقلوا الدخول علی الاغنیاء فانه احری الا تزدروا نعمة الله.

اغنیاء کے پاس بیٹھنا ہی نہیں چاہیے اگر عند الضرورت ایسی نوبت پیش آتی ہے تو کم سے کم وقت میں اپنا کام مکمل کر کے وہاں

سے اٹھنا چاہیے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عدم انہماک کی وجہ سے ان کی نمائش والی چیزوں پر رشک کا موقعہ نہیں ملے گا اس طرح آدمی کو دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کا موقع نہیں ملے گا۔

باب دخول النبی ﷺ مکة وله اربع غدائر

باب ۳۷: نبی اکرم ﷺ کا مکہ میں داخل ہونا

(۱۷۰۳) قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَكَّةَ وَلَهٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ.

ترجمہ: سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ مکہ تشریف لائے تو اس وقت آپ نے بالوں کو چار حصوں میں باندھا ہوا تھا۔

تشریح: اگر مرد کے بڑے بڑے بال ہوں تو عورتوں کی طرح چوٹیاں بنانا تو ان کی مشابہت ہے اور جائز نہیں لیکن اگر آدمی ان کی لٹیں بنالے یعنی چند حصے کر کے ان کو گول کرلے تو یہ جائز ہے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب فتح مکہ کے دن نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے بال چار لٹیں تھے۔ غدائر غدیرۃ کی جمع ہے بالوں کی لٹوں جوڑوں اور چٹیا کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

باب کیف کان کمام الصحابة؟

باب ۳۸: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں کیسی تھیں؟

(۱۷۰۴) كَانَتْ كِمَامُ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بُطْحًا.

ترجمہ: حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے اصحاب کی ٹوپیاں سر سے ملی ہوئی تھیں (یعنی اونچی نہیں ہوتی تھیں)۔

کمام (بالکسر) کمة (بالضم) کی جمع ہے اس کے معنی ہیں گول ٹوپی اور بطحا، ابطح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چپکی ہوئی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں سروں سے لگی ہوئی ہوتی تھیں اونچی نہیں ہوتی تھیں اور اگر کمام کم کی جمع ہے تو اس کے معنی ہیں آستین اور اس صورت میں بطح کے معنی ہیں چوڑی یعنی صحابہ کے کرتوں کی آستینیں تنگ نہیں ہوتی تھیں بلکہ چوڑی ہوتی تھیں امام ترمذی رحمہ اللہ کے ذہن میں یہی معنی ہیں مگر یہ حدیث انتہائی درجہ ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبداللہ بن بسر سکسکی حبرانی ابوسعید حمصی ضعیف ہے۔

باب فی مبلغ الازار

باب ۳۹: پائنچے کا مقام

(۱۷۰۵) اَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِعَضَلَةِ سَاقِيْ اَوْ سَاقِهٖ فَقَالَ هٰذَا مَوْضِعُ الْاِزَارِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاَسْفَلَ فَاِنْ اَبَيْتَ

فَلَاحَقَّ لِلْاِزَارِ فِی الْکَعْبَیْنِ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے میری (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) اپنی پنڈلی کا سخت حصہ پکڑا اور ارشاد فرمایا: یہ تہبند رکھنے کی جگہ ہے اگر تم نہیں مانتے تو ٹخنوں سے نیچے تہبند رکھنے کی جگہ ہے، اگر تم نہیں مانتے تو اس سے تھوڑا سا نیچے رکھ لیکن اگر یہ بھی نہیں مانتے تو ٹخنوں سے نیچے تہبند رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

یہ حدیث حسن درجہ کی صحیح ہے اس سے ثابت ہوا کہ مسنون طریقہ آدھی پنڈلی تک لنگی پہننا ہے اور ٹخنوں سے اوپر تک جائز ہے اور ٹخنوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔

باب العمائم علی القلانس

باب ۴۰: ٹوپی پر پگڑی باندھنے کا بیان

(۱۷۰۶) اَنَّ رُکَانَۃَ صَارَعَ النَّبِیَّ ﷺ فَصَرَعَہُ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ رُکَانَۃُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ فَرْقَ مَا بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْمُشْرِکِیْنَ الْعَمَائِمُ عَلَی الْقَلَانِسِ.

ترجمہ: ابوجعفر بن محمد بن رکانہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، رکانہ نے جب نبی اکرم ﷺ سے کشتی کی اور نبی اکرم ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا تو رکانہ نے یہ بات بیان کی ہے۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ہمارے اور مشرکین کے درمیان بنیادی فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے۔

تشریح: علماء نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک مشرکین بغیر ٹوپی کے پگڑی باندھتے ہیں اور مسلمان ٹوپی پہن کر اس پر پگڑی باندھتے ہیں یہ مطلب راجح ہے۔ دوم: مشرکین صرف ٹوپی پہنتے ہیں پگڑی نہیں باندھتے اور مسلمان ٹوپی پر پگڑی بھی باندھتے ہیں مگر یہ مطلب صحیح نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْخَاتَمِ الْحَدِیْدِ

باب ۴۱: لوہے کی انگوٹھی کا حکم

(۱۷۰۷) جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَعَلَیْہِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِیْدٍ فَقَالَ مَالِیْ اَرٰی عَلَیْکَ حِلْیَۃَ اَھْلِ النَّارِ ثُمَّ جَاءَہٗ وَعَلَیْہِ خَاتَمٌ مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ مَالِیْ اَجِدُ مِنْکَ رِیْحَ الْاَصْنَامِ ثُمَّ اَتَاہُ وَعَلَیْہِ خَاتَمٌ مِنْ ذَھَبٍ فَقَالَ مَالِیْ اَرٰی عَلَیْکَ حِلْیَۃَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ قَالَ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ اَتَّخِذُہٗ قَالَ وَرِقٌ وَلَا تُتِمَّہٗ مِثْقَالًا.

ترجمہ: عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کیا وجہ ہے؟ میں تمہارے اوپر اہل جہنم کا لباس دیکھ رہا ہوں؟ پھر وہ شخص آیا تو اس نے پیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا وجہ ہے؟ مجھے تم سے بتوں کی بو آ رہی ہے، پھر وہ شخص آپ کی

خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی آپ نے فرمایا۔ کیا وجہ ہے؟ میں تمہارے جسم پر اہل جنت کا زیور دیکھ رہا ہوں؟ اس نے عرض کی۔ پھر میں کون سی انگوٹھی پہنوں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ چاندی کی اور اس میں بھی تم ایک مثقال پورا نہ کرنا۔

تشریح: عورتوں کے لیے چاندی سونے کے علاوہ اور کسی بھی دھات کا زیور پہننا درست ہے جیسے پیتل گلٹ رانگا وغیرہ مگر انگوٹھی (عورتوں کے لیے بھی) سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں اور مردوں کو چاندی کے سوا کسی اور چیز کی انگوٹھی درست نہیں صرف چاندی کی جائز ہے۔

باب کراھیة التختم فی اصبعین

باب ۴۲: دو انگلیوں میں انگوٹھی پہننے کی کراہیت

(۱۷۰۸) نَهَانِي رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْقَسِيِّ وَالْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَاَنْ اَلْبَسَ خَاتَمِي فِي هٰذِهٖ وَفِي هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلَى السَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے ریشمی کپڑا پہننے سے، سرخ میسرہ استعمال کرنے سے اور اس انگلی میں انگوٹھی پہننے یعنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں (انگوٹھی پہننے سے) منع کیا ہے۔

تشریح: یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اور مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ اس انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ (مشکوٰۃ حدیث ۴۳۸۹)

باب ماجاء فی احب الثیاب الی رسول اللہ ﷺ

باب ۴۳: نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ لباس

(۱۷۰۹) كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَلْبَسُهَا الْحِبَرَةُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے نزدیک پسندیدہ لباس دھاری دار یمنی چادر تھی۔

کھانے کی اشیاء کے متعلق مختلف ابواب جو رسول ﷺ سے مروی ہیں

ماقبل ربط: ابواب الاطعمہ کو ماقبل کے ابواب سے ربط یہ ہے کہ ماقبل میں ابواب اللباس کو بیان فرمایا تھا ظاہر ہے کہ لباس وطعام دونوں اہم ضرورتوں میں سے ہیں حتیٰ کہ نفقہ زوجہ کے وجوب میں دونوں کی حیثیت برابر ہے بدیں مناسبت ابواب اللباس کے بعد ابواب الاطعمہ کو ذکر فرمایا ہے اور لباس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو مقدم کر دیا ہے۔

طیب وخبیث کا فرق ہے؟ کھانے پینے کے سلسلہ میں بنیادی بات طیب وخبیث کا فرق ہے۔

سورۃ الاعراف آیت ۱۵۷ میں نبی ﷺ کے جو اوصاف خمسہ بیان کئے گئے ہیں ان میں ہے:﴿وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ یعنی آپ ﷺ ستھری چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام رکھتے ہیں۔

مذاہب فقہاء: کہ طیب اور خبیث کی کسوٹی کیا ہے؟ عربوں کا ذوق یا نبی ﷺ کا ذوق؟

احناف: ذوق نبوی کا اعتبار کرتے ہیں جن کی دلیل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی مسلم شریف کی حدیث (۱۹۴۸) ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گوہ کا گوشت نہیں کھایا بلکہ ہاتھ کھینچ لیا تو حضرت فضل بن عباس اور حضرت خالد بن الولید اور ام حفید رضی اللہ عنہم نے اس کو کھایا مگر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لا آکل من شیٔ الا شیٔ یاکل منہ رسول اللہ ﷺ یعنی میں تو وہی چیز کھاؤں گی جو رسول اللہ ﷺ کھائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے گوہ نہیں کھائی، انہوں نے ذوق نبوی کا لحاظ کیا۔ احناف بھی اسی کا لحاظ کرتے ہیں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے، آپ ﷺ کی شریعت ساری دنیا کے لئے ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ: عربوں کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں یعنی جس کو عرب ستھرا سمجھتے ہیں وہ حلال ہے اور جس کو عرب گندہ سمجھتے ہیں وہ حرام ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بجو کی حلت میں مشہور قول ہے کہ وہ برابر صفا مروہ کے درمیان بکتا ہے اور لوگ کھاتے ہیں پس وہ حلال ہے، معلوم ہوا کہ حضرت نے عربوں کے ذوق کا اعتبار کیا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب کی کتابوں میں حلت وحرمت میں عربوں کے ذوق کا اعتبار ہے۔

غرض: یہ ایک ایسی بات ہے جس سے بعض حیوانات کی حلت وحرمت کا فیصلہ کرنے میں اختلاف ہوگیا ہے۔
طبعی کراہت: کہ ایک طبعی کراہت (ناپسندیدگی) ہے اور ایک کسی چیز سے گھن کرنا ہے یعنی نفرت کرنا۔
اوّل: مزاج خاصہ کا تقاضہ ہوسکتا ہے مگر ثانی کو حلت وحرمت کا معیار بنانا ہوگا ورنہ کوئی معیار باقی نہیں رہے گا مثلاً نبی ﷺ نے کبھی خرگوش پسند نہیں کیا یہ طبعی کراہت تھی، اس پر حلت وحرمت کا مدار یعنی وہ اس سے نفرت کریں تو اس کو حلال قرار دینا مشکل ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ عَلٰی مَاکَانَ یَأْکُلُ النَّبِیُّ ﷺ

باب ۱: نبی اکرم ﷺ جس چیز پر رکھ کر کھایا کرتے تھے

(۱۷۱۰) قَالَ مَا اَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی خُوَانٍ وَّلَا فِیْ سُکُرُّجَةٍ وَّلَا خُبِزَلَهٗ مُرَقَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلَامَ کَانُوْا یَأْکُلُوْنَ قَالَ عَلٰی هٰذِهِ السُّفَرِ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے کبھی بھی "چوکی" پر رکھ کر نہیں کھایا اور نہ ہی کبھی چھوٹے پیالے میں کھایا ہے اور نہ ہی آپ کے لئے کبھی چپاتی تیار کی گئی ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، پھر وہ لوگ کسی چیز رکھ کر کھایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔ عام دسترخوان پر۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات محدثین رحمہم اللہ نے ابواب الاطعمہ کے تحت مختلف عنوان قائم کر کے امت کو آپ ﷺ کی اتباع کی ترغیب دی ہے۔ خصائص کے علاوہ آپ ﷺ کی زندگی خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی، قابل اتباع ہے اور حقیقۃً امت کی کامیابی وکامرانی کا مدار بھی اسی پر ہے۔

خوان کی تفسیر:

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شمائل میں فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ عجمی ہے اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے اُونچی ہو اور اس میں پیر لگے ہوئے ہوں۔ ابن الفارس نے بھی اس کو عجمی قرار دیا ہے۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر ایسی چیز کے ساتھ کی ہے جس میں بڑے بڑے پیر لگے ہوئے ہوں جیسے میز۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پیتل وغیرہ کا بڑا طباق جس کے نیچے پیتل وغیرہ کی ٹانگیں لگی ہوئی ہوں کہ جس کا طول ایک ذراع ہو یہ برتن اتنا بڑا ہوتا تھا کہ اس کو دو یا اس سے زائد آدمی اٹھاتے تھے اور بڑے آدمی کے سامنے رکھا جاتا تھا۔ متکبرین کی یہ عادت تھی کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر کھانا کھاتے تاکہ سر نہ جھکانا پڑے جیسا کہ شراح حدیث نے بیان کیا ہے۔ راوی نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے متکبرین کی اس مکروہ عادت کو اختیار نہیں فرمایا۔

خوان پر کھانے کا شرعی حکم:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا خوان میز وغیرہ پر کھانا نہ کھانے سے کراہت ثابت ہوگئی۔ اس لئے کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔

کھڑے ہو کر کھانا مکروہ ہے:

عصر حاضر میں جب کہیں کوئی تقریب اور پروگرام ہوتا ہے تو فیشن اور رسم و رواج کی وجہ سے کھڑے ہو کر کھانا کھایا جاتا ہے، ٹیبل پر مختلف کھانے اور ڈشیں تیار کر کے رکھ دی جاتی ہیں، لوگ خوب چھینا جھپٹی کر کے آتے ہیں، پلیٹیں پکڑ کر اپنی پسند کا کھانا ڈال کر کھڑے ہو کر کھاتے ہیں بوجوہ متعددہ مکروہ ہے کما لا یخفی علی العاقل۔

ولا خبزله مرقق: خبز: آپ ﷺ کے لیے باریک نرم روٹی نہیں پکائی گئی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرقق سے مراد میدہ وغیرہ کی روٹی یا چپاتی ہے۔ علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بیان کیا ہے کیونکہ میدہ گیہوں کا ہوتا ہے اور گیہوں اس زمانہ میں قلیل تھا نیز آٹا چھاننے کے لیے چھلنیاں بھی نہیں تھیں چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ یونہی جو کے آٹے میں پھونک مار لیتے اور اسی طرح گوندھ لیتے تھے اور ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں۔

علامہ ابن التین کہتے ہیں کہ اس سے مراد پراٹھے یا کیک ہیں چونکہ اولاً تو اس زمانہ میں اتنی وسعت ہی نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ مالداروں کے کھانوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ نیز یہ چیزیں اکثار طعام کا بھی سبب ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس سے پرہیز فرمایا ہے۔

فقلت لقتادة... الخ اس کے قائل یونس ہیں۔ یعنی جب راوی نے یہ بیان کر دیا کہ آپ ﷺ میز وغیرہ پر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے ظاہر ہے کہ کھانا معظم چیز ہے اس کو تو زمین پر رکھا نہیں جا سکتا تو پھر کس چیز پر رکھ کر کھایا کرتے تھے تو راوی نے جواب دیا کہ ان کا کھانا عام چمڑے کے دسترخوانوں پر رکھا جاتا تھا۔ جن کو عام لوگ استعمال کرتے تھے نہ کہ بادشاہوں اور امراء کی طرح اُونچی چیز پر۔

لغات: "خوان" خوان بکسر الخاء وبضمها اور تیسری لغت اخوان بکسر الھزہ وسکون الخاء ہے اس کی جمع ہے اخونۃ، خون، اخادین۔ اس سے مراد میز ہے، جو کھانے کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے، لغات میں اس کا ترجمہ عموماً مطلق دسترخوان کیا جاتا ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "خوان" تانبے کا ایک بڑا طباق ہوتا تھا، اس کے نیچے تپائی کی طرح پائے ہوتے تھے، اسے کم از کم دو بندے اٹھاتے تھے، اس پر متکبر اور عیش و عشرت والے کھانا رکھ کر کھایا کرتے تھے۔

(ا) "سکرجة": (سین، کاف، اور را، پر پیش اور جیم پر زبر کے ساتھ) یہ فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں طشتری، چھوٹی رکابی، چٹنی وغیرہ کی طشتری، اس کی جمع ہے سکارج۔ سفر: (سین پر پیش اور فاء پر زبر کے ساتھ) یہ جمع ہے جس کا واحد سفرہ ہے اور سفرہ دراصل اس کھانے کو کہتے ہیں جو مسافر اپنے ساتھ کسی چمڑے میں لپیٹ کر لے جاتا تھا اب اسکا استعمال مطلق دسترخوان یا چمڑے کے دسترخوان پر ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ الْاَرْنَبِ

باب ۲: خرگوش کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۱۱) اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعٰى اَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ خَلْفَهَا فَاَدْرَكْتُهَا فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا بِمَرْوَةٍ فَبَعَثَ مَعِي بِفَخِذِهَا اَوْ بِوَرِكِهَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَكَلَهُ قَالَ قُلْتُ اَكَلَهُ قَالَ قَبِلَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "مر الظھران" کے مقام پر ہم لوگ ایک خرگوش کے پیچھے گئے نبی اکرم ﷺ کے اصحاب اس کے پیچھے بھاگے میں اس تک پہنچ گیا اور میں نے اسے پکڑ لیا میں اسے لے کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہوں نے ایک سخت پتھر کے ذریعے اسے ذبح کیا اور اس کی دو رانیں یا دو سرینیں میرے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھجوائیں تو آپ ﷺ نے انہیں کھالیا۔

تشریح: فبعث معی بفخذھا او بور کھا لفظ او شك کی وجہ سے ہے جو راوی کو پیش آیا ہے مگر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے فخذ اور ورك دونوں کو لے کر بھیجا ہو اور راوی نے بعض روایتوں میں ورک کا اور بعض میں فخذ کا ذکر کر دیا۔

خرگوش کا شرعی حکم:

والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسب عادت اکل ارنب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا ہے اور دو قول نقل کئے ہیں۔

دو مذہب ہیں: ① جمہور کے نزدیک خرگوش کھانا جائز ہے۔

② عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور عکرمہ رضی اللہ عنہم اکل ارنب کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

جمہور کے دلائل: ① حدیث باب جمہور کی دلیل ہے کہ خرگوش کا گوشت حلال ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اگر یہ حرام یا مکروہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے ہرگز قبول نہ فرماتے۔

② امام بخاری رحمہ اللہ نے باب الھبہ میں اس روایت میں مزید یہ بھی روایت کیا ہے: قلت واکله؟ قال واکل منه وقبله آپ ﷺ نے اسے کھایا اور قبول فرمایا۔

③ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خرگوش کھانے کا حکم دیا۔

④ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس خرگوش لایا تو آپ نے اسے کھانے کا حکم دے دیا اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس کا خون دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لہٰذا اسے کھالو۔ (تحفۃ الاحوذی ۵/۴۰۰)

قائلین کراہت کے دلائل: جو لوگ اکل ارنب کو مکروہ سمجھتے ہیں انہوں نے مختلف روایات سے استدلال کیا ہے۔

① روایت خزیمہ رضی اللہ عنہ بن جز قلت یا رسول اللہ ﷺ ما تقول فی الارنب. (اخرجہ ابن ماجہ) جس کا حاصل یہ کہ آپ ﷺ سے جب راوی نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ میں کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔

② دوم عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت جس کے الفاظ لا آکلھا ولا احرمھا ہیں۔ (اخرجہ الطبرانی)

③ سال جریر بن انس رضی اللہ عنہ النبی ﷺ عن الارنب فقال لا آکلھا انبئت انھا تحیض. (اخرجہ عبدالرزاق)

④ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت جس کے الفاظ جئی بھا الی رسول اللہ ﷺ وانا جالس فلم یاکلھا ولم ینه عن اکلھا وزعم انھا تحیض ہیں۔ (اخرجہ ابوداود)

روایات کراہت کے جوابات:

جواب ①: ان میں سے اکثر روایات متکلم فیہ ہیں جیسا کہ عینی اور ابن حجر رحمہما اللہ عسقلانی اور دیگر شراح نے تصریح کی ہے۔

جواب ②: یہ روایات حلت پر دال ہیں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لا احرمه عین دلیل حلت ہے۔

جواب ③: او پر پیش کی گئیں روایات میں صراحۃً وارد ہوا: لم ينه عنها وامر باكلها کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے کا حکم فرمایا۔

انها تدمی: اس کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ادماء کا معنی حیض نہیں ہے بلکہ اسالت دم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا گوشت تو سراسر خون ہی ہے کیونکہ جتنی بار بھی اس کو دھویا جاتا ہے تو اس سے خون ہی نکلتا ہے یہاں تک کہ دھوتے دھوتے اس کو ختم بھی کیا جا سکتا ہے تو گویا یہ دم مسفوح کے مشابہ ہو گیا اگرچہ شریعت نے اس کو خون تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو گوشت قرار دیا ہے۔

امام رافعی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت حرمت کی نقل کی ہے مگر علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے ہمارے حنفیہ میں کسی سے بھی عدم جواز مروی نہیں ہے اور نووی رحمہ اللہ نے بھی امام اعظم رحمہ اللہ سے حرمت کی روایت غلط نقل کی ہے چنانچہ امام کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا: لم يروا جميعا باسا باكل الارنب.

مسائل مستنبط

حدیث پاک سے مختلف مسائل معلوم ہوئے۔

① شکار کو اس کی جگہ سے بھڑکانے اور اس کا پیچھا کرنے کا جواز بشرطیکہ مصالح دینیہ فوت نہ ہوں: والا فقد ورد من اتبع الصيد غفل۔ (اخرجہ ابوداؤد والنسائی)

② شکار کا اس شخص کی ملکیت میں ہو جانا جو اس کو پکڑے خواہ شکار کو بھڑکانے والے اور بھی ہوں۔

③ شکار کے ہدیہ کرنے اور شکاری کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کا جائز ہونا۔

④ عظیم المرتبت شخص کی خدمت میں معمولی چیز کا ہدیہ پیش کرنا بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ اس سے ناراض نہیں ہوگا۔

خرگوش کے خاصیات

خرگوش جانوروں میں سب سے بزدل کثیر الشہوت جانور ہے۔ علامہ دمیری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس کی مؤنث کو حیض آتا ہے جس طرح دیگر بہت سے حیوانات کو حیض آتا ہے۔ علامہ دمیری کہتے ہیں کہ خرگوش کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو ایک سال مذکر اور ایک سال مؤنث رہتی ہے۔ فسبحان القادر علی کل شیء بقراط کہتے ہیں کہ اس کا گوشت گرم اور خشک ہے پیٹ کے لیے صفائی کا ذریعہ ہے اور پیشاب کثرت سے بہانے والا ہے اور اگر رات کو بستر پر پیشاب کرنے والے کو اس کا گوشت کھلایا جائے تو اس کے لیے نہایت

نافع ہے۔ بری خرگوش کا بھنا ہوا دماغ ایسے رعشہ کے لیے مفید ہے جو کسی بیماری کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو اس کے خون کو بطور سرمہ استعمال کرنے سے آنکھوں کے اندر بال نہیں اگتے۔

لغات: انفجّ یہ لفظ باب افعال سے ہے بمعنی باہر نکالنا۔ مر الظھران یہ مکہ مکرمہ کے شمال جانب تقریبا سولہ میل کے فاصلے پر ایک نخلستانی علاقہ ہے، جہاں تھوڑی بہت آبادی بھی ہے، وہاں سے مکہ مکرمہ میں سبزیاں لائی جاتی ہیں، مکہ کے لوگ سیر و تفریح کے لیے وہاں جاتے ہیں، آجکل اس جگہ کو "وادی فاطمہ" کہا جاتا ہے جو کہ ترکی عہد کی فاطمہ نامی ایک مالدار عورت کی طرف منسوب ہے۔ (حیات الحیوان ۱:۸۔۱)

مروۃ (میم پر زبر اور را کے سکون کے ساتھ)

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ الضَّبِّ

باب ۳: گوہ کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۱۲) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ اَکْلِ الضَّبِّ فَقَالَ لَا اٰکُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کھانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تو میں اسے کھاتا ہوں اور نہ ہی حرام قرار دیتا ہوں۔

تشریح: ضب کا شرعی حکم: مذاہب فقہاء: دو قول ہے: ① حضرات ائمہ ثلاثہ اسحاق بن راہویہ اور ظاہریہ جواز کے قائل ہیں۔

② حضرات احناف اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

قائلین کراہت احناف کے دلائل: ① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت انه اهدی للنبی ﷺ ضب فلم یاکله فقام علیه سائل فارادت عائشة رضی اللہ عنہا ان تعطیه فقال لها اتعطیه مالا تاکلین۔ (اخرجہ الطحاوی)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گوہ ہدیے میں دی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھائی ایک سائل کھڑا ہوا میں نے اُسے دینے کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو وہ چیز دے رہی ہے جو تو خود نہیں کھاتی۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے اور دوسروں کے لیے اکل ضب کو مکروہ سمجھا ہے۔

② حدیث عبد الرحمٰن بن حسنة قال نزلنا ارضا کثیرة الضبات. (الحدیث) وفیه انهم طبخوا منها فقال النبی ﷺ امة من بنی اسرائیل مسخت دواب فی الارض فاخشی ان تکون هذه فاکفوها قال الحافظ سنده علی شرط الشیخین۔ (اخرجہ ابوداؤد وابن حبان والطحاوی واحمد)۔ مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ گوہ کی صورت پر بنی اسرائیل کی ایک قوم مسوخ ہوئی ہے۔

③ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا کہ کسی قوم کا کسی جانور کی صورت پر مسخ ہونا اس جانور کے خبیث ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جانوروں کی حرمت کے بارے میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا اس کی

صورت پر کسی قوم کا مسخ ہوا ہے یا نہیں جیسے بندر وخنزیر ہے اگر چہ قوم مسوخ کی نسل باقی نہیں رہتی (کما ورد فی الحدیث) مگر اس جانور کی صورت پر مسخ ہونا بہر حال اس کے خبث کی علامت ہے۔ تو یقیناً یہ خبیث جانور ہے نیز وہ حشرات الارض میں سے ہونے کی بناء پر بھی خبیث ہے اور بنص قرآن و یحرم علیھم الخبائث گوہ حرام ہونی چاہئے۔

جمہور کے دلائل: جمہور ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں صراحتاً یا اشارۃً گوہ کھانے کا ذکر ہے:

① عن ابن عباس رضی اللہ عنھما عن خالد بن الولید رضی اللہ عنہ انہ دخل مع رسول اللہ ﷺ بیت میمونۃ رضی اللہ عنہا فاتی بضب محنوذ فاھوی الیہ رسول اللہ ﷺ بیدہ فقال بعض النسوۃ اخبروا رسول اللہ ﷺ بما یرید ان یاکل فقالوا ھو ضب یا رسول اللہ فرفع یدہ فقلت احرام ھو یا رسول اللہ فقال لا ولکن لم یکن بارض قومی فاجدنی اعافہ قال خالد فاحتززفاکلتہ و رسول اللہ ﷺ ینظر. (اخرجہ البخاری)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کے پاس بھُونی ہوئی گوہ لائی گئی آپ ﷺ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے بیویوں میں سے کسی نے کہا معلوم کرو آپ ﷺ کیا کھانا چاہتے ہیں انہوں نے کہا وہ گوہ ہے اے اللہ کے رسول ﷺ۔ آپ نے اپنا ہاتھ ہٹالیا میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ لیکن یہ عرب کی سرزمین میں نہیں پائی جاتی مجھے اس سے گھن آتی ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اُسے کھایا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے۔"

② دیگر وہ روایات ہیں جن میں لا اٰکلہ ولا احرمہ وارد ہے یا آپ ﷺ کے سامنے دسترخوان پر گوہ کھانے کا ذکر ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے۔ ان جملہ مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود تو گوہ کو تناول نہیں فرمایا مگر آپ ﷺ نے کھانے کی اجازت دی یا آپ ﷺ کے سامنے دوسروں نے دسترخوان پر کھائی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کا کھانا جائز ہے۔

ضب کا توحید ورسالت کی گواہی دینا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک محفل میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک اعرابی آیا یہ شخص گوہ کا شکار کر کے اسے اپنی آستین میں رکھ کر گھر لے جا رہا تھا تا کہ اسے بھون کر کھالے جب اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ ہجوم کس کے پاس جمع ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ اجتماع اس شخص کے آس پاس ہے جو نبوت کا دعویدار ہے۔ چنانچہ پھر وہ حضور ﷺ کے قریب آگیا اور لوگوں کو مشقت میں ڈال دیا، کہنے لگا قسم ہے لات وعزیٰ کی (اے محمد) نہیں جنا عورتوں نے ایسا کوئی انسان جو آپکے مقابلے میں میرے نزدیک زیادہ مبغوض اور قابل نفرت ہو اور اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اہل عرب مجھے جلد باز کہیں گے تو میں تجھے قتل کر کے سب لوگوں کو خوش کر دیتا یہ بیہودہ گوئی سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت چاہی کہ حضور مجھے اجازت دے دیجئے تا کہ میں اسے قتل کر دوں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں اے عمر! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بردبار شخص ہی نبوت کا مستحق ہوتا ہے۔

پھر وہ اعرابی نبی کریم ﷺ کے سامنے آیا اور کہا کہ لات اور عزی کی قسم میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ یہ گوہ تم پر ایمان نہ لے آئے یہ کہہ کر اس نے وہ گوہ اپنی آستین سے نکال کر حضور ﷺ کے سامنے چھوڑ دی اور کہا کہ اگر یہ گوہ تم پر ایمان لے آئے تو میں بھی تم پر ایمان لے آؤں گا۔

نبی کریم ﷺ نے اسے آواز دی یاضب! اے گوہ! آپ کی آواز سن کر نہایت ہی واضح اور فصیح زبان میں اس نے جواب دیا جس کو سب لوگ بھی سن رہے تھے۔ (اس گوہ نے یہ جواب دیا)

لبيك وسعديك يا زين من وافى القيامة: (میں حاضر ہوں، آپ خوب خوشحال اور خوش نصیب ہوں، اے قیامت میں آنے والے تمام لوگوں کی زینت) پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

من تعبد یاضب؟ (اے گوہ! تم کس کی عبادت کرتی ہو)؟ گوہ نے جواب دیا:

"الذی فی السماء عرشه، وفی الارض سلطانه، وفی البحر سبيله، وفی الجنة رحمته، وفی النار عذابه"

"میں اس ذات کی بندگی کرتی ہوں، جس کا عرش آسمانوں میں ہے، جس کی سلطنت زمینوں میں ہے، جس کے بنائے ہوئے راستے سمندر میں ہیں، جس کی رحمت جنت میں ہے اور جس کا عذاب جہنم میں ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا من انا یاضب؟ میں کون ہوں اے گوہ؟ گوہ نے جواب دیا:

انت رسول رب العالمين، وخاتم النبيين، وقد افلح من صدقك، وقد خاب من كذبك.

"آپ پروردگار عالم کے رسول اللہ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب رہا، اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ ناکام ہوا۔"

اس اعرابی نے کہا: اپنی آنکھوں سے معجزے کا مشاہدہ کرنے کے بعد اب میں کسی اور چیز کی پیروی نہیں کروں گا، چنانچہ گوہ کا جواب سنکر اس نے اسلام قبول کرلیا، اور کہا اللہ کی قسم میں جس وقت آپکی خدمت میں حاضر ہوا تھا، تو میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی بھی آپ سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، اور اب آپ میرے نزدیک میری جان اور میری اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ میرے جسم کا رواں رواں ظاہر و باطن سے آپ کا دلدادہ ہو چکا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تجھے اس دین کی ہدایت دی، جو دین کہ غالب ہے، مغلوب نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس دین کو نماز کے بغیر قبول نہیں فرماتے، اور نماز کو قرآن کے بغیر قبول نہیں فرماتے، اس اعرابی نے کہا کہ پھر مجھے قرآن سکھا دیجئے، حضور ﷺ نے اس کو سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص سکھا دی، اعرابی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اور بھی سکھا دیجئے، کیونکہ مختصر سے مختصر اور طویل سے طویل کلاموں میں بھی میں نے اس سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ پروردگار عالم کا کلام ہے، کوئی شعر نہیں ہے، لہٰذا جب تو سورہ اخلاص ایک مرتبہ پڑھ لے گا تو گویا تو نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا، اور جب تو اسے دو مرتبہ پڑھ لے گا تو گویا تو نے دو تہائی قرآن پڑھ لیا، اور اگر تین مرتبہ اسے پڑھ لیا تو گویا پورا قرآن مجید پڑھ لیا۔ اعرابی نے کہا: ہمارا معبود کس قدر اچھا ہے کہ تھوڑا سا عمل قبول کر کے اسکا ڈھیروں ڈھیر ثواب دیتا ہے، پھر حضور اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس مال و دولت ہے؟ اس نے بتایا کہ پورے قبیلہ بنو سلیم میں مجھ سے

زیادہ تنگدست کوئی نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اس کی مالی امداد کریں، چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے مال دیا اور مال دینے میں خوب فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اسے اللہ کی رضا کی خاطر دس ماہ کی گابھن اونٹنی دیتا ہوں جو اس قدر تیز رفتار ہے کہ آگے والے کو پالیتی ہے اور پیچھے والا بھی کوئی اس کو نہیں پکڑ سکتا، یہ وہی اونٹنی ہے جو غزوہ تبوک کے لیے بھیجی تھی، اس پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جو کچھ دیا ہے اسے بیان کر دیا ہے، اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ جو تم کو عطا فرمائے گا میں اس کو بیان کروں؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! حضور بیان فرمادیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم کو اسکے بدلے میں ایک ایسی اونٹنی ملے گی جو شاندار اور کشادہ بڑے موتی کی طرح ہوگی جس کے پاؤں سبز زمرد کے اور گردن (یا آنکھیں) زرد زبرجد کی ہوں گی، اس پر ایک کجاوہ ہوگا، جس پر باریک اور موٹا ریشم ہوگا، یہ اونٹنی تمہیں پل صراط پر سے آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی بجلی کی مانند لے کر گزر جائے گی، اس دن جو بھی تجھے دیکھے گا وہ رشک کرے گا (کہ کاش یہ فضیلت مجھے بھی حاصل ہوتی)، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا (اے اللہ کے رسول ﷺ) میں راضی ہوں۔ پھر وہ اعرابی حضور ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلے تو ان کی ملاقات قبیلہ بنوسلیم کے ان ہزار گھوڑ سوار اعرابیوں سے ہوئی، جن کے پاس ایک ہزار تلوار اور ایک ہزار نیزے تھے، اس مومن اعرابی نے ان سے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس شخص (جھوٹے نبی) کو قتل کرنے جا رہے ہیں، جس نے ہمارے معبودوں کو غلط قرار دیا، مؤمن اعرابی نے کہا کہ تم ایسا (یعنی قتل) نہ کرو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تم بھی صابی ہو گئے (یعنی اپنے آباؤ واجداد کے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا) تو پھر انہوں نے اپنا پورا قصہ ان لوگوں کو سنایا، قصہ سنکر سب لوگوں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور مشرف باسلام ہو گئے۔ اس حیرت انگیز واقعہ کا علم جب حضور ﷺ کو ہوا تو آپ نے ان سب کا چادر سے استقبال کیا پھر وہ اپنی سواریوں سے اتر آئے، اور ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ آپ لوگ حضرت خالد بن ولید کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ، آپ کے زمانہ مبارک میں قبیلہ بنوسلیم کے ان ہزار لوگوں کے علاوہ اتنی بڑی تعداد میں ایک ساتھ پھر کبھی نہ عرب میں لوگ ایمان لائے اور نہ عجم میں (یہ فضیلت اسی قبیلے کے ان ہزار لوگوں کو حاصل ہوئی ہے)۔

خاصیات گوہ

الضب: بفتح الضاد المعجمة و تشدید الباء بری جانور ہے۔ مؤنث کے لیے ضبۃ آتا ہے اور جمع ضباب واضب آتی ہے۔ اس کو فارسی میں سوسمار اور ہندی میں گوہ یونانی زبان میں انفوطانس کہتے ہیں یہ قد میں بلی سے چھوٹا جانور ہے اور اس کی دم انتہائی چھوٹی ہوتی ہے اور اس کا رنگ زردی اور سیاہی کے درمیان ہوتا ہے۔ دیار عرب میں یہ جانور کثیر الوجود ہے۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جانور پانی نہیں پیتا اور سات سو سال سے زائد زندہ رہتا ہے **(کما قالہ ابن خالویہ)** چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے اس کے دانت الگ الگ نہیں ہوتے بلکہ ملے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی نہیں گرتے گرمی اور

سردی کے اثر سے اس کے رنگ میں تلون ہوتا رہتا ہے مذکر کے دوذکر ہوتے ہیں۔ بچھو سے اس کی دوستی ہے۔ اس لئے اس کو اپنے بھٹ میں جگہ دیتی ہے تا کہ جب کوئی شکاری اس کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو بچھو اس کو ڈس لے اس کی طبیعت میں نسیان اور بھٹکنا ہے اسی وجہ سے یہ اپنا بھٹ کسی پتھر یا ٹیلہ کے پاس بناتی ہے تا کہ آتے جاتے نہ بھولے کبوتر جیسے انڈے دیتی ہے جن کی تعداد ستر سے بھی زائد ہوتی ہے اور جب انڈے دینے کا ارادہ کرتی ہے تو زمین میں گڑھا کھودتی ہے اور اس گڑھے میں انڈا دے کر مٹی ملا دیتی ہے اور روزانہ ان کو سیتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ چالیس دن میں بچہ نکل آتا ہے۔ اس کی کنیت ابوحسل ہے بکسر الحاء وسکون السین واللام۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ الضَّبُعِ

باب ۴: بجو کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۱۳) قُلْتُ لِجَابِرٍ اَلضَّبُعُ صَيْدٌ هِيَ قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ اٰكُلُهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ لَهٗ اَقَالَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ.

ترجمہ: ابن ابو عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کیا بجو شکار ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں! میں نے دریافت کیا، کیا میں اسے کھا سکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں میں نے دریافت کیا، کیا یہ بات نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔

(۱۷۱۴) سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَكْلِ الضَّبُعِ فَقَالَ اَوَ يَاْكُلُ الضَّبُعَ اَحَدٌ وَسَاَلْتُهٗ عَنِ الذِّئْبِ فَقَالَ اَوَ يَاْكُلُ الذِّئْبَ اَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ.

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے بجو کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کوئی شخص بجو کھا سکتا ہے؟ میں نے آپ سے،، بھیڑیا، کھانے کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا کوئی ایسا شخص بھیڑیئے کو کھا سکتا ہے، جس میں بھلائی موجود ہو؟

مذاہب فقہاء: بجو کا شرعی حکم: ① امام شافعی، احمد بن حنبل رحمہما اللہ، اسحاق بن راہویہ کے نزدیک کھانا جائز ہے نیز ظاہر یہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

② جمہور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اکل ضبع کی حرمت کے قائل ہیں اور جمہور علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ ادلہ کے تعارض کی بناء پر کراہت کے قائل ہیں۔

جمہور قائلین حرمت کے دلائل: ① حبان رحمہ اللہ بن جزء کی روایت کہ حبان بن جزء نے اپنے بھائی خزیمہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے بجو کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا بجو کو بھی کوئی آدمی کھاتا ہے (جس

میں خیر ہو) یہ روایت بجو کھانے کے عدم جواز پر صراحۃ دال ہے۔(رواہ الترمذی)

② وہ اثر جو سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق بن راہویہ اور ابو یعلی وغیرہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کوئی قوم بجو کھاتی ہے؟ انہوں نے کہا ان اکلھا لایحل اس وقت ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ مجھ سے عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا: نھی رسول اللہ ﷺ عن اکل کل ذی خطفۃ ونھیبۃ ومجثمۃ وکل ذی ناب من السباع. عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مصنف میں اسی کے قریب قریب بطریق سفیان ثوری ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے بجو کے کھانے کو حلال نہیں فرمایا پھر ان کا یہ قول ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت سے مؤید بھی ہو گیا کیونکہ بجو حملہ آور جانور ہے اور آپ ﷺ نے ایسے جانور کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

③ آیت شریفہ ﴿وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف:۱۵۷) کہ مسلمانوں کے حق میں خبیث جانور حرام کیے گئے ہیں اور بجو اخبث الحیوانات ہے کیونکہ یہ انسان کے گوشت اور اس کے خون کا بہت عاشق ہے حتی کہ قبر کھود کر مردار انسان کو بھی کھالیتا ہے۔ کمامر لہٰذا اس کے خبیث ہونے میں کیا شک ہے اس لیے بجو آیت کے تحت داخل ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

قائلین اباحت کے دلائل: جو حضرات بجو کھانے کو مباح قرار دیتے ہیں انہوں نے مختلف روایات سے استدلال کیا ہے۔

① حدیث باب جس کا حاصل یہ ہے کہ راوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بجو کے شکار ہونے اور اپنے کھانے کے بارے میں پوچھا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مثبت جواب دیا اور جب راوی نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے یونہی فرمایا ہے تو اس پر بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نعم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بجو کا کھانا جائز ہے۔

② حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: الضبع صید وجزاہ کبش مسن ویؤکل.
"بجو شکار ہے اور اس کے قتل کرنے کی جزاء ایک سال والا مینڈھا ہے اور بجو کو کھایا جاسکتا ہے۔"
قال الحاکم ھو صحیح اسنادا وذکرہ ابن السکن فی صحیحہ قال الترمذی سالت البخاری عنہ فقال انہ حدیث صحیح. یہ روایت جواز اکل ضبع پر صریح دال ہے۔

③ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ وہ بجو کھایا کرتے تھے۔

جواب: روایات دونوں طرح کی ہیں بعض سے حلت اور بعض سے حرمت معلوم ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ادلہ کے تعارض کے وقت احتیاطاً حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لہٰذا دلائل احناف راجح ہوں گے۔

الضبع: ضبع بفتح الضاد وضم الباء ابن الانباری اور ابن ہشام رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اس کا اطلاق اسم جنس ہونے کی وجہ سے مذکر ومؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مؤنث کے لئے ضبعانۃ اور مذکر کے لئے ضبعان بولتے ہیں۔ مذکر کی جمع ضباعین اور مؤنث کی ضبعانات آتی ہے۔ اور ضباع کا اطلاق مثل سباع کے مذکر ومؤنث دونوں پر ہوتا ہے (کما قالہ الجوھری) ضبع کی تصغیر اضیبع بتقدیم الیاء المثناۃ علی الباء الموحدۃ آتی ہے یہ ایک جانور ہے جس کو ہندی زبان میں بجو کہتے ہیں۔

بجو کے خاصیات اور عجائبات:

یہ جانور ایک سال مذکر اور ایک سال مؤنث رہتا ہے۔علامہ جاحظ، زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اور قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ حالت ذکورۃ میں حاملہ ہوتا ہے اور حالت انوثت میں بچہ جنتا ہے۔علامہ ابن الصلاح اور ارسطاطالیس وغیرہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔یہ جانور انسان کے گوشت اور خون کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے اور اتنا عاشق ہے کہ قبر سے مردہ کو نکال کر کھا لیتا ہے اور سوتے ہوئے آدمی کے سر کے نیچے گڑھا کھود کر اس کا خون پی لیتا ہے نہایت فسادی جانور ہے اور ہر جانور پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے اور حماقت میں مشہور ہے اگر بجو اور بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ میں ہوں تو بکریاں محفوظ رہتی ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے دفاع میں مشغول رہتے ہیں۔حتیٰ کہ اہل عرب سے دعا منقول ہے اللھم ضبعا وذئبا ای اجمعھما بجو کی چربی کلکھنے کتے کے زہر کے لیے دافع ہے۔اس کا پتہ قاطع شہوت ہے اور اس کے پت سے بنا ہوا سرمہ آنکھوں کے پانی اور اس کی ظلمت کے لیے دافع ہے اور اس کی کھال کی چھلنی میں بیج چھان کر بونے سے کھیتی کی ٹڈی سے حفاظت ہوتی ہے اگر اس کی آنکھ انگوٹھی میں جڑ والی جائے تو جادو کے اثر سے اور نظر سے حفاظت رہتی ہے نیز اس انگوٹھی کا پانی مسحور شخص کو پلانے سے جادو کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔جو شخص اس کی زبان اپنے پاس رکھے تو کتے اس کو نہیں بھونکیں گے چنانچہ چور رات کو ایسا ہی کرتے ہیں اور اس کے خون کو پینے سے وساوس ختم ہو جاتے ہیں۔

تعبیر: اگر کوئی شخص بجو کو خواب میں دیکھے تو یہ اس کے کاشف اسرار ہونے کی علامت ہے اور وہ لایعنی باتوں میں مبتلا ہے نیز اس کی ملاقات کسی کمینی ذلیل عورت سے ہوگی۔علامہ ارطامیدروس کہتے ہیں کہ اس کو خواب میں دیکھنا دھوکہ دینے کی علامت ہے اور جو شخص خواب میں اس پر سوار ہوا اس کو بادشاہت ملے گی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْخَیْلِ

باب ۵: گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں

(۱۷۱۵) اَطْعَمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لُحُوْمَ الْخَیْلِ وَنَہَانَا عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھوڑوں کا گوشت کھلایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

مذاہب فقہاء: گھوڑے کے گوشت کا حکم؟ گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

① شافعیہ، حنابلہ، حنفیہ میں سے امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت بغیر کسی کراہت کے حلال ہے، ان حضرات کا استدلال حدیث باب سے ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گھوڑوں کا گوشت کھلایا۔

دوسرا مذہب: امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پہلے قول کے مطابق گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔

احناف، مالکیہ کے دلائل: ① سنن ابوداؤد میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

② صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بطور احسان جتلانے کے فرمایا: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً﴾ (النحل:۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، خچر اور گدھوں، کے صرف دو منافع ذکر فرمائے ہیں، ایک سواری اور دوسرا زینت، اگر ان کا کھانا حلال ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے بھی ذکر فرمادیتے کہ گھوڑا حلال ہے، اور جب ذکر نہیں فرمایا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ گھوڑا حلال نہیں ہے۔

فائدہ: الدر المختار میں علامہ حصکفی نے اسکی تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے اپنی وفات سے تین دن قبل حرمت کے قول سے رجوع کرلیا ہے۔

بہرحال اب حنفیہ کے ہاں فتوی اس پر ہے کہ گھوڑے کا گوشت صرف مکروہ تنزیہی ہے، اور یہ کراہت اس کے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے اعزاز واکرام کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جہاد کا ایک اہم آلہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی:۵:۴۰۶)

الخیل: گھوڑوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے اس کا من لفظہ کوئی واحد نہیں ہے جیسے قوم، رہط اور نفر کا کوئی مفرد نہیں مطلقاً لوگوں کی جماعت پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ مؤنث ہے اور اس کا مفرد خائل ہے اس کی جمع خیول آتی ہے کہ اس کی تصغیر خییل آئی ہے۔

خیل کی وجہ تسمیہ: یہ ہے کہ وہ اپنے چلنے میں مٹک کر اور جھوم کر چلتا ہے اس وجہ سے اس کو خیل کہتے ہیں۔ اس کی کنیت ابو شجاع، ابومدرک، ابومضی ابوالمضمار اور ابوالمنجی ہے۔

گھوڑے کی فضیلت:

صحیح بخاری میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں انگلیوں سے گھوڑے کی پیشانی کو جھکائے ہوئے فرمارہے ہیں: **الخیل معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة الاجر والغنیمة.** یعنی گھوڑے میں قیامت تک خیر ہی خیر ہے کہ اجر بھی ہے اور مال غنیمت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی قسم کھائی ہے: چنانچہ فرمایا: **والعدیت ضبحا فالموریت قدحا.**

اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب گھوڑے کو پیدا کیا تو دیگر مخلوقات کے ساتھ گھوڑے کو بھی آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا اور حکم ہوا کہ میری مخلوق میں سے جس چیز کو تو پسند کرے تو حضرت آدم علیہ السلام نے گھوڑے کو پسند کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اخترت عزك وعز ولدك.** یعنی تو نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے عزت کی چیز کو پسند کیا ہے۔

سب سے پہلے گھوڑے پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سواری کی ورنہ اس سے پہلے یہ وحشی تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ارکبوا الخیل فانها میراث ابیکم اسماعیل علیه السلام** یعنی گھوڑے کی سواری کرو یہ تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔ (رواہ الحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

گھوڑے کے خاصیات:

یہ جانور بعض خصائل، کرم، شرافت نفس، علو ہمت میں انسان کے مشابہ ہے۔ اس کا گوشت قاطع ریاح ہے۔ اگر عورت برذون

گھوڑے کا خون پی لے تو کبھی حاملہ نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی عورت گھوڑی کا دودھ پی لے اور وہ نہ جانتی ہو کہ گھوڑی کا دودھ پی رہی ہے اور پھر اس کا شوہر اس سے مجامعت کرے تو وہ حاملہ نہ ہوگی۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِیَّةِ

باب: ان روایات کے سلسلہ میں جو پالتو گدھوں کے گوشت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

(۱۷۱۶) نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ زَمَنَ خَیْبَرَ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ.

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زہری کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو عبداللہ اور حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جو امام محمد بن علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں انہوں نے اس روایت کو اپنے والد کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی جنگ کے موقع پر خواتین کے ساتھ متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا۔

(۱۷۱۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ حَرَّمَ یَوْمَ خَیْبَرَ كُلَّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَالْمُجَثَّمَةِ وَالْحِمَارِ الْاِنْسِیِّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر نوکیلے دانتوں والے درندوں کا گوشت کھانے اور جانور کو باندھ کر اس پر نشانے بازی کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

تشریح: متعہ اور نسخ متعہ کی تحقیق بمع دلائل باب فی نکاح المتعہ گزر چکی ہے۔

روافض کے ہاں متعہ کا مقام:

شیعہ کے نزدیک متعہ ایک عظیم عبادت ہے، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ایک مرتبہ متعہ کرتا ہے تو اس کا درجہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے برابر ہوجاتا ہے اور اگر یہ سعادت دوسری مرتبہ حاصل ہوجائے تو وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مساوی ہوجاتا ہے۔ اور جو تین مرتبہ متعہ کرلے تو اس کا درجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر ہوجاتا ہے، اور جو چار مرتبہ کرلے اس کا درجہ (نعوذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہوجاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ متعہ کرنے والا جب متعہ کے بعد غسل کرتا ہے تو دوران غسل گرنے والے قطرات میں ہر ہر قطرہ سے فرشتہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس متعہ کرنے والے کے لیے مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کرتا رہتا ہے۔ متعہ کی یہ فضیلت خود ان کی کتابوں میں درج ہے۔

حلت متعہ پر روافض کا استدلال:

قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت (نمبر ۲۴) سے استدلال کرتے ہیں:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا﴾ (النساء: ۲۴)

" اس لیے جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضا مندی سے جو طے کرلو، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔"

"استمتاع" کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متعہ کا اور "اجورھن" سے اجرت کا اثبات کرتے ہیں۔

نیز حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی قرأت میں ﴿اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ (لقمان:۲۹) گویا کہ اس میں اجل (مدت) متعہ اور اجرت تینوں چیزوں کا ذکر ہے، اسی کا نام "متعہ" ہے لہٰذا متعہ کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے لیکن روافض کا بیان کردہ مفہوم درست نہیں ہے، اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب تم ان حلال عورتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلو اور اس کے بعد استمتاع یعنی نکاح کے بعد صحبت و مباشرت اور ازدواجی تعلقات قائم کرلو تو پھر اس کا پورا مہر ادا کرو، فما استمتعتم سے کسی نئی چیز کا حکم نہیں دیا جارہا بلکہ یہ سابقہ کلام سے متعلق ہے، اور اسی کا تتمہ ہے، لہٰذا اہل تشیع کا یہ کہنا کہ اس سے نکاح متعہ کا اثبات ہے، درست نہیں ہے۔

اور "منھن" کی ضمیر منکوحہ عورتوں کی طرف لوٹ رہی ہے، اور "اجورھن" سے مہر مراد ہے، کیونکہ "اجر" کا لفظ قرآن مجید کی دوسری آیت میں مہر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسے ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ (النساء:۲۵) اس میں بالاتفاق اجر سے مہر مراد ہے، اس لیے زیر بحث آیت میں بھی اجر سے مہر ہی مراد ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات سے شیعہ کا استدلال اس لیے درست نہیں ہے کہ وہ قرات شاذہ ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

اہلسنت والجماعت کے نزدیک نکاح متعہ حرام ہے:

اس پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع بھی اور درایت بھی دال دال ہے کہ یہ حرام ہے۔ آیت قرآنی: ﴿اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ﴾ (المومنون:٦) اور ظاہر ہے جن سے منع کیا گیا ہے وہ نہ تو زوجہ کے تحت داخل ہے زوجین کے احکام جاری نہ ہونے کی وجہ سے مثلاً حکم وراثت اور نہ ہی ملوکہ کے تحت داخل ہے پس یہ داخل ہے ﴿فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ﴾ (المومنون:۷) کے تحت اس لیے حرام ہے لیکن بایں ہمہ حد جاری نہ ہوگی اس لیے کہ حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہیں ممکن ہے متعہ کرنے والے کو اس کا علم نہ ہو۔

سوال: یہ آیت کریمہ قرآن کی دوسورتوں میں ہے سوۃ مؤمنون اور سورۃ معارج اور یہ دونوں مکی سورتیں ہیں اور متعہ کی حرمت سن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر ہوئی ہے اگر آیتوں میں متعہ کو داخل کریں گے تو مطلب ہوگا کہ متعہ حرام ہوگیا ہجرت سے پہلے حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سن ۷ھ میں متعہ کی حرمت ہوئی فکیف الاستدلال ایہا الجمہور؟

جواب: اکثر آیات کے اعتبار سے مکی ہیں لیکن بعض آیات مدنی ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ اکثر آیات کی وجہ سے سورۃ مکی ہوئی ہیں ،، حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ سورتیں بجمیع آیات مکی ہیں لہٰذا یہ جواب دینا صحیح نہیں۔

جواب: اگر مان لیا جائے کہ تمام آیات مکی ہیں تو پھر جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ احکام پہلے نازل ہوتے ہیں اور آیتیں بعد میں نازل ہوتیں ہیں جیسے وضو کا حکم اور ایسے ہی اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ آیتوں کا نزول پہلے اور حکم بعد میں۔

جیسے اس کی نظیر ﴿لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ﴾ (المائدہ:۱۰۵) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت پر عمل کرنے کا وقت نہیں آیا

یہ اس وقت جب بالکل مایوس ہوجائے کہ یہ تبلیغ قبول نہیں کریں گے یہ آیت پہلے نازل ہوئی حکم بعد میں۔

نیز استدلال اسی میں بند نہیں دیگر آیات بھی دال ہیں مثلاً: ﴿اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ...الخ﴾ (النساء: ۳) جب جور کا خوف ہو تو ایک حرہ یا مملوکہ سے نکاح کرلو اس سے معلوم ہوا کہ بوقت خوف احدالامراتین جائز ہے یا نکاح یا مملوکہ اس سے معلوم ہوا کہ حالت عدم جور میں بھی اباحت منحصر ہے احدالامرین میں زوجہ ہو یا مملوکہ ہو اور متعہ والی عورت نہ زوجہ ہے نہ مملوکہ اور زوجیت والے احکام جاری نہیں ہوئے۔

حدیث علی دلیل نمبر ۲: حدیث علی نہی عن المتعہ: امامت کے قائل حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقتدی مانتے ہیں کم از کم ان ہی کی بات مان لو ویسے بھی وفی الباب کے تحت احادیث کثیرہ قدر مشترک تواتر ہے جو کہ حرمت متعہ دال ہیں۔

دلیل نمبر ۳: امت کا اجماع ہے اس کی حرمت پر سوال ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ابتداءً اختلاف تھا۔

جواب: ترمذی میں موجود ہے کہ ان کا رجوع ثابت ہے اب یہ کہنا کہ وہ متعہ کے قائل تھے یہ مدعی ست گواہ چست والی بات ہے۔

دلیل نمبر ۴: درایت کا مقتضی بھی یہی ہے کیونکہ مقاصد نکاح متعہ سے پورے نہیں ہوتے مثلاً توالد تناسل وراثت یہ مقاصد پورے نہیں ہوتے۔

متعہ کی حرمت کب ہوئی؟

اس میں مختلف روایات ہیں ترمذی کی روایت میں ہے کہ خیبر کے موقع پر اور بعض روایات میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر غزوہ اوطاس، غزوہ حنین، عمرۃ القضاء حجۃ الوداع ان تمام کے بارے میں روایات موجود ہیں؟

جواب: غزوہ خیبر اور عمرۃ القضاء کا زمانہ قریب قریب ہے قرب کی وجہ سے بعض نے عمرۃ القضاء اور بعض نے غزوہ خیبر نقل کردیا باقی غزوہ اوطاس اور غزوہ حنین اور فتح مکہ کا سفر ایک ہے اس لیے غزوہ اوطاس کی طرف منسوب کردیا البتہ ایک روایت غزوہ تبوک کی بھی ہے وہ ضعیف ہے اور ایک حجۃ الوداع کی بھی ہے وہ مؤول ہے اصل تقابل دو راویتوں میں ہے غزوہ خیبر اور فتح مکہ والی۔

تطبیق ①: نسخ دو مرتبہ ہوا ہے پہلے اباحت تھی خیبر میں نہی ہوئی پھر فتح مکہ میں تین دن کے لیے اباحت ہوئی پھر دوبارہ نسخ ہوگیا زیادہ سے زیادہ نسخ مرتین لازم آئے گا اور وہ جائز ہے۔

تطبیق ②: غزوہ خیبر کے موقع پر تحریم ہوئی ہے جیسے میتہ اور خنزیر کی تحریم ایسے ہی یہ تحریم ہوئی لیکن حالت اضطرار کے ماسواء میں حالت اضطرار میں میتہ اور خنزیر پر مباح ہوجاتا ہے۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر تحریم بالکلیہ ہوئی نہ حالت اختیار میں اباحت باقی رہی اور نہ ہی اضطرار میں۔

تطبیق ③: یہ ہے کہ اصل نہی غزوہ خیبر کے موقع پر ہوئی لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم نہ ہوا انہوں نے یہ سمجھ کر کہ ابھی نسخ نہیں ہوا اس لیے فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے پھر اس کا ارتکاب کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کردیا کہ متعہ حرام ہے جنہوں نے پہلے سنا نہیں تھا انہوں نے سمجھا کہ انشاء تحریم ہے حالانکہ یہ اشاعت تحریم تھی یہی اعلان مختلف مواقع پر کیا اور یہی تاویل ہے حجۃ الوداع کی۔

متعہ بالمعنی المعروف کبھی مباح ہوا ہی نہیں: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ بالمعنی المعروف کبھی مباح ہوا ہی نہیں چہ جائیکہ

اس کا نسخ ہوا ہو باقی احادیث میں جو نسخ کا ذکر ہے یہ ایک خاص قسم کا نکاح تھا یہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا اس کا ذکر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ اگر کوئی آدمی سفر میں ہوتا وہ کسی جگہ ٹھہرتا تو کھانے پینے کے لیے ساز و سامان کی حفاظت کے لیے کسی عورت سے نکاح کر لیتا اور دل میں یہ ہوتا کہ ضرورت پوری کرنے کے بعد طلاق دیدوں گا زبان سے تلفظ نہ ہوتا ابتداءً اس کی گنجائش تھی بعد میں اس بھی نسخ ہو گیا۔

لغات: **الحمر ا الاھلیۃ:** حمر حمار کی جمع ہے اور اس کی جمع حمیر اور احمرہ بھی آتی ہے مؤنث کے لیے حمارۃ مستعمل ہے مذکر کی کنیت ابو صابر، ابو زیاد اور مؤنث کی ام محمود، ام تولب، ام جحش، ام نافع، ام وہب ہے۔ **اھلیہ بمعنی انسیتہ** (کما ورد فی الروایۃ اخرجہ البخاری) ضد الوحشیۃ جس کے معنی پالتو کے ہیں۔ **ذی ناب:** کچلی والا جانور، اس سے وہ تمام جانور مراد ہیں جن کے تند و تیز شکاری دانت ہوتے ہیں، اور انہی دانتوں سے وہ چیر پھاڑ کرتے ہیں اور شکار کرتے ہیں جیسے بھیڑیا، شیر، چیتا اور بلی وغیرہ۔ **المجثمۃ:** (میم پر پیش، جیم پر زبر اور تاء پر تشدید اور زبر) وہ جانور جسے گھونٹ کر مار دیا جائے یا وہ جسے زمین میں گاڑ کر یا کسی چیز سے باندھ کر نشانہ بنا کر تیر یا گولی ماری جائے، اور ذبح کے بغیر ہی وہ مر جائے کہا جاتا ہے۔ **جثمہ:** اتنا گھونٹنا کہ دم نکل جائے، گھونٹ کر مار دینا، کسی شئی کو نشانہ بنا کر تیر وغیرہ مارنا۔

گدھے کے خواص:

گدھے اور گھوڑے کے علاوہ کوئی ایسا جانور نہیں ہے جو اپنی غیر جنس سے جفتی کرے اور مؤنث کے حمل رہ جائے۔ جب گدھا تیس ماہ کا ہو جاتا ہے تو جفتی کرنے لگتا ہے۔ اس کی ایک قسم ایسی ہے جو بوجھ کو جانوروں میں سب سے زیادہ اٹھا لیتی ہے اور ایک قسم ایسی ہے جو دوڑنے میں گھوڑوں سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ گدھا راستوں کی معلومات خوب رکھتا ہے حتیٰ کہ اگر ایک مرتبہ کسی راستے سے گزر جائے تو اس کو وہ محفوظ ہو جاتا ہے لوگوں نے گدھے کی تعریف اور برائی دونوں ہی بیان کی ہیں جیسا کہ اہل عرب کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ وہ بلادت و بلاہت میں مشہور ہے کہ عرفاً گدھا کہہ کر بیوقوفی سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے کان کی میل کو کسی پینے والی چیز میں ملا کر پیا جائے تو نیند آئے گی۔ اگر کوئی شخص اس کی دم کا بال اس کے جفتی کرتے وقت اکھاڑ کر اپنی ران میں باندھ لے تو اس کی شہوت میں بھڑکاؤ ہو جائے اگر اس کا گوشت پکا کر اس میں پانی بھر دیا جائے پھر اس میں ٹیٹنس والے مریض کو بٹھا یا جائے تو وہ شفا پائے۔ اگر اس کے کھر کی انگوٹھی بنا کر کسی بے ہوش کو پہنا دی جائے تو اس کو ہوش آ جائے اور اگر وہ مرگی کا مریض ہے تو اس سے نجات پا جائے۔ اس کی پیشانی کی کھال بچوں کے گلے میں ڈالی جائے تو بچے سوتے ہوئے نہیں گھبرائیں گے۔ اس کی لید پر اگر سرکہ چھڑک کر سونگھا جائے تو نکسیر بند ہو جائے۔

تعبیر: اگر کوئی شخص اس کو خواب میں دیکھے تو اس کو غلام یا اولاد یا کوئی اور خیر حاصل ہوگی یا علمی سفر ہوگا: **لقولہ تعالیٰ:** ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ (الجمعہ: ۵) اور بعض مرتبہ اس کو خواب میں دیکھنا مصائب و شدائد سے خلاصی کی طرف اشارہ ہے اور بلند مراتب کے حصول پر دال ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے دیکھا کہ وہ گدھے کو ذبح کر رہا ہے تا کہ اس کا گوشت کھائے تو یہ رزق میں وسعت پر دال ہے اور اگر اس کو ذبح کرتے دیکھے مگر کھانے کے لیے نہیں تو یہ اس کے معاش کے فاسد ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر اس نے یہ دیکھا کہ گدھے کو پچھاڑ دیا تو اس کے بعض اقارب کے مرنے کی طرف اشارہ ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْاَکْلِ فِیْ اٰنِیَةِ الْکُفَّارِ

باب ۷: کفار کے برتنوں میں کھانے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۱۸) سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ قُدُوْرِ الْمَجُوْسِ فَقَالَ اَنْقُوْهَا غَسْلًا وَاطْبُخُوْا فِيْهَا وَنَهٰى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ ذِيْ نَابٍ.

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے مجوسیوں کی ہانڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم دھو کر انہیں صاف کر لو اور ان میں پکا لو (راوی کہتے ہیں) نبی اکرم ﷺ نے ہر نوکیلے دانت والے پرندے کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

(۱۷۱۹) اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّا بِاَرْضِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَنَطْبُخُ فِيْ قُدُوْرِهِمْ وَنَشْرَبُ فِيْ اٰنِيَتِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَارْحَضُوْهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ قَالَ يَا رسولَ اللهِ اِنَّا بِاَرْضِ صَيْدٍ فَكَيْفَ نَصْنَعُ قَالَ اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَقَتَلَ فَكُلْ وَاِنْ كَانَ غَيْرَ مُكَلَّبٍ فَذُكِّيَ فَكُلْ وَاِذَا رَمِيْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَقَتَلَ فَكُلْ.

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ اہل کتاب کی سرزمین پر رہتے ہیں اور ان کی ہنڈیا میں پکا لیتے ہیں اور ان کے برتنوں میں پی لیتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! اگر تمہیں ان کے علاوہ اور کوئی برتن نہ ملے تو تم انہیں پانی کے ذریعے صاف کر لیا کرو پھر حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم شکار کی سرزمین پر رہتے ہیں ہم کیا کریں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے تربیت یافتہ کتے کو بھیجو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور وہ کتا جانور کو مار دے تو تم اسے کھا لو اور اگر وہ تربیت یافتہ نہ ہو تو تم اسے ذبح کر کے کھا لو اور اگر تم نے اپنا تیر پھینکا ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا ہو اور اس نے جانور کو قتل کر دیا ہو تو اسے کھا لو۔

تشریح: قدور: قدر کی جمع ہے: ہانڈی، دیگچی، دیگ۔ آنیہ: یہ اناء کی جمع ہے، اور پھر آنیۃ کی جمع "اوانی" ہے: برتن۔ المکلب یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے، کلب تکلیبا: کتے کو سدھانا، سکھانا، شکاری بنانا، پھر یہ لفظ ہر شکاری جانور باز وغیرہ کے سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔

مذاہب فقہاء: کفار اور اہل کتاب کے برتنوں کا شرعی حکم کیا ہے؟ ① جمہور کا یہی مذہب ہے کہ ان کے برتن دھونے کے بعد مطلقاً جائز الاستعمال ہیں۔

② ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کے نزدیک ان کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ اجازت دیتے ہیں:

(۱) ان کے برتنوں کے علاوہ اور کوئی برتن نہ ملتا ہو۔ (۲) ان کو دھو کر استعمال کیا جائے۔

ان کا استدلال حدیث باب سے "ان لم تجد غیرھا فارحضوھا بالماء" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے برتن

میسر ہوں تو اہل کتاب کے برتن استعمال نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ عام طور پر ان کے برتن خنزیر وخمر استعمال کرنے کی وجہ سے نجس ہوتے ہیں۔

جمہور کا استدلال: ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

قال کنا نغزو مع رسول ﷺ فنصیب من انیۃ المشرکین واسقیتہم فنستمتع بها فلا یعیب ذالك علیہم.

اس سے مراد وہ کفار ہیں کہ جن کے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ پاک وصاف رہتے ہیں اور نجاست سے مکمل پرہیز کرتے ہیں تو ان کے برتنوں کو بلا دھوئے استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن احتیاطاً دھولیا جائے تو بہتر ہے۔ ہاں البتہ ان کے پانی عام طور پر پاک ہوتے ہیں اور ان کے کپڑے اگر دھلے ہوئے ہوں تو پاک کیے بغیر استعمال کرنا جائز ہے اور اگر بغیر دھلے ہوئے ہوں تو بغیر پاک کیے استعمال نہ کرنا چاہئے چونکہ عام طور پر وہ لوگ پیشاب وغیرہ سے احتیاط نہیں کرتے ہیں۔

اعتراض: بظاہر احادیث میں تعارض ہے؟

جواب: حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا مذکورہ سوال ان برتنوں کے متعلق تھا جن میں نجاست ہوتی تھی چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں تصریح ہے وہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہم اہل کتاب کے ساتھ رہتے ہیں، وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں" چونکہ خنزیر اور شراب دونوں ناپاک ہیں اس لیے ایسے برتنوں کا استعمال دھوئے بغیر ناجائز اور حرام ہے اور اگر برتن موجود ہوں تو ان کا استعمال دھونے کے باوجود مکروہ ہے نفرت پیدا کرنے کے لئے۔ فتح الباری۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کلب معلم بسم اللہ پڑھ کر شکار کے پیچھے دوڑا دیا جائے اور وہ اس جانور کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر مار ڈالے تو اس کا کھانا جائز ہے۔

شکار تیر کے ذریعے کتے کے ذریعے اور باز کے ذریعے جائز ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ جب چند شرائط پائی جائیں:

① جس کتے کے ذریعے یا باز کے ذریعے شکار کیا جائے وہ معلم (سیکھا ہوا) ہو۔ کتے کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ شکار کو پکڑنے کے بعد خود نہ کھائے دوسری مرتبہ بھی پکڑنے کے بعد خود نہ کھائے اور تیسری مرتبہ پکڑنے کے بعد خود شکار میں سے خود نہ کھائے تو اب یہ کلب معلم سمجھا جائے گا اور باز کے معلم ہونے کے لیے اجابت کافی ہے کہ چھوڑنے پر چلا جائے اور بلانے پر واپس آ جائے۔

② عندالارسال تسمیہ پڑھی جائے یعنی حقیقۃً ہو یا حکماً ہو بعنوان آخر قصداً ترک نہ ہوا گر حقیقۃ ذکر ہے تو فبھا اور اگر نسیان ہو گیا تو حکماً تسمیہ موجود ہے۔

③ چھوڑتے ہی شکار کی طرف چلا جائے درمیان میں وقفہ نہ ہو۔

④ شکار کو زخمی کرے۔

⑤ دوسرے کلب غیر معلم کی شرکت نہ ہو نیز ایسے کلب معلم کی بھی شرکت نہ ہو کہ جس پر تسمیہ نہ پڑھی گئی ہو (ورنہ شکار حلال نہیں ہوگا۔

⑥ شکار مرا ہوا پایا گیا ہو اس کے زخم کی وجہ سے اور اگر اس کو زندہ پالیا تو پھر ذبح کرنا ضروری ہوگا صرف اس کا زخمی کرنا کافی نہیں

ہے اگر ذبح کرنے سے پہلے مرگیا تو حرام ہوگا (ذبح اختیاری پر قدرت کے باوجود ذبح نہ کرنے کی وجہ سے)۔

⑦ وہ صید حرم کا نہ ہوا گر شکار حرم کا ہے تو کتنے ہی کلب معلم بھیجے پھر بھی حلال نہیں ہوگا الغرض کتا جوارزل الحیوان ہے برتن میں منہ ڈال دے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سات مرتبہ دھونا ضروری ہے ایک مرتبہ مٹی سے مانجنا ضروری ہے لیکن جب اس میں انسانی صفات پیدا ہوتی ہیں تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہوجاتا ہے اور وہ انسان جس میں حیوانی صفات پیدا ہوجائیں تو اس کا ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے مثلاً کفر و شرک اور مجوسیت والی وصف پائی جائے تو اس کا ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے۔

شکار کے احکام سورۃ المائدہ آیت ۳ میں ہیں اور وہ احکام دو بنیادوں پر مبنی ہیں (جس کی تفصیل گزر چکی ہے)

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْفَأْرَةِ تَمُوْتُ فِی السَّمَنِ

باب ۸: وہ چوہا جو گھی میں گر کر مر جائے اس کے بارے میں جو منقول ہے

(۱۷۲۰) اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِیْ سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ عَنْهَا النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوْهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اور اس کے آس پاس والے گھی کو پھینک دو اور باقی کو استعمال کر لو۔

تشریح: الفارۃ: فارۃ چوہیا کو کہتے ہیں اس کی بہت اقسام ہیں نبی کریم ﷺ نے اس کے فساد اور طبعی خباثت کی بناء پر اس کو فویسقہ فرمایا ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی رسیاں بھی اسی نے کاٹ دی تھیں نیز نبی کریم ﷺ کا مصلی قدر درہم جل گیا تھا جب کہ اس نے چراغ کی بتی کھینچ کر مصلے پر لا ڈالی تھی۔ (کما رواہ الطحاوی)

چوہے کا شرعی حکم:

تمام اقسام کے چوہوں کا کھانا حرام ہے سوائے یربوع کے کہ اس کو امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد، ابن امنذر و ابو ثور اور عطاء رحمہم اللہ نے جائز قرار دیا ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے کھانے کو بھی منع فرمایا ہے کیونکہ وہ حشرات الارض میں سے ہے جو کہ حرام ہیں۔

السمن مایخرج من اللبن بالمخض: یعنی گھی اور یہاں پر مراد گھی ہی نہیں بلکہ تیل، شہد اور اسی طرح بہنے اور جمنے والی تمام چیزیں مراد ہیں جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

مذاہب فقہاء: اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو کیا حکم ہے؟

دو مذہب ہیں: ① اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو امام اوزاعی و زہری رحمہما اللہ اور بعض ظاہر یہ کہتے ہیں کہ اس چوہا اور اس کے آس پاس کو نکال دیا جائے خواہ گھی جامد ہو یا بہنے والا ہو اور باقی پاک ہے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں "**باب اذا وقعت الفارۃ فی السمن الجامد والذائب**" کا عنوان قائم کیا ہے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا والی روایت الباب ذکر کی ہے اور جامد و مائع میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

② جمہور علماء جامد اور ذائب کے درمیان فرق کے قائل ہیں۔ جامد میں تو چوہا اور اس کے ماحول کو نکال دیا جائے اور باقی پاک ہے لیکن بہنے والا گھی چوہا کے گرنے سے پورا ناپاک ہوجائے گا۔

فریق اوّل: ظواہر روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں جامد و مائع کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل اوّل: روایت الباب کہ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا چوہا اور اس کے ماحول کو نکال دو اور پھر اس کو کھالو۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لفظ ماحول سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حکم جامد کا ہے کیونکہ اگر گھی بہنے والا ہوگا تو اس کا ماحول نہیں بنے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ جامد و مائع میں فرق ہے۔

دلیل ثانی: صحیح بخاری میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے سوال کیا گیا:

سئل عن الدابة تموت فی السمن وهو جامد او غیر جامد الفارة وغیرها قال بلغنا ان رسول الله ﷺ امر بفارة ماتت فی السمن فامر بما قرب منها فطرح ثم اكل.

"امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے جانور کے بارے میں پوچھا گیا جو گھی کے اندر مرجائے گھی خواہ جامد ہو یا غیر جامد یعنی چوہا یا اس کے علاوہ کوئی اور جانور انہوں نے کہا ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے چوہے کے گھی میں مرنے کی صورت میں یہ حکم دیا ہے کہ اُسے نکال دو اور جو اس کے اردگرد گھی ہو اُسے بھی نکال لو پھر کھالو۔"

دلیل سوم: امام ابوداؤد نے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ہے:

قال قال رسول الله ﷺ اذا وقعت الفارة فی السمن فان كان جامدا فالقوه وما حولها فان كان مائعا فلا تقربوه.

"فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب چوہا گھی میں گر جائے اگر گھی جامد ہو تو چوہے کو نکال کر پھینک دو اور اس کے اردگرد کے گھی کو، اگر جامد نہ ہو تو اس کے قریب مت جاؤ۔"

یہی روایت بطریق معمر عن الزهر عن عبید الله بن عبد الله ابن عباس رضی الله عنهما عن میمونة رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ بھی مروی ہے۔ صاحب منتقی نے اس کی اسناد ابوداؤد اور نسائی کی طرف کی ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کی تخریج اپنی مسند میں کی ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح علی شرط الشیخین ہے۔ بہر حال اس روایت میں صراحۃً جامد و مائع کی تفصیل موجود ہے۔

ناپاک گھی یا تیل سے کیا انتفاع جائز ہے؟ ناپاک گھی یا تیل کی بیع وشراء اور اس سے انتفاع جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے:

① ظاہر یہ اور امام احمد فرماتے ہیں: لایباع ولاینتفع بشئی منه كما لایوكل. یعنی ان کے نزدیک کسی طرح کا انتفاع بالکل جائز نہیں ہے۔

② سفیان ثوری، مالک، شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اس کی بیع وشراء اور اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

③ احناف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھانے کے علاوہ انتفاع کی اجازت ہے۔ مثلاً چراغ میں جلانا۔ کشتی کی رسیوں پر لگانا اور صابن وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر قول بھی یہی ہے۔

نیز احناف کے نزدیک اس کی بیع وشراء بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کے ناپاک ہونے کو بتادیا جائے: و کذا روی عن ابی موسٰی انہ قال بیعوہ وبینوا المن تبیعونہ منہ ولا تبیعوہ من مسلم ،وفی الباب عن ابی ہریرۃ ؓ اخرجہ احمد وابو داؤد۔ھذا حدیث حسن صحیح۔اخرجہ البخاری والنسائی وابو داؤد۔ وقد روی ھذا الحدیث عن الزہری... الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ روایت جس طرح عن ابن عباس عن میمونۃ ؓ نقل کی گئی ہے اسی طرح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ سئل... الخ بھی ذکر کی گئی ہے کہ میمونہ ؓ کا تذکرہ نہیں ہے آگے امام ترمذی ؒ فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ روایت میں ابن عباس ؓ، میمونہ ؓ سے نقل کرتے ہیں یعنی ابن عباس ؓ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان میمونہ ؓ کا واسطہ ہونا ہی اصح ہے۔

چوہے کے خواص:

اگر چوہا کا سر کسی کتان کے کپڑے میں لپیٹ کر درد سر والے کے گلے میں ڈال دیں تو اسکا درد سر ختم ہو جائے گا اسی طرح مرگی کی بیماری کے لیے بھی نافع ہے اگر اس کی آنکھ کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھے تو چلنے میں آسانی ہو۔اگر کسی گھر کو کتے یا بھیڑیے کے پاخانہ سے دھونی دی جائے تو سارے چوہے وہاں سے بھاگ جائیں گے۔اگر کبوتر کی بیٹ آٹے میں ملا کر رکھ دیں اور اس کو چوہا یا کوئی جانور کھالے تو فورا مر جائے گا۔

تعبیر: اگر کوئی شخص چوہیا کو خواب میں دیکھے تو اس کی ملاقات فاسقہ عورت یا یہودیہ سے ہوگی یا اس کو کسی فاسق یہودی یا چور سے واسطہ پڑے گا یا اس کو کثیر رزق حاصل ہوگا اور اگر کسی نے اپنے گھر سے چوہے بھاگتے ہوئے دیکھے تو یہ برکت ختم ہونے کی علامت ہے اگر کسی نے دیکھا کہ وہ کسی چوہیا کا مالک ہو گیا تو وہ کسی خادم یا غلام کا مالک بنے گا اور اگر کسی نے اپنے گھر میں چوہے کودتے، کھیلتے دیکھے تو اس کو اس سال فراوانی حاصل ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّھْیِ عَنِ الْاَکْلِ وَالشُّرْبِ بِالشِّمَالِ

باب ۹: بائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کی ممانعت کے بارے میں جو منقول ہے

(۱۷۲۱) لَا یَاْکُلُ اَحَدُکُمْ بِشِمَالِہٖ وَلَا یَشْرَبْ بِشِمَالِہٖ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَاْکُلُ بِشِمَالِہٖ وَیَشْرَبُ بِشِمَالِہٖ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور بائیں ہاتھ سے نہ پیئے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

(۱۷۲۲) اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَاْکُلْ بِیَمِیْنِہٖ وَلْیَشْرَبْ بِیَمِیْنِہٖ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَاْکُلُ بِشِمَالِہٖ وَیَشْرَبُ بِشِمَالِہٖ.

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ) کے حوالے سے، نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص کچھ کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے پیے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔

تشریح: اکل بالشمال کا شرعی حکم: اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے: ① جمہور علماء اکل بالشمال کو مکروہ اور اکل بالیمین کو سنت فرماتے ہیں۔ حافظ ابن عربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آکل بالشمال گنہگار ہے۔ مزید فرمایا کہ ہر اخذ وعطاء کا یہی حکم ہے۔ سنت یہ ہے کہ کھانے پینے میں اور ہر محترم کام میں دائیں ہاتھ کو استعمال کرو اور کھانے پینے میں آپ ﷺ نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔

② ظاہریہ اکل بالشمال کی حرمت کے قائل ہیں اور اکل بالیمین کے وجوب کے قائل ہیں۔

جمہور کے دلائل: دلیل اوّل: كان النبى صلى الله عليه وسلم يعجبه التيمن فى تنعله و ترجله وطهوره و فى شانه كله.

"نبی کریم ﷺ دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے جوتا پہننے اور چلنے اور طہارت حاصل کرنے میں اور ہر ایک چیز میں دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے۔" (الصحيح للبخاری)

دلیل دوم: عن عائشة رضی اللہ عنہا كانت يد رسول الله ﷺ اليمنى لطهوره وطعامه وكانت يده اليسرى لخلئه وما كانت من اذى. (السنن لابی داؤد)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ طہارت اور کھانے کے لیے استعمال فرماتے تھے اور بایاں ہاتھ خلاء اور گندگی وغیرہ کے لیے استعمال فرماتے تھے۔"

دلیل سوم: مارواه النسائى عن عائشة رضى الله عنها كان رسول الله ﷺ يحب التيمن يأخذ بيمينه ويعطى بيمينه صلى الله عليه وسلم.

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ دائیں کو پسند فرماتے تھے دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور دائیں ہاتھ سے دیتے تھے۔"

ظاہریہ کے دلائل: دلیل اوّل: روایت الباب کے اس روایت میں آپ ﷺ نے صراحتاً بائیں ہاتھ سے کھانے پینے سے منع فرمایا کہ یہ شیطان کی عادت سے بچنا واجب ہے۔ لہٰذا داہنے ہاتھ سے کھانا پینا واجب ہوگا۔ اور بائیں ہاتھ سے جائز نہ ہونا چاہیے۔

دلیل دوم: بعض روایات میں کل بیمینک صیغہ امر وارد ہوا ہے جو دلیل وجوب ہے۔

دلیل سوم: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: کل بیمینک دائیں ہاتھ سے کھاؤ وہ محض تکبر کی وجہ سے کہنے لگا: میں ایسا نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کبھی بھی ایسا نہیں کر سکے گا چنانچہ وہ شخص اس کے بعد ساری زندگی اپنا دایاں ہاتھ منہ کی طرف نہ اٹھا سکا۔

جواب از جمہور: جن روایات میں بائیں ہاتھ سے کھانے پر وعیدیں آئی ہیں وہ زجر تنبیہ اور دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی مزید تاکید پر محمول ہیں ان سے وجوب کا حکم ثابت کرنا درست نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی لَعْقِ الْاَصَابِعِ بَعْدَ الْاَكْلِ

باب ۱۰: کھانے کے بعد انگلیوں کے چاٹنا

(۱۷۲۳) اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِیْ فِیْ اَيَّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ.

ترجمہ: سہیل بن ابو صالح اپنے والد کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کچھ کھالے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے؟

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم فرما کر اس کے تحت ایک روایت ذکر کی ہے جس سے کھانے کا ایک اہم ادب بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ جب کھانا کھا چکے تو اپنی انگلیاں چاٹنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ جو کھانا انگلیوں پر لگا ہوا ہے اسی میں برکت ہو اور وہ ضائع ہو جائے لہٰذا انگلیوں کا چاٹنا آداب طعام میں سے مؤکد ادب ہے۔

مذاہب فقہاء: انگلیاں چاٹنے کا حکم شرعی؟ اور اس میں علماء کا اختلاف ہے؟

① جمہور کے نزدیک آداب طعام میں مؤکد ادب سنت ہے۔

② ظاہریہ نے انگلیوں کے چاٹنے کو واجب قرار دیا ہے۔

دلیل اول: حدیث الباب کہ اس میں فَلْيَلْعَقْ صیغہ امر وارد ہوا ہے۔

دلیل ثانی: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت: ان النبی صلی الله علیه و آله وسلم قال اذا اکل احد کم فلا یمسح یده حتی یلعقها. (اخرجه البخاری)

"بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کھانا کھاؤ تو اپنے ہاتھ صاف نہ کرو یہاں تک کہ چاٹ لو۔"

دلیل ثالث: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کان رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم یاکل بثلث اصابع فاذا فرغ لعقها. (اخرجه مسلم)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے جب فارغ ہوتے تو انگلیوں کو چاٹ لیتے۔"

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں کہ یا تو ان میں صیغہ امر وارد ہوا ہے یا ان میں بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کو بیان کیا گیا ہے اور یہ دونوں مقتضی وجوب ہیں۔

جواب: جمہور فرماتے ہیں کہ روایات میں صیغ اوامر کا محمل ندب واستحباب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ سے زیادہ سنیت کا اثبات ہوتا ہے نہ کہ وجوب کا۔ الحاصل انگلیوں کا چاٹنا حضرات جمہور کے نزدیک آداب طعام میں مؤکد ادب ہے۔

فائدہ: علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات جن کی عقل فاسد ہے اور ان پر کبر کا غلبہ ہے انہوں نے انگلیاں چاٹنے کو برا سمجھا ہے اور کہا کہ اس سے گھن آتی ہے کہ لعاب دہن کا استعمال لازم آتا ہے حالانکہ ان کو اتنی عقل نہیں کہ انگلیوں پر لگا ہوا کھانا وہی تو

ہے جو اتنی دیر سے کھایا جارہا تھا اس میں نئی چیز کیا ہوگئی۔ مثلاً فیرنی کا چمچہ سارا منہ میں لے لیا جاتا ہے پھر اسی لعاب کے بھرے ہوئے چمچے کو رکابی میں ڈال دیا جاتا ہے اسی طرح دوبارہ سہ بارہ فیرنی کھاتا رہتا ہے لیکن اس کو طبعاً کوئی گھن نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح آم اور دوسرے چوسنے والے پھل آدمی ان کو بار بار چوستا ہے اور کھاتا ہے لیکن اس کو طبعاً کوئی گھن نہیں ہوتی ہے۔ بہرحال لعق اصابع سے گھن کرنا عقل کے فساد کی بناء پر ہے۔ حضور ﷺ کے کسی فعل کو قباحت کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔

حضرات انہوں نے اپنے مدعا کے لیے مختلف روایات پیش کی ہیں۔

انگلیاں چاٹنے کی حکمتیں:

① تاکہ کھانے کے تمام اجزاء اور ذرات پیٹ کے اندر پہنچ جائیں اور برکت حاصل ہوجائے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ کھانے کے کون سے ذرے میں برکت ہے۔ اس لیے کھانے کے بعد انگلیوں کو ضرور چاٹ لیا جائے۔

② انگلیاں چاٹنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ طعام اور غذا کی تھوڑی سی مقدار کو بھی معمولی، ہلکا اور حقیر نہ سمجھا جائے بلکہ اس کی بھی قدر کی جائے البتہ انگلیاں دوسروں کو چٹانے میں اس بات کا اہتمام رہے کہ جس کو انگلیاں چٹائی جارہی ہیں۔ وہ کراہت اور گھن محسوس نہ کرتا ہو جیسے بیوی، خادم اور بچہ وغیرہ۔

انگلیوں کے چاٹنے میں ترتیب:

حضور ﷺ کی عادت شریفہ اکثر وبیشتر تین انگلیوں سے کھانا کھانے کی تھی جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ بعض روایات میں پانچوں انگلیوں سے کھانے کا ذکر بھی موجود ہے ممکن ہے کہ ضرورت کی بناء آپ ﷺ نے پانچ انگلیاں استعمال کی ہوں۔ کما قالہ النووی رحمہ اللہ۔ بہرحال آپ ﷺ نے اکثر تین انگلیاں انگوٹھا، مسبحہ اور وسطی کھانے میں استعمال فرمائی ہیں۔ اس طرح کھانے اور انگلیوں کے چاٹنے کی کیفیت صراحۃً بعض روایات میں وارد ہے۔ چنانچہ طبرانی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

قال رایت رسول اللہ ﷺ یاکل باصابعه الثلث بالابھام واللتی تلیھا والوسطی ثم رایته یلعق اصابعه الثلث قبل ان یمسحھا الوسطی ثم التی تلیھا ثم الابھام۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو تین انگلیوں سے کھانا کھاتے دیکھا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے انگلیاں چاٹنی شروع کیں تو اول وسطی کو چاٹا پھر اس کے قریب شہادت والی انگلی کو چونکہ وسطی سب سے پہلے کھانے میں پڑتی ہے نیز لمبی ہونے کی وجہ سے اس پر زائد کھانا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے ابتداء میں اس سے مناسب ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی اللُّقْمَةِ تَسْقُطُ

باب ۱۱: جو لقمہ گر جائے، جو کچھ اس کے بارے میں منقول ہے

(۱۷۲۴) اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ طَعَامًا فَسَقَطَتْ لُقْمَةٌ فَلْیُمِطْ مَا رَابَهٗ مِنْهَا ثُمَّ لِیَطْعَمْهَا وَلَا یَدَعْهَا لِلشَّیْطَانِ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کھانا کھائے اور اس کا لقمہ گر جائے تو اس پر جو چیز لگی ہو وہ اسے صاف کرلے اور پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے۔

(۱۷۲۵) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ اِذَا مَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْاَذٰى وَلْيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ وَاَمَرَنَا اَنْ نَّسْلِتَ الصَّحْفَةَ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ اَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ.

ترجمہ: ثابت، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چیز کھا لیتے تھے تو اس کے بعد اپنی تین انگلیوں کو چاٹا کرتے تھے (جن کے ذریعے آپ نے کھانا کھایا ہوتا تھا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کا لقمہ گر جائے تو وہ اس پر لگی ہوئی گندگی کو صاف کرلے اور اسے کھالے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے (حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) آپ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم پیالے کو صاف کریں۔

(۱۷۲۶) مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ.

ترجمہ: سیدہ ام عاصم رضی اللہ عنہا جو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ام ولد ہیں، بیان کرتی ہیں، حضرت نبیشہ الخیر رضی اللہ عنہ ہماری طرف آئے ہم اس وقت ایک پیالے میں کھا رہے تھے انہوں نے ہمیں یہ حدیث سنائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی پیالے میں کھائے اور پھر اسے چاٹ لے تو وہ پیالہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

تشریح: نسلت: ہم پیالے یا پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کریں۔ الصحفة (صاد پر زبر اور حاء کے سکون کے ساتھ) پلیٹ، یا رکابی جمع صحاف۔ قصعة: بادیہ بڑا پیالہ جمع قصع، قصاع، قصعات۔ امام کسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑے پیالے کو عربی میں "جفنة" کہتے ہیں۔ پھر اس سے قریب "قصعة" ہے، جس سے تقریباً دس بندے سیراب ہو کر کھا سکتے ہیں پھر "صحفة" ہے وہ پیالہ جس سے پانچ افراد سیر ہو کر کھا سکتے ہیں پھر "میکلة" ہے جس سے دو تین آدمی سیراب ہو کر کھا سکتے ہیں۔ پھر "صحیفة" جس سے صرف ایک بندہ سیراب ہو کر کھا سکتا ہے۔

یہاں حدیث میں اس سے مراد یہ ہے کہ اس سنت پر عمل کرنے سے اسے اصل قوت غذائی حاصل ہوگی، برے انجام سے حفاظت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر اسے ہمت اور توفیق حاصل ہوگی۔

لقمہ ساقطہ کو اٹھانے کا حکم کیوں؟

اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کا ایک اور ادب بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے کوئی لقمہ گر جائے اور اس پر گرد و غبار وغیرہ لگ جائے تو اس کو دور کر کے کھا لینا چاہئے۔ اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے کیونکہ اس میں کھانے کی تحقیر اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ضائع کرنا ہے۔ نیز اس طرح گرے ہوئے لقمہ کو نہ کھانا متکبرین کی عادات میں سے ہے کیونکہ عام طور پر اس کا باعث کبر ہی ہے جو کہ شیطان کا عمل ہے اسی وجہ سے روایت میں ولا یدعہا للشیطان فرمایا گیا ہے۔

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے گرے ہوئے لقمہ کے کھانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ لقمہ کسی

ناپاک جگہ گرا تو پھر اس کا دھونا ضروری ہے۔ اگر دھونا مشکل ہو تو اس کو ایسی جگہ پر رکھ دیا جائے کہ جہاں سے کوئی جانور اس کو کھالے۔ غرض یہ کہ اس کھانے کو ضائع نہ کرے۔ وفی الباب عن انس رضی اللہ عنہ اخرجه الترمذی بعد هذا.

حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان کی اتباعِ سنت:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان جو فاتح ایران ہیں، جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو کسریٰ نے مذاکرات کے لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے دربار میں بلایا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے، تواضع کے طور پر سب سے پہلے ان کے لیے کھانا لایا گیا، دسترخوان بچھ گیا جس پر کسریٰ، اس کے وزراء، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان اور حضرت ربعی بن خلف رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا، اتفاقاً دوران طعام حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک لقمہ گر گیا، چنانچہ آپ نے وہ نوالہ اٹھانے کے لیے جیسے ہی ہاتھ نیچے بڑھایا تو آپ کے برابر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس کے جواب میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان نے بڑا حکیمانہ جملہ ارشاد فرمایا کہ:

ااترك سنة رسول الله ﷺ لهولاء الحمقاء. ”کیا ان بیوقوفوں کی وجہ سے میں اپنے رسول ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟“

فضائل: کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص پلیٹ اور اپنی انگلیاں کھانے کے بعد چاٹ لے، اللہ اس کو دُنیا اور آخرت میں سیراب کرے۔ (عمدۃ القاری: ۲۱:۷۷) حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:: جو شخص پیالہ یا (طشتری وغیرہ) میں کھائے، اور پھر اسے (اپنی انگلیوں سے) چاٹ لے تو وہ پیالہ اس شخص سے کہتا ہے کہ جس طرح تو نے شیطان (کے کھا لینے یا اس کے خوش ہونے) سے مجھے نجات دی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ سے نجات دے۔ (مرقاۃ ۸:۶۸)

استغفرت له القصعة: پلیٹ اور پیالہ اس آدمی کے لیے استغفار کرتے ہیں: اس سے کیا مراد ہے وہ مغفرت اور دوزخ سے خلاصی کی دعا کیسے کرتے ہیں؟ اور اس مفہوم کی جتنی روایات ہیں ان سب کا یہی حقیقی اور ظاہری معنی مراد ہے کہ وہ اپنی زبان سے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اشیاء کی تسبیح کا ذکر ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

(۱) علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمیز اور قوت گویائی عطا فرما دیتے ہوں۔ (۲) ”مجازی معنی“ مراد ہے اور وہ یہ کہ پلیٹ اور پیالے کو چاٹنا تواضع انکساری اور عاجزی کی وجہ سے ہوتا ہے گویا عملاً یہ تکبر و غرور سے براءت کا اظہار ہے اور یہی چیز گناہوں سے مغفرت اور بخشش کا ذریعہ ہے۔ (الکواکب الدری ۳: ۱۴)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الْاَكْلِ مِنْ وَسْطِ الطَّعَامِ

باب ۱۲: کھانے (یعنی پلیٹ اور پیالے) کے درمیان سے کھانا مکروہ ہے

(۱۷۲۷) اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسْطَ الطَّعَامِ فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوْا مِنْ وَّسْطِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ کھانے کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے اس لئے تم

اس کے کناروں کی طرف سے کھایا کرو اس کے درمیان میں سے نہ کھایا کرو۔

تشریح: حافتیه ای جانبیه تثنیہ ہے حافۃ کا اور اس کی جمع حافات آتی ہے یہاں مراد تثنیہ نہیں ہے بلکہ جوانب مراد ہیں چنانچہ جامع صغیر میں فکلوا من حافاته ہی واقع ہوا ہے اور ابن ماجہ میں فخذوفا من حافته بصیغہ مفرد واقع ہوا ہے اور مشکوٰۃ میں کلوا من جوانبها ہے۔

کھانے اور پلیٹ کے درمیان سے کھانے کا حکم:

اس روایت میں حضور ﷺ نے کھانا کھانے کا خاص ادب بیان فرمایا وہ یہ کہ جب کھانا کھائے تو درمیان سے نہ کھائے اس لیے کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ کھانے کے درمیان برکت نازل ہوتی ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس حصے کو آخر تک باقی رکھا جائے تاکہ ہر کنارے پر برکت نازل ہوتی رہے اور وسطی حصے کو بالکل آخر میں تناول کیا جائے۔

نیز جب انسان حسب ہدایت اپنے آگے سے کھائے گا تو طعام میں برکت کی مختلف صورتیں حاصل ہوں گی مثلاً کھانے سے طبعاً گرانی نہ ہوگی بلکہ میلان ہوگا کیونکہ شوربے کا روغن درمیان میں ہوگا تو جب کناروں سے کھائے گا تو تھوڑا تھوڑا روغن سالن کے ساتھ استعمال ہوگا جو کہ باعث لذت ہے اس کے برخلاف اگر اول ہی درمیان سے کھا کر روغن ختم کردے گا تو مابقی میں وہ تلذذ نہ ہوگا نیز نفس طعام میں بھی بحکم الٰہی زیادتی ہوجائے گی جیسا کہ بے شمار واقعات پیش آئے ہیں۔ اور چونکہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے اس لیے اسے اختیار کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ (شرح الطیبی ۸:۱۵۸)

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں تحریم کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ فرمایا: فان من اکل مما لا یلیه او من راس الطعام اثم بالفعل الذی فعله اذا کان عالما. یعنی جانتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنے آگے سے نہ کھائے یا پیالہ کے بیچ یا کھانے کے اوپر اوپر سے کھائے تو گنہگار ہے امام موصوف نے اس حدیث سے ہی استدلال فرمایا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روٹی کو بیچ سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ کھائے بلکہ اس کی گولائی سے توڑ توڑ کر کھائے الا یہ کہ روٹیاں تھوڑی ہوں اور کھانے والے زیادہ ہوں تو پھر روٹیوں کے ٹکڑے کئے جاسکتے ہیں۔

هذا حديث حسن صحيح. امام ترمذی رحمہ اللہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ روایت حسن صحیح ہے اگرچہ صرف عطاء بن السائب کے طریقہ سے معروف ہے مگر ان سے نقل کرنے والے شعبہ اور ثوری جیسے کبار محدثین ہیں اس وجہ سے اس پر حسن صحیح کا حکم لگایا گیا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ

باب ۱۳: لہسن اور پیاز کھانے کے مکروہ ہونے کے بارے میں

(۱۷۲۸) مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهٖ قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ الثُّوْمِ ثُمَّ قَالَ الثُّوْمِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ فَلَا يَقْرَبْنَا فِيْ مَسْجِدِنَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اسے کھالے (امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں)

راوی نے ایک مرتبہ، صرف لہسن کا ذکر کیا ہے اور پھر ایک مرتبہ، لہسن، پیاز اور گندنے کا ذکر کیا ہے (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔

(۱۷۲۹) نَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰی اَیُّوبَ وَکَانَ اِذَا اَکَلَ طَعَامًا بَعَثَ اِلَیْهِ بِفَضْلِهٖ فَبَعَثَ اِلَیْهِ یَوْمًا بِطَعَامٍ وَلَمْ یَأْکُلْ مِنْهُ النَّبِیُّ ﷺ فَلَمَّا اَتٰی اَبُو اَیُّوْبَ النَّبِیَّ ﷺ فَذَکَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ فِیْهِ ثُوْمٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَحَرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلٰکِنِّیْ اَکْرَهُهٗ مِنْ اَجْلِ رِیْحِهٖ۔

ترجمہ: سماک بن حرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں پڑاؤ کیا جب نبی اکرم ﷺ کوئی چیز کھا لیتے تھے تو بچا ہوا کھانا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو بھیج دیتے تھے ایک مرتبہ آپ نے کھانا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو بھجوایا آپ نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کا تذکرہ آپ سے کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اس میں لہسن موجود تھا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ لیکن میں اسے اس کی بو کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں۔

مذاہب فقہاء: لہسن اور پیاز وغیرہ کا شرعی حکم: ① جمہور علماء فرماتے ہیں کہ داخل ہونے کے وقت لہسن اور پیاز اور اسی طرح کی وہ سبزیاں کہ جن کی بو آتی ہے ان کا کھانا مکروہ بکراہت تحریم ہے۔ لیکن ایسا مریض جس کے لیے پیاز کا استعمال ضروری ہے اس کے حق میں پیاز کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔

② ظاہریہ سے ان سبزیوں کی مطلقاً حرمت نقل کی ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل اوّل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہے کہ جب آپ ﷺ نے اس پیڑ سے کھانے والے کو فلا یقربنا المساجد فرمایا تو لوگوں نے کہا حرام ہو گیا یہ خبر آپ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ایها الناس انه لیس بی تحریم ما احل الله لی ولکنها شجرة اکره ریحها.

"اے لوگو! میرے لیے جائز نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کروں لیکن یہ ایک درخت ہے جس کی بُو کو میں ناپسند کرتا ہوں۔"

یہ روایت صراحتاً عدم حرمت پر دال ہے۔ (رواہ مسلم)

دلیل دوم: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت احرام ھو تو آپ ﷺ نے فرمایا: لا ولکنی اکرهه من اجل ریحه. (رواہ الترمذی)

دلیل سوم: اسی طرح ایک روایت اور بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کل فانی اناجی من لا تناجی یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کھاؤ میں تو اس لیے استعمال نہیں کرتا کہ میں ایسی مخلوق (فرشتوں) سے بات کرتا ہوں جن سے تم بات نہیں کرتے کہ اس کی بو سے فرشتوں کو تکلیف ہوگی اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ لہسن، پیاز وغیرہ حرام نہیں ہے ورنہ آپ ﷺ صحابی رضی اللہ عنہ کو کھانے کا حکم کیوں دیتے۔

دلیل چہارم: باب الرخصۃ فی اکل الثوم مطبوخا کے تحت امام ترمذی رحمہ اللہ نے مرفوع روایت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ذکر کیا ہے جس سے اکل ثوم مطبوخا کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ نیز امام موصوف نے حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ کا مقولہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: الثوم من طیبات الرزق کہ لہسن حلال عمدہ کھانوں میں سے ہے۔

ظاہریہ کے دلائل: ان متعدد روایات سے استدلال کیا ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکل ثوم وبصل کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ روایات کے مختلف الفاظ اس طرح مروی ہیں:

فلا یقربنا مساجدنا اخرجه البخاری ومسلم والترمذی۔ ولا یصلین معنا۔ اخرجه البخاری ومسلم فلا یغشانا فی مسجدنا۔ اخرجه مسلم والبخاری فلا یاتین المساجد اخرجه مسلم۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب نماز باجماعت ان کے نزدیک فرض عین ہے اور جو چیز فرض عین کے ترک کا ذریعہ ہو وہ یقیناً واجب الترک اور حرام ہوگی۔ اس لیے ان سبزیوں کا کھانا حرام ہونا چاہیے۔

جوابات: ظاہریہ کی پیش کردہ روایات سے تو ان اشیاء کے کھانے کا جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ حرمت اکل کما یدل علیه قوله من اکل.... الخ. ہاں البتہ مسجد میں حاضری کی ممانعت بھی معلوم ہوئی سو حضرات جمہور اسی کے قائل ہیں کہ بایں حالت مسجد میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

دوم: ان روایات سے مسجد کے ادب کا وجوب اور اس کی نظافت کا خاص اہتمام معلوم ہوا۔ حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ تاکیدی صیغے وجوب ادب پر محمول ہیں۔

سوم: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وجہ ممانعت تاذی بنی آدم وملائکہ ہے جو اجتماعی صورت میں پائی جاتی ہے ان اشیاء کے اکل کی حرمت کا ان روایات سے کیا تعلق ہے۔

چہارم: ان روایات سے مذکورہ اشیاء کی حرمت قطعاً ثابت نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے مباح امور کی بناء پر ترک جماعت کی اجازت ہے مثلاً کسی بھوکے کے سامنے کھانا آ جائے تو حکم ہے کہ اگر زیادہ بھوک لگی ہے تو پہلے کھانا کھائے اور جماعت کو ترک کر دے۔ نیز علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ ان اشیاء کے حلال ہونے کے قائل ہیں حالانکہ وہ بھی جماعت کو فرض عین کہتے ہیں۔

ششم: جماعت کا فرض عین ہونا ہی مسلم نہیں کیونکہ اگر جماعت فرض عین ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان اشیاء کے کھانے کی اجازت دے کر فلا یقربنا المساجد وغیرہ ارشاد نہ فرماتے۔

ہفتم: جمہور کے مذہب پر جملہ روایات منطبق ہو جاتی ہیں کہ ممانعت والی روایات کا محمل وہ شخص ہے جو ان اشیاء کو کھا کر فوراً مسجد میں داخل ہو اور اجازت والی روایات اس شخص پر محمول ہیں جو فوراً مسجد نہ جائے یا اس کی بو کو پکا کر یا کسی اور ذریعہ سے ختم کر کے کھائے۔

باب سے متعلق دیگر فقہی مسائل:

حضرات علماء نے لہسن اور پیاز کے ساتھ ہی ہر اس شئ کو لاحق کیا ہے جس میں بدبو ہو اسی طرح حضرات علماء نے فرمایا کہ جس شخص کے منہ سے بدبو آتی ہو یا کسی شخص کے جسم پر ایسا زخم ہے جس سے بدبو آتی ہے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ اس کو بھی مسجد

میں حاضر ہونا مکروہ ہے اسی طرح بعض اہل علم نے بد بودار پیشہ کرنے والوں کو بھی انہیں کے ساتھ لاحق کیا ہے مثلاً سماک، صباغ اور دباغ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ دیگر دوسرے بعض حضرات نے اعذار اختیاری وغیر اختیاری کا فرق کیا ہے۔ کما حکاہ ابن المنیر

بَابُ مَا جَآءَ فِی الرُّخْصَةِ فِی اَکْلِ الثُّوْمِ مَطْبُوْخًا

باب ۱۴: پکے ہوئے لہسن کھانے کی رخصت کے بارے میں

(۱۷۳۰) نَھٰی عَنْ اَکْلِ الثُّوْمِ اِلَّا مَطْبُوْخًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، لہسن کھانے سے منع کیا گیا ہے البتہ پکے ہوئے کا حکم مختلف ہے۔

(۱۷۳۱) لَا یُصْلِحُ اَکْلُ الثُّوْمِ اِلَّا مَطْبُوْخًا.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لہسن کھانا ٹھیک نہیں ہے البتہ پکے ہوئے (کا حکم مختلف ہے)۔

(۱۷۳۲) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَزَلَ عَلَیْھِمْ فَتَکَلَّفُوْا لَهٗ طَعَامًا فِیْهِ مِنْ بَعْضِ ھٰذِهِ الْبُقُوْلِ فَکَرِهَ اَکْلَهٗ فَقَالَ لِاَصْحَابِهٖ کُلُوْهُ فَاِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ اُوْذِیَ صَاحِبِیْ.

ترجمہ: سیدہ ام ایوب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان کے ہاں پڑاؤ کیا ان لوگوں نے آپ ﷺ کے لئے کھانا پکایا جس میں کچھ سبزیاں ڈال دیں تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے کھانے کو ناپسند کیا آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم لوگ اسے کھالو کیونکہ میں تمہاری مانند نہیں ہوں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میں اس کے ذریعے اپنے ساتھی (فرشتے) کو اذیت پہنچاؤں گا۔

(۱۷۳۳) قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَھْدِیٍّ کَانَ اَبُوْ خَلْدَةَ خِیَارًا مُسْلِمًا.

ترجمہ: ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، لہسن بہترین رزق ہے۔

تشریح: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دوسرا باب اکل ثوم مطبوخا کی رخصت و اجازت کے لیے قائم فرمایا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ لہسن اور پیاز کھانا جائز ہے ہاں البتہ اس کی بو کو زائل کر کے کھانا چاہیئے۔ یہاں جو جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی گئی ہے اس سے اکل ثوم مطبوخا کی حلت اور صراحتاً اس کی عدم حرمت معلوم ہوتی ہے کیونکہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایسا کھانا جس کو لہسن ڈال کر پکایا گیا تھا پیش کیا اور پھر آپ ﷺ نے اس کھانے کو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل و عیال کے کھانے کے لیے واپس فرما دیا اور پوچھے جانے پر فرمایا کہ وہ حرام نہیں ہے ہاں البتہ بو کی وجہ سے آپ ﷺ نے نہ کھانے کا عذر فرما دیا۔

مہمان کو کھانا بچا دینا چاہیے:

اس روایت سے ایک خاص فائدہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اکل و شارب صاحب فضیلت بزرگ آدمی ہو تو اس کو ماکول و مشروب میں سے کچھ بچا دینا چاہیے تا کہ دوسرے لوگ اس سے تبرک حاصل کر سکیں اسی طرح اگر کھانے میں قلت ہو اور میزبان حاجت مند

ہے تب بھی مہمان کو میزبان کا خیال رکھتے ہوئے کھانا بچا دینا چاہیے خاص طور پر ایسے مہمان کے لیے یہ عمل مستحب ہے کہ جس کے میزبان نے اپنا سب کچھ کھانا اس کی خدمت میں پیش کر دیا ہو اور اس کے بچے باقی بچے ہوئے کھانے کے منتظر ہوں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء سلف سے اس کا استحباب نقل کیا ہے اور اس روایت کو اس کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ باقی ماندہ کھانا ضائع کر دیا جائے گا اسے گھر کا کوئی فرد نہیں کھائے گا جیسا کہ اس وقت یہی عرف چل رہا ہے کہ مہمان کا باقی ماندہ کھانا پھینک دیا جاتا ہے اور اسے کھانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا تو پھر بہتر یہ ہے کہ سارا کھانا کھا لیا جائے اور برتن میں کچھ بھی نہ چھوڑا جائے اور برتنوں کو خوب صاف کر لیا جائے تاکہ پلیٹ چاٹنے اور صاف کرنے کی سنت پر عمل ہو سکے۔

فلا یقربنا فی مساجدنا: مساجدنا میں اضافت تشریفی ہے جمہور علماء کے نزدیک اس سے عام مساجد مراد ہیں اور ہر مسجد کا یہی حکم ہے کہ لہسن اور پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت ہے چنانچہ بعض روایات میں بغیر اضافت فلا یاتین المساجد وارد ہوا ہے نیز مصنف رحمۃ اللہ علیہ عبدالرزاق میں ابن جریج سے منقول ہے۔

قلت لعطاء ھل النھی للمسجد الحرام خاصۃ اوفی المساجد قال لا بل فی المساجد البتہ ابن بطال، قاضی عیاض وغیرہ نے بعض اہل علم سے یہ حکم مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص نقل کیا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تین روایتیں یہاں ذکر فرمائی ہیں ان میں صرف پہلی حدیث حدیث مرفوع ہے جس میں انہوں نے فرمایا: نھی عن اکل الثوم الا مطبوخا۔

پھر وقد روی ھذا عن علی..... قولہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہی روایت انہی الفاظ کے ساتھ ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے قول کے طور پر بھی منقول ہے گویا یہ حدیث موقوف بھی ہے۔

چوتھی حدیث میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے بتایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد ان کے ہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پر تکلف کھانا تیار کیا جس میں کچھ سبزیاں بھی پکی تھیں، جب اسے آپ کے قریب کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم کھا لو کیونکہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں میرے پاس میرے دوست یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی وقت وحی لیکر آ سکتے ہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ آئیں اور میں ان کو تکلیف پہنچاؤں کیونکہ ان سبزیوں کی بدبو سے فرشتے انتہائی نفرت کرتے ہیں اس لیے میں یہ نہیں کھا رہا۔

پانچویں حدیث: حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لہسن پاکیزہ کھانا ہے یعنی وہ حلال ہے حرام نہیں ہاں کھانے کے بعد اس کی بدبو ضرور دور کی جائے۔ (تحفۃ الاحوذی ۵۔ ۴۳۰، پہلی جلد)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اعزاز:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر صحابی رضی اللہ عنہ کی یہ کوشش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں قیام فرمائیں جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آگے چلتی تو ہر ایک آپ کو اپنے ہاں مہمانی کی درخواست کرتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: خلوا سبیلھا فانھا مأمورۃ. اونٹنی کو راستہ دو کیونکہ اسے اللہ کی طرف سے حکم ہو چکا ہے، یہ وہیں جا کر بیٹھے گی جہاں کا اسے حکم دیا گیا ہے چنانچہ وہ اونٹنی برابر چلتی رہی پھر مسجد نبوی کے قریب باب جبرائیل کے پاس بیٹھ گئی اور مہمان نوازی کا شرف حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کو

حاصل ہوا وہ حضور ﷺ کی آرام وراحت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔(زاد المعاد ۲: ۴۵۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کمال ادب:

آپ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے قیام کے لیے پہلے اپنے مکان کی نچلی منزل خالی کرائی اور اپنے لیے اوپر کی منزل رکھی لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے دل ودماغ پر ہر وقت یہ فکر سوار رہتی کہ یہ بے ادبی ہے کہ میں اوپر ہوں اور حضور اکرم ﷺ کی رہائش نیچے ہوا یک رات انہیں یوں محسوس ہوا کہ چلتے وقت ہمارے قدم حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک کے اوپر ہیں تو ایک طرف بیٹھ گئے اور ادب کی وجہ سے پوری رات یوں ہی گزار دی نیز ایک دفعہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے کسی بچے سے پانی گر گیا وہ اس قدر زیادہ تھا کہ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ پانی ٹپک کر نچلی منزل میں حضور ﷺ پر نہ گر جائے تو اپنے عمامے سے اسے خشک کیا۔اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے لحاف سے اسے فوراً خشک کیا تا کہ اس کے قطرے ٹپک کر نیچے نہ جائیں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کمال ادب تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سربلندیاں عطا فرمائیں۔

اسی کشمکش میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ میں اس چھت پر رہوں جس کے نیچے آپ ﷺ کا قیام ہو یہ میں برداشت نہیں کرسکتا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اوپر کی منزل پر رہائش اختیار کرلیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے اور میرے پاس آنے والوں کے لیے نچلی منزل میں زیادہ آسانی ہے تاہم ان کے مخلصانہ اصرار کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور پھر آپ ﷺ کی رہائش اوپر کی منزل پر منتقل کردی گئی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَخْمِیْرِ الْاِنَاءِ وَاِطْفَاءِ السِّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ

باب ۱۵: سوتے وقت برتن ڈھانپنے چراغ اور آگ بجھانے کا حکم

(۱۷۳۴) اَغْلِقُوا الْبَابَ وَاَوْكِئُوا السِّقَاءَ وَاَكْفِئُوا الْاِنَاءَ اَوْ خَمِّرُوا الْاِنَاءَ وَاَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غَلَقًا وَلَا يَحِلُّ وِكَاءً وَلَا يَكْشِفُ اٰنِيَةً وَاِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَيْتَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (سوتے ہوئے) دروازے بند کردو، مشکیزے کا منہ بند کردو، برتنوں کو اوندھا کردو یا برتنوں کو ڈھانپ دو چراغ کو بجھا دو کیونکہ شیطان بند دروازے کو کھول نہیں سکتا اور جس کا منہ بند ہو، اسے کھول نہیں سکتا اور ڈھانپی ہوئی چیز کو ہٹا نہیں سکتا اور چوہا گھر کو لوگوں سمیت جلا سکتا ہے۔

(۱۷۳۵) لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ حِيْنَ تَنَامُوْنَ.

ترجمہ: سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔سوتے وقت اپنے گھروں میں جلتی ہوئی آگ نہ چھوڑو۔

تشریح: آدابِ معاشرت: نبی کریم ﷺ نے اس روایت میں سوتے وقت کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں۔

اغلقوا الباب : پہلا ادب بیان فرمایا کہ سوتے وقت دروازہ بند کردو۔اور مسلم کی روایت میں واذ کرو اسم اللہ بھی ہے یعنی اللہ کا نام لو۔

علامہ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ آپ کے اس حکم میں دینی اور دنیوی دونوں مصالح ہیں چنانچہ اہل شر وفساد سے اور شیطان سے جان ومال وغیرہ کی حفاظت ہوتی ہے کیونکہ شیطان بند دروازہ نہیں کھول سکتا اور اہل شر وفساد بھی بند دورازے سے جلدی سے داخل نہیں ہوسکتے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں لیل کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ روایات میں بھی لیل کا لفظ وارد ہوا ہے مگر مفہوم روایات سے یہ حکم عام دن رات دونوں کے لیے معلوم ہوتا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

او کو اا السقآء ایک ادب یہ بیان فرمایا کہ مشکیزے کے منہ کو باندھ دو۔بعض روایات میں اقربکم واذ کر و اسم اللہ کا لفظ وارد ہوا ہے کما فی الصحیحین مشکیزہ کے منہ کو بند کرنے کا حکم اس لیے فرمایا کہ قعقاع بن حکیم جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پورے سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے کہ جس میں آسمان سے بلا نازل ہوتی ہے اور کھلے ہوئے برتنوں اور مشکیزوں میں وہ بلا داخل ہوجاتی ہے لہٰذا اگر منہ بند کردیا جائے گا تو اس سے حفاظت ہوگی نیز اس سے کسی جانور کیڑے وغیرہ کے داخل ہونے سے بھی حفاظت ہوجاتی ہے۔

اکفؤا الاناء او خمروا الاناء ایک ادب یہ بھی کہ برتنوں کو الٹا کردو یا برتنوں کو ڈھانپ دو چونکہ برتن دوطرح کے ہوتے ہیں یا تو خالی یا بھرے ہوئے اگر خالی ہیں تو الٹا دیئے جائیں اور اگر بھرے ہوئے ہیں تو ڈھانپ دیئے جائیں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برتنوں کو ڈھانپنے میں علماءؒ نے متعدد فوائد بیان کئے ہیں مثلاً شیاطین سے حفاظت وباء سے صیانت اسی طرح نجاسات وگندگیوں سے بھی دوری ہوتی ہے اور حشرات وھوان یعنی زہریلے کیڑوں سے امن ہوجاتا ہے۔

اطفؤ المصباح : ادب بیان فرمایا کہ جب سوتو چراغ بجھادو یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے فرمایا کہ بعض مرتبہ آگ سے نقصان ہوجاتا ہے خود چراغ بھی الٹا ہوسکتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اوقات چوہیا بھی بتی کھینچ کرلے جاتی ہے اور کپڑوں پر ڈال دیتی ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم بھی عام ہے جب انسان کو کوئی وقت غفلت کا ہو تو اس وقت چراغ بجھادینا چاہیے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اوامر اس روایت میں واقع ہوئے ہیں وہ سب ارشادی ہیں ایجابی نہیں لہٰذا ان سے زیادہ سے زیادہ استحباب وندب ثابت ہوگا نہ کہ وجوب۔

وفی الباب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما اخرجہ الترمذی فی ھذا الباب وابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اخرجہ ابن ماجہ وابن عباس رضی اللہ عنہما اخرجہ ابو داؤد ابن حبان والحاکم. ھذا حدیث حسن صحیح اخرجہ البخاری ومسلم وابو داؤد ابن ماجہ وقد روی من غیر وجہ عن جابر رضی اللہ عنہ. یعنی روایت کے متعدد طرق ہیں اس لیے حسن وصحیح ہے۔

فائدہ : صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات کی تاریکی آجائے اور شام ہوجائے (یعنی غروب

آفتاب ہوجائے) تو اپنے بچوں کو (باہر نکلنے سے) روکو اس لیے کہ اس وقت شیاطین پھیل رہے ہوتے ہیں پھر جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو ان کو چھوڑ سکتے ہو۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ بچے عموماً نجاست اور گندگی سے آلودہ رہتے ہیں اور اس گندے پن کو جنات اور شیاطین پسند کرتے ہیں اب اگر غروب آفتاب کے وقت بچے گھر سے باہر ہوں تو جنات اور شیاطین بچوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اس خطرے کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ الْقِرَانِ بَیْنَ التَّمْرَتَیْنِ

باب ۱۶: دو کھجوریں ملا کر کھانے کے مکروہ ہونے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۳۶) نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یُّقْرَنَ بَیْنَ التَّمْرَتَیْنِ حَتّٰی یَسْتَاْذِنَ صَاحِبَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے سے منع کیا ہے البتہ اگر اپنے ساتھی سے اجازت لے لی جائے (تو ایسا کرنا جائز ہے)۔

تشریح: علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے آیا قران بین التمرتین کی ممانعت حرمت پر محمول ہے یا کراہت پر؟ دونوں قول ہیں مگر صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر شئی ماکول تمر انگور اور اسی طرح کے وہ پھل وغیرہ جو کئی عدد ملا کر کھائے جا سکتے ہوں اگر ان کو چند افراد مل کر کھا رہے ہوں اور ان کے اندر ملکیت کے اعتبار سے سب شریک ہیں تو ایسی صورت میں قران کر کے کھانا حرام ہے لیکن اگر سب کی طرف سے ایک دوسرے کے لیے اجازت (خواہ صریحی ہو یا کنائی) پائی جائے تو پھر قران کر کے کھانا بلا کراہت کھانا درست ہے اور اگر شئی مأکول انہی آکلین میں سے کسی ایک کی ملکیت ہو تو باقی حضرات کو اس کی بغیر رضامندی قران کر کے کھانا اب بھی درست نہیں ہے البتہ مالک قران کر کے کھا سکتا ہے لیکن یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اور اگر وہ شیءِ ماکول کسی ایسے شخص کی ملکیت ہے جو آکلین میں شامل نہیں بلکہ اس کی طرف سے کھانے کی اجازت ہے اگر وہ قلیل ہے تو بغیر آکلین کی رضامندی کے قران کر کے کھانا درست نہیں ہے اور اگر شئی ماکول اتنی کثیر ہے کہ کھانے کے بعد بھی بچ جائے گی تو قران کر سکتے ہیں البتہ اداب مجلس باقی رہیں کہ طمع اور حرص ظاہر نہ ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خطابی وغیرہ کی بات درست نہیں ہے کیونکہ اعتبار الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خاص سبب کا اور یہاں تو سبب ثابت بھی نہیں ہے اور حدیث کے الفاظ چونکہ عام ہیں ان میں سے کسی زمانے کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے ممانعت کا حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۸:۲۶ تحفۃ الاحوذی ۵:۴۳۵)

***

بَابُ مَاجَآءَ فِی اسْتِحْبَابِ التَّمْرِ

باب ۱۷: کھجور کھانے کے مستحب ہونے کے بارے میں

(۱۷۳۷) بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں، جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں اس کے گھر والے بھوکے ہوتے ہیں۔

تشریح: اکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں کھجور نہیں تو اس گھر والے گویا بھوکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر گھر میں کھجور ہونی چاہیے نیز کھجور کی عظمت اور اس کا مبارک پھل ہونا بھی معلوم ہوا لیکن اصح یہ ہے کہ روایت کا منشاء قناعت کی تعلیم دینا ہے اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جس گھر میں تمر موجود ہو اس گھر والوں کو بھوکا شمار نہ کیا جائے اس لیے تمر بھی ایک قسم کی روزی ہے ہاں البتہ جس گھر میں تمر بھی نہیں ہے وہ گھر بھوکا شمار کیا جائے گا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پاک کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

بيت لا تمر فيه كبيت لا طعام فيه اخرجه ابن ماجه عن سلمان رضی اللہ عنہ.

"جس گھر میں کھجور نہ ہو وہ گھر ایسا ہے جس میں کھانا نہیں۔"

اسی طرح حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا كان يأتي علينا الشهر ما نوقد فيه نارا انما هو التمر والماء الا ان يؤتى باللحم. (اخراجه الشیخان) "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے اُوپر مہینے گزر جاتے تھے کہ جس میں آگ بھی نہیں جلائی جاتی تھی بیشک وہ کھجور اور پانی ہوتا تھا مگر یہ کہ گوشت دیا جاتا تھا۔" سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

فائدہ: امام نووی اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ روایت سے تمر کی فضیلت اور گھر والوں کے لیے اس کا ذخیرہ بنانے کا جواز اور زہد وقناعت کی تعلیم معلوم ہوئی نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کے یہاں کھجور رہنی چاہیے لیکن یہ مخصوص ہے ایسے شہروں کے لیے جہاں کھجور پیدا ہوتی ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۲: ۱۸۱، وفی الباب عن سلمی رضی اللہ عنہا امراۃ ابی رافع اخرجہ ابن ماجہ ھذا حدیث حسن غریب اخرجہ احمد ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ)۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا فَرِغَ مِنْهُ

باب ۱۸: کھانے سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے

(۱۷۳۸) إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأُكْلَةَ أَوْ يَشْرَبُ الشُّرْبَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے راضی ہو جاتا ہے، جو کچھ کھاتا ہے یا پیتا ہے، تو اس پر اس کی حمد بیان کرتا ہے۔

لغات: الا کلۃ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بفتح الہمزہ ہے اسی طرح الشربۃ بفتح الشین ہے جو مرۃ کے لیے آتا ہے یعنی ایک مرتبہ سیر ہو کر کھانا اور ایک مرتبہ سیراب ہو پینا دوسرا قول یہ ہے کہ اکلۃ بضم الہمزہ بمعنی لقمہ حمد کے اہتمام کے پیش نظر بضم الہمزہ ہی بہتر ہے۔کھانے کے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جائے

کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنا سنت ہے:

یہ درحقیقت اس چیز کی یاد دہانی ہے کہ ایک انسان جب کھانا کھا چکے تو یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس طعام کا انتظام کس عجیب وغریب طریقے سے کیا ہے اس گندم چاول اور سبزیوں کی فصل نہ جانے کس علاقے میں ہوئی اسے کس نے کاشت کیا کس نے اسے کاٹا صاف کیا اور مارکیٹ میں کن کن ہاتھوں نے اسے پہنچایا پھر کہاں کہاں کا سفر کر کے میرے گھر پہنچی اسے کس طریقے سے پکایا گیا ایک لقمہ جو منہ کی طرف اٹھایا جاتا ہے بظاہر تو وہ چھوٹا سا لقمہ ہے لیکن اس کو تیار کرنے میں نہ جانے کتنے انسانوں نے اس پر محنت ومشقت اٹھائی یوں وہ کئی ہاتھوں سے ہو کر انسان کی غذائی تسکین کا ذریعہ بنا یہ سب اللہ جل شانہ کی قدرت کے کرشمے ہیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے

اعتراض: فراغت طعام وشراب کے بعد تو شکر کی ادائیگی کا حکم ہونا چاہئے نہ کہ حمد کا؟

جواب: یہ ہے کہ حمد تو راس الشکر ہے: قال النبی ﷺ الحمد راس الشکر ماشکر الله من لم یحمده اخرجه البغوی. معلوم ہوا کہ شکر کی ادائیگی کے لیے الفاظ حمد سب الفاظ سے بڑھ کر ہے بلکہ مذکورہ روایت سے تو معلوم ہوا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کی اس نے اللہ کا شکر ہی ادا نہ کیا۔

حمد علی الطعام کے لئے مختلف دعائیں منقول ہیں۔ یہاں ان میں سے چند دعاؤں کا ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے: جب دستر خوان اٹھنے لگے تو یہ دعا پڑھیں۔

(۱) الحمد لله حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنه ربنا.

ترجمہ: تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ایسی تعریف جو بہت ہو پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو جو کفایت نہیں کی جائے گی (یعنی شکر کا حق ہم ادا نہیں کر سکتے) اور نہ اس کی حمد (یا طعام) کو چھوڑا جاسکتا ہے، ورنہ اس سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے، اے ہمارے رب۔

(۲) الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا واجعلنا مسلمین.

ترجمہ: تمام حمد وثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

(۳) الحمد لله الذی اطعمنی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة.

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے یہ کھانا میری قوت اور کوشش کے بغیر عطا فرمایا۔

اس دعا کو کھانے کے بعد پڑھا جائے تو اس کے پچھلے سارے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔اور اگر کھانے کے بعد صرف "الحمد للہ" پڑھ لیا جائے تو اس سے بھی دعا کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْاَکْلِ مَعَ الْمَجْذُوْمِ

باب ۱۹: جذام کے مریض کے ساتھ کھانے کے بارے میں

(۱۷۳۹) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَخَذَ بِیَدِ مَجْذُوْمٍ فَاَدْخَلَہٗ مَعَہٗ فِی الْقَصْعَۃِ ثُمَّ قَالَ کُلْ بِسْمِ اللّٰہِ ثِقَۃً بِاللّٰہِ وَتَوَکُّلًا عَلَیْہِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے جذام کے ایک مریض کا ہاتھ تھاما اور اس کا ہاتھ اپنے پیالے میں ڈال کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے اس پر توکل کرتے ہوئے کھانا شروع کرو۔

تشریح: مجذوم: اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو جذام کی بیماری میں مبتلا ہو، اور جذام: کوڑھ کی بیماری ہے جس میں جسم کے اعضاء گل سڑ کر الگ الگ ہونے لگتے ہیں۔ اس حدیث میں مجذوم سے مراد حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ فادخلہ معہ حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کو اپنے ساتھ پلیٹ میں داخل کیا اس میں ادخلہ کی "ہ" ضمیر "ید" کی طرف لوٹ رہی ہے "ھا" ضمیر مؤنث ہونی چاہئے تھی کیونکہ "ید" عربی زبان میں مؤنث سماعی ہے چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت میں فادخلھا معہ ہے۔

ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ کی ترکیب۔ اس میں ثقۃ اور توکلا دونوں مصدر ہیں اور مفعول مطلق ہیں، اصل عبارت یوں ہے:

قل بسم اللہ معی اثق ثقۃ باللہ واتوکل توکلا علیہ.

ترجمہ: "اللہ کا نام لیکر میرے ساتھ کھاؤ، میرا اللہ پر خوب بھروسہ اور اس پر کامل توکل ہے۔"

یہ دونوں جملے (اثق اور اتوکل) "معی" کی "ی" ضمیر سے حال ہیں، اور دوسرا جملہ پہلے جملے کی مزید تاکید ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اثق ثقۃ باللہ واتوکل توکلا علیہ مستقل جملہ ہے۔ (شرح الطیبی ۸:۳۲)

ایک اشکال: آپ ﷺ نے مجزوم کو پکڑا اور اپنے ساتھ کھانا بھی کھلایا اور اس سے پرہیز نہیں کیا یہ آپ ﷺ کا انتہائی توکل اور اللہ پر بھروسہ کی بات ہے نیز آپ ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

کل مع صاحب البلاء تواضعا لربك وایمانا۔ (اخرجہ الطحاوی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ)

"ہر مصیبت میں مبتلا شخص اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والا ہے اور ایمان لانے والا ہے۔"

مگر یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

فر من المجذوم فرارك من الاسد۔ "مجذوم سے اس طرح بھاگ جیسا تو شیر سے بھاگتا ہے۔"

کہ مجذوم سے اس طرح دور رہو جس طرح شیر سے دور رہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے قول فعل میں تعارض ہوگیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عیسیٰ بن دینار مالک رحمہ اللہ اور دوسرے بعض حضرات سلف نے فرمایا کہ مجذوم سے بچنے کا حکم منسوخ ہے ابتداءً یہ حکم رہا ہے۔ بعد میں اکل مع المجذوم ثابت ہے۔

بہترین تطبیق یہ دی گئی ہے کہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل ہو تو ایسے شخص کو یہ گنجائش ہے کہ وہ مجذوم کے ساتھ

کھالے ورنہ اجتناب بہتر اور محتاط ہے کیونکہ بعض مرتبہ من جانب اللہ مرض کا فیصلہ ہوتا ہے اور مجذوم سے مخالطت بظاہر سبب مرض بن جاتی ہے تو ایسی صورت میں اعتقاد میں تزلزل ہوسکتا ہے جس سے ایمان بھی خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ اجتناب کیا جائے۔ سنا ہے حضرت مدنی کے یہاں کوئی کوڑھی تھا جس سے لوگ پرہیز کرتے تھے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کو بعض مرتبہ اپنے ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے: هذا حديث غريب الخ اخرجه ابوداؤد والنسائی وغیرہ یہ روایت صرف یونس بن محمد عن المفضل کے طریق سے منقول ہے۔

"لاعدوی" **اعتراض:** اگر طبی طور پر یا تجربے سے یہ ثابت ہوجائے کہ فلاں فلاں بیماریاں ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، مثلاً طاعون، جذام، چیچک، نزلہ جواب "لاعدوی" والی حدیث کے منافی نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں اس بیماری کے موثر حقیقی ہونے کی نفی ہے کہ ایک بیماری ذاتی طور پر دوسرے کو نہیں لگ جاتی۔ "حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لاعدوی" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی مرض اپنے اصل کے اعتبار سے ایک دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی اور اس جملے سے دراصل جاہلیت کے ایک غلط عقیدے کی تردید کرنا مقصود ہے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بیماریاں اپنی ذات میں یہ تاثیر رکھتی ہیں کہ وہ ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کا عمل دخل نہیں ہے۔ کہ کسی مرض میں یہ تاثیر نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر خود ہی کسی دوسرے کو لگ جائے، وہ اللہ ہی بیمار کرتا ہے اور وہی شفاء دیتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْمُؤْمِنَ يَاْكُلُ فِىْ مِعًى وَّاحِدٍ

باب ۲۰: مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے

(۱۷۴۰) اَلْكَافِرُ يَاْكُلُ فِىْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِىْ مَعًى وَاحِدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں، کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے۔

(۱۷۴۱) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ضَافَهُ ضَيْفٌ كَافِرٌ فَاَمَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهُ ثُمَّ اُخْرٰى فَشَرِبَهُ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ اَصْبَحَ مِنَ الْغَدِ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَ لَهُ بِاُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِىْ مَعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِىْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کافر شخص کو اپنا مہمان بنایا آپ نے اس کے لئے حکم دیا ایک بکری کا دودھ اس کے لئے دوہ لیا گیا اس نے اسے پی لیا پھر اگلی کا دوہ لیا گیا اس نے اسے بھی پی لیا یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا اگلے دن صبح وہ شخص مسلمان ہوگیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اس کے لیے بکری کا دودھ دوہ لیا گیا، وہ اس نے پی لیا پھر آپ کے حکم کے تحت اس کے لئے دوسری بکری کا دودھ دوہ لیا گیا، تو وہ اسے پورا نہیں پی سکا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔ مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔

تشریح: لفظ معی کی تحقیق:۔ حافظ فرماتے ہیں۔ کہ بکسر المیم مقصورا ہے اور یہی لغت مشہور ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت بالاتفاق اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے کیونکہ بہت سے کافر مسلمان کے مقابلہ میں کم کھانے پینے والے ہوتے ہیں۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اس روایت کی دس سے زائد توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

پہلی توجیہ: یہ حدیث غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور عدد کی تعیین مقصود نہیں بلکہ مراد مومن کے کھانے کو اور کافر کے زائد کھانے کو بیان فرمانا ہے:

کما قال اللہ تعالیٰ:﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ (محمد:۱۲)

اور روایت میں سات کا عدد محض تکثیر کے لیے ہے۔

کما فی قولہ تعالیٰ:﴿وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ (لقمان:۲۷)

الحاصل مومن کی شان کھانے پینے میں تقلیل کو اختیار کرنا ہے کیونکہ وہ عبادت میں زائد کھائے گا تو زیادہ حساب دینا ہوگا برخلاف کافر کے کہ وہ زائد کھاتا ہے کیونکہ اس کا مقصد الگ ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ قول راجح الاقوال ہے۔

دوسری توجیہ: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روایت کا مطلب یہ ہے کہ کافر چونکہ خواہش نفسانی کی وجہ سے کھاتا ہے اور جب تک ساتوں انتڑیاں نہ بھر جائیں کھاتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مومن بندہ بقدر ضرورت کھاتا ہے کہ ایک انتڑی ہی کے پر ہوجانے سے سیر ہوجاتا ہے۔

تیسری توجیہ: مومن اللہ کا نام لے کر کھاتا ہے اور پیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان شریک نہیں ہوتا لہٰذا اس کو تھوڑا ہی کھانا کافی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ:

ان الشیطان یستحل الطعام ان لم یذکر اسم اللہ تعالیٰ علیه. (اخرجہ مسلم)

"شیطان اُس کھانے کو اپنے لئے حلال کر دیتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔"

چوتھی توجیہ: روایت میں مسلم سے مراد کامل اسلام ہے: عن ابی امامۃ مرفوعا من کثر تفکرہ قل طعامه ومن قل تفکرہ کثر طعامه وقسا قلبه. یعنی جو شخص زیادہ فکر مند ہوگا اس کا کھانا قلیل ہوگا اور جس کو فکر کم ہوگی اس کا کھانا زائد ہوگا اور اس کا دل سخت ہوگا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

ان هذا المال حلوۃ خضرۃ فمن اخذه باشراف نفس کان کالذی یاکل ولا یشبع.

"بیشک یہ مال میٹھا اور سبز ہے جو شخص اس کو اشراف نفس سے لیتا ہے وہ ایسا ہے جو کھاتا تو ہے لیکن پیٹ نہیں بھرتا۔"

پانچویں توجیہ: دراصل روایت کا مقصد مؤمن کو کم کھانے کی ترغیب دینا ہے۔

چھٹی توجیہ: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہوات طعام سات ہیں۔ شہوت طبع، شہوت نفس، شہوت عین، شہوت فم، شہوت اذن، شہوت انف، شہوت جوع۔

یہ آخری شہوت جوع ضروری ہے۔ مومن اسی خواہش کی بنا پر کھانا کھاتا ہے بخلاف کافر شخص کے ساتوں شہوتوں کی بناء اور

خواہشوں کی بناء پر کھاتا ہے۔

ساتویں توجیہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور قول بھی نقل فرمایا، کہ دراصل روایت میں مومن اور کافر دونوں کی مثال بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ مومن کا حال تو دنیا میں زہد کا ہے اور کافر کا حال حرص کا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: اختلفوا فی حد الجوع علی رائین ذکرھما فی الاحیاء احدھما ان یشتھی الخبز وحدہ فمتی طلب الادم فلیس بجائع ثانیھما ،انہ اذا وقع ریقہ علی الارض لم یقع علیہ الذباب وذکر ایضا مراتب الجوع تنحو علی سبعۃ الاول مایقوم بہ الحیاۃ الثانی ان یزید حتی یصلی قائما ویصوم وھذان واجبان الثالث ان یزید حتی یقوی علی اداء النفل الرابع ان یزید حتی یقدر علی الکسب وھذان مستحبان الخامس ان یملاء الثلث وھذا جائز ۔السادس ان یزید وبہ یثقل البدن ویکثر النوم وھذا مکروہ السابع ان یزید حتی یتضرر وھذا حرام ۱۲ اوجز قال ابن التین ان الناس فی الاکل علی ثلث طبقات ۔تأکل کل مطعوم من حاجۃ وبغیر حاجۃ وھذ فعل اھل الجھول وطائفۃ تأکل عند الجوع بقدر مایسد الجوع حسب وطائفۃ یجوعون انفسھم یقصدون بذلک قمح شھوۃ الانفس واذا اکلوا اکلوا ماسد. (الرمق ۱۲فتح)

”بھوک کے بارے میں اختلاف ہے اور دو رائے ہیں جنہیں احیاء میں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی یہ کہ صرف روٹی کی طرف شہوت و میلان ہو اگر سالن طلب کرے تو اسے بھوکا نہیں سمجھیں گے۔ دوسرا یہ ہے کہ جب تھوک زمین پر گرے اور مکھی اس پر نہ بیٹھے۔ بعض حضرات نے بھوک کے سات مراتب لکھے ہیں: ① اتنا کھائے کہ زندگی باقی رہ سکے۔ ② اتنا کھائے کہ نماز اور روزے کی طاقت پیدا ہو جائے اتنا کھانا واجب ہے۔ ③ تیسرا یہ ہے کہ اس پر اتنی زیادتی کرے کہ نوافل کے ادا کرنے کی قوت و طاقت پیدا ہو جائے۔ ④ چوتھی یہ کہ اس پر اتنی زیادتی کرے کہ کمائی کی طاقت پیدا ہو جائے یہ دونوں مستحب ہیں۔ ⑤ پیٹ کے تین حصے بھر جائیں یہ جائز ہے۔ ⑥ اس پر اتنی زیادتی کرے کہ بدن بھاری ہو جائے اور نیند زیادہ آگے لگے، یہ مکروہ ہے۔ ⑦ اتنا زیادہ کھائے کہ معدے کو نقصان پہنچ جائے یہ حرام ہے۔“

حدیث میں مہمان سے کون مراد ہے؟

بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ابوغزوان ہے ہیں کیونکہ طبرانی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سات آدمی آئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان میں سے چھ کو ضیافت کے لیے لے لیا۔ اور ساتویں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے رکھ لیا، پھر اس سے فرمایا کہ تمہارا کیا نام ہے۔؟ اس نے بتایا کہ ابوغزوان اس کے لیے سات بکریوں کا دودھ دوہا گیا، وہ سارا پی گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے ابوغزوان کیا آپ اسلام قبول کرنا پسند کرتے ہیں۔؟ ابوغزوان نے کہا جی ہاں چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، جب صبح ہوئی تو اس کے لیے ایک بکری کا دودھ دوہایا گیا لیکن اسے بھی وہ ختم نہ کر سکا، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوغزوان کیا بات ہے (کہ آپ نے ایک بکری کا دودھ بھی پورا نہیں کیا) اس نے جواب میں عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا میں سیراب ہو چکا ہوں تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ کل گذشتہ آپ کی سات آنتیں تھیں (کیونکہ آپ کافر تھے) اور آج آپ کی (اسلام قبول کرنے کی وجہ سے) صرف ایک ہی آنت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں تقریباً اسی طرح کا واقعہ جھجاہ غفاری کے بارے میں بھی آتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ایک ہی شخص کے بارے میں ہوں کہ اصل نام تو اس کا جھجاہ غفاری ہو اور اس کی کنیت ابوغزوان ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کے نزدیک اس مہمان سے ثمامہ بن اثال اور بعض کے نزدیک نصرہ بن ابی نصرہ غفاری مراد ہیں۔ (شرح مسلم للنووی ۲: ۱۸۷)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ طَعَامِ الْوَاحِدِ یَکْفِی الْاِثْنَیْنِ

باب ۲۱: ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہونے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۴۲) طَعَامُ الْاِثْنَیْنِ کَافِی الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ کَافِی الْاَرْبَعَةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہوتا ہے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

(۱۷۴۳) طَعَامُ الْوَاحِدِ یَکْفِی الْاِثْنَیْنِ وَطَعَامُ الْاِثْنَیْنِ یَکْفِی الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ یَکْفِی الثَّمَانِیَةَ.

ترجمہ: حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے یہ بات بھی نقل کی ہے۔ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے کافی ہوتا ہے دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہوتا ہے۔

روایت کا مطلب: کہ دو آدمیوں کا پیٹ بھر کھانا تین کے لیے کفایت کرے گا۔ مہلب کہتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث سے مقصود مکارم الاخلاق کی ترغیب دینا ہے اور کفایت شعاری کی تعلیم مقصود ہے یعنی جب دو آدمیوں کے لائق کھانا ہو تو تیسرے آدمی کو شریک کر لینا چاہئے بلکہ جتنا ہو سکے وسعت سے کام لیتے ہوئے اور زائد کو بھی شریک کر لیں اور دوسرے کی رعایت کرتے لینا چاہئے۔

رعایت کرتے ہوئے اس طرح کھائیں کہ ہر آدمی یہ سوچے کہ میرا بھائی مجھ سے زائد کھالے تو ایسی صورت میں حسن نیت اور اجتماعیت کی برکت سے تھوڑا کھانا زائد آدمیوں کو کافی ہو جائے گا اور روایت میں اعداد کی تعیین مقصود نہیں ہے۔ چونکہ روایات مختلف وارد ہوئی ہیں۔

چنانچہ مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً طعام الوحد یکفی الاثنین وطعام الاثنین یکفی الاربعة وطعام الاربعة یکفی الثمانیة. (ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہوتا ہے اور دو کا کھانا چار کے لیے اور چار کا آٹھ کے لیے کافی ہوتا ہے) نقل کی ہے اسی کے ہم معنی ترمذی نے جابر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی ہے اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں سب کا حاصل مقدار کفایت میں حصر نہیں بلکہ مقصود کفایت وقناعت کی تعلیم ہے۔ اس سے مقصود تحدید نہیں ہے بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حالات اور افراد کے اعتبار سے جذبہ ایثار وقناعت میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس جذبے سے دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہو جاتا ہے اسی جذبے کو بڑھا کر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں دو کا کھانا چار کے لیے اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے

کافی ہو جائے کیونکہ دستر خوان پر جس قدر اجتماعیت کی فضا میں اضافہ ہوتا ہے اسی قدر کھانے میں بھی برکت اور زیادہ نازل ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زمانہ قحط میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ہر گھر والوں کے پاس ان کی تعداد کی بقدر غلہ بھیج دوں تا کہ یہ لوگ بھی اہل خانہ کی طرح کھانا کھا سکیں کیونکہ اگر آدمی آدھا پیٹ بھی کھالے تو اس سے ہلاک نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کی غذائی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جب یہ بات ہے تو پھر معاشرے کے تنگ دست اور لاچار لوگوں کا ہر طریقے سے تعاون کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح کی احادیث کا اصل مقصد ایثار و غمخواری اور قناعت کی ترغیب دینا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۸:۱۵)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ اَکْلِ الْجَرَادِ

باب ۲۲: یہ باب بھی ٹڈی کے کھانے کے بارے میں ہے

(۱۷۴۴) غَزَوْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأْکُلُ الْجَرَادَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے ان سے ٹڈی کھانے کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چھ غزوات میں شرکت کی ہے، جس میں ہم ٹڈی کھایا کرتے تھے۔

(۱۷۴۵) غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْکُلُ الْجَرَادَ.

ترجمہ: ابو یعفور حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں، ہم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی جس میں ہم ٹڈی کھاتے رہے۔

تشریح: الجراد جراد بفتح الجیم وتخفیف الراء اور واحد جرادۃ ہے اور حمامۃ کی طرح یہ بھی مذکر و مونث دونوں کے لیے مستعمل ہے موخوذ ہے اس کی بہت سی اقسام ہیں بعض بڑے جسم والی ہوتی ہیں اور بعض چھوٹے جسم والی اور ان کے رنگ بھی مختلف ہیں بعض سرخ بعض زرد اور بعض سفید ہوتی ہیں بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ مچھلی کی چھینک سے پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے مچھلی کی طرح بغیر ذبح کیے اس کا کھانا جائز ہے اس کی تائید ایک ضعیف روایت کلوہ فانہ من صید البحر بھی اس کی موئید ہے کنیت ابو عوف اور ام عوف ہے۔ (اخرجہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)

ٹڈی کا شرعی حکم:

ٹڈی دو قسم کی ہیں بحری اور بری۔ بحری کا کھانا بالاتفاق حرام ہے۔ ① بری کے بارے میں جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا کھانا جائز ہے۔ ② بعض شافعیہ نے فرمایا کہ اس کا کھانا مکروہ ہے۔ ③ حضرات مالکیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اس کے جواز کے لیے ذبح کی شرط لگاتے ہیں پھر کیفیت ذبح میں ان کے درمیان اختلاف ہے لیکن مطرف مالکی نے فرمایا ذبح کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے مرفوعا نقل کیا ہے:

احلت لنا میتتان ودمان السمك والجراد والکبد والطحال. (اخرجہ احمد والطبرانی والدار قطنی)

"ہمارے لیے دو مردار حلال کر دیئے گئے ہیں اور دو خون۔ مچھلی اور ٹڈی اور جگر اور تلی۔"

معلوم ہوا کہ ذبح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ روایت اگرچہ اصح قول کی بناء پر موقوف ہے مگر مرفوع کے حکم میں ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل اوّل روایت الباب ہے جس میں راوی نے آپ ﷺ کے ساتھ جہاد کے موقع پر ٹڈی کے کھانے کو بیان کیا ہے ترمذی کی روایت سے اگرچہ معیت فی الاکل صراحتاً معلوم ہوتی نہیں مگر بعض روایات میں ہے بخاری کی روایت ناکل معه الجراد اور ابونعیم کی روایت میں یاکل معنا کا لفظ صراحتاً آپ ﷺ کے کھانے پر دلالت کرتا ہے گو اکثر روایات لفظ معه سے خالی ہیں تو پھر یہ تاویل کی جائے گی کہ آپ ﷺ کے سامنے جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ٹڈی کھائی اور آپ ﷺ خاموش رہے تو تقریراً جواز ثابت ہوگیا۔ (فتح الباری ۹: ۵۷۷)

قائلین کراہت کے دلائل: جو بعض حضرات شافعیہ ٹڈی کے کھانے کی کراہت کے قائل ہیں انہوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اس کے کھانے سے گھن فرمائی ہے جس طرح گوہ کے کھانے سے گھن فرمائی ہے اور بطور استدلال سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پیش کی جس کی تخریج امام ابوداؤد نے کی:

انه رسول الله ﷺ سئل عن الجراد فقال لا اكله ولا احرمه.

"بیشک آپ ﷺ سے ٹڈی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہ میں اُسے کھاتا ہوں اور نہ حرام قرار دیتا ہوں۔"

اسی طرح ابن عدی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت انه سئل عن الضب فقال لا اكله ولا احرمه وسئله عن الجراد فقال مثل ذلك نقل کی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ٹڈی کا کھانا مکروہ ہے۔

جوابات: پہلی روایت کا جواب تو یہ ہے کہ وہ مرسل ہے جس کی تفصیل امام ابوداؤد نے بیان فرمائی ہے اور دوسری روایت ضعیف ہے چونکہ اس میں ثابت بن زبیر راوی ضعیف ہیں کما (قالہ النسائی)

هكذا روى سفيان بن عيينه عن ابى يعفور هذا الحديث وقال ست غزوات یعنی سفیان بن عیینہ سے ست غزوات بالجزم کے ساتھ بلاشک وتردد نقل کیا ہے مسند احمد اور نسائی میں بھی ابن عیینہ سے ست غزوات بالجزم نقل کیا گیا ہے اور سفیان ثوری وغیرہ نے اس روایت کو ابو یعفور سے سبع غزوات او ستا۔ شک کے ساتھ روایت نقل کی ہے مگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ سے تعلیقاً بغیر ذکر عدد بھی روایت نقل کی ہے چنانچہ ترمذی نے وروی شعبۃ ہذا الحدیث الخ سے شعبہ کے طریق کی تخریج فرمائی ہے جس میں عدد کا کوئی ذکر نہیں ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ بخاری کی روایت میں جو عدد میں شک واقع ہوا ہے وہ شعبہ کو پیش آیا ہے۔

الحاصل روایت دو طرح کی مروی ہے بذکر عدد بغیر ذکر عدد پھر عدد کے بارے میں تین طرح مروی ہے: اول ست غزوات بالجزم دوم سبع غزوات بالجزم سوم ست وسبع غزوات بالشك والتردد وفی الباب عن ابن عمر رضی الله عنهما. اخرجه ابن علی فی ترجمہ ثابت بن زہیر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہم جابر اخرجہ احمد ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الدُّعَا عَلَی الْجَرَادِ

باب ۲۳: ٹڈیوں کے لئے دعائے ضرر کرنا

(۱۷۴۶) كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا دَعَا عَلَى الْجَرَادِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَهْلِكَ الْجَرَادَ اُقْتُلْ كِبَارَهٗ وَاَهْلِكْ صِغَارَهٗ وَاَفْسِدْ بَيْضَهٗ وَاقْطَعْ دَابِرَهٗ وَخُذْ بِاَفْوَاهِهِمْ عَنْ مَعَاشِنَا وَاَرْزَاقِنَا اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَيْفَ تَدْعُوْ عَلٰى جُنْدٍ مِنْ اَجْنَادِ اللهِ بِقَطْعِ دَابِرِهٖ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّهَا نَثْرَةُ حُوْتٍ فِي الْبَحْرِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ٹڈیوں کے لئے دعائے ضرر (ان الفاظ میں) کی۔اے اللہ ٹڈیوں کو ہلاک کردے۔ بڑی ٹڈیوں کو قتل کردے اور چھوٹی کو ہلاک کردے۔ان کے انڈوں کو خراب کر دے اور ان کی نسل ختم کردے۔ ہماری زندگی اور ہمارے رزق (خوراک) سے انہیں منہ سے پکڑ لے (یعنی دور کردے) بے شک تو دعا کو سننے والا ہے۔راوی بیان کرتے ہیں، ایک صاحب نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کی ایک قسم کی مخلوق کی نسل ختم کرنے کی دعا کیوں کر رہے ہیں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یہ سمندر میں مچھلی کی قسم ہے (یعنی ان کی نسل ختم نہیں ہوگی)۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْجَلَّالَةِ وَاَلْبَانِهَا

باب: جلالہ کے کھانے اور دودھ کا حکم

(۱۷۴۷) نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ اَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَاَلْبَانِهَا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے نجاست کھانے والے جانوروں کا گوشت کھانے اور ان کا دودھ پینے سے منع کیا ہے۔

(۱۷۴۸) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنْ لَبَنِ الْجَلَّالَةِ وَعَنِ الشُّرْبِ مِمَّا فِي السِّقَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے جانور کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کرنے سے منع کیا ہے، گندگی کھانے والے جانوروں کا دودھ پینے سے منع کیا ہے، مشکیزے کے منہ کے ساتھ منہ لگا کر پینے سے منع کیا ہے۔

جلالہ کا شرعی حکم: (۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (لیث بن سعد حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ جلالہ جانور کا گوشت دودھ وغیرہ استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے اسی طرح اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **لاباس ان یاکل لحمها بعد ان یفعل غسلا جیدا.**

(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر شافعیہ سے مطلقاً کراہت تنزیہ کا قول نقل ہے

(۳) جمہور احناف حنابلہ نیز شافعیہ کی جماعت کراہت تحریم کا قول فرمایا ہے علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے نیز جلالہ کے انڈے کو بھی ان حضرات نے جلالہ کے گوشت کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بطور استدلال فرمایا کہ جن جانوروں کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے وہ اصالۃً تو جائز ہی رہیں گے ہاں البتہ حدیث میں ممانعت وارد ہ طبعی گھن کی بناء پر ہے اسی طرح حضرات شوافع نے بھی فرمایا ہے کہ اصالۃً تو جواز ہی ہے اور نجاست کھانے کی بناء پر قدرے کراہت اس میں پیدا ہو جائے گی۔

جواب: یہ ہے کہ شریعت نے جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے ان کے نجس ہونے کی بناء پر ہے اب جلالہ جانور جس میں نجاست اس قدر اثر کر گئی ہو کہ وہ سراپا نجاست ہو گیا ہے تو وہ کس طرح جائز ہوگا ہاں البتہ وہ جانور جن کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے وہ حرام کہلائیں گے اور جلالہ کی حرمت اثر نجاست کی بناء پر ہے اور نصوص بھی ظنیہ ہیں کہ اخبار احاد ہیں اس کی بناء پر حرمت لغیرہ ہوگی لہٰذا اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا جائے گا

حضرات جمہور کے دلائل: ① روایۃ الباب یعنی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ اخرجه الترمذی وقال حدیث حسن.

② حدیث ابن عباس اخرجه الترمذی وصححه۔

③ حدیث ابی هریرة رضی اللہ عنہ اخرجه البیهقی من وجه آخر نهی رسول الله ﷺ عن الجلالة وشرب البانها واكلها وركوبها.

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے بیہقی نے ایک دوسری وجہ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کا دودھ پینے اور اُس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

④ حدیث جابر رضی الله عنه نهی رسول الله ﷺ عن الجلالة ان یوكل لحمها او شرب لبنها اخرجه ابن ابی شیبه بسند.

ان مذکورہ روایات سے صراحۃً جلالہ جانور کے استعمال کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہوالمدعی۔

فائدہ: حضرات فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر جلالہ کو محبوس رکھا جائے کہ اس کا منہ نجاست تک نہ پہنچ سکے یا اس کو پاک غذا کھلائی جائے یہاں تک کہ اس کی بو زائل ہو جائے تو اس کا کھانا جائز ہے ہاں البتہ مدت حبس کے بارے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں توقف مروی ہے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ کتنے دنوں میں اس کا گوشت صاف اور پاک ہو جائے گا۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کوئی مدت اس کے واسطے متعین نہیں ہے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے نیز فرمایا کہ اصل نجاست کے اثر کا زوال ہے وہ جب بھی متحقق ہو جائے وھوالصحیح تجنیس میں لکھا ہے کہ مرغی کو تین دن بکری کو چار دن اونٹ بیل کو دس دن محبوس رکھا جائے وهو المختار علی الظاهر اور بعض حضرات فرماتے ہیں اونٹ گائے کو چالیس دن بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن محبوس رکھا جائے وھوالمختار فی التہذیب والتحریر نیز مدت حبس کے سلسلہ میں کچھ آثار موقوفہ بھی مروی ہیں مثلاً: اخرجه البیهقی بسند فيه نظر عن عبدالله بن عمرو ومرفوعًا انها لاتوكل حتی تعلف اربعين يوما. (مرغی نہیں کھائی جاتی تھی یہاں تک کہ اُسے چالیس دن محبوس نہ کرتے)۔ اسی طرح اخرجه ابن ابی شیبه بسند صحیح عن ابن عمرو انه كان يحبس الدجاجة الجلالة ثلاثًا. (فتح الباری)۔ "ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ جلالہ مرغی کو تین دن تک محبوس رکھتے۔"

وروی عن ابن عمر و انه كان لاياكلها حتی يقصرها اياما وروی عنه ايضًا انه كان اذا ارادان ياكل

بیض الدجاجة قصرها ثلاثة ایام اخرجه الطبرانی. (عینی شرح الصحیح)

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے وہ مرغی نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ اُسے قید میں نہ رکھتے۔ اسی طرح ان سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جب وہ مرغی کا انڈہ کھانا چاہتے تو وہ تین دن تک اسے محبوس رکھتے۔"

حدیث کی تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں سے منع فرمایا ہے:

(۱) مجثمہ سے یعنی اس بات سے کہ جانور کو کسی چیز سے باندھ کر تیر کے ذریعہ مارا جائے اور پھر اسی میں وہ مرجائے اور اسے ذبح نہ کیا جائے ایسا جانور حرام ہوتا ہے اس سے درحقیقت زمانہ جاہلیت کے ایک طریقے پر رد کرنا مقصود ہے ان کا طریقہ یہ تھا کہ تیر اندازی کے وقت کسی حیوان کو ہدف مقرر کرتے جب وہ تیر نشانے پر لگتا تو وہ جانور چیختا پھڑ پھڑاتا تو ان کو یقین ہو جاتا کہ تیر واقعی اپنے نشانے پر لگ گیا ہے اسی ہدف کو مجثمہ کہا جاتا ہے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس میں حیوان کو سخت اذیت پہنچتی ہے۔

(۲) مشک کو منہ لگا کر اس کے دہانے سے پانی پینے سے منع فرمایا ہے اس طرح پینے سے پانی بھی ضائع ہوسکتا ہے مشک کے دہانے پہ بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے اندر کوئی موذی جانور ہو جو اس کے دہانے سے براہ راست پانی پینے سے اسے ضرر پہنچادے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے

لغات: جلالہ شرعاً اس جانور کو کہتے ہیں جس کا غالب چارہ پاخانہ اور گندگی ہو کہ اس کے گوشت اور دودھ پسینہ وغیرہ میں نجاست کا اثر معلوم ہونے لگے حتیٰ کہ اس سے بدبو محسوس ہوتی ہو فقہاء شافعی، نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے یہی تعریف کی ہے وہکذا فی العالمگیر یہ لہٰذا اگر اس کا غالب گمان ہو۔

(۳) چارہ طاہر ہو کہ اثر نجاست اس کے گوشت وغیرہ میں محسوس نہ ہو تو اس کو جلالہ نہیں کہیں گے کذا مصرح فی کتب الفقہ مگر امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ مدار بدبو کے محسوس ہونے پر ہے اگر کوئی جانور پاخانہ اور نجاست کھائے کہ اس کے گوشت وغیرہ میں تغیر ہونے لگے تو اس کو جلالہ کہا جائے گا خواہ اس کا غالب چارہ طاہر ہی کیوں نہ ہو هکذا قاله النووی رحمہ اللہ فی الروضة تبعا للرافعی رحمہ اللہ کذا فی النیل۔

البانها: یہ لبن کی جمع ہے دودھ حدیث میں جمع کا لفظ بطور مبالغہ کے ذکر کیا گیا ہے المجثمة وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مار دیا جائے یا وہ جسے زمین میں گاڑ کر یا کسی چیز سے باندھ کر نشانہ بنا کر تیر یا گولی ماری جائے اور بغیر ذبح کے ہی وہ مرجائے فی السقاء ای فم السقاء مشک کا منہ۔

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ اَكْلِ الدَّجَاجِ

باب ۲۵: مرغی کا گوشت کھانے کے بارے میں

(۱۷۴۹) دَخَلْتُ عَلٰى اَبِيْ مُوسٰى وَهُوَ يَاْكُلُ دُجَاجَةً فَقَالَ اُدْنُ فَكُلْ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَاْكُلُهٗ.

ترجمہ: زہدم جرمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت مرغی کا گوشت کھا رہے تھے

انہوں نے فرمایا آگے ہوجاؤ اور کھاؤ کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس (کے گوشت) کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۷۵۰) رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ وَفِي الْحَدِيْثِ كَلَامٌ اَكْثَرُ مِنْ هٰذَا هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

ترجمہ: زہدم بیان کرتے ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

مرغی کے گوشت کا شرعی حکم؟

مرغی کا گوشت کھانا بالاتفاق جائز ہے خواہ مرغی انسیہ (پالتو) یا وحشیہ (جنگلی) جیسا کہ روایت الباب اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت

ان النبی ﷺ کان اذا اراد ان یاکل دجاجۃ امر بھا فربطت ایاما ثم یاکلھا بعد ذلك.

"بے شک آپ ﷺ جب مرغی کا گوشت کھانے کا ارادہ کرتے تو کچھ دن اُس کو باندھ دیتے پھر اس کے بعد اُسے کھاتے۔"

اس پر صراحتاً دلالت کرتی ہے مگر بعض غالی صوفیاء ازراہ تورع اس کے کھانے سے بچتے ہیں نیز جلالہ مرغی اس سے مستثنیٰ ہے جس کا حکم پچھلے باب میں گزر چکا ہے۔

فائدہ: روایت سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنے دوست کے یہاں اس کے کھانے کی حالت میں جاسکتا ہے نیز معلوم ہوا کہ صاحب طعام کو چاہئے کہ داخل ہونے والے کو کھانے کے لیے بلائے اور اس کو کھانا پیش کرے خواہ تھوڑا ہی ہو کیونکہ جماعت کے اجتماع سے اس میں برکت ہوجائے گی نیز روایت سے معلوم ہوا کہ عمدہ قسم کے کھانے بھی جائز ہیں اور یہ خلاف شرع اور خلاف تصوف نہیں ہے۔

فی الحدیث کلام کیا مراد ہے؟ اس سے مراد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا وہ طویل واقعہ ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے۔

زہدم بن مضرب جرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت موسیٰ کے پاس بیٹھے تھے چونکہ ہمارے درمیان اور جرم کے اس قبیلہ کے درمیان بھائی چارہ تھا اس لیے کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا (سب لوگ کھانے کے قریب آگے لیکن) لوگوں میں ایک سرخ رنگ کا آدمی بیٹھا تھا وہ کھانے کے قریب نہیں آیا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ قریب آجاؤ کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا ہے اس آدمی نے کہا کہ میں نے مرغی کو ایسی چیز کھاتے دیکھا ہے کہ جس سے مجھے گھن آتی ہے تو میں قسم کھائی کہ میں (آئندہ) مرغی نہیں کھاؤں گا۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نزدیک آئیں آپ کو بتلاؤں کہ میں قبیلہ اشعر کے چند لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس وقت پہنچا کہ آپ ﷺ غصے کی حالت میں تھے اور صدقہ کے جانور تقسیم فرمارہے تھے ہم نے آپ ﷺ سے سواری کے لیے جانور مانگا تو آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ہمیں سواری نہیں دیں گے اور فرمایا کہ میرے پاس تمہیں سواری دینے کے لیے کوئی جانور نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کے پاس مال غنیمت کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اشعری کہاں ہیں؟ پھر اونچی کوہان

والے پانچ سفید اونٹ دیئے کچھ دیر ہم ٹھہرے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ اپنی قسم بھول گے ہیں اگر ہم نے حضور ﷺ کو ان کی قسم سے غافل رکھا تو بخدا ہم کبھی فلاح نہیں پائیں گے چنانچہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لوٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ سے سواری مانگی تو آپ ﷺ نے قسم کھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپ ہمیں سواری نہیں دیں گے (اور پھر آپ نے ہمیں دے دی) ہمیں اندیشہ ہوا کہ شاید آپ بھول گے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اللہ نے سواری دی ہے میں تو بخدا جب بھی کسی بات پر قسم کھاتا ہوں پھر بھلائی اس کے غیر میں دیکھوں تو وہی کام کرتا ہوں جس میں بھلائی ہو اور کفارہ دے کر قسم توڑ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید باب لحم الدجاج ۸۲۹:۲)

لغات: الدجاج اسم جنس مثلثہ الدال ضبط کیا گیا ہے جیسا کہ دمشقی ابن مالک اور منذری رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے مگر علامہ نووی رحمہ اللہ نے صرف دال کے فتح اور کسرہ کو بیان کیا ہے اس کا واحد دجاجہ بھی مثلثہ الدل ہے اور مذکر ومؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے لیکن علامہ حربی غریب الحدیث میں فرماتے ہیں کہ دجاج بالکسر فقط مذکر کے لیے مستعمل ہے اور اس کا واحد من غیر لفظہ دیک ہے اور دجاج بالفتح مؤنث کے لیے اور اس کا واحد دجاجۃ ہے۔

وجہ تسمیہ: علامہ ابن سیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دجاج دج یدج سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بار بار تیزی سے آنا جانا چونکہ مرغی بھی بار بار آتی جاتی ہے اس لیے اس کو دجاجۃ کہا جاتا ہے۔ دجاجۃ میں جو تاء ہے یہ تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ وحدت اور مفرد کے لیے ہے یہی وجہ ہیکہ حدیث باب کے لفظ یا کلہ میں ہ ضمیر دجاجۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

مرغی کے بعض خواص:

مرغی بزدلی کی بناء پر قلیل النوم سریع الانتباہ ہے عام طور پر اونچی جگہ سونے کی کوشش کرتی ہے اور سورج غروب ہوتے ہی اس پر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کا بچہ انڈے سے روئیں دار خوبصورت پیدا ہوتا ہے اور چگنا بھی جانتا ہے سریع الحرکت ہوتا ہے اگر اس کے سامنے حرکت کی جائے تو محسوس کرتا ہے کہ اور جوں جوں ایام گزرتے ہیں اس میں حماقت اور حسن کی کم پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ آخر میں آ کر مرغی نہایت بدصورت ہو جاتی ہے مرغی کے بعض اقسام وہ ہیں جو ایک دن میں دو انڈے دیتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو سردی کے دو ماہ کے علاوہ تمام سال انڈے دیتی ہیں۔

علامہ قزوینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مرغی کے پوٹے میں ایک پتھر ہوتا ہے اگر اس کو مرگی والے کو باندھ دیا جائے تو شفایاب ہو جائے اور گلے میں لٹکانا قوت باہ کے لیے مفید ہے اور نظر بد سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور اگر کسی بچہ کے نیچے رکھ دیا جائے تو وہ سوتا ہوا نہیں ڈرے گا۔

مرغی کا گوشت بہت عمدہ اور معتدل الحرارت ہوتا ہے جوان مرغ کا گوشت عقل اور منی میں زیادتی پیدا کرتا ہے اور آواز کو صاف کرتا ہے لیکن معدہ کے لیے نقصان دہ ہے اور اس کا مصلح شہد ہے مرغی کا گوشت معتدل مزاجوں کے لیے بہت مفید ہے مرغی کا دماغ انسانی دماغوں اور عقلوں کے لیے نہایت مفید ہے البتہ مرغی کا انڈہ گرم مائل برطوبت یابس ہے کہ اس کی سفیدی بارد و رطب حار یابس ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ الْحُبَارٰی

باب ۲۶: سرخاب کا گوشت کھانے کے بارے میں

(۱۷۵۱) اَکَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ لَحْمَ حُبَارٰی.

ترجمہ: ابراہیم بن عمر بن سفینہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ سرخاب کا گوشت کھایا ہے۔

سرخاب کا گوشت حلال ہے:

حباری سرخاب کو کہتے ہیں یہ ایک جنگلی پرندہ ہے اس کا رنگ مٹیالہ گردن بڑی چونچ قدرے طویل اور پاؤں لمبے ہوتے ہیں اس کی اڑان بہت تیز ہوتی ہے اور اس کا گوشت انتہائی لذیذ ہوتا ہے حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ سرخاب کا گوشت حلال ہے۔

لغات: حباری بضم الحاء وفتح الراء المہملتین مقصورہ بالف التانیث علی القول الصح اسم جنس ہے مذکر ومونث واحد وجمع سب کے لیے یہ ایک ہی لفظ آتا ہے مگر بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی جمع حباریات وحبارات بھی آتی ہے

حباری کے خواص:

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حیوۃ الحیوان میں کہا کہ حباری ایک پرندہ ہے جس کی گردن لمبی ہوتی ہے اور چونچ بھی قدرے طویل خاکی رنگ کا ہوتا ہے یہ پرندہ حماقت میں ضرب المثل ہے کہ جلد ہی شکار ہوجاتا ہے حاشیہ کوکب میں ہے کہ تیز اڑنے والا پرندہ ہے ہمیشہ اپنے رزق کی تلاش میں رہتا ہے اور کبھی شکم سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ بھوکا ہی مرجاتا ہے اور اس کے پیٹ میں قیمتی موتی ہوتا ہے جب وہ پیٹ سے نکل جاتا ہے تو اس کا حسن ختم ہوجاتا ہے اور وہ غم سے مرجاتا ہے اسی طرح اس کے پیٹ میں پتھر ہوتا ہے جو بہت سے امراض میں کام آتا ہے مثلاً اگر یہ پتھر کسی شخص کے پاس ہو تو وہ احتلام سے محفوظ رہے گا اسی طرح اگر زائد سونے والے شخص کے قلب پر رکھ دیا جائے تو اس کی نیند کم ہوجائے گی اس کا گوشت معتدل الہضم ہوتا ہے کہ نہ مرغ کی طرح سریع الہضم ریاحی امراض کے لیے مفید ہے نیز زیتون اور سرکہ یا دارچینی کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا مفاصل (جوڑوں) کے لیے مفید ہے ٹھنڈے اور سرد مزاج والوں کے لیے نہایت مفید ہے اسی طرح بلاد سرما والوں کے لیے بھی اس کا استعمال سودمند ہے

تعبیر: حباری کو خواب میں دیکھنا سخی ہونے کی علامت ہے نیز اس بات پر دلالت ہے کہ بلامشقت خوب آمدنی ہوگی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ الشِّوَاءِ

باب ۲۷: یہ باب بھنے ہوئے گوشت کھانے کے حکم کے بارے میں ہے

(۱۷۵۲) اَنَّہَا قَرَّبَتْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ جَنْبًا مَشْوِیًّا فَاَکَلَ مِنْہُ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَمَا تَوَضَّأَ.

ترجمہ: عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھنا ہوا پہلو کا گوشت رکھا تو آپ نے اسے کھالیا پھر آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپ نے از سرنو وضو نہیں کیا۔

مقصد روایات: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فقر فاقہ رہا ہے مگر بعض مرتبہ آپ کی خدمت میں لذیذ بھی پیش کیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تناول فرمایا تاکہ امت کے لیے بحالت فرخی ایک اسوہ اور طریقہ بن جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ لذائذ کا استعمال طریقہ اسلام کے خلاف ہے بلکہ لذیذ کھانے کا میسر ہو جانا اور اس کو کھالینا عین سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور زہد کے خلاف بھی نہیں ہے حدیث باب اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ حدیث باب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ روسٹ کیا ہوا گوشت خواہ بکری کا ہو یا کسی بھی حلال جانور اور پرندے کا اس کا کھانا جائز ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص وضو کے بعد آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھالے تو اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے گئے یہی جمہور کا موقف ہے البتہ کھانے کے بعد کلی کر لینی چاہیے یہ سنت ہے۔

ایک اشکال: بظاہر یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ بخاری شریف کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حدیث باب کے خلاف ہے لفظہ:

ما اکل النبی ﷺ خبزا مرققا ولا شاۃ مسموطۃ حتی لقی اللہ عزوجل.

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپاتی اور بھنی ہوئی بکری وصال تک تناول نہیں فرمائی۔

جواب ①: علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکمل سالم بکری بھونی گئی ہو ہاں البتہ پہلو کا بھنا ہوا گوشت ضرور تناول فرمایا ہے اور یہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں ہے۔

جواب ②: کہ انس رضی اللہ عنہ اپنے علم کے اعتبار سے فرما رہے ہیں: ومن علم حجۃ علی من لم یعلم.

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا تعارف:

ان کا نام ہند بنت ابی امیہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ہے اور ان کو سہیل بن المغیر بھی کہا جاتا ہے ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سو اٹھتر روایات نقل کی ہیں جن میں سے تیرہ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور تین تین روایات میں بخاری و مسلم منفرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی لڑکی زینب، نافع، ابو عثمان، الہذلی، سعید بن المسیب اور کریب وغیرہ ہیں ۵۹ ھ میں وفات پائی۔ ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور امہات المومنین میں سے آخر میں انہوں نے ہی وفات پائی۔

لغات: الشواء بکسر الشین وضمہا والمد ماخوذ ہے شوی اللحم مشیا فاشتوی وانشوی سے جس کے معنی بھنے ہوئے گوشت کے ہیں۔

*

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ الْاَکْلِ مُتَّکِئًا

باب ۲۸: یہ باب تکیہ لگا کر کھانے کی کراہت کے بارے میں ہے

(۱۷۵۳) اَمَّا اَنَا فَلَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

سبب ورود حدیث: اس حدیث کے ورود کا سبب ایک اعرابی کا قصہ ہے۔ (ابن ماجہ اور طبرانی) جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بکری پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹنے بچھا کر کھانا شروع فرمایا تو ایک گاؤں والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کیوں بیٹھے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عبد کریم بنایا ہے نہ کہ جبار عنید اسی لیے میں ٹیک لگا کر متکبرین کی طرح نہیں کھاتا ہوں۔

"اتکاء" کا معنی اور ٹیک لگا کر کھانا کا حکم:

"اتکاء" کے کیا معنی ہیں اس کے معنی اور کیفیت کے بارے میں شارحین حدیث کی مختلف آراء ہیں۔ (۱) مشہور یہ ہے کہ کھانے کے وقت کسی بھی چیز سے ٹیک لگائی جائے تو یہ "اتکاء" ہو خواہ وہ تکیہ دیوار اور کرسی ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی چیز ہو۔ (۲) ایک پہلو کی طرف جھک کر کھانا کھانا۔ (۳) بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر کھانا کھانا۔ (۴) علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ "اتکاء" سے مراد یہ ہے کہ جس گدے یا نرم بستر پر بیٹھا ہے اس پر ٹیک لگا کر سیدھا اور پھیل کر بیٹھنا تاکہ زیادہ کھایا جاسکے اس کی کیفیت خواہ کوئی بھی ہو۔

حکم اتکاء عند الاکل: ٹیک لگا کر کھانے کے بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں۔

اوّل: مطلقاً جواز چنانچہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس، خالد بن ولید، عبیدہ سلیمانی رضی اللہ عنہم محمد بن سیرین، عطا بن یسار اور زہری رحمہم اللہ سے یہ مذہب نقل کیا ہے۔

دوم: مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے یہ جمہور کا مذہب ہے۔

فریق اوّل: عبداللہ بن السائب بن خباب عن ابیہ عن جدہ کی روایت سے استدلال کرتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا مگر اس روایت کو حضرات محدثین نے باطل قرار دیا ہے۔ (کمافی العینی)

جمہور کو دلائل: (۱) روایت الباب۔ (۲) حدیث ابو داؤد قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تاکل متکئا۔ "فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹیک لگا کر نہ کھاؤ۔" (اخرجہ الطبرانی ورجال اسنادہ ثقات)

(۳) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما انه کان یحدث ان اللہ عزوجل ارسل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملکا من الملائکة مع جبرئیل علیه السلام فقال ان اللہ خیرك بین ان تکون عبدا نبیا وبین ان تکون ملکا فقال لا بل اکون نبیا عبدا فما اکل بعد تلك الکلمة طعاما متکئا. (اخرجه النسائی)

"ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بیشک اللہ عزوجل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرشتوں میں سے ایک فرشتے کو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بھیجا، فرشتے نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا ہے کہ آپ فرشتے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بندہ اور نبی ہونے کو اختیار کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کبھی ٹیک لگا کر نہیں کھایا۔"

(۴) حدیث ثابت البنانی عن شعیب بن عبداللہ بن عمرو عن ابیہ قال ماروی ﷺ یاکل متکئا قط. (اخرجہ ابو داؤد)

"ثابت بنانی کی حدیث ہے وہ شعیب بن عبداللہ بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانے کو نقل نہیں کیا گیا۔"

(۵) حدیث بن بسر جس میں روایت الباب کا شان ورود ذکر کیا گیا ہے ان جملہ روایات سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متکئا کھانے پر نکیر فرمائی۔ لہٰذا متکئًا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔

نوٹ: ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کو اس لیے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ اس طرح کھانے سے پیٹ بڑے ہوجاتے ہیں اسی طرح علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس علت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کھانے کے وقت بیٹھنے کے مستحب اور مسنون طریقے:

(۱) مسنون یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کھانے کی طرف قدرے جھک کر عاجزانہ انداز سے مکمل توجہ کے ساتھ بیٹھا جائے۔ (بذل المجہود کتاب الاطعمۃ باب فی الاکل متکئا: ۱۶۔۹۹)

(۲) دوزانوں ہو کر بیٹھنا یعنی گھٹنے کے بل بیٹھنا جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری کتاب الاطعمۃ باب الاکل متکئا :۲۱۔۴۴ رقم الحدیث ۲۵)

(۳) "اقعاء" کی طرح بیٹھنا یعنی پنڈلی اور ران ملا کر دونوں زانو کھڑے کر لینا اور کولہوں (سرین) پر بیٹھ جانا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کے وقت بیٹھنے کی یہ کیفیت منقول ہے کتاب الاطعمۃ باب استحباب تواضع الاکل وصفۃ قعودہ ۱۴۷ ـ ۴۔

(۴) دایاں گھٹنا کھڑا کر لے اور بائیں گھٹنے پر بیٹھ جائے۔

فائدہ: حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ سہارنپوری فرماتے ہیں کہ کھانا کھانے کے وقت مقبول ہیئت وہ ہے جس میں کھانے کی طرف توجہ تام ہو اور زیادہ کھانے کا باعث نہ ہو اور وہ متکبرین کی ہیئت ہو جس بیٹھک میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں وہ سب سے افضل ہوں گی اور جس میں دو یا ایک ہو وہ اسی اعتبار سے فضیلت والی ہوگی۔

—※—

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حُبِّ النَّبِیِّ ﷺ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ

باب ۲۹: آپ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے

(۱۷۵۴) کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو پسند کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا محبوب حلوہ:

علامہ ابومنصور ثعالبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فقہ اللغۃ'' میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ جس حلوے کو پسند فرماتے تھے، وہ کھجور کو دودھ میں گوندھ کر بنایا جاتا تھا۔ (عمدۃ القاری، کتاب الاطعمۃ، باب الحلواء والعسل ۲۱۔۶۱ تکملۃ فتح الملہم، کتاب)

اور بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد فالودہ ہے۔ مگر اس زمانہ کا جو حلوہ مختلف مغزیات ڈال کر بنایا جاتا ہے وہ بھی مراد نہیں ہے اس لیے کہ اس زمانہ میں اس طرح کے حلوہ کا رواج ہی نہ تھا دوسرے عسرت کا زمانہ تھا اس قدر لذائذ کہاں میسر تھے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ یہاں پر حلوہ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ روزانہ ایک پیالہ شہد کا پانی کے ساتھ ملا کر پیا کرتے تھے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا میٹھی چیز کو پسند کرنا طبعی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ اکثر بیشتر میٹھی چیز کھانا پسند فرماتے ہوں بلکہ "یحب الحلواء" کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کے سامنے دستر خوان پر میٹھی چیز آجاتی تو آپ ﷺ اسے پھر بڑے شوق ورغبت سے تناول فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ یہ بھی آپ ﷺ کو پسند ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کے عمدہ لذیذ اور شیریں کھانے بنانا اور انہیں کھانا جائز ہے، اور شرعاً یہ زہد وتقویٰ اور پرہیز گاری کے منافی نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اختصار کے ساتھ ذکر کی ہے، اس کی تفصیل صحیح مسلم میں موجود ہے، جس میں وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے لیے شہد کا استعمال حرام کر دیا تھا پھر جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم نازل فرمائی۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ......۱۔۴۷۹)

لغات: الحلواء بالمد والقصر: دونوں لغت ہیں امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو قصر اور یاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور امام فراء رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالالف الممد ودہ ہے امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہیکہ حلواء بالمد پڑھا جائے اور اس کا اطلاق ہر کھانے والی میٹھی چیز پر ہوتا ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حلوے کا اطلاق ایسی میٹھی چیز پر ہوتا ہے جس کے بنانے میں انسان کے عمل کو دخل ہو۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں پر حلوہ سے مراد ہر میٹھی چیز ہے اور شہد کا تذکرہ شرافت وکرامت ہے گویا کہ ذکر الخاص بعد العام کے قبیلہ سے ہے علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہد حلوہ طعام طیبات میں سے ہے کہ جن کے کھانے کا حکم قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ ﴾ (البقرہ:۵۷) نیز اس سے اس شخص کے قول کی بھی تائید ہوتی ہے کہ جس نے طیبات کی تفسیر مستلذات

سے کی ہے کیونکہ حلوہ اور شہد دونوں لذیذ چیزیں ہیں۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلوہ کو پسند فرمانا کثرت خواہش کی بناء پر نہیں تھا کہ خدانخواستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ کھانے کی خواہش ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پکوا کر کھاتے ہوں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حلوہ پیش کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پسند فرماتے اور اچھی طرح تناول فرماتے تھے۔

شہد کی اہم خصوصیات:

العسل: بمعنی شہد۔ قرآن کریم میں بھی شہد کی تعریف کی گئی ہے۔ فرمایا گیا: ﴿فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (النحل:۶۹) شہد ہاں قوت بخش غذا اور لذت کا ذریعہ ہے وہیں امراض کے لیے نسخہ شفاء بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جڑی بوٹیوں میں شفاء اور دوا کا سامان رکھا ہے تو ان کے جوہر اور عرق میں جو کہ مکھی کھینچ کر لے آتی ہے کیوں نہ شفاء ہوگی۔ بلغمی امراض میں شہد بلاواسطہ شافی ہے اور دوسرے امراض میں دیگر اشیاء کے ساتھ مل کر بطور دواء نہایت مفید ہے چنانچہ اطباء معجونوں میں بطور خاص شہد کا استعمال کرتے ہیں اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ خود خراب نہیں ہوتا اور دوسری اشیاء کی بھی طویل عرصہ تک حفاظت رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہزارہا سال اطباء اس کو الکحل کی جگہ استعمال کرتے آئے ہیں۔ شہد مسہل بھی ہے۔ اور پیٹ سے فاسدہ مادہ نکالنے میں بہت مفید ہے چنانچہ آگے روایت آرہی ہے کہ جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی پیٹ کی بیماری کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شہد پلانے کا مشورہ دیا دوسرے دن پھر اس نے آکر بتایا کہ بیماری بدستور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شہد پلانے کا مشورہ دیا تیسرے دن جب اس نے کہا کہ کوئی فرق نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ صدق الله و كذب بطن اخيك. کہ اللہ کا قول بلاریب سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے مراد یہ ہے کہ دوا کا کوئی قصور نہیں بلکہ مریض کے مزاج کی خاص کی وجہ سے جلدی اثر ظاہر نہیں ہوا اس کے بعد پھر پلایا تو بیمار تندرست ہوگیا۔ اگر یقین محکم اور مضبوط ہو تو پھر ہر مرض کے لیے شہد شافی ہے حتی کہ پھوڑے پھنسی اور آنکھ وجسم وغیرہ کے دوسرے امراض کا بھی علاج شہد ہی ذریعہ کیا جائے تو شفاء ہوگی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں ہے۔ کہ اگر ان کے بدن پر کوئی پھوڑا نکل آتا تو اس پر بھی شہد کا لیپ کرتے۔ جب بعض لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا کہ کیا قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فیہ شفاء للناس نہیں فرمایا ہے شہد کے بارے میں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي اِكْثَارِ الْمَرَقَةِ

باب ۳۰: سالن میں شوربہ زیادہ کرنے کے بارے میں

(۱۷۵۵) إِذَا اشْتَرَى اَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهٗ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ لَحْمًا اَصَابَ مَرَقَةً وَهُوَ اَحَدُ اللَّحْمَيْنِ.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص گوشت خریدے (تو پکاتے ہوئے) اس کا شوربا زیادہ کرے کیونکہ اگر اسے گوشت کی (بوٹی نہیں ملے گی) تو شوربا مل جائے گا، اور یہ بھی ایک قسم کا گوشت ہے (یعنی اس میں گوشت کا اثر ہوتا ہے)۔

(۱۷۵۶) لَا يَحْقِرَنَّ اَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَلْقِ اَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ وَاِنِ اشْتَرَيْتَ لَحْمًا اوطَبَخْتَ قِدْرًا فَاَكْثِرْ مرقتهٗ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کوئی بھی شخص کسی بھی نیکی کو حقیر نہ سمجھے اگر اسے کچھ نہ ملے تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے مل لے اور اگر تم گوشت خریدو یا ہنڈیا پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کرو اور اس میں سے کچھ اپنے پڑوسی کو بھی بھیج دو۔

تشریح: ایک ترغیبی حکم: روایت میں حسن معاشرت کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص گوشت پکائے تو اس کو چاہیے کہ شوربا بڑھالے اس لیے کہ اگر کھاتے وقت اس کو بوٹی نہ ملے گی تو کم از کم شوربے کو استعمال کر لے گا۔ گویا طاقت اور غذائیت کے اعتبار سے شوربہ گوشت کے قائم مقام ہے۔ اسی لیے اس کو احد اللحمین کہا گیا ہے روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتری احدکم فرمانا غالب اعتبار سے ہے کہ اکثر گوشت خرید ہی کر بنایا جاتا ہے ورنہ مراد گوشت کا حصول ہے خواہ خرید کر ہو یا کسی اور طرح سے ہو۔ زیادہ کرنے کی اس لیے ترغیب دی جارہی ہے تاکہ اپنے پڑوسیوں کو اس میں سے کچھ دیا جا سکے، حدیث کے آخری جملے "واغرف لجارك منه" میں اسی کو بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ: اس جملے کا اصل منشا یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا چاہیے، حدیث میں گو کہ خاص طور پر سالن اور شوربے کا ذکر ہے، لیکن یہ حکم صرف شوربے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جسے پڑوسی لینا پسند کرتے ہوں، اور جس چیز کا دینا عرف کے لحاظ سے مناسب ہو، اسے برا نہ سمجھا جاتا ہو۔

باب کی دوسری روایت میں ہے: "واذا اشتریت لحما اوطبخت قدرا" اس میں "او" تنویع کے لیے ہو اس صورت میں دو جملے الگ الگ معنی کے لیے ہوں گے، پہلے جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم گوشت خریدو (یعنی پکاؤ) تو اس کا شوربہ زیادہ کرلیا کرو، اور دوسرے جملے میں گوشت کے علاوہ دوسری ہانڈیوں کا ذکر ہے کہ جب سبزی وغیرہ بنائیں تو اس کا شوربہ زیادہ کرلیا کرو۔

(تحفۃ الاحوذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکثار المرقۃ: ۵، ۴۵۷)

نیکی کو معمولی نہ سمجھا جائے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی کے کسی بھی کام کو معمولی اور کمتر نہ سمجھا جائے، اور کمتر سمجھ کر اسے چھوڑ نہ دیا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل قبول ہو جائے اور بخشش کا ذریعہ بن جائے، اور اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو تب بھی کم از کم اپنے مسلم بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملاقات کرے چونکہ جب ہنستے چہرہ کے ساتھ ملاقات کرے گا تو اپنے مسلم بھائی کو بھی خوشی ہوگی اور کسی مسلم کو خوش کرنا یہ خود نیک کام ہے۔ اسی طرح جب کوئی چیز گوشت وغیرہ پکائے تو اپنے پڑوسی کا خیال رکھے کہ اس کو بھی تھوڑا سا پہنچا دے اور مسلمان کا دل خوش کرنا بہت بڑی نیکی ہے اور کسی گناہ کو معمولی، حقیر اور چھوٹا سمجھ کر کیا نہ جائے، کیونکہ گناہ خواہ کتنا ہی بظاہر چھوٹا نظر آئے، وہ بہر حال اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے روایت سے معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے سے نیک کام کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ اخلاص کے ساتھ چھوٹا سے نیک کام بھی اللہ کی نظر میں بہت بڑا درجہ رکھتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے پاس احسان کرنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ فَضْلِ الثَّرِیْدِ

باب ۳۱: ثرید کی فضیلت کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۵۷) کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَلَمْ یَکْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْیَمُ ابْنَۃُ عِمْرَانَ وَاٰسِیَۃُ اِمْرَاَۃُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ مردوں میں بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں، خواتین میں صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام کامل ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے، جو ثرید کو تمام کھانوں پر ہے۔

ثرید بسا اوقات گوشت سے بھی زائد نافع اور مقوی ہوتا ہے۔ ثرید اہل عرب کے یہاں پسندیدہ کھانا شمار کیا گیا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثرید اور سحور کے لیے دعا فرمائی۔ (اخرجہ احمد)

اسی طرح سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت تین چیزوں (جماعت، سحور، اور ثرید میں ہے۔ (اخرجہ الطبرانی)

فضائل والی عورتوں کم ہیں: روایت کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں تو کاملین بہت ہوئے ہیں جیسے انبیاء رسل، خلفاء، علماء اولیا، بخلاف عورتوں کے کہ ان میں بہت کم کاملین ہیں۔ سوائے مریم بنت عمران اور آسیہ علیہا السلام کے یہاں کامل ہونے سے مراد جامع فضائل ہونا ہے۔

دوسرا مطلب: کہ اس سے مراد مطلق فضائل نہیں بلکہ وہ فضائل مراد ہیں جو دونوں صنفوں کے ساتھ مخصوص ہوں۔ اب روایت کے معنی یہ ہوں گے کہ مردوں کے جو فضائل ہیں بہت سے مردان فضائل میں کامل ہیں مگر عورتوں کے فضائل میں کم عورتیں کامل ہیں سوائے مریم و آسیہ رضی اللہ عنہا کے۔

کیا عورت نبیہ ہوسکتی ہے؟

① جمہور اہلسنت فرماتے ہیں کہ وحی نبوت کا سلسلہ صرف مردوں کے ساتھ خاص۔ رہا ہے، کسی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

② بعض تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ، ابن السید، اور ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ قائل ہیں۔ چنانچہ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چھ عورتیں حوا، سارہ، اُم موسیٰ، ہاجرہ، آسیہ، مریم علیہم السلام، نبیہ ہوئی ہیں۔

جمہور کے دلائل: اوّل آیت ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ... الخ﴾ (یوسف:۱۰۹) کہ آیت شریفہ میں وصف رسالت کو رجال ہی میں منحصر فرمایا ہے۔

دوم: حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ﴾ (المائدہ:۷۵) آیت مذکورہ مقام مدح میں ہے لفظ صدیقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ولیہ تھیں نبیہ نہیں تھیں کیونکہ مقام مدح میں اعلی درجہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت

حاصل ہوتی تو یہاں نبیہ کہا جاتا۔

سوم: عورت اپنی جنس کے لحاظ سے ناقص العقل ہے حالانکہ نبی وہ ہوتا ہے جو ہر اعتبار سے کامل ہو امت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ نبی سے زائد عقل والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ناقص العقل کو کس طرح منصب نبوت دیا جاسکتا ہے۔

قائلین کے دلائل: استدلال کیا ہے کہ مریم علیہا السلام اور آسیہ دونوں نبیہ ہیں اسلیئے کہ نوع انسانی میں سب سے زائد کامل انبیاء پھر اولیاء پھر صدیقین اور شہداء ہیں پس اگر یہ دونوں نبیہ نہ ہوں گی بلکہ ولیہ یا صدیقہ یا شہیدہ ہوں گی تو پھر عام عورتوں میں نہ کوئی ولیہ ہوگی۔ نہ صدیقہ اور شہیدہ حالانکہ یہ صفات اور عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں میں عام عورتوں سے زائد دوسری صفات کمال ان میں نبوت پائی جاتی ہے۔

ثانیا: ان لوگوں نے ضابطہ بیان کیا کہ جس شخص سے بھی فرشتہ نے من جانب اللہ تکلم کیا تو اس میں نبوت کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ نبی ہوگا۔ چنانچہ فرشتہ کا مذکورہ عورتوں سے من جانب اللہ تکلم کرنا ثابت ہے۔ لہٰذا یہ نبیہ کیسے نہیں ہوسکتی ہیں۔

ثالثا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے لفظ وحی وارد ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى﴾ (القصص:۷) اور ظاہر ہے کہ غیر نبی کو وحی نہیں ہوسکتی ہے۔

جوابات: ان کا جواب اولا تو یہ ہے کہ یہاں کمال سے جامع فضائل ہونا یا عورتوں کے فضائل میں کامل ہونا مراد ہے جیسا کہ تشریح حدیث کے تحت گزر چکا ہے۔

نیز ان عورتوں کو ولیہ، صدیقہ یا شہیدہ ہونا دوسری تمام عورتوں کے لیے ولیہ، صدیقہ یا شہیدہ ہونے کے منافی نہیں چونکہ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور عورتوں میں بھی یہ صفات موجود ہوں لیکن اس درجہ کی نہ ہوں جس درجہ کی ان کو حاصل ہیں۔

ثانیا: واقعات اس پر شاہد ہیں کہ فرشتہ نے من جانب اللہ غیر نبی سے بھی تکلم کیا ہے چانچہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے دینی بھائی کی زیارت کے لیے جارہا تھا راستہ میں فرشتہ نے اس کو بشارت دی کہ جس طرح تجھ کو اپنے بھائی سے محبت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی تجھ سے محبت ہے۔ (روح المعانی) حالانکہ اس شخص کے نبی ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

ثالثا: لفظ وحی کا کسی کے لیے وارد ہونا یہ کوئی دلیل نبوت نہیں چونکہ یہ لفظ تو شہد کی مکھی کے لیے بھی قرآن کریم میں وارد ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ ... الخ﴾ (النحل:٦٨) تو کیا شہد کی مکھی بھی اس لفظ کی بناء پر نبی ہوجائے گی۔ جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کرسکے قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے ہیں، وہ صرف مرد ہی تھے۔ ان میں کوئی بھی عورت نہیں تھی۔ اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ وحی دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) وحی اصطلاحی: یہ وہ وحی ہے جو لوگوں کی رشد وہدایت اور مرونہی کی تعلیم دینے کے لیے نازل ہوتی ہے، اس کے ذریعہ مخلوق کی اصلاح کے لیے کسی کو منتخب کرنا اور دعوت وتبلیغ کے لیے کسی کو مامور کرنا ہوتا ہے اس نبی کے ذمے لازم ہوتا ہے۔ کہ اس وحی پر خود بھی ایمان لائے اور دوسروں کو بھی اپنی نبوت اور وحی کے ماننے کا پابند بنائے، جو اس کو نہ مانے اسے کافر قرار دے، اس طرح کی وحی بالاتفاق مردوں کے ساتھ خاص ہے، کسی عورت پر یہ وحی نازل نہیں ہوئی، اس وحی کا نزول نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر اس قسم کی وحی نہیں اتر سکتی۔ اس وحی کو "نبوت مع الرسالہ" "وحی تشریعی" اور

''وحی نبوت'' کہا جاتا ہے۔

(۲) وحی لغوی لفظ: ''وحی'' کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں، جو صرف مخاطب کو معلوم ہو، دوسرا کوئی اس پر مطلع نہ ہو۔

اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی نہ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی مردوں کے ساتھ خاص ہے، اس کا کوئی وقت بھی متعین نہیں، کسی بھی وقت ہوسکتی ہے یہ وحی ایک عام بندے کو بھی ہوسکتی ہے بلکہ جانور تک اس میں شامل ہوسکتے ہیں، جیسے شہد کی مکھی کے بارے میں وحی کا ذکر ہے۔ یہ وحی خواہ الہامی شکل میں ہو یا خواب کی صورت میں یا فرشتوں سے گفتگو کے ذریعہ، یہ سب وحی کی لغوی صورتیں ہیں چنانچہ حضرت مریم، حضرت سارہ اور حضرت ام موسیٰ علیہن السلام وغیرہ پر اسی لغوی معنی کے اعتبار سے وحی نازل ہوئی تھی، اس سے ان کا نبی ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ اس وحی کا مقصد صرف کسی کو آنے والے واقع کی اطلاع یا کسی کو بشارت دینا ہوتا ہے، یا اس شخص کی ذات سے متعلق کوئی مخصوص حکم یا نہی نازل کرنا مقصود ہوتا ہے البتہ اس طرح کی لغوی وحی عموماً الہامی شکل میں ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی دل میں ایک مضمون ڈال دیں، اور اسے اس پر مطمئن کردیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جیسے عموماً اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہام ہوتے رہتے ہیں، بلکہ ابوحیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتے کے واسطے بھی ہوسکتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقع میں تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آکر انہیں سمجھایا مگر اس وحی کا تعلق صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتا ہے، جسے الہام ہوتا ہے، اصلاح خلق دعوت وتبلیغ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تفسیر مظہری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی وحی کو ''تحدیث'' فرمایا ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ امتوں میں کچھ ''محدث'' لوگ گزرے ہیں میری امت میں اگر کوئی محدث ہوسکتا ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوگا۔ دوسرے طریق میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ ایسے لوگ گزرے ہیں کہ ان سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے ذریعہ) کلام کیا جاتا تھا۔ جبکہ وہ انبیاء نہیں تھے۔ میری امت میں اگر ایسا آدمی کوئی ہوا تو وہ عمر ہوگا، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتا۔

محدث: سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درست بات ڈالی جاتی ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے نبی اور رسول کے علاوہ وہ لوگ مراد ہیں جن سے فرشتے گفتگو کرتے ہیں۔ (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب عمر، ۶۲/۷)

وفضل عائشة رضي الله عنها على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''

اس جملہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری خواتین پر یوں فضیلت حاصل ہے کہ، جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر، کہ ثرید کا کھانا آسان ہے اور زود ہضم بھی ہے۔ علی النساء'' میں نساء سے یا تو نساء الدنیا مراد ہے کہ پوری دنیا کی خواتین پر افضل ہیں، یا اس سے نساء اھل الجنۃ مراد ہے کہ اہل جنت کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں، یا اس سے سے نساء زمانھا مراد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کی عورتوں پر فائق ہیں، یا اس سے نساء ہذہ الامۃ مراد ہے کہ اس امت کی عورتوں سے افضل ہیں۔

عائشہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہما میں افضل کون ہے؟

حدیث باب اور دیگر بعض روایات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں افضل کون ہے، اس میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض روایات سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر نسائها مریم بنت عمران. وخیر نسائها خدیجة بنت خویلد، عورتوں میں سب سے بہتر حضرت مریم علیہا السلام ہیں اور عورتوں میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل نساء اهل الجنة خدیجة، وفاطمة ومریم وآسیة. اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے طریق سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے روایت نقل کی ہے: سیدة نساء العالمین مریم، ثم فاطمة، ثم خدیجة، ثم آسیة. تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار حضرت مریم علیہا السلام ہیں پھر حضرت فاطمہ پھر حضرت خدیجہ پھر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ ان روایات سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا افضل ہونا معلوم ہو رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ مذکورہ پانچ خواتین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت مریم علیہا السلام حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ، اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن میں سے کس کو فضیلت حاصل ہے، کیونکہ ان تمام کے بارے میں مختلف روایات میں کچھ نہ کچھ خاص فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ان روایات کے درمیان تطبیق: سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حیثیات کے اعتبار سے فرق ہے کہ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کسی خاص شرف وفضل کے اعتبار سے دیگر تمام عورتوں سے ممتاز ہیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی شرف علمی کمال اور دینی بصیرت ہے جو علمی کمال ان کو حاصل تھا وہ نہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا اور نہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا، بیسیوں روایات ان سے منقول ہیں، بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشکل اور پیچیدہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے۔ آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل تھا، کئی بار ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت وحی نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر پر تشریف فرما تھے۔

اسی طرح خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو سبقت ایمانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان وغیرہ کی بناء پر فضیلت ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی ہیں:

> حین قالت عائشة قد رزقك الله خیرا منها فقال لها لا والله ما رزقنی الله تعالیٰ خیرا منها آمنت بی حین کذبنی الناس واعطی مالها حین حرمنی الناس۔
>
> "جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہتر عطا کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ کی قسم! اُس سے بہتر مجھے اللہ نے کوئی عطا نہیں کی وہ مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اپنا مال مجھے دے دیا جب لوگوں نے مجھے مال سے محروم کر دیا۔"

اس اعتبار سے دیگر تمام عورتوں پر فائق ہیں کہ مشکل اور انتہائی دشوار حالات میں آپ کو حوصلہ اور سہارا دیا، جان و مال اور ہر ممکن طریقے سے آپ کا تعاون اور دفاع کیا۔

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علماء نے سب سے افضل قرار دیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جزئیت کا تعلق ہے اور محبت جزئیت تمام

محبتوں پر فائق ہے۔ (کما قالہ صاحب روح المعانی) حضرت مریم علیہا السلام کا یہ خاص اعزاز ہے کہ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت کسی انسان کے چھوئے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر پیدا کیا، انہیں مسجد کی خدمت کے لیے قبول کیا، ان کے کمرے میں غیر موسمی پھل ان کی کرامت کی وجہ سے موجود ہوتے، سردی کے پھل گرمی کے موسم میں اور گرمی کے پھل سردی کے موسم میں...... صحیح حدیث میں ہے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو (چھوتا) مس کرتا ہے جس سے وہ چیختا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مس سے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے کو محفوظ رکھا۔

حضرت آسیہ علیہا السلام (فرعون کی بیوی) کا یہ شرف ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے ظالم شخص کی بیوی ہونے کے باوجود حق کا راستہ اختیار کیا، اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں، ناز و نعمت اور خوشحال زندگی کے مقابلے میں حق کی خاطر طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں یہاں تک کہ بڑے اطمینان کے ساتھ شہداء کے زمرے میں داخل ہو گئیں، حضرت آسیہ علیہا السلام نے حضرت موسیٰ کے بارے میں فرعون کو رائے دی کہ یہ بچہ جو صندوق سے نکلا ہے اسے ہلاک نہ کریں بلکہ اپنے پاس رکھ کر اس کی پرورش کرتے ہیں اور کہا: قرة عين لی ولك. کہ یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، فرعون بولا "لك لا لی" یہ آنکھوں کی ٹھنڈک تیرے لیے ہوگا میرے لیے نہیں یہ بات حضرت آسیہ علیہا السلام کی فہم و فراست کی دلیل ہے۔

نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو خصوصیات مجموعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہیں وہ اور کسی عورت کو حاصل نہیں ہیں۔ جیسا کہ ان کے مناقب سے معلوم ہوتا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کا تعارف:

اُم عبد اللہ کنیت ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیویوں میں سے پیاری بیوی ہیں سب سے زائد علم وفقہ کی ماہر صائب الرائ شمار کی گئی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل بیان فرمائے ہیں جو مناقب میں آرہے ہیں بعثت کے چار پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئیں اور انہی کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے کل احادیث دو ہزار دو سو ہیں ایک سو چوہتر پر شیخین کا اتفاق ہے وصال بعض محققین کے نزدیک ۵۷ھ ہے لیکن اکثر محدثین ۱۷ رمضان ۵۸ھ پر متفق ہیں بقیع الغرقد میں مدفون ہوئیں۔

بَابُ مَاجَاءَ اَنْهَشُوا اللَّحْمَ نَهْشًا

باب ۳۲: یہ باب اس بیان میں ہے کہ تم گوشت دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا کرو،

(۱۷۵۸) نَهَشُوا اللَّحْمَ نَهْشًا فَاِنَّهٗ اَهْنَاُ وَاَمْرَءُ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میرے والد نے میری شادی کی انہوں نے کچھ لوگوں کی دعوت کی جن میں حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ گوشت کو نوچ کر کھاؤ کیونکہ یہ زیادہ مزیدار محسوس ہوتا ہے اور جلدی ہضم ہو جاتا ہے۔

تشریح: گوشت نوچ کر کھانا سنت ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب قائم فرمائے ہیں اس سے پہلے میں گوشت کو منہ سے کاٹ کر کھانے کا حکم ذکر کیا۔ اور دوسرے باب میں اس بات کی اجازت کو بیان فرمایا کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر بھی کھانا ثابت ہے۔

روایت کا حاصل: یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ کیونکہ اس طرح کھانا زیادہ لذت کا باعث ہے اور زود ہضم بھی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی گوشت کو منہ سے نوچ نوچ کر کھائے گا تو منہ کے اندر سے لعاب خود بخود نکل کر گوشت سے ملتا رہے گا۔ جس سے لذت دوبالا ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ جو کھانے چٹ پٹے ہوتے ہیں ان کو کھاتے ہوئے منہ میں بکثرت پانی آتا رہتا ہے اور وہ کھانے سے مل کر اس کی لذت کو بڑھاتا رہتا ہے اور جب لذت کے ساتھ آدمی کسی چیز کو کھاتا ہے تو معدہ بھی اس کو اچھی طرح قبول کرتا ہے جس سے کھانا خوب ہضم ہوتا ہے۔ بہر حال یہ تلذذ جب ہی حاصل ہوگا کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھایا جائے۔

لغات: انھشوا، یہ صیغہ امر ہے نہش سے ماخوذ ہے اور بالشین المعجمہ والسین المھملہ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی گوشت کو منہ سے پکڑ کر اس کو ہڈی سے جدا کر دینا۔ امام اصمعی اور جوہری رحمہما اللہ نے دونوں ضبط کے یہی معنیٰ بیان کئے ہیں لیکن دوسرا قول یہ کہ یہ معنیٰ نہش بالشین المعجمہ کے ہیں اور نہس بالسین المھملہ کے معنی تناوله بمقدم الفم یعنی گوشت کو منہ کے آگے کے حصہ سے کھانا اور بعض نے کہا کہ نہس کے معنی القبض علی اللحم و نترہ عند الاکل یعنی گوشت کو پکڑنا اور کھانے کے وقت اس کو سختی سے کھینچنا۔ نیز قاموس میں ہے نھس اللحم کمنع وسمع آگے کے دانتوں سے گوشت کو لینا اور نہس اللحم کے معنی ڈاڑھوں کے ذریعہ گوشت کو لینا اور طیبی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ بالسین المھملہ ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو دانتوں کے کنارے سے کھینچنا۔ اھناء ہنی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایسا لذیذ کھانا جو غرض کے موافق ہو۔ لہٰذا اھناء کے معنی الذ یعنی زیادہ لذیذ ہوں گے۔ وامرأ استمراء سے ماخوذ ہے اس کے معنی ذهاب كظمة الطعام و ثقله یعنی اچھی طرح ہضم ہونا۔

بَابُ مَا جَآءَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّيْنِ

باب ۳۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے کی اجازت

(۱۷۵۹) اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ ﷺ احْتَزَّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ مَضٰى اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَتَوَضَّاْ.

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے چھری کے ذریعے بکری کے شانے کا گوشت کاٹ کر اسے کھایا پھر آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے اور از سر نو وضو نہیں کیا۔

لغات: السکین بمعنی چھری۔ اس میں دوسری لغت سکینۃ ہے لیکن سکین زیادہ مشہور ہے۔ علامہ جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سکین مذکر و مؤنث دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ ہاں البتہ غالب تذکیر ہے۔ کہ کھانے کے وقت اگر گوشت سخت معلوم ہو، اسے کسی وجہ سے نوچ کر نہ کھایا جا سکتا ہو تو ضرورت کی وجہ سے اسے چھری سے کاٹنا یا ہاتھ سے توڑنا جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے بازو سے چھری کے ذریعے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اسے تناول فرمایا۔

اعتراض: سنن ابی داوٗد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کر نہ کھایا کرو، یہ عجمی لوگوں کا طریقہ ہے، اسے دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو، کیونکہ اس طرح کھانا زیادہ لذیذ اور زیادہ خوشگوار ہے۔(بذل المجہود، کتاب الاطعمۃ، باب فی الأکل من أعلی الصفحۃ:16۔102)

سنن ابی داوٗد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کر نہ کھایا کرو، یہ عجمی لوگوں کا طریقہ ہے، اسے دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو، کیونکہ اس طرح کھانا زیادہ لذیذ اور زیادہ خوشگوار ہے۔ (بذل المجہود، کتاب الاطعمۃ، باب فی الأکل من أعلی الصفحۃ:16۔102)

تعارض کا جواب: ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ اگر گوشت نرم اور گلا ہوا ہو تو اس کو چھری کے بجائے دانتوں سے نوچ کر ہی کھانا چاہئے اور اگر گوشت پکانے کے باوجود سخت ہو، دانتوں سے نوچ کر اسے کھانا ممکن نہ ہو تو پھر چھری کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے، تاہم اسے روزانہ کی عادت اور عام معمول نہیں بنانا چاہے۔

فائدہ: کہ سنن ابی داوٗد کی روایت میں ممانعت کا حکم نہی تنزیہی پر محمول ہے، لہٰذا چھری کا استعمال ایسے موقع پر گو کہ حرام نہیں، جائز ہے، لیکن چونکہ ان کا استعمال یہود و نصاریٰ، دنیا دار اور مغربی دنیا کا شعار بن چکا ہے، اس لئے مشابہت سے بچنے کے لئے ہر ممکن احتراز ضروری ہے۔

چمچ سے کھانا جائز ہے:

اگر کوئی کھانا اس قسم کا ہو کہ اسے چمچ کے بغیر نہ کھایا جاسکتا ہو، تو پھر چمچ کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے، لیکن چونکہ چھری کانٹے میں اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے استعمال کے بغیر بھی کھانا کھایا جاسکتا ہے۔

(جدید فقہی مسائل، خوراک و پوشاک:1/180)

بَابُ مَا جَاءَ اَیُّ اللَّحْمِ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ۳۴: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا گوشت زیادہ محبوب تھا اس حوالے سے جو کچھ منقول ہے

(۱۷۶۰) قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا آپ کے سامنے ران کا گوشت رکھا گیا، وہ آپ کو بہت پسند تھا آپ نے اسے دانتوں کے ذریعے نوچ کر کھایا۔

(۱۷۶۱) مَا كَانَ الذِّرَاعُ اَحَبَّ اللَّحْمِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلٰكِنْ كَانَ لَا یَجِدُ اللَّحْمَ اِلَّا غِبًّا فَكَانَ یَعْجَلُ اِلَیْهِ لِاَنَّهٗ اَعْجَلُهَا نُضْجًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت میں ران کا گوشت (زیادہ) پسند نہیں تھا لیکن چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کبھی کبھار کھانے کو ملتا تھا تو آپ اسے کھالیتے تھے کیونکہ یہ جلدی

تیار ہوجاتا تھا۔

تشریح: الذراع: (ذال کے نیچے زیر) ہر جانور کا ہاتھ، گائے اور بکری کا ذراع پنڈلی سے اوپر کا حصہ ہوتا ہے، اونٹ کا اور دوسرے کھر والے جانوروں کا ذراع پنڈلی کے پتلے حصے کے اوپر سے شروع ہوجاتا ہے۔ حضور کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پسند تھا۔ (۱) جلدی پک جاتا ہے۔ (۲) زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ (۳) معدہ پر بوجھ نہیں ہوتا بلکہ جلدی ہضم ہوجاتا ہے۔

باب کی دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ آپ کا دستی کے گوشت کو پسند فرمانا اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ ﷺ دنیا کی لذتوں میں رغبت رکھتے تھے، اور آپ کا دل ہر وقت گویا اسی طرف متوجہ رہتا، کیونکہ یہ تو نبی کی شان کے مناسب نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گوشت کبھی کبھار آتا تھا، جس کی وجہ سے اسے کھانے کا طبیعت میں شوق پیدا ہوتا تھا، پسندیدہ ہونے کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ لذیذ ہوتا بلکہ دستی کا گوشت اس وجہ سے بھی پسند تھا کہ وہ جلدی پک جاتا ہے، جسے کھا کر آدمی جلدی سے فارغ ہوکر ذکر وفکر اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے۔ (الکوب الدری، ابواب الاطعمۃ، باب ما جاء ای اللحم کان احب الی رسول اللہ ﷺ: 3/22)

فائدہ: سنن ابی ماجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔ (۲) یہ حدیث دستی گوشت والی حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ دونوں کی پسندیدہ ہونے کی وجہیں مختلف ہیں، چنانچہ پیٹھ کا گوشت طاقتور، صاف ستھرا اور چکنا ہوتا ہے اور دستی گوشت کی پسندیدہ ہونے کی وجہیں اوپر گزر چکی ہیں۔ لہٰذا ایسا ہوسکتا ہے کہ دو چیزیں مختلف وجوہات کی بناء پر پسندیدہ اور عمدہ ہوں، اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْخَلِّ

باب ۳۵: سرکہ کے (فضائل)

(۱۷۶۲) نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱۷۶۳) نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱۷۶۴) نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱۷۶۵) دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ هَلْ عِنْدَ كُمْ شَيْءٌ فَقُلْتُ لَا اِلَّا كِسَرٌ يَابِسَةٌ وَخَلٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَرِّبِيْهِ فَمَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ اُدْمٍ فِيْهِ خَلٌّ.

ترجمہ: سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابو طالب بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے آپ نے فرمایا۔ تمہارے پاس

(کھانے کے لئے) کچھ ہے؟ میں نے عرض کی۔ صرف سوکھی روٹی کے ٹکڑے ہیں اور سرکہ ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اسے ہی لے آؤ جس گھر میں سرکہ موجود ہو اس گھر والے محتاج نہیں ہوتے۔

سرکہ کی فضیلت سے امت کو زہد کی تعلیم:

حضور اکرم ﷺ نے سرکہ کو بہترین سالن قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ: اے اللہ سرکہ میں برکت ڈال دیجئے، یہ سرکہ مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا سالن رہا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علامی خطابی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ آپ ﷺ نے ماکولات میں اختصار کی تعریف فرمائی ہے اور لذیذ کھانوں کی طرف نفس کے مائل ہونے کو روکا ہے اور مقصد یہ ہے کہ سرکہ اور اسی طرح کی معمولی چیزوں ہی سے روٹی کھالیا کریں۔ شہوات اور لذائذ کی طرف مائل نہ ہوں۔ اپنے نفس کو لذیذ اور عمدہ کھانوں کا عادی نہیں بنانا چاہئے اور یہی اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کیونکہ شہوات دین کے لئے فساد کا ذریعہ اور بدن کے لئے بیماریوں کا پیش خیمہ ہے چونکہ ظاہر ہے کہ لذیذ کھانا زائد کھایا جائے گا جس سے اعمال میں سستی ہوگی جو دین کی تباہی کا باعث ہے پھر زیادہ کھانے سے بیماری پیدا ہوگی جو جسم کے خراب ہونے کا ذریعہ ہوگی۔

فائدہ: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں امت کو زہد کی تعلیم دی گئی ہے کہ امت کو چاہئے کہ مباحات میں بھی زائد مبتلا نہ ہو سرکہ اگرچہ عرفاً اور شرعاً سالن نہیں ہے مگر بہر حال روٹی سے کھانے کے لئے کافی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ گیہوں کی روٹی اپنے سالن کے ساتھ ہے یعنی گیہوں کی روٹی کے لیے سالن کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ جَو وغیرہ کی روٹی کے لئے سالن کی ضرورت ہے۔

اعتراض: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اس انداز سے کیوں جواب دیا، انہیں اس موقع پر یوں جواب دینا چاہئے تھا: بلی، عندی خبز و خل، (ہاں کیوں نہیں: میرے پاس روٹی اور سرکہ ہے) اس انداز سے جواب نہ دینے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی عظمتِ شان کی وجہ سے یہ جواب دینا مناسب نہ سمجھا، انہیں یہ اچھا نہ لگا کہ اس قدر محترم اور معزز مہمان کی خدمت میں روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ پیش کیا جائے، لیکن چونکہ آپ سمجھ گئے کہ محض ادب کی وجہ سے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا اس انداز سے جواب نہیں دے رہیں، اور ان چیزوں کو گویا معمولی سمجھ رہی ہیں اس لئے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: انہیں میرے قریب کریں، چنانچہ آپ نے وہ ٹکڑے سرکہ کے ساتھ تناول فرمائے، اور فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ سالن سے خالی نہیں۔

"وام ھانی ماتت بعد علی بن ابی طالب بزمان" امام ترمذی نے فرمایا: حضرت ام ہانی کی وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے ایک عرصہ بعد ہوئی۔ اس سے امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ رروایت مرسل اور منقطع نہیں ہے، بلکہ متصل ہے، کیونکہ امام شعبی کی ملاقات اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی، لیکن ام ہانی سے ہوئی ہے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک زندہ رہیں، ہوسکتا ہے کہ اس دوران امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہو، لہٰذا یہ کہنا امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوئی تو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے کیسے ہوسکتی ہے، درست نہیں ہے۔

حضرت "اُم ہانی رضی اللہ عنہا" کا تعارف:

حضرت "ام ہانی رضی اللہ عنہا" ابوطالب کی بیٹی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن ہیں، ان کا نام: فاختہ یا فاطمہ یا ہند ہے، ان میں پہلا نام زیادہ مشہور ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں انہیں پیغام نکاح دیا تھا، اتفاقاً انہی دنوں میں ہبیرہ بن وہب نے بھی پیغام نکاح دے دیا، ابوطالب نے ان کا نکاح ہبیرہ سے کر دیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا سے ناراض ہو گئے، اس ناگواری کو دیکھ کر ابوطالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے ان لوگوں نے ہمیں رشتہ دے رکھا ہے، ہم ان کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہتے ہیں، اس لئے میں نے انہیں رشتہ دیا، پھر جب اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا اور ہبیرہ نے نہیں کیا تو ان کے درمیان جدائی ہوگئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم ہانی رضی اللہ عنہا کو دوبارہ پیغام نکاح دیا، تو اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: خدا کی قسم میں تو زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کو پسند کرتی تھی، اور اب تو میں مسلمان ہو چکی ہوں، اب آپ کو کیسے پسند نہیں کروں گی، لیکن بات یہ ہے کہ میری اولاد ہے، اور میں اس چیز کو پسند نہیں کرتی ہوں کہ وہ آپ کو تکلیف پہنچائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قریشی عورتیں بہترین عورتیں ہیں، جو اونٹ پر سوار ہوتی ہیں اور اپنے بچوں پر شفقت کرتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔"

ام ہانی رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں، ان سے ان کے بیٹے جعدۃ، یحییٰ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے روایات حاصل کی ہیں اور پھر انہیں روایت کیا، یہ روایات صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔

لغات: ادام: (ہمزے کے نیچے زیر) سالن، ہر وہ چیز جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے، اس کی جمع أدم ہے، اور کبھی "أدم" کا لفظ مفرد بھی استعمال ہوتا ہے۔ (فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، باب الادم 9/694) کسر: یہ کسرۃ کی جمع ہے، روٹی کے ٹکڑے۔

ما اقفر بیت کی ترکیب: "ما اقفر بیت مِنْ اِدَمٍ فِیْهِ خلٌّ" "ما" نافیہ "أقفر" فعل، "بیت" موصوف، "من ادم" جار مجرور متعلق ہے ما اقفر کے، اور "فیہ" خبر مقدم، "خل" مبتدا مؤخر، جملہ اسمیہ ہو کر "بیت" کی صفت، موصوف صفت مل کر "اقفر" کا فاعل، فعل اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

اعتراض: اس ترکیب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ موصوف یعنی "بیت" اور صفت یعنی فِیْهِ خلٌّ فیہ خل کے درمیان اجنبی "مِنْ اِدَمٍ" کا فصل ہے، جو درست نہیں ہے؟

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موصوف صفت کی ترکیب درست ہے، اور "من ادم" فاصل ہے، لیکن یہ مکمل طریقے سے اجنبی فاصل اس لئے نہیں کہ "اقفر" ان تمام پر عمل کر رہا ہے، اس لحاظ سے ان میں قرب پایا جاتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: 8/53۔ شرح الطیبی، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی: 8/162)

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ الْبِطِّیْخِ بِالرُّطَبِ

باب ۳۶: یہ باب خربوزہ کو تازہ کھجور سے ملا کر کھانے کے بارے میں ہے

(۱۷۶۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَأْکُلُ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تر کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے۔

تشریح: البطیخ بمعنی خربوزہ نمبر 1۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو راجح قرار دیا اور فرمایا کہ جن لوگوں نے بطیخ کی تفسیر تربوز سے کی ہے وہ غلط ہے اور شاید غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں یہ واقع ہوا ہے کہ اس کی ٹھنڈک سے کھجور کی گرمی ختم ہو جائے گی اور خربوزہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان شرح شمائل میں یہ ہے کہ بطیخ سے یہاں مراد تربوز ہے اور بھی دیگر شراح کا میلان اسی طرف ہے۔ مگر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بطیخ کی تفسیر خربوزہ سے کی ہے۔

خربوزہ گردے کے لئے مصلح پیشاب آور مولد لبن ہے پتھری کے لئے نافع نیز یرقان کے لئے دافع ہے۔ سدوں کو کھولتا ہے اس کے چھلکوں کا لیپ چہرے کی جھائیاں دور کرتا ہے۔

تربوز: گرمی، تیزی صفراء خون اور پیاس کے لئے تسکین کا باعث ہے۔ پیشاب آور ہے گرمی کے بخار کے لئے نافع ہے اس کا پانی گرم مزاج والوں کے لئے نافع ہے دیر ہضم ہے جس دن چاول کھائے تربوز نہ کھائے کیونکہ مضر ہے

الرطب: بضم الراء فتح الطاء تر میٹھی کھجور، کھجور معدہ جگر کے لئے مقوی ہے گرم مزاجوں کے موافق ہے جسم کے لئے فربہی کا باعث ہے ریاح و اورام کو تحلیل کرتی ہے اس کی گٹھلی کا منجن دانتوں کو صاف کرتا ہے بہتے ہوئے خون کو روکنے کا ذریعہ ہے۔ والدلیل علی ذالک ایک تو اس وجہ سے کہ نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: **رأیت رسول الله ﷺ یجمع بین الرطب والخربز.**

دونوں کو ملا کر کھانے کی حکمت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کو تازہ پکی ہوئی کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے، اس طرح ملا کر کھانا اعتدال پیدا کرنے کے لئے ہوتا تھا، کیونکہ کھجور کا ذائقہ گرم ہے اور خربوزہ کا اثر نسبتاً ٹھنڈا ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اثر کو ختم کر دیتا ہے، جس سے طبیعت میں اعتدال اور مزاج میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے، طبی لحاظ سے گرم و سرد چیز کو ملا کر کھانا صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اسے یوں کھاتے کہ دائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہوتی اور بائیں ہاتھ میں خربوزہ، پھر انہیں ملا کر تناول فرماتے، پہلے ایک کھجور منہ میں رکھ لیتے، پھر دائیں ہاتھ سے خربوزہ کا ایک ٹکڑا کھاتے۔ (فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، باب جمع اللونین بمرۃ 9/81) اور یہ آپ کا محبوب پھل تھا، ملا کر کھانے کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ایک ساتھ منہ میں رکھ کر کھا لیا جائے۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب الأطعمۃ، الفصل الاول، 3/492)

طب اور علاج کا ثبوت: علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت سے طب اور علاج کا بھی ثبوت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شئ مضار کا مقابلہ اس کی ضد کے ساتھ کر لیا جائے تا کہ اعتدال پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اطباء حضرات جب معجون بناتے ہیں تو اس کے مفردات کے الگ الگ خواص ہوتے ہیں لیکن جب ان کو یکجا کر لیا جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے لئے مصلح بن جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَکْلِ الْقِثَّاءِ بِالرُّطَبِ

باب ۳۷: یہ باب کھیرے یا ککڑی کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کے بارے میں ہے

(۱۷۶۷) کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَاْکُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ ترکھجور کے ساتھ ککڑی کھالیا کرتے تھے۔

تشریح: لفظ قثاء کی تحقیق اور اس کے خواص: قثاء بکسر القاف وتشدید الثاء المثلثۃ اور ضم قاف بھی جائز ہے یہ اس جنس ہے کھیرا اور ککڑی دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں ککڑی مراد ہے۔

ککڑی کے خواص: صفراوی خون کی گرمی پیٹ کی آنتوں کی سوزش کو تسکین دیتا ہے۔ پیاس دفع کرتا ہے گرم دماغی بیماریوں اور بے خوابی اور شدت گرمی کو نافع ہے اس کا جھلجھلایا ہوا پانی تپ صفراوی اور تپ خونی بلغمی کو مفید ہے۔ اور گرمی سے دردسر کے لئے اس کو تراش کر سونگھنا مفید ہے۔ اس کے بیج پیشاب آور ہیں اور جلے ہوئے پتوں کو خارج کرتے ہیں اور پیشاب کی جلن اور ورم طحال کو نافع ہے اور گرمی کی شدت کے لئے مفید ہیں اس کے لوز مقوی اور ممسک ہیں۔

کھجور و ککڑی ملا کر کھانے میں حکمت: ککڑی اور کھجور دونوں کو ملا کر کھانے کی وجہ یہ ہے کہ ککڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم ملا کر کھانے سے دونوں کی اصلاح ہو کر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز ککڑی پھیکی ہوتی ہے اور کھجور میٹھی دونوں کو ملا کر کھانے سے ککڑی میں بھی مٹھاس آجاتا ہے جس سے لذت دوبالا ہو جاتی ہے۔

کیفیت اکل: اس کے کھانے کی کیفیت یہ ہوتی کہ حضور ﷺ دائیں ہاتھ سے ککڑی پکڑتے اور بائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہوتی، پہلے دائیں ہاتھ سے ککڑی کھاتے پھر بائیں ہاتھ سے کھجور دائیں ہاتھ میں لے لیتے اور اس سے پکڑ کر کھاتے، لہٰذا یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے بائیں ہاتھ سے کھجور کھائی ہے، درست نہیں ہے۔ (فتح الباری: 9/710۔ عمدۃ القاری: 21/66)

فائدہ: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ روایت سے یہ معلوم ہوا کہ دو دو پھل ایک ساتھ کھائے جاسکتے ہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ ماکولات و مشروبات میں وسعت جائز ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت سے معلوم ہوا کہ ماکولات ومشروبات کو طبی قاعدہ کے مطابق اصلاح کر کے کھایا جاسکتا ہے تاکہ مزاج کے مطابق ہو جائے یہاں ککڑی اور کھجور دونوں ملا کر کھانے میں جہاں دیگر فوائد ہیں ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا گیا کہ اس سے بدن میں فربہی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں روایت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال آیا کہ اس کا بدن کچھ فربہ ہو جائے اور اٹھان کچھ اچھا ہو جائے تو مجھے ککڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی۔ جس سے میرے بدن میں اچھی فربہی ہوگئی۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ککڑی نمک سے بھی نوش فرمائی ہے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کہ کبھی نمک سے تناول فرمائی ہو کبھی کھجور کے ساتھ کیونکہ کسی وقت میٹھے کی رغبت ہوتی ہے اور کسی وقت نمکین کی ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ شُرْبِ اَبْوَالِ الْاِبِلِ

باب ۳۸: اُونٹوں کے پیشاب پینے کے بیان میں

(۱۷۶۸) اِنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَبَعَثَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ اِشْرَبُوا مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، عرینہ قبیلے کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے وہاں کی آب وہوا انہیں موافق نہیں آئی نبی اکرم ﷺ نے انہیں صدقے کے اونٹوں کی طرف بھیج دیا اور فرمایا: ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔

تشریح: مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چار تو قبیلہ عرینہ کے تھے اور تین قبیلہ عکل کے چنانچہ طبرانی اور ابوعوانہ کی روایت میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ رہا آٹھواں شخص ممکن ہے کہ کسی اور قبیلہ کا ہو۔ اب روایات میں جو مختلف الفاظ آئے ہیں وہ راوی کی جانب سے ہیں۔ عرینۃ قبیلہ ہے قحطان سے اور عکل قبیلہ عدنان سے۔ فاجتووھا. اے اصابتھم الجواء۔ ھوالمرض۔ پیٹ کے مرض پر جواء کا اطلاق ہوتا ہے۔ جب کسی جگہ پر آب وہوا موافق نہ آنے کی بناء پر پیٹ بڑا ہو جائے اس کو اجتواء کہا جاتا ہوا۔ بعض روایات میں استوخموھا اس کے معنی اجتووھا کے ہیں جیسا کہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور مسند ابی عوانہ میں فعظمت بطونھم نسائی میں حتی اصفرت الوانھم وعظمت واقع ہوا ہے یعنی ان کے پیٹ بھی بڑے ہو گئے تھے اور رنگ بھی زرد ہو گیا تھا۔

تعارض: ابل الصدقة: ایک روایت میں ابل رسول الله ﷺ آیا ہے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے مال غنیمت سے ملے ہوئے اونٹ بھی اس مقام پر صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ چر رہے تھے اس لئے ابل الصدقہ ابل رسول اللہ ﷺ دونوں لفظ صحیح ہیں۔

آپ ﷺ کے پاس جا کر منافقانہ انداز سے اسلام قبول کیا، اتفاقاً مدینہ کی آب وہوا انہیں راس نہ آئی، جسم بیمار، رنگ زرد اور پیٹ بڑے بڑے ہو گئے، آپ کو اس صورتحال سے جب آگاہ کیا گیا تو ان سے آپ نے فرمایا کہ مدینہ سے باہر میرے اور صدقہ کے اونٹ ہیں، تم لوگ وہاں چلے جاؤ، ان کا پیشاب اور دودھ پیو تو ٹھیک ہو جاؤ گے، ان کی آسانی کے لئے آپ نے اپنا چرواہا بھی ان کے ساتھ بھیج دیا، یہ لوگ وہاں رہے، اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو بالکل صحیح ہو گئے۔

صحت مند ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ وہ اسلام اور حضور اکرم ﷺ کے اور گرویدہ ہوتے، ان کی نیت خراب ہو گئی، حرص وہوس کا ناسور ان پر غالب آ گیا، ان لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کے ''یسار'' نامی چرواہے کو مثلہ کر کے قتل کر دیا اور ایک روایت کے مطابق دیگر بعض چرواہوں کو بھی یوں قتل کیا کہ ان کی آنکھیں نکالیں، کان اور ہاتھ بھی کاٹ ڈالے اور مرتد ہو گئے اور پھر اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔

یہ اونٹ کافی تعداد میں تھے، ان میں پندرہ دودھ والی اُونٹنیاں حضور اکرم ﷺ کی ذاتی تھیں جو آپ کو مال غنیمت سے حاصل ہوئی تھیں، ان میں سے ایک اونٹنی بھی انہوں نے مار ڈالی، حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اہل وعیال ان اونٹنیوں کا دودھ رات کے وقت پیا کرتے تھے، ان کی اس حرکت کی وجہ سے رات کے وقت آل محمد کو دودھ میسر نہ ہو سکا تو آپ نے ان ڈاکوؤں کے لئے ان الفاظ سے بددعا کی:

اللّٰھم عطش من عطش ال محمد. ''اے اللہ! تو اسے پیاسا کر جس نے آل محمد ﷺ کو پیاسا کیا ہے۔''

یہ چرواہا جس کو انہوں نے قتل کر دیا تھا کیا صرف اسی کو قتل کیا تھا یا اس کے ساتھ اور چرواہوں کو بھی مارا گیا تھا؟ صحیح بخاری کی تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ جس چرواہے کو انہوں نے مار دیا تھا وہ حضور اکرم ﷺ کا چرواہا تھا، اور اسے مفرد لفظ سے ہی ذکر کیا گیا ہے، البتہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جمع کا لفظ بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ثم مالوا علی الرعاة فقتلوھم. پھر وہ چرواہوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو قتل کر دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بارے میں دو احتمال ذکر کئے ہیں: (۱) ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے چرواہے کے ساتھ صدقہ کے اونٹوں کے بعض چرواہوں کو بھی انہوں نے قتل کر دیا ہو، اسے جب بیان کیا گیا تو بعض راویوں نے صرف حضور اکرم ﷺ کے چرواہے کے قتل کے ذکر پر اکتفاء کر دیا، اور بعض نے لفظ جمع کے ساتھ ذکر کر دیا۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض راویوں نے روایت بالمعنیٰ کی ہو، یعنی اس واقعہ کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیا ہو، جس میں مجازاً لفظ جمع استعمال کر دیا ہو، جبکہ مقتول صرف حضور اکرم ﷺ کے چرواہے تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس احتمال کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ روایات میں صرف حضرت یسار کے قتل کا ذکر ہے جو حضور اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور آپ کے چرواہے تھے۔

ایک چرواہا جو ان کے ظلم سے بچ گیا تھا، اس نے آکر حضور اکرم ﷺ کو سارا قصہ بتایا، آپ ﷺ نے ان کے تعاقب میں چند افراد روانہ کئے، وہ انہیں پکڑ کر لے آئے ان لوگوں نے کئی سارے جرم کئے تھے، مثلہ کر کے قتل کیا، ڈاکہ ڈالا، چوری کی اور مرتد ہوگئے تھے، ان سنگین جرائم کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں سخت فیصلہ فرمایا کہ انہیں بھی اس انداز سے قتل کیا جائے جس طرح انہوں نے کیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور آنکھیں بھی گرم سلائی سے پھوڑ ڈالیں اور سخت دھوپ میں مدینہ کی پتھریلی زمین پر پھینک دیا جائے، چنانچہ اسی فیصلے کی روشنی میں انہیں سزا دی گئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دھوپ میں مدینہ کی پتھریلی زمین پر تڑپ رہے تھے اور میں یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ وہ زمین کو دانتوں سے کاٹ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر گئے۔

اور بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ پانی طلب کرتے تھے لیکن انہیں پانی نہیں دیا گیا، اسی کشمکش میں ان کو موت آگئی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں اس جرم کی وجہ سے پانی نہیں دیا گیا کہ وہ مرتد ہوگئے تھے جس کی وجہ سے وہ قابل احترام نہ رہے، بعض نے یہ وجہ بیان کی کہ انہوں نے جب آل محمد کو پیاسا کیا تھا، تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے لئے بددعا کی تھی، اس وجہ سے انہیں پیاسا بھی کیا گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اس ناشکری کی سزا ہو جو انہوں نے اونٹوں کا دودھ پی کر کی تھی، یہ تمام اسباب جمع ہوسکتے ہیں، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ پانی نہ دینے کا واقعہ انہی کے ساتھ خاص تھا، ورنہ حکم یہ ہے کہ کوئی مجرم خواہ وہ کتنی ہی شدید سزا کا مستحق ہو اگر وہ پانی طلب کرے تو اسے پانی دیا جائے گا۔ (فتح الباری، کتاب الوضوء، باب ابوال الابل والدواب 442/1۔451)

وقال اشربوا من البانہا وابوالہا، اس جملے سے تین فقہی مسئلے متعلق ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی حرام چیز کو دوا کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا مسئلہ ضمناً حد اور قصاص (یہ تینوں مسائل تفصیلاً جلد اول میں گزر چکی ہے)

پہلا مسئلہ: مذاہب فقہاء: بول ما یوکل لحمہ کا حکم: جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب پاک ہے یا نہیں؟

اس پر اجماع ہے کہ مالا یوکل لحمہ کا بول نجس ہے اور اس بات میں اختلاف ہے کہ ماکول اللحم کا بول پاک ہے یا ناپاک۔

شیخین وشوافع کے ہاں بول مایوکل لحمہ کا نجس ہے۔

امام مالک وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مایوکل لحمہ کا بول پاک ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دونوں قسم کی روایتیں ہیں۔ البتہ

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے جبکہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے کیونکہ ائمہ کا اختلاف ان کے نزدیک مقتضی تخفیف ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل (۱): باب التشدید فی البول میں ابن عباس کی روایت ہے کما مر سابقا اس میں فکان لا یستنزہ من بولہ کی ضمیر اگرچہ صاحب قبر کی طرف راجع ہے مگر بعض روایات میں مطلق ذکر ہے ''من البول'' تو بول عذاب قبر کا باعث ہے اگر یہ پاک ہوتا تو اس کی وجہ سے عذاب قبر نہ ہوتا۔

استدلال (۲): مستدرک حاکم وصحیح ابن خزیمہ کی روایت ہے: ''استنزھو من البول فان عامة عذاب القبر منه'' حاکم نے اس کو صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ (مستدرک للحاکم ص: ۱۸۳ ج) یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے ہر قسم کے ابوال کو شامل ہے خواہ بول انسانی ہو یا حیوانی ہو ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو۔ جس طرح حدیث ابی ہریرہ میں عموم ہے اسی طرح حدیث ابن عباس وانس رضی اللہ عنہم عام کو شامل ہے۔ نیز حدیث ابی امامہ اتقوا البول فانہ اول ما یحاسب به العبد فی القبر. (پیشاب کی چھینٹوں سے بچو! سب سے پہلے قبر میں اسی بارے میں حساب لیا جائے گا) اس میں بول عام ہے وہ بول انسانی ہو یا حیوانی ہو پھر ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو۔

استدلال (۳): سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کا واقعہ ہے کہ جب ان کو دفنایا گا تو زمین نے ان کو دبایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پیشاب سے نہیں بچتے تھے رواہ احمد۔

نمبر (۴): امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بنی آدم میں لحوم، دماء، ابوال میں لحوم طاہر ہیں لیکن کھانا جائز نہیں حرمت کی وجہ سے اور دماء نجس ہے اور اس پر اجماع ہے کہ بنی آدم میں ابوال تابع ہیں دماء کے نہ کہ لحوم کے اسی وجہ سے اجماع ہے کہ بول نجس ہے اور اسی طرح ماکول اللحم جانوروں میں تین چیزیں ہیں۔ لحوم، دماء، بول، لہٰذا ابوال کو لحوم کے تابع کریں تو ابوال طاہر ہوں گے اور اگر دماء کے تابع ہوں تو نجس ہوگا لہٰذا بنی آدم پر قیاس کرتے ہوئے کہنا چاہیے کہ ابوال کو لحوم کے تابع نہ ہوں بلکہ دماء کے تابع ہوں۔

مالکیہ وغیرہ کا ستدلال: واقعہ عرینہ حدیث الباب حدیث انس رضی اللہ عنہ ؟ اشربوا البانہا وابوالہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مایوکل لحمہ کا بول و براز پاک ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کا حکم دیا اس وجہ سے پاک ہے اس حدیث میں ابل کے طاہر ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور باقی ماکول اللحم کے ابوال کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جمیع ابوال ماکول اللحم پاک ہیں۔

جوابات (۱): اس حدیث میں ابوال کا ذکر مدرج من الراوی ہے کیونکہ ابوداؤد کے (ص: ۵۴۰ ج: ۱) میں اور نسائی (ص: ۱۶۷ ج: ۲) میں ابوال کا لفظ نہیں ہے۔

جواب (۲): اگر تسلیم کرلیں کہ لفظ ابوال حدیث کا حصہ ہے پھر ہم یہ کہتے ہیں یہ علفتها تبنا وماء باردا کے قبیل سے ہے کہ حدیث موؤل ہے جب عاملین مختلفین کے دو مختلف معمول ہوں اور وہ دونوں کسی غرض میں متحد ہوں تو عامل ثانی کو حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کے معمول کا پہلے عامل کے معمول پر عطف کیا جاتا ہے۔ اب حدیث میں اشربوا البانہا وابوالہا کی تقدیر عبارت اشربوا من البانہا وشموا ابوالہا. الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرب البان کا حکم دیا۔ شرب ابوال کا حکم نہیں دیا بلکہ ادھان ابوال یا استنشاق

کا حکم دیا۔ احادیث صحیحہ میں شرب البان کا ذکر ہے۔ باقی بول وغیرہ پینا ان کا اپنا فعل تھا جیسا کہ بخاری شریف ص 423 پر یہی مضمون ہے جن روایات میں شرب البان کے ساتھ ساتھ شرب ابوال کو ذکر کیا یہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ذکر کرتے ہیں۔

جواب (۳): ہم مانتے ہیں نبی کریم ﷺ نے شرب بول کا حکم دیا لیکن طاہر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ تداوی کے لئے تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا استدلال ''مرابض الغنم'' والی روایت سے کیا ہے، جمہور نے اس کی دو توجیہات کی ہیں:

① حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الأم'' میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مدینہ منورہ کی سرزمین عام طور پر سنگریزہ اور چھوٹے چھوٹے نوکیلے پتھروں پر مشتمل تھی، اس پر آدمی نماز تک نہیں پڑھ سکتا تھا، البتہ مرابض غنم یعنی بکریوں کے باڑ کی جگہیں اہتمام کے ساتھ برابر اور ہموار کی جاتی تھیں اور انہیں صاف ستھرا بھی رکھا جاتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے جائے نماز بچھا کر وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور خود بھی وہاں نماز پڑھی ہے۔ اور اونٹوں کے باڑ کی جگہ پر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

② **تداوی بالمحرمات جائز ہے یا نہیں؟** اضطراری حالت میں یعنی جان کا خطرہ ہو تو تداوی بالحرام بالاتفاق جائز ہے جیسے کہ قولہ تعالیٰ: ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ (الانعام:۱۱۹) اور جان کا خطرہ نہ ہو صرف مرض کے علاج کے لئے تداوی بالحرام میں اختلاف ہے اور کئی مذاہب ہیں۔ (۱) امام صاحب حنابلہ کے ہاں مطلقاً جائز نہیں ہے۔ (۲) امام مالک کے ہاں مطلقاً جائز ہے۔ (۳) شوافع تداوی بالمحرمات المسکر جائز نہیں لیکن تداوی بالمحرمات غیر المسکرہ جائز ہے۔ (۴) قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر حالت ضرورت ہو تو تداوی بالحرام جائز ہے اور حالتِ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ طبیب حاذق فیصلہ کرے کہ تداوی بالحرام کے علاوہ علاج ممکن نہیں۔

اختلاف کی وجہ: احادیث تعارض کا ہے۔ واقعہ عرنیین سے تداوی بالحرام کا جواز معلوم ہوتا ہے اور ''لا شفاء فی الحرام'' ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم۔ (صحیح بخاری ص:۸۴۰ ج:۲ باب شرب الحلواء والعسل) اور ابوداؤد میں ہے لاتتداووا بالحرام. اب تطبیق یہ ہے کہ جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کی حالت پر اور جن سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے وہ محمول ہیں ضرورت کے علاوہ کی حالت پر۔

حنفیہ کے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ حرام اور نجس اشیاء سے علاج اس وقت جائز ہے جب کوئی ماہر ڈاکٹر بتادے کہ اس مرض کا علاج حرام اور نجس دوا ہی سے ہوسکتا ہے، حلال اور پاک دوا اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی مسلمان کو ایسا کوئی مرض لگ جائے جو حلال دوا سے نہیں بلکہ حرام سے درست ہوسکتا ہے تو اسے چاہئے کہ کسی مسلمان ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرے اور حرام دوا اسی قدر استعمال کرے جس قدر اسے ضرورت ہو، ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

دلائل: وقد مر تفصیله

③ **مساوات فی القصاص ہے یا نہیں؟** یعنی قاتل نے جس طرح قتل کیا ہے قصاص بھی اسی طرح لیا جائے گا یا صرف تلوار سے گردن اڑائی جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ کوئی مساوات فی القصاص نہیں ہے قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس آلہ کے ساتھ قاتل نے قتل کیا ہو اسی آلے کے ساتھ قتل کیا جائے گا لیکن کچھ استثناء کی

صورتیں ہیں: (1) کسی نے آگ میں ڈال کر جلا دیا ہو۔ (2) کسی نے فعل منکر کے ذریعے قتل کیا ہو۔

احناف کے دلائل: (۱) ابن ماجہ میں حدیث ہے: لا قود الا بالسیف یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے، یہ روایت ناطق ہے۔

(۲) نبی ﷺ نے مثلہ سے یعنی لاش بگاڑنے سے منع کیا ہے، اگر قتل سے پہلے زخموں کا قصاص لیں گے تو اس سے لاش بگاڑنا لازم آئے گا۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ قاتل کو ختم کرنا مقصود ہے۔ دل کی بھڑاس نکالنا اصل مقصود نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ (المائدہ:۴۵) ہے۔ یہ آیت عام ہے، خواہ زخم لگانے کے بعد مجروح مر گیا ہو یا زندہ رہا ہو دونوں صورتوں میں زخموں کا قصاص لیا جائے گا۔

(۲) حدیث باب میں قبیلہ عرینہ میں مذکور ہے کہ جانب مخالف کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور یہ کاٹنا قطاع الطریق کی حد کے لحاظ سے تھا یا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے چرواہوں کے ہاتھ پاؤں کاٹے تھے لیکن تسمیل العین بطور قصاص کے تھا کہ انہوں نے چرواہوں کی زبان اور آنکھوں میں کانٹے گاڑے تھے۔

جواب از احناف: اور آیت کریمہ ﴿وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ﴾ (المائدہ:۴۵) عام نہیں، بلکہ اس سے وہ زخم مراد ہیں جن کے بعد مجروح اچھا ہو جائے۔

اور حدیث باب کا جواب نبی کریم ﷺ نے یہ سیاساً اور تعزیراً کیا اور امام تعزیراً سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے۔

جواب ②: یہ حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ اہل عرینہ کا مثلہ کیا گیا اور گرم سلاخوں سے ان کی آنکھیں نکالی گئیں، حالانکہ شریعت میں مُثلہ سے منع کیا گیا ہے، اگر یہ چیز حد اور قصاص کے طور پر نہیں تھی تو پھر ایسا کیوں کیا گیا؟ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ یہ مخصوص برتاؤ سیاست او انتظامی لحاظ سے کیا تھا، حد اور قصاص کے طور پر نہیں کیا تھا، اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ان کا مثلہ اور گرم سلاخوں سے داغنا ھد کے طور پر تھا تو بھی یہ منسوخ ہو چکا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اہل عرینہ کا یہ واقعہ حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اس کے بعد حدود کے احکام اور مثلہ کی حرمت نازل ہوئی اور حضور اکرم ﷺ نے آگ سے جلا کر مارنے، اور سورہ مائدہ کی آیت محاربہ کی وجہ سے مثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔

بَابُ مَاجَآءَ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهٗ

باب ۳۹: کھانے سے پہلے اور اس کے بعد وضو کرنا

(۱۷۶۹) قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ.

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے تورات میں یہ بات پڑھی تھی کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور آپ کو بتایا۔ میں نے تورات میں جو پڑھا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنے (یعنی ہاتھ دھونے) سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

تشریح: وضوء کا اطلاق جس طرح اصطلاحی معنی پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق غسل الیدین والفم پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ وبعدہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے اس فرمان میں دو احتمال ہیں یا تو اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو تورات میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پڑھا ہے اس میں تحریف ہوئی ہے اور صحیح اس میں بھی **برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ** تھا۔

دوسرا احتمال: یہ ہے کہ اشارہ ہو اس بات کی طرف کہ ہماری شریعت نے تورات پر الوضوء کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی حکمت یہ ہے کہ استقبال نعمت کے ساتھ کھانا زائد لذیذ اور عمدہ معلوم ہوتا ہے

نیز: ہاتھ بہرحال ہر وقت کاموں میں لگے رہتے ہیں تو گندگی یا گرد وغبار میں ملوث رہتے ہیں تو ان کو دھولینا اقرب ہے۔ یعنی نظافت ونزاہت کے زیادہ قریب ہیں۔

نیز: کھانا کھانا عبادت پر مدد حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اور جس طرح عبادت کے لیے طہارت ہونی چاہیے اسی طرح عبادت کے معاون کے لیے بھی طہارت مناسب ہے۔

نیز: بعض روایات میں ہے کہ جو شخص کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھوئے اور اس کو کوئی چیز تکلیف دینے والی پہنچ جائے تو وہ کسی کو ملامت نہ کرے۔ خود اپنے کو ملامت کرے۔

اخرجہ الترمذی فی آخر الاطعمۃ)

برکۃ الطعام برکت کے معنی یہ ہیں کہ کھانے میں زیادتی ہوتی ہے اور اس کے فوائد وآثار میں زیادتی ہوتی ہے۔ بایں طور کہ یہ نفس کے لیے سکون وقرار کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ طاعات اور عبادات پر قوت کا سبب ہے یعنی کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور اور بعد میں ہاتھ دھونے سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وفی الباب عن انس رضی اللہ عنہ۔ (اخرجہ ابن ماجہ وابی ہریرہ اخرجہ الترمذی فی آخر الاطعمۃ) **لانعرف ھذا الحدیث الا من حدیث قیس بن الربیع...** الخ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قیس بن الربیع ضعیف راوی ہیں علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا قیس بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ صدوق ہیں اور ان کے سوء حفظ کی بناء پر لوگوں نے کلا کیا ہے اور ان کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔

سنت طریقہ: یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں اور انہیں تولیے یا رومال وغیرہ سے پونچھا نہ جائے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پہلے انگلیوں کو چاٹا جائے، اور پھر انہیں دھو کر تولیہ وغیرہ سے صاف کر لیا جائے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنے ہاتھ (تولیہ وغیرہ سے) صاف نہ کرے، یہاں تک کہ انہیں چاٹ لے (پھر انہیں صاف کرلے) فتح الباری باب لعق الاصابع وملھا قبل ان تمسح بالمندیل ۹،۲۰،۷۔

بَابُ فِیْ تَرْکِ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ

باب ۴۰: کھانے سے پہلے وضو نہ کرنا

(۱۷۷۰) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوْا اَلَا نَأْتِيْكَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَى الصَّلٰوةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا لوگوں نے عرض کی کیا ہم آپ کے وضو کے لئے پانی نہ لے کر آئیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے وضو کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا ہے، جب میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوں۔

تشریح: الوضوء ''واؤ'' کے فتح کے ساتھ، وضو کا پانی۔ الوضوء ''واؤ'' کے پیش کے ساتھ، اس سے مراد وہ وضوء ہے جو نماز سے پہلے کیا جاتا ہے۔ جسے اصطلاح میں ''شرعی وضو'' کہا جاتا ہے۔ الرغیف: روٹی۔ القصعة: بڑا پیالہ، یہاں سالن کا برتن مراد ہے۔

وضوء سے مراد کون سا وضوء ہے؟ اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ روایت الا ناتیك بوضوء سے کونسا وضوء مراد ہے مختلف احتمالات ہیں۔

① حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ سوال و جواب میں وضوء سے مراد وضوء اصطلاحی ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا قمت الی الصلوۃ فرمایا اور صلوٰۃ کے وقت وضوء شرعی ہی مامور بہ ہے نہ کہ لغوی بمعنی نظافت اور اس بناء پر سوال کا منشاء یہ ہوگا کہ سائل کے ذہن میں یہ بات تھی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت باوضوء رہتے ہیں تو طہارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے ہیں تو وضوء فرمائیں گے۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی کے حصول کی گزارش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گمان کا رد اس مقولہ سے فرمایا کہ مجھے تو وضوء کا حکم نماز کے وقت دیا گیا ہے نہ کہ کھانے کے وقت یہ توجیہ اگرچہ حدیث کے معنی کے مناسب ہے مگر مصنف کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ مصنف نے وضوء لغوی کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ

دوسری توجیہ: کہ سائل نے گمان کیا تھا کہ ہاتھوں کا دھونا کھانے سے پہلے ضروری ہے اس لیے اس نے پانی لانے کو عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گمان کو اس طرح پر رد کیا کہ نماز کے وقت کے علاوہ میں وضوء شرعی اور لغوی دونوں کے وجوب کی نفی ہوگئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے سائل کے گمان کا تخطیہ ہوگیا اور ساتھ ہی دوسرا فائدہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نماز کے وقت کے علاوہ میں وضوء واجب نہیں ہے۔

تیسری توجیہ: بعض حضرات نے تیسری توجیہ یہ کی ہے کہ سوال و جواب میں وضوء سے مراد وضوء عرفی ہے اور سائل کا گمان تھا کہ وضوء عرفی قبل الطعام واجب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ کھانے کے وقت وضوء عرفی واجب نہیں ہے اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی لانے کو منع فرمادیا تو اس سے معلوم ہوا کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے لیے ہاتھ نہیں دھوئے۔ لہٰذا ترجمۃ الباب ثابت

ہو گیا۔ اور معلوم ہوا کہ غسل یدین قبل الطعام واجب نہیں بلکہ ترک جائز ہے وہو مقصود المصنف رحمہ اللہ۔

غسل یدین قبل الطعام کے بارے میں علماء کا اختلاف:

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے حاشیہ سنن میں اس مسئلہ کے بارے میں دو قول نقل کیے ہیں۔

(۱) قبل الطعام غسل یدین مستحب ہے اور دوسرا قول مستحب نہیں اور یہ دونوں قول حنابلہ وغیرہ کے مذہب میں ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ اپنی روایت ذکر کی ہے۔ جس میں تبرز ثم خرج فطعم ولم یمس ماء یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور کھانا کھایا اور پانی کو استعمال نہیں کیا۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ترک غسل یدین قبل الطعام کا عنوان قائم کیا ہے معلوم ہوا کہ شافعیہ کے یہاں بھی ہاتھوں کا دھونا کھانا کھانے سے پہلے مستحب نہیں ہے۔

قال علی بن المدینی.... الخ یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ وہ قبل الطعام ہاتھ دھونے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس کی وجہ ان سے یہ منقول ہے کہ یہ عجمیوں کی عادات میں سے ہے اسی طرح وہ پیالی کے نیچے روٹی رکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے کہ یہ روٹی کے آداب کے خلاف ہے مگر ظاہر ہے کہ ادب کا مدار تو عرف پر ہے ہمارے دیار میں عرفا روٹی پر سالن کی پیالی رکھنا معیوب شمار نہیں ہوتا۔ فلا باس بہ

هذا حديث حسن اخرجه مسلم ابو داؤد والنسائی۔ وقد رواه عمر و بن دينار... الخ مصنف رحمہ اللہ اس عبارت سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو ابن ابی مالکیہ نے نقل کیا ہے اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سعید بن حویرث رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی التَّسْمِیَةِ فِی الطَّعَامِ

باب ۴۱: کھانے (کے آغاز) میں بسم اللہ پڑھنا

(۱۷۷۱) بَعَثَنِیْ بَنُوْ مُرَّةَ بْنِ عُبَیْدٍ بِصَدَقَاتِ اَمْوَالِهِمْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَدِمْتُ عَلَیْهِ الْمَدِیْنَةَ فَوَجَدْتُّهٗ جَالِسًا بَیْنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَانْطَلَقَ بِیْ اِلٰی بَیْتِ اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ هَلْ مِنْ طَعَامٍ فَاُتِیْنَا بِجَفْنَةٍ كَثِیْرَةِ الثَّرِیْدِ وَالْوَذْرِ فَاَقْبَلْنَا نَاْكُلُ مِنْهَا فَخَبَطْتُ بِیَدِیْ فِیْ نَوَاحِیْهَا وَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ فَقَبَضَ بِیَدِهِ الْیُسْرٰی عَلٰی یَدِی الْیُمْنٰی ثُمَّ قَالَ یَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَاِنَّهٗ طَعَامٌ وَاحِدٌ ثُمَّ اُتِیْنَا بِطَبَقٍ فِیْهِ اَلْوَانُ التَّمْرِ اَوِ الرُّطَبِ شَكَّ عُبَیْدُ اللّٰهِ فَجَعَلْتُ اٰكُلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَجَالَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الطَّبَقِ قَالَ یَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ فَاِنَّهٗ غَیْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اُتِیْنَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَدَیْهِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّیْهِ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَیْهِ وَرَاْسَهٗ وَقَالَ یَا عِكْرَاشُ هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ۔

ترجمہ: عکراش بن زویب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، بنو مرہ بن عبید نے اپنے اموال کی زکوٰۃ کے ہمراہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں بھیجا میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو مہاجرین اور انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے پایا پھر آپ نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے لے کر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں چلے گئے آپ نے دریافت کیا۔ کچھ کھانے کے لئے ہے؟ تو ایک پیالہ لایا گیا جس میں بہت زیادہ ثرید۔

(۱۷۷۲) قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرٰةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَاَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرٰةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ.

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے تورات میں یہ بات پڑھی تھی کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے میں نے اس بات کا تذکرہ نبی اکرم ﷺ سے کیا اور آپ کو بتایا۔ میں نے تورات میں جو پڑھا ہے، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنے (یعنی ہاتھ دھونے) سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ اَكْلِ الدُّبَّاءِ

یہ باب کدو کھانے کے بارے میں ہے

(۱۷۷۳) رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَتَتَبَّعُ فِي الصَّحْفَةِ يَعْنِي الدُّبَّاءَ فَلَا اَزَالُ اُحِبُّهُ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ برتن میں تلاش کر رہے تھے یعنی کدو تلاش کر رہے تھے، تو میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔

تشریح: دو حدیثوں میں تعارض اور تطبیق؟ پلیٹ سے کدو تلاش کرنے کے اگر دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو دو حدیثوں میں تعارض سا ہو جاتا ہے۔

وہ اس طرح کہ "کل" ھمایلیك (اپنے قریب سے کھاؤ) والی روایت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے اِدھر اُدھر سے نہیں، اور باب کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ پلیٹ سے کدو تلاش کر رہے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے سامنے کے علاوہ دوسری اطراف سے بھی کھا سکتا ہے۔

تطبیق اوّل امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پلیٹ میں ہاتھ گھمانے کی ممانعت اس وقت ہے جب ساتھ کھانے والوں کو آدمی کا اِدھر اُدھر ہاتھ گھمانا ناگوار ہو اور اسے وہ اچھا نہ سمجھتے ہوں، ایسی صورت میں آدمی کو اپنے سامنے سے ہی کھانا چاہئے، اِدھر اُدھر ہاتھ نہیں گھمانا چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھانے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ آپ ﷺ کے ہاتھ گھمانے کو ناگوار نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تو اس اپنے لیے بجا طور پر برکت اور سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے یہ تو ان کی نظر میں انتہائی معمولی بات تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان کے عشق ومحبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے تھوک اور ناک کی رینٹ سے وہ برکت حاصل کرتے کہ انہیں اپنے چہروں پر مل لیتے بعض نے اپنے عشق کو یوں تسکین دی کہ سرکار دو عالم ﷺ کا پیشاب پی گئے، اور بعضوں کی محبت اس انتہاء پر پہنچ چکی تھی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا خون تک پی لیا جن لوگوں کے پاس آپ ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت کے یہ کرشمے ہوں، وہ آپ ﷺ کے

پلیٹ میں ہاتھ کا اِدھر اُدھر گھمانے کو کیسے نا گوار سمجھ سکتے ہیں۔ (فتح الباری، کتاب الاطعمة باب من تتبع حوالی القصعة مع صاحبه اذالم یعرف منه کراهیة)

تطبیق ثانی: کہ اس تعارض کا جواب نبی ﷺ نے ایک اور حدیث میں بیان فرمادیا ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے چار ابواب کے بعد باب ماجاء فی التسمیة علی الطعام میں عکراش بن ذؤیب سے روایت کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت عکراش حضور ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اور پلیٹ میں ہاتھ اِدھر اُدھر گھما رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے عکراش ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے، اسی دوران ایک بڑی ٹرے لائی گئی، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں تھیں، تو حضرت عکراش سابقہ ہدایت کے مطابق صرف اپنے سامنے سے کھانے لگے، جبکہ حضور اکرم ﷺ اس ٹرے میں ہاتھ گھما کر کھانا تناول فرمارہے تھے یہ منظر دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عکراش! اب تم جس طرف سے چاہو کھا سکتے ہو، صرف اپنے سامنے سے ہی کھانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ یہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں۔ ایسے میں ہاتھ ادھر ادھر سے گھما کر کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیالے یا پلیٹ میں ہاتھ گھمانے کی ممانعت اس وقت ہے جب ایک قسم کا کھانا ہو، لیکن اگر کھانے مختلف قسم کے ہوں تو پھر ہاتھ اِدھر اُدھر گھمانے میں کوئی حرج نہیں، اس باب کی دوسری روایت گو یہاں مختصر ہے، مگر اس سے یہی دوسری صورت مراد ہے کہ پیالے میں شوربہ، کدو اور گوشت تین مختلف چیزیں تھیں، آپ گوشت کو چھوڑ کر اپنی پسند کے مطابق لوکی تلاش کر کے تناول فرماتے رہے۔ (۲) فتح الباری کتاب الاطعمة، باب من تتبع حوالی القصعة ۹، ۶۵۵۔

آپ کو کدو کیوں پسند تھا؟ نبی کریم ﷺ کا کدو کو پسند کرنا شاید اس لیے ہو کہ لوکی کے مزاج میں ٹھنڈک ہے اور اہل عرب کا مزاج گرم ہے اس لیے حرارت کے لیے برودت کی ضرورت ہے تو آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا۔

دوسری وجہ: یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا حصول آسان ہے اور جلدی گل جاتی ہے نیز اس میں لذت اور ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے اور بعض اعضاء رئیسہ کے لیے بھی نہایت مقوی ہے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت سے معلوم ہوا کہ لوکی کا کھانا افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا نیز فرمایا ہر وہ چیز جس کو نبی ﷺ نے پسند فرمایا ہے اسے امت کو پسند کرنا چاہیے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب صحبة المالیک ۲، ۵۲)

دباء کے اقسام مع خواص: دباء بالمد یہ شامل ہے۔ کدو کی تمام اقسام کو چونکہ روایت میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے اور لفظ سب ہی کو شامل ہے۔ کدو کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) لوکی دوسرے درجہ میں سرد تر ہے۔ خلط صالح پیدا کرتا ہے قلیل الغذاء ہے ملین شکم ہے، پیشاب آور ہے تپ صفراوی ودق کے لیے سود مند ہے۔ سدوں کو کھولتی ہے محرومین ناقہین کے لیے بہترین غذا ہے۔

(۲) گول کدو دوسرے درجہ میں سرد تر ہے قلیل الغذاء ملین شکم ہے مولد خلط غلیظ ہے گوشت کے ہمراہ نہایت لذیذ ہوتا ہے اس کا حلوہ نہایت مقوی باہ ہے اس کے پھولوں کا ضماد پھوڑے پھنسی کے لیے مفید ہے

(۳) پیٹھا دوسرے درجے میں سرد تر ہے مفرح قلب ہے دماغ مولد خلط صالح مسکن برائے حرارت معدہ وجگر قلب بدن کو فربہ کرتا ہے۔ تپ دق، سل خفقان کو سود مند ہے اس کا مربی مقوی دماغ ہے نیز مسکن برائے حرارت اور مفرح قلب بھی ہے۔

(۴) کدوئے تلخ بہت گرم اور خشک ہے سمیت سے خالی نہیں تھوڑی مقدار بھی قوی ہے اس کی جڑ گرم اور خشک ہے اس کا طلاء وضماد محلل اورام واو جاع سرد ہے کڑوے سوکھے کدو کا گودا یرقان زرد کے لیے سعوطا مفید ہے (مخزن المفردات) البتہ علماء نے فرمایا کہ حدیث میں دباء سے مرادلوکی ہے،

یالك شجرۃ ما احبك الی...... کی ترکیب نحوی: یالك شجرۃ ما احبك الی لحب رسول اللہ ﷺ ایاك. ''یا'' حرف نداء بمعنی ادعو فعل، ''انا'' ضمیر فاعل ''لک'' لام جار ''ک'' ضمیر ممیز ''شجرۃ'' تمیز ممیز مل کر لام کا مجرور، جار مجرور متعلق ادعو فعل کے جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر نداء ہوا۔ ''ما'' مبتداء، احبك ''احب فعل ھو ضمیر فاعل ''ک ضمیر مفعول بہ ''الی'' جار مجرور متعلق اول ہوا احب فعل کے ''لحب رسول اللہ ﷺ لام جار حب مصدر مضاف ''رسول'' مضاف الیہ مضاف لفظ ''اللہ'' مضاف الیہ رسول مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ فاعل ہوا ''حب'' مصدر کے لیے ''ایاک'' مصدر کے لیے مفعول بہ ہے حب مصدر اپنے مضاف الیہ فاعل اور مفعول بہ سے مل کر مجرور ہوا لام جار کے، جار مجرور مل کر متعلق ثانی ہوا ''احب'' فعل کے، جملہ ہو کر خبر ہوئی ''ما'' مبتداء کی، جملہ اسمیہ ہو کر جواب نداء (ﷺ) یہ جملہ معترضہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل الدباء ۵، ۴۷۳)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ اَکْلِ الزَّیْتِ

باب ۴۳: یہ باب روغن زیتون کھانے کے بارے میں

(۱۷۷۴) کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوا بِہٖ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے ملو کیونکہ یہ بابرکت درخت سے نکلا ہے۔

(۱۷۷۵) کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوا بِہٖ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ.

ترجمہ: عبداللہ بن عیسیٰ شام سے تعلق رکھنے والے ایک شخص عطاء کے حوالے سے، حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے (جسم پر) ملو کیونکہ یہ بابرکت درخت سے نکلتا ہے۔

زیتون کی فضیلت اور اس کے خواص:

الزیت: اس کے معنی روغن زیتون کا پیڑ ہزار سال تک رہتا ہے اس کو قرآن مجید اور احادیث میں شجرہ مبارکہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ کثیر منافع رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی زمین میں پیدا فرمایا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عالم کے لیے برکت رکھی ہے یعنی ملک شام کیونکہ وہاں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام مثلاً ابراہیم علیہ السلام جیسے حضرات مبعوث ہوئے ہیں اور انہوں نے اس پیڑ سے استفادہ کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا زیتون میں بہت منافع ہیں اس کے تیل کو چراغوں میں جلایا جاتا ہے اور یہ سالن کے قائم مقام ہے نیز اس کا تیل بدن پر ملا جاتا ہے دباغت کے کام میں بھی اس کو لایا جاتا ہے اس کی لکڑیاں اور چھیلن بھی جلائے جاتے ہیں زیتون میں کوئی

ایسی چیز نہیں جو کارآمد نہ ہو حتی کہ اس کی راکھ سے آبریشم کو دھویا جاتا ہے یہ ایسا پیڑ ہے جو دنیا میں سب سے پہلے اگایا گیا ہے نیز طوفان نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں سب سے پہلے یہ پیڑ وجود میں آیا ہے انبیاء علیہم السلام کے منازل اور مقدس زمینوں میں بکثرت یہ اگتا ہے۔ستر نبیوں نے اس کے لیے دعا فرمائی ہے حتی کہ ابراھیم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے لیے دعا فرمائی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللّٰھم بارك في الزيت والزيتون. اس کے پھل کو بطور تفکہ کھایا جاتا ہے یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کے لیے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں خود بخود اس کے پھل سے نکل آتا ہے۔

كلوا الزيت وادهنوا به: روغن زیتون کے استعمال کی ترغیب دی؟ رسول ﷺ نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ سے ہے بابرکت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نفیس تیل ہے۔بدن میں قوت اور خوشبو پیدا کرتا ہے۔ نیز اس سے بدن میں چکناہٹ پیدا ہوتی ہے اور بہت سی بیماریوں کے لیے شافی ہے۔ زیتون بدن میں گرمی پیدا کرتا ہے پیشاب لاتا ہے پتھری کو توڑ کر نکالنے والا ہے مسوڑھوں کے لیے مقوی ہے اور دوسرے اعضاء کے لیے بھی مقوی پسینہ جاری کرتا جو بدن کے لیے مفید ہے۔

هذا حديث الخ: اخرجه ابن ماجه. وكان عبد الرزاق... الخ. امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اضطراب فی السند ہے کیونکہ عبدالرزاق رحمہ اللہ اس روایت کو کبھی مرفوعا ذکر کرتے ہیں اور کبھی مرسلا روایت کرتے ہیں۔اور کبھی شک اور گمان کے ساتھ کہ میرا گمان ہے۔کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت نقل کی ہے۔''علم اصول حدیث'' کی اصطلاح میں اسے''اضطراب فی السند''(سند میں اضطراب) کہا جاتا ہے، یہ عموماً حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے،اس کی وجہ سے حدیث نا قابل استدلال ہوجاتی ہے لیکن اگر اضطراب کی وجہ اور علت ختم ہوجائے تو پھر وہ حدیث قابل استدلال ہوجاتی ہے۔تیسیر مصطلح الحدیث، بحث: المضطرب،ص:۱۱۱۔امام حاکم نے ترمذی رحمہ اللہ کے اس کلام کو نقل فرمانے کے بعد فرمایا: صحیح علی شرط الشيخين. جس سے معلوم ہوا کہ اس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے: (تحفۃ الاحوذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل الزیت ۵،۵۷۴)۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوكِ

باب ۴۵: غلام (اور خادم) کے ساتھ کھانے کے بارے میں

(۱۷۷۷) أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا الْهَامَ تُورِثُوا الْجِنَانَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ اسلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، کفار کو قتل کرو اور جنت کے وارث بن جاؤ۔

(۱۷۷۸) أُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔رحمٰن کی عبادت کرو، کھانا کھلاؤ، سلام پھیلاؤ اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔

اخلاق حسنہ کی ترغیب :

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے معاشرت سے متعلق ایک حکم دیا ہے کہ جب کسی کا خادم اس کا کھانا تیار کرے تو مالک کو چاہیے کہ اسے بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھانے میں شریک کرے کیونکہ اس نے کھانا پکاتے وقت اس کی گرمی، دھواں اور ہر قسم کی مشقت اور تھکاوٹ برداشت کی ہے تو یہ مناسب نہیں کہ انسان اسے نظر انداز کردے، اس لیے خادم کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہئے لیکن اسے اگر ساتھ کھلانا کسی مصلحت کے خلاف ہو یا کھانا ہی کم ہے تو کم از کم اسے ایک دو لقمے ہی دیدیے جائیں تاکہ اس کی کچھ نہ کچھ تو دلجوئی ہوجائے کہ طباخ کے معنی میں حامل طعام بھی ہے۔ کیونکہ اس کا قلب بھی کھانے سے متعلق ہوجاتا ہے۔ جب طباخ اور کھانا لانے والے کو اس میں سے کچھ دیدیے گا تو اس کے نفس کو سکون ہوگا۔ اس کی نظر بد سے محفوظ ہوجائے گا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اخلاق حسنہ کی ترغیب ہے اور اس خادم کے ساتھ کھانے میں برابری اور مواساۃ کا حکم ہے جس نے اسے تیار کرنے اور اٹھا کر لانے کی مشقت برداشت کی ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو اپنے ملازمین کے ساتھ انتہائی برا سلوک کرتے ہیں ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کا برتاؤ کرتے ہیں ان کے کھانے پینے اور ضروریات کا انہیں دھیان نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض حضرات تو ان کے ساتھ کھانا کھانے کو ہتک اور توہین سمجھتے ہیں یہ سب غیر اسلامی طریقے ہیں سنت یہ ہے کہ اپنے ملازمین کے لیے وہی کچھ پسند کیا جائے جو اپنے لیے انسان پسند کرتا ہے اس لیے بے رخی کا انداز کسی بھی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

"فان ابی" یہ فعل ہے، اس کا فاعل کیا ہے۔؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ابی" کے ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں:

(۱) یا تو اس ضمیر کا مرجع مالک ہے، معنی یہ ہوں گے کہ اگر مالک خادم کو اپنے ساتھ کھلانا نہ چاہے، ناگواری محسوس کرے تو کم از کم اسے کھانے کے ایک دو لقمے دیدیے، اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے، جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

(۲) یا اس ضمیر سے مراد خادم ہے کہ اگر خادم مالک کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے لیے تیار نہ ہو تو بھی اسے اپنے ساتھ بٹھائیں اور کم از کم ایک دو لقمے ہی کھلا دیں۔ (فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل مع الخادم، ۹، ۷۲۶)

مسلم شریف کی روایت میں ہے: فان کان الطعام مشفوھا قلیلا فلیضع فی یدہ منہ اکلۃ او اکلتین۔ یعنی خادم کو ساتھ بٹھا کر کھلایا جائے لیکن اگر کھانا کم اور کھانے والے زیادہ ہوں تو پھر خادم کے ہاتھ میں ایک دو لقمے ہی دے دیئے جائیں۔

اعتراض: یہ ہے کہ ایک روایت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اطعموھم مما تطعمون... الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آقا کو خادم کے ساتھ مطاعم وملابس میں برابری کرنی چاہیے جو خود کھائے اور پہنے وہ خادم کو کھلائے اور پہنائے۔ اور اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آقا کو اختیار ہے چاہے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے یا چھوڑ دے؟

جواب: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ساتھ بٹھا کر کھلانے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس میں تو آقا کو ترغیب دی گئی ہے کہ خادم کو ہر چیز میں شریک رکھے۔ ہاں البتہ کھلانا زیادہ افضل ہے نیز آقا کو شرعاً یہ اختیار ساتھ حاصل ہے کہ خود اچھا کھالے اور غلام کو کچھ گھٹیا دے دے کیونکہ اہل علم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ خادم کو ایسا کھانا کھلانا آقا کے ذمہ واجب ہے جو عام طور پر اس شہر میں کھایا جاتا ہو۔ حکی الاجماع علیہ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ۔

هذا حديث حسن صحيح : اخرجه الشيخان وابو داؤد وابن ماجه.

اسماعیل بن ابی خالد الاحمصی رحمہ اللہ ثقہ ثبت طبقہ رابعہ کا راوی ہے ابی ان کی کنیت ابو خالد البجلی الاحمصی ہے ابو خالد والد اسماعیل اسمہ سعد۔ ان کا نام امام ترمذی رحمہ اللہ نے سعد بیان کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام ہرمز ہے اور بعض نے کثیر بتایا ہے مقبول راوی ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ

باب ۴۶: کھانا کھلانے کی فضیلت کے بارے میں

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا الْهَامَ تُوْرَثُوا الْجِنَانَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور کافروں کو قتل کرو۔ (یعنی جہاد کرو) اس طرح تم لوگ جنت کے وارث ہو جاؤ گے۔

تشریح: افشوا السلام: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں چند امور بیان فرمائے ہیں افشوا السلام سلام کو پھیلاؤ۔ فطرت سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان ایک دوسرے سے ملاقات کرے تو خندہ پیشانی اور تواضع سے پیش آئے اور ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرے اس لیے کہ سب سے بہترین لفظ سلام کرنا ہے جس کی تعلیم نبی کریم ﷺ نے اپنے اس جملہ میں فرمائی ہے چنانچہ آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے جو تقریر فرمائی وہ یہی تھی کہ اے لوگو سلام کو پھیلاؤ کیونکہ یہ بہترین دعا ہے کہ السلام علیکم کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو اور وعلیکم السلام کے معنی بھی یہی ہیں ظاہر ہے کہ سلامتی سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے۔

سلام کی فضیلت: سلام کی مشروعیت ابتداء اسلام ہی سے ہے، تاکہ مسلمان اور کافر میں تمیز رہے نبی ﷺ نے اس کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے۔ مسلم میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم جب تک ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہوگا جب تک تم آپس میں محبت نہیں کرو گے۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جن تم اس کو کر لو تو تم میں محبت پیدا ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ سلام کو آپس میں پھیلاؤ۔

سلام کا حکم: سلام کی ابتداء کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اسی پر اجماع ہے نیز اتنی آواز سے سلام کرنا کہ دوسرے سن لیں مستحب ہے، اور اتنی زور سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا سن لے واجب ہے اگر سلام کرنے والے نے جواب نہیں سنا تو فرض ساقط نہیں ہوا، سلام کا جواب فوراً دینا واجب ہے، بلا عذر تاخیر مکروہ ہے جس طرح اول ملاقات کے وقت سلام کرنا سنت ہے اسی طرح رخصت ہوتے وقت اور مجلس سے اٹھتے وقت بھی سلام کرنا سنت ہے۔

سلام کا طریقہ مسنون: سلام کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کہے السلام علیکم اور جواب دینے والا وعلیکم السلام کہے یہ ادنی درجہ ہے۔ عالمگیری میں محیط سے نقل کیا ہے کہ افضل سلام کرنے والے کے لیے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا ہے۔ ایسے ہی جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا افضل ہے برکات پر مزید اضافہ نہ کیا جائے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہر ایک چیز کی انتہاء ہے سلام کی انتہاء برکاتہ پر ہے شامی، تاتارخانیہ وغیرہ میں بھی یہی نقل کیا گیا ہے،

عروہ اور سلمان رضی اللہ عنہ فارسی سے بھی اسی طرح منقول ہے بلکہ مسند احمد مین تو مرفوعا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی نقل کیا گیا ہے۔ بہر حال لفظ رحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے سے زائد ثواب ملتا ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے کہنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ اخرجه الترمذی وابودوئود وعن عمران رضی اللہ عنہ بن حصین. چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ای الاسلام خیر تو فرمایا اطعمو الطعام وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم یعرف. نیز ہر شخص کو سلام یہ تواضع کی علامت ہے بخل اور کبر سے دوری ہے پھر سلام میں سبقت کرنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت احمد ترمذی ابوداؤد نے نقل کی عن ابی امامة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اولی الناس باللہ ممن بداء بالسلام. یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب رحمت ومغفرت کے لحاظ سے وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے سلام میں پہل کرنا تواضع پر دال ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے آپس میں محبت اور خلوص پیدا ہوتا ہے ایک پہلے سلام کرنا، دوسرے ہر شخص کو ایسے نام سے پکارنا جس کو وہ پسند کرتا ہے، تیسرے مجلس میں جگہ دینا جب وہ تمہارے پاس آئے اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثواب کس کا زیادہ ہے سلام کرنے والے کو زیادہ ملتا ہے یا جواب دینے والے کو؟ دونوں ہی قول ہیں راجح یہ ہے کہ سلام کرنے والے کو زیادہ ملتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: للبادی من الثواب عشرة وللراد واحد. یعنی ابتداء کرنے والے کو دس حصے اور جواب دینے والے کو ایک نیز فرمایا: البادی بالسلام بری من الکبر. یعنی سلام کی ابتداء کرنے والا تکبر سے پاک ہے۔

اطعمو الطعام : کھانا کھلانے کی فضیلت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ میں کھانے کی ترغیب دی ہے۔ اس سے مراد قدر واجب ہے۔ زائد ضیافت، ہدیہ صدقہ سب اس میں داخل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کھانا کھلاؤ ہر شخص کو کھانا کھلانا، انسان کی سخاوت اور کرم کی نشانی ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی دخول جنت کا ذریعہ ہے اور اگر ضرورت مندوں کو کھانا نہ کھلایا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں جہنم میں نہ جانا پڑے چونکہ قرآن کریم میں منقول ہے: ﴿مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝ وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ۝ ... الآیۃ﴾ (المدثر) یعنی جب جہنم والوں سے پوچھا جائے گا کہ کس چیز نے تم جہنم میں داخل کیا تو انہوں نے جوابا کہا کہ ہم نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے معلوم ہوا کہ کھانا نہ کھلانا جہنم میں داخلہ کا سبب بنا ہے۔ لہٰذا ضیافت اور مہمان نوازی میں انسانوں کو کوتاہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ حتی المقدور حسب مراتب مہمانوں اور دوسرے لوگوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔

واضربوا الهام : یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرتے رہو کہ ان کی کھوپڑیوں کو پھوڑ دو چنانچہ ضرورت پڑنے پر جہاد فرض ہے اور اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا تاکہ اللہ کا حکم بلند ہو اور کفار دنیا سے مٹیں اور شعائر اسلام کا بول بالا ہو، تورثوا الجنان، وارث بنائے جاؤ گے تم جنت کے یعنی تم ان افعال کو کرلو گے گویا جنت مثل وراثت مضبوط قبضہ کے ساتھ تم کو حاصل ہوجائے گی جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے متقین سے فرمایا ہے۔

مسلمان پر چھ حقوق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت منقول ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: (۱) جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ (۲) جب وہ مرجائے تو اس کی نماز جنازہ میں حاضر ہو۔ (۳) جب دعوت کرے تو اس کو قبول کرے بشرطیکہ کوئی

مانع نہ ہو۔ (۴) جس وقت اس سے ملے تو سلام کرے۔ (۵) جب وہ چھینکے تو الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دے یعنی یرحمک اللہ کہے (۶) اس کے سامنے اور پیچھے خیر خواہی کرے۔ سلام کرنے کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جس کو سلام کرے اس کا جاننے والا ہونا ضروری نہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ فَضْلِ الْعَشَاءِ

باب: رات کے کھانے کی فضلیت کے بارے میں

(۱۷۷۹) تَعَشُّوا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ فَإِنَّ تَرْكَ الْعِشَاءِ مَهْرَمَةٌ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ رات کا کھانا کھالو خواہ مٹھی بھر کھجوریں ہوں کیونکہ رات کا کھانا نہ کھانے سے بڑھاپا (جلد ہی آجاتا) ہے

تشریح: عشاء بفتح العین بروزن سماء شام کا کھانا تعشوا شام کا کھانا کھاؤ، خشف بفتحتین، ردی کھجور یا ایسی کمزور جس میں کوئی گٹھلی نہ ہو یا ایسی خشک کھجور جو خراب ہو، مهمرة یعنی بوڑھاپے کا مظنہ ہے اور مناوی نے کہا بفتح المیم والرا یعنی ضعف اور بوڑھاپے کا لانے والا ہے۔

رات کے کھانا کھانے کی فضیلت:

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ شام کا کھانا ضرور کھائے اگر کوئی شام کے کھانے کو ترک کردے تو اس کو بوڑھاپا جلد ہی آجاتا ہے کیونکہ جب معدہ خالی ہونے کی حالت میں سوئے گا تو اس سے رطوبات اصلیہ تحلیل ہوجائے گی جو قوت ہضم کے لیے ہوتی ہیں جب قوت ہضم کمزور ہوجائے گی تو پھر انسان کے سارے قوی کمزور ہو کر جلدی بوڑھاپا اس پر طاری ہوجائے گا جس طرح مشین بغیر تیل ڈالے چلائی جائے تو ظاہر ہے کہ جلد ہی گھس کر فنا ہوجاتی ہے اگر تیل ڈال کر چلائی جائے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے اسی طرح جسم ہے۔ علامہ قنیبی کہتے ہیں شام کے کھانے کو چھوڑنا بوڑھاپا لاتا ہے معلوم نہیں آیا اول یہ بات آپ نے فرمائی ہے یا آپ سے پہلے بھی یہ بات مشہور تھی بہر حال روایت سے یہ معلوم ہوا کہ شام کو کچھ نہ کچھ کھالینا چاہیے خواہ ایک انڈا ہی کیوں نہ ہو اہل طب کے یہاں یہ کلیہ بھی مصرح ہے جیسا کہ کتب طب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ

باب ۴۷: کھانا کھانے پر بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں

(۱۷۸۰) اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعِنْدَهٗ طَعَامٌ قَالَ اُدْنُ يَا بُنَيَّ وَسَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ کے پاس کھانا موجود تھا آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے میرے بیٹے! آگے آجاؤ اللہ تعالیٰ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھانا شروع کرو اور اپنے آگے

سے کھانا شروع کرو۔

(۱۷۸۱) اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فَاِنْ نَسِيَ فِي اَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فِي اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ وَبِهٰذَا الْاِسْنَادِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص کچھ کھائے تو بسم اللہ پڑھ لے اگر وہ شروع میں پڑھنا بھول جائے، تو درمیان میں "بسم اللہ فی اولہ وآخرہ" (اس کے آغاز اور اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں) پڑھ لے۔

تسمیۃ علی الطعام کا شرعی حکم:

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے اس بارے میں اختلاف ہے بسم اللہ کھانے سے پہلے پڑھنا کیسا ہے۔؟

(1) ظاہر یہ اور بعض اصحاب حنابلہ وجوب کے قائل ہیں۔

(2) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنت علی الکفایہ ہے پوری جماعت میں سے ایک نے بھی بسم اللہ پڑھ لی تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گی۔

(3) جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کا پڑھنا مستحب ہے اور ہر ایک سے مطلوب ہے اسکی تائید ہوتی ہے اس واقعہ سے جس کو امام ابوداؤد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک گاؤں والے نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دیا۔ اسی طرح ایک باندی کا بھی قصہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ شیطان بھی اس کھانے میں شریک ہو گیا ہے کیونکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی ایک کا بسم اللہ پڑھنا کافی نہیں ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھی ہی ہوگی۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت سے معلوم ہوا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور یہ متفق علیہ ہے۔ اسی طرح کھانے کے بعد الحمد للہ کا پڑھنا بھی مستحب ہے۔

حکم تسمیہ کھانے کے ساتھ خاص نہیں ہے: نیز استحباب تسمیہ کھانے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پینے کی چیزوں میں بھی بسم اللہ مستحب ہے چنانچہ علماء نے تصریح کی ہے دودھ، شہد، شوربا، دوا اور اسی طرح دیگر مشروبات میں بھی تسمیہ مستحب ہے بلکہ فرمایا کہ ہر امر ذی بال میں تسمیہ کا پڑھنا مستحب ہے چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كل امر ذی بال لم يبداء فيه ببسم الله فهو اقطع.

اسی طرح علماء فرماتے ہیں کہ تسمیہ میں جہر بہتر ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی یاد آ جائے اور ان کو تنبیہ ہو نیز علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بسم اللہ کو عمداً یا نسیاناً کسی طرح بھی چھوڑ دے پھر کھانے کے درمیان یاد آ جائے تو اس کو چاہیے کہ بسم اللہ فی اولہ واخرہ پڑھے چنانچہ امام ابوداؤد ترمذی نے بطریق اُم کلثوم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً اس بارے میں روایت نقل کی ہے۔ تسمیہ کے بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ افضل تو یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لیکن اگر بسم اللہ کہا تب بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ مگر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ افضلیت پر کوئی دلیل نہیں۔

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کا تعارف:

ابوسلمہ کا نام عبداللہ ہے عمران کے بیٹے ہیں ابوسلمہ کی جب وفات ہوئی ان کی اہلیہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگئی یوں وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل ہوگئی اور عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں آ گئے ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ کہ عمر کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال حبشہ میں ہوئی۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے انتقال ہوا تو حضرت عمر کی عمر نو سال تھی پھر عبدالملک بن مروان کے عہد میں ۸۳ سال کی عمر میں انکی وفات ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی روایات کو یاد کیا اور پھر ان سے بہت سے راویوں نے احادیث روایت کی ہیں۔

(عمدۃ القاری کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام، والاکل بالیمین ۲۱،۲۹)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق ان کی ولادت ہجرت سے دو سال پہلے ہوئی ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام ۹،۶۵۱، کل بیمینك وكل مما يليك۔ اپنے سامنے سے کھانے کا حکم تیسرا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا ہے کہ اپنے آگے سے کھایا جائے پلیٹ میں ہاتھ اِدھر اُدھر نہ گھمایا جائے۔ (ماقبل میں ان اوامر کی تفصیلی بیان ہو چکی ہے)

وقال یاعکراش ھذا الوضوء مما غیرت النار: اس وضو سے نماز والا وضو مراد نہیں ہے بلکہ اس سے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے اور یہ کھانے کے بعد مستحب اور مسنون ہے عمدۃ القاری، ۲۱، ۲۹۲۸۔

احادیث باب سے چند آداب کا ثبوت (۱) کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا۔ (۲) دائیں ہاتھ سے کھانا۔ (۳) اور اپنے سامنے سے کھانا، جبکہ کھانا ایک ہی قسم کا ہو اور جب مختلف قسم کے کھانے اور چیزیں ہوں تو پھر اپنے سامنے سے ہی کھانا ضروری نہیں اِدھر اُدھر بھی ہاتھ گھمایا جا سکتا ہے۔ (۴) بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا جائے تو اس میں برکت ہو جاتی ہے۔ (۵) ان کاموں سے اجتناب ضروری ہے جو شیطان اور کافروں کے مشابہ ہوں۔ (۶) جو شخص شرعی حکم کے خلاف کرے، اس کے لیے بددعا کا جواز، (۷) دوران طعام نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز ہے۔ (۸) کھانے پینے کے آداب کی تعلیم مستحب ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ کَرَاھِیَةِ الْبَیْتُوْتَةِ وَفِیْ یَدِہٖ رِیْحُ غَمَرٍ

باب: رات گزارنے یعنی سونے کی کراہت کے بارے میں ہے جبکہ ہاتھ پر چکناہٹ ہو

(۱۷۸۲) اِنَّ الشَّیْطَانَ حَسَّاسٌ لَحَّاسٌ فَاحْذَرُوْہُ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ مَنْ بَاتَ وَفِیْ یَدِہٖ رِیْحُ غَمَرٍ فَاَصَابَهٗ شَیْئٌ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ شیطان بہت جلد محسوس کرتا ہے اور جلدی ادراک کر لیتا ہے، تو تم اپنا خیال رکھا کرو جو شخص رات بسر کرے، اور اس کے ہاتھ میں کوئی چکنائی موجود ہو، اور پھر اسے کوئی (کیڑا مکوڑا) کوئی نقصان پہنچا دے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔

(۱۷۸۳) مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحُ غَمَرٍ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص رات بسر کرے، اور اس کے ہاتھ پر کچھ چکنائی موجود ہو، اور پھر اسے کوئی چیز کاٹ لے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔

تشریح: البیتوتۃ، رات گزارنا، غمر چکناہٹ، چربی اور گوشت وغیرہ کی بو۔

کھانے کے بعد ہاتھ دھوئے بغیر سونا مکروہ ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب ہے تاکہ ہاتھوں پر لگی ہوئی چکنائی اور کھانے کی بو زائل ہو جائے اور جب سونے کا ارادہ ہو تو پھر اور اہتمام کے ساتھ ہاتھوں کو صابن وغیرہ سے دھو کر صاف کر لیا جائے کیونکہ اگر ہاتھوں پر چکنائی رہے تو یہ اندیشہ ہے کہ کوئی کیڑا اور موذی جانور یا کوئی جن انسان کو تکلیف پہنچائے اگر ایسا ہو جائے تو یہ اس کی غفلت اور کوتاہی کا نتیجہ ہوگا فلا یلومن الا نفسہ ایسے میں وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جو شخص ہاتھ دھوئے بغیر سو جائے تو وہ برص کی بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے طبرانی، نے "اوسط" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں رات گزارے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی ہو اور پھر اسے برص کی بیماری لگ جائے تو وہ اپنے ہی کو ملامت کرے۔

ان الشیطان حساس اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی حس بہت تیز ہے اسے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر چکنائی ہے پھر اسے وہ چاٹتا ہے لہٰذا اس سے اپنے آپ کو بچاؤ اور "فاصابہ شئی" میں شئی سے مراد ہے ہر وہ چیز ہے جو نقصان دہ ہو خواہ وہ موذی جانور اور حشرات الارض ہوں یا جنات اور شیطان، ان تمام سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ دھوئے بغیر نہ سویا جائے۔ (تحفۃ الاحوذی)

ربط: ابواب الاشربۃ کی مناسبت ابواب الاطعمہ سے بلکل ظاہر ہے اشربۃ شراب کی جمع ہے جس کے معنی پینے کی چیز کل مائع یشرب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے مصنف رحمۃ اللہ علیہ حسب سابق اشربہ سے متعلق ابواب قائم فرما رہے ہیں جن میں مشروبات کے احکام حلال وحرام، جواز وکراہت وغیرہ کا بیان ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ شَارِبِ الْخَمْرِ

باب ۱: شراب خور کے (حکم اور وعید) کے بارے میں

(۱۷۸۴) كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر نشہ دینے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے، جو شخص دنیا میں خمر پیئے گا، اور مر جائے گا جبکہ وہ اسے باقاعدگی کے ساتھ پیتا ہو، تو وہ اسے آخرت میں نہیں پی سکے گا۔

(۱۷۸۵) مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ قِيلَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمَا نَهْرُ الْخَبَالِ قَالَ نَهْرٌ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جو شخص شراب پی لے گا اس کی نماز چالیس

دن تک قبول نہیں ہوگی اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرلے گا اگر وہ دوبارہ پیئے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو چالیس دن تک قبول نہیں کرے گا اگر وہ پھر توبہ کرلے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرلے گا اگر وہ پھر پیئے گا، تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز کو قبول نہیں کرے گا اگر وہ پھر توبہ کرلے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرلے گا، اور پھر اگر وہ چوتھی مرتبہ پیئے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو چالیس دن تک قبول نہیں کرے گا پھر اگر وہ توبہ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول نہیں کرے گا، اور اسے نہر "خبال" میں سے پلائے گا۔

حرمت شراب اور آیات:

شراب کی حرمت سے متعلق قرآن مجید کی چار آیات بتدریج نازل ہوئی ہیں جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ جب ہجرت کرکے مکہ منورہ تشریف لائے تو حضرت فاروق اعظم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور چند انصاری صحابہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شراب اور جوئے کی خرابیاں اور مفاسد ذکر کیے ان سے عقل میں بھی فتور آتا ہے مال بھی ضائع ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے۔؟ اس کے جواب میں سورۃ بقرہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ (البقرہ:۲۱۹)

"لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے ان دونوں میں بہت بڑا نفع ہے اور لوگوں کے ان میں (دُنیاوی) فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔"

یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب چھوڑنے صرف مشورہ دیا گیا ہے۔ اسے حرام قرار نہیں دیا گیا، یہ گویا حرمت شراب کی تمہید اور اس کا ابتدائی اقدام تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے فوراً شراب چھوڑ دی جبکہ بعض صحابہ مفاسد سے کنارہ کش ہوکر اس کا استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی، اسی حال میں نماز مغرب کا وقت ہوگیا سب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام کے لیے آگے بڑھایا انہوں نے نشہ کی حالت میں جو تلاوت شروع کی تو سورت ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ۙ﴾ کو غلط پڑھا اس موقع پر سورت نساء کی یہ نازل ہوئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ (النساء:۴۳)

"اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔" (جامع ترمذی ابواب التفسیر سورت النساء ۲، ۱۳۲)

یہ حرمت شراب سے متعلق دوسری آیت میں ہے جس میں صرف نماز کے اوقات میں شراب کو قطعی طور پر حرام کردیا گیا ہے۔ باقی اوقات میں اس کی اجازت رہی پھر ایک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت عتبان بن مالک نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت کی جن میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے کھانے کے بعد شراب پی گئی اسی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح وثناء کی، اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آگیا، اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی حضرت سعد کے سر پر دے ماری، جس سے ان کو شدید زخم آگیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس انصاری نوجوان کی شکایت کی، اس وقت آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اللّٰهم بين لنا في الخمر بيانا شافيا. یا اللہ شراب کے بارے میں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرما دے۔ اس

پر شراب کے متعلق سورت مائدہ کی تیسری اور چوتھی آیت نازل ہوئی، جن میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ ﴾ (المائدہ: ۹۰، ۹۱)

"اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر، یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہوتا کہ تم فلاح پا جاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا اب باز آ ؤ گے (یعنی اب بھی باز آ جاؤ) یہ شراب کے بارے میں تیسرا حکم ہے جس میں واضح انداز سے شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے، جبکہ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی۔"

شراب کی حرمت کب نازل ہوئی:

شراب کی حرمت کے متعلق سورت مائدہ کی آیت کب نازل ہوئی، مشہور روایت سن چار ہجری کی ہے۔

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: مسکر ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز۔ نبی کریم ﷺ نے ہر مسکر کو خمر فرمایا ہے دراصل اس بیارے میں ائمہ ثلاثہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا خمر کے علاوہ دیگر مسکرات پر خمر کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کی تفصیل مع دلائل ماجاء فی الحبوب اللتی یتخذ منها الخمر کے تحت آ رہی ہے۔ بہر حال اب آپ ﷺ کا فرمان کل مسکر خمر کے معنی حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر یہ ہوئے کہ ہر وہ چیز جو نشہ پیدا کرنے والی ہو وہ خمر کے حکم میں ہے یعنی حرام ہے۔

لم یشر بها فی الاخرة: ① علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ خطابی اور بغوی کی رائے یہ ہے کہ لم یشر بها فی الاخرة کنایہ ہے عدم دخول جنت سے چونکہ لامحالہ جو شخص جنت میں جائے گا اس کو وہاں شراب ضرور پیش کی جائے گی۔

② یہی ہے کہ روایت کے ظاہری معنی مراد ہیں جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی وہ شراب جیسی نعمت اخروی سے محروم رہے گا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے:

من مات من امتی وهو یشرب الخمر حرم الله علیه شربها فی الجنة.

③ کہ وہ شخص جنت میں جب جائے گا چونکہ اس کو اس کی خواہش نہ ہوگی تو جنت کی شراب سے محروم رہے گا اس لیے کہ باوجود خواہش کے کسی چیز کا نہ ملنا جنت میں نص صریح کے خلاف ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ ﴾ (فصلت: ۳۱) کہ وہاں تو ہر وہ چیز ملے گی جس کو نفس چاہے گا۔

④ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت کا محمل مستحل ہے جو شخص کسی حرام چیز کو حلال مانے ایسا شخص تو کافر ہے پھر اس کو آخرت میں شراب کیسے ملے گی۔

⑤ جب تک اپنی بداعمالیوں کی سزا میں رہے گا۔ اس کے بعد جب وہ جنت میں چلا جائے گا تو اس کو شراب طہور دے دی جائے گی۔

لم تقبل له صلوٰۃ اربعین صباحا صلوٰۃ اربعین صباحا سے مراد یا تو صبح کی نماز ہے جو کہ افضل صلوات ہے جب وہ قبول نہیں تو پھر دوسری نمازیں کیسے قبول ہوں گی؟

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد پورا دن ہے اب روایت کے جملہ کا حاصل یہ ہوا کہ جو آدمی شراب پیئے گا تو اس کی چالیس دن کی صبح کی نمازیں یا چالیس دن کی سب نمازیں اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوں گی اگر چہ ذمہ سے ساقط ہوجائے لیکن ان پر ثواب نہیں ملے گا اور نماز کے عدم قبول کو اس لیے بیان فرمایا کہ جب نماز جو اہم عبادت میں سے ہے وہی قبول نہ ہوگی تو پھر دیگر عبادات کیا قبول ہوں گی پھر اربعین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ تغیرات میں چالیس کے عدد کو خاص دخل ہے کما مر

لم یتب اللہ علیہ: یعنی چوتھی مرتبہ جب وہ شراب پی لے اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح توبہ کی توفیق نہیں دیں گے اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ کی عادت اپنے بندوں کے بارے میں یونہی جاری ہے لہٰذا اب فان تاب کے معنی ارادالتوبۃ کے ہوں گے۔ یا یہ کہا جائے کہ بطور تشدید وتہدید فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بار بار اپنی توبہ کو توڑ رہا یہ تو گویا اس کو اللہ کے حکم کی پرواہ نہیں ہے تو اس کی توبہ توبہ نصوح نہیں جس پر رحمت کاملہ مرتبہ ہو بایں ہمہ اگر توبہ کی حقیقت بندے کی جانب سے پائی جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ضرور قبول فرمائیں گے کیونکہ وعدہ ہے کہ اگر کوئی ستر مرتبہ بھی ایک دن میں گناہ کر کے استغفار کرے تو اللہ کے یہاں وہ قبول ہوجاتا ہے۔

کما روی ابو بکر الصدیق ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ. (رواہ ابوداؤد والترمذی)

اعتراض: کہ کفار کی توبہ قبول ہوجاتی ہے جبکہ اس کا حال اس مؤمن شارب خمر سے بدتر ہے پھر اس مومن کی توبہ کیوں نہیں قبول ہوتی؟

جواب: اس لیے کہ کافر تو نعمت اسلام سے جاہل ہے اور حقیقت کو نہیں پہچانتا اس لیے اس پر اتنی ناراضگی نہیں مگر یہ شخص منکرات شرعیہ کو پہچانتا ہے اس لیے اس پر ناراضگی زائد ہوگی جیسا مرتد اور ذمی کا معاملہ ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اس لیے وہ نعمت اسلام کو پا چکا تھا اور اس نے اس کی قدر نہیں کی اور اہل ذمی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے اس کو نعمت اسلام معلوم ہی نہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

باب ۲: ہر نشہ آور چیز حرام ہے

(۱۷۸۶) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْبِتْعِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم ﷺ سے "بتع" (نامی شراب) کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔

(۱۷۸۷) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(۱۷۸۷) وَقَدْ رُوِیَ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ نَحْوَهٗ وَكِلَاهُمَا صَحِیْحٌ وَرَوٰی غَیْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ نَحْوَهٗ وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ.

ترجمہ: کئی راویوں نے اسے محمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے، نبی اکرم ﷺ سے بھی نقل کیا ہے۔

تشریح: ہر نشہ آور چیز حرام ہے: حضور اکرم ﷺ سے "شراب بِتْع" کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ آپ ﷺ نے ایک اصولی حکم بیان فرمایا کہ ہر وہ شراب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے" بِتْع " اس شراب کو کہا جاتا ہے جو شہد سے بنائی جاتی ہو، اس کا رواج زیادہ تر ملک یمن میں ہوتا ہے۔

یہ روایات جمہور کے دلائل ہیں، جن سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو بھی نشہ آور چیز ہو، وہ شراب ہے لہٰذا اس کا قلیل وکثیر استعمال حرام ہے جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ان احادیث میں ہر نشہ آور چیز کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ حرام ہے، ان میں ان کا خمر یعنی شراب ہونا بیان کرنا مقصود نہیں ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو، خواہ وہ شراب ہو یا افیون اور چرس ہو شرعاً ان کا استعمال حرام ہے اور شراب کے علاوہ دیگر مشروبات کی وہ قلیل مقدار جو نشہ آور نہ ہو، اس کا استعمال جائز ہے وہ کل مسکر حرام میں داخل نہیں ہے۔

فائدہ: صحابی نے مخصوص سوال کیا مگر آپ ﷺ نے ایک جامع جواب فرمایا جس پر کثیر جزئیات متفرع ہوتی ہیں لہٰذا کہ نبیذ تو ہر طرح کی جائز ہے خواہ وہ شہد کی ہو یا اور کسی چیز کی مگر جب وہ سکر پیدا کرے تو حرام ہے، اگر وہ سکر پیدا نہیں کرتی اور عبادت پر تقویت حاصل کرنے کے لیے پی جائے تو پھر جائز ہے لیکن اگر تھوڑی مقدار نے بھی سکر پیدا ہو جائے تو وہ تھوڑی بھی حرام ہو جائے گی یہی معنی ہیں آنے والی روایت کے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود نبی کریم ﷺ سے نبیذ کا پینا بکثرت ثابت ہے۔ ہاں البتہ اگر کوئی نبیذ مسکر ہے تو کثیر وقلیل دونوں کا پینا ناجائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا اَسْكَرَ كَثِیْرُهٗ فَقَلِیْلُهٗ حَرَامٌ

باب ۳: جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے

(۱۷۸۸) مَا اَسْكَرَ كَثِیْرُهٗ فَقَلِیْلُهٗ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(۱۷۸۹) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ مَا اَسْكَرَ الفرق مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ.

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر نشہ آور

چیز حرام ہے، جس چیز کا ایک بڑا برتن نشہ پیدا کرے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔

لغات: فَرَق بفتح الراء وسکونھا ایسا پیمانہ جس میں سولہ رطل آ جائے اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ معنی فتح الراء ہیں اور اگر فرْق بسکون الراء پڑھا جائے تو اتنا بڑا برتن جس میں ایک سو بیس رطل آ جائیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ فرق وہ برتن جس میں اٹھائیس رطل پانی آ جائے۔ حسْوۃ بضم الحاء وسکون السین۔ ایک مٹھی اور ایک چلو کو کہتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ فرق، ملاء الکف سے مراد تکثیر و تقلیل ہے تحدید نہیں۔ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار کا استعمال بھی حرام ہے۔

مذاہب فقہاء: (۱) جمہور کے نزدیک شراب اور دیگر تمام نشہ آور مشروبات کا استعمال حرام ہے خواہ ان کی مقدار نشہ آور ہو یا نہ ہو وہ کثیر ہوں یا قلیل۔

(۲) حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر نشہ آور چیز شراب ہو تو اس کا قلیل وکثیر علی الاطلاق حرام ہے، کیونکہ یہ نجس العین ہے اور شراب کے علاوہ دیگر مشروبات کی غیر نشہ آور قلیل مقدار کی حرمت اس بنیاد پر ہے کہ قلیل مقدار کا استعمال کثیر کو استعمال کرنے کا سبب بنتا ہے، یا اس کی حرمت کا حکم اس وقت ہے جب اسے لہولعب اور ناجائز مقصد کے لیے استعمال کیا جائے لیکن اگر اس غیر نشہ آور قلیل مقدار کو اس لیے پیا جائے تا کہ اس سے عبادات میں طاقت حاصل ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

جمہور کا استدلال: مذکورہ باب کی تمام روایات سے جمہور اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ شراب اور دیگر تمام نشہ آور مشروبات کا استعمال حرام ہے، خواہ ان کی مقدار نشہ آور ہو یا نہ ہو وہ کثیر ہوں یا قلیل کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو تو اس کی قلیل مقدار کو استعمال کرنا بھی حرام ہے۔

اور باب کی دوسری روایت میں فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور جس چیز کا ''فرق'' نشہ آور ہو تو اس کا چلو بھی حرام ہے اس میں ''فرق'' سے کثرت اور مل الکف'' سے قلت کی طرف اشارہ ہے کہ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو تو اس کی تھوڑی مقدار کو بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اس روایت میں تو "ملءالکف منہ حرام" کے الفاظ ہیں، جبکہ محمد بن بشار یا عبداللہ بن معاویہ رحمہما اللہ کے طریق میں اس کے بجائے، الحسوۃ منہ حرام کے کلمات ہیں یہ صرف الفاظ کا فرق ہے، ورنہ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

حنفیہ کا استدلال: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت طحاوی میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نبیذ لائی گئی، آپ نے اسے سونگھا، اس کا شدید اور گاڑھا ہونا آپ کو ناگوار ہوا اس کی شدت کو ختم کرنے کے لیے آپ نے پانی منگوا کر اس میں ملایا اور پھر اسے پی لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سخت قسم کی نبیذ پیا کرتے تھے اور فرماتے ہم اُونٹ نحر (ذبح) کرتے ہیں (اس لیے اس طرح کا نبیذ ہمیں استعمال کرنا پڑتا ہے، تا کہ یہ کام آسانی سے ہو سکے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور اس میں انہیں نبیذ پلائی گئی لیکن بعض لوگوں نے اسے اس انداز سے پیا کہ انہیں اس سے نشہ ہو گیا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حد لگائی، ان لوگوں نے کہا کہ آپ ہی نے تو پلائی ہے پھر اس پر حد بھی لگا رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اسی نشہ کی وجہ سے حد لگا رہا ہوں۔

ان تمام روایات اور آثار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شراب کے علاوہ دیگر شرابوں کی غیر نشہ آور مقدار کا استعمال اگر عبادات میں طاقت کی نیت سے ہو تو جائز ہے، کیونکہ اگر یہ چیز حرام ہوتی تو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے استعمال نہ کرتے اور نہ پیتے ورنہ تو صحابہ رضی اللہ عنہ کو فاسق قرار دینا لازم آتا ہے جو کسی طرح درست نہیں اس کا استعمال جائز تھا جب ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے استعمال کیا ہے۔(۱) بذل المجہود، کتاب الاشربۃ :۱۶، ۱۶، ۱۷، ۱۸۔ الکوکب الدری ۳، ۳۔ حنفیہ کی طرف سے جمہور کے دلائل کا جواب کتاب الاشربہ کے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ نَبِیْذِ الْجَرِّ

باب ۴: باب مٹکوں میں نبیذ بنانے کے (حکم کے) بارے میں ہے

(۱۷۹۰) نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ نَبِیْذِ الْجَرِّ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ طَاؤُسٌ وَاللّٰہِ اِنِّیْ سَمِعْتُہٗ مِنْہُ.

ترجمہ: طاؤس بیان کرتے ہیں، ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹکے کی نبیذ سے منع کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں! طاؤس بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی یہ بات سنی ہے۔

تشریح: نبیذ: انگور یا کھجور کو چند دن یا کچھ وقت کے لیے پانی میں رکھا جائے جس سے اس پانی میں مٹھاس یا کھٹاس پیدا ہو جائے خواہ وہ نشہ آور ہو یا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہا جاتا ہے، الجرّ یہ جرۃ کی جمع ہے: ہر وہ چیز جو مٹی سے بنائی جائے جیسے مٹکے وغیرہ۔ حدیث میں ''جر'' سے ایسے مٹکے اور مٹی کے برتن مراد ہیں جن پر روغن یا تارکول لگا کر ان کے مسام بند کر لیے جائیں تاکہ انگور یا کھجور کے اثرات جلد ہی اس نبیذ میں ظاہر ہو جائیں

مٹکوں میں نبیذ بنانے کا حکم:

حدیث باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹکوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث واقعی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنی ہے گویا یہ حدیث مرفوع ہے، اس میں کوئی انقطاع نہیں ہے۔

مذاہب: (۱) اس حدیث کی روشنی میں حضرت امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مٹکوں میں حنتم اور دباء وغیرہ میں نبیذ بنانے کی ممانعت کا حکم اب بھی باقی ہے، یہ منسوخ نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مؤقف تھا کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانا ممنوع ہے کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ حرمت بیان کی ہے اور نسخ کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) جمہور یہ کہتے ہیں کہ مٹکوں اور حنتم وغیرہ میں نبیذ بنانے کی ممانعت کا حکم ابتداء میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا تھا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دو بابوں کے بعد ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دی

گئی ہے یہ احادیث مالکیہ وغیرہ کے خلاف حجت ہیں۔

مالکیہ کا جواب: اب رہا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جواب میں نعم کہنا شاید اس بناء پر ہو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے ممکن ہے کہ حکم منسوخ کو بطور حکایت کے بیان کیا ہو، ایا علم تھا مگر نہی کا ارتفاع علت کے ارتفاع کی بناء پر تھا اور ممکن ہے کہ سائل کو اس کی کامل غبت ہو اور غفلت کی بناء پر پی لینے کا اندیشہ غالب ہو۔اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حال سائل کی رعایت کرتے ہوئے جواب مین نعم پر اکتفاء فرمایا اور منسوخ ہونے کو نہیں بیان فرمایا قال طاؤس کا یہ کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نعم کہنے پر تعجب ہوتا تھا کہ روایات ناسخہ تو مشہور ہیں پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نعم کے ساتھ جواب کیسے دیا شاید طاؤس نقل کرنے میں غلطی کر رہے ہیں تو طاؤس نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح سنا ہے۔دوری توجیہ یہ کی گئی کہ بسا اوقات راوی روایت کرنے میں کما ثبت وخصوصی ربط بیان کرنے کے لیے اس طرح کے جملے کہہ دیتا ہے۔اب مطلب یہ ہو کہ طاؤس فرمارہے ہیں کہ یہ بات میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے خود سنی ہے ایسا نہیں کہ کسی دوسرے سے نقل کی ہو۔

زمانہ جاہلیت میں شراب بنانے کے لیے جو برتن استعمال ہوتے تھے،ان پر روغن اور تارکول لگا کر ان کے مسام بند کر لیے جاتے تھے ،تا کہ بیرونی اثرات ان کے اندر اثر انداز نہ ہوسکیں ،اسکا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں جب نبیذ بنائی جاتی تو نہایت جلد ہی اس میں شدت آجاتی ،لیکن چونکہ وہ برتن ہر طرف سے بند ہوتا ،نبیذ کے نشہ آور ہوجانے کا اندازہ لگانے میں غلطی کا امکان زیادہ تھا ،ایسا نہ ہو کہ بے خبری کی وجہ سے نشہ آور نبیذ پی لی جائے ،جو کہ حرام ہے اور اگر اس کے نشہ آور ہونے کا علم ہوجائے تو اسے گرانا پڑے گا ،جس سے مال کو ضائع کرنا لازم آئے گا ،اس کے مٹکے اور حنتم وغیرہ میں نبیذ بنانے سے منع کیا گیا ،البتہ مشکیزے میں نبیذ بنانے کی اجازت برقرار رہی کیونکہ اس میں اگر نبیذ نشہ آور ہوجاتی تو چمڑا پھول جاتا ،جس سے اس کی حرمت کا علم ہوجاتا۔

(بذل المجهود، کتاب الاشربۃ، باب فی الاوعیۃ ۱۶،۲۶)

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ اَنْ يُنْبَذَ فِى الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْحَنْتَمِ

باب ۵: دباء، نقیر اور حنتم میں نبیذ بنانا مکروہ ہے

(۱۷۹۱) سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَمَّا نَهٰى عَنْهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنَ الْاَوْعِيَةِ وَاَخْبِرْنَاهُ بِلُغَتِكُمْ وَفَسِّرْهُ لَنَا بِلُغَتِنَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحَنْتَمَةِ وَهِيَ الْجَرَّةُ وَنَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَهِيَ الْقَرْعَةُ وَنَهٰى عَنِ النَّقِيْرِ وَهِيَ اَصْلُ النَّخْلِ يُنْقَرُ نَقْرًا اَوْ يُنْسَجُ نَسْجًا وَنَهٰى عَنِ الْمُزَفَّتِ وَهُوَ الْمُقَيَّرُ وَاَمَرَ اَنْ يُنْتَبَذَ فِى الْاَسْقِيَةِ.

ترجمہ: عمرو بن مرہ بیان کرتے ہیں، میں نے زاذان کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کیا۔جن برتنوں میں نبی اکرم ﷺ نے نبیذ تیار کرنے سے منع کیا ہے، میں نے کہا۔آپ ہمیں اپنی زبان میں ان کے الفاظ بتائیں اور ہماری زبان میں اس کی وضاحت کریں تو انہوں نے بتایا۔ نبی اکرم ﷺ نے "حنتمہ" سے منع کیا ہے۔ یہ مٹکے کو کہتے ہیں اور آپ ﷺ نے دباء سے منع کیا ہے یہ کدو کو کہتے ہیں اور آپ نے نقیر سے منع کیا ہے۔ یہ کھجور کی جڑ کو کہتے ہیں جس میں

سوراخ کرلیا جائے یا اس کو بن دیا جائے اور آپ نے "مزفت" سے منع کیا ہے اور اس سے مراد رال کا روغنی برتن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مشکیزوں میں نبیذ تیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔

ان برتنوں کے استعمال کا شرعی حکم؟ (۱) جمہور کے نزدیک اب ان ظروف کے استعمال کی اجازت ہے۔

(۲) امام مالک و احمد رحمہما اللہ ان ظروف کے استعمال کرنے کی ممانعت نقل فرمائی ہے حضرات جمہور کا مستدل آنے والے باب کی روایات ہیں جو نسخ پر دلالت کرتی ہیں اور جن روایات مین ان ظروف کے استعمال کی ممانعت ہے وہ منسوخ ہوں گی۔ کما مر تفصیله ان برتنوں کی اولا ممانعت کیوں تھی؟

مشکوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کی وجوہ: (۱) کہ دراصل یہ چاروں برتن شراب بنانے کے لیے مخصوص تھے۔لہٰذا جب آپ ﷺ نے شراب سے منع فرمایا تو اس وقت ان برتنوں کے استعمال کرنے سے بھی منع فرمادیا تاکہ شراب کی حرمت قلوب مین اچھی طرح جم جائے اور ان برتنوں کو دیکھ کر شراب یاد نہ آئے

(۲) شریعت میں جب کسی چیز کو حرام قرار دیا جائے تو ابتداء میں اس میں خوب مبالغہ اور سختی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ لوگ اس کام سے باز آجائیں، پھر جب لوگ اسے چھوڑ دیں اور مقصود حاصل ہوجائے تو سختی ختم ہوجاتی ہے، ایسے ہی شراب کی حرمت کا معاملہ ہے کہ حرمت شراب کے ساتھ ان برتنوں کو بھی استعمال کرنے سے منع کردیا گیا تاکہ شراب کی حرمت وقباحت ہر لحاظ سے ان کے ذہنوں میں بیٹھ جائے اس کے بعد ان برتنوں کے استعمال کی پھر اجازت دے دی گئی۔ مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان، الفصل الاوّل ۱۱۷/۱ جیسا کہ کتوں کے بارے میں اوّلاً آپ ﷺ نے سختی سے کام لیا اور جب یہ محسوس کیا کہ اب کتوں سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوچکی ہے تو پھر اس سختی کو ختم فرمادیا تھا اسی طرح یہاں جب شراب سے منع فرمایا تو ساتھ ہی سختی کرنے کے لیے ان برتنوں سے بھی منع فرمادیا جن میں شراب بنائی جاتی تھی اور پھر اس بارے میں رخصت بیان فرمادی جیسا کہ آنے والے باب کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) اس بارے میں یہ بیان کیا گیا کہ چونکہ ان برتنوں مین نبیذ جلد ہی نشہ آور والی ہوجاتی تھی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بطور غفلت یہ سوچتے ہوئے کہ ابھی نبیذ ہی ہے اور اس کو پی لے جس سے نشہ پیدا ہوجائے لہٰذا ازراہ احتیاط آپ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمادیا تھا لیکن اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور یہ ممانعت منسوخ ہوگئی چنانچہ آنے والا باب نسخ پر صراحتاً دلالت کرتا ہے۔

(۴) کہ ان برتنوں میں کچھ نہ کچھ شراب کا اثر تھا کیونکہ ان میں شراب بنائی جاتی تھی پھر ایک عرصے کے بعد جب یہ اثر ختم ہوگیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے استعمال کی اجازت دیدی۔

(۵) علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت کے ساتھ ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا تاکہ دلوں میں شراب کی حرمت راسخ ہوجائے پھر جب اس کی حرمت ان کے دل وجان میں اس کی حرمت بیٹھ گئی تو پھر یہ ممانعت ختم کردی گئی۔

(شرح مسلم للنووی کتاب الاشربة، باب النهی عن الانتباذ عن المزفت)

لغات: اوعیة جمع وعاء بمعنی برتن الحنتمة بالحاء المهملة المفتوحة ثم نون ساکنة ثم تاء مفتوحه ثم

المیم اور مفرد کے لیے حنتم بالتاء آتا ہے جس کے معنی مٹی کی گھڑیا کے آتے ہیں۔ الجرۃ بفتح الجیم وتشدید الراء جمع جرۃ جیسے تمر وتمرۃ بمعنی گھڑا جو مٹی سے بنایا جائے۔ الدباء بضم الدال وتشدید الباء خشک کدو جس کے گودے کو نکال کر پیالہ بنا دیا جائے۔ القرعۃ خشک کدو۔ النقیر بالنون والقاف فعیل کے وزن پر بمعنی منقور۔ نقر ینقر سے ماخوذ ہے جس کے معنی کھودنے کے ہیں اہل عرب شراب وغیرہ بنانے کے لیے کھجور کی جڑوں کو کھود کر برتن بنا لیتے تھے۔ یہاں یہی برتن مراد ہے۔ او ینسج اس کو بالجیم المنقوطہ اور بالحاء المہملہ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے، اگر جیم منقوطہ کے ساتھ جیسا کہ ہمارے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ نسخہ میں واقع ہے اور لغت میں اس کے معنی کپڑا بننے کے ہیں اور اس کے معنی یہاں پر یہ ہوں گے کھجور کی جڑ کو بار بار چھیل کر برتن کی صورت بنا لینا چونکہ اس کے چھیلنے اور بنانے میں کپڑا بننے کی طرح بار بار اوپر نیچے حرکت ہوتی ہے اس مناسبت سے اس کو نسج کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، ہٰکذا اقررہ الحجوہی۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس کا صحیح ضبط بالحاء المہملہ ہے اور جیم منقوطہ غلط ہے کما قالہ عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ نیز علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا کہ معظم روایت مسلم وغیرہ میں حاء مہملہ کے ساتھ ہی واقع ہوا ہے اس کے معنی چھیلنا یعنی کھجور کی جڑ کو اندر سے کھود کر برتن بنا لیا جائے۔

المزفت بتشدید الفاء المفتوحہ اسم مفعول ہے تزفیت سے جس کے معنی ایسا برتن جس پر تارکول پھیرا گیا ہو جس کو عربی میں مقیر کہتے ہیں یہ بھی اسم مفعول ہے قیر سے ماخوذ ہے جس کے معنی تارکول کے آتے ہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی الرُّخْصَةِ اَنْ يُنْتَبَذَ فِی الظُّرُوْفِ

باب ۶: برتنوں میں نبیذ تیار کرنے کی جو رخصت منقول ہے

(۱۷۹۲) اِنِّیْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ وَاِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهٗ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ.

ترجمہ: سلیمان بن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ میں نے تمہیں (مخصوص) برتن استعمال کرنے سے منع کیا تھا برتن کسی بھی چیز کو حرام یا حلال نہیں کرتے ہیں البتہ ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔

(۱۷۹۳) نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الظُّرُوْفِ فَشَكَتْ اِلَيْهِ الْاَنْصَارُ فَقَالُوْا لَيْسَ لَنَا وِعَاءٌ قَالَ فَلَا اِذَنْ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتنوں کے استعمال سے منع کیا، تو انصار نے آپ کی خدمت میں شکایت کی اور عرض کی، ہمارے پاس اضافی برتن نہیں ہوتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: فلا اذا، یہ شرط جزا ہے اصل عبارت یوں ہے:

اذا کان لابد لکم منہا فلا نہی عنہا۔ جب ان برتنوں کے سوا کوئی چارہ نہیں تو پھر یہ ممانعت نہیں۔

مذکورہ برتنوں میں نبیذ بنانا جائز ہے، حرمت شراب کے ساتھ ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ دو بابوں میں اس کی ممانعت پر مشتمل احادیث ذکر کیں ہیں جن کی تفصیل بحث پہلے گزر چکی ہیں بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی تھی چنانچہ اس باب میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ان برتنوں کے استعمال سے تمہیں منع کیا تھا لیکن چونکہ برتن نہ تو کسی چیز کو حلال کر سکتے ہیں اور نہ حرام اس لیے میں اب ممانعت منسوخ

کرتا ہوں اوران کے استعمال کی اجازت دیتا ہوں البتہ وہ مشروب جس سے نشہ پیدا ہوجائے اسے پینا حرام ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت ان برتنوں کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ حرمت شراب کی وجہ سے تھی جب یہ حرمت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوگئی تو پھر یہ نہی منسوخ ہوگئی،

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان برتنوں سے منع فرمایا ہے اس پر حضرات انصار نے کہا کہ ان برتنوں کے سوا کوئی چارہ نہیں تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس صورت میں ممانعت نہیں ہے انہیں استعمال کر سکتے ہو۔

فائدہ: علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممانعت کا حکم ان برتنوں کی ضرورت نہ ہونے کی صورت پر تھا جب لوگوں کی ضرورت ظاہر ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے استعمال کو برقرار رکھا۔(عمدۃ القاری کتاب الاشربۃ ،باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعیۃ ۲۱،۱۷۸)

فائدہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتمالات کے باوجود اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ حضور ﷺ صرف اپنے اجتہاد سے ہی فیصلے فرماتے تھے، درست نہیں ہے۔(فتح الباری کتاب الاشربۃ ،باب ترخیص النبی ﷺ فی الاوعیۃ)

مَاجَآءَ فِي الْاِنْتِبَاذِ فِي السِّقَاءِ

باب ۷: مشکیزوں میں نبیذ تیار کرنے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

(۱۷۹۴) كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِي سِقَاءٍ تُوْكَأُ فِي اَعْلَاهُ لَهُ عَزْلَاءُ نَنْبِذُهُ غُدْوَةً وَيَشْرِبُهُ عِشَاءً وَنَنْبِذُهُ عِشَاءً وَيَشْرِبُهُ غُدْوَةً.

ترجمہ: حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کے حوالے سے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے لئے مشکیزوں میں نبیذ تیار کیا کرتے تھے جس کا اوپر والا منہ بند کر دیا جاتا تھا اس کا نیچے سے ایک منہ موجود ہوتا تھا۔ ہم آپ ﷺ کے لئے صبح کے وقت نبیذ تیار کرتے تھے جسے آپ ﷺ شام کے وقت پی لیتے تھے اور ہم آپ ﷺ کے لئے شام کے وقت نبیذ تیار کرتے تھے جسے آپ صبح کے وقت پی لیتے تھے۔

تشریح: سقاء مشک، مشکیزہ ج اسقیہ۔ اعلاہ، اس مشک کا اوپر والا دھانہ۔ عَزْلَاء مشکیزہ یا برتن کے اس نچلے سوراخ کو کہا جاتا ہے جس سے پانی نکال کر پیا جاتا ہو۔ نبیذ کھجور پانی میں بھگو کر نبیذ بناتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے نبیذ بنانے کا ذکر اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ کے لیے نبیذ بنانے کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کے لیے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جاتی تھی، جس کے دو دھانے تھے، ایک اوپر اور ایک نیچے، اوپر کا منہ ڈوری وغیرہ سے بند کر دیا جاتا تھا، اور نیچے کے دھانے سے نبیذ نکال کر پی جاتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ مشکیزے میں نبیذ بنانا جائز ہے۔

اعتراض: روایت الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ شام کی نبیذ صبح اور صبح کی شام کو پی لیتے تھے اس سے زائد نہیں روکتے تھے، حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جس کی تخریج ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ مسلم نسائی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مشکیزہ کی نبیذ کو تین دن تک نوش فرماتے تھے، اور تیسرے دن کی شام کو نوش فرما کر بچی ہوئی کو پھینک دیتے تھے،

تو دونوں روایتوں میں تعارض ہے؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اسی دن پینے کا ذکر ہے اس سے اگلے دن اور تیسرے دن پینے کی نفی لازم نہیں آتی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا محمل وہ زمانہ ہے جس میں تین دن تک کوئی تغیر نہ ہوتا تھا کہ موسم ٹھنڈا ہوتا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا محمل گرمی کا زمانہ ہے کہ اس میں فساد وسکر جلدی ہو جاتا ہے۔

تیسرا جواب: یہ دیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا محمل قلیل نبیذ ہے جو ایک ہی دفعہ میں ختم ہو جاتی تھی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا محمل وہ صورت ہے جب کہ وہ زیادہ مقدار میں بنائی جاتی تھی۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْحُبُوْبِ الَّتِيْ يُتَّخَذُ مِنْهَا الْخَمْرُ

باب ۸: وہ دانے جن کے ذریعے شراب تیار کی جاتی ہے، اس کے بارے میں

(۱۷۹۵) اِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّبِيْبِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ گندم سے شراب بنائی جاتی ہے جو سے شراب بنائی جاتی ہے، کھجور سے شراب بنائی جاتی ہے اور شہد سے شراب بنائی جاتی ہے۔

(۱۷۹۶) اِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا فذكر هذا الحديث.

ترجمہ: یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ گندم سے شراب بنائی جاتی ہے۔ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ گندم سے شراب بنائی جاتی ہے۔

(۱۷۹۶) اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ النَّخْلَةُ وَالْعِنَبَةُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ شراب ان دو درختوں سے بنائی جاتی ہے کھجور اور انگور۔

تشریح: الحبوب: حب کی جمع ہے: دانہ، بیج، یہاں وہ چیزیں مراد ہیں جن سے شراب بنائی جاتی ہے۔

مذاہب فقہاء: حقیقت خمر کے بارے میں اختلاف ہے:

(۱) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے ہاں ہر مسکر پر خمر کا اطلاق ہوتا ہے، اور جس طرح انگور کے کچے پانی سے خمر بنتی ہے، اسی طرح دیگر اشیاء گیہوں، جو وغیرہ چیزوں سے بھی خمر بنتی ہے۔ ان حضرات کے یہاں مذکورہ اشیاء سے بنائی گئی خمر کو حقیقۃ وشرعاً خمر کہا جاتا ہے لہٰذا، ان کا قلیل اور کثیر استعمال مطلقاً حرام ہے، ان کے پینے والے پر حد جاری ہوگی، شراب کی طرح ہر نشہ آور مشروب ناپاک ہے اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔

(۲) احناف کہ درحقیقت خمر انگور کے کچے پانی ہی سے بنائی جاتی ہے، اس کے علاوہ دیگر اشیاء سے بنی ہوئی مسکرات کو شرعاً وعرفاً خمر نہیں کہا جائے گا، ہاں البتہ اگر ان پھلوں سے بنی ہوئی دیگر مشروبات حد سکر کو پہنچ جائیں تو ان کو خمر کا حکم دے دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ اشربہ کی تین قسمیں ہیں:

قسم اوّل: خمر یعنی شراب، یہ انگور کا کچا شیرہ ہوتا ہے، جب زیادہ رکھنے یا ابالنے کی وجہ سے اس میں شدت آ جائے، وہ ابلنے لگے اور جھاگ پھینکنے لگے، (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ جھاگ پیدا ہونے کی شرط نہیں لگاتے) اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا قلیل وکثیر استعمال مطلقاً حرام ہے، پینے والے پر حد جاری کی جائے گی۔ اگرچہ اس نے ایک قطرہ پیا ہو یہ نجس العین ہے، اس کی خرید وفرخت بھی جائز نہیں، اور اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

قسم دوم: اس میں تین قسم کے اشربہ ہیں: (۱) طلاء: یہ انگور کا شیرہ ہے جب اسے اتنا پکایا جائے کہ وہ دو تہائی سے کم ختم ہوجائے۔ (۲) نقیع التمر: کھجور کا کچا شیرہا سے "سَکَر" بھی کہا جاتا ہے۔ (۳) نقیع الزبیب اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کشمش ڈال دی جائے اور زیادہ دیر رہنے کی وجہ سے اس میں شدت اور ابال پیدا ہوجائے۔ ان تینوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ یہ بھی شراب کے حکم میں ہیں، نجس ہیں اور ان کا قلیل وکثیر استعمال حرام ہے، البتہ ان کے پینے والے پر امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک نشہ آور مقدار پینے کے بعد حد جاری کی جائے گی، اس کے بغیر نہیں، کیونکہ ان اشربہ کا خمر یعنی شراب ہونا قطعی نہیں محض ظنی ہے اور حد چونکہ شبہ کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہے، اس لیے جب تک نشہ مقدار نہ پیے اس وقت تک حد جاری نہیں ہوگی ان اشربہ کو حلال سمجھنے والا کافر نہیں ہوگا جب کہ شراب کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

مشروبات کی خرید وفروخت جائز ہے:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان تینوں مشروبات کی خرید وفروخت جائز ہے جبکہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔

قسم سوم: مذکورہ چار قسمیں، یعنی خمر، طلاء، نقیع التمر اور نقیع الزبیب کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات مثلاً کھجور کی نبیذ یا کشمش کی نبیذ اسے تھوڑا سا پکا لیا گیا ہو یا انگور کا شیرہ جسے اس قدر پکا لیا جائے کہ اس کے دو حصے خشک ہوجائیں اور ایک حصہ باقی رہ جائے، جس طرح شہد، انجیر، گندم، اور جو وغیرہ کی نبیذ ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان کی قلیل مقدار کا استعمال جو نشہ آور نہ ہو جائز ہے بشرطیکہ ان سے عبادات کے لیے طاقت حاصل کرنا مقصود ہو، عیش وعشرت اور جنسی طاقت کی غرض سے نہ ہو جبکہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

اختلاف کا حاصل: کہ امام صاحب اور جمہور کے درمیان دو چیزوں میں اختلاف ہے ایک اشربہ ثلاثہ یعنی طلاء، نقیع التمر، نقیع الزبیب میں امام صاحب کے نزدیک یہ خمر تو ہیں لیکن ان کا خمر (یعنی شراب) ہونا ظنی ہے قطعی نہیں، لہٰذا ان کے پینے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی جبکہ جمہور کے نزدیک ان کا خمر ہونا ظنی نہیں لہٰذا ان کے نزدیک پینے والے پر حد جاری کی جائے گی۔

دوسرا اختلاف: شراب کی مذکورہ چار قسموں کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات کی اس قلیل مقدار کے بارے میں ہے جو نشہ آور نہ ہو مثلاً نبیذ وغیرہ امام صاحب کے نزدیک ان کی غیر نشہ آور قلیل مقدار کے بارے میں جائز ہے، اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں، نیز امام

صاحب کے نزدیک یہ مشروبات نجس بھی نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے دلائل: (۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال لغت سے ہے کہ لغت میں خمر کا اطلاق انگور کے شیرے پر ہوتا ہے، باقی پھلوں کے شیرے پر "خمر" کا اطلاق لغت میں نہیں ہوتا۔ (لسان العرب ۵۔۳۴۹) اس کی تائید مصنف عبدالرزاق کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الخمر من العنب یہ روایت اگرچہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے مرسلاً نقل کی ہے لیکن اس پر اجماع ہے، کہ ان کی مرسل روایات مقبول ہوتی ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: اما الخمر فحرام لاسبیل الیها واما ما سواها من الاشربة فکل مسکر حرام۔ اس میں شراب اور دیگر مشروبات کے درمیان حکم کے اعتبار سے تفریق کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تمام نشہ آور مشروبات کو خمر نہیں کہا جاتا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: حرمت الخمر لعینها، والسکر من کل شراب. شراب کو اصل حرام قرار دیا گیا ہے، اور دیگر مشروبات میں وہ حرام ہے جو نشہ آور ہو، شرح معانی الاثار، کتاب الاشربة، باب الخمر المحرمة ماهی ۲، ۶، ۳۵۔

(۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس نبیذ سے تھوڑا سا چکھا جو نشہ آور تھی، اگر قلیل مقدار حرام ہوتی تو وہ کبھی نہ چکھتے۔

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن جارہے تھے، حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ وہاں گندم اور جو کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اشربا ولا تسکرا. وہ تم پی سکتے ہو لیکن انہیں نشہ آور نہ بنانا (کیونکہ ان میں جو نشہ آور ہو جائے وہ جائز نہیں)۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں شراب کی وہ مقدار جو نشہ آور ہو، اور وہ مقدار جو نشہ آور نہ ہو دونوں کے حکم میں فرق کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شراب کے علاوہ دیگر شرابوں کی غیر نشہ آور مقدار کا استعمال درست ہے۔ (شرح معانی الاثار، کتاب الاشربة، باب مایحرم من النبیذ ۲، ۳۶۰)

(۶) حضرت عبداللہ بن شخیر رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشربہ یعنی مشروبات پینے سے منع فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا کہ ان بعض کا پینا تو ضروری ہوتا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم انہیں اس وقت تک پی سکتے ہو جب تک یہ تمہاری عقلوں کو بیوقوف نہ بنادیں یعنی نشہ آور نہ ہوں (اور تمہارے اموال کو ختم نہ کردے۔ (مصنف عبدالرزاق ۹، ۲۲۳)

ان روایات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ شراب صرف انگور کی ہوتی ہے، اور دوسری یہ کہ شراب کی مذکورہ چار قسموں کے علاوہ باقی مشروبات کی غیر نشہ آور مقدار کا استعمال جائز ہے۔

جمہور کے دلائل: امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب ماجاء فی شارب الخمر، باب ماجاء کل مسکر حرام، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام باب ماجاء فی الحبوب التی یتخذ منها الخمر، ان چار ابواب کے تحت جتنی روایات ذکر فرمائی ہیں وہ تمام جمہور کے دلائل ہیں۔

اسی طرح اس مفہوم کی روایات حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاشربة

باب الخمر من العنب، باب نزل تحریم الخمر، باب الخمر من العسل، باب ماجاء ماخامر العقل......ان چار ابوب کے تحت جتنی روایات ذکر فرمائی ہیں، وہ تمام جمہور کے دلائل ہیں، ان احادیث کی روشنی میں جمہور کہتے ہیں کہ ''خمر'' صرف انگور کے شیرے کا نام نہیں، بلکہ طلاء نقیع الزبیب وغیرہ بھی ''خمر'' ہیں ایسے ہی نشہ آور نبیذ کا قلیل استعمال بھی نا جائز ہے۔

جمہور کے دلائل کا جواب: احناف کہتے ہیں کہ خمر کا اطلاق حقیقۃ اور لغۃ انگور کے شیرے پر ہوتا ہے اور باقی مشروبات پر اس کا اطلاق مجازا ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اور ''ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام'' اور اس جیسی روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شراب کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات بھی تمام امور میں ''خمر'' ہی ہیں، البتہ ان سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ باقی نشہ آور مشروبات شراب کے حکم میں ہیں، لہٰذا شراب کی طرح ان کا قلیل وکثیر استعمال حرام ہے تاہم تمام امور میں ان کا ''شراب'' کے حکم میں ہونا ان احادیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

احناف کا فتویٰ: بہت سے حنفی حضرات نے حرمت کے حق میں جمہور کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان مشروبات کا قلیل وکثیر استعمال مطلقاً حرام ہے لیکن ان کی بیع اور حد میں امام صاحب کے قول پر فتوی دیا ہے کہ کہ ان کی خرید وفروخت اگر کسی جائز مقصد کے لیے ہو تو بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اور ان کے استعمال سے حد بھی واجب نہیں ہوگی۔

الکحل کا شرعی حکم:

عصر حاضر میں الکحل کا استعمال بہت عام ہو چکا ہے، بہت سے دواؤں، عطر، رنگوں اور کیمکلز وغیرہ میں اُسے استعمال کیا جاتا ہے، اگر واقعی یہ انگور یا کھجور سے بنائی گئی ہو تو پھر یہ حرام ہے، نجس ہے، اور اس کا استعمال بھی جائز نہیں لیکن اگر انگور اور کھجور کے علاوہ کسی اور چیز سے تیار کی گی ہو جیسا کہ اس زمانے میں بکثرت ایسا ہی ہے تو پھر اسے علاج اور جائز مقاصد کے لیے اتنی مقدار میں استعمال کرنا جائز ہے، جس مقدار سے نشہ پیدا نہ ہوتا ہو، اور یہ نجس نہیں، پاک ہے، دواؤ غیرہ میں آج کل، جو الکحل استعمال کی جاتی ہے، وہ عموماً انگور یا کھجور سے نہیں بنائی جاتی، بلکہ دوسری اشیاء مثلاً چمڑا، گندھک، شہد، چھلکے، جو گندم، اور پٹرول وغیرہ سے حاصل کی جاتی ہے، چونکہ الکحل کو جائز مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کا عام ابتلاء بھی ہے اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز اغراض ومقاصد کے لیے اس کا استعمال اور خرید وفروخت جائز ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خَلِیْطِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ

باب ۹: نیم پختہ اور خشک کھجور ملا کر نبیذ بنانے کے حکم کے بارے میں

(۱۷۹۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی اَنْ يُّنْبَذَ الْبُسْرِ وَالرُّطَبِ جَمِيْعًا.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے کچی اور پکی کھجوروں کو ملا کر نبیذ تیار کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱۷۹۸) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ اَنْ يُّخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهٰی عَنِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ اَنْ يُّخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهٰی

عَنِ الْجَرَارِ اَنْ یُنْبَذَ فِیْھَا.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ بات بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی اور پکی کھجوروں کو ملا کر (نبیذ تیار کرنے) سے منع کیا ہے آپ نے کشمش اور کھجور کو ملا کر نبیذ تیار کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ اور آپ نے مٹکے میں نبیذ تیار کرنے سے بھی منع کیا ہے۔

مذاہب فقہاء: خلیط کے بارے میں اختلاف کہ چند چیزوں کو ایک ساتھ پانی میں ڈال کر نبیذ بنائی جاسکتی ہے یا نہیں۔

① علامہ داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دو چیزوں کو پانی میں ایک ساتھ ڈال کر نبیذ بنانے میں مضائقہ نہیں مگر الگ الگ نبیذ بنا کر پھر دونوں کو مخلوط کرنا ممنوع ہے۔

② جمہور فقہاء، حنابلہ شافعیہ وبعض مالکیہ وغیرہ ہم اور محدثین فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا ممنوع بکراہت تحریمی ہے۔

③ مکروہ بکراہت تنزیہیہ ہے نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور اور قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب مغنی نے احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہوا لصحیح ان شاء اللہ کہہ کر یہی نقل کیا ہے۔

④ احناف کے نزدیک مختلف اشیاء سے مطلقاً نبیذ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دلائل احناف: اوّل: عن عائشه رضی اللہ عنہا ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان ينبذله الزبيب فيلقى فيه التمر او التمر فيلقى فيه الزبيب. (اخرجه ابو داؤد)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کشمش کی نبیذ بنائی جاتی تھی جس میں کھجوریں ڈالی جاتی تھیں یا کھجوریں جن میں کشمش ڈالی جاتی تھیں۔"

دوم: عن صفية رضی اللہ عنہا بنت عطية قالت دخلت مع نسوة من عبد القيس عن عائشة رضی اللہ عنہا فسئلنا عن التمر والزبيب فقالت كنت آخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فالقيه في الاناء. (الحديث) اخرجه ابو داؤد۔

"صفیہ بنت عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں عبدالقیس کی چند عورتوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئی ہم نے کھجور اور کشمش کے بارے میں سوال کیا فرماتی ہیں میں ایک مٹھی کھجوریں لیتی تھی اور ایک مٹھی کشمش اُسے میں برتن میں ڈال دیتی تھی۔"

سوم: ماروى محمد بن الحسن عن الامام عن زياد انه افطر عند ابن عمر رضى الله عنهما فسقاه شرابا فكانه اخذ منه فلما اصبح غدا اليه فقال له ما هذا الشراب ما كدت اهتدى الى منزلى فقال ابن عمر مازدناك عليل عجوة وزبيب. (تحفه)

چہارم: اسی طرح حضرت ام سلیم اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے الکامل میں نقل کیا ہے: انهما كانا يشربان النبيذ الزبيب والبسر يخلطانه.

پنجم: اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے: انه كان ينبذ له الزبيب فلم يكن يستمره فقال للجارية اطرحى فيه تمرات. مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوط نبیذ استعمال فرمائی ہے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہ عمل رہا ہے۔

قائلین حرمت وکراہت کا استدلال: اوّل: روایت الباب۔

دوم: عبداللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ نهی عن خلیط الزبیب والتمر وعن خلیط البسر والتمر وعن الزھو والتمر قال وانتبذوا کل واحدۃ علیحدہ. (اخرجه الجماعة الا الترمذی)

سوم: عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال نهی رسول اللہ ﷺ عن الزبیب والتمر والبسر والتمر وقال ینبذ کل واحدۃ منها علیحدہ. (اخرجه مسلم)

چہارم: عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال نهی رسول اللہ ﷺ ان یخلط التمر والزبیب جمیعا وان یخلط التمر والبسر جمیعا. (اخرجه مسلم)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے کشمش اور کھجوروں کو ملا کر اور کچی کھجوروں اور پکی کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کچی پکی کشمش و کھجور وغیرہ کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

دلائل کے جوابات: ① حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلیط سے ممانعت کی وجہ دراصل خوف سکر ہے کہ مختلف المزاج اشیاء جب پانی میں ڈالی جائیں گی تو ان میں سکر جلد ہی پیدا ہو جائے گا اور پینے والے کو معلوم نہ ہو سکے گا اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمادیا تھا۔

② ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ابتداء اس لیے منع فرمایا ہو کہ وہ عسرت کا زمانہ تھا اور اس طرح ملا کر پینے میں فقراء و غریبوں کی حق تلفی ہے بلکہ جن کو دو دو چیزیں میسر ہوں ان کو چاہیئے کہ ایک پر اکتفاء کرتے ہوئے دوسری دوسروں کو دے دیں، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو وسعت مالی عطا فرمادی تو آپ ﷺ نے پھر اس کی اجازت دے دی اور خود بھی استعمال فرمائی جیسا کہ اوپر روایات نقل کی گئی ہیں (کذا روی عن ابراہیم النخعی) ہذا حدیث صحیح اخرجه الشیخان ابو داؤد، والنسائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الشُّرْبِ فِي اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

باب ۱۰: سونے چاندی کے برتنوں میں پینے کی کراہت کے بارے میں

(۱۷۹۹) اَنَّ حُذَيْفَةَ اِسْتَسْقٰى فَاَتَاهُ اِنْسَانٌ بِاِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهٖ وَقَالَ اِنِّيْ كُنْتُ نَهَيْتُهٗ فَاَبٰى اَنْ يَّنْتَهِيَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشُّرْبِ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَلُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَقَالَ هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا ایک آدمی چاندی کے برتن میں ان کے لئے پانی لے کر آیا۔ انہوں نے اسے پھینک دیا اور بتایا کہ میں نے اسے منع کیا تھا لیکن یہ نہیں مانا نبی اکرم ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع کیا ہے اور ریشم اور دیباج پہننے سے منع کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔ یہ ان (کفار) کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہوں گے۔

تشریح: سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کا حکم؟ آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مسلمان مرد وعورت کے لیے سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں ہے۔

حدیث باب میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا، بخاری کی روایت میں عراق کے شہر "مدائن" کا بھی ذکر ہے کہ اس میں یہ واقعہ پیش آیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے منع کیا کہ سونے، چاندی کے برتنوں میں پانی نہ دیا جائے اس کے باجود اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے اس برتن کو پھینک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے سونے چاندی کے برتن اور مردوں کے لیے ریشم کا استعمال حرام قرار دیا ہے۔ اور فرمایا: **ھی لھم فی الدنیا ولکم فی الاخرۃ**. کہ کفار دنیا میں ہر لحاظ سے آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور مسلمان چونکہ آزاد نہیں بلکہ اسلامی حدوضوابط کا پابند ہے، ہر وہ چیز جس سے انسان آخرت سے غافل ہو جائے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذریعہ بنے اس سے منع کیا ہے، اور اجر بتادیا کہ اگر تم اس کے مطابق زندگی گزارو گے تو یہ نعمتیں تمہیں آخرت میں حاصل ہوں گی، لہٰذا اگر دنیا میں سونے چاندی کے برتن اور ریشم کے استعمال سے پرہیز کرو گے تو یہ نعمتیں میں تمہیں آخرت میں عطا کی جائے گی اور کافر محروم ہوں گے اسی کو **ولکم فی الاخرۃ** سے بیان کیا ہے۔

حریر ودیباج کا حکم؟

اس پر بھی اتفاق ہے ان کا استعمال مردوں کے لیے جائز نہیں بکثرت روایات میں ممانعت وارد ہوئی ہے البتہ جنگ اور مرض وغیرہ کی بناء پر ضرورۃً اجازت دی گئی ہے اسی طرح تین چار انگلیوں کے بقدر جیسے بوٹے اور کڑھائی وغیرہ میں ریشم استعمال کرلی گئی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے جبہ کا پہننا ثابت ہے کہ جس میں تھوڑا سا ریشم کا کام ہوا تھا،

توضیح: صاحبین رحمہما اللہ نے اس کو پہننے کی مطلقاً اجازت دی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بکراہت جائز ہے کیونکہ ضرورت تو لباس مخلوط کہ اس میں ریشم وسونا دونوں ملے ہوئے ہوں اس سے بھی دفع ہو جائے گی اور جن روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت منقول ہے وہ لباس مخلوط ہی پر محمول ہیں البتہ عورتوں کے لیے ریشم ودیباج کا استعمال جائز ہے جیسا کہ دیگر روایات سے ثابت ہے۔

مسئلہ: اگر سونے اور چاندی کے برتن تزین وتجمل کے لیے بنوا کر گھر میں رکھے جائیں اور استعمال نہ کیے جائیں تو گنجائش ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تحریم استعمال سے ہے نہ کہ اتخاذ سے اور فرماتے ہیں کہ جس طرح کوئی آدمی ریشم کے کپڑے بنوالے اور ان کو استعمال نہ کرے تو یہ جائز ہے اسی طرح سونے چاندی کی بھی اجازت ہونی چاہئی۔

جواب: کہ جس چیز کا استعمال ممنوع ہے اس کا اتخاذ علی ھیئۃ الاستعمال بھی درست نہ ہوگا۔ رہے ریشمی لباس اور کپڑے تو وہ قطعاً حرام نہیں ہیں بلکہ عورتوں کے لیے مطلقاً اور مردوں کے لیے بعض مواقع پر جائز ہیں۔

(۲) اگر کوئی برتن سونے اور چاندی سے جڑا ہوا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں پینا جائز ہے بشرطیکہ ایسی جگہ سے پانی پیئے جہاں پر سونا چاندی لگا ہوا نہ ہو اسی طرح تخت اور کرسی وغیرہ بھی اگر سونے یا چاندی سے جڑی ہوئی ہوں اور استعمال ذہب وفضہ لازم نہ آئے تو استعمال کرنا جائز ہے۔ کذا فی العینی مگر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے مکروہ قرار فرمایا ہے وقیل قول محمد مثل قول ابی حنیفۃ۔

(۳) جس برتن پر سونے چاندی کا پانی کیا گیا ہو اگر پگھلانے سے سونا و چاندی الگ ہو سکتا ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں اور الگ الگ نہ ہو سکے تو اس کے استعمال میں حنفیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ (عینی)

(۴) ریشم کا تکیہ بنانا یا پردہ بنا کر دروازوں پر لٹکانا اور اس پر سونا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے مگر صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا

باب ۱۱: کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کے بارے میں

(۱۸۰۰) اَنَّ النبیَّ ﷺ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا فَقِيْلَ اَلْاَكْلُ قَالَ ذَاكَ اَشَدُّ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا، کھانے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ یہ زیادہ شدید (برا) ہے۔

(۱۸۰۱) اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا.

ترجمہ: حضرت جارود بن معلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے۔

تشریح: عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ نهى ان يشرب الرجل قائما فقيل: الاكل؟ قال ذاك اشد.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا ہے تو پوچھا گیا کہ کہ کھانا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (کھڑے ہو کر) کھانا تو اس سے کہیں زیادہ سختی سے منع ہے،

ضالة المسلم حرق النار: جارود سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی گمشدہ چیز (اپنی ملکیت میں لے لینا) گویا جہنم کی آگ کا شعلہ (لینا) ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشُّرْبِ قَائِمًا

باب ۱۲: کھڑے ہو کر پینے کی رخصت کے بارے میں

(۱۸۰۲) كُنَّا نَاْكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نَمْشِيْ وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہم لوگ چلتے پھرتے ہوئے کھا لیا کرتے تھے اور کھڑے ہو کر پی لیا کرتے تھے۔

(۱۸۰۳) اَنَّ النبیَّ ﷺ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر آب زم زم پیا تھا۔

(۱۸۰۴) رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا۔

ترجمہ: عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیتے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح: کھڑے ہو کر پانی پینے کا مسئلہ: کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض روایات میں ممانعت منقول ہے جبکہ دیگر بعض روایات سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر دونوں کی طرح روایات ذکر کی ہیں بظاہر ان روایات میں تعارض ہے۔

دفع تعارض: اکثر حضرات نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دی ہے یہ تطبیق دو طرح سے دی گئی ہے۔

تطبیق اوّل: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا چونکہ طبی لحاظ سے صحت کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا کھڑے ہو پانی پینے کی ممانعت والی احادیث ضرر طبی کے اعتبار سے ہیں، اور احادیث جواز شرعی اجازت پر محمول ہیں۔

اعتراض: علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی رحمہما اللہ نے تصریح کی ہے کہ راستوں پر لوگوں کے سامنے کھلم کھلا کھانا اور پینا قلت مروت کی بناء پر مسقط شہادت ہے پھر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ عمل کیسے پایا گیا۔

جواب ①: ممکن ہے کہ یہ حالت سفر کا واقعہ ہو چنانچہ علماء نے سفر کی بناء پر مسافروں کو راستوں میں کھانے کی اجازت دی ہے۔

جواب ②: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسقط شہادت تو بازاروں میں سڑکوں پر کھانا ہے یہاں روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے۔

جواب ③: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امتثال اوامر اور اجتناب نواہی میں سب سے سبقت کرتے تھے۔ ان کی عدالت مسلمات میں سے تھے ان پر دوسرے لوگوں قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ﷺ نے زمزم کھڑے ہو کر کیوں پیا؟ (تفصیل جلد اوّل میں)

وفی الباب عن علی رضی اللہ عنہ اخرجه احمد والبخاری سعد رضی اللہ عنہ اخرجه الترمذی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما واخرجه الترمذی بعد هذا عائشة رضی اللہ عنہا اخرجه البزار وابو علی الطوسی هذا حدیث حسن صحیح اخرجه الشیخان۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّنَفُّسِ فِی الْاِنَاءِ

باب ۱۳: برتن میں سانس لینے کے بارے میں

(۱۸۰۵) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلاثًا وَیَقُوْلُ هُوَ اَمْرَأُ وَاَرْوٰی۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ برتن میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے یہ زیادہ سیراب کرنے والا اور زیادہ خوشگوار ہے۔

(۱۸۰۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلَاثًا۔

ترجمہ: ثمامہ بن انس، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برتن میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے۔

(۱۸۰۷) لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوا مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَسَمُّوا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ.

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے، اپنے والد کے حوالے سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں نہ پی جاؤ بلکہ دو یا تین سانسوں میں پیو جب پینے لگو تو، بسم اللہ،، پڑھ لو اور جب پی چکو تو "الحمد للہ" پڑھو۔

تشریح: کان یتنفس فی الاناء: یہاں بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ دوسری روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنفس فی الاناء کی ممانعت منقول ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت آگے آ رہی ہے کہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل اس پر باب بھی قائم کیا ہے، تعارض ہو گیا۔

جواب: ممانعت والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ برتن کو منہ سے ہٹائے بغیر پیتے پیتے سانس اسی میں لیتے رہیں اور روایت الباب کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے اور سانس درمیان میں برتن کو منہ سے ہٹا کر لیتے تھے۔ اور تین سانس میں پانی اس طرح نوش فرماتے تھے لہٰذا اب کوتعارض نہیں ہے۔

پانی پیتے وقت سانس لینے کا مسنون طریقہ:

سنت یہ ہے کہ پانی پینے کے درمیان تین سانس لیے جائیں، یہ سانس برتن کے اندر نہیں بلکہ برتن سے منہ کو الگ کر کے سانس لئے جائیں، ایک ہی سانس میں یکبارگی پانی پینا گو جائز ہے لیکن بہتر نہیں، اور اس طرح پینے سے طبی لحاظ سے بہت نقصانات بھی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ٹھہر ٹھہر کر تین سانسوں میں پانی پیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس انداز سے پانی پینا زیادہ پر لطف، خوشگوار، زیادہ سیرابی اور پیاس بجھانے کا باعث ہے، جبکہ ایک ہی سانس میں پینے سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے، حدیث باب میں ایک ہی سانس میں یکبارگی پانی پینے کو اونٹ کے پینے کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ وہ اسی طرح پیتا ہے آپ نے فرمایا کہ تم دو یا تین سانسوں میں پانی پیا کرو۔ پینے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں اللہ کی حمد وثنا کی جائے۔

ھو اَمرأُ واَرْوٰی ھو کا مرجع یا تو تعدد نفس ہے یا تثلیث امرء امرء الطعام سے ماخوذ ہے جب کہ کھانا معدے کی موافقت کرے یعنی اچھی طرح ہضم ہو جائے اروی روی سے ماخوذ ہیں جس کے معنی پیاس کو زیادہ بجھانے والا۔ مسلم شریف کی روایت میں انہ ابرا وامرا ء واقع ہوا ہے اور سنن ابو داء ود میں اھناء کا لفظ واقع ہوا ہے کہ جو ھناء سے ماخوذ ہے اس کے معنی خوشگوار، اب حدیث کے معنی: یہ ہوں گے کہ اس طرح تین سانس میں پینا نہایت خوشگوار اور مرض عطش سے براءت وسلامتی کا ذریعہ ہے یعنی پیاس بجھانے کے لیے نہایت دافع اور ہضم، کے لیے انتہائی معین ومددگار ہے معدے کے لیے ضعف کا باعث بھی نہیں اور معدہ کی حرارت کے نافع بھی ہے افعل التفضیل کا صیغہ اس پر دال ہے کہ یہ خصوصیات تعدد نفس اور تثلیث کا نتیجہ ہے لہٰذا ایک سانس میں پینا سیراب بھی نہیں کرے گا اور خوشگوار بھی نہ ہو گا اور معدے کے لیے مضر ہے۔

پانی پینے کے آداب:

مختلف احادیث میں منقول ہیں: (۱) پانی بیٹھ کر پیا جائے۔ (۲) دائیں ہاتھ سے پیا جائے۔ (۳) ابتداء میں بسم اللہ پڑھی

جائے۔(۴) تین سانسوں میں پیا جائے اور ہر سانس کے ساتھ الحمدللہ کہا جائے۔(۵) گلاس کے اندر سانس نہ لیا جائے بلکہ گلاس کو منہ سے الگ کرکے سانس لیا جائے۔(۶) اور پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔اس کے لیے صرف "الحمدللہ" کہہ دینا بھی کافی ہے۔

اور بعض علماء سے یہ دعا بھی منقول ہے: الحمد لله الذی سقانی برحمته ماء عذبا باردا فراتا،ولم یجعله بذنوبی ملحا اجاجا.

بَابُ مَاذُكِرَ فِي الشُّرْبِ بِنَفَسَيْنِ

باب ۱۴: پیتے وقت دو سانس لینا بھی جائز ہے

(۱۸۰۸) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ جب پیا کرتے تھے،تو دومرتبہ سانس لیتے تھے۔

تشریح: پانی پیتے وقت دو سانس لینا بھی جائز ہے: پچھلے باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ کا عام معمول ذکر فرمایا کہ آپ ﷺ پانی پیتے وقت برتن سے منہ الگ کرکے تین سانس لیتے تھے یہی مسنون طریقہ ہے اس باب میں یہ ذکر کیا کہ اپ ﷺ سے دو سانس میں پانی پینا بھی ثابت ہے اس لیے یہ عمل گو جائز ہے تاہم اس طرح پینے کا عام معمول نہیں بنانا چاہیے۔

فائدہ: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں یہ امکان ہے کہ راوی نے تیسرے سانس کا ذکر نہ کیا ہو اس لیے دو سانسوں سے پانی پینے کے بارے میں حدیث باب سے استدلال کرنا تام نہیں ہے۔(تحفۃ الاحوذی ۶،۸)

بَابُ مَاجَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ

باب ۱۵: پینے کی چیز میں پھونک مارنے کے مکروہ ہونے کے بارے میں

(۱۸۰۹) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِي الشُّرْبِ فَقَالَ رَجُلٌ الْقَذَاةُ اَرَاهَا فِي الْاِنَاءِ قَالَ اَهْرِقْهَا قال فَاِنِّي لَا اَرْوٰى مِنْ نَّفَسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَاَبِنِ الْقَدَحَ اِذَنْ عَنْ فِيكَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے۔ایک شخص نے عرض کی۔اگر اس میں کوئی گندی چیز مجھے نظر آجاتی ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔تو اسے انڈیل دو! اس نے عرض کی۔میں ایک سانس میں پی کر سیراب نہیں ہوتا۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔تم برتن کو اپنے منہ سے الگ کرلیا کرو۔

(۱۸۱۰) اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى اَنْ يَّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخُ فِيهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے (برتن میں) سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: پھونک مارنے سے کیوں منع فرمایا؟ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ادب بیان فرمایا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں

پھونک نہ ماری جائے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے کیونکہ پھونک مارتے وقت بسا اوقات تھوک وغیرہ مشروب میں گرنے کا اندیشہ ہے جس سے خود بھی گھن ہوسکتی ہے اور دوسرے ساتھی کو بھی گھن ہوسکتی ہے نیز اطباء فرماتے ہیں کہ پھونک کے ذریعہ خراب بخارات منہ سے نکل کر مشروب میں مضرت پیدا کرسکتے ہیں جس سے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ جدید اطباء اس کے بارے میں سختی سے ممانعت فرماتے ہیں کہ پھونک کے ذریعہ زہریلے بخارات نکلتے ہیں وہ ایسے جراثیم پر مشتمل ہوتے ہیں جو انتہائی نقصان دہ ہیں نیز پھونک مارنے سے ٹھنڈے پانی کی برودت بھی ختم ہونے کا احتمال ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اگر کھانا گرم ہو تو صبر کرے اور اگر کوئی کوڑا کرکٹ وغیرہ مشروب شئی میں ہو تو اس کو چمچے وغیرہ سے نکال دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گرا کر نکالنے کا حکم فرمایا وہ تو آخری درجہ ہے جب کہ کوئی شئی اس تنکے کو نکالنے کے لیے نہ ہو۔

بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ التَّنَفُّسِ فِی الْاِنَاءِ

باب ۱۶: برتن میں سانس لینا مکروہ ہے

(۱۸۱۱) اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ.

ترجمہ: عبداللہ بن ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص پیئے تو برتن میں سانس نہ لے

بَابُ مَاجَاءَ فِی النَّهْیِ عَنْ اخْتِنَاثِ الْاَسْقِيَةِ

باب ۱۷: مشکیزوں سے منہ لگا کر پینے کے (حکم) کے بارے میں ہے

(۱۸۱۲) اَنَّهٗ نَهٰی عَنِ اخْتِنَاثِ الْاَسْقِيَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، انہوں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشکیزے کو اوندھا کر کے پینے سے منع کیا ہے۔

لغات: اختناث حنث سے باب افتعال کا مصدر ہے: مشک کے منہ کو اوپر کی طرف سے موڑ کر اندر سے پانی پینا، مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے کا حکم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے وغیرہ کا منہ موڑ کر اس سے براہِ راست پانی پینے سے منع فرمایا ہے، محدثین نے اس ممانعت کی مختلف مصلحتیں اور حکمتیں بیان کی ہیں۔

ممانعت کیوں؟ اس طرح پانی پینے کی ممانعت مختلف وجوہ کی بناء پر ہے جن میں سے بعض کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔

(۱) ممکن ہے کہ پانی میں کوئی زہریلا جانور ہو وہ پانی کے ساتھ پیٹ میں چلا جائے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے چنانچہ احمد ابن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے اس طرح پانی پی لیا تو سانپ اس کے پیٹ میں چلا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرما دیا تھا لہٰذا اس علت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر سارا پانی نظروں کے سامنے ہو تو پھر منہ لگا کر پانی پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) اس طرح مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے سے پانی خراب ہونے کا خطرہ ہے کہ اس پانی میں تعفن پیدا ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: نهى ان يشرب من في السقاء لان ذالك ينتنه۔

(۳) اس طرح منہ لگا کر پانی پینے سے مقدار سے زیادہ یک لخت پانی منہ میں آئے گا۔ جس سے قدر حاجت سے زیادہ پانی ہونے کی وجہ سے پانی گلے میں اٹک جانے کا اندیشہ ہے کہ سانس بند ہو کر موت واقع ہو سکتی ہے نیز قلب کے برابر والی رگوں کے کٹ جانے کا بھی خطرہ ہے جس سے ہلاکت ہو سکتی ہے۔

(۴) اگر شارب نے کوئی میٹھی چیز کھا کر منہ لگا یا اور پانی پی لیا تو ظاہر ہے کہ مٹھاس کا اثر مشکیزہ کے منہ پر ہو جائے گا، اور اس پر چپکاہٹ کی وجہ سے مختلف زہریلے کیڑے مکوڑے مکھیاں اس جگہ بیٹھیں گی جن سے گندگی بھی پیدا ہوگی اور جانور کے زہر کا اثر بھی ہو سکتا ہے اب اس کے بعد خود یا اور کوئی پانی پیئے گا تو نقصان کا قوی اندیشہ ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِى الرُّخْصَةِ فِىْ ذٰلِكَ

باب ۱۸: مشک کے منہ سے پانی پینے کا جواز

(۱۸۱۳) رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَامَ اِلٰى قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ فَخَنَثَهَا ثُمَّ شَرِبَ مِنْ فِيْهَا۔

ترجمہ: عیسیٰ بن عبد اللہ بن انیس رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کے طرف گئے آپ نے اسے اوندھا کیا اور اس کے منہ کے ساتھ منہ لگا کر پی لیا۔

(۱۸۱۴) دَخَلَ عَلَىَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَشَرِبَ مِنْ فِيْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهُ۔

ترجمہ: عبد الرحمٰن بن ابو عمرہ اپنی دادی سیدہ کبشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے آپ نے لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ کے ساتھ منہ لگا کر کھڑے ہو کر پیا، میں اٹھی اور میں نے اس کے منہ کو کاٹ لیا (اور برکت کے طور پر محفوظ کر لیا)۔

تشریح: مشک کے منہ سے پانی پینا جائز ہے؟ حکم شرعی: اس طرح منہ لگا کر پانی پینے کے بارے میں اختلاف ہے علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری تحریم کے قائل ہیں علامہ اثرم نے فرمایا کہ احادیث ناہیہ ناسخ احادیث اباحت ہیں اور جمہور علماء فرماتے ہیں، کہ نہی تنزیہی ہے یا ارشادی ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً جواز بلا کراہت کے قائل ہیں جمہور علماء نے فرمایا کہ اگرچہ ممانعت کی روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں مگر ان کے بالمقابل رخصت و باحت کی روایات بھی مروی ہیں جن کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ذکر فرمایا ہے۔

اعتراض: اس باب کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشک کے منہ سے براہ راست پانی پینا جائز ہے کوئی حرج نہیں، جبکہ اس سے پہلے باب میں ممانعت ذکر کی گئی ہے تو روایات میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب ①: جن احادیث میں مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا گیا ہے اس سے وہ بڑی مشک مراد ہے جس کا منہ زیادہ بڑا اور کھلا ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کی مشک سے پانی پینے کی بناء پر وہ تمام مفاسد پیش آتے ہیں جو پہلے ذکر کیے گئے ہیں، اور نبی کریم

ﷺ کا عمل چھوٹی مشک سے متعلق ہے جس کا منہ تنگ ہوتا ہے اور اس میں مذکورہ نقصانات کا خطرہ نہیں ہوتا۔

(فتح البخاری کتاب الاشربۃ باب الشرب من فم السقاء ۱، ۱۱۳)

جواب ②: ابن العربی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگی ضرورت کی وجہ سے یا وقت کی تنگی کی وجہ سے یا برتن نہ ہونے کی وجہ سے مشکیزے کے منہ سے پیا ہو گویا ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا اور ممانعت والی احادیث کا تعلق عام حالات سے ہے۔ (عارضۃ الاحوذی کتاب الاشربۃ باب ماجاء فی النھی عن اختناث الاسقیۃ ۸، ۸۲)

جواب ③: ممانعت کا تعلق دوام اور عادت سے ہے کہ اس طرح مشک سے منہ لگا کر پینے کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے اس میں دیگر خرابیوں کے علاوہ مشک کے منہ میں رفتہ رفتہ بد بو پیدا ہونے لگتی ہے اور نبی کریم ﷺ کا یہ عمل بیان جواز کے لیے تھا۔

جواب ④: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کے درجے میں ہے حرمت کے درجے میں نہیں ہے اور آپ کا عمل بیان جواز کے لیے تھا اور مکروہ تنزیہی اور جواز دونوں میں کوئی۔ ادھوری بات توجہ کریں۔

(شرح الطیبی کتاب الطعمۃ باب الاشربۃ الفصل الاول ۸، ۱۸۶)

اخرجہ احمد وابن ماجہ ویزید بن یزید الخ فرماتے ہیں کہ یزید عبدالرحمٰن بن یزید کے بھائی ہیں جو اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے پہلے انتقال فرما گئے تھے۔

فائدہ: آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا، حضرت کبشہ فرماتی ہیں کہ میں نے مشک کا وہ حصہ جس پر نبی کریم ﷺ کے ہونٹ مبارک لگے تھے اسے کاٹ لیا یہ کاٹنا تو ادب کی وجہ سے تھا تاکہ اسے کوئی اور استعمال نہ کرے اور اس پر کسی اور کا منہ نہ لگے یا برکت کے لیے اسے رکھا گیا تاکہ اس کے ذریعہ برکت اور شفاء حاصل کی جائے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب لاطعمۃ باب الاشربۃ الفصل الثانی ۸، ۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کے تبرکات لینا اور انہیں اپنے پاس رکھنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ انہیں ناجائز مقاصد اور اسلام کے خلاف کاموں کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اَنَّ الْاَیْمَنِیْنَ اَحَقُّ بِالشُّرْبِ

باب ۱۹: دائیں طرف بیٹھے ہوئے لوگ (کھانے) پینے میں زیادہ حقدار ہیں

(۱۸۱۵) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اُتِیَ بِلَبَنٍ قَدْ شِیْبَ بِمَاءٍ وَ عَنْ یَّمِیْنِهٖ اَعْرَابِیٌّ وَ عَنْ یَّسَارِهٖ اَبُوْ بَکْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ اَعْطَی الْاَعْرَابِیَّ وَقَالَ اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دودھ لایا گیا جس میں پانی ملایا گیا تھا۔ آپ کے دائیں طرف ایک دیہاتی موجود تھا اور بائیں طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ آپ نے اسے پی لیا پھر دیہاتی کو دیتے ہوئے فرمایا۔ دائیں طرف والے کا حق پہلے ہوتا ہے۔

لغات: ایمنین: ایمن کی جمع ہے دائیں طرف بیٹھے ہوئے لوگ۔

الایمن فالایمن کی نحوی ترکیب:

اس کی ترکیب نحوی میں دو احتمال ہیں اسی وجہ سے الایمن فالایمن کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی۔(۱) یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ "احق" یا "مقدم" ہے اصل عبارت یوں ہے کہ الایمن احق فی الشرب فالایمن احق ہے۔(۲) یا یہ دونوں لفظ فعل محذوف کے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی اعط یا قدم الایمن فالایمن (۳)

بَابُ مَاجَاءَ اَنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا

باب ۲۰: لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں خود پیئے گا

(۱۸۱۶) سَاقِي الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ شُرْبًا.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں خود پیئے گا۔

بَابُ مَاجَاءَ اَیُّ الشَّرَابِ كَانَ اَحَبُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ۲۱: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا مشروب زیادہ محبوب تھا

(۱۸۱۷) كَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْحُلْوُ الْبَارِدُ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے پسندیدہ مشروب میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔

(۱۸۱۸) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سُئِلَ اَیُّ الشَّرَابِ اَطْيَبُ قَالَ اَلْحُلْوُ الْبَارِدُ.

ترجمہ: زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کون سا مشروب پاکیزہ ہوتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میٹھا اور ٹھنڈا ہو۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا: مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا کیونکہ یہ جسمانی حرارت کو دور کرنے اور صحت کے لیے مفید ہونے کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور شکر کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

حدیث میں "الحلو البارد" (میٹھی اور ٹھنڈی چیز) سے صرف پانی ہی مراد نہیں ہے بلکہ اس عموم مراد ہے کہ آپ کو ہر میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا خواہ وہ میٹھا پانی ہو یا دودھ، نبیذ، ہو یا شہد وغیرہ کا شربت، اس وضاحت سے حدیث باب اور ان دو حدیثوں کے درمیان مطابقت اور یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، جن میں سے ایک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی چیزوں میں دودھ سب سے زیادہ پسند تھا، اور دوسری روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشروبات میں شہد سب سے زیادہ محبوب تھا۔

"والصحیح ماروی الزهری عن النبی ﷺ مرسلا": اس عبارت سے امام ترمذی رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے اس روایت کو دوطرح سے نقل کیا ہے ایک مسند یعنی سند کے ساتھ، جس طرح اس روایت میں سند مذکور ہے عن الزہری رحمہ اللہ، عن عروۃ، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، اور دوسرا اس روایت کو مرسلاً یعنی صحابیہ رضی اللہ عنہا کے ذکر کے بغیر روایت کیا ہے، بلکہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ کی وہ روایت جو بذریعہ ارسال ہم تک پہنچی ہے وہ صحیح ہے گویا امام ترمذی رحمہ اللہ نے مرسل کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے شمائل میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس روایت کو اکثر راویوں نے مرسل ہی روایت کیا ہے اس لیے یہی صحیح ہے البتہ صرف ابن عیینہ نے اسے مسنداً ذکر کیا ہے۔

اس تحقیق پر بحث ہے: ملا علی قاری رحمہ اللہ نے امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس تحقیق پر بحث کی ہے:

(۱) سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک ثقہ راوی اور تابعی ہیں، جب وہ اس حدیث کو عن معمر۔ عن الزہری، عن عروۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا، مرفوعاً روایت کررہے ہیں تو یقیناً اس روایت کی سند صحیح ہوگی اور جس طریق میں ثقہ راوی زیادہ ہوں تو وہ سند اور متن دونوں اعتبار سے مقبول ہوتی ہے۔

(۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ مرسل روایت جمہور کے نزدیک حجت ہے اور فضائل اعمال میں سب کے نزدیک معتبر ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ابن ہمام رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق "مسند روایت" کے مقابلے میں مرسل کا اعتبار نہیں ہوتا اگرچہ اسے اکثر راویوں نے مرسلاً ہی ذکر کیا ہو۔

(۳) نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو مسنداً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایت کیا ہے۔

ان تمام وجوہ سے طریق مسند ہی راجح ہے۔

تشریح: البر: بکسر الباء وتشدید الراء حسن سلوک کرنا، خدمت کرنا، احسان کرنا، حدیث شریف میں بر متعدد معانی میں مستعمل ہے بعض مواقع میں اس کے معنی اطمینان قلب ونفس کے ہیں اور بعض احادیث میں اس سے مراد احسان ہے اور بعض جگہ بر کے معنی مایقرب الی اللہ کے ہیں یعنی ایسا قول وفعل جو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنے۔

حسن الخلق کی دو قسمیں ہیں: (۱) حسن الخلق مع الخلق یعنی مخلوق الٰہی کے ساتھ حسن معاشرت ہو۔

خلاصہ حسن الخلق ہے: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بر کے معنی **حسن الخلق مع الخلق بامر الحق ومداراۃ الخلق ومراعاۃ الحق** کے ہیں، یعنی مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق اور مدارات کے ساتھ اس طرح پیش آنا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ حسن سلوک ہو خواہ مخلوق سے رنج وغم بھی پہنچتا ہو مگر غیظ وغضب پر قابو پا کر ان کے ساتھ خندہ پیشانی اور شیریں کلامی کے ساتھ پیش آنا بعض محققین فرماتے ہیں کہ لفظ بر انتہائی جامع لفظ ہے جو مختلف طاعات اور اعمال مقربات کو شامل ہے جن کا خلاصہ حسن الخلق ہے۔

(۲) **حسن الخلق مع الخالق:** وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ فرائض وحقوق کو اچھی طرح بجالائے اور اس بات کا یقین رکھے کہ جو کچھ وہ عبادات وہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مقابلہ میں وہ ناقص ہیں۔ الحاصل بر کی تفسیر حسن الخلق مع الخالق والخلوق سے کی گئی ہے جو بیشمار انواع کو شامل ہے۔

الصلۃ: یہ باب ضرب یضرب سے ہے اس کی اصل، الوصل ہے جس کے معنی ملانا، جوڑنا، جمع کرنا نیکی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، مہربانی کرنا، نیز صلہ بمعنی احسان۔ عطیہ اور انعام بھی ہے، اس کی جمع صلات آتی ہے۔ صلۃ الرحم، احسان الی الاقربین سے کنایہ ہے اقربین خواہ نسبی ہو یا صہری یہاں مراد اپنے اعزہ واقرباء کے ساتھ حسن سلوک اور نرم برتاؤ کرنا اور ان کے احوال کی خبر گیری کرنا اگرچہ وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں۔ کما قال النبی ﷺ: **واحسن الی من اساء الیک وکذا قال علیہ السلام لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل من اذا انقطعت رحمہ وصلھا۔** یعنی کوئی عزیز قطع رحمی کرے مگر اس کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا ہی کامل صلہ رحمی ہے اگر صلہ رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی تو یہ بدلہ ہوگا کامل صلہ رحمی شمار نہیں کی جائے گی، بہر حال صلہ رحمی مطلقاً احسان الی الاقربین کا نام ہے خواہ ان کا سلوک کسی طرح کا بھی ہو۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ بِرِّ الْوَالِدَیْنِ

باب ا: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا

(۱۸۱۹) قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللہِ ﷺ مَنْ اَبَرُّ قَالَ اُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ.

ترجمہ: بہز بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اچھے سلوک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری والدہ، راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اس کے بعد کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری والدہ، راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اس کے بعد کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری والدہ۔ راوی بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کی۔ اس کے بعد کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہارا والد ہے اور پھر درجہ بہ درجہ قریبی عزیز ہیں۔

تشریح: ماں کے تین بار خدمت کا حکم کیوں فرمایا؟ جس کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہے۔ کما قال النبی ﷺ الجنة تحت اقدام الامهات.

(۲) اولاد کو ماں سے زیادہ تعلق ہوتا ہے بسا اوقات اس ناز کی وجہ سے ماں خدمت میں تساہل وغفلت ہوجاتی ہے۔

(۳) ماں بعض اعتبار سے باپ سے منفرد ہے مثلاً صعوبت حمل، صعوبت وضع حمل، صعوبت رضاع یہ تینوں مشقتیں ایسی ہیں کہ باپ اس کے ساتھ شریک نہیں ہے لہٰذا ان کا تقاضہ یہ ہے کہ حق خدمت میں ماں کو باپ پر تقدم ہونا ہی چاہیے چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے اگر ماں اور باپ کے حقوق ادا کرنے میں ایسی صورت پیش آجائے کہ ایک کی رعایت کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو تو حق خدمت میں ماں مقدم ہے اور حق احترام وعظمت میں باپ مقدم ہے مثلاً ماں باپ پانی طلب کریں اور کوئی ان میں سے آگے بڑھ کر لینے والا نہیں ہے تو بیٹے کو چاہیے کہ اولا ماں کو پیش کرے (هکذا فی القنية)۔

(۴) اگر غور کیا جائے تو بچے کی پرورش میں مجموعی طور پر ماں زیادہ مشقت برداشت کرتی ہے کہ مختلف مصائب اس کے سامنے آتے ہیں اس لیے ماں کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کو آپ ﷺ نے زیادہ اہمیت دی ہے۔

الاقرب فالاقرب: واضح رہے کہ قرابت جس قدر زیادہ قریب ہوگی اسی اعتبار سے حقوق بھی زیادہ ہیں۔ کما ہو ظاہر جن کی تفصیل آئندہ ابواب میں آرہی ہے۔ (ہذا حدیث حسن اخرجہ ابوداؤد)

وقد تکلم شعبة فی بهز بن حکیم وهو ثقة: یعنی بہز بن حکیم کے بارے میں اگرچہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے مگر حضرات محدثین کے نزدیک وہ ثقہ ہیں ان سے ائمہ ثقات معمر، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حماد بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حفاظ حدیث نے روایات نقل کی ہیں۔

باب منه

(۱۸۲۰) سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِمِيْقَاتِهَا قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ مَاذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ سَكَتَ عَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهٗ لَزَادَنِيْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ کون سا عمل زیادہ فضیلت رکھتا ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا میں نے عرض کی۔ پھر کون سا ہے یا رسول اللہ تو آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ پھر کون سا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر نبی اکرم ﷺ نے مزید کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی۔ اگر میں آپ سے مزید دریافت کرتا تو آپ ﷺ مجھے مزید جواب عنایت فرماتے۔

اعتراض: ای الاعمال افضل کے جواب میں آپ ﷺ سے مختلف جوابات مروی ہیں کسی روایت میں "الصلوۃ لمیقاتہا" کسی روایت میں "الایمان باللہ" اور کسی میں "الجہاد فی سبیل اللہ" وغیرہ جوابات مروی ہیں لہٰذا ان کے درمیان تعارض ہوگیا اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب ①: ممکن ہے آپ ﷺ نے سائلین کے احوال کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف جوابات عنایت فرمائے ہوں۔ مثلاً سائل کے بارے میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ نماز میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو فرمایا کہ افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔

جواب ②: ممکن ہے اختلاف جواب زمان کی بناء پر ہو کہ جہاد کے زمانہ میں سوال کرنے والے کے لیے "افضل الاعمل جہاد" ہے۔

جواب ③: اختلاف مکان کی بناء پر ہے مثلاً حرم شریف میں افضل الاعمال کا جواب طواف ہوگا۔

جواب ④: علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اختلاف جواب کا اعمال بدنیہ اور اعمال قلبیہ سے متعلق ہو یعنی اعمال بدنیہ میں نماز افضل الاعمال ہے اور قلبیہ میں ایمان باللہ کوئی تعارض نہیں رہا۔

جواب ⑤: حضرت مولانا انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دراصل سوال کے الفاظ بھی مختلف ہیں مثلاً بعض روایات میں ای العمل احب اور بعض میں ای الاعمال افضل اور بعض میں ای العمل خیر وارد ہے اس اختلاف سوال کی وجہ سے جوابات میں بھی اختلاف ہے۔

والیہ ذہب الشیخ محی الدین ابن العربی الاندلسی و کذا الحافظ ابن تیمیہ ایضاً ممن ینفی الترادف بین الکلمات.

دوسرا اعتراض: آپ ﷺ نے ایمان باللہ کو ذکر نہیں کیا حالانکہ ایمان باللہ تمام اعمال سے علی الاطلاق افضل ہے۔

جواب ①: ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے مخاطب کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو ذکر نہ فرمایا ہو کیونکہ اس کے افضل اعمال ہونے کو سب ہی جانتے ہیں لہٰذا اس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

جواب ②: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل راوی نے اعمال جوارح کے بارے میں سوال کیا تھا اور ایمان اعمال قلب میں

سے ہے۔

جواب③: بعض فرماتے ہیں کہ دراصل افضل اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے بلکہ مطلق ذی الفضل کے معنی میں ہے۔

الصلوٰۃ لمیقاتہا: بخاری ومسلم کی روایت میں لوقتہا اور علی وقتہا واقع ہے دارقطنی، حاکم اور بیہقی کی روایت میں لاول وقتہا ہے علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فی اول وقتہا کے لفظ والی روایت ضعیف ہے ثم ماذا علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں ثم تراخی مرتبہ کے لیے ہے نہ کہ تراخی زمان کے لیے اب معنی یہ ہوئے کہ نماز کے بعد افضل الاعمال کون سا عمل ہے۔

برالوالدین: یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کریم کی آیت شریفہ ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (لقمان:۱۴) کی تفسیر ہے اور ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ من صلی الصلوات الخمس فقد شکر اللہ ومن دعا لوالدیہ عقبہا فقد شکر لہما. الجہاد فی سبیل اللہ۔ یعنی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا بھی افضل الاعمال میں سے ہے۔

اشکال: دیگر اعمال سے اس کو مؤخر کیوں فرمایا جبکہ یہ افضل ترین عمل ہے۔

جواب①: ابن بزیزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد چونکہ ہر وقت فرض نہیں ہے بخلاف صلوٰۃ اور برالوالدین کے کہ یہ دونوں اکثر اوقات میں نہایت اوکد اور اوجب ہیں نیز ان دونوں امر پر محافظت اور مداومت انتہائی سخت ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ (البقرہ:۴۵) لہٰذا جو شخص ان پر مواظبت کرے گا وہ یقیناً جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار و مستعد رہے گا۔ اس لیے جہاد فی سبیل اللہ کو مؤخر اور الصلوٰۃ لمیقاتہا و برالوالدین کو مقدم فرمایا ہے۔

جواب②: علامہ ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ کوئی شخص والدین کی خدمت مکافات اور بدلہ سمجھے تو آپ ﷺ نے برالوالدین کو مقدم ذکر کر کے اس کی اہمیت وفضیلت کو بیان فرما دیا کہ یہ صرف مکافات ہی نہیں بلکہ اس کی مواظبت بہت بڑی فضیلت ہے

جواب③: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دراصل جہاد برالوالدین پر موقوف ہے کہ بغیر والدین کی اجازت کے جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کما ورد فی الحدیث۔

هذا حديث حسن صحيح: اخرجہ الشیخان وابوداؤد والنسائی۔ وقدرواہ الشیبانی الخ موصوف فرماتے ہیں کہ ولید بن العیزار سے جس طرح اس روایت کو مسعودی نے نقل کیا ہے کہ اسی طرح سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی اور شعبہ نے بھی ان سے روایت نقل کی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت متعدد طرق سے عن ابی عمرو الشیبانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور ابوعمرو الشیبانی کا نام سعد بن ایاس ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ مِنَ الْفَضْلِ فِیْ رِضَا الْوَالِدَیْنِ

باب ۳: والدین کی رضامندی کی فضیلت

(۱۸۲۱) رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ والد کی رضامندی میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور والد کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

(۱۸۲۲) اِنَّ رَجُلًا اَتَاہُ فَقَالَ اِنَّ لِیْ اِمْرَأَۃً وَاِنَّ اُمِّیْ تَأْمُرُنِیْ بِطَلَاقِهَا فَقَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَاَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ اَوِ احْفَظْهُ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ اِنَّ اُمِّیْ وَرُبَّمَا قَالَ اَبِیْ.

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری ماں مجھے اس کو طلاق دینے کا حکم دیتی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا باپ جنت کا درمیانہ دروازہ ہے لہٰذا اب تیری مرضی ہے اسے ضائع کرے یا محفوظ رکھے۔ سفیان (راوی) کبھی والدہ کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی والد کا۔

تشریح: والدین کو خوش رکھنے کی فضیلت:

ان احادیث سے والدین کو خوش رکھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ نے والد کو اور دوسری روایت کے مطابق والدہ کو جنت کا درمیانی دروازہ قرار دیا ہے، اور والد کی رضامندی اور ناراضگی کو اللہ کی رضا اور ناراضگی کا سبب بتایا ہے، لہٰذا اولاد کو حتی الامکان والدین کو خوش ہی رکھنا چاہیے تاکہ انہیں یہ فضیلت حاصل ہوسکے، اولاد اگر ایسا کرلے تو اس نے گویا جنت کے اس دروازے کو محفوظ کرلیا۔

والدین کی اطاعت وعدم اطاعت کا معیار:

بہت سے لوگ تو والدین کے حقوق میں تفریط (کمی) کرتے ہیں اور اس کا وبال اپنے سر مول لیتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ افراط کرتے ہیں کہ والدین کی اس قدر اطاعت کرتے ہیں کہ دوسرے اصحاب حقوق مثلاً بیوی اور اولاد کے حقوق تلف کردیتے ہیں جس سے ان نصوص کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جن میں ان کے حقوق کی نگہداشت کا حکم دیا گیا ہے اور بعض لوگ حقوق غیر واجبہ کو واجب سمجھ کر ان کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں بسا اوقات ان کا تحمل نہیں ہوتا تو تنگ ہوجاتے ہیں اور وسوسہ پیدا ہونے لگتا ہے بعض احکام شرعیہ میں ناقابل برداشت سختی ہو تو اس سے دوسرے صاحب حق یعنی نفس کے حقوق ضائع ہوتے ہیں ان خرابیوں سے بچنے کے لیے حقوق واجبہ اور غیر واجبہ میں امتیاز ناگزیر ہے جس کے لیے چند اصول کا جاننا ضروری ہے۔

اوّل: جو امر شرعاً ناجائز ہو والدین اس کے کرنے کا حکم دیں تو والدین کی اطاعت جائز نہیں مثلاً کسی ناجائز ملازمت کا حکم دیں یا رسوم جاہلیت اختیار کرنے کو کہیں اور کسی ناجائز کام کا حکم کریں تو ان کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

دوم: جو امر شرعی ہو اور والدین اس سے منع کریں تو اس میں ان کی اطاعت ضروری نہیں بلکہ جائز ہی نہیں مثلاً مالی حالت بہت کمزور ہے ماں باپ کی خدمت میں زیادہ وقت لگنے کی وجہ سے بچوں کو تکلیف ہوگی یعنی ان کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے ایسی صورت میں بیوی بچوں کو تکلیف دے کر ماں باپ پر زیادہ مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے یا مثلاً بیوی شوہر کے والدین سے علیحدہ رہنا چاہے اور ماں باپ اس کو ساتھ رکھنے کے لیے کہیں تو شوہر کے لیے جائز نہیں کہ بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر علی الرغم اپنے

والدین کے ساتھ ہی رکھے یا مثلاً والدین حج فرض اور بقدر فرض طلب علم کے لیے نہ جانے دیں تو اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

سوم: جو امر شرعاً واجب ہے اور نہ ممنوع ہے بلکہ مباح و مستحب ہے اور ماں باپ اس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم کریں تو مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی ان کی اطاعت کرے۔

طلاق سے پہلے دارالافتاء سے رجوع:

حدیث باب میں ممکن ہے کہ وہ سائل جو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس مسئلہ پوچھنے آئے، ان کی اہلیہ اپنی ساس کو بہت ستاتی اور تکلیف پہنچاتی ہو جس کی وجہ سے وہ اسے طلاق دینے کا اپنے بیٹے سے کہہ رہی ہو، ان حالات کا اندازہ لگا کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنادی کہ والدین کی اطاعت کرنی چاہیے والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر اس کی بات کو جھٹلا دیا گیا تو گویا اس دروازے کو ضائع کر دیا گیا۔ تاہم موجودہ دور میں اگر کسی کے والدین اسے طلاق دینے کا کہیں یا اسے اس پر مجبور کریں تو اس شخص کو چاہیے کہ کہ طلاق سے پہلے دارالافتاء سے ضرور رجوع کریں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ عُقُوْقِ الْوَالِدَیْنِ

باب ۴۔ والدین کی نافرمانی کا حکم

(۱۸۲۳) اَلَا اُحَدِّثُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ قَالَ وَجَلَسَ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَقَالَ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ اَوْ قَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُهَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَهٗ سَکَتَ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ وہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیا میں تمہیں زیادہ کبیرہ گناہ کے بارے میں بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کی۔ جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جھوٹی گواہی دینا (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) جھوٹی بات کہنا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ اس بات کو دہراتے رہے حتی کہ ہم نے یہ آرزو کی کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں۔

(۱۸۲۴) مِنَ الْکَبَائِرِ اَنْ یَّشْتُمَ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ یَشْتُمُ الرجلُ وَالِدَیْهِ قَالَ نَعَمْ یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَشْتُمُ اَبَاهُ وَیَشْتُمُ اُمَّهٗ فَیَسُبُّ اُمَّهٗ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ کبیرہ گناہوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ کوئی آدمی دوسرے کے والد کو گالی دیتا ہے تو دوسرا اس کے والد کو گالی دیتا ہے یہ اس کی والدہ کو گالی دیتاہ، تو وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے۔

اعتراض: اکبرالکبائر، کبائر کبیرۃ کی جمع ہے یعنی بڑی غلطی روایت میں تین ہی چیزوں کو اکبرالکبائر قرار دیا گیا ہے حالانکہ اس سلسلہ میں اور بھی روایات مروی ہیں مثلاً بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً قتل نفس کے بارے میں اکبرالکبائر ہونا نقل کیا ہے نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ''ای الذنب اعظم فذکر فیه الزناء بحلیلة جارك'' میں زنا کو، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''یمین غموس'' کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''استطالة الرجل فی عرض رجل مسلم'' کو بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''منع فضل الماء ومنع الفحل'' کو اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں سوء ظن باللہ کو اکبرالکبائر قرار دیا گیا ہے۔

جواب: اس روایت میں حصر مقصود نہیں ہے۔

گناہ کی تعریف اور اقسام:

گناہ نام ہے ہر ایسے کام کا جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی کے خلاف ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: کبیرہ وصغیرہ: حقیقت یہ ہے جس گناہ کو صغیرہ کہا جاتا ہے درحقیقت وہ صغیرہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت ہر حال میں نہایت ہی سخت جرم ہے اسی وجہ سے امام الحرمین'' ابواسحاق اسفرائنی اور دیگر علماء امت نے اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی کو گناہ کبیرہ فرمایا ہے۔

صغیرہ وکبیرہ کا فرق صرف گناہوں کے مقابلہ موازنہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس لیے جس گناہ کو اصطلاح میں صغیرہ کہا جاتا ہے۔اس کے معنی یہ نہیں کہ ایسے گناہوں میں سستی یا غفلت برتی جائے اور ان کو معمولی سمجھا جائے بلکہ اگر صغیرہ کو بے باکی اور ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے تو وہی گناہ کبیرہ ہوجاتا ہے۔ کما قال ابن عمر وابن عباس رضی الله عنهم لا صغیرة مع الاصرار.

بہرحال اصطلاحاً گناہ کی دو قسمیں ہیں صغائر وکبائر جیسے آیات و روایات اور آثار میں مذکور ہے مثلاً: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ﴾ (النساء:۳۱) اسی طرح کثیر روایات بھی اسی پر دال ہیں جو کتب احادیث میں مذکور ہیں مشکوٰۃ شریف میں مستقل باب الکبائر وعلامات النفاق منعقد کیا گیا ہے نیز قیاس بھی اس تقسیم کا مقتضی ہے اس لیے کہ عرفاً بھی بعض گناہوں کی شناعت وبرائی بعض سے بڑھ کر ہوتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ صغیرہ وکبیرہ کی تقسیم ضروری ہے۔

کبیرہ وصغیرہ کی مختلف تعریفات:

گناہ کبیرہ کی تعریف قرآن وحدیث اور اقوال سلف کی تشریحات کے تحت یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں شرعی حد یا لعنت کے الفاظ یا جہنم کی وعید آئی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے یا جس کے مفاسد ونتائج بد منصوص کبیرہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں وہ گناہ کبیرہ ہے، نیز جو گناہ صغیرہ جرائت وبیباکی اور مداومت کے ساتھ کیا جائے تو وہ بھی کبیرہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ یہ تعریف سب سے جامع ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے قریب قریب ہی نقل کیا گیا ہے، کما قالہ النووی رحمۃ اللہ علیہ۔ اسی تعریف پر ہم اکتفاء کرتے ہیں۔

کبائر کی کوئی تحدید وتعیین نہیں: کبائر کی تعیین کے بارے میں علمائے سلف سے مختلف اقوال مروی ہیں، محقق دوانی سے سینتیس، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تین یا چار، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سات، عبداللہ بن عمرو بن العاص سے نو، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے چودہ، ابوطالب مکی سے سترہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سترہ مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کبائر پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس میں

ان کی تعداد چار سو شمار کرائی ہے، اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزواجر میں کبائر کی فہرست ذکر کی ہے جن کی تعداد چار سو ستر سٹھ تک پہنچتی ہے۔ درحقیقت کبائر کسی تعداد میں منحصر نہیں ہیں بعض حضرات نے بڑے بڑے ابواب معصیت کو شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے تو تعداد کم لکھی ہے اور بعض نے ان کی تمام اقسام وانواع کو لکھا تو تعداد زیادہ ہوگئی اس لیے یہ تعارض واختلاف نہیں ہے۔

الاشراك بالله: اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات میں کسی کے شریک ہونے کا اعتقاد رکھنا شرک کہلاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرح مخلوق میں سے کسی کو متصرف سمجھنا اور اس کی مخصوص صفات خالق رازق، قادر مطلق، عالم الغیب والشہادۃ وغیرہ دیگر صفات میں کسی مخلوق کو اللہ کے برابر سمجھنا شرک میں داخل ہے نیز کسی مخلوق کے ساتھ انتہائی عظمت ومحبت کی بناء پر اس کے سامنے انتہائی عاجزی وتذلل کا اظہار کرنا بھی شرک ہے کما قال تعالیٰ: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۳۱) اسی طرح وہ افعال واعمال جو شرک کی علامات ہیں مثلاً صلیب وغیرہ کا نشان ان کا اختیار کرنا بھی شرک کے حکم میں ہے جیسا کہ عدی بن حاتم نے فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں صلیب پڑی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بت کو اپنے گلے سے نکال دو نیز کسی کو رکوع سجدہ کرنا بیت اللہ کی طرح کسی مزار یا گھر کا طواف کرنا بھی علامات شرک ہیں۔ معلوم ہوا کہ صرف بت پرستوں کی طرح کسی پتھر یا مورتی کے سامنے سجدہ کرنا ہی شرک نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی چیزیں شرک میں داخل ہیں قرآن کریم میں شرک کی قباحت اور اس کے نتائج بد کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (النساء:۴۸) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمان:۱۳)

قال وجلس وكان متكئا قال وشهادة الزور اوقول الزور الخ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے مگر جب جھوٹی شہادت یا جھوٹے قول کے بارے میں ارشاد فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور بار بار شہادۃ الزور فرماتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہادۃ الزور کے بیان پر کیوں بیٹھے؟ جس کی مختلف وجوہ (۱) آدمی جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دینے میں احتیاط نہیں کرتا اور اس کو بہت معمولی سمجھتا ہے بخلاف شرک اور عقوق الوالدین کے کہ مومن حتی الامکان شرک سے بچتا ہے اور اس کو برا سمجھتا ہے اور والدین کو ستانا بھی طبعاً ناگوار ہوتا ہے۔

(۲) شہادت زور کا نقصان وضرر متعدی ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی پہنچتا ہے۔

(۳) ممکن ہے کہ شہادۃ الزور کو آخر میں بیان کرنے سے کوئی اس کی اہمیت کو نہ سمجھتا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خاص طور پر بیان کرنے کا اہتمام فرمایا: "فما زال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقولها حتى قلنا ليته سكت" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آخری جملہ کو بار بار فرماتے رہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش آپ خاموش ہو جائیں بہر حال صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا غایت تعلق ومحبت کی بناء پر تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت وآرام پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

وفی الباب عن ابی سعید اخرجه ابو داؤد هذا حديث حسن صحيح اخرجه البخاری والنسائی.

حاصل روایت یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے شب وشتم کی ممانعت فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا کہ کون شخص اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ والدین کو گالی دینا اگرچہ مستبعد ہے (مگر اس زمانہ میں استبعاد بھی نہیں رہا) بسا اوقات آدمی دوسرے کے والدین کو برا کہتا ہے تو اس کے جواب میں وہ شخص اس کے والدین کو گالی دیتا ہے

ظاہر ہے کہ یہ شخص اپنے والدین کو گالی دینے کا ذریعہ بنا گویا خود ہی اس نے اپنے والدین کو گالی دی ہے۔

ذریعہ معصیت بھی معصیت ہے:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اصل گناہ حرام ہوتا ہے اسی طرح اس تک پہنچنے کے جو بھی ذرائع اور وسائل ہوں وہ بھی ناجائز اور حرام ہوں گے لہٰذا دوسروں کے والدین کو گالیاں دیکر اپنے والدین کو گالیاں دلوانے کا ذریعہ بننا بھی حرام ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح۔ کتاب الآداب، باب البر والصلۃ، ۸، ۶۵۳، ۶۵۴)

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو امر کسی فعل حرام تک متعدی ہو خواہ وہ غیر مقصود ہو وہ بھی حرام ہوتا ہے اس کی مثال قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام:۱۰۸)

البتہ وہ کام اگر مقاصد شرعیہ میں سے ہو مثلاً فرائض، واجبات، سنن مؤکدہ یا دوسری قسم کے شعائر اسلامی وغیرہ جن کے ادا کرنے سے کچھ کم فہم لوگ غلطی میں مبتلا ہونے لگیں تو ان احکام کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا بلکہ دوسرے طریقوں سے اس کی غلط فہمی اور غلط کاری کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

هذا حديث صحيح اخرجه البخاري في الادب ومسلم في الايمان وابو داؤد في الادب.

دوسروں کے والدین کو برا بھلا کہنا دراصل اپنے والدین کو برا بھلا کہنا ہے۔

گناہ صغیرہ وکبیرہ کی مثال: کسی بزرگ نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے گناہ کی مثال محسوسات میں ایسی ہے جیسے چھوٹا بچھو اور بڑا بچھو یا چھوٹی چنگاری اور بڑی چنگاری کہ انسان ان دونوں میں سے کسی کی تکلیف کو بھی برداشت نہیں کرسکتا اور کوئی شخص اور کوئی شخص اس بات کے لیے تیار نہیں کہ چھوٹی چنگاری ہاتھ پر رکھ لے اور بڑی سے پرہیز کرے اس لیے جس طرح بڑے گناہوں سے بچنا ضروری ہے اسی طرح چھوٹے گناہوں سے پرہیز کرنا بھی ضروری ہے۔

ہر گناہ کفر کا ذریعہ ہے: حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم جس قدر کسی گناہ کو ہلکا سمجھو گے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک بڑا جرم بن جائے گا، سلف صالحین نے فرمایا کہ ہر گناہ کفر کا ذریعہ ہے جو انسان کو کافرانہ اعمال واخلاق کی دعوت دیتا ہے۔

اولاد کو عاق کرنے کا شرعی حکم:

بعض لوگ جب اپنی اولاد میں سے کسی کے ساتھ ناراض ہو جائیں تو وہ وصیت کرتے ہیں کہ مثلاً میرا فلاں بیٹا میرے ترکہ کا وارث نہیں ہوگا، میں اسے عاق کرتا ہوں۔ عرف میں اسے ''عاق نامہ'' کہا جاتا ہے لوگ اس کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ بیٹا اپنے باپ کی میراث سے محروم رہے گا لیکن اسلام کی نظر میں اس طرح کی وصیت ناجائز اور حرام ہے اور شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حق وراثت کسی کے ختم کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وارثوں کے جو حصے مقرر فرمائے ہیں اسے ''عاق نامہ'' سے ساقط نہیں کیا جاسکتا، اس لیے جس شخص کو عاق کیا گیا ہو وہ وراثت سے محروم نہیں ہوگا بدستور وارث رہے گا۔

---*---

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ اِکْرَامِ صَدِیْقِ الْوَالِدِ

باب ۵۔ والد کے دوست کا احترام کرنا

(۱۸۲۵) اَنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ اَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ اَهْلَ وُدِّ اَبِیْهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن دینار، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بہترین نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوست کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

تشریح: والد کے دوست سے بھی حسن سلوک کیا جائے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں والد کے ایک اہم حق کا بیان ہے کہ والد کے دوست اور ان سے محبت کرنے والوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کا اکرام کیا جائے اسی کے ساتھ والدہ کی سہیلیاں بھی لاحق ہیں ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا جائے تو یہ والدہ ہی کے حقوق میں داخل ہے نیز علماء نے فرمایا اجداد و مشائخ نیز اساتذہ کے رفقاء کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی ان کے حق میں داخل ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو باب ماجاء فی حسن العہد کے تحت ذکر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر بکری ذبح فرماتے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بطور ہدیہ گوشت بھیجتے تھے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ صاحب حق کے متعلقین کے ساتھ حسن سلوک صاحب حق کے حقوق میں داخل ہے۔

وفی الحدیث قصة طویلة: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ طویلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر کفار سے صلح فرمائی تو کفار کی جانب سے شرائط میں سے یہ بھی تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال مکہ تشریف لا کر عمرہ قضاء فرمائیں اور صرف تین دن قیام فرماویں لہٰذا جب اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ میں قیام فرما کر واپس ہونے لگے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی یا عم یا عم کہہ کر آپ کے پیچھے جانے لگی تو اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جعفر علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں مخاصمہ کیا اور ہر ایک نے اپنے مستحق ہونے کا دعوی کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے اس کو سب سے پہلے لیا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑا ہے لہٰذا میں اس کا زیادہ مستحق ہوں اور وہ میرے چچا کی بیٹی بھی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے لہٰذا میں زیادہ مستحق ہوں اور حضرت زید نے عرض کیا کہ میری بھتیجی ہے اس لیے میں حقدار ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمایا کیونکہ اس بچی کی خالہ ان کی بیوی تھی اور یہ ارشاد فرمایا الخالة بمنزلة الام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''انت منی وانا منك'' اور زید سے فرمایا ''انت اخونا ومولانا'' حسن سلوک کرنے کا حکم فرما کر اس زائل ہونے والے نور کے تدارک کی طرف اشارہ فرمایا ہے ممکن ہے اس کا یہ گناہ قطع رحم سے متعلق ہو اور اس کے مقابلہ میں صلہ رحمی کا حکم فرمایا گیا۔

هل لك من ام: اس میں من زائدہ ہے یا تبعیضیہ ہے قال فبرها بفتح الباء وتشدید الراء ماخوذ ہے بررت فلانا (بالکسر) سے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تیری ماں (حیات) نہیں تو اس کے قائم مقام خالہ ہے لہٰذا اس کے ساتھ حسن سلوک کر کیونکہ حسن سلوک منجملہ

حسنات کے ہے اور قاعدہ ہے کہ ان الحسنت یذھبن السیات نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

ان الحسنت یذھبن السیات: مفسرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت شریفہ میں حسنات سے مراد تمام نیک کام ہیں جن میں نماز روزہ زکوٰۃ، حج، صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ داخل ہیں البتہ نماز کو ان سب میں اولیت ہے اسی طرح سیأت کا لفظ بھی عام ہے کہ تمام برے کاموں کو شامل ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو مگر قرآن کریم کی دوسری آیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات نے سیئات کو گناہ صغیرہ کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے لہٰذا اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک کام جن میں نماز سب سے افضل ہے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور گناہ کو مٹا دیتے ہیں قرآن کریم میں ہے:﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾(النساء:۳۱) حسنات کا مکفر سیأت ہونا، متعدد روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے جو صحاح ستہ میں منقول ہیں۔

انی اصبت ذنبا عظیما: یا(۱) تو اس سے مراد صغیرہ گناہ ہے جس کو اس شخص نے بڑا گناہ سمجھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی نافرمانی بھی فی نفسہ بڑا گناہ ہے۔

(۲) علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ کبیرہ ہے اور خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا کفارہ ہوجانا اس شخص کی خصوصیت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتایا گیا تھا فلا اشکال۔

(۳) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات آدمی گناہ کرتا ہے اس پر اس کو ندامت ہوجاتی ہے جس سے وہ گناہ معاف ہوجاتا ہے مگر اس کا خیال رہتا ہے کہ شاید نفس ندامت سے وہ گناہ معاف نہ ہوا ہو اور پھر اس سے توبہ کی طرف توجہ ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ندامت کے اس کو خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا تاکہ اس کو اپنے گناہ کے معاف ہونے پر اطمینان حاصل ہوجائے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ بِرِّ الْخَالَةِ

باب ۶: خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے (کی فضیلت)

(۱۸۲۶) اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں۔ خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔

(۱۸۲۷) اِنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا فَهَلْ لِّیْ تَوْبَةٌ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ قَالَ لَا قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا میں توبہ کرسکتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہاری والدہ موجود ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ کیا تمہاری خالہ ہے۔ اس نے عرض کی۔ جی ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر تم اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

تشریح: خالہ کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت: خالہ ماں کا درجہ رکھتی ہے، لہٰذا اس کے ساتھ بھی ماں کا سا سلوک کرنا چاہیے۔
امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن میں خالہ کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کا حکم دیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی پرورش کے لحاظ سے خالہ کو ماں کے درجے میں قرار دیا ہے، جبکہ ماں نہ ہو کیونکہ خالہ دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں بچے کی صحیح طریقے سے تعلیم وتربیت کر سکتی ہے، اور اس میں ایک گونہ شفقت بھی زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کی غیر موجودگی میں پھوپھی کے مقابلہ میں خالہ بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے اسے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اعتراض: پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کیوں لے لیا، بظاہر یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے؟

جواب (۱): یہ معاہدہ ان لوگوں پر نافذ تھا جو بالغ اور مکلف ہوں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چونکہ کمسن تھی، اس لیے اسے ساتھ لے جانا معاہدے کے خلاف نہیں ہے۔

جواب (۲): اس معاہدے کا اطلاق صرف مردوں پر تھا، مسلمان عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں، لہٰذا مرد حضرات اس معاہدے کی رو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نہیں آسکتے تھے عورتوں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

فائدہ: باب کی دوسری حدیث سے معلوم ہوا خالہ اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ دُعَاءِ الْوَالِدَیْنِ

باب ۷: والدین کی دعا کا حکم

(۱۸۲۸) ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِیْهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ تین طرح کی دعائیں بلاشک وشبہ قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا مسافر کی دعا اور والد کی اولاد کے لئے کی گئی دعا۔

تشریح: دعوة المظلوم: (۱) مظلوم کی فریاد، اس سے عرش الٰہی لرز اٹھتا ہے، مظلوم وہ ہے جس پر کسی قسم کی زیادتی کی گئی ہو اور اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو ظاہر ہے کہ ایسے بھی سہارہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سہارا ہوا کرتی ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے مظلوم میں تیری ضرور مدد کروں گا۔ خواہ بمصلحت کچھ دیر ہی سے ہو نیز مظلوم ظالم کے لیے اندرون قلب سے بددعا کرتا ہے۔

(۲) وہ بے سہارا ہونے کی بناء پر منکسر القلب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایسے قلوب کے پاس رہتا ہوں جو ٹوٹے ہوئے ہوں۔

(۳) جب اس کا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ (النمل: ۶۲) یعنی مضطر ومجبور کی دعا کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں بہر حال ایسے مظلوم شخص کی بددعا ہے اور اس کی آہ و بکاء سے بچنا چاہیے۔

دعوة المسافر :یعنی مسافر کی دعا بھی ضرور قبول ہوتی ہے ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے وطن سے نکل گیا خواہ سفر شرعی سے کم مقدار کے لیے نکلا ہو چونکہ وہ اپنے اعزہ واقرباء سے دور ہو گیا اور ایسا شخص منکسر القلب ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں ،اسے چاہیے کہ وہ دوران سفر اپنے لیے ،والدین ،عزیز واقارب اور تمام امت کے لیے خیر وعافیت کی دعائیں مانگنے کا معمول رکھے ،کیونکہ یہ وہ موقع ہے کہ جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے ،سفر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ،فضول گفتگو اور گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

دعوة الوالد علی ولده: تیسری دعائے مستجاب والد کی بددعا اپنے بیٹے کے حق میں اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لیے اس وقت ہی بددعا کرتا ہے جب بیٹا باپ کو بہت ستاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ بددعا بھی اندرون قلب سے نکلتی ہے چونکہ باپ کو قلبی کڑھن ہوتی ہے جس سے وہ اپنے کو بے سہارا محسوس کرتا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ایسے باپ کی بددعا کو سنتا ہے باپ کی دعاء خیر بھی بیٹے کے حق میں مسموع ہے جیسا کہ بکثرت روایات میں وارده ہے مگر بددعا قبولیت کے زائد قریب ہے کہ انتہائی مجبوری کے وقت اندرون قلب سے نکلتی ہے۔

انتباہ : اس لیے اس طریقے سے زندگی گزاری جائے کہ نہ تو کسی پر ظلم اور زیادتی ہو، اور نہ ہی والدین کو بددعاء دینے کا موقع دیا جائے بلکہ ہر انسان کے ساتھ عدل وانصاف اور حسن اخلاق کا برتاؤ کیا جائے اور والدین کو خدمت اور جائز امور میں ان کی اطاعت کے ذریعے خوش رکھا جائے تاکہ ان کی بددعا کی زد میں نہ آجائیں،

وقد روی الحجاج الصواف هذا الحديث عن يحيى بن ابی کثیر ...الخ: امام موصوف روایت کا دوسرا طریق بیان فرمارہے ہیں کہ جس طرح اس روایت کو ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اسی طرح حجاج صواف نے بھی اس روایت کو ان سے نقل کیا ہے۔

وابو جعفر الذی روی عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ...الخ۔ امام موصوف راوی کا تعارف کرارہے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابوجعفر المؤذن المدنی الانصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو تیسرے طبقہ کے راوی ہیں جن کا نام معلوم نہیں بعض لوگوں کو وہم ہو گیا انہوں نے ان کا نام محمد بن علی بن حسین بتایا ہے ابوجعفر سے یحییٰ نے اس کے علاوہ بھی روایت نقل کی ہے۔روایۃ الباب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں اور احمد نے مسند میں اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے کذا قالہ السیوطی فی الجامع الصغیر۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَقِّ الْوَالِدَیْنِ

باب ۸: والدین کے حق کا بیان

(۱۸۲۹) لَا يَجْزِىْ وَلَدٌ وَالِدًا اِلَّا اَنْ يَّجِدَهٗ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهٗ فَيُعْتِقَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: بیٹا والد کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اس وقت ہوسکتا ہے، جب وہ اپنے والد کو غلام کے طور پر پائے اور اسے خرید کر آزاد کردے۔

تشریح: والدین کے احسانات: اس دنیا میں انسان کے وجود کا ظاہری سبب والدین ہیں وہ اولاد کی نشوونما میں طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اپنے آرام وراحت کے مقابلے میں ہر وقت اولاد کے آرام وراحت کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی ساری زندگی اسی فکر اور کشمکش میں گزرتی ہے یہ وہ احسانات ہیں کہ انسان ان کا بدلہ کسی طرح بھی نہیں اتار سکتا اگرچہ ساری زندگی ان کی دیکھ بھال اور خدمت میں گزار دے۔

ہاں ایک صورت میں بیٹا ان احسانات کا بدلہ اتار سکتا ہے جب وہ اپنے والد یا والدہ کو کسی کا غلام پائے اور پھر انہیں خرید کر آزاد کردے اور انہیں آزادی کی نعمت دلا دے اس عمل پر گویا اس نے ان احسانات کا حق ادا کر دیا کیونکہ آزادی وہ عظیم نعمت ہے جس سے حیات ثانیہ حاصل ہوتی ہے، غلامی کا طوق، جو بلاشبہ ایک نقص اور عیب ہے گلے سے اتر جاتا ہے اور اب وہ کامل انسان شمار ہوتا ہے، اور تمام معاملات، تصرفات اور احکام میں آزاد لوگوں کی طرح ہو جاتا ہے۔

فائدہ: علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے والد یا کسی ذو رحم محرم کو خریدے گا تو خریدتے ہی وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا از سر نو اعتاق کی حاجت نہیں چونکہ شراء عتق کا ذریعہ ہے اس وجہ سے اس کی طرف نسبت کر دی گئی ہے البتہ بعض ظاہر یہ فرماتے ہیں کہ بغیر اعتاق کے عتق متحقق نہیں ہوگا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہے۔

والدین کے حقوق متعدد ہیں: (۱) اُمور مباحہ میں والدین کی اطاعت کرنا خواہ وہ مشرکین ہی کیوں نہ ہوں۔ (۲) ان کی خدمت خود کرنا کسی دوسرے کے حوالے نہ کرنا۔ (۳) ان کے ساتھ نرمی سے کلام کرنا۔ (۴) ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرنا۔ (۵) ان کو کسی قسم کی تکلیف وایذا نہ دینا۔ (۶) ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنا۔ (۷) ان پر مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ ایسے مال کا حساب نہیں لے گا۔ (۸) ان کی طرف محبت ورافت کی نظر سے دیکھنا اس پر حج مبرور کا ثواب ملتا ہے۔ (۹) ان کی اجازت کے بغیر جہاد حج اور طلب علم کے لیے نہ جانا۔ (۱۰) ان کی خدمت سے گریز نہ کرنا خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ (۱۱) ان کے آگے نہ چلنا۔ (۱۲) ان کے سامنے مجلس کے صدر مقام پر نہ بیٹھنا۔ (۱۳) ان کا نام لے کر نہ پکارنا۔ (۱۴) کسی کے والدین کو برا نہ کہنا اس لیے کہ وہ سبب ہوگا اپنے والدین کو برا کہلانے کا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ قَطِیْعَةِ الرَّحِمِ

باب ۹: قطع رحمی کا حکم

(۱۸۳۰) قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنِ اسْمِیْ فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهٗ.

ترجمہ: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ شیخ ابوالرداد بیمار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کرنے کے لئے آئے تو شیخ ابوالرداد بولے۔ لوگوں میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے میرے علم کے مطابق حضرت ابو محمد (عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) ہیں، تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ

یہ فرماتا ہے۔ میں اللہ ہوں میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور میں نے اسے اپنے نام سے مشتق کیا ہے، جو شخص اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا، اور جو شخص اسے کاٹے گا میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

تشریح: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا:

باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ شخص ہے جو قطع رحمی کو بغیر کسی سبب اور شبہہ کے حلال اور جائز سمجھتا ہے، حالانکہ اسے علم ہے کہ شریعت میں قطع تعلقی حرام ہے، ایسا شخص چونکہ کافر ہوتا ہے، اس لئے ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور جنت میں کبھی داخل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) یا یہ مراد ہے کہ قطع رحمی کرنے والا نجات یافتہ اور سابقین کے ساتھ ابتداء میں ہی جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اپنے گناہوں کی بقدر سزا بھگتنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (شرح مسلم اللنووی، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم و تحريم قطيعتها، 2/310)

بَابُ مَا جَآءَ فِي صِلَةِ الرَّحِمِ

باب ۱۰۔ صلہ رحمی کا بیان

(۱۸۳۱) لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں (کسی اچھائی کے) بدلے کے طور پر اچھائی کرنے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے، تو وہ صلہ رحمی کرے۔

(۱۸۳۲) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي قَاطِعُ رَحِمٍ.

ترجمہ: محمد بن جبیر اپنے والد (حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ قطع کرنے والا شخص جنت میں نہیں جائے گا۔

تشریح: الرحم: بفتح الراء و کسر الحاء اور دوسری لغت الراء و سکون الحاء ہے یہ قرابت و رشتہ داری کے معنی میں ہے اور ذوالرحم ایسے اقارب ہیں کہ جن کے درمیان نسبی تعلق ہو خواہ وارث ہوں یا نہ ہوں نیز وہ محارم ہوں یا نہ ہوں بعض حضرات فرماتے ہیں اس سے مراد صرف محارم ہیں مگر قول اول ہی راجح ہے ورنہ اولاد الاعمام اور اولاد الاخوال اور دیگر ذوی الارحام اس سے خارج ہو جائیں گے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ لفظ لغۃً تو نسبی اقارب کو شامل ہے مگر اس سے مراد عام اقارب ہیں حتیٰ کہ صہری رشتہ دار بھی اس میں داخل ہیں۔

اوصلهم ما علمت ابو محمد: یعنی میرے علم میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ابو محمد عبدالرحمٰن ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ قبیلہ زہرہ سے ہیں اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں شاید اجداد بعیدہ میں سے کسی جد میں

نسباً شریک ہوں مگر اس کے باوجود انہوں نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کی عیادت کی تو معلوم ہوا کہ انہوں نے قرابت بعیدہ کے ہوتے ہوئے صلہ رحمی فرمائی ہے تو وہ اوصل وارحم ہیں یا ممکن ہے کہ ان کو اوصل دیگر امور کی بناء پر فرمایا ہو جو راوی نے یہاں ذکر نہیں فرمائے ہیں۔

صلہ رحمی کیا ہے؟

صلہ رحمی کے معنی یہ ہیں کہ رشتہ داروں کو اپنی طاقت کے بقدر فائدہ پہنچایا جائے اور ان کی تکلیف اور مشکل کو حل کیا جائے، اس کے مختلف درجات ہیں، رشتے کو جوڑنا واجب اور توڑنا گناہ کبیرہ ہے، اور بعض صورتوں میں رشتہ داروں کے تعلق کی رعایت اور ان سے نیک سلوک کرنے کی زیادہ اہمیت اور ضرورت ہوتی ہے، اور بعض صورتوں میں زیادہ اہمیت نہیں ہوتی، ابن جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی کی موقع پر اور حالات کے اعتبار سے مختلف صورتیں ہوتی ہیں، صلہ رحمی مالی تعاون، کسی ضرورت کے موقع پر رشتہ دار کا ہاتھ بٹانے، تکلیف کو دور کرنے، خندہ پیشانی سے پیش آنے اور دعا کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپس میں بول چال اور ملاقات باقی رہے، اگرچہ یہ محض سلام وکلام کی حد تک ہو اور اگر اقارب کفار وفساق بھی ہوں تو ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہئے کہ ان کو وعظ ونصیحت کرتا رہے اگر ان سے بغض رکھے تو وہ بھی محض اللہ کے لئے ہونا چاہئے اور کم از کم ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتا ہی رہے کہ یہ بھی صلہ رحمی میں داخل ہے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اصل جوانمرد وہی شخص ہوتا ہے جو اپنے حقوق کا کسی سے مطالبہ نہ کرے اور خود دوسروں کے حقوق ادا کرنے کے درپے رہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ نیکی سے دو، یہی کمال ایمان کی علامت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کے ساتھ صلہ رحمی کرو جو تعلقات توڑتا ہے اور اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو آپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے۔

حدیث میں لیس الواصل بالمکافی سے کمال کی نفی مراد ہے کہ کامل صلہ رحم کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرے لیکن چونکہ اس میں بھی اس لحاظ سے صلہ رحمی پائی جاتی ہے، اس لئے ایسے شخص کو قطع رحم کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الآداب، باب البر والصلۃ 8/659)

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ قرابت داروں کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر محارم محتاج ہوں کھانے کمانے پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو بقدر کفایت ان کے نان ونفقہ کی خبر گیری مثل اولاد کے واجب ہے اور غیر محتاج محارم کا نان ونفقہ اگرچہ اس طرح تو واجب نہیں لیکن کچھ خدمت کرتے رہنا ضروری ہے۔ ① گاہ بگاہ ان سے ملتا رہے۔ ② ان سے قطع قرابت نہ کرے بلکہ کسی قدر ان سے ایذا بھی پہنچے تو صبر کرتا رہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ حُبِّ الْوَلَدِ

باب ۱۱: اولاد کے ساتھ محبت کا بیان

(۱۸۳۳) خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُحْتَضِنٌ اَحَدَ ابْنَيِ ابْنَتِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ وَتُجَبِّنُوْنَ وَتُجَهِّلُوْنَ وَاِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللهِ.

ترجمہ: عمر بن عبد اللہ العزیز رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ ایک نیک خاتون سیدہ خالہ بنت حکیم نے یہ بات بیان کی ہے ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے ایک نواسے کو گود میں اٹھایا ہوا تھا آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ تم لوگ (یعنی اولاد) آدمی کو بخیل کر دیتی ہے۔ اسے بزدل بنا دیتی ہے۔ اسے بے پرواہ کر دیتی ہے۔ حالانکہ تم لوگ (یعنی اولاد) اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔

لغات: خولة بنت حکیم رضی اللہ عنہا یہ بدل ہے المرأة الصالحه سے مختضن ماخوذ من الاحتضان بمعنی گود لینا۔ احد ابنی ابنته اس سے مراد حسن یا حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔

تبخلون، تجبنون، تجھلون، تینوں صیغے باب تفعیل سے ہیں اور ان کے معنی تحملون علی البخل والجبن والجهل کے ہیں یعنی اولاد کی وجہ سے آدمی بخل کرتا ہے اور بزدل بھی بنتا ہے۔ نیز جاہل بھی رہ جاتا ہے۔

اولاد کی محبت کے اثرات:

روایت کا حاصل یہ ہے کہ بسا اوقات آدمی اولاد کی وجہ سے بخیل ہو جاتا ہے کہ ان کا خرچہ پیش نظر ہونے کی وجہ سے خرچ کرنے کی جگہ پر خرچ نہیں کرتا اسی طرح بچوں کی فکر اور ان کی تربیت کی وجہ سے بزدل ہو جاتا ہے اور جہاد جیسی مبارک عبادت میں جہاں شجاعت کی ضرورت ہے شریک نہیں ہوتا اسی طرح بچوں کی مشغولی کی بناء پر بسا اوقات ضروریات دین سے جاہل رہ جاتا ہے اور علم حاصل نہیں کرتا۔

نصیحت: اس حدیث سے یہ درس حاصل ہوتا ہے کہ مسلمان کو اولاد کی محبت میں اس قدر غلو اور تجاوز نہیں کرنا چاہئے کہ جس سے وہ اسلامی احکام پر عمل نہ کر سکے، اولاد سے محبت ضرور کی جائے لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے، اعتدال کے ساتھ تاکہ اسلامی احکام پر صحیح طریقے سے عمل کیا جاسکے۔

انکم لمن ریحان اللہ: اس جملے سے اولاد کی تعریف کی گئی ہے۔ "ریحان" کے متعدد معنی ہیں:

(1) اس سے مراد خوشبودار پودا ہے، کہ جس طرح اس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے، اسی طرح اولاد بھی خوشبودار پودے ہیں کہ انہیں بھی پیار کر کے تسکین حاصل کی جاتی ہے۔

(2) ابن التین کہتے ہیں کہ ریحان سے مراد "رزق" ہے، اور اس جملے کے معنی ہوں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ہو جو اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے عطا فرمایا۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب رحمۃ الوالد 10/524)

بہر حال ریحان کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے رحمت، رزق، عطیہ، راحت، خوشبو وغیرہ۔

سند پر کلام: اس عبارت کا حاصل یہ کہ اس روایت کے دو طریق ہیں: اوّل: طریق سفیان عن الزهری۔

دوم: طریق معمر عن الزهری۔

اوّل طریق صحیح ہے کما قال الترمذی، البتہ علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوسلمہ کا سماع اپنے والد عبد الرحمٰن سے ثابت نہیں جیسا کہ یحییٰ بن معین وغیرہ کی تصریح کی ہے لہٰذا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح میں نظر ہے بعض حضرات فرماتے ہیں تصحیح حدیث سفیان بمقالہ حدیث معمر ہے نہ کہ اصطلاح کے اعتبار سے۔

دوسرا طریق "معمر عن الزهری عن ابی سلمة عن رداد اللیثی عن عبد الرحمٰن بن عوف" یہ طریق اگرچہ

متصل ہے مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ خطاء ہے کیونکہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام تلامذہ معمر کے علاوہ عن الزہری عن ابی سلمۃ عن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہی نقل کرتے ہیں جیسا کہ تہذیب التہذیب میں مصرح ہے۔

تنبیہ: ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو روایت میں واقع ہے یہ درست نہیں ہے صحیح ابورداد ہے جیسا کہ مسند احمد ج 1 ص: 194، ادب المفرد ج: 1 ص 10، ابوداؤد 2 ص 60 اور مسند حمیدی وغیرہ میں ہے نیز بیہقی نے الاسماء والصفات میں اور خرائطی نے مکارم الاخلاق میں ابوالرداد ہی نقل کیا ہے بہرحال ابوالدرداء لکھنا تصحیف کاتب اور صحیح ابوالارداد ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ رَحْمَةِ الْوَلَدِ

باب ۱۲: اولاد کے لئے رحمت کا بیان

(۱۸۳۴) اَبْصَرَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ النَّبِیَّ ﷺ وَهُوَ یُقَبِّلُ الْحَسَنَ قَالَ ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ الْحُسَیْنَ اَوِ الْحَسَنَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ مِنَ الْوَالِدِ عَشَرَةً مَا قَبَّلْتُ اَحَدًا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهُ مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک دفعہ اقرع بن حابس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اس وقت آپ امام حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دے رہے تھے۔ ان ابی عمر نامی راوی نے یہ بات نقل کی ہے امام حسن رضی اللہ عنہ یا شاید امام حسین رضی اللہ عنہ کو بوسہ دے رہے تھے، تو وہ بولا۔ میرے دس بچے ہیں اور میں نے کبھی ان میں سے کسی ایک کو بھی بوسہ نہیں دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

تشریح: لا یرحم لا یرحم: اوّل معروف کا صیغہ ہے اور ثانی مجہول ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر نے اس کو مرفوع ہی پڑھا ہے ابوالبقاء فرماتے ہیں من موصولہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ شرطیہ ہو اور دونوں صیغے مجزوم ہوں۔

بچوں سے پیار اور شفقت کرنے کا حکم:

حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو بوسہ دے رہے ہیں تو انہیں تعجب ہوا، کہنے لگے کہ میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے کسی کو بھی بوسہ نہیں دیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اولاد پر شفقت نہیں کرتا، اور ان پر رحم نہیں کرتا تو اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اولاد سے پیار کرنا، انہیں گود میں لینا، بوسہ دینا اور ان سے دل لگی کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں ہے، یہ فطرت کا تقاضا ہے جسے ادا کرنا چاہئے اور جو شخص بچوں سے پیار و محبت اور بوس و کنار نہیں کرتا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا قیامت اور جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے، کمال قرب کو ظاہر کرنے کے لئے آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے ارشاد فرمایا، کہ جس طرح یہ دو انگلیاں آپس میں قریب قریب ہیں، اسی طرح ہم دونوں بھی ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی النَّفَقَةِ عَلَی الْبَنَاتِ وَالْأَخَوَاتِ

باب ۱۳: لڑکیوں اور بہنوں پر خرچ کرنے (کی فضیلت)

(۱۸۳۵) لَا يَكُونُ لِأَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

(۱۸۳۶) مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ جو شخص بیٹیوں کی (پرورش) کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے صبر سے کام لیا، تو وہ بچیاں اس کے لئے جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گی۔

(۱۸۳۷) مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص دو بچیوں کی پرورش کرتا ہے میں اور وہ شخص ان دونوں کی طرح جنت مین داخل ہوں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا۔

(۱۸۳۸) قَالَتْ دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا فَسَأَلَتْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ ایک عورت (میرے ہاں) آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں اس نے کچھ (کھانے کے لیے) مانگا تو اس وقت اسے میرے پاس سے ایک کھجور ملی وہی میں نے اسے دے دی اس نے وہ کھجور ان دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کردی اور خود کچھ نہیں کھایا پھر وہ اٹھ کر چل دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ کو اس بارے میں بتایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص بیٹیوں (کی پرورش) کی آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ ہوں گی۔

(۱۸۳۹) مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ أَوِ ابْنَتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) دو بیٹیاں ہوں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ

سے ڈرتا رہے تو اس شخص کو جنت ملے گی۔

تشریح: فاحسن صحبتهن: احسان صحبت کی تفسیر ابن ماجہ کی روایت میں وارد ہے: اطعمهن، وسقاهن، و کساهن یعنی ان کو کھلائے، پلائے اور پہنائے۔

ادب المفرد میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں فصبر علیهن واقع ہے یعنی ان کی پرورش کرنے میں جو مصائب و پریشانیاں پیش آتی ہیں ان پر صبر کرے اس طرح طبرانی کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

فانفق علیهن وزوجهن واحسن ادبهن.

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد میں ہے: یؤدبهن ویرحمهن ویکفلهن.

اور طبرانی میں یزوجهن کا لفظ بھی وارد ہے یہ سب احسان کی تفسیر ہیں اور احسان صحبت کا لفظ ان سب کو شامل ہے لیکن یہ واضح رہے کہ اس اجزاء کا استحقاق جب ہی ہوگا جب بنات واخوات کے ساتھ یہ حسن سلوک اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ ضروریات سے مستغنی نہ ہوجائیں۔

بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت:

ان احادیث میں ان لوگوں کی فضیلت اور ثواب کا ذکر ہے جو اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں، ان کے ہر قسم کے اخراجات اور خرچے برداشت کرتے ہیں، انہیں اپنے اوپر بوجھ نہیں سمجھتے، اور نہ ہی کسی طرح کا انہیں طعنہ دیتے ہیں، ان کی نشوونما اور پرورش صبر وتحمل کے ساتھ کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کی شادیاں کرادیں۔ لفظ ''احسان'' ان تمام امور کو شامل ہے، نیز راجح قول کے مطابق لفظ ''احسان'' میں واجب اخراجات اور مزید حسن سلوک وغیرہ بھی داخل ہے، لہٰذا جو شخص شرعی اصولوں کی روشنی میں اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ کرتا رہا تو اس کے لئے جنت ہے اور یہ بچیاں اس کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اس شخص کے درمیان کمال قرب اور اتصال کو ظاہر کرنے کے لئے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح یہ دو انگلیاں آپس میں متصل اور قریب ہیں اسی طرح عال ماخوذ من العول وهو الرقب علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی میں ہیں قام علیهما بالمونة والتربية ونحوها۔ کہا جاتا ہے۔ عال الرجل یعولهم اذا قام بما یحتاجون الیه من قوة و کسوة وغیر هما۔ اس سے مراد بچوں کی ذمہ داری لینا، کفالت کرنا مؤنت برداشت کرنا ہے۔

اشار باصبعیه: اس سے مراد وسطیٰ اور سباب ہے جیسا کہ آنے والی روایت میں صراحۃً واقع ہے یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں ساتھ ساتھ بلافصل ہیں اسی طرح بچیوں کی کفالت کرنے والا میرے ساتھ جنت میں بلافصل داخل ہوگا۔ اس روایت سے کافل بنات کی بہت بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی قرب کی علامت ہے اس جملہ کی مزید وضاحت اگلے باب کے تحت آرہی ہے۔

من ابتلی بشئی من البنات: **بہنوں اور بیٹیوں کی وجہ سے ابتلاء سے کیا مراد ہے؟** جو شخص بچیوں میں سے کچھ کے ساتھ آزمایا گیا۔

① حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابتلاء سے ''اختبار اور امتحان'' مراد ہے کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ بچیاں دے کر آزماتے ہیں کہ یہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''تقویٰ'' کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ تقویٰ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا، خوف خدا نہیں ہوگا تو وہ شخص نہ تو بہنوں اور بیٹیوں کے حقوق ادا کریگا اور نہ ہی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''ابتلاء'' سے وہ محنت و مشقت اور تکلیف مراد ہے جس کا بچیوں کی وجہ سے آدمی کو بسا اوقات مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لڑکیوں کے حقوق کا زیادہ خیال رکھنا، کیونکہ لڑکوں کے مقابلے میں ہر لحاظ سے کمزور ہوتی ہیں۔

اعتراض: ان دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے حدیث باب میں صرف ایک ہی کھجور کا ذکر ہے جبکہ صحیح روایت میں تین کھجوروں کا ذکر ہے

جواب ①: ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابتداء میں صرف ایک کھجور دی ہو، بعد میں دو مزید کھجوریں مل گئیں تو وہ بھی دے دیں، اس لئے صحیح مسلم میں تینوں کھجوروں کا ذکر کردیا اور ابتداء میں چونکہ ایک ہی کھجور تھی، اس لئے ترمذی کی روایت میں صرف اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

جواب ②: اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہوں، ایک موقع پر ایک کھجور کا واقعہ پیش آیا، اور دوسرے کسی موقع پر تین کھجوروں کا واقعہ پیش آیا، ایک دفعہ کا ذکر ترمذی میں اور دوسری بار کا ذکر صحیح مسلم میں ہے، اس لحاظ سے کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ رَحْمَةِ الْیَتِیْمِ وَكَفَالَتِهٖ

باب ۱۴: یتیم پر مہربانی (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۴۰) مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا مِّنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اِلَّا اَنْ يَّعْمَلَ ذَنْبًا لَّا يُغْفَرُ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو اپنے کھانے اور پینے میں شریک کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل کرے گا ماسوائے اس صورت کے کہ وہ ایسا گناہ کرلے جس کی بخشش ہی نہ ہوسکتی ہو۔

(۱۸۴۱) اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِی الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَاَشَارَ بِاُصْبُعَيْهِ يَعْنِی السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دونوں کی طرح ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کیا (راوی کہتے ہیں) یعنی شہادت کی انگلی کے ذریعے اور درمیانی انگلی کے ذریعے (اشارہ کیا)۔

لغات: **قبض** وہ لے جائے۔ **طعامه و شرابه:** ان کی ضمیریں ''من'' کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ **البتہ** یقینی طور پر قطعاً، بلا شبہ۔ **کافل** اخراجات وغیرہ کا ذمہ اٹھانے والا اور ''کافل الیتیم'' سے وہ شخص مراد ہے جو یتیم کے ہر قسم کے خرچے اور ذمہ داریاں اپنے

اوپر لے لے۔ یتیم: اس نابالغ لڑکے یا لڑکی کو کہا جاتا ہے جس کا والد مرگیا ہو ج ایتام۔

یتیم کو پالنے کی فضیلت:

ان احادیث میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک اور اسے پالنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پہلی حدیث میں فرمایا کہ جو مسلمان کسی یتیم کو کھانا کھلانے کے لئے لے جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کریں گے، ہاں اگر وہ ایسا کوئی گناہ کرلے جو معاف نہ ہوسکے یعنی شرک کرلے اور بغیر توبہ کے ہی مرجائے تو پھر جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا۔ جنت میں داخل ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں، بعض لوگ دین پر استقامت اور ثابت قدمی کی وجہ سے پہلی دفعہ ہی جنت میں چلے جائیں گے، اسے ''دخول اولیٰ'' کہا جاتا ہے، اور بعض لوگ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل کئے جائیں گے، اسے ''دخول ثانوی'' کہا جاتا ہے، حدیث بالا میں جنت میں داخل ہونے کی دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔

فائدہ: حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کافل الیتیم جنت میں نبی کریم ﷺ کے قریب اس وجہ سے ہوگا کہ نبی اور کافل الیتیم کے درمیان ایک طرح کی مناسبت پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ جس طرح نبی کو ایک ایسی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے جو دینی امور سے ناآشنا ہوتی ہے، وہ نبی ان سب کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے، ان کی تعلیم وتربیت اواصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اسی طرح کافل الیتیم بھی اس بچے کی ضمانت اٹھاتا ہے جو نہ دین سمجھتا ہے اور نہ دنیا، اس کو پالتا ہے، تعلیم وتربیت کا بندوبست کرتا ہے اور اسے حسن سلوک سکھاتا ہے، اس اعتبار سے ایک نبی اور یتیم کے مربی کے درمیان مناسبت پائی جاتی ہے اس لئے یتیم کا مربی جنت میں نبی کریم ﷺ کے قریب ہوگا۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیماً۔353/1، 536)

الا ان یعمل ذنبا لایغفر: علامہ طیبی رحمہ اللہ اور ابن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شرک ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۴۸) اگر اس کافل یتیم نے شرک کیا ہو تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حقوق العباد ہیں کیونکہ وہ بھی صاحب حق کے معاف کرنے ہی سے معاف ہوتے ہیں ورنہ نہیں اور ممکن ہے کہ اس سے مراد دونوں ہوں یہی اظہر ہے چونکہ اس پر اجماع ہے کہ حقوق العباد محض کفالت یتیم سے معاف نہیں ہوتے، ظاہر ہے کہ یتیم کا مال کھانا بھی حقوق العباد میں سے ہے تو اب روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافل یتیم یقیناً جنت میں داخل ہوگا مگر یہ کہ اس نے شرک کیا ہو یا اس کے ذمہ حقوق العباد ہوں مثلاً یتیم کا مال اس نے کھایا ہو تو بغیر صاحب حق کے معاف کئے یا بغیر ادا کئے جنت میں نہ جائے گا بہرحال روایۃ الباب سے کافل یتیم کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس کے وہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں جو حقوق اللہ کے قبیل سے ہیں۔

اعتراض: اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو تمام انسانوں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر درجات عطا فرمائیں گے حتیٰ کہ مقام محمود بھی آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا جو کسی کو عطا نہیں ہوگا اور اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کافل یتیم بھی آپ ﷺ کے ساتھ جنت میں ان درجات علیا میں داخل ہوگا تو پھر آپ ﷺ کی کیا خصوصیت رہ گئی؟

جواب ①: روایت سے درجات کی تساوی مقصود نہیں بلکہ صرف استحقاق معیت فی الدخول کو بیان کرنا مقصود ہے یعنی کافل یتیم اس کفالت کی بناء پر آپ ﷺ کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا مستحق بن گیا ہے۔

جواب ②: اس سے مراد معیت خادم مع المخدوم اس سے برابری لازم نہیں آتی ہے جس طرح خادم کی برابری مخدوم کے ساتھ نہیں ہوتی ہے۔

جواب ③: اس روایت سے مقصود آپ ﷺ سے غایت قرب کو بیان کرنا ہے نہ کہ معیت فی الدخول اور درجات کی برابری کو۔

جواب ④: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سبابہ اور وسطٰی کے مابین تقدماً و تاخراً فرق ہے کہ سبابہ وسطٰی سے موخر ہے تو اسی طرح کافل یتیم حضور ﷺ سے مؤخر ہے۔ اور سبابہ اور وسطٰی کے درمیان طولاً فرق ہے کہ وسطٰی سبابہ کے اعتبار سے طویل ہے یہی فرق حضور ﷺ اور کافل کے درمیان ہے۔

جواب ⑤: بخاری شریف میں روایت کے الفاظ ہیں: "و فرج بین اصبعیه" یعنی آپ ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے۔ دو انگلیوں کے درمیان کشادگی فرمائی تھی جس سے کافل یتیم اور آپ ﷺ کے درمیان فرق متحقق ہو جاتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "بعثت انا والساعة کهاتین" کہ میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح مبعوث ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں کے درمیان فرق ہے۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه احمد والبخاری و ابو داؤد۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ رَحْمَةِ الصِّبْيَانِ

باب ۱۵: بچوں پر مہربانی اور شفقت (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۴۲) جَآءَ شَيْخٌ يُرِيْدُ النَّبِيَّ ﷺ فَاَبْطَاَ الْقَوْمُ عَنْهُ اَنْ يُّوَسِّعُوْا لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک بڑی عمر کا شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لوگوں نے اسے راستہ دینے میں تاخیر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۱۸۴۳) لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا.

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے احترام سے واقف نہیں وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۱۸۴۴) لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا جو نیکی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے روکتا نہیں ہے۔

تشریح: لیس منا کے معنی: لیس منا کے معنی ہیں لیس علی طریقتنا و سنتنا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مذکورہ

فی الحدیث باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے ورنہ ہمارے اخلاق و عادات اس میں نہیں ہیں جس طرح کوئی باپ اپنے بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے اور کہتا ہے تو فلاں کام کے لئے چلا جاورنہ "لست مني ولست منك" روایت کا مطلب: جو شخص بچوں اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ان سے محبت نہ کرے اور بڑوں کے درجات و مراتب کو نہ پہچانے ان کی تعظیم نہ کرے وہ ہمارے طریق پر نہیں یعنی اس میں ہمارے اسلامی اخلاق نہیں ہیں اور وہ ہمارا آدمی نہیں ہے اگرچہ ایمان اس کے اندر موجود ہے۔

قال بعض اهل العلم معنى قول النبي ﷺ ليس منا: یعنی بعض اہل علم نے لیس منا کی تفسیر من سنتا ای من ادبنا کی ہے مگر علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس تفسیر کو پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ کہ روایت کا مقصود توبیخ و تہدید ہے کہ گویا ایسا شخص اہل اسلام میں سے ہی نہیں ہے اور اس تفسیر کے بعد یہ مقصود فوت ہو جاتا ہے اس وجہ سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی تہدیدی روایات کو ان کے ظاہری معنی پر ہی محمول کیا جائے تاکہ لوگ ان بری خصلتوں کا ارتکاب نہ کریں۔

اعتراض: جامع ترمذی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تفسیر پر نکیر کرنے والے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جبکہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے انکار کی نسبت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے۔

جواب: ممکن ہے کہ دونوں حضرات نکیر کرتے ہوں فلا تعارض۔

دوسری روایت جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے اس میں ویعرف شرف کبیرنا کا لفظ "ولم يؤقر كبير" جگہ واقع اور اس کے معنی "لم يعرف شرف كبيرنا" کے ہیں چنانچہ دوسرا نسخہ لفظ لم کی صراحت کے ساتھ اور مطلب ظاہر پر ہے۔

تیسری روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس میں امر بالمعرف و نہی عن المنکر کی زیادتی ہے جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہ کرے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس امت کے اہم ترین فرائض اور اخلاق فاضلہ میں سے ہے کما قال تعالیٰ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۱۰) ظاہر ہے جو شخص امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں ہے تو وہ اس امت کے اخلاق فاضلہ پر نہیں اور یہی مطلب ہے "لیس منا" کا۔

سند کا حال: حدیث محمد بن اسحاق عن عمرو بن شعیب حدیث حسن صحیح امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیف والی روایت محمد بن اسحاق مدلس راوی کے عنعنہ کے ساتھ اگرچہ منقول ہے اور یہ حدیث حسن و صحیح نہ ہونی چاہئے مگر اس کے متعدد طرق ہیں اور دیگر شواہد بھی ہیں اس بناء پر اس کو حسن و صحیح قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ آگے فرماتے ہیں:

وقد روى عن عبدالله بن عمرو عن غير هذا الوجه ايضًا.

اس روایت کی تخریج ابوداؤد نے بطریق ابن ابی شیبہ و ابن السرح عن سفیان عن ابن ابی نجیح عن ابن عامر عن عبداللہ بن عمرو کی ہے۔ نیز یہ روایت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ صحابی سے جس طرح ان کی اولاد نے نقل کی ہے جس کو محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اسی طرح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے دوسرے لوگ بھی ناقل ہیں اس وجہ سے حدیث درجہ حسن و صحیح کو پہنچ گئی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ رَحْمَةِ النَّاسِ

باب ۱۶: لوگوں پر رحم کرنے (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۴۵) مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔

(۱۸۴۶) لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے صرف بد بخت شخص سے رحم (کے جذبے) کو الگ کیا جاتا ہے۔

(۱۸۴۷) الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان میں موجود ذات تم پر رحم کرے گی رحمان کی شاخ ہے جو شخص اس کو ملاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ملاتا ہے جو شخص اس کو کاٹ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کاٹ دیتا ہے۔

تشریح: لاتنزع الرحمة: (یہ فعل مجہول ہے): رحمت نہیں نکالی جاتی۔ شقی: بد بخت، اس سے کافر اور گنہگار مراد ہے۔ شجنة: گھنٹی، ٹہنی، الجھی ہوئی شاخ۔

مخلوق خدا پر رحم اور شفقت کی فضیلت:

ان احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ مخلوق خدا پر رحمت وشفقت کی جائے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر رحم نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحمت نازل نہیں کرتے۔

"الا من شقی" اس بد بخت سے کافر یا فاسق وفاجر ہے، اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کافر اپنے کفر وعناد اور گنہگار اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے دل کو اس قدر سخت بنالیتا ہے کہ اس کے اندر سے وہ انسانی جذبہ بھی ختم ہو جاتا ہے جو ایک انسان کو مخلوق خدا پر رحم و شفقت کرنے پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ یہ بد بخت اسی سخت دلی اور شقاوت قلبی کے ساتھ دنیا کے جھمیلوں میں پھنسا رہتا ہے، طرح طرح کی تھکاوٹ برداشت کرتا ہے، لیکن انجام کے اعتبار سے اس بہر حال خسارا اٹھانا پڑتا ہے بشرطیکہ کفر اور گناہ سے توبہ کے بغیر دنیا سے چلا جائے اور جو لوگ خلق خدا پر رحم کرتے رہتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ رحم کرتے ہیں اور حکم دیا گیا کہ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

من فی الارض: (زمین والوں): اس میں عموم ہے، ہر قسم کی مخلوق کو شامل ہے علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روایت کے الفاظ کا عموم چاہتا ہے کہ رحمت کا معاملہ تمام مخلوق کے ساتھ کیا جائے حتیٰ کہ مؤمن، کافر، بہائم، مملوک، غیر مملوک سب اس میں داخل ہیں یعنی سب انسانوں، جانوروں کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ ہو تو اللہ تعالیٰ بھی رحم کا برتاؤ فرمائیں گے اور جو شخص مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائیں گے یہ بھی اقسام مومن، کافر، اقرباء، پڑوسی، خورد، کلاں وغیرہ وغیرہ کے مختلف حقوق ہیں ان سب کو ادا کرنا ان کو منفعت پہنچانا یہ انسان کے ساتھ رحم ہے اسی طرح جانوروں کے ساتھ رحم ان کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اندر نرم کوئی، خوش اخلاقی، عفو و درگزر اور لطف ومہربانی کی صفات ہونی چاہئے، تب ہی وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے اور اگر یہ صفات نہ ہوں گی تو ظاہر ہے ایسا شخص نہ دنیا میں کامیاب اور نہ آخرت میں کامیاب ہوگا اللہ تعالیٰ کے رحم کا مستحق نہ ہوگا۔

"من فی السماء" (آسمان والا یا والے) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ تم زمین والوں پر شفقت ورحم کرو، اس کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائیں گے سراج المنیر میں روایت ہے اس کے الفاظ "یرحمکم اھل السماء" ہیں جس سے مراد فرشتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مخلوق خدا پر رحم کرتے ہیں ملائکہ ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝﴾ (المومن:٧)

ان کا رحم یہ ہے کہ وہ رحم کرنے والے انسانوں کے دشمنوں اور تکلیف پہنچانے والی مخلوق جنات وشیاطین اور شریر انسانوں سے اللہ کے حکم سے حفاظت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا و استغفار اور رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، الفصل الثانی 8/704۔ شرح الطیبی، 9/180,181)

من لم یرحم الناس: بخاری شریف کی روایت میں "من لا یرحم لا یرحم" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور طبرانی میں "من لا یرحم من فی الارض لا یرحمه من فی السماء" اور طبرانی میں اشعث بن قیس کی روایت میں "من لم یرحم المسلمین لم یرحمه الله" بھی واقع ہے۔ حافظ ابن عربی فرماتے ہیں کہ رحمت کے معنیٰ کا خلاصہ "ارادة المنفعة فی حق الخالق والمخلوق" ہے۔

"الرحم شجنة من الرحمٰن، رحم رحمٰن کی ایک شاخ ہے، مراد یہ ہے کہ لفظ رحم، لفظ رحمٰن سے لیا گیا ہے، دونوں کے حروف ایک ہی ہیں، گویا صلہ رحمی کا رحمٰن سے ایک خصوصی تعلق اور ربط ہے، یہ مراد نہیں کہ رحم اللہ تعالیٰ کی ذات میں سے ہے اور اس کا جزء ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ (فتح الباری، کتاب الأدب، باب من وصل، وصله الله۔ 1/512)

اس کی مزید تفصیل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جو باب ماجاء فی قطیعة الرحم میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

لا تنزع الرحمة... الخ: صیغہ مجہول ہے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دراصل رحمت نام ہے رقت قلب کا جو علامت ایمان ہے جس شخص میں رقت قلب نہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں ایمان نہیں ہے اس سے زیادہ بدبخت کون ہوسکتا ہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لفظ لا تنزع اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں رقت ورحمت

وضع فرمائی تھی اب اس کے قلب سے وہ سلب ہوگئی ہے۔ لہٰذا یہ علامت شقاوت و بدبختی ہے۔ حافظ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمت کے معنی ارادۂ منفعت کے ہیں جب ارادۂ منفعت کسی کے دل سے دور ہوگیا تو ایسا شخص ایصال مکروہات ومصائب میں مبتلا ہوگا اور جو شخص مخلوق خدا کو مصائب پہنچائے اس سے زیادہ بدبخت کون ہوسکتا ہے۔

هذا حديث حسن اخرجه احمد والبخاري في الادب و ابو داؤد و ابن حبان و الحاكم مناوی فرماتے ہیں کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔

سند: ابو عثمان الذى روى عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ لا نعرف اسمه... الخ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابوعثمان کا نام ہمیں معلوم نہیں ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ موسیٰ بن ابی عثمان کے والد ہیں اور موسیٰ بن ابی عثمان سے ابوالزناد روایت کرتے ہیں چنانچہ ابوالزناد نے موسیٰ بن ابی عثمان سے اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث موسى بن ابى عثمان عن ابيه عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر نقل کی ہیں تقریب میں ہے کہ ابوعثمان التقبانی مغیرہ بن شعبہ کے آزاد کردہ غلام ہیں بعض حضرات نے ان کا نام سعید اور بعض نے عمران ذکر کیا ہے طبقہ ثالثہ کے مقبول راوی ہیں۔

بَابُ مَاجَآءَ فِى النَّصِيحَةِ

باب ۱۷: نصیحت اور خیر خواہی (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

(۱۸۴۸) بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی تھی کہ نماز قائم کرنی ہے زکوۃ ادا کرنی ہے اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی اختیار کرنی ہے۔

(۱۸۴۹) اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین خیر خواہی کا نام ہے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی لوگوں نے عرض کی کس کے لیے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی کتاب کے لیے مسلمان حکمرانوں کے لیے اور ان کے عام افراد کے لیے۔

(۱۸۵۰) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُوْنُهٗ وَلَا يَكْذِبُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهٗ وَمَالُهٗ وَدَمُهٗ التَّقْوٰى هَاهُنَا بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْتَقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اس لیے وہ اس کے ساتھ خیانت نہ کرے اس کے ساتھ جھوٹ نہ بولے اور اس کو رسوائی کا شکار نہ کرے ہر مسلمان کی عزت مال وجان

دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہیں تقویٰ یہاں ہوتا ہے کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

(۱۸۵۱) اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایک مومن کی دوسرے دوسرے مومن کے لیے مثال ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔

(۱۸۵۲) اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاٰةُ اَخِیْهِ فَاِنْ رَاٰی بِهٖ اَذًی فَلْیُمِطْهُ عَنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص دوسرے کا آئینہ ہوتا ہے اگر وہ اس میں کوئی خامی دیکھے تو وہ اس سے دور کردے۔

تشریح: ''دین نصیحت ہے'': مراد یہ ہے کہ نصیحت اور خیر خواہ، دین کے اعمال میں سے افضل ترین عمل ہے یا یہ کہ نصیحت اور خیر خواہی دین کا ایک اہم عظیم الشان شعبہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کی یہ خیر خواہی کس کے لئے کرنی چاہئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خیر خواہی اللہ کے لئے'' یہ ہے کہ اس کی توحید پر ایمان لایا جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اخلاص کے ساتھ اس کے احکام کی اطاعت کرے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، نیک لوگوں سے محبت اور برے لوگوں سے نفرت کرے۔

خیر خواہی اللہ کی کتاب قرآن کے لئے:

اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اسے سیکھا اور سکھایا جائے، پابندی سے اس کی روزانہ تلاوت کی جائے، اس کے معنی اور احکام پر عمل کیا جائے اور اہل باطل کی طرف سے اگر قرآن کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ کیا جائے تو اس کا ہر ممکن دفاع کیا جائے۔

خیر خواہی رسول اللہ کے لئے:

بعض روایات میں اس کے بعد ''ولرسولہ'' بھی ہے، اس کے معنی: ''خیر خواہی رسول اللہ کے لئے'' یہ ہے کہ ان پر ایمان لائے اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو۔ ''مسلمانوں کے سربراہوں'' کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ جائز امور میں ان کی اطاعت اور تعاون کیا جائے اور اگر وہ خلاف شرع کام کرنے لگیں یا کرنے کا حکم دیں تو اپنی طاقت کے بقدر حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

''ائمہ'' میں علماء بھی شامل ہیں جو لوگوں کی دینی رہنمائی کرتے ہیں، ان کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی عزت وتکریم کی جائے، شرعی احکام اور دینی مسائل میں قرآن وسنت کے مطابق جو کچھ وہ کہیں، اس کو قبول کیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

''وعامتھم'' اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ان کے حق میں دنیا اور آخرت کے لحاظ سے بہتر ہو، ان کو تکلیف پہنچانے سے پرہیز کیا جائے، ان کو راحت رسانی کی کوشش کی جائے اور ان کے حقوق ادا کئے جائیں۔ یہ حدیث سارے دین کا خلاصہ ہے، اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے

حقوق کا بھی ذکر ہے اور بندوں کے حقوق کا بھی، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باب کی دوسری حدیث میں حضرت جریر بن عبداللہ کی بیعت کا ذکر ہے جس میں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا بیان ہے، اس میں پہلی دو چیزیں حقوق اللہ کی طرف اشارہ کررہی ہیں، اور والنصح لکل مسلم سے حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق کا ثبت ہے، نماز کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ یہ دونوں ایمان کے بعد اہم ہیں اور مشہور بھی ہیں، تاہم اس میں اسلام کے باقی ارکان روزہ اور حج بھی داخل ہیں۔ ان کی نفی کرنا مقصود نہیں۔

والنصح لکل مسلم اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا عجیب واقعہ:

ابوالقاسم طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے غلام کو حکم دیا کہ ان کے لئے گھوڑا خریدے غلام نے ایک گھوڑا تین سو روپیہ میں خرید اور قیمت ادا کرنے کے لئے بائع کو بھی ان کی خدمت میں حاضر کردیا۔ جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا گھوڑا تین سو روپیہ سے زیادہ کا ہے چار سو روپے میں اس گھوڑے کو دے دے اس نے کہا چار سو روپیہ میں لے لیجئے پھر فرمایا تیرا گھوڑا تو چار سو سے بھی زائد کا ہے اسی طرح آٹھ سو تک پہنچ گئے اور آٹھ سو روپے میں اس گھوڑے کو خریدا اور فرمایا کہ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ”نصیحۃ لکل مسلم“ پر بیعت کی ہے اس واقعہ سے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی دیانت و امانت اور منقبت وفضیلت معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدہ پر کس درجہ عمل فرمایا ہے۔

فائدہ: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں صرف اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ پر بیعت کا ذکر ہے کیونکہ یہ دونوں عبادات بدنیہ و مالیہ کے اصول ہیں اور دونوں ارکان اسلام میں سے اہم رکن ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت ان پر صوم وحج فرض نہ ہوا ہو مگر یہ مشکل ہے کیونکہ جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا جریر رضی اللہ عنہ اسی سال مشرف با اسلام ہوئے ہیں۔

والنصح لکل مسلم: ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی مسلمان عام ہو یا خاص پیش نظر زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الاداب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق 8/703)

بیعت کی تعریف اور اس کا حکم:

بیعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کامل بزرگ متبع سنت کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ اس کی رہنمائی میں دین پر چلنے کا عہد کرنا۔ اس کا قدیم اور مسنون طریقہ یہی چلا آرہا ہے کہ بیعت کے وقت بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا جائے، اگرچہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا لازم اور ضروری نہیں ہے، جس کام پر بیعت کی جائے اس کی پابندی شرعاً ضروری اور واجب ہے اور خلاف ورزی حرام ہے۔

روایت سے اعمال پر بیعت کا ثبوت معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قسم کی بیعت ثابت ہے: (1) بیعت سمع وطاعت (2) امام المسلمین سے مناقشہ نہ کرنے پر (3) سچ بولنے پر (4) انصاف کرنے پر (5) اپنے سے زیادہ کسی کو حصہ دینے پر (6) ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنے پر (7) جنگ سے نہ بھاگنے پر (8) لڑتے لڑتے مرجانے پر (9) جہاد پر (10) ہجرت پر (11) ترک معاصی پر کما قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ ... يُبَايِعْنَكَ﴾ (الممتحنۃ:۱۲) ماخوذ من المبایعۃ اس سے مراد کسی سے عہد کرنا ہے۔ اقام الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کا ادا کرنا۔

اصلاح کرنا فرض ہے:

ہر مسلمان مرد وعورت پر اپنی اصلاح کرنا فرض ہے، اور تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جب تک کسی اللہ والے سے رابطہ نہ ہو، نفس کی اصلاح نہیں ہوتی، اور اسلامی احکام پر چلنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے اپنی اصلاح کے لئے کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق تو ضروری ہے، البتہ رسمی بیعت کرنا ضروری نہیں، کسی نیک بزرگ سے مناسبت کے بعد بیعت کرلی جائے تو بہتر ہے، لیکن بیعت مقصود نہیں، اصل مقصد نفس کی اصلاح ہے، یہ بیعت کے بغیر بھی کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ آج کل اصلاح نفس سے عوام تو کیا ، علماء بھی غافل ہو چکے ہیں، جب کسی سے اس موضوع پر بات کی جاتی ہے تو یہ جواب آتا ہے کہ اس زمانے میں ایسا کوئی شیخ ہی نہیں کہ جس سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے ،لیکن ان کی یہ بات غلط ہے، ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جو واقعی شیخ کامل ہوتے ہیں، جستجو اور تلاش کی ضرورت ہے۔ (مزید تفصیل احقر کی تصنیف تزکیۃ النفوس کو دیکھئے)

شیخ کامل کی پہچان:

شیخ کامل وہ شخص ہوتا ہے جو شریعت کا پابند ہو، سنت پر چلنے کا اہتمام کرتا ہو، بدعات و رسوم اور خلاف شرع کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ (1) ضرورت کے موافق علم دین رکھتا ہو۔ (2) اس کے عقائد، اعمال اور اخلاق شریعت کے مطابق ہوں۔ (3) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ (4) اپنے کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ (5) کسی شیخ کا کامل متبع سنت کی خدمت میں رہا ہو اور اس کی طرف سے بیعت لینے کی اسے اجازت حاصل ہو۔ (6) اس زمانے کے علماء اور بزرگان دین اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں۔ (7) اس سے تعلق رکھنے والے سمجھدار اور دیندار لوگ ہوں اور اکثر شریعت کے پابند ہوں۔ (8) وہ اپنے مریدوں کی اصطلاح کا خیال رکھتا ہو اور شریعت کے خلاف ان سے کوئی کام ہو جائے تو اس پر روک ٹوک کرتا ہو۔ (9) اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہو اور دنیا کی محبت میں کمی ہو۔ (10) اس میں دوسروں کی اصلاح کی صلاحیت ہو، گندے اخلاق کے چھوڑنے اور اخلاق حسنہ کی تلقین کرتا ہو۔ جس انسان میں یہ علامات ہوں وہ شیخ کامل ہے، اس سے اصلاحی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے، اور جس میں یہ صفات نہ پائی جائیں اس سے اصلاحی تعلق قائم کرنا جائز نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ

باب ۱۹: یہ باب مسلمان کی مسلمان پر شفقت (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

(۱۸۵۳) مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَّسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ فِي الدُّنْيَا يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص کسی مسلمان سے کسی دنیوی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص سے قیامت کی تکالیف کو دور کرے گا جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست کو آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کو دنیا اور

آخرت میں آسانی فراہم کرے گا جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا انسان جب تک اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔

تشریح: المسلم اخو المسلم: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں کا معاملہ، معاشرت، بھائیوں کی طرح ہو کہ دونوں میں الفت ومحبت ہو ایک دوسرے کے ساتھ نرم خوئی اور خندہ پیشانی سے پیش آئے اور باہم ایک دوسرے کا تعاون کریں آپس میں حسد وبغض نہ رکھیں اور ہر ایک میں دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ اور اعلیٰ درجہ ہو لفظ اخ میں ان جملہ امور کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح لا یخونہ سے فرمائی گئی ہے۔"

لا یخونہ ماخوذ من الخیانۃ لا یخذلہ: بضم الذال المعجمعۃ ماخوذ من الخذلان" اس کے معنی "ترك النصرة والمعاونة" کے ہیں یہ دونوں جملے خبر بمعنی انشاء ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی مسلمان بھائی کو تعاون کی ضرورت پڑے تو بغیر عذر شرعی کے اس کا تعاون کرے ایسا نہ ہو کہ اس کو اسی طرح چھوڑ دے اور وہ رسوا وذلیل ہو جائے۔

حرام عرضہ: ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ مسلمان کی آبرو وعزت کا احترام کرے خواہ اس کا تعلق بدن سے ہو یا حسب و نسب سے اسی طرح اس کا مال وخون سب محترم ہیں ان کی صیانت وحفاظت ضروری ہے ان کا ضائع کرنا جائز نہیں۔

التقویٰ ھھنا: ایک مسلمان کی روایت میں ہے "یشیر الی صدرہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ کا محل قلب ہے جو پوشیدہ ہے اس لئے یہ جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو غیر متقی کہا جائے اور اس کی عزت وآبرو کو ضائع کیا جائے بلکہ مسلمان ظاہر میں خواہ متقی ہو یا نہ ہو بہر صورت اس کی عزت وآبرو اور مال وخون کی حفاظت لازم ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کا محل قلب ہے جس شخص کے دل میں تقویٰ ہوگا وہ کسی مسلمان کی ہرگز تحقیر نہ کرے کیونکہ متقی کسی کی تحقیر نہیں کرتا۔

مسلمان کے مسلمان پر حقوق:

اہل قرابت کے علاوہ دیگر اجنبی مسلمانوں کے بھی حقوق ہیں، اصفہانی نے الترغیب والترہیب میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ حقوق ذکر کئے ہیں: (1) مسلمان بھائی کی خطاء ولغزش کو معاف کرنا۔ (2) اس کے رونے پر رحم کرنا۔ (3) اس کے عیب کو چھپانا۔ (4) اس کے عذر کو قبول کرنا۔ (5) اس کی تکلیف کو دور کرنا۔ (6) ہمیشہ اس کی خیر خواہی کرتے رہنا (7) اس کی حفاظت ودیکھ بھال کرنا۔ (8) اس کی ذمہ کی رعایت کرنا۔ (9) بیمار کی عیادت کرنا۔ (10) انتقال ہو جائے تو نماز جنازہ کے لئے حاضر ہونا۔ (11) اس کا ہدیہ قبول کرنا۔ (12) اس کی دعوت قبول کرنا۔ (13) اس احسان کی مکافات کرنا۔ (14) اس کے انعام کا شکر ادا کرنا۔ (15) موقع پڑنے پر اس کی مدد ونصرت کرنا۔ (16) اس کے اہل وعیال کی حفاظت کرنا۔ (17) اس کی حاجت پوری کرنا۔ (18) اس کی درخواست سننا۔ (19) اس کی سفارش قبول کرنا۔ (20) اس کو مراد سے ناامید نہ کرنا۔ (21) اس کی چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔ (22) اگر اس کی گم شدہ چیز ملی ہو تو اس تک پہنچانا۔ (23) اس کے سلام کا جواب دینا۔ (24) خوش خلقی اور نرمی سے گفتگو کرنا۔ (25) اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ (26) اگر اس سے متعلق وہ قسم کھائے تو اس کو پورا کرنا۔ (27) اس کی ظلم کے وقت مدد کرنا۔ (28) محبت کا معاملہ کرنا دشمنی نہ کرنا۔ (29) اس کو رسوا نہ کرنا۔ (30) جو بات خود کو پسند ہو اس کے لئے

بھی پسند کرنا ایک حدیث میں یہ چند حقوق اور منقول ہیں۔ (31) ملاقات کے وقت سلام و مصافحہ کرنا۔ (32) باہم کوئی رنجش ہوتو تین دن سے زائد قطع کلامی نہ کرنا۔ (33) اس کے متعلق بدگمانی کرنا۔ (34) اس سے بغض وحسد نہ کرنا۔ (35) بقدر امکان امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا۔ (36) چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت کرنا۔ (37) دو مسلمانوں میں نزاع ہو جائے تو ان میں باہم صلح کرانا۔ (38) اس کی غیبت نہ کرنا۔ (39) اس کی آبرو و مال میں کسی قسم کا ضرر نہ پہنچانا۔ (40) اگر اس کی اپنی سواری پر سوار نہ کر سکے یا اس کا سامان نہ اٹھا سکے تو کم از کم اس کو سہارا لگا دینا۔ (41) اسے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا۔ (42) تیسرے شخص کو چھوڑ کر دو شخصوں کا آپس میں بات نہ کرنا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان جملہ حقوق کی طرف مختلف ابواب قائم کر کے اشارات کئے ہیں: ھذا حدیث حسن غریب اخرجه مسلم۔

المؤمن للمؤمن: ان دونوں میں الف لام جنسی ہے، یشد بعضہ یہ جملہ حالیہ ہے یا صفت ہے یا جملہ مستانفہ ہے جو وجہ شبہ بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا۔

بعضًا: یشد کا مفعول ہے اور علامہ کرمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے بعض حضرات فرماتے ہیں:

روایت کا حاصل: جس طرح ایک دیوار کی اینٹیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر قوت حاصل کرتی ہیں اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے اُمورِ دُنیا و آخرت میں مددگار اور معاون ہونا چاہئے کہ یہ دونوں مسلمان بھائیوں کے لیے قوت کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے معاون بندے کی مدد فرماتے ہیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعاً منقول ہے:

"واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیه"

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مسلمانوں کے حقوق کی عظمت اور ان کے آپس میں ترحم و ملاطفت اور ایک دوسرے کی مدد کے بارے میں صریح حکم معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ امور معنویہ سمجھانے کے لیے تشبیہ اور ضرب الامثال جائز ہے۔ ھذا حدیث حسن صحیح: اخرجه البخاری و مسلم و فی الباب عن علی رخرجه احمد و ابی ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اخرجه الشیخان و احمد۔

آئینہ چہرہ کی اچھائیاں اور برائیاں بتا دیتا ہے جو خود اس کو معلوم نہیں ہوتی ہیں اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے کہ وہ اپنے بھائی مؤمن کی اچھائیاں اور برائیاں بتا دے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے اس کو دور کرلو۔

دوم: جس طرح انسان اپنے چہرے کے داغوں کو آئینہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے اور اس کو دور کرتا ہے اسی طرح مومن کو چاہئے کہ دوسرے مومن کے عیوب دیکھ کر اپنا محاسبہ کرے ان سے بچنے کی کوشش اور اصلاح کی فکر کرے گویا دوسرے کے عیوب دیکھنے کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنالے۔

مرآۃ المؤمن: اس مختصر جملہ میں تشبیہ سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

اوّل: اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے عیوب بتانے والے شخص کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے اور اس پر ناراض نہ ہونا چاہئے، جس طرح آئینہ میں اپنے چہرے کے عیوب دیکھ کر آئینہ کو نہیں توڑتا بلکہ اس کو صاف کر کے حفاظت سے رکھتا ہے اسی طرح عیب بتانے والے مؤمن بھائی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے۔

دوم: دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ جس طرح آئینہ چہرے کے اتنے ہی داغوں کو بتاتا ہے جتنے داغ اس پر ہوتے ہیں اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اپنے بھائی کے عیوب اور غلطیوں کو اسی قدر بتائے جو اس میں پائے جاتے ہیں بڑھا چڑھا کر مبالغہ سے نہ بتائے۔

سوم: جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کی عیب اسی کو بتاتا ہے اور کسی کو نہیں بتاتا اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اپنے بھائی کے عیوب صرف اسی کو بتائے دوسروں سے نہ کہے اور نہ اس کو لعنت وملامت کرے۔

چہارم: انسان جب بھی آئینہ کے سامنے آتا ہے فوراً آئینہ چہرے کے داغوں کو بتا دیتا ہے اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اپنے مؤمن بھائی کی غلطیوں پر فوراً متنبہ کردے اگر وہ اصلاح نہ کرے تب بھی اس کو بتاتا رہے اکتائے نہیں، قال تعالیٰ: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الذاریات:۵۵)

پنجم: ممکن ہے آئینہ کے ساتھ تشبیہ دیکر جانبین کو متنبہ کرنا ہو اس بات پر کہ دونوں کے قلوب آئینہ کی طرح صاف وشفاف رہنے چاہئیں بغض وعداوت، تحقیر وتذلیل اور کدورت کسی کے دل میں نہ ہو۔

فائدہ: حدیث شریف میں چند امور مذکور ہیں اول جو شخص کسی کی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دُور فرمائیں گے۔

اعتراض: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الانعام:۱۶۰) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مصیبت دنیا کے دور کرنے پر دس مصائب آخرت کے دور ہونے چاہئیں۔

جواب: قیامت کے دن کی ایک مصیبت دنیا کی ہزار ہا مصائب سے بڑھ کر ہے اگر دنیوی ایک مصیبت کے ازالہ کے بدلہ قیامت کے دن کی ایک مصیبت کا ازالہ ہو جائے تب بھی کیفاً متعدد گنا، ازالہ مصائب پایا جائے گا لہٰذا حدیث مذکور میں بیان کردہ جزاء آیت شریفہ کے منافی نہیں ہے اور ان روایات کے خلاف نہیں جن میں جزاء اخروی کو سات سو گنا تک بیان فرمایا گیا اس لئے کہ آیت شریفہ میں مضاعفت عام ہے خواہ کیفاً ہو یا کماً۔

من ستر علی مسلم: جو شخص کسی مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کرے خواہ ان عیوب کا تعلق اس کے بدن سے ہو یا اس کے اخلاق وکردار سے ہو یا نسب ونسبت سے ہو یا عام معاشرہ سے متعلق عیوب ہوں ان کی پردہ پوشی کرے۔

سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: یعنی مسلمان کی پردہ پوشی کرنے والے کی اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کو دنیا وآخرت میں رسوا نہ فرمائیں گے۔

تنبیہ: اگر ایسے عیوب وذنوب ہیں جو حدودِ الٰہی کے قبیلہ سے ہیں یا ان کے چھپانے سے لوگوں کو دینی یا دنیوی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر اظہار ضروری ہے اسی طرح کوئی منکر فعل میں مبتلا ہے اور بقدر طاقت اس پر نکیر کردی گئی مگر پھر بھی وہ شخص اس امر منکر سے باز نہیں آیا تو حاکم کے یہاں اصلاح کی نیت سے اظہار کرنا ضروری ہے اور یہ ستر مسلم کے خلاف نہیں ہے۔

واللہ فی عون العبد... الخ: بخاری ومسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں "من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته" جو شخص کسی مسلمان بھائی کی مدد کرتا ہے اور اس کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی سعی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہیں اور اس کی تمام حاجات پوری فرما دیتے ہیں، مسلمان شخص کی امداد کے بارے میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے اللہ تعالیٰ

اس بندے کی سعی کو ایسا مقبول فرماتا ہے کہ خود اس مدد کرنے والے کی مدد فرماتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تو پھر اور کس کی مدد کی ضرورت ہے۔

سند کا حال: وقد روی ابو عوانة و غیر واحد هذا الحدیث عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ: یعنی اعمش نے ابو صالح سے اس روایت کو دو طرح نقل کیا ہے اول بصیغہ "حدثت" جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمش نے براہ راست ابو صالح سے نہیں سنا ابو صالح کی جانب سے یہ روایت ان کو نقل کی گئی ہے اور ناقل معلوم نہیں تو اس صورت میں یہ روایت منقطع ہوئی یہ اسباط بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ہے جو یہاں ترمذی نے نقل کیا ہے۔ دوم وہ طریق ہے جس کی طرف موصوف مذکورہ عبارت سے اشارہ فرما رہے ہیں یعنی اسی روایت کو جب ابوعوانہ اور دوسرے حضرات نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمش نے براہ راست ابو صالح سے سماع فرمایا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تطبیق: دونوں طریق کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے اعمش نے اولاً یہ روایت جس واسطہ سے سنی تھی تو اس وقت "حدثت" بصیغہ مجہول کہہ کر روایت نقل کرتے رہے جس کو اسباط بن محمد نے نقل فرمایا ہے پھر ان کی ملاقات براہ راست ابوصالح سے ہوگئی اور اس روایت کو انہوں نے ان سے سنا تو پھر انہوں نے عن ابی صالح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ کہہ کر نقل کر دیا جس کو ابوعوانہ وغیرہ نے نقل کیا ہے اسی کی طرف امام موصوف نے وقد روی ابو عوانة الخ سے اشارہ فرمایا ہے مگر یہ یاد رہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحدود میں روایت کے دونوں طریق بیان کئے ہیں اور طریق اتصال کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَآءَ فِى الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ

باب ۲۰: مسلمان (کی عزت) کے دفاع (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۵۴) مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے جو شخص اپنے بھائی کی عزت سے (نقصان پہنچانے والی چیز) کو دور کردے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے جہنم کو دور کر دے گا۔

تشریح: مسلمان کی عزت کے دفاع کی فضیلت: اس روایت سے مسلمان کے باہمی معاملات، تعاون وتعاضد دفع مضرت، جلب منفعت اور خیر خواہی کی فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ سب امور جنت میں داخلہ کا ذریعہ اور جہنم کی آگ سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اس حدیث میں اس آدمی کی فضیلت کا ذکر ہے جو دوسرے مسلمان کی عزت وآبرو کا دفاع کرتا ہے، دوسرا شخص کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے، یہ شخص اسے منع کرتا ہے کہ غیبت نہ کرو، چونکہ آبرو ریزی اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے اس لئے جو شخص کسی مسلمان کی عزت وآبرو بچاتا ہے، اس کا دفاع کرتا ہے، اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے یعنی اس کی ذات سے جہنم کی آگ کو دور کریں گے۔ "چہرے" کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کہ تمام اعضاء میں سب سے اشرف اور محترم عضو چہرہ ہوتا ہے۔ ورنہ پورا جسم مراد ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ کَرَاهِیَةِ الْهِجْرَةِ لِلْمُسْلِمِ

باب ۲۱: (مسلمان بھائی) ترک ملاقات کی کراہت

(۱۸۵۵) لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ یَّلْتَقِیَانِ فَیَصُدُّ هٰذَا وَیَصُدُّ هٰذَا وَخَیْرُ هُمَا الَّذِیْ یَبْدَاُ بِالسَّلَامِ۔

ترجمہ: حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ لاتعلق رہے یوں کہ جب وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو یہ اس سے منہ پھیر لے اور وہ اس سے منہ پھیر لے ان دونوں میں زیادہ بہتر وہ ہوگا جو سلام میں پہل کرے۔

تشریح: ترک ملاقات کے دو درجے: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترک ملاقات کے دو درجے ہیں:

① بالکل تعلقات ختم کر دیئے جائیں، سلام تک چھوڑ دیا جائے۔

② زیادہ تعلق نہ رکھا جائے، البتہ کبھی کبھار سلام وکلام کر لیا جائے۔ حدیث میں مذکورہ وعید اس وقت ہے جب انسان ترک ملاقات پہلے درجے کی کرے، لیکن اگر کوئی شخص کسی خاص وجہ سے ترک تعلق دوسرے درجے کا کرتا ہے تو یہ اس وعید میں نہیں آتا، یہ جائز ہے۔

تین دن سے زیادہ ترک ملاقات جائز نہیں:

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو اپنی معاشرتی زندگی اس انداز سے گزارنی چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں سے تعلقات بنا کر رکھے، مسلمان بھائی ''خواہ رشتہ دار ہو یا عام کوئی شخص ہو'' بلاوجہ کسی سے بھی تعلقات منقطع کرنا اور ان سے سلام وکلام چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے آپس میں ناراضگی ہو جائے تو یہ تین دن سے بڑھنی نہیں چاہئے، حدیث میں ''تین دن'' کا ذکر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک ملنا جلنا چھوڑنا حرام نہیں ہے، کیونکہ کسی بھی ناراضگی کا اثر انسانی طبیعت میں عموماً تین دن تک ضرور رہتا ہے، لہٰذا تین دن تک اگر اس غیظ وغضب کی وجہ سے آپس میں گفتگو وغیرہ چھوڑ دی جائے تو اس کی گنجائش ہے، تاہم تین دن کے بعد یہ ناراضگی نہیں رہنی چاہئے، صلح وصفائی کے ذریعہ اس ناراضگی کو خوش اسلوبی کے ساتھ حل کر لینا چاہئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہجران کی توجیہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے تین دن سے زائد ہجران کو کیوں اختیار فرمایا حالانکہ یہ جائز نہیں ہے؟

جواب: طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دراصل سلام و جواب قاطع ہجرت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا صرف داخل ہونے سے منع فرما دیا تھا جس میں بعض مصالح تھیں، حافظ فرماتے ہیں کہ یہ جواب درست نہیں ہے بلکہ اس سے بہتر جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ دراصل عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں ان پر حجر واقع کروں گا ظاہر ہے کہ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص لازم آئی حتیٰ کہ ان کے جملہ تصرفات کو ابن الزبیر رضی اللہ عنہ روکنا چاہتے تھے حالانکہ وہ

اُم المومنین ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی خالہ بھی تھیں گویا ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان کے بارے میں ایک قسم کا عقوق پایا گیا اور بسا اوقات اجنبی شخص سے اتنی شکایت نہیں ہوتی جتنی قریبی رشتہ دار سے ہوتی ہے لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بطور بدلہ یہ سزا تجویز کی کہ ان سے مکالمہ نہ کیا جائے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے متخلفین ثلثہ سے خود بھی کلام نہیں کیا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہی حکم فرمایا حالانکہ دوسرے متخلفین منافقین سے برابر کلام وسلام جاری رہا بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ترک کلام بطور سزا تھا۔

دینی یا دنیاوی نقصان کے اندیشے سے تعلقات ختم کرنے کا حکم:

اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی شخص سے تعلقات برقرار رکھنے میں دینی اعتبار سے نقصان کا قوی اندیشہ ہے یا دنیاوی لحاظ سے اس سے شدید تکلیف کا خطرہ ہو، تو اس سے تین دن سے زیادہ بھی گفتگو چھوڑی جاسکتی ہے، فتنے کے اس دور میں ہر خاندان میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن سے تعلقات رکھنے میں دینی یا دنیاوی اعتبار سے عموماً نقصان پہنچتا ہے، ایسی صورت میں ان سے الگ تھلگ ہو جانا اور کنارہ کشی اختیار کرنا جائز ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ ایسے لوگوں سے زیادہ تعلقات بیشک نہ رکھے جائیں، لیکن کبھی کبھار سلام و کلام اور ملاقات کرلینی چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے ایسے بہت سے واقعات منقول ہیں، کما مر جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دینی معاملات میں ناراضگی تین دن سے زیادہ بھی باقی رکھی جاسکتی ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ نیت صحیح ہو اور اس میں کسی نفسانی خواہش اور دنیاوی مفاد کا ہرگز دخل نہ ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح، باب ماینھی عنہ من التھاجر 8/758,759۔ شرح الطیبی 9/208)

فائدہ: علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر والد اپنی اولاد سے یا استاد اپنے شاگرد سے، یا شیخ اپنے مرید سے اصلاح و تربیت کے نقطہ نظر سے ترک ملاقات کرے تو بھی یہ تین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیونکہ اس میں منشا ان کی تربیت ہے، بغض و عداوت یا اور کوئی غرض نہیں ہے، اس لئے جب تک اصلاح نہ ہو جائے، ان سے ترک ملاقات جائز ہے۔ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والد کا ہجران بیٹے سے یا شوہر کا بیوی سے جو بطور تادیب و تربیت ہوتا ہے وہ تین دن کے ساتھ مقید نہیں چونکہ اس میں منشاء بغض و عداوت نہیں ہوتا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایک مہینہ ہجران فرمایا تھا اور یہی محمل ہوگا اکابر اور سلف کے ہجران کا جو انہوں نے بطور تربیت مریدین و متوسلین اور لواحقین سے اختیار فرمایا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قطع تعلق کے بعد کسی کو خط لکھے یا کوئی پیغام کسی کے ذریعہ کہلائے تو آیا یہ قاطع ہجرت ہے یا نہیں اس بارے میں ہمارے یہاں دو قول ہیں۔ اول۔ یہ قاطع ہجرت ہے کہ اس سے وحشت دور ہوگئی وھو الاصح، مگر دوسرا۔ قول یہ ہے کہ قاطع ہجرت نہیں چونکہ اس کو عرفاً کلام کرنا نہیں کہا جاتا۔

وخیرھما الذی یبدأ بالسلام: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص سلام میں پہل کرے وہ افضل ہے، کیونکہ اس نے ابتداء کرکے گویا یہ بتادیا کہ میرے دل میں فلاں سے ذاتی طور پر کوئی بغض و عداوت نہیں ہے، یہ اس کی عاجزی اور متواضع ہونے کی علامت ہے۔

نیز حدیث کے اس جملے کی روشنی میں اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ترک تعلق کے بعد اگر اس شخص کو سلام کیا جائے یا سلام کا جواب دیا جائے اور ضرورت کے وقت آپس میں گفتگو کرلیں تو یہ ترک تعلق اور "ہجرۃ" سے نکل جاتا ہے، وعید اس وقت ہے جب سلام اور

ضروری کلام تک نہ کیا جائے۔(فتح الباری، کتاب الأدب، باب الھجرۃ،10/608,609)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پہل کر کے سلام کرے، لیکن دوسرا شخص سلام کا جواب نہ دے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، اس سے ترک تعلقات نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے، کیونکہ سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ سے وہ فاسق ہو گیا ہے اور فاسق کے ساتھ اس وقت تک ترک تعلق کیا جاسکتا ہے جب تک وہ توبہ نہ کرلے۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب ماینھی عنہ من التھاجر 8/759)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ مُوَاسَاۃِ الْاَخِ

باب ۲۲: بھائی کی غمخواری (کی فضیلت) کے بارے

(۱۸۵۶) قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِيْنَةَ اٰخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ سَعْدِبْنِ الرَّبِيْعِ فَقَالَ لَهٗ هَلُمَّ اُقَاسِمْكَ مَالِيْ نِصْفَيْنِ وَلِيَ امْرَاَتَانِ فَاُطَلِّقُ اِحْدَاهُمَا فَاِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّوْنِيْ عَلَى السُّوْقِ فَدَلُّوْهُ عَلَى السُّوْقِ فَمَا رَجَعَ يَوْمَئِذٍ اِلَّا وَمَعَهٗ شَيْءٌ مِّنْ اَقِطٍ وَّسَمْنٍ قَدِ اسْتَفْضَلَهٗ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِّنْ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ فَمَا اَصْدَقْتَهَا قَالَ نَوَاةً قَالَ حُمَيْدٌ اَوْ قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور سعد بن ربیع (انصاری) کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ آئیں میں اپنا مال دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں (اور ایک حصہ آپ کو دے دیتا ہوں) میری دو بیویاں ہیں میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو آپ اس سے شادی کرلیں تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اللہ تعالیٰ آپ کے اہل خانہ اور مال میں برکت نصیب کرے آپ بازار تک میری رہنمائی کریں ان لوگوں نے انہیں بازار تک پہنچا دیا تو اس دن جب حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہوں نے منافع کے طور پر پنیر اور گھی کمایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جب انہیں دیکھا تو ان پر زرد رنگ کا نشان موجود تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا یہ کس وجہ سے ہے انہوں نے عرض کی میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کرلی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تم نے اسے مہر کیا دیا ہے انہوں نے عرض کی ایک گٹھلی جتنا سونا (اس میں راوی کو شک ہے) شاید یہ الفاظ ہیں گٹھلی کے وزن جتنا سونا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولیمہ کرو خواہ ایک بکری (ذبح کر کے دعوت کرو)۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایت سے مسلمان بھائی کی ہمدردی کو ثابت فرمایا کہ سعد بن الربیع نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمٰن کی غمگساری اور ہمدردی جان و مال حتیٰ کہ بیوی کو جائز طریقہ سے پیش کرنے کے ساتھ فرمائی گو حضرت عبدالرحمٰن نے بھی بطور ہمدردی اس کو قبول نہیں فرمایا اور اپنی کمائی کو ترجیح دیتے ہوئے صرف بازار کا راستہ معلوم کر کے خود اپنی کفالت کی حتیٰ کہ مال بھی حاصل کرلیا اور بیوی بھی حاصل کرلی لہٰذا عبدالرحمٰن کی جانب سے بھی مواساۃ پائی گئی ثبتت الترجمہ بلفظ المواساۃ۔ روایت

سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً انصار مدینہ کا وصف خاص ایثار معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان حضرات کی قرآن کریم میں اسحاق بن راہویہ کے یہاں سے پانچ درہم برابر چاندی مراد ہے، اسی پر امام خطابی وغیرہ کا جزم اور یقین ہے، اور اکثر علمائے نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اولم تم ولیمہ کرلو۔

غمخواری اور بھائی چارے کا ذکر:

اس حدیث میں مواخاۃ اور بھائی چارے کا ذکر ہے، جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں آنے کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم کی تھی، انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی فراخدلی سے مہاجرین کے ساتھ تعاون کیا، ہر میدان میں ان کا ہاتھ بٹایا، اپنے مال و متاع اور جائیداد میں انہیں شریک کر کے مالک بنا دیا، جس کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں، اس نے ایک کو باقی رکھ کر باقیوں کو ان کی خاطر طلاق دے دی۔

حدیث باب میں بھی اسی ایثار اور قربانی کا ذکر ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مال کی پیشکش کی، اپنی دوسری بیوی کو ان کے لئے طلاق دینے کا فیصلہ کرلیا لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں دعا دی اور کہا کہ آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیں، انہوں نے محنت اور کوشش کے ذریعہ اپنے خرچ کا بندوبست کیا، کاروبار کے ذریعہ نفع کمایا اور پھر ایک انصاری خاتون سے شادی کرلی، حضور ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ولیمہ کرلو اگرچہ ایک بکری ذبح کر کے ہی ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں، ایک دوسرے کی مدد کرنے اور غمخواری و ہمدردی پر بھائی چارہ قائم کرلیتے تھے، پھر وہ دونوں نسبی بھائی کی طرح ہو جاتے، ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے، اس کو وہ لوگ ''حلف'' کہتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ اور بھائی چارہ قائم کیا، یہ بھائی چارہ بھی اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ یہ لوگ اس کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے وارث بھی تھے پھر جب قرآن مجید کی آیت: ﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (الانفال:۷۵) نازل ہوئی تو میراث کا حکم منسوخ ہوگیا، پھر میراث صرف رشتہ داری کی بنیاد پر ملتی تھی، لیکن بھائی چارہ اس معنی میں کہ ایک دوسرے کی مدد و نصرت اور غمخواری کی جائے، یہ اب بھی باقی ہے، جو قیامت تک جاری رہے گا جس کی بہت زیادہ فضیلت منقول ہے۔

مہمان کے ساتھ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا ایثار:

سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کے گھر رات کو کوئی مہمان آ گیا ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ خود یہ اور ان کے بچے کھا سکیں انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو کسی طرح سلا دو اور گھر کا چراغ (بتی) درست کرنے کے بہانہ گل کردو پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر میں بیٹھ جاؤ کہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں مگر ہم نہ کھائیں تا کہ مہمان بافراغت کھانا کھا سکے، اس پر آیت ﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ... الخ﴾ (الحشر:۹) نازل فرمائی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایثار کا واقعہ نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ بیمار تھے اور انگور کو جی چاہا ان کے لئے ایک درہم میں ایک خوشہ انگور کا خرید کر لایا گیا اتفاق سے ایک مسکین آ گیا اور سوال کیا آپ نے فرمایا کہ یہ خوشہ اس کو دے دو حاضرین میں سے ایک شخص خوفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور وہ خوشی اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پیش کیا مگر یہ سائل پھر آیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

پھراس کودے دیا پھرکوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کوایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پیش کردیا سائل نے پھر آنا چاہا مگر لوگوں نے منع کردیا اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ اطلاع ہوتی کہ یہ وہی خوشہ ہے جوانہوں نے صدقہ میں دے دیا تھا تو ہرگز نہیں کھاتے مگران کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے اس لئے استعمال فرمالیا۔

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل کا ایثار:

ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چارسو دینار ایک تھیلی میں بھر کرغلام کے سپرد کئے کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ کہ یہ ہدیہ ہے قبول کرکے اپنی ضرورت میں صرف کریں اور غلام کو ہدایت کردی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھہر جانا اور دیکھنا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس رقم کو کیا کرتے ہیں غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کردی اور ذرا ٹھہر گیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحمت فرمائے اور اپنی اسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو اور پانچ فلاں کو دے آؤ یہاں تک کہ پورے چارسو دینار اسی وقت تقسیم کردیئے۔غلام نے آکر واقعہ بیان کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی طرح چارسو دینار کی ایک دوسری تھیلی تیار کی ہوئی غلام کو دے کر ہدایت کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں یہ غلام لے گیا انہوں نے تھیلی لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاء کی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان کو صلہ دے اور یہ بھی تھیلی لے کر فوراً تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔

انواع ضیافت: کہ ضیافت کی آٹھ انواع ہیں: (1) الولیمة: جو بموقع عقد نکاح ہو۔ (2) الخرص: بضم الخاء وبالصاد جو ضیافت بوقت ولادت ہو۔ (3) الاعذار: بکسر الهمزه والعین المهمله والدال المعجمه. جو ضیافت بموقع ختان ہو (4) الوکیرۃ: وہ ضیافت جو تکمیل تعمیر کے موقع پر ہو۔ (5) النقیع ماخوذ من النقع بمعنی الغبار. جودعوت بوقت قدم مسافر ہو خواہ مسافر ضیافت کرے یا مسافر کی ضیافت کی جائے۔ (6) العقیقه: بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن جو ضیافت کی جائے۔ (7) الوضیحة: بفتح الواو و کسر الضاد المعجمه جودعوت بوقت مصیبت کی جائے (8) المادبة: بضم الدال وفتحها جودعوت بغیر کسی سبب کے کی جائے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک ضیافت وہ ہے جس کو "حذاق" بکسر الحاء وتخفیف الذال و فی آخرہ قاف کہتے ہیں یہ دعوت ختم قرآن یا کسی کام کی تکمیل کے وقت کی جاتی ہے۔ ان دعوتوں میں سے بعض درست ہیں اور بعض ناجائز اور بعض مکروہ ہیں تفصیل کے لئے مطولات فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔

ولوبشاة: حافظ فرماتے ہیں کہ یہاں لو تقلیل کے لئے ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لو تکثیر کے لئے ہے چونکہ عبدالرحمٰن مالدار ہوگئے تھے اور مراد یہ ہے کہ ایک بکری اگر تم ذبح کرو گے تب بھی تمہارے حق میں اسراف نہ ہوگا۔ بہرحال اس پر اتفاق ہے کہ اس میں کوئی حد مقرر نہیں ہے اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے۔

وزن نواة: اس سے مراد احمد بن حنبل کے نزدیک (3-1/3) درہم کے برابر چاندی ہے اور اسحاق بن راہویہ کے یہاں پانچ درہم کے برابر چاندی مراد ہے:

به جزم الخطابی واختار الزهری و نقله عیاض عن اکثر العلماء و یؤیده روایة النسائی وروایة

البیھقی عن قتادۃ نواۃ من ذھب قومت خمس دراھم۔

مہر کی کم سے کم مقدار متعین ہے یا نہیں؟

① امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کم سے کم مہر متعین نہیں جس مال پر بھی زوجین راضی ہو جائیں وہ مہر ہو سکتا ہے۔

② امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھائی دینار یعنی تین درہم۔

③ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم کم سے کم مہر ہونا ضروری ہے۔

احناف کی دلیل: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ﴾ (الاحزاب:۵۰) اس میں فرضنا کا لفظ مشتمل الاسناد ہونے کی وجہ سے خاص ہے اور یہ دال ہے کہ مہر کی مقدار شارع کی جانب سے مقرر ہے متعین ہے اب دو حال سے خالی نہیں، جانب زیادتی کی عدم تعین پر تو اجماع ہے پھر جانب قلت میں کتنا متعین ہے اس اعتبار سے آیت مجمل ہے لہٰذا بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہے "لا مھر اقل من عشرۃ الدراھم" اس سے معلوم ہوا کہ کم مقدار دس دراہم ہے۔

دلیل ۲: اثر علی پر بھی یہی ہے اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے حکماً مرفوع ہے۔

دلیل ۳: قیاس نصاب سرقہ پر جیسے ید کا معاوضہ دس درہم ہے تو بضع بھی ایک عضو ہے اس کا معاوضہ دس دراہم ہونا چاہیے۔

دلیل شوافع: حدیث الباب جس مین نعلین کا ذکر ہے یعنی حدیث نعلین بنو فزارہ کی ایک عورت نے نعلین پر نکاح کیا اور ظاہر ہے کہ اس زمانے کے اعتبار سے نعلین کی مالیت دس دراہم سے کم ہوگی۔

دلیل ۲: حدیث خاتم حدید،، سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: انی وھبت لك نفسی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں وہ کافی دیر کھڑی رہی حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ کر دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ مہر موجود ہے کہ کچھ نہیں بجز ازار کے تو آپ نے فرمایا اگر ازار اس کو دے دی تو بغیر ازار کے رہ جاؤ گے تو آپ نے فرمایا تلاش کرو اگر لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو اور لامحالہ اس کی مالیت دس دراہم سے کم ہوگی مال تلاش کیا لیکن کچھ نہ ملا۔

دلیل ۳: حدیث وزن نواۃ من ذھب طریق استدلال یہ ہے کہ اس کا وزن ۳، ۱،۳ درہم ہے یا پانچ درہم ہے۔

قدرے مشترک جواب یہ اس زمانے کے واقعات ہیں جب ابھی تک آیت کریمہ نازل نہیں ہوئی تھی اور ابھی مہر کی اقل مقدار متعین نہیں ہوئی تھی۔ باقی رہا مقدار مہر کا مسئلہ یہ کتاب النکاح میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْغِيْبَةِ

باب ۲۳: غیبت (کی حقیقت) کے بارے

(۱۸۵۷) قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا الْغِيْبَةُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قَالَ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیبت سے مراد کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا

اپنے بھائی کا ذکر ایسی چیز کے ہمراہ کرنا جو اس کو ناپسند ہو (سوال کرنے والے نے) عرض کی آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ چیز واقعی اس میں موجود ہو جو میں نے کہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو تم نے کہی ہے اگر وہ واقعی اس میں موجود ہو تو پھر تم نے اس کی غیبت کی اور جو تم نے کہا ہے اگر وہ اس میں موجود نہ ہو تو تم نے اس پر الزام لگایا۔

تشریح: سائل نے غیبت کی حقیقت آپ ﷺ سے دریافت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ذکرك اخاك بما یکرہ" یعنی کسی مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو وہ سنتا تو اس کو ایذا ہوتی اگرچہ وہ سچی بات ہی ہو یہ بھی یاد رہے کہ غیر موجودگی کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موجودگی کی حالت میں تکلیف دہ بات کہنا جائز ہے۔ البتہ وہ غیبت تو نہیں مگر تہمت میں داخل ہے اس کی حرمت بھی قرآن کریم میں منصوص ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (الحجرات:۱۱)

غیبت کی حرمت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ...الآیۃ﴾ (الحجرات:۱۲) غیبت کرنے والے کو مردار بھائی کو گوشت کھانے کے بعد تشبیہ دے کر اس کی حرمت کو واضح فرمایا ہے کہ جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح غیبت بھی حرام ہے کہ پیٹھ پیچھے کسی کو برا کہنا کوئی بہادری کا کام نہیں نیز کسی کے سامنے اس کے عیوب ظاہر کرنا بھی اگرچہ ایذاء رسانی کی وجہ سے حرام ہے مگر اس کی مدافعت وہ خود بھی کر سکتا ہے اور اسی خطرہ سے کسی کی ہمت بھی نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس کے سامنے عیب ظاہر کرے اور عادۃً زیادہ دیر تک سامنے برائی بھی نہیں کر سکتا برخلاف غیبت کے کہ وہاں کوئی مدافعت کرنے والا نہیں اسی وجہ سے ہر کمتر سے کمتر آدمی بڑے سے بڑے کی غیبت کر بیٹھتا ہے اور اس سلسلہ عموماً طویل ہو جاتا ہے اور اس میں ابتلاء بھی زیادہ ہے اس لئے غیبت کی حرمت شدید لہٰذا عام مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ جب اپنے مسلمان بھائی کی کوئی برائی سنے تو بشرط قدرت اس کی طرف سے مدافعت کرے اگر افعت پر قدرت نہ ہو تو کم از کم اس کے سننے سے پرہیز کرے کیونکہ غیبت کا قصد وارادہ سے سننا ایسا ہی ہے جیسے خود غیبت کرنا۔

غیبت سننا بھی حرام ہے:

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے، سننا بھی ویسا ہی حرام ہے، لہٰذا اس آدمی کے سامنے جب کسی کی غیبت شروع کی جائے تو اس روکنے کی کوشش کرے، روک نہ سکے، تو اسے سننے سے ضرور پرہیز کرے، کیونکہ قصد وارادے سے کسی کی غیبت سننا بھی غیبت کرنے کے حکم میں ہوتا ہے، اس کے بارے میں حضرت میمون رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے ایک زندگی کا مردہ جسم ہے، اور مجھے کہا جا رہا ہے کہ اسے کھاؤ، میں نے کہا: کیوں، اس نے کہا: اس لئے کہ تو نے فلاں کی غیبت کی ہے، میں نے کہا: خدا کی قسم میں نے تو اس کے متعلق کوئی اچھی بری بات نہیں کی، تو اس شخص نے کہا: ہاں، لیکن تو نے اس کی غیبت سنی تو ہے اور تو اس پر راضی بھی رہا، اس خواب کے بعد حضرت میمون کا حال یہ تھا کہ وہ نہ تو کسی غیبت کرتے تھے اور نہ اپنی مجلس میں کسی کی غیبت کرنے دیتے تھے۔

چند صورتوں میں غیبت کی اجازت ہے:

مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں، بشرطیکہ وہ ضرورت اور مصلحت شرعاً

معتبر ہو۔

① کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے۔

② کسی کی اولاد اور بیوی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے۔

③ حدیث کے راویوں اور گواہوں کا حال بتانا۔

④ کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے اصل صورتحال بتانا۔

⑤ مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا، کسی معاملے کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اس کا حال بتانا۔

⑥ جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے گناہ کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے، اس کے برے اعمال کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں، مگر بلا ضرورت اپنا وقت ضائع کرنے کی وجہ سے مکروہ ہے، حاصل یہ کہ کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت اور مجبوری سے غیبت کی گئی ہو تو یہ جائز ہے۔ (شرح مسلم اللنوی باب تحریم الغیبة ۲/۳۲۲)۔

اسی طرح اگر انسان کسی کو متعین کئے بغیر عمومی الفاظ سے کسی عیب وغیرہ کا ذکر کرے مثلاً بعض لوگوں نے کہا، یا فلاں علاقے کے لوگوں کا یہ طرز عمل ہے، یہ انداز بھی غیبت میں داخل نہیں ہے۔

اسباب غیبت:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں تفصیل سے اسباب غیبت بیان فرماتے ہیں کہ غیبت کے تو بے شمار اسباب ہیں مگر مجموعی طور پر وہ گیارہ اسباب کے ضمن میں آجاتے ہیں جن میں سے آٹھ کا تعلق عوام سے ہے اور تین کا تعلق خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔

اوّل: کینہ وغضب۔ **دوم:** موافقت دوستاں۔ **سوم:** احتیاط وسبقت مثلاً کوئی آدمی یہ سوچتا ہے کہ فلاں شخص میری تاک میں ہے وہ فلاں کے یہاں میری برائی کرے گا تو بسا اوقات خود سبقت کر کے اس کی غیبت کر بیٹھتا ہے۔ **چہارم:** برائت مثلاً اس کام کو میں نے ہی نہیں کیا بلکہ فلاں بھی اس میں شریک ہے اپنی برأت کے لئے دوسرے کو شریک کر کے اس کی غیبت کر دیتا ہے۔ **پنجم:** مفاخرت اور برائی کا اظہار دوسرے میں عیب نکال کر اپنی بڑائی اور برتری ظاہر کرنا۔ **ششم:** حسد۔ **ہفتم:** دل لگی تاکہ محفل میں دلچسپی پیدا ہو۔ **ہشتم:** تحقیر۔

خواص کے تین اسباب غیبت یہ ہیں: اوّل: تعجب: کبھی کسی دیندار شخص سے کوئی غلطی صادر ہوتی ہے تو تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ہمیں اس عمل پر حیرت ہے اظہار حیرت میں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر نام لینا درست نہیں۔

دوم: جذبہ شفقت: یعنی کسی کی حالت پر غم زدہ ہو جائے اور اسے امر معیوب میں مبتلا دیکھ کر کہے کہ فلاں شخص کی موجودہ حالت نے مجھے مضطرب کر دیا مجھے اس کی حالت پر افسوس ہے، افسوس کا دعویٰ صحیح اور جذبہ بھی اچھا ہے لیکن نام لینا غیبت ہو گیا۔

سوم: اللہ کے لئے غصہ، حمیتِ دینی سے متاثر ہو کر بسا اوقات غصہ آتا ہے اور نام لے کر اس کا اظہار کر دیتا ہے یہ غیبت میں داخل ہے۔

غیبت کے نقصانات:

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے،

اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوچ رہے ہیں، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل امین علیہ السلام سے پوچھا کی یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبرو ریزی کرتے تھے۔

② حضرت مستورد سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص غیبت کر کے کسی مسلمان کا ایک لقمہ بھی کھائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جہنم سے اس کی مثل کھلائے گا۔ (سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ۔ 2/320)

③ حضرت ابو سعید خدری اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے، پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی۔

(شعب الایمان لابی بکر احمد بن حسین البیہقی، باب فی تحریم اعراض الناس: 5/306)

غیبت کا ازالہ کیسے کیا جائے؟

غیبت ایک ایسا سنگین گناہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ضائع ہوتا ہے اور بندے کا حق بھی، اس لئے جس شخص کی غیبت کی گئی ہے، اس سے معاف کرانا ضروری ہے، بشرطیکہ اس کے علم میں آچکا ہو کہ اس نے میری غیبت کی ہے جب تک اس سے معاف نہیں کرائے گا اس وقت تک یہ گناہ معاف نہیں ہوگا اور معاف کرانے کے لئے پوری تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے، مختصر انداز میں کبھی نکل گئے ہوں انہیں درگزر کر دیں۔

اور اگر غیبت کی خبر اس بندے تک نہ پہنچی ہو یا جس کی غیبت کی ہے وہ مر گیا ہے یا دور دراز علاقے میں رہتا ہے یا اس کا کچھ پتہ ہی نہیں تو اس صورت میں گو اس سے معاف کرانا ضروری نہیں مگر جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اس کے سامنے اپنی تکذیب کرنا یا اپنے گناہ کا اقرار کرنا ضروری ہے اور جس کی غیبت کی ہے، اس کے لئے کثرت سے توبہ و استغفار کرتا رہے اور اس کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگتا رہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس گناہ کا ازالہ ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْحَسَدِ

باب ۲۴: حسد (کی حرمت) کے بارے

(۱۸۵۸) لَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا وَّلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آپس میں لاتعلقی اختیار نہ کرو ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور آپس میں حسد نہ کرو اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو کسی بھی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ لاتعلق رہے۔

(۱۸۵۹) لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ

الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ.

ترجمہ: حضرت سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشک صرف دو طرح کے آدمیوں پر کیا جاسکتا ہے ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسے خرچ کرتا ہو دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قران کا (علم) عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسی کے حوالے سے مصروف رہتا ہو۔

تشریح: وَلَا تَحَاسَدُوْا: ایک دوسرے کی نعمتوں کے زوال کی تمنا نہ کرو۔ الحسد: غیر کی نعمت کو دیکھ کر اس کے ختم ہونے کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے وہ نعمت خواہ خود کو حاصل ہو یا نہ ہو البتہ اگر اپنے حصول کے لئے تمنا ہو اور غیر سے اس نعمت کے ختم ہونے کو نہ چاہے تو یہ غبطہ کہلاتا ہے حسد کرنا حرام ہے اور غبطہ کی اجازت ہے۔

غبطہ کا حکم؟ نعمتیں اگر ایسی ہوں جن کا حاصل کرنا مسلمان پر واجب ہے تو ان نعمتوں پر غبطہ کرنا واجب ہے مثلاً ایمان، صلوٰۃ، صوم وغیرہ اگر وہ نعمتیں فضائل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ تو پھر غبطہ مستحب ہے اگر ایسی نعمتیں ہیں ہیں جن سے بہرہ ور ہونا جائز ہے تو غبطہ مباح ہے کیونکہ کسی صاحب نعمت کی برابری کی خواہش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ مباحات میں برابری کی خواہش زاہد و توکل ورضا کے ضرور خلاف ہے اور اعلیٰ مقامات میں رکاوٹ ہے مگر نافرمانی کا باعث نہیں ہے۔

حسد کے چار مراتب ہیں: اوّل: یہ کہ دوسرے سے نعمت کا زوال چاہے خواہ اس کو وہ نعمت حاصل ہو یا نہ ہو۔

دوم: دوسرے سے اس نعمت کے زوال کو چاہے تا کہ اس کو وہ نعمت حاصل ہو جائے۔

سوم: ابتداءً تو کسی نعمت خاص کے زوال کو دوسرے سے نہ چاہے مگر جب خود کو وہ حاصل نہ ہو سکے تو پھر یہ خواہش کرے اس سے بھی یہ نعمت چھن جائے تا کہ دونوں برابر ہو جائیں۔

چہارم: دوسرے سے نعمت کے زوال کو نہ چاہے مگر اس جیسی نعمت کے حصول کی تمنا رکھتا ہو یہ چوتھا درجہ جائز ہے جبکہ دنیوی امور کے بارے میں اگر دینی امور میں ہو تو مستحب ہے اسی کو غبطہ کہا جاتا ہے جس کی تفصیل بیان کردی گئی ہے۔

حاسد کے نقصانات محسود کے فوائد:

اللہ کی تقسیم نعمت سے راضی نہیں ہے، نیز اس سے مسلمان کا برا چاہنا لازم آتا ہے جو شرع کے خلاف ہے اور یہ ابلیس لعین و کفار کا راستہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں برا چاہتے ہیں اور دنیوی نقصان یہ ہے کہ حاسد ہر وقت تکلیف و رنج وغم میں مبتلا رہتا ہے ہر وقت دوسرے کی نعمتوں کے زوال کی فکر اس کو دامن گیر رہتی ہے اور جس پر حسد کیا جاتا ہے اس کو دینی اور دنیوی دونوں مفاد حاصل ہوتے ہیں دین کا نافع یہ ہے کہ محسود مظلوم بن جاتا ہے حاسد کی نیکیاں اس کے حق میں لکھ دی جاتی ہیں حاسد کے پاس قیامت کے دن صرف حسرتیں رہ جائیں گی دنیوی اور وقتی فائدہ یہ ہے کہ جب حاسد ناکام و نامراد دکھائی دیتا ہے تو اس کو سکون ملتا ہے۔ حسد کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گر جاتا ہے، حسد ہی وہ پہلا گناہ ہے جو شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام سے جنت میں ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے شیطان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و رسوا کر دیا گیا۔ کسی انسان سے حسد درحقیقت ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں۔

لا حسد الا فی اثنتین کا مطلب؟ ① حدیث میں ''حسد'' سے ''غبطہ'' اور ''رشک'' مراد ہے، حسد مراد نہیں، معنیٰ یہ ہیں کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں آدمی کو دوسرے پر رشک کرنا چاہئے، ان کے علاوہ اور کوئی چیز قابل رشک نہیں ہے۔

② بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اسلام میں حسد کی گنجائش ہوتی تو یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں حسد کرنا جائز ہوتا مگر چونکہ شرعاً کسی چیز میں حسد کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ان دو خصلتوں میں بھی حسد کرنا جائز نہیں ہے۔

③ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں حسد سے شدید حرص اور رغبت مراد ہے، اور معنی یہ ہیں کہ ان دو چیزوں میں شدید حرص اور رغبت کرنا جائز ہے لیکن ان کے علاوہ کسی اور چیز میں شدت حرص جائز نہیں ہے کیونکہ شدت حرص حسد کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے حسد میں مبتلا ہو جائے۔

حسد کے جواز کی صورتیں:

حسد کرنا جائز نہیں ہے، البتہ دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان میں حسد کیا جاسکتا ہے، ایک اس وقت جبکہ کوئی نعمت کسی کافر کے پاس ہو اور دوسرا اس وقت جب کوئی فاسق و فاجر اور گنہگار انتہائی آسودہ اور خوشحال ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناجائز اور گناہوں میں استعمال کر رہا ہو تو ان دو قسم کے لوگوں سے نعمت کے خاتمہ کی آرزو کرنا اور ان سے حسد کرنا جائز ہے۔

اسباب حسد: حسد کے مختلف اسباب ہیں جن کو مجموعی طور پر سات اسباب میں منحصر کیا گیا ہے: ① عداوت و بغض۔ ② عزت کی خواہش۔ ③ کبر۔ ④ تعجب۔ ⑤ مقصود کا فوت ہونا۔ جیسے دوستوں کا باہم حسد یا دو بھائیوں کا باہم حسد۔ ⑥ حب جاہ۔ ⑦ خباثت نفس۔

حسد کا علاج:

جب انسان کو کسی سے حسد ہو جائے تو اس کے علاج کے لئے مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کیا جائے تو اسے ان شاء اللہ یہ مرض ختم ہو جائے گا:

① حسد کے نقصانات اور اس کی وعیدیں بار بار سوچیں۔

② جس سے حسد ہوا ہے اس کے لئے یوں دعا کریں کہ یا اللہ مجھے فلاں شخص سے حسد ہو گیا ہے، اسے دنیا اور آخرت میں خیر و عافیت عطا فرمائے اس کی اس نعمت میں اور تمام نعمتوں میں خوب سے خوب اضافہ فرما۔

③ لوگوں کے سامنے اس کی تعریفیں کی جائیں اگرچہ طبیعت نہ چاہ رہی ہو، اور اس کی جس چیز پر حسد ہا ہے اس نعمت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جائے۔

④ اس کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کیا جائے، ہو سکے تو کبھی کوئی چیز ہدیہ میں دے دی جائے۔

⑤ اپنے لئے بھی تہہ دل سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے تاکہ اس مرض سے نجات ہو جائے۔ ان امور پر کچھ ہی عرصہ عمل کیا جائے تو اس کے اثرات نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

لاتقاطعوا: تم ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو۔ **لاتدابروا:** ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، اعراض نہ کرو۔ بعض کے نزدیک ''تقاطع'' اور ''تدابر'' دونوں اعراض کے معنیٰ میں ہیں، فرق دونوں میں یہ ہے کہ ملاقات سے پہلے ہی اگر اعراض کر لیا جائے تو

اسے ''تقاطع'' کہتے ہیں اور ملاقات کے بعد اعراض کیا جائے تو اسے ''تدابر'' کہتے ہیں۔ الکوکب الدری ۳/۵۲، ایسے اسباب اختیار نہ کرو جن سے باہم بغض پیدا ہو۔

''وکونوا عباداللہ اخوانا'' اصل عبارت ''وکونوا یا عباداللہ اخوانًا'' ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ''عباداللہ'' خبر اوّل اور ''اخوانا'' خبر ثانی ہے۔ لفظ ''عباداللہ'' فرما کر اشارہ کیا ہے کہ جب تم سب اللہ کے بندے ہو تو پھر بھائی، بھائی ہونا چاہئے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم سب اس طرح رہو جس طرح دو نسبی بھائی زندگی گزارتے ہیں کہ باہم مشقت و محبت، مواساۃ، معاونت، نصیحت خیر خواہی کا برتاؤ ان بھائیوں میں ہوتا ہے اسی طرح کا برتاؤ سب مسلمانوں کے درمیان ہونا چاہئے ایک دوسرے سے اعراض، بغض و عداوت، حسد و کینہ ہرگز نہ ہونا چاہئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبَاغُضِ

باب ۲۵: آپس میں بغض رکھنے اور نفرت کرنے کے (حکم کے) بارے

(۱۸۶۰) اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ اَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے لوگ اس کی عبادت کریں البتہ وہ ان کے درمیان لڑائی پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔

تشریح: بغض کے معنی اور اس کے درجات ''بغض'' کے معنی ہیں: دوسرے سے نفرت کرنا، اس سے دل میں دشمنی کرنا، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس میں بغض رکھنے اور ایک دوسرے سے نفرت کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ''بغض'' ایک ایسی تباہ کن اندرونی بیماری ہے جو اکثر اوقات آدمی کے اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور آدمی کو اس کا شعور نہیں ہوتا، یوں وہ خود اللہ کی نظر میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

بغض اور کینہ کے تین درجات ہیں:

① اگر یہ بغض اس حد تک بڑھ جائے کہ اس کے ظاہری اعمال میں اس کا اثر ظاہر ہونے لگے، مثلاً بغض رکھنے والا شخص اس دوسرے کی غیبت کرتا پھرتا ہے، اس سے کلام اور ملاقات چھوڑ دی، بغض کا یہ درجہ انتہائی ناپسندیدہ ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔

② دل میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرتا ہے، اور اپنے ذہن میں اسے دکھ اور تکلیف پہنچانے کے منصوبے بناتا رہتا ہے، اسی درپے رہتا ہے کہ اسے صدمہ پہنچاؤں، یہ بھی گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا باعث ہے۔

③ اور اگر دل میں غیر اختیاری طور پر خود بخود ہی دوسرے کی ناگواری ہے، اس سے انقباض سا رہتا ہے، مزید نفرت کے اور کوئی جذبات اس کے بارے میں نہیں ہیں، بغض کا یہ درجہ گو کہ گناہ نہیں ہے اور نہ ہی باعث عذاب ہے لیکن اس میں یہ خطرہ ضرور ہے کہ اس انقباض میں اضافہ ہوتے ہوتے کہیں یہ بغض کے اس درجے میں نہ شامل ہو جائے جو گناہ ہے۔ اس لئے مسلمان کو ہر وقت اپنے نفس پر کڑی نظر رکھنی چاہئے تاکہ اس گناہ میں نہ مبتلا ہو جائے۔

بغض کا علاج:

① جس انسان سے بغض ہوگیا ہے، اس کی خوبیاں اور احسان سوچے جائیں۔
② بغض پر سزا اور عذاب کو بار بار یاد کیا جائے۔
③ طبیعت کے نہ چاہنے کے باوجود مبغوض کی غلطیوں اور زیادتیوں سے درگزر کیا جائے۔
④ اس کی اصلاح اور خیر وعافیت کی دعا کرتے رہیں۔
⑤ اللہ تعالیٰ سے خشوع وخضوع کے ساتھ تہ دل سے اپنی اصلاح کی دعا کی جائے تاکہ بغض اور اس جیسی مہلک امراض سے شفاء حاصل ہوجائے۔

لغات: التباغض: ایک دوسرے سے نفرت اور عداوت کرنا۔ أیس: مایوس اور ناامید ہوگیا۔ التحریش: فتنہ وفساد پھیلانا، ایک دوسرے کے خلاف اکسانا، بھڑکانا، اشتعال دلانا اور فساد پھیلانے پر آمادہ کرنا۔ ان یعبدہ المصلون: نمازی شیطان کی عبادت کریں، اس سے مراد بت پرستی ہے کیونکہ شیطان بتوں کی عبادت کی ترغیب دیتا ہے۔ أیس: از بابسمع من الایاس بمعنی مایوس ہونا، ناامید ہونا۔ الشیطان: معرف بلا الجنس ہے مگر راجح یہ ہے کہ معرف بلام العہد ہے اور اس سے مراد رأس الشیاطین ابلیس ہے۔ ان یعبدہ المصلون: مسلم شریف کی روایت میں "فی جزیرۃ العرب" بھی واقع ہوا ہے، عبادت شیطان کنایہ ہے عبادت اصنام سے چونکہ شیطان عبادت اصنام کی ترغیب دیتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ﴾ (مریم: ۴۴) مصلون سے مراد مومنین ہیں کما فی قولہ علیہ السلام "انہیتکم عن قتل المسلمین" چونکہ نماز افضل الاعمال ہے یا علامت ایمان ہے اس لئے مصلون سے اہل ایمان کو تعبیر کردیا ہے۔ التحریش: اس کے معنی ہیں بعض کو بعض کے خلاف بھڑکانا یا تو یہ خبر ہے اور مبتدا "ھو" محذوف ہے یا ظرف ہے اور فعل مقدر ہے یسعی فی التحریش اصل عبارت ہے۔

حدیث شریف کا مطلب: شراح حدیث نے اس روایت کے متعدد مطالب بیان فرمائے ہیں:

اوّل: شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ہے کہ اب جزیرۃ العرب میں کوئی مسلمان بت کی عبادت کرے اور شرک کی طرف لوٹے یعنی جزیرۃ العرب میں اب بتوں کی عبادت نہ ہوگی چنانچہ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ وغیرہ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جس نے بتوں کی دوبارہ عبادت کی ہو۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے، چنانچہ جزیرۃ العرب میں بتوں کی عبادت نہیں ہوسکی، البتہ شیطان نے لوگوں میں اختلافات ضرور ڈالے ہیں۔

دوم: ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "عبادت" کو صرف بت پرستی کے ساتھ خاص کردینا درست معلوم نہیں ہوتا، شیطان کی دعوت صرف بت پرستی کی طرف ہی نہیں ہوتی بلکہ کفر کی مختلف اقسام کی طرف ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث میں "ان یعبدہ المصلون" کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی "عبادت" یعنی نماز کے ساتھ شیطان کی عبادت کو جمع نہیں کریں گے کہ ایک طرف تو نماز پڑھیں اور دوسری طرف بت پرستی بھی کریں جیسا کہ یہود ونصاریٰ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ شرک میں مبتلا ہوگئے، یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ مستقل معبود بنالیا۔

سوم: شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان شدتِ کفر اور شوکتِ کفر سے مایوس ہوچکا ہے یعنی اب اسلام کو شوکت حاصل ہوگی اور کفر

واہل کفر مغلوب ہوں گے۔

چہارم: علامہ توریشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ارتداد ہے شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب عمومی ارتداد ہو کہ سارے مسلمان ایمان سے پھر جائیں اور کفر میں داخل ہو جائیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ معجزات نبویہ میں سے ہے چنانچہ جزیرۃ العرب میں بتوں کی عبادت نہیں ہوسکی البتہ شیطان نے لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کرا کر نزاع وخصومات وغیرہ ضرور پیدا کر دیئے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی اِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَیْنِ

باب ۲۶: آپس میں صلح کرانا

(۱۸۶۱) لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ خَيْرًا اَوْ نَمٰى خَيْرًا.

ترجمہ: حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے وہ شخص جھوٹ بولنے والا شمار نہیں ہوگا جو (خلاف واقعہ بات کے ذریعے) لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے وہ بھلائی کی بات کہتا ہے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) وہ بھلائی کو فروغ دیتا ہے۔

(۱۸۶۲) لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ لِيُرْضِيَهَا وَالْكَذِبُ فِی الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ وَقَالَ مَحْمُوْدٌ فِیْ حَدِيْثِهٖ لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جھوٹ بولنا صرف تین صورتوں میں جائز ہے آدمی اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے اس کے ساتھ (کوئی بے ضرر) جھوٹ بول دے جنگ کے دوران (دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے) جھوٹ بولنا اور اس لیے جھوٹ بولنا تاکہ تم لوگوں کے درمیان صلح کروادو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْخِيَانَةِ وَالْغِشِّ

باب ۲۷: یہ باب خیانت اور دھوکے (کی وعید) کے بارے میں ہے

(۱۸۶۳) مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو نقصان پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا جو شخص کسی کو پریشانی کا شکار کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اسے پریشانی کا شکار کرے گا۔

(۱۸۶۴) مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَكَرَ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچاتا ہے یا

اسے دھوکہ دیتا ہے۔

لغات: الغش: دھوکہ، ملاوٹ، کھوٹ، شاقّ جو مشقت وتکلیف پہنچائے۔ شق: مشقت میں ڈالے گا، دشواری اور مشکل پیدا کرے گا۔ مکر به: اس نے اس کو دھوکہ اور فریب دیا۔

امانت وخیانت کی تفسیر:

یہ دونوں لفظ متضاد ہیں، اقوال، افعال، اموال وغیرہ سب ہی سے ان کا تعلق ہے۔ جس طرح امانت ہوتا ہے بات بھی امانت ہوتی ہے اور جس طرح مال میں خیانت ہوتی ہے اسی طرح قول میں بھی خیانت ہوتی ہے جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے۔

المجالس بالامانة: لہٰذا کسی نے کوئی بات بطور امانت کہی ہو تو اس کو غیر سے ظاہر کرنا خیانت میں داخل ہے اور حدیث شریف میں اس کو تاکید کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔ کما فی الحدیث المجالس بالامانة.

الغش: یہ باب نصر سے ہے اس کے معنی ہیں خلاف ضمیر بات ظاہر کرنا۔ خلاف مصلحت بات کو مزین کرنا، دھوکہ اور فریب کرنا۔ اس میں عموم ہے کہ دھوکہ وغیرہ خواہ عملاً ہو یا قولاً سب اس میں داخل ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "من غشنا فلیس منا" یعنی جو شخص مسلمانوں کو دھوکہ دے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ ﷺ بازار تشریف لے جارہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ وہ غلہ کا ڈھیر لگائے ہوئے فروخت کررہا تھا آپ ﷺ نے اس ڈھیر میں ہاتھ داخل فرمایا تو اندر سے وہ غلہ بھیگا ہوا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ۔

حدیث کا مطلب؟ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو ضرر اور تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے، جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پہنچائے گا یعنی اس کو اس عمل بد کی سزا دے گا۔

ومن شاق: اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں: ① جو کسی مشقت میں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ بھی اسے مشقت میں ڈالیں گے۔

② حضرات فرماتے ہیں کہ "مشقت" اور "ضرر" دونوں کے معنی قریب قریب ہیں البتہ "ضرر" کا استعمال مال کی تباہی کے لئے اور مشقت کا استعمال بدن کی اذیت کے لئے ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص کسی کو ظاہری طور نقصان پہنچائے یا پوشیدہ طور پر، جانی نقصان ہو یا مالی، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکار دیا جاتا ہے، دور کردیا جاتا ہے اور جو شخص رحمتِ الٰہی سے دور کردیا جائے تو اس کے لئے دنیا وآخرت میں ذلت وپستی اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔

حدیث میں "ضار" سے ضرر ظاہری اور "مکر بہ" سے پوشیدہ ضرر مراد ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ حَقِّ الْجَوَارِ

باب ۲۸: یہ باب پڑوس کے حق کے بارے میں ہے

(۱۸۶۵) مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جبرائیل مجھے پڑوسی کے بارے میں مسلسل تلقین کرتے رہے

یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ یہ اسے وارث قرار دیں گے۔

(۱۸۶۶) اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو ذُبِحَتْ لَهٗ شَاةٌ فِيْ اَهْلِهٖ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ.

ترجمہ: مجاہد بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاں بکری ذبح کی گئی جب وہ گھر تشریف لائے تو انہوں نے دریافت کیا کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے ہاں تحفے کے طور پر (اس کا گوشت) بھیجا ہے میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جبرائیل مجھے پڑوسی کے بارے میں مسلسل تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اسے وارث بھی قرار دے دیں گے۔

(۱۸۶۷) خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو اور سب سے بہترین پڑوسی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں بہتر ہو۔

تشریح: سیورثه: اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہاں توریث سے کیا مراد ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مشارکت مالی مراد ہے، یعنی جس طرح دیگر اقارب کے حقوق شرعاً متعین ہیں اسی طرح پڑوسی کا حق بھی دیگر اقارب کے ساتھ متعین کر دیا جائے گا۔ بخاری میں الفاظ حدیث "حتی ظننت انه یجعل له میراثا" وارد ہیں۔

الجار: یہ لفظ پڑوسی کے جملہ اقسام کو شامل ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، فاسق، غیر فاسق نیز دوست و دشمن، دیہاتی، شہری نقصان دہ، نفع رساں، اجنبی، غیر اجنبی، نیز مکان سے متصل رہنے والا ہو یا دور رہنے والا رشتہ دار ہو یا نہ ہو، سب ہی پڑوسی اس کے تحت داخل ہیں بحیثیت پڑوسی ان سب کا حق برابر ہے البتہ دیگر حقوق کی وجہ سے بعض، بعض سے اعلیٰ و اقدم ہوں گے۔

پڑوسی کی تین قسمیں ہیں:

روایت میں ہے کہ پڑوسی کی تین قسمیں ہیں: (1) کافر پڑوسی، اس کو صرف حق جواز یعنی صرف ایک حق حاصل ہے۔ (2) مسلمان پڑوسی اس کے دو حق ہیں حق اسلام اور حق جوار (3) رشتہ دار پڑوسی اس کے تین حق ہیں اسلام، حق قرابت، حق جوار (رواہ الطبرانی) روایت مذکورہ میں عبداللہ بن عمرو نے جار کو عام قرار دیتے ہوئے یہودی پڑوسی کے حق کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

پڑوسی کے حقوق:

پڑوسی کے چند حقوق بطور اجمال یہ ہیں: (1) اس کو سلام کرنے میں پہل کرنا۔ (2) اس سے گفتگو کو طویل نہ کرنا۔ (3) بار بار اس کا حال نہ پوچھنا۔ (4) بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا۔ (5) مصیبت میں اس کے ہمدردی کا اظہار کرنا۔ (6) اس کے غم میں شریک رہنا۔ (7) اس کی خوشی پر خوش ہونا۔ (8) اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا۔ (9) دیوار یا چھت سے اس کے مکان میں نہ جھانکنا۔ (10) اس کی دیوار پر اپنی کڑیاں نہ رکھنا۔ (11) اس کے صحن میں پانی کا نالا گرا کر اس کو ایذاء نہ پہنچانا۔ (12) اس کے گھر کا راستہ تنگ نہ کرنا۔ (13) اگر وہ کوئی چیز اپنے گھر لے جاتا ہوا نظر آئے تو اس کی جستجو نہ کرنا۔ (14) اس کے عیوب کی پردہ

پوشی کرنا۔(15) اگر اس کو کوئی حادثہ پیش آئے تو اس کی مدد کرنا۔(16) اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی مدد کرنا۔(17) اس کی بیوی بچوں کی خبر گیری کرنا۔(18) اس کی کوئی برائی نہ کرنا نہ سننا۔(19) اس کی بیوی و خادمہ سے نگاہ نیچی رکھنا۔(20) اس کے بچے کے ساتھ شفقت و مہربانی کا معاملہ کرنا۔(21) اگر وہ کسی دینی یا دنیوی نقصان کی طرف قدم بڑھا رہا ہو تو اس کو روک دینا اور صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرنا۔ یہ جملہ حقوق روایات سے ثابت ہیں جو کتب احادیث میں موجود ہے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْاِحْسَانِ اِلَی الْخَادِمِ

باب ۲۹: خدام کے ساتھ اچھا سلوک کرنا

(۱۸۶۸) اِخْوَانُکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ فِتْیَةً تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ کَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ یَدِهٖ فَلْیُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهٖ وَلْیُلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهٖ وَلَا یُکَلِّفْهُ مَا یَغْلِبُهٗ فَاِنْ کَلَّفَهٗ مَا یَغْلِبُهٗ فَلْیُعِنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ جو تمہارے غلام ہیں) یہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا ماتحت کیا ہے تو جس شخص کا بھائی اس کا ماتحت ہو وہ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور وہ اسے اپنے لباس میں سے پہنائے اور وہ اسے ایسی بات کا پابند نہ کرے جو وہ نہ کر سکتا ہو اگر وہ اسے کسی ایسے مشکل کام کا پابند کرے تو پھر ساتھ میں اس کی مدد بھی کرے۔

(۱۸۶۹) لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَیِّئُ الْمَلَکَةِ.

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جو اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہو۔

تشریح: لغات: اخوانکم: بمعنی "خدمکم و خولکم" بخاری کی روایت میں "اخوانکم خولکم" صراحۃً واقع ہوا ہے جس کے معنی خدام و ممالیک کے ہیں اور لفظ "اخ" برائے ترحم ہے۔ فتیة: بکسر الفاء وسکون التاء وفتح الیاء جمع فتی ای: غلمۃ اور نسخہ مصریہ میں قنیۃ بالقاف والنون واقع ہے: ای ملکا لکم قال فی القاموس "القنیة بالکسر والضم ما کتسب. فلیعنه ماخوذ من الاعانة" یعنی اس غلام کی مدد کرے خواہ خود کرے یا کسی دوسرے سے کرائے۔

غلام تمہارے بھائی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے غلام جو تمہارے بھائی ہیں وہ قابل رحم و شفقت ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اگر ممکن ہو تو اپنے جیسا کھانا اور اپنے جیسا لباس ان کو پہنایا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے کہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں اگر ضرورۃً طاقت سے زیادہ کام سپرد کیا جائے تو ان کی مدد کرے یا دوسرے کی مدد کرائے، ور فرمایا کہ جو شخص اپنے ماتحتوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک وہ اس کی سزا نہ بھگت لے، اس لئے اگر کسی کے ماتحت غلام اور خادم ہوں تو ان کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آنا چاہئے، ظلم و زیادتی اور ناانصافی کرنا جائز نہیں۔ انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھے ان کی لغزشوں سے صرف نظر کرے اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور طبیعت میں تکدر پیدا ہو جائے یا سزا دینے کا خیال آئے تو یہ ضرور سوچے کہ میں بھی باری تعالیٰ کا غلام ہوں اور رات دن گناہ کرتا

رہتا ہوں لیکن وہ مجھے سزا نہیں دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ مجھ پر زائد قادر ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے غلاموں اور خداموں کے حقوق سے متعلق مختلف ابواب قائم فرمائے ہیں۔

حقوق مملوک سے متعلق چند واقعات:

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہے اور اس کا غلام پیادہ پا سواری کے پیچھے دوڑ لگا رہا ہے فرمایا: اے اللہ کے بندے اسے بھی اپنے ساتھ بٹھالے آخر کو یہ تیرا بھائی ہے اس کے جسم میں بھی وہی روح حلول کئے ہوئے ہے جو تیرے جسم میں ہے اس شخص نے غلام کو پیچھے بٹھا لیا اس کے بعد آپ نے فرمایا جس شخص کے پیچھے لوگ پیدل بھاگ رہے ہوں سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جارہا ہے۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم نے حلم و بردباری کا سبق کس سے حاصل فرمایا کہا کہ قیس بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے، سائل نے ان کے حلم و بردباری کا واقعہ دریافت کیا فرمایا کہ ان کی باندی سیخ کے کباب لے کر آئی سیخ گرم تھی اتفاقاً باندی کا ہاتھ بہک گیا اور شعلہ ریز سیخ ان کے بیٹے پر گری پڑی یہ حادثہ لڑکے کے لئے جان لیوا ثابت ہوا باندی خوف سے لرز اٹھی ابن عاصم نے سزا دینے کے بجائے اس کو آزاد کر دیا کہ اس کا خوف بغیر آزادی کے دور نہیں ہوسکتا تھا۔

② میمون بن مہران کے یہاں ایک مہمان آیا انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ رات کو کھانا ذرا جلدی لانا باندی کھانا لے کر آئی عجلت تو تھی ہی سالن کا بھرا پیالہ ہاتھ سے چھوٹ گیا اور آقا ابن مہران کے سر پر گر پڑا ابن مہران نے غصہ سے کہا: اے جاریہ تو نے مجھے جلا ڈالا کہنے لگی آقا ذرا قرآن پڑھ کر دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں: کیا قرآن میں نہیں ہے ﴿وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) فرمایا یقیناً ہے اور میں نے غصہ کو پی لیا پھر باندی نے کہا کہ اور یہ بھی قرآن میں ہے ﴿وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا پھر باندی نے کہا کچھ اور حسن سلوک کیجئے کہ ارشاد باری ہے ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴) فرمایا جا میں نے تجھے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔

③ ایک شخص حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ آٹا گوندھ رہے تھے آنے والے نے حیرت کا اظہار کیا فرمایا ہم نے غلام کو باہر کسی ضروری کام سے بھیجا ہے ہم نہیں چاہتے کہ ایک وقت میں دو کام اس سے لیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشَتْمِهِمْ

باب ۳۰: خادمین کو مارنے اور ان کو برا بھلا کہنے کی ممانعت

(۱۸۷۰) قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ نَبِیُّ التَّوْبَةِ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهُ بَرِیْئًا مِمَّا قَالَ لَهُ اَقَامَ عَلَیْهِ الْحَدَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت ابو القاسم ﷺ جو نبی التوبہ ہیں انہوں نے یہ بات بیان فرمائی ہے جو شخص اپنے غلام پر زنا کا جھوٹا الزام لگائے جبکہ وہ اس سے بری ہو جو اس شخص نے اس کے بارے میں کہا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر قیامت کے دن حد جاری کریگا البتہ اگر وہ غلام واقعی ایسا ہوا (تو حکم مختلف ہوگا)۔

(۱۸۷۱) كُنْتُ اَضْرِبُ مَمْلُوْكًا لِّيْ فَسَمِعْتُ قَائِلًا مِّنْ خَلْفِيْ يَقُوْلُ اعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ اعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا اَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَمَا ضَرَبْتُ مَمْلُوْكًا لِّيْ بَعْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا میں نے اپنے پیچھے سے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا اے ابومسعود یہ بات جان لو میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ موجود تھے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر (یعنی تمہیں سزا دینے کی) اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس (غلام) پر رکھتے ہو حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے اس کے بعد اپنے کسی غلام کبھی نہیں مارا۔

تشریح: نبی التوبة: آپ ﷺ کا لقب ہے: توبہ والا نبی، کیونکہ آپ ﷺ ہر روز کم از کم ستر یا سو مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ قذف: تہمت لگائے۔

غلاموں کو مارنے اور برا بھلا کہنے سے ممانعت کا حکم:

باب کی پہلی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص غلام یا ماتحت کی عفت و پاکدامنی پر حملہ آور ہو جائے، حالانکہ وہ بے گناہ ہے، یہ محض تکبر و غرور کی وجہ سے تہمت لگا رہا ہے، تو ایسے شخص پر گو کہ دنیا میں کوئی حد نہیں جاری ہوگی، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر حد قائم کریں گے اور اس سے الزام کی سزا دیں گے۔ ہاں اگر مولی سچا ہے، اور واقعی اس غلام میں وہ خرابی پائی جاتی ہے تو پھر اس مولی پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

الا ان یکون کما قال: یعنی اگر مملوک میں وہ بات پائی جاتی ہے جو آقا نے کہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر حد قائم نہیں فرمائیں گے کیونکہ مولی نفس الامر میں صادق ہے یہ استثناء منقطع ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ باندی اور غلام کے بارے میں یہ بھی احتیاط کرنی چاہئے کہ خواہ مخواہ ان پر زنا، چوری وغیرہ عیوب کی تہمت نہ لگائے، ورنہ قیامت میں آقا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ وہاں ملکیت زائل ہو جائے گی اور سب کے حقوق برابر ہوں گے۔

فائدہ: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آقا اگر اپنی باندی یا غلام پر تہمت لگائے تو دنیا میں آقا پر حد جاری نہ کی جائے گی، کیونکہ حدود شکوک وشبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں ملکیت کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے نیز کامل غلام، مدبر، اور ام ولد وغیرہ سب کا حکم یہی ہے، مگر حافظ نے فتح الباری میں ام ولد کے بارے میں کچھ اختلاف نقل کیا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اگرچہ حد شرعی یعنی حد قذف ہو تو آقا پر جاری نہ ہوگی مگر تعزیر کی جائے گی تا کہ اس قسم کے برے فعل سے لوگ اجتناب کریں۔

هٰذا حديث حسن صحيح اخرجه احمد والشيخان وابوداؤد۔ وفي الباب عن سويد بن مقرن رضی اللہ عنہ: اخرجه احمد ومسلم وابوداؤد وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: اخرجہ مسلم۔ وابن نعم بضم النون وسکون العین ان کا نام عبدالرحمٰن بن ابی نعم البجلی ہے اور کنیت ابوالحکم ہے عابد، صدوق راوی ہے۔

دوسری حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا ماتحت اور غلام خواہ کتنی بڑی غلطی کرلے تو آقا کو عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے، ایسا نہیں کہ غلام غلطی نہیں کرے گا، وہ غلطی ضرور کرے گا لیکن اس کی غلطیوں کو یہ سوچ کر معاف کر دیا جائے کہ میں بھی تو اللہ کا بندہ

ہوں، اس کی بندگی میں کتنی کوتاہی کرتا ہوں، طرح طرح کے گناہ اور نافرمانی کرتا ہوں، وہ غالب قدرت کے باوجود مجھے سزا نہیں دیتا، میری فوراً گرفت نہیں کرتا، لہٰذا مجھے بھی اس غلام کے ساتھ ایسا ہی عفو و درگزر کا سلوک کرنا چاہئے۔

لله اقدر عليك منك عليه: ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا پس میں نے اپنے پیچھے سے سنا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے سن تو ابومسعود، سن تو ابومسعود، میں متوجہ ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ تجھ پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں بہ نسبت تیرے اس غلام پر قدرت رکھنے کے، ابومسعود کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی غلام کو نہیں مارا۔ اور مسلم شریف میں ہے:

فقلت يا رسول الله ﷺ هو حر لوجه الله فقال اما انه لو لم تفعل للفتحك النار او لمستك النار.

"میں نے کہا اے اللہ کے رسول وہ میں نے اللہ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہر حال اگر تو ایسا نہ کرتا تو وہ تیرے لئے جہنم کی آگ کو کھول دیتا یا تجھے آگ چھو لیتی۔"

روایت سے معلوم ہوا کہ بلا وجہ غلام کو مارنا ظلم ہے پھر مارنے کی کوئی حد ہوتی ہے لہٰذا سزا بقدر جرم کی شرعاً اجازت ہے مگر عفو بہتر ہے جیسا کہ روایات آرہی ہیں۔ هذا حديث حسن صحيح اخرجه مسلم

ترکیب نحوی: اَللّٰه بفتح اللام علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ للہ میں لام تاکید کے لئے ہے، لفظ "اللہ" مبتدا ہے، اور "اقدر" خبر ہے، "علیک اور منک" ظرف ہیں جو "اقدر" سے متعلق ہیں۔ اور "علیہ" کاف خطاب سے حال ہے، عبارت یوں ہوگی۔ اقدر عليك منك حال كونك قادراً عليه، وہ اللہ تجھ پر تیری بنسبت کہیں زیادہ قادر ہے جتنا کہ تو اس پر قادر ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِيْ اَدَبِ الْخَادِمِ

باب ۳۱: باب خادم کو ادب سکھانا

(۱۸۷۲) جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَقَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میں اپنے خادم سے کتنی مرتبہ درگزر کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں خاموش رہے اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اپنے خادم سے کتنی مرتبہ درگزر کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزانہ ستر مرتبہ۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ

باب ۳۲: باب خادم کو معاف کر دینا

(۱۸۷۳) اِذَا ضَرَبَ اَحَدُكُمْ خَادِمَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ فَارْفَعُوْا اَيْدِيَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے خادم کی پٹائی کر رہا ہو وہ (خادم) اللہ تعالیٰ کا نام لے (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر معافی مانگے اور چھوڑنے کے لیے کہے) تو تم لوگ اپنا ہاتھ روک لو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَدَبِ الْوَلَدِ

باب ۳۳: اولاد کو ادب سکھانے کی فضیلت کے بارے

(۱۸۷۴) لَاَنْ یُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَہٗ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ ایک صاع صدقہ کردے۔

(۱۸۷۵) مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَّلَدًا مِّنْ نُّحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔

ترجمہ: ایوب بن موسیٰ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی اولاد کو جو عطیہ دیتا ہے اس میں سب سے زیادہ بہترین چیز تعلیم و تربیت ہے

تشریح: لان یودب: لام برائے تاکید بمعنی القسم ای واللہ تادیب الرجل لولدہ تادیبًا واحدًا خیر من تصدقہ بصاع.

تادیب ولد صدقہ سے بہتر کیوں ہے جس کی مختلف توجیہات ہیں۔

اول: تادیب ولد طویل البقاء ہے اور تصدق سریع الفناء ہے۔ دوم: تادیب ولد افادۂ علمیہ حالیہ ہے اور تصدق افادہ عملیہ مالیہ ہے۔

سوم: تادیب ولد یقیناً اپنے محل میں واقع ہے بخلاف تصدق کے کہ وہ تحت الاحتمال ہے۔

چہارم: تادیہ ولد کے ترک پر بسا اوقات لعن طعن کیا جاتا ہے بخلاف ترک تصدق کے، کذا ذکرہ القاری۔

پنجم: علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ تادیب ولد انتہائی اہم امر ہے مطلق صدقات سے بھی افضل و بہتر ہے کیونکہ تادیب ولد صدقات جاریہ میں سے ہونے کی وجہ سے نفع متعدی کو مستلزم ہے۔

ھذا حدیث غریب: یہ روایت غریب ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے، کیونکہ اس میں یحییٰ بن یعلی اور ناصح دونوں راوی ضعیف ہیں جیسا کہ خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وناصح ابن علاء الکوفی "لیس عند اھل الحدیث بالقوی"

اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کی اہمیت:

ان احادیث سے اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اسے اللہ کے راستے میں ایک صاع صدقہ کرنے سے بھی افضل قرار دیا ہے، اور والد کی طرف سے دینی تعلیم و تربیت اولاد کے لئے سب سے بڑا عطیہ ہے، اس سے مفید اور قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہے، آج اولاد کی دینی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے یا نہیں اس کی زندگی کا ہر قدم اسلام کے قریب ہو رہا ہے یا دور، اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے، مغربی تہذیب و تمدن اور یہودی ثقافت کی یلغار نے عالم اسلام کو بالکل بے حس بنا دیا ہے، حالانکہ ترقی کا راز اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے، اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے، اسلام اس سے ہرگز منع نہیں کرتا کہ عصری تعلیم کو سیکھا جائے، بلکہ

اسے صحیح طریقے سے سیکھنے کا حکم دیتا ہے، لیکن ایسے میں اسلامی تعلیمات کو بالکل پس پشت ڈال دینا یہ بہر حال جائز نہیں ہے۔

ایوب بن موسٰی عن ابیہ عن جدہ کی وضاحت: "ایوب بن موسٰی عن ابیہ عن جدہ" اس کا پورا نسب اس طرح ہے: ایوب بن موسٰی بن عمرو بن سعید بن العس اس میں "عن ابیہ" کی ضمیر "ایوب" کی طرف ہے یعنی عن موسٰی بن عمرو اور "عن جدہ" کی ضمیر میں دو احتمال ہیں:

ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ایوب کی طرف لوٹ رہی ہو: ایوب کے دادا یعنی عمرو بن سعید رحمۃ اللہ علیہ یہ صحابی نہیں ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے، اس لحاظ سے یہ حدیث مرسل ہوگی۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر "موسٰی" کی طرف لوٹ رہی ہو، موسٰی کے دادا یعنی سعید بن العاس رضی اللہ عنہ، یہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہو گئے تھے اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا مگر محدثین کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، اس وجہ سے ان کی روایت کو مرسل صحابہ قرار دیا گیا ہے، تاہم اس سے روایت کی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جمہور کے نزدیک حدیث مرسل قابل استدلال اور حجت ہوتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق 8/711)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ وَالْمُكَافَاةِ عَلَيْهَا

باب ۳۴: ہدیہ قبول کرنے اور اس کا بدلہ دینے کے بارے میں

(۱۸۷۶) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول کر لیا کرتے تھے اور اس کے بدلے میں تحفہ دیا کرتے تھے۔

تشریح: ہدیہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا سنت ہے: اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خوش کرنے کے لئے کوئی چیز ہدیہ کرے، اس کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے، اور جب گنجائش ہو تو اسے بھی جواباً کوئی چیز ہدیہ میں دینی چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول بھی فرماتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے، بدلہ دینے میں کوشش کرے کہ اس کے ہدیہ سے بڑھ کر بدلہ دے، زیادہ قیمتی نہ ہو تو کم از کم اس کے ہدیہ کے بقدر ہی دے دے تو بہتر ہے۔

مذاہب فقہاء: یثیب علیھا: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس پر بدلہ عنایت فرماتے تھے۔ ہدیہ کا بدلہ کم از کم ہدیہ کے بقدر دے تو بہتر ہے۔ چونکہ یہ تو بیع بثمن مجہول ہے اس لئے ہبہ کا مدار تبرع پر ہے کیونکہ ہبہ اور بیع میں شرعاً اور عرفاً فرق ہے جس معاملے میں عوض اور بدلہ ہو تو وہ "بیع" ہے اور جس میں بدلہ اور عوض کی نیت نہ ہو محض تبرع اور احسان کرنا مقصود ہو تو یہ ہبہ ہے۔

ہدیہ کے شرائط: ہدیہ قبول کرنے کے لئے چند شرائط کا لحاظ ضروری ہے:

اوّل: یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ مال حلال ذرائع سے حاصل کیا ہوا ہے یا نہیں نیز شبہات سے خالی ہے یا نہیں اگر پاک وصاف ہو تو قبول کر لے ورنہ نہیں۔

دوم: ہدیہ دینے والے کی غرض کیا ہے؟ اگر دل خوش کرنے اور محض محبت کی بناء پر دیا ہے تب تو یہ ہدیہ ہے اس کو قبول کرنا چاہئے اور

اگر ناموری، ریا کاری یا بطور صدقہ ہے تو پھر قبول نہ کرے الا یہ کہ مستحق صدقہ ہو۔ سوم: ہدیہ دینے والا احسان نہ جتلائے اور مہدی الیہ کو حقیر نہ گردانے بلکہ قبول کرنے کو اپنے اوپر احسان تصور کرے اور خوش ہو اور واپس کر دینے سے ناگواری ہو ان مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

ہدیہ کے آداب:

ہدیہ کے مختصر آداب جن کا لحاظ رکھنے سے ہدیہ کا لطف اور اصل غرض از دیاد محبت پیدا ہوتی ہے۔ (1) جس کو ہدیہ دے پوشیدہ دے اگر وہ خود ظاہر کرے تو دوسری بات ہے (2) اگر ہدیہ غیر نقد ہو تو حتی الامکان مہدیٰ الیہ کی رغبت کا خیال رکھے ایسی چیز دے جو اسے مرغوب ہو۔ (3) ہدیہ دے کر اس سے پہلے اپنی کوئی غرض پیش نہ کرے تا کہ مہدی لہ کو خود غرضی کا شبہ نہ ہو (4) مقدار ہدیہ اس قدر نہ ہو کہ مہدی الیہ کی طبیعت پر بار ہو اور کم چاہئے جتنا ہو اس میں مضائقہ نہیں چونکہ اہل نظر کی نظر مقدار پر نہیں ہوتی بلکہ خلوص پر ہوتی ہے۔ (5) اگر مہدی الیہ واپس کرنے لگے تو واپسی کی وجہ دریافت کرلے اور آئندہ اس کا خیال رکھے مگر اس وقت اصرار نہ کرے۔ (6) جب تک مہدی الیہ پر اپنا خلوص ثابت نہ کر دے ہدیہ پیش نہ کرے (7) حتی الامکان ریلوے پارسل کے ذریعہ نہ بھیجئے چونکہ مہدی الیہ کو اس میں پریشانی خطرہ ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الشُّکْرِ لِمَنْ اَحْسَنَ اِلَیْکَ

باب ۳۵: اس شخص کا شکر کرنے کا ذکر ہے جو آپ کے ساتھ احسان کرے

(۱۸۷۷) مَنْ لَّا یَشْکُرُ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللهَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(۱۸۷۸) مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللهَ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا۔

تشریح: حقیقت شکر: نعمت کی قدر کرنا ہے جب نعمت کی قدر ہوگی تو منعم کی قدر بھی ضرور ہوگی نیز جس کے ذریعہ وہ نعمت پہنچی ہے۔ اس کی بھی قدر ہوگی اس طرح خالق و مخلوق دونوں کا شکر ادا ہو جائے گا کہ شکر کی دو قسمیں ہیں:

اوّل: منعم حقیقی کا شکر کمال قال تعالیٰ: ﴿وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

دوم: شکر مخلوق جو واسطہ نعمت ہے۔

درحقیقت شکر الٰہی کی جزاء لوگوں کا شکر ادا کرنا ہے۔ انسان کے دل میں جس کی قدر ہوتی ہے تو اس کی تعظیم و محبت بھی کرتا ہے اس کی بات ماننے کو بھی بالاضطرار دل چاہتا ہے لہٰذا خالق کا کمال شکر یہی ہے کہ دل میں اس کی تعظیم ہو۔ زبان پر ثناء اور اعضاء و

جوارح سے احکام کی حتی الامکان پوری تعمیل ہو۔

من لم یشکر الناس: علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں:

اوّل: جس آدمی کی طبیعت و عادت لوگوں کی نعمتوں پر ناشکری کی بن گئی ہو یقیناً اس کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی پائی جاتی ہے۔

دوم: جب تک بندہ لوگوں کا شکر ادا نہ کرے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے لئے بھی اس کا شکریہ قبول نہیں فرماتے کیونکہ اللہ کا شکر موقوف ہے بندوں کے شکر پر۔ (الکوکب الدری، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر 3/54)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صَنَائِعِ الْمَعْرُوْفِ

باب ۳۶: نیک کام

(۱۸۷۹) تَبَسُّمُكَ فِیْ وَجْهِ اَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ وَّاَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهْیُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَّاِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِیْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیْءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّاِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّاِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِیْ دَلْوِ اَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے تمہارا نیکی کا حکم دینا تمہارا برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے تمہارا کسی بھولے بھٹکے شخص کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے جس شخص کو نظر نہ آتا ہو تمہارا اسے راستہ دکھا دینا بھی صدقہ ہے راستے سے پتھر کانٹا یا ہڈی وغیرہ کو ہٹا دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے اور اپنے ڈول کے ذریعے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔

لغات: صنائع: صنیعة کی جمع ہے: کام۔ المعروف: بھلائی، احسان، نیکی۔ تبسمك: تیرا مسکرانا۔ ارشادك: تیرا راستہ بتانا، رہنمائی کرنا۔ ارض الضلال: بھولی ہوئی زمین اور جگہ۔ الردی البصر: نابینا آدمی۔ اماطتك: تیرا ہٹانا، صاف کرنا، الشوك: کانٹا۔

تشریح: نیکی کے چند کام: اس حدیث میں نیکی کے چند اہم کام ذکر کئے ہیں: یہ معاشرتی زندگی کے چند روشن اصول ہیں جنہیں اپنا کر ایک مسلمان پرسکون زندگی گزار سکتا ہے، وہ زندگی جس سے خالق ارض و سماء خوش ہو جائے، جو ایمان کامل کی علامت ہے، اس لئے ہر مسلمان کو ان اوصاف سے آراستہ ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

① **تبسمك فی وجه اخیك:** مسلمان بھائی سے مسکرا کر بات چیت اور ملاقات کرنا کہ اس سے اس کا دل خوش ہوتا ہے۔ ایک مومن کو خوش دیکھ کر جب دوسرا مومن خوش ہوگا تو اس پر ایسا ہی ثواب ملے گا جیسا کہ صدقہ کرنے پر ملتا ہے۔

② **وامرك بالمعروف... الخ** کسی مومن کا دوسرے مومن کو اچھائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ کے برابر ثواب رکھتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لفظ مختصر ہونے کے ساتھ نہایت جامع ہے چنانچہ معروف کے تحت وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں

آجاتی ہیں جن کا اسلام نے حکم فرمایا ہے۔

یہ امور چونکہ جانے پہچانے جاتے ہیں اس لئے معروف کہلاتے ہیں اسی طرح منکر کے تحت وہ تمام برائیاں اور مفاسد آجاتے ہیں جن کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اور دونوں کے مجموعہ کا خلاصہ خیر خواہی سے ظاہر ہے کہ مومن کی خیر خواہی کارثواب ہوگی اور اس پر صدقہ جیسا اجر ہوگا۔ البتہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے درجات ہیں انشاء اللہ آئندہ روایات کے تحت ان کی تفصیل آئے گی۔

③ وارشادك الرجل فی ارض الضلال صدقة: یعنی راستہ بھٹکے ہوئے آدمی کو راستہ بتادینا بھی صدقہ ہے۔
ارض ضلال سے مراد وہ زمین ہے جس کی کوئی نشانی وعلامت معلوم نہ ہو ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص ایسی جگہ پر راستہ بھٹک رہا ہو اور اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے تو یہ اس کی اعلیٰ درجہ کی مدد ہوگی اس پر اجر وثواب یقیناً مرتب ہوگا۔

④ وبصرك الرجل الردی ابصر لك صدقة: یعنی کسی کو نابینا یا کم نگاہ والے شخص کو صحیح راستہ بتادینا اور اس کی مدد کردینا صدقہ کے برابر ثواب رکھتا ہے مشکوٰۃ شریف میں بصرک کے بجائے نصرک بالنون واقع ہوا ہے نابینا شخص نہ معلوم کسی گڑھے میں گر جائے یا ایسی جگہ چلا جائے جہاں اس کو نقصان پہنچے اس مومن نے مدد کر کے اس کو تکلیف سے بچالیا تو ظاہر ہے کہ صدقہ کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔

⑤ واماطتك الحجر والشوك والعظيم عن الطريق: یعنی راستہ سے تکلیف دہ شے خواہ وہ پتھر ہو یا ہڈی یا کانٹا وغیرہ ہو ان کا راستہ سے ہٹانا یہ بھی صدقہ میں داخل ہے چونکہ مومن کے لئے موذی شے سے حفاظت کا ذریعہ بنا ہے اس لئے اس کو ثواب ہوگا۔

⑥ افراغك من دلوك ...الخ یعنی اپنے برتن ڈول وغیرہ سے مومن بھائی کے برتن میں پانی ڈال دینا یا پانی مہیا کردینا خواہ نل ہی چلا کر ہو یہ مومن کی مدد ہے اس پر بھی صدقہ کے برابر ثواب ہوگا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الْمِنْحَةِ

باب ۳۷: عطیہ (کی فضیلت) کے بارے میں

(۱۸۸۰) مَنْ مَنَحَ مَنِيْحَةَ لَبَنٍ اَوْ وَرِقٍ اَوْ هَدٰى زُقَاقًا كَانَ لَهٗ مِثْلَ عِتْقِ رَقَبَةٍ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی دوسرے کو دودھ یا درہم عاریت کے طور پر دے یا کسی شخص کو راستہ بتادے اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

تشریح: المنحة: عطیہ، کسی دوست کو عارضی استعمال اور استفادہ کے لئے واپسی کی شرط کے ساتھ زمین، سواری یا جانور وغیرہ دینا۔ منیحة: اس دودھ والی اونٹنی یا بکری کو کہا جاتا ہے جو کسی دوست کو صرف استعمال کے لئے عاریت کے طور پر دی جاتی ہے۔

منیحہ کی فضیلت: اس حدیث میں ان امور کا ذکر ہے جن کے ذریعے آدمی دوسرے بھائی کو نفع پہنچاتا ہے، منیحة لبن: اس سے مراد دودھ والا جانور ہے۔ اوورق: بکسر الراء وسکون الراء اس سے مراد دراہم ودنانیر ہیں کسی کو کچھ عرصہ کے لئے دودھ

والا جانور اونٹنی یا بکری عطیہ دینا تا کہ اس سے وہ استفادہ کرے اور پھر واپس کردے، یا کسی کو قرض دینا یا کوئی راستہ یا گلی کوچہ بتانا، یہ تمام امور اللہ کے نزدیک ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا ذریعہ ہیں، جس طرح کوئی شخص جب غلام آزاد کردے تو وہ گویا اپنے آپ کو جہنم سے بچا لیتا ہے اسی طرح حدیث میں مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام کرنے سے بھی آدمی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا سکتا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کر کے اس نے اپنے کل اعضاء کو جہنم کی آگ سے بچا لیا ہے اسی طرح اس نے یہ عطیات کر کے اپنے کو جہنم کی آگ سے یعنی پورے جسم کو بچا لیا ہے گویا روایت مذکورہ میں ان عطیات کرنے والے کے لئے جہنم سے بچاؤ کی خوشخبری ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي إِمَاطَةِ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ

باب ۳۸: راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کا ذکر

(۱۸۸۱) بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص کسی راستے پہ جا رہا تھا اس نے ایک کانٹے والی شاخ دیکھی اور اسے ہٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول کیا اور اس کی مغفرت کر دی۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ راستہ میں جو بھی گندی اور تکلیف دہ چیز ہو، اسے ہٹا دینا چاہئے، اس عمل کو اللہ تعالیٰ اس قدر، قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اس کی بخشش فرما دیتے ہیں۔ کہ راستہ سے تکلیف دینے والی شے کو ہٹا دیا جائے تا کہ لوگ آرام سے گزر جائیں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی مغفرت فرما دیتے ہیں اس روایت کے بعض طرق میں واقع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں ایسے شخص کو گھومتے ہوئے دیکھا ہے جس نے مسلمانوں کے راستہ سے کانٹوں اور درختوں کو کاٹ دیا تھا ہکذا فی جمع الفوائد۔
"فشکر اللہ لہ" علامہ جزری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام "شکور" بھی ہے، جس کے معنی "قدردان" لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے تھوڑے سے نیک عمل کو بڑھاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ

باب ۳۹: مجالس (کی باتیں) امانت ہیں

(۱۸۸۲) إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص کوئی بات بیان کردے (جو چھپانے کے قابل ہو) اور پھر وہ چلا جائے تو پھر وہ بات امانت ہوتی ہے۔

تشریح: مجلس کی باتیں امانت ہوتی ہیں: امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک حدیث مرفوع کے الفاظ سے عنوان قائم کیا یعنی المجالس بالامانۃ، اس روایت کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مجلس میں کوئی بات کرے تو وہ مجلس امانت ہے، لہٰذا اگر

میں زیر بحث گفتگو کو مجلس سے باہر پھیلانا نہیں چاہئے۔

التفت ای یمینا و شمالا: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

① بات کرنے والا شخص گفتگو کے دوران ادھر ادھر دیکھ کر گفتگو کرے، تاکہ کوئی دوسرا شخص نہ سن سکے، یہ انداز خود بتا رہا ہے کہ یہ بات پوشیدہ رکھی جائے، ظاہر نہ کی جائے۔

② یا التفات سے مراد یہ ہے کہ متکلم گفتگو کر کے دوسری طرف متوجہ ہو جائے یا اس مجلس سے اٹھ جائے تب بھی وہ بات امانت ہے، شرعی ضرورت کے بغیر اس کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے۔ موصوف نے ترجمہ المجالس بالامانة مطلقا قائم فرمایا ہے۔ بہر حال روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مجلس میں کوئی بات ہو جس کے چھپانے میں متکلم کا فائدہ ہے تو وہ امانت ہے البتہ اگر ایسی بات ہو کہ اس کے ظاہر کرنے میں متکلم کا نقصان نہیں یا لوگوں کو اس بات سے فائدہ ہوگا تو اس کے اظہار کی گنجائش ہے اسی طرح اگر وہ بات ایسی ہو کہ اس کو چھپانے میں کسی کو نقصان ہوگا تو اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے حدیث شریف میں ہے۔

المجالس بالامانة الا ثلثة مجالس سفك دم حرام او فرج حرام او اقتطاع مال بغير حق: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجالس امانت ہوتی ہیں سوائے تین مجلسوں کے کہ ان کی باتوں کا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے، کسی کو ناحق مار دیا گیا ہو، کسی عورت کی عصمت دری کی گئی ہو یا کسی کا مال ناحق لیا گیا ہو، ان تمام صورتوں میں چونکہ دوسرے لوگوں کا نقصان ہے اس لئے ان کا بتانا ضروری ہے۔ (الکوکب الدری: 3/55,56)

معلوم ہوا کہ نقصان دہ وہ امانت نہیں ہے بلکہ اس کا اظہار صاحب ضرر سے کر دینا واجب ہے تاکہ وہ اپنی حفاظت کر سکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّخَاءِ

باب ۴۰: سخاوت (کی فضیلت) کا ذکر

(۱۸۸۳) قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ مِنْ بَيْتِيْ إِلَّا مَا أَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ أَفَأُعْطِيْ قَالَ نَعَمْ وَلَا تُوْكِيْ فَيُوْكِيْ عَلَيْكِ يَقُوْلُ لَا تُحْصِيْ عَلَيْكِ.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس جو بھی چیز ہے وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی دی ہوئی ہے تو کیا میں اسے (اللہ کے راستے میں) دے سکتی ہوں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں تم روک کے نہ رکھو تم سے روک دیا جائے گا (ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں) تم گنتی نہ کرو ورنہ تمہارے لیے بھی گنتی کی جائے گی۔

(۱۸۸۴) السَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللهِ بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ عَالِمٍ بَخِيْلٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سخاوت کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے جنت سے قریب ہوتا ہے لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے جبکہ بخیل شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے جنت سے دور ہوتا ہے

لوگوں سے بھی دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے ایسا جاہل شخص جو سخی ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جو عبادت گزار بھی ہو اور بخیل بھی ہو۔

تشریح: سخاوت کی فضیلت:

سخی شخص جس نے محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے مال کو خرچ کیا وہ اپنے اس فعل سخاء کی بناء پر اللہ کی رحمت سے بالکل قریب ہو جاتا ہے اور اس فعل کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوگا اس لئے جنت کے قریب بھی ہے اور لوگ ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں لہٰذا لوگوں کے دلوں کے قریب ہوا جس طرح حاکم عادل کا نفع اگر چہ سب کو نہ پہنچے مگر اس سے سب کو محبت ہوتی ہے، اس کے بالمقابل بخیل شخص جو واجبات میں بھی مال خرچ نہیں کرتا ایسا شخص اللہ کا مبغوض، لوگوں کا بھی معتوب اور بخل کی بناء پر جنت سے دور ہو جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

الجاهل السخي احب الى الله من عابد بخيل: جاہل سخی سے مراد وہ غیر عالم سخی ہے جو کثیر النوافل نہ ہو اور عابد بخیل سے مراد ایسا بخیل عالم جو کثیر العبادۃ النوافل ہو یعنی جو شخص غیر عالم ہو اگر چہ وہ کثیر النوفل نہیں ہے مگر سخی ہے وہ اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس عالم سے جو عابد ہے اور بخیل ہے اور اگر غیر عالم بخیل ہے تو اس سے بدرجہ اولیٰ سخی شخص بہتر وعند اللہ محبوب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص سخی ہے گو وہ کثرت سے نوافل نہیں پڑھتا مگر اپنے فعل سخاوت کی بناء پر اللہ کے یہاں زائد مقرب ہوگا ایسے شخص سے جو کثیر العبادۃ ہے مگر بخیل ہے اور بخل درحقیقت دنیا کی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے، اور جس آدمی کے دل میں دنیا کی محبت ہو وہ کوئی بھی غلطی کر سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: **كما قال عليه السلام حب الدنيا راس كل خطية.** دنیاء کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، اس لئے آدمی یہ کوشش کرے کہ میرے اندر سخاوت کی صفت ہو، نہ کہ بخل کی کیونکہ سخاوت کے ذریعہ وہ اللہ کے ہاں قرب حاصل کر سکتا ہے۔

لا تحصي فيحصي عليك: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں:

(1) تنگدلی کے ساتھ گن گن کر نہ دو (اس سے برکت اٹھ جاتی ہے) ورنہ تمہیں بھی حساب سے اور گن گن کر دیا جائے گا۔

(2) گن گن کر مال جمع اور ذخیرہ نہ کرو کہ اس سے خرچ ہی نہ کرے ورنہ تم پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کو بند کر دیا جائے گا۔ (فتح الباری، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقۃ۔ 3/383)

"لا توکی" جبکہ مشکیزہ کے منہ کو دھاگے سے مضبوط باندھ دیا جائے اس سے مراد بخل کرنا ہے۔

"فيوكى عليك" بفتح الکاف مجہول کا صیغہ ہے بخاری کی روایت میں 'فيوكى الله عليك' واقع ہے علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں۔

لا تدخري ولا تشدي ما عندك و ما في يدك فتنقطع مادة الرزق عنك : يقول لا تحصي عليك يه لا توكي فيوكى عليك کی تفسیر ہے جو بعض رواۃ نے فرمائی اور یقول کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے چنانچہ بخاری شریف میں یہ لفظ خود آپ ﷺ سے منقول ہے۔ حافظ بن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احصاء کے معنی "**معرفة قدر الشي وزنًا و عددًا**" کے ہیں مراد یہ ہے کہ تنگ دلی کے ساتھ گن گن کر نہ دے چونکہ اس سے مادہ برکت ختم ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ بھی بغیر برکت محدود عطا فرمائیں گے یا مراد یہ ہے کہ گن گن کر مال کا ذخیرہ نہ بنائے کہ اس سے خرچ نہ کرے ورنہ اللہ تعالیٰ بھی مادہ رزق کو

محبوس کرے گا اور برکت ختم کردے گا اور آخرت میں الگ حساب دینا ہوگا، لہٰذا روایت کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو خوش دلی کے ساتھ خوب خرچ کیا جائے اس لئے کہ اس سے برکت ہوتی ہے اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس کے بالمقابل اگر تنگ دلی کے ساتھ مال کو خرچ کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ برکت نہیں عطا فرمائیں گے۔

نیز روایت سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ وغیرہ کرسکتی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ شوہر کی جانب سے دلالۃً یا صراحتاً یا عرفاً انفاق کی اجازت ہو جس کی تفصیل پہلی جلد میں گزر چکی ہے۔

سخاوت وبخل کی حقیقت:

سخاوت وبخل دونوں متضاد لفظ ہیں جن کی تعریفات میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک کی وضاحت سے دوسرے لفظ کے معنی کی تعیین خود بخود ہو جاتی ہے چنانچہ علماء نے سخاوت کی تعریف مختلف الفاظ سے فرمائی ہے

(۱) کہ بعض حضرات فرماتے ہیں سخاوت بلا تامل ضرورت پوری کرنے اور احسان جتائے بغیر دینے کا نام ہے۔

(۲) سخاوت ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو بغیر مانگے دیا جائے اور اس تصور سے دیا جائے کہ میں نے تھوڑا دیا ہے

(۳) کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہونا اور سے مسرت پانا سخاوت ہے۔

(۴) کہ مال کو اس تصور کے ساتھ دینا سخاوت ہے کہ مال اللہ کا ہے اور دینے والا بھی اللہ کا بندہ ہے اس لئے اللہ کا بندہ کا مال فقر و افلاس کے ادنیٰ اندیشہ کے بغیر دے رہا ہے۔ اور ان سب اقوال کی بالکل ضد بخل ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ تعبیرات حقیقتاً ناقص ہیں سخاء وبخل کی حدود ان سے واضح نہیں ہوتیں۔

سخاوت، جود، ایثار:

اپنے مال میں سے کچھ دے دینا اور کچھ رکھ لینا یہ سخاوت ہے اور اپنا زیادہ مال دے دینا اور کچھ رکھ لینا جود ہے اور خود مشقت برداشت کرلینا لیکن دوسرے کو تکلیف نہ ہونے دینا ایثار ہے۔

اعتدال کا حکم:

جس کی وضاحت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو ایک حکمت ومقصد کے لئے پیدا کیا کہ اس کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرے، جہاں پر ضرورت ہو خرچ کرے اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں خرچ کرکے اسراف نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ جہاں مال خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جہاں روکنا ضروری ہے وہاں خرچ کرنا اسراف ہے ان دونوں کے درمیان کی صورت محمود ہے اور اسی کو سخاوجود کہا جائے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ایک طرف سخاوت کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝٢٩﴾ (الاسراء:۲۹) اسی طرح ﴿إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝٦٧﴾ (الفرقان:۶۷) ان آیات سے معلوم ہوا کہ جود وسخاء، اسراف وکمی اور قبض وبسط کی درمیانی راہ کا نام ہے اور وہ درمیانی راہ یہ ہے کہ آدمی اپنے خرچ و امساک کو مقدار واجب اور مواقع وجوب پر محول کرے اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ خرچ کا فعل صرف اعضاء سے صادر نہ ہو بلکہ دل بھی راضی ہو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْبُخْلِ

باب ۴۱: بخل (کی مذمت) کے بارے میں

(۱۸۸۵) خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں بخل بداخلاقی۔

(۱۸۸۶) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَّلَا مَنَّانٌ وَّلَا بَخِيْلٌ.

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں دھوکہ دینے والا احسان جتانے والا اور کنجوسی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۱۸۸۷) اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن سیدھا سادہ اور کریم (اچھے اخلاق کا مالک) ہوتا ہے جبکہ فاجر شخص دھوکہ باز اور کمینہ ہوتا ہے۔

تشریح: (۱) تین چیزیں دھوکہ دینا، بخل کرنا اور احسان جتلانا ذکر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ یہ چیزیں بسا اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں، لہٰذا دیگر کافروں کی طرح یہ بھی جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے، اس معنی کے لحاظ سے جنت میں داخل نہ ہونا حقیقی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ ھکذا قالہ الکنکوھی

(۲) ممکن ہے کہ خب سے مراد کافر ہو جیسا کہ دوسری روایت میں فرمایا گیا ہے: "المؤمن غر کریم الفاجر خب لئیم" اس صورت میں مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں اور مطلق دخول کی نفی ہوگی اور اگر اس سے مراد مومن خادع بخیل ومنان ہے تو دخول اولیٰ کی نفی ہوگی اس لئے کہ ایمان کی وجہ سے بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۳) کہ ان صفات مخصوصہ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے البتہ ان صفات سے پاک وصاف ہو کر خواہ توبہ کے ذریعہ دنیا میں، یا سزا پا کر آخرت میں یا اللہ تعالیٰ کے معاف کر دینے کے بعد یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ قولہ تعالیٰ:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ (الاعراف: ۴۳)

بخل بری خصلت:

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل کی مذمت بیان فرمائی ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ بخل اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے، پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے اندر دو خصلتیں یعنی بخل اور بداخلاقی جمع نہیں ہوسکتیں، اس جمع نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

① پہلا مطلب یہ ہے کہ کسی مومن میں ان دو خصلتوں کا پایا جانا مناسب نہیں ہے، کیونکہ یہ بری صفات ہیں، جو ایمان کے مناسب نہیں ہیں۔

② علامہ تورپشتی نے لاتجمعان کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ کسی مسلمان میں یہ دو خصلتیں اس انداز سے کامل طریقے سے پائی جائیں کہ کبھی بھی اس سے جدا نہ ہوں اور وہ انہیں پسند بھی کرتا ہو، اس طرح کا اجتماع نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے، لیکن اگر یہ عادتیں کبھی کبھار پائی جائیں یا تھوری مقدار میں پائی جائیں اور وہ مؤمن ان کی وجہ سے اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہے اور وہ ان کی وجہ سے شرمندہ بھی ہوتا ہے، تو یہ ایمان کے منافی نہیں ہے۔

③ اس میں کمال ایمان کی نفی ہے کیونکہ اس کا ایمان اگر کامل ہوتا تو یہ خصلتیں اس میں نہ پائی جاتیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان ناقص ہے، لہٰذا اسے اپنا ایمان کامل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (تحفۃ الاحوذی، 6/83)

④ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اخلاق اور مال سے دوسروں کو فائدہ پہنچے اور بخیل آدمی کے بخل کی وجہ سے اور بداخلاق اور بدمزاج انسان کی بداخلاقی و بدمزاجی کی وجہ سے دوسروں کو راحت کیا تکلیف پہنچتی ہے، اس لئے مومن کو چاہئے کہ وہ ان عادتوں سے اپنے ایمان کو بچائے، تا کہ اسے ایمان کا وہ درجہ حاصل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔ (الکوکب الذری، ابواب، البر والصلۃ، باب ہذا۔ 3/56)

المؤمن غر کریم کا حاصل یہ ہے کہ کامل ایمان والا شخص سیدھا سادہ اور شریف ہوتا ہے، زمانے کی فتنہ پردازیوں اور شرارتوں کو نہیں سمجھتا، مکر وفریب اور دھوکہ بازی سے کوسوں دور ہوتا ہے جبکہ فاجر و فاسق شخص ہر وقت لوگوں کو دھوکہ دینے کے درپے رہتا ہے، اس کے سامنے صرف اپنا مفاد ہوتا ہے، اس کی نقل وحرکت اور گفتگو سے خست و ناءت اور کمینہ پن ٹپکتا ہے جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے۔

اعتراض: حدیث میں ہے کہ "مومن کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا" اتقوا فراسة المومن. مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن خوب تجربہ کار اور زمانے کے نشیب وفراز سے آشنا ہوتا ہے، اسے اللہ کی طرف سے ایسا نور فراست اور بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ کسی سے دھوکہ کھا جاتا ہے، بظاہر ان روایات میں تعارض ہے؟

جواب ①: اس سے مراد یہ ہے کہ مومن سے لوگوں سے حسن ظن رکھتا ہے، کسی کے ساتھ مکر وفریب اور دھوکے سے پیش آتا، لیکن احتیاط کے باوجود کبھی محض حسن ظن کی وجہ سے دھوکہ کھا جاتا ہے، وہ بھی ہمیشہ نہیں، کبھی کبھار، اس لئے روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

جواب ②: **المؤمن غر کریم** کا تعلق دنیوی امور سے ہے اور "لایلدغ" اُخروی امور کے بارے میں ہے اس لئے دونوں میں تعارض نہیں۔

جواب ③: بعض نے کہا کہ لایلدغ نفی نہیں، بلکہ اور انشاء ہے، گویا حکماً منع کیا جا رہا ہے، اور المومن غر کریم میں خبر ہے۔ (الکوکب الدری۔ 3/57)

ترکیب نحوی: ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "خصلتان لا تجتمعان فی مومن" خبر مقدم ہے اور **البخل وسوء الخلق**

مبتداء موخر ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خصلتان مبتداء ہے اور لا تجتمعان اس کے لئے صفت مخصصہ ہے تا کہ اس نکرہ کا مبتداء بنانا صحیح ہو جائے اور البخل وسوء الخلق خبر ہے۔ البخل: بخل کی حقیقت اور اس کے حدود شرعیہ ماسبق میں گزر چکے ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ

باب ۴۲: اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کے بارے میں

(۱۸۸۸) نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں آدمی کا اپنی بیوی پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔

(۱۸۸۹) أَفْضَلُ الدِّيْنَارِ دِيْنَارٌ يُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى عِيَالِهِ وَدِيْنَارٌ يُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى دَابَّتِهِ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَدِيْنَارٌ يُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي سَبِيْلِ اللهِ قَالَ أَبُوْ قِلَابَةَ بَدَأَ بِالْعِيَالِ ثُمَّ قَالَ فَأَيُّ رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنْ رَّجُلٍ يُّنْفِقُ عَلَى عِيَالٍ لَّهُ صِغَارٍ يُعِفُّهُمُ اللهُ بِهٖ وَيُغْنِيْهِمُ اللهُ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ فضیلت والا دینار وہ دینار ہے جسے آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جسے آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے (یہاں اللہ تعالیٰ کی راہ سے مراد جہاد ہے)۔

شیخ ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اہل خانہ کا تذکرہ کیا تھا۔

پھر فرمایا اس شخص سے زیادہ اور اجر کسے ملے گا جو اپنے کم سن بچوں پر خرچ کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اس شخص کی وجہ سے (محنت مشقت سے بچا لیتا ہے) انہیں اس شخص کی وجہ سے (ضروریات سے بے نیاز کر دیتا ہے)۔

تشریح: اہل وعیال پر خرچ کرنے کی فضیلت:

بخاری ومسلم کی روایت میں "اذا انفق المسلم علی اھلہ وھو یحتسبھا" کا لفظ واقع ہوا ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یحتسبھا" کے معنی "القصد الی طلب الاجر" علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ "یحتسبھا" دلالت کرتا ہے کہ انفاق میں اجر حاصل کرنے کے لئے قربت وثواب کی نیت ضروری ہے خواہ وہ انفاق واجب ہو یا مباح ہو اور اس کے مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اجر کی نیت نہیں ہے تو اجر نہیں ملے گا گو برأت ذمہ متحقق ہو جائے گا۔

اھلہ: یا تو اس سے مراد صرف زوجہ ہے اور دوسرے اقارب پر انفاق بدرجہ اولیٰ اس کی فضیلت کے تحت داخل ہے اس لئے کہ جب واجب نفقہ پر اجر ہے تو غیر واجب پر بدرجہ اولیٰ اجر ملے گا یا اس سے مراد عام ہے یعنی زوجہ اور دیگر اقارب اور معنی یہ ہیں کہ اپنے اہل خانہ بیوی اور اولاد اور دیگر عزیز واقارب پر خرچ کرنا باعث ثواب ہے۔ علامہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجر وثواب کے ارادے سے اہل وعیال پر خرچ کرنا باعث اجر ہے بلکہ صدقہ تطوع سے بھی افضل ہے۔ علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ شارع نے انفاق علی الاہل کو صدقہ سے تعبیر کیا ہے تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ واجبات میں خرچ کرنا باعث اجر نہیں ہے اس لئے انفاق واجب کی اہمیت کے

پیش نظر اس کو لفظ صدقہ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

اَفْضَلُ الدِّيْنَارِ دِيْنَارٌ يُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلٰى عِيَالِه: میں تین قسم کے لوگوں پر خرچ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے، کیونکہ اس کا فائدہ دوسرے لوگوں تک پہنچتا ہے، اس لئے ان پر خرچ کرنا بہت خیر و برکت کا ذریعہ ہے، بہتر یہی ہے کہ اسی ترتیب سے خرچ کیا جائے جس طرح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، پہلے اہل و عیال پر، پھر راہ خدا میں مشغول جانور پر، پھر راہ خدا کے دوستوں پر جمہور علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ اس ترتیب کا لحاظ اگر ہو سکے تو بہتر ہے، شرعاً واجب اور ضروری نہیں ہے۔

قال ابو قلابة بدًا بالعيال: ابو قلابہ نے ترتیب ذکری سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اہل و عیال پر خرچ کرنے کا ذکر کر کے فرمایا کہ اپنے چھوٹوں پر خرچ کرنا سب سے افضل ہے کہ وہ اس سے سوال کی ذلت سے بچ جاتے ہیں اور استغناء کی زندگی گزارتے ہیں، اس سے درحقیقت اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت اور اہمیت کو ذکر کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان مواقع ثلاثہ میں افضل موقع انفاق علی العیال ہے، بہرحال حکیم کا کسی شے کو مقدم ذکر کرنا حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی۔6/85,86)

بَابُ مَا جَآءَ فِی الضِّيَافَةِ وَغَايَةُ الضِّيَافَةِ كَمْ هُوَ

باب ۴۳: مہمان نوازی اور اس کی مدت کا ذکر ہے کہ وہ کتنی ہے

(۱۸۹۰) اَنَّهٗ قَالَ اَبْصَرَتْ عَيْنَایَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَسَمِعَتْهُ اُذُنَایَ حِيْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتَهٗ قَالُوْا وَمَا جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ وَّالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَّمَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَسْكُتْ.

ترجمہ: حضرت شریح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے ان دونوں آنکھوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور میں نے اپنے دونوں کانوں سے سنا آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی مہمان نوازی کرے جو اہتمام کے ساتھ ہو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کتنے عرصے تک ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک دن اور ایک رات پھر آپ ﷺ نے فرمایا عام مہمان نوازی تین دن تک ہوگی اس کے بعد صدقہ ہوگا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو گا وہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔

(۱۸۹۱) اَلضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَّجَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ وَّمَا اُنْفِقَ عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِیَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عام مہمان نوازی تین دن تک ہوگی اور اہتمام کے ساتھ دعوت ایک دن کی ہوگی اور اس کے بعد آدمی مہمان پر جو خرچ کرے گا وہ صدقہ ہوگا تاہم مہمان کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اتنی دیر رہے کہ اسے حرج میں مبتلا کر دے۔

مذاہب فقہاء: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مہمان کا حق ہے کہ اس کا ادب و احترام اور اکرام کیا جائے، اس کے ساتھ خندہ

پیشانی اور حسن اخلاق سے گفتگو وغیرہ کی جائے اور اپنی حیثیت اور استطاعت کے بقدر ضرور اس کی خدمت کی جائے۔

(1) جمہور علماء کے نزدیک مہمان نوازی اور ضیافت کرنا سنت مؤکدہ اور مستحب عمل ہے۔

(2) امام لیث رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً واجب ہے۔

(3) امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف گاؤں والوں پر واجب ہے، اہل شہر پر نہیں کیونکہ گاؤں میں کھانے وغیرہ کا عام انتظام نہیں ہوتا جبکہ شہر میں ہوٹل وغیرہ ہوتے ہیں جن سے کھانے وغیرہ کا بندوبست آسانی سے ہوجاتا ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل: (1) حدیث باب جس میں ہے: وما انفق علیه بعد ذلك فهو صدقة۔ جو تین دن کے بعد میزبان پر خرچ کرے گا تو وہ تبرع واحسان اور صدقہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے تین دن کی ضیافت صدقہ نہیں، بلکہ واجب ہے۔

(2) لیلة الضیف حق واجب، مہمان نوازی کرنا ایک حق واجب ہے۔

(3) فخذوا منهم حق الضیف الذی ینبغی لهم۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان نوازی کرنا واجب ہے جب ہی تو زبردستی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

جواب از جمہور: پہلی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ تین دن مہمان کی خدمت اور مہمان نوازی کرنا ایک اخلاقی حق ہے اور تین دن کے بعد اگر خدمت کی جائے تو یہ محض تبرع، احسان اور صدقہ ہوگا۔

(مرقاة المفاتیح، کتاب الأطعمة، باب الضیافة۔ 8/69)

دوسری حدیث میں حق واجب سے صرف تاکید مقصود ہے عربی میں ''واجب'' کے معنی ثابت کے ہیں، اس سے اصطلاحی وجوب ثابت کرنا مراد نہیں ہے۔

تیسری حدیث کے مختلف جوابات ہیں:

① یہ حالت اضطرار پر محمول ہے۔

② یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا، اس وقت غریب لوگوں کا خیال رکھنا واجب تھا، پھر جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوگیا، فقراء اور محتاج لوگوں کی حالت بہتر ہوگئی تو پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

③ یہ ان مخصوص اہل ذمہ لوگوں کے بارے میں کہا گیا جن سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگر مسلمانوں کا لشکر وہاں سے گزرے گا تو وہ ضیافت کریں گے، معاہدہ عمل چونکہ واجب تھا اس لئے ان سے زبردستی حق ضیافت وصول کرنے کی اجازت دی گئی۔

④ جبراً حق ضیافت لینے کی اجازت اسلامی حکومت کے ان افراد کے لئے ہے جنہیں زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے ملک کے اطراف میں بھیجا جائے، ان کے پاس اپنا کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہ ہو اور اس بستی والے ان کی ضیافت اور خدمت نہ کریں۔ (فتح الباری، کتاب المظالم، باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمة۔ 5/136)

مہمان نوازی کی مدت:

مہمان نوازی کی مدت تین دن ہے، اس کے بعد جو کچھ دیا جائے وہ صدقہ ہے۔ علامہ خطابی اور دوسرے کئی محدثین نے اس کی

تشریح یوں کی ہے کہ کل مدت ضیافت تین دن ہے، ان میں پہلے دن تو خوب اکرام کیا جائے، کھانے وغیرہ میں ذرا تکلف کیا جائے، دوسرے اور تیسرے دن معمول کے مطابق خدمت کی جائے ان تین دنوں کے بعد جو کچھ دیا جائے وہ ''حق ضیافت'' نہیں بلکہ ''محض تبرع اور صدقہ ہے۔'' (عمدۃ القاری، کتاب الادب۔ 22/175)

ابن بطال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضیافت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے دن تو اس کی خدمت میں ہدیہ اور تحفہ پیش کیا جائے، دوسرے دن معمول سے ہٹ کر کھانے میں تکلف کیا جائے اور تیسرے دن جو بھی موجود ہو، اسے حاضر کیا جائے، اس کے بعد میزبان کو اختیار ہے چاہئے خدمت کرے یا نہیں، جس طرح صدقہ نافلہ میں اختیار ہوتا ہے۔

فائدہ: مدت ضیافت تین دن ہے۔ ابو عبید اور دوسرے بعض محدثین نے ''یوم الجائزۃ'' کو الگ شمار کیا ہے، ان کے نزدیک مہمان نوازی کے تین دن اور ایک دن ''جائزۃ'' ہے، اس طرح کل چار دن بن جاتے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح کتاب الاطعمة، باب الضیافة ۸/۷۱)

اس کی تائید مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، اس میں: الضیافة ثلاثة أیام و جائزته یوم و لیلة۔ مہمان نوازی کی مدت تین دن ہے اور ایک دن ''جائزۃ'' کا۔ (الصحیح المسلم، کتاب اللقطة الضیافة و نحوها)

جائزہ: ''جائزۃ'' ضیافت کے بعد ہوتا ہے، اس کا حاصل یہ نکلے گا کہ مہمان جس دن وہ جانے لگے تو اس کی خدمت میں کچھ ہدیہ اور تحفہ بھی پیش کیا جائے اور اگلی منزل تک جانے کے لئے اسے زادِ راہ بھی دیا جائے، اس کو جِیْزَہ کہتے ہیں ایک دوسری حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''جائزۃ'' کے ایک اور معنی بیان کئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر مہمان ٹھہرے تو اس کی ضیافت تین دن ہے اور نہ ٹھہرے تو اس کے لئے ''جائزۃ'' ہے، گویا ان کے نزدیک ''ضیافت'' کا تعلق تین دن رہنے والے مہمان سے ہے اور ''جائزۃ'' کا تعلق اس مہمان سے ہے جو قیام کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ کچھ دیر کے لئے آیا ہو۔ (فتح الباری، کتاب الأدب، باب اکرام الضیف۔ ۱۰/۶۵۳)

ولا یحل له ان یثوی عنده حتی یحرجه: کسی مہمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ میزبان کے پاس اس قدر ٹھہرے کہ اسے حرج، تنگی اور تکلیف میں مبتلا کردے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: حتی یؤثمه (یہاں تک کہ اسے گناہ میں مبتلا کردے) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قدر نہ ٹھہرے کہ میزبان کو گناہ میں مبتلا کردے، کیونکہ زیادہ رہنے کی وجہ سے ممکن میزبان اس کی غیبت شروع کردے یا اسے کوئی تکلیف دے دے یا کوئی بدگمانی کرنے لگے تو اس طرح میزبان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

(شرح مسلم للنووی، کتاب اللقطة، باب الضیافة و نحوها ۸/۲)

لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مہمان کے زیادہ رہنے کی وجہ سے میزبان تنگی میں مبتلا ہو، اگر مہمان کے رہنے سے میزبان کو کوئی حرج اور تکلیف نہیں ہو رہی تو ایسی صورت میں مہمان کے ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں۔

''فلیکرم ضیفه جائزته'' اس میں ''ضیفه'' مفعول بہ ہے، اور ''جائزۃ'' بدل اشتمال ہے اور بعض نے کہا کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے، اصل عبارت یوں ہے: ''فلیکرم ضیفه بجائزته'' (تحفۃ الاحوذی۔ 6/88)

بَابُ مَا جَآءَ فِی السَّعْیِ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْیَتِیْمِ

باب ۴۴: بیوہ، مسکین اور یتیم کے لئے کوشش کرنے کی فضیلت کے بارے میں

(۱۸۹۲) السَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ کَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّهَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ.

ترجمہ: صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت کے طور پر یہ بات نقل کی ہے آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے بیواؤں اور مسکینوں کا خیال رکھنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے شخص کی مانند ہے یا اس شخص کی مانند ہے جو دن کے وقت روزہ رکھتا ہو اور رات بھر نفل پڑھتا رہتا ہو۔

تشریح: ارملة: (ہمزہ پر زبر، را ساکن اور میم پر زبر) اس کے معنی محتاج اور مسکین کے ہیں کہا جاتا ہے کہ امراة رملة او مسکینة، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ارملہ وہ عورت کہلاتی ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ اس نے نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو جس کو ہمارے عرف میں بیوہ کہا جاتا ہے، ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ بیوہ عورت کو ارملۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد اس کو فقر لاحق ہو جاتا ہے۔

الیتیم: اس سے مراد مسکین ہے خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم جیسا کہ روایت میں صراحتاً لفظ مسکین واقع ہے۔ المسکین: وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو اور بعض نے کہا کہ تھوڑا بہت ہو اس کا اطلاق ضعیف پر بھی ہوتا ہے لہٰذا فقیر بھی اس میں داخل ہے۔

بیوہ اور یتیم کی پرورش اور کفالت کی فضیلت:

جو کسی بیوہ، کسی تنگدشت اور یتیم کی کفالت اور ان کا خرچہ برداشت کرتا ہے، ان کے لئے کمانے کی مشقت برداشت کرتا ہے، شب و روز اسی کوشش اور تگ و دو میں رہتا ہے تا کہ کما کر ان بے کسوں کی خدمت کر سکے یہ اس مجاہد کی طرح ہے جو راہ خدا میں جہاد کرتا ہے، جس سے بیت المال میں مال غنیمت جمع ہوتا ہے اور اس سے تمام مستحق لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے: ''او کالذی یصوم النهار'' یہ لفظ او کے ساتھ ہے اور یہی صحیح ہے چنانچہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ راوی کو شک واقع ہوا ہے اور ابن ماجہ نے لفظ او کے ساتھ روایت نقل کی ہے روایت میں بیویوں اور مسکینوں کے لئے سعی کرنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ (فتح الباری، 10/654)

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ طَلَاقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبِشْرِ

باب ۴۵: خندہ روئی اور شگفتگی کی فضیلت کے بارے میں ہے

(۱۸۹۳) کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَّاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَّاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِیْ اِنَاءِ اَخِیْكَ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بھلائی صدقہ ہے اور بھلائی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو اور یہ بات بھی شامل ہے کہ تم اپنے ڈول کے ذریعے اپنے بھائی کے برتن میں پانی

ڈال دو۔

لغات: طلاقة الوجه: خندہ روئی، بشاشت، شگفتگی۔ البشر: (باء کے نیچے زیر اور شین کے سکون کے ساتھ) خندہ روئی، خوشی۔
معروف: امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معروف ہروہ عمل جس کی اچھائی وعمدگی شریعت اور عقل دونوں سے معلوم ہو اور اس کا اطلاق ہر اس عمل پر ہوگا جس میں حد سے تجاوز نہ ہو۔ وجہ طلق: ہنس مکھ چہرہ۔ صدقة: ہر قسم کی بھلائی اور نیکی صدقہ ہے یعنی باعث اجر وثواب ہے، اپنے مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا اور ضرورت کے وقت ڈول سے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا یہ بھی معروف اور نیکی ہے اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر ہو سکے مخلوق خدا کو اپنے سے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے، یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی۔90/6) نیز اس لفظ **کل معروف صدقة** میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ صدقہ کے لئے کسی امر محسوس کا ہونا ضروری نہیں کہ صرف مالدار ہی اس کو اختیار کر سکیں بلکہ ہر شخص صدقہ پر قادر ہے، مالدار مال دے کر اور غریب مذکورہ نیکیاں کر کے صدقہ کرنے والا شمار ہوگا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ

باب ۴۶: سچ اور جھوٹ کا ذکر ہے

(۱۸۹۴) عَلَیْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یَهْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَیَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّیْقًا وَاِیَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ یَهْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَی النَّارِ وَمَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَكْذِبُ وَیَتَحَرَّی الْكَذِبَ حَتّٰی یُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کو لازم کرلو بے شک سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے آدمی سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

(۱۸۹۵) اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِیْلًا مِّنْ نَّتْنِ مَا جَآءَ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں: جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بو کی وجہ سے نامہ اعمال لکھنے والا فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

(۱۸۹۶) مَا كَانَ خُلُقٌ اَبْغَضَ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْكَذِبِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ یُحَدِّثُ عِنْدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْكِذْبَةِ فَمَا یَزَالُ فِیْ نَفْسِهٖ حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ مِنْهَا تَوْبَةً.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ خصلت جھوٹ بولنا تھی بعض اوقات

کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں جھوٹ بول دیا کرتا تو آپ ﷺ کے دل میں (اس کے لیے ناپسندیدگی کی کیفیت) رہتی یہاں تک کہ آپ ﷺ کو پتہ چل جاتا کہ اس نے بعد میں توبہ کرلی ہے (تو اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی ناپسندیدگی ختم ہوتی)۔

تشریح: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں آداب زندگی سے متعلق احادیث بیان کی ہیں، جن میں سچائی کی فضیلت اور جھوٹ کی مذمت کا ذکر ہے۔ روایت کا حاصل یہ ہے کہ صدق ایسی عمدہ خصلت ہے کہ جب آدمی سچ بولتا ہے اور اس کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ بہت سی نیکیاں کرنے والا ہوتا ہے جن کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور اس اہتمام صدق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو صدیق لکھا جاتا ہے۔

حتی یکتب صدیقًا ... کذابا۔ اس کتاب سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے صدیق یا کذاب ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے، جس کا اظہار فرشتوں کے سامنے بھی کر دیا جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ یہ صدیق ہے یا کذاب جیسا کہ لوگوں کے دلوں میں کسی کے لئے ہر دلعزیزی یا نفرت ڈالی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶)

(۲) سے صادق کے حسن خاتمہ اور مامون العاقبۃ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس کے بالمقابل جھوٹ ایسی بری خصلت ہے جس کی وجہ سے جھوٹا آدمی بالآخر جہنمی ہو جاتا ہے: ﴿وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۚ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ﴾ (الانفطار) اس کتاب سے تقدیر لکھنا مراد نہیں، کیونکہ وہ تو پہلے لکھی جاچکی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی مزید تفصیل یوں آئی ہے: آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے، اور اللہ کے ہاں وہ جھوٹ بولنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں سچائی کی تعریف اور جھوٹ کی مذمت ذکر کر کے اس بات کی ترغیب دی جارہی ہے کہ ہر موقع پر سچ بولنے کا اہتمام اور غلط بیانی اور جھوٹ سے گریز کیا جائے۔ (فتح الباری۔10/623) آج مسلم معاشرے میں دیگر برائیوں کی طرح یہ گناہ بھی "عام وباء" کی طرح پھیل چکا ہے، چھوٹا بڑا، نیک و بد، عالم و جاہل سب میں کسی نہ کسی طرح یہ گناہ ضرور پایا جاتا ہے الا ماشاء اللہ کچھ لوگ ضرور ایسے ہوں گے جو سچ بولنے کا اہتمام کرتے ہوں گے لیکن مسلمانوں کی کثیر تعداد بہرحال جھوٹ کے گناہ میں ملوث ہے۔ قول و فعل میں سچائی کے زیور سے آراستہ رہنا ایمان کے کامل ہونے کی علامات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

فضیلت صدق اور قباحت کذب:

احادیث: اربع اذا کن فیك فلا یضرك مافاتك من الدنیا صدق الحدیث و حفظة الامانة و حسن الخلق و عفة رواه الخرائطی عن ابن عمر رضی الله عنهما.

"چار چیزیں جب تیرے اندر ہوں تجھے دنیا میں جو تجھ سے فوت ہوگیا تو تجھے نقصان نہیں پہنچ سکتا سچی بات کرنا، امانت کی حفاظت کرنا، اچھے اخلاق اور پاکدامنی۔"

اسی طرح معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے مرفوعاً...... اوصیك بتقوی الله و صدق الحدیث واداء الامانة والوفاء بالعهد وبزل الطعام وخفض الجناح۔ (ابونعیم)

"میں تجھے اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور سچی بات کی اور امانت ادا کرنے کی وعدہ پورا کرنے کی کھانا کھلانا اور اچھے

ہاتھوں کو جھکائے رکھنا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان لعبد لیکذب الکذبۃ فیتباعد الملک عنه مسیرۃ میل من نتن ما جاء به. (رواہ الترمذی)

"جو بندہ جھوٹ بولتا ہے فرشتے اس سے اتنے دُور بھاگ جاتے ہیں جتنی دُور سے اُس کی بد بُو آتی ہے۔"

ایک روایت میں ہے:

تقبلوا الی ستٍ اتقبل لکم بالجنة فقالوا وما هن قال اذا حدث احدکم فلا یکذب، و اذا وعد فلا یخلف، واذا أتمن فلا یخن، وغضوا ابصارهم، واحفظوا فروجکم، و کفوا ایدیکم.

"تم چھ چیزوں کو قبول کر لو میں تمھارے لئے چھ چیزوں کو قبول کرتا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔ اور جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت نہ کرے، اور اپنی آنکھوں کو جھکاؤ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو۔" (رواہ الحاکم عن انس رضی اللہ عنہ)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للشیطان کحلا ولعوقا وتشوقا اما لعوقه (چٹنی) فالکذب واما تشوقه (خوشبو) الغضب واما کحله (سرمہ) فالنوم.

ان کے علاوہ دیگر روایات اور ہیں جو صدق کی تعریف اور کذب کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور صدق و کذب: فرماتے ہیں کہ صدق کا لفظ چھ معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۱) صدق فی القول: بات چیت میں سچائی۔ (۲) صدق فی النیة والا ارادۃ: نیت میں صداقت۔ (۳) صدق فی العزم: ارادے اور عزم میں سچائی۔ (۴) صدق فی الوفاء بالعزم: اس عزم کو پورا کرنے میں سچائی۔ (۵) صدق فی العمل: عمل میں سچائی۔ (۶) صدق فی تحقیق مقامات الدین کلها: دین کے تمام مقامات اور امور میں سچائی۔ جس شخص میں صدق کے یہ تمام درجات پائے جائیں وہ "صدیق" کہلاتا ہے، پھر جس میں جتنا صدق ہوگا، اسی اعتبار سے اسے صادق اور سچا کہا جائے گا۔

فائدہ: جھوٹ کے بارے میں تفصیل: جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے البتہ جھوٹ کے بارے میں اہل علم نے قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ کلام مقاصد کے وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے اگر کسی اچھے مقصد تک پہنچنا سچ اور جھوٹ دونوں ذریعوں سے ممکن ہو تو جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر جھوٹ کے ذریعہ ہی اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے اگر وہ مقصد مباح ہے تو جھوٹ بھی مباح ہے اور اگر واجب ہے تو جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح دو شخص کے درمیان صلح کرانے نیز کسی مظلوم کے دل سے خوف و ہراس دور کرنے کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے مگر حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے۔

———※———

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْفُحْشِ

باب ۷۴: فحش بات یا فعل (کی مذمت) کا ذکر ہے

(۱۸۹۷) مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے حیائی جس چیز میں بھی آجاتی ہے اسے عیب دار کر دیتی ہے اور حیاء جس چیز میں آجاتی ہے اسے آراستہ کر دیتی ہے۔

(۱۸۹۸) خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

تشریح: فحش: بدکاری، بے حیائی کی بات۔ شانه: یہ لفظ ''شین'' سے ہے: عیب دار بنایا۔ زانه: اس کو مزین کر دیتا ہے۔ فاحشا: بے حیائی کی بات کرنے والا، غیر سنجیدہ بات بہتر۔ أحاسن: احسن کی جمع ہے۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر تم میں وہ شخص ہے جس کو اخلاق حسنہ حاصل ہوں، اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کیا گیا کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاحش تھے اور نہ متفحش یعنی فحش کلام، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر بلا تکلف جاری ہوتا اور نہ بتکلف ارادے سے ظاہر ہوتا تھا یعنی نہ فاحش جبلی تھے اور نہ فاحش کسبی۔ آپ نے طبعاً ومزاجاً بھی کبھی بے حیائی کی بات نہیں کی،

فحش گوئی ایک عیب: کہ فحش گوئی اور گندی بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، انسان کی حیثیت اس سے گر جاتی ہے، شرم وحیاء ایک زینت ہے، خوشبو ہے، جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے عمدہ اخلاق کے حامل تھے۔ هذا حديث حسن صحيح اخرجه الشيخان۔

یہی طریقہ ہر مسلمان کو اپنانا چاہئے، اپنی زبان کو ان چیزوں سے پاک صاف رکھا جائے اور اخلاق حسنہ کا دامن مضبوطی سے تھامنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان محترم ومعزز ہو جائے اور وہ فضیلت حاصل کرلے جو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عطا فرماتے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی، باب ہذا 6/93)

حسن اخلاق کے فضائل:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾ (القلم: ۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق.

ارشاد نبوی ہے: اثقل ما يوضع فی الميزان يوم القيامة تقوى الله وحسن الخلق.

''قیامت میں سب سے زیادہ وزنی میزان پر اللہ کا خوف اور اچھے اخلاق ہیں۔''

ایک صحابی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "خالق الناس بخلق حسن" ارشاد نبوی ہے:

ان المسلم المسدد ليدرك درجة الصائم القائم بحسن خلقه و كرم مزيته.

"مسلمان دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو قیام کرنے والے کے درجے کو اپنے اچھے اخلاق اور شرافت کی وجہ سے پہنچ سکتا ہے۔"

اور ایک روایت میں درجة الظمأن فی الهواجر کے الفاظ بھی وارد ہیں اسی طرح فرمایا:

العبد ليبلغ بحسن خلقه عظيم درجات الآخرة و شرف المنازل و انه لضعيف فی العبادة.

"بندہ اپنے بہترین اخلاق کی وجہ سے آخرت کے درجات اور بلند مرتبوں تک پہنچ سکتا ہے اور وہ عبادت میں کمزور ہے۔"

ان تمام آیات وروایات سے بخوبی واضح ہے کہ حسن اخلاق کی بہت بڑی فضیلت ہے اس کے بالمقابل بدخلقی کے متعلق فرمایا:

ان العبد ليبلغ سوء خلقه اسفل درك جهنم. "ایسے شخص کو جہنم کے نیچے طبقہ میں داخل کیا جائے گا۔"

اخلاق حسنہ کی حقیقت، چار ارکان کی موزونیت:

جس طرح حسن خلق بفتح الخاء یعنی ظاہری صورت کے حسن کے لئے تمام اعضاء آنکھ، ناک، ہونٹ اور رخسار وغیرہ کی موزونیت ضروری ہے اسی طرح حسن خلق بالضم کے لئے بھی چار ارکان کی موزونیت ضروری ہے ① قوت علم اتنا علم ہو کہ اقوال میں صدق و کذب اور اعتقادات میں حق و باطل اور افعال کے حسن وقبیح ہونے میں فرق کر سکے جب قوت علم اس درجہ تک پہنچ جائے گی تو اس کا ثمرہ حکمت کی صورت میں دیا جائے گا۔ قال تعالیٰ: ﴿وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (البقرہ:۲۶۹) ② قوت غضب ③ قوت شہوت یہ دونوں قوتیں اس درجہ کی ہوں کہ انسان ان دونوں کے ذریعہ عقل و شریعت کے اشاروں پر چلے۔ ④ قوت عدل یہ بھی ہے اس درجہ کی ہو کہ شہوت وغضب کی قوتوں کو معتدل بنا دے۔

جس انسان کے اندر یہ چاروں باتیں پائی جائیں گی اس کو حکمت، شجاعت، عفت اور عدل جیسی بے بہا صفات کمال حاصل ہوں گی اور ایسا شخص اخلاق حسنہ سے مزین و آراستہ ہوگا۔

حکمت، شجاعت، عفت اور عدل: ① حکمت یعنی قوت عقلی کے اعتدال سے حسن تدبیر، جودت ذہن، اصابت رائے، نفس کے مخفی آفات اور اعمال کی باریکیوں پر انتباہ حاصل ہوگا۔ ② شجاعت کے اعتدال سے کرم دلیری، شہادت، کسر نفسی، حلم، استقامت، کظم غیظ، وقار اور سنجیدگی پیدا ہوگی۔ ③ عفت کے اعتدال سے سخاوت، حیا، صبر، چشم پوشی، قناعت، تقویٰ، لطافت، بلند حوصلگی، وسعت ظرفی اور قلت طمع جیسے فضائل و اخلاق حاصل ہوں گے۔ ④ قوت عدل سے ان سب قوتوں میں اعتدال قائم ہوگا اور نہ کمی و زیادتی کی صورت میں ان فضائل حمیدہ کے بجائے اخلاق ذمیمہ پیدا ہوں گے

حسن خلق کے کیا ہے: ① حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ آدمی خندہ رو رہے، مال خرچ کرے اور لوگوں کی اذیت پر صبر کرے۔ ② امام واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ نہ وہ کسی سے جھگڑے اور نہ لوگ اس سے جھگڑیں ③ کہ تنگی اور کشادگی میں لوگوں کو راضی رکھنے کا نام خوش خلقی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خوش خلقی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ (۱) محرمات سے اجتناب۔ (۲) حلال کی طلب۔ (۳) اور اہل وعیال پر توسع۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّعْنَةِ

باب ۴۸: لعنت (کرنے کی مذمت) کا ذکر ہے

(۱۸۹۹) لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللهِ وَلَا بِغَضَبِهٖ وَلَا بِالنَّارِ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں ایک دوسرے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اس کے غضب یا جہنم (کی بددعا) نہ دو۔

(۱۹۰۰) لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن شخص طعنے نہیں دیتا لعنت نہیں بھیجتا فحش گفتگو نہیں کرتا بدزبانی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

(۱۹۰۱) اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَا تَلْعَنِ الرِّيْحَ فَاِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ وَاِنَّهٗ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهٗ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا پر لعنت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ حکم کی پابند ہے جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے جو چیز اس کی لعنت کی مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اس بھیجنے والے کی طرف واپس آجاتی ہے۔

تشریح: لعنة الله: اللہ تعالیٰ کا کسی کو اس کی بدعملی کی وجہ سے خیر سے دور اور محروم کرنا۔ لا تلاعنوا: تم ایک دوسرے پر لعنت نہ کرو۔ الطعان: یہ مبالغہ کا صیغہ ہے: بہت زیادہ عیب لگانے والا، طنز کا عادی۔ اللعان: بہت زیادہ لعنت کرنے والا۔ البذی: بدکلام، بداخلاق، بیہودہ بولنے والا۔

لعن طعن سے اجتناب کا حکم:

ان احادیث میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے خلاف بددعا کر کے یوں کہے کہ تجھ پہ اللہ کی لعنت ہو، تجھ پر اللہ کا غضب ہو، ہاں عمومی انداز سے کسی پر لعنت کی جائے تو یہ جائز ہے مثلاً یہ کہا جائے کہ کافروں پر، مشرکوں پر، بدعتیوں پر، رشوت خوروں پر۔

لعنت کے اسباب و درجات:

لعنت کے تین اسباب ہیں: کفر، بدعت، فسق اگر ان تین صفات میں سے کوئی ایک صفت کسی شخص میں ہو تو اس پر لعنت کرنا درست ہے ان تینوں اسباب میں سے ہر ایک کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ عام وصف کے حوالے سے لعنت کی جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر، بدعتیوں پر، فساق پر، دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی وصف میں تخصیص کر کے لعنت بھیجے مثلاً یہ کہے کہ اللہ

کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر، قدریہ پر مجوس پر، روافض پر، اللہ کی لعنت ہو زنا کرنے والے پر ظلم کرنے والوں پر سود کھانے والوں پر یہ دونوں درجے جائز ہیں۔

تیسرا درجہ کسی متعین و مخصوص شخص پر لعنت کی جائے اس پر میں تفصیل یہ ہے کہ جن لوگوں پر شرع میں لعنت ثابت ہے ان کا نام لے لعنت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے مثلاً فرعون، ابوجہل وغیرہ پر، مگر کسی زندہ شخص کا نام لے کر اس کو ملعون کہنا درست نہیں ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو ممکن ہے کہ وہ مرنے سے پہلے تائب ہو جائے اور اسلام قبول کر لے جب کافر کے بارے میں اتنی احتیاط ہے تو فاسق کے متعلق بدرجہ اولیٰ احتیاط ہوگی

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفر پر مرنا یقینی طور پر معلوم ہو جائے تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ کسی مسلمان کو ایذاء نہ پہنچتی ہو اگر ایذاء ہو تو پھر جائز نہیں ہے نیز کسی متعین فاسق پر لعنت کرنا بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ نہ معلوم وہ کس وقت توبہ کر لے ایسے موقع پر عام صیغہ استعمال کرنا چاہئے یا شیطان پر لعنت بھیجی جائے اس لئے کہ وہ گناہوں پر اکسانے والا ہے۔ بہرحال مسلمان کو کسی مسلمان کے لئے لعنت کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح غضب کا استعمال بھی درست نہیں ہے۔ نیز کسی کے لئے یہ بددعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کر دے یہ بھی درست نہیں ہے۔

ایسے ہی مردہ کافر جن پر شریعت میں لعنت کا ذکر آیا ہے مثلاً ابوجہل اور فرعون وغیرہ، الحاصل یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال کرنا درست ہوگا جس خدا سے دور کرنے والی صفت موجود ہو جیسے کفر و ظلم، چنانچہ "لعنة الله على الظالم اور لعنة الله على الكفار" کہنا درست ہے اور کسی مسلمان کو اس طرح کہنا درست نہیں ہے۔

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ: میں کمال ایمان کا ذکر ہے کہ جس مسلمان کا ایمان کامل ہوگا وہ دوسروں کی عیب جوئی بھی نہیں کرے گا، نہ لعن طعن کرے گا، نہ بے حیائی اور بیہودہ گفتگو کرے، لہٰذا اگر کسی میں یہ خرابیاں پائی جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان ناقص ہے، کامل نہیں ہے، اسے ان گناہوں سے تہہ دل سے توبہ کرنی چاہئے، تاکہ کمال ایمان کی فضیلت اسے حاصل ہو جائے۔

"ولا الفاحش ولا البذی" بعض نے کہا کہ ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، یہ عطف تفسیری ہے جبکہ بعض نے یہ کہا کہ "فاحش" سے فحش فی العمل اور "البذی" سے فحش فی القول مراد ہے۔

لفظ "لعان": مبالغہ کا صیغہ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ تھوڑی بہت لعن طعن سے کوئی مومن نہیں بچ سکتا، چنانچہ ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہ مذمت اور لعنت کرنے کی برائی اس شخص کے لیے نہیں ہے جس سے ایک یا دو مرتبہ لعنت کا صدور ہو جائے، بلکہ اس کے بارے میں ہے جو کثرت سے لعن طعن کرتا ہو۔

لَا تَلْعَنِ الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ.

"ہوا کو لعنت نہ کرو بیشک وہ تو مامور ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعدار ہے)"

سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسانوں اور حیوانات پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح جمادات پتھر، ہوا پر بھی لعنت کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں لعنت کے قابل نہیں ہیں، انہیں اگر لعنت کی جائے تو وہ اسی کی طرف لوٹ کر آتی ہے اس لئے مستحق کے علاوہ کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، باب ہذا، 6/95)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ تَعْلِیْمِ النَّسَبِ

باب ۴۹: نسب سیکھنے اور جاننے (کی فضیلت) کے بارے میں ہے

(۱۹۰۲) تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِی الْاَهْلِ مَثْرَاةٌ فِی الْمَالِ مَنْسَاةٌ فِی الْاَثَرِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں تم نسب کا اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعے تم اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آسکو کیونکہ اس صلہ رحمی کی وجہ سے آدمی اہل خانہ سے محبت کرتا ہے اور (اس کی وجہ سے انسان کے) مال میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی زندگی لمبی ہوتی ہے۔

لغات: مَثْرَاة: مال میں کثرت اور اضافہ کا ذریعہ۔ **مَنْسَأَة:** تاخیر کا سبب۔ **الأثر:** موت، نشانات قدم۔ منساۃ فی الاثر سے عمر میں اضافہ اور برکت مراد ہے۔

تشریح: نسب سیکھنے اور یاد رکھنے کا حکم: کہ ہر انسان کو اپنا نسب ضرور یاد رکھنا چاہئے تاکہ وہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کر سکے، نسب سے اسے معلوم ہوگا کہ یہ میرا چچا ہے یہ ماموں ہے، یہ والد کے رشتہ دار ہیں، یا والدہ کا خاندانی سلسلہ جب اسے علم ہوگا کہ یہ میرے رشتہ دار ہیں تو ان کے ساتھ صلہ رحمی، پیار و محبت اور حسن سلوک کرے گا، ہر ممکن طریقے سے ان کا تعاون کرے گا، ان کی خوشی میں شریک ہوگا اور غم کے موقع پر انہیں تسلی دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صلہ رحمی کی تین فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں:

① صلہ رحمی رشتہ داروں میں پیار و محبت کا باعث ہوتی ہے۔
② اس سے مال و دولت میں اضافہ اور فراوانی ہوتی ہے۔
③ عمر دراز ہوتی ہے۔

تعارض: اس حدیث میں اور قرآن مجید کی آیت میں بظاہر تعارض ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۳۴)

ترجمہ: "جب ان کی میعاد یعنی عمر ختم ہوگی واس وقت وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔"

جبکہ حدیث باب میں ہے کہ صلہ رحمی کرنے میں عمر اور رزق دونوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک اور حدیث میں ہے:

((جف القلم بما هو كائن)) "تقدیر کا قلم سب کچھ لکھ کر خشک یعنی فارغ ہو چکا ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کی تقدیر عمر، رزق، سب کچھ لکھی جا چکی ہے، حدیث اور آیت میں تعارض سا ہے۔

جواب①: تقدیر کی دو قسمیں ہیں: تقدیر مبرم، تقدیر معلق۔

تقدیر مبرم: اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ علم ازلی مراد ہے جو ہر چیز کا اللہ کو حاصل ہے، اس میں رد و بدل، زیادت و نقصان اور کمی

بیشی نہیں ہوسکتی۔

تقدیر معلق: اس سے وہ تحریر و کتاب مراد ہے جو کسی کے بارے میں لوح محفوظ میں معلق انداز سے لکھی جاتی ہے یا کسی فرشتے کو کسی امر پر مقرر کیا جاتا ہے کہ اس نے اگر فلاں کام کیا تو یہ ہوگا، نہ کیا تو یہ ہوگا، اس میں تقدیر کا حکم قطعی اور حرف آخر نہیں ہوتا بلکہ اس میں دعا یا کسی اور سبب سے تغیر و تبدل ہوسکتا ہے۔

جواب کا حاصل کہ آیت کریمہ ﴿اِذَا جَآءَ ...﴾ اور حدیث جف القلم میں "تقدیر مبرم" کا ذکر ہے، اور حدیث باب میں تقدیر معلق کا، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (فتح الباری، 10/509)

دوسرا جواب: یہ دیا گیا کہ اس کی عمر میں اضافہ سے مراد برکت ہے مدت عمر میں اضافہ نہیں، بلکہ اسی عمر میں نیکیوں، طاعات اور آثار صالحہ میں اضافہ مراد ہے، اس کی نیک اولاد ہوگی جو اس کے لئے دعائیں کرے گی، ایسے ہی رزق میں اضافہ سے مراد عدد اور تعداد میں اضافہ مراد نہیں بلکہ اس مال میں برکت مراد ہے کہ بڑے بڑے کام تھوڑے سے پیسے میں اس طرح حل ہوجاتے ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے، چھوٹی عمر کے باوجود اتنے بڑے کام کرلیتا ہے جتنے کہ لمبی عمر والے کرتے ہیں۔ (فتح الباری: ۱۰/۵۰۹، ۵۱۰)

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ دَعْوَةِ الْاَخِ لِاَخِیْهِ بِظَهْرِ الْغَیْبِ

باب ۵۰: ایک بھائی کا اپنے بھائی کے لئے پس پشت دعا کرنے کا ذکر ہے

(۱۹۰۳) مَا دَعْوَةٌ اَسْرَعَ اِجَابَةً مِّنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَائِبٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں سب سے زیادہ بہتر تیزی کے ساتھ وہ دعا قبول ہوتی ہے جو آدمی کسی کی غیر موجودگی میں کرتا ہے۔

تشریح: یہ ہے کہ جو شخص کسی غائب یا غیر حاضر شخص کے لئے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بہت جلد قبول فرماتا ہے چونکہ حاضر شخص کے لئے دعا کرنے میں ریا وسمعہ کا احتمال ہے مگر غائب کے لئے دعا کرنا خلوص اور صدق نیت پر مبنی ہوگا اور وہ دعا ریا و دکھلاوے سے دور ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ اس دعا کو جلد قبول فرماتا ہے ایک روایت میں ہے:

اذا دعا الرجل لاخیہ بظهر الغیب قال الملك لامثل ذالك. (مسلم)

"جب کوئی شخص اپنے بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے سے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے اس کی مثال کوئی نہیں۔"

دوسری روایت میں ہے:

"دعوۃ الاخ لاخیہ فی الغیب لا ترد" (دار قطنی)

"اپنے بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے دعا رد نہیں ہوتی (یعنی ضرور قبول ہوتی ہے)۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوستوں کے لئے مسجد میں دعا کرتا ہوں معلوم ہوا کہ اپنے احباب غائبین کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے۔ هذا حدیث غریب اخرجه احمد والافریقی یضعف فی الحدیث...الخ

بَابُ مَاجَآءَ فِي الشَّتْمِ

باب ۵۱: گالی گلوچ اور بُرا بھلا کہنے کی مذمت کے بارے میں ہے

(۱۹۰۴) اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيْ مِنْهُمَا مَالَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی جو کچھ کہتے ہیں اس سب کا گناہ پہل کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

(۱۹۰۵) لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْاَحْيَاءَ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو برا نہ کہو کیونکہ تم (اسی طرح) اپنے زندوں کو اذیت دو گے۔

(۱۹۰۶) سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا کفر ہے (یا اس کو قتل کرنا کفر ہے)۔

لغات: الشتم: بُرا بھلا کہنا، المستبان: آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے دو شخص ہیں۔ مالم یعتد: جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔ لا تسبوا: تم بُرا بھلا مت کہو۔

تشریح: گالی دینے کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے:

اگر دو شخص ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو اس کا گناہ ان میں سے اس شخص پر ہوگا جس نے گالی دینے کی ابتداء کی، اسے اپنی گالی کا گناہ تو ہوگا ہی، دوسرے شخص کی گالی کا گناہ بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا کیونکہ اس نے گالی دینے کی ابتداء کر کے گویا دوسرے شخص پر ظلم کیا ہے، یہ ظالم ہے اور دوسرا مظلوم، لیکن یہ اس صورت میں ہے مظلوم آدمی جواب میں زیادتی نہ کرے، اگر مظلوم حد سے تجاوز کر گیا کہ اس کی گالیاں ظالم کی گالیوں سے بھی بڑھ گئیں، یا ابتداء کرنے والے نے جو ایذاء پہنچائی تھی اس کے جواب میں دوسرے شخص نے اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچادی تو ایسی صورت میں ابتداء کرنے والے کی بجائے دوسرے پر زیادہ گناہ ہوگا۔

لا تسبوا الاموات: علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد اموات المسلمین ہیں ابن عمر کی روایت جس کی تخریج امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس میں وارد ہے اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم معلوم ہوا کہ اس سے مراد مسلمین ہیں لہٰذا اموات کفار کو برا کہنا جائز ہے بشرطیکہ اس کافر کے کسی عزیز مسلمان کو ایذاء نہ جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار و مشرکین کو بھلا برا بھلا کہنے سے منع فرمایا جو بدر کی جنگ میں مارے گئے تھے فرمایا لا تسبوا هکذا فانه لا يخلص اليهم شئی مما تقولون و تؤذون الاحياء ان البذاء يوم. (ابن ابی الدنیا نسائی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

بہر حال اموات مسلمین کے خاص طور پر محاسن ذکر کئے جائیں اور ان کی برائیوں سے اجتناب کیا جائے علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ وہ کفار جن کی موت کفر پر یقینی ہوئی ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے شر وفساد پھیلایا ہو تو ان کو برا بھلا کہنا جائز ہے اور فرمایا کہ اموات مسلمین کو برا کہنا غیبت میں داخل ہے جس کی تلافی بھی ناممکن ہے اس لئے اس سے اجتناب لازم وضروری ہے۔

وقد اختلف سفیان فی ھذا الحدیث: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو بطریق سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ منقول ہے اس کو بعض حضرات نے سفیان عن زیادہ بن علاقۃ قال سمعت المغیرۃ بن شعبہ کہہ کر نقل کیا ہے جیسا کہ ابوداؤد حفری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت الباب ہے نیز ابونعیم اور وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ نے بھی زیاد بن علاقہ اور مغیرۃ رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا ہے۔ (اخرجہ عنہما احمد بن حنبل فی سندہ ہٰکذا) مگر جب دوسری روایت مثلاً عبدالرحمٰن بن مہدی نے اس روایت کو بطریق سفیان نقل کیا تو زیاد بن علاقہ اور مغیرہ کے درمیان رجل کا ذکر کیا ہے فرمایا: عن سفیان عن زیاد بن علاقہ قال سمعت رجلا یحدث المغیرہ بن شعبہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... الخ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ زیاد بن علاقہ نے اولاً کسی واسطہ سے اس روایت کو سنا ہو اور پھر براہ راست مغیرہ سے سماعت کی ہو اور دونوں طرح روایت کو نقل کرتے ہوں فلاں اشکال کفر ہے میں نے ابووائل سے کہا کہ کیا تم نے اس کو عبداللہ سے سنا ہے انہوں نے کہا ہاں۔

سب وشتم فسق ہے:

سباب: بکسر السین وتخفیف الباء برا بھلا کہنا یعنی کسی کو ایسی بری باتیں کہنا خواہ اس میں وہ ہوں یا نہ ہوں مقصود اس کو عیب لگانا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بہ نسبت سب کے سباب میں مبالغہ ہے جیسے قتل اور قتال میں۔ فسوق لغت میں اس کے معنی خروج اور نکلنے کے آتے ہیں اور شرع میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکل جانا اور عرف شرع میں فسوق عصیان سے بڑھ کر ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات:۷) مسلمان کو گالی دینا برا بھلا کہنا اس کی تحقیر کو مستلزم ہے حالانکہ حدیث میں مسلمان کی تعظیم کا حکم ہے لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوئی اس لئے اس کو فسوق فرمایا گیا ہے۔

کسی کو کافر یا فاسق کہنے کا حکم:

ایک شخص نے دوسرے کو فاسق یا کافر کہا، اور جس کو کہا ہے وہ حقیقت میں فاسق یا کافر ہے تو ایسی صورت میں کہنے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا، اگر اس نے خیر خواہی کے جذبے یا لوگوں کو اس کی حالت سے باخبر کرنے کے لئے یہ جملہ کہا تو جائز ہے اور اگر اس کا مقصد اس شخص پر طعنہ زنی اور بلاوجہ اس کے فسق یا کفر کی تشہیر ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اسلام نے برائیوں کے اچھالنے کا نہیں، ستر اور چھپانے کا حکم دیا ہے۔

لیکن جس شخص کو فاسق یا کافر کہا، اگر وہ حقیقت میں فاسق یا کافر نہیں تو بخاری کی روایت میں ہے کہ ایسے میں وہ فسق یا کفر اس الزام لگانے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، اس الزام کے لوٹ آنے کے مختلف مطلب بیان کئے گئے ہیں:

① اس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ وہ خود کافر ہو جائے گا، اس پر شبہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے سے آدمی گنہگار تو ضرور ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا، اس لئے اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کو گالی دینا حلال اور جائز سمجھتا ہے، وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

② اس سے زجر وتوبیخ اور ڈرانا دھمکانا مقصود ہے، معنی حقیقی مراد نہیں۔

③ اس جملے کا وبال الزام لگانے والے پر آئے گا، یعنی جس شخص کو کافر کہا گیا وہ اگر واقعتاً کافر ہے، پھر تو کہنے والا سچا ہے اور جس کے متعلق کہا گیا اور اس کا مستحق ہے، لیکن اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والے پر اس جملے کا وبال اور گناہ آئیگا، اس کا مطلب کو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ (الکوکب الدری ۳/۶۰)

وقتاله کفر: حدیث باب میں ہے مسلمان کے ساتھ جنگ وجدال کفر ہے۔ اس ''کفر'' سے کیا مراد ہے، کیونکہ قتال کرنے سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا، اس میں دو احتمال ہیں:

① اس سے یا تو کفران نعمت اور ناشکری مراد ہے کہ مسلمان کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے لڑائی کرے کیونکہ یہ گناہ بسا اوقات آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ زجر اور توبیخ کے طور پر اسے ''کفر'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کما فی قوله ﷺ: ((من ترك الصلوة متعمدًا فقد كفر)).

''جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تحقیق اُس نے کفر کیا۔''

② یا اس سے کفر حقیقی مراد ہے کہ جو شخص مسلمان کے ساتھ محض اسلام کی وجہ سے جنگ وجدال اور لڑائی کو حلال اور جائز سمجھتا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور واقعی کافر ہو جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب حفظ اللسان ۸/۵۶۱)

اعتراض: سباب المسلم اور قتال المسلم دونوں ہی بصورت استحلال کفر ہیں اور دوسری صورت میں فسق پھر سباب المسلم کو فسوق سے اور قتال المسلم کو کفر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ قتال مسلم سباب مسلم سے بڑھا ہوا گناہ ہے نیز قتال مسلم کافروں کا عمل ہے نہ کہ مسلمانوں کا اس وجہ سے اس کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ هذا حديث حسن صحيح اخرجه احمد والشيخان والنسائي والحاكم وابن ماجة.

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ قَوْلِ الْمَعْرُوْفِ

باب ۵۲: اچھی باتوں اور نیک امور کا ذکر ہے

(۱۹۰۷) اِنَّ فِی الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرٰی ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا فَقَامَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ لِمَنْ هِیَ یَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لِمَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَاَدَامَ الصِّیَامَ وَصَلّٰی لِلّٰهِ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں ایسے گھر ہیں جن کا باہر کا حصہ اندر سے اور اندر کا حصہ باہر سے نظر آجاتا ہے ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے دریافت کیا یہ کسے ملیں گے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس شخص کو جو اچھی گفتگو کرتا ہو دوسروں کو کھانا کھلائے اور ہمیشہ (نفلی) روزے رکھے رات کے وقت نوافل ادا کرے جبکہ لوگ سو چکے ہوں۔

لغات: غرفا (غین پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ) غرفة کی جمع ہے۔ بالا خانے۔ ظهور: ''ظهر'' کی جمع ہے: ظاہری حصہ۔ ادام الصیام: یعنی کثرت سے نفلی روزے رکھے۔ نیام: ''نائم'' کی جمع ہے: سویا ہوا آدمی۔ تری: مجہول کا صیغہ ہے۔

تشریح: ''ظهورها من بطونها... الخ'' یعنی ان کی ظاہری اور داخلی بناوٹ ایسی اعلیٰ قسم کی ہے وہ بالکل صاف وشفاف ہیں باہر

کے حصہ کا عکس اندر کے حصے پر اور اندر کے حصے کا عکس باہر کے حصے پر نظر آتا ہے۔

لمن اطاب الکلام : عمدہ کلام کرے بعض روایات میں الان اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ شیریں کلام سے پیش آتا ہو، نرم گفتگو کرنے والا ہو اس کی زبان پر تلخی نہ ہو اس طرح بات کرتا ہو جیسے ہر جملہ پھول کی طرح خوش کن ہو دل آزاری کرنے والا نہ ہو، قال تعالیٰ: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان:۶۳)

ترجمہ: "جب وہ جاہلوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلام کرتے ہیں۔"

اطعم الطعام: جنت کے مستحق بالاخانہ کی دوسری صفت یہ ہے کہ مستحقین کو کھانا کھلائے اپنے اہل وعیال، فقراء، مساکین، اقرباء، اضیاف واردین وصادرین سب اس میں داخل ہیں یعنی خرچ کرنے میں تنگی نہ کرتا ہو بلکہ فراخی سے کام لیتا ہو، کما اشار الیہ بقولہ تعالیٰ:

﴿وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان:۶۷)

ترجمہ: "وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ ہی زیادہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے درمیان قائم رہتے ہیں۔"

ادام الصیام : یعنی فرض روزوں کے بعد بکثرت نفلی روزے رکھتا ہو ایسا نہ ہو کہ نفلی روزوں کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد ہر مہینہ کے تین روزے رکھنا ہے۔

وصلی باللیل والناس نیام: یعنی جنت کے بالا کانہ ایسے شخص کے لئے ہیں جو رات کو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو جس وقت لوگ سو رہے ہوں یا وہ لوگ عبادت سے غافل ہوں، چونکہ بدیں حالت عبادت کرنا ریاء سے دور ہے اس میں اخلاص زائد ہوتا ہے۔

بہر حال روایت مذکور سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ نرم کلامی، سخاوت کا برتاؤ، نفلی روزے اور رات کو عبادت کرنا یہ سب ایسے نیک کام ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی جنت کے بالاخانوں کا مستحق ہو جاتا۔ ھذا حدیث غریب اخرجہ احمد وابن حبان والبیھقی.

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ فَضْلِ الْمَمْلُوْكِ الصَّالِحِ

باب ۵۳: نیک غلام کی فضیلت کا بیان

(۱۹۰۸) نِعِمَّا لِاَحَدِهِمْ اَنْ یُّطِیْعَ رَبَّهٗ وَیُؤَدِّیَ حَقَّ سَیِّدِهٖ یَعْنِی الْمَمْلُوْكَ وَقَالَ كَعْبٌ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص کتنا اچھا ہے جو اپنے پروردگار کی اطاعت کرتا ہے اور اپنے آقا کے حق کو بھی ادا کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی جو شخص غلام ہو کعب بیان کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔

(۱۹۰۹) ثَلَاثَةٌ عَلٰی كُثْبَانِ الْمِسْكِ اُرَاهُ قَالَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَبْدٌ اَدّٰی حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِیْهِ وَرَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَّهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ یُّنَادِیْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین لوگ مشک کے ٹیلے پر ہوں گے (راوی بیان کرتے

ہیں) میرا خیال ہے یہ الفاظ ہیں قیامت کے دن ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کرتا ہے ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوں ایک وہ شخص جو روزانہ پانچ مرتبہ اذان دیتا ہے۔

لغات: نعما: یہ "ما" "شی" کے معنی میں ہے: نعم شیئا: بہت ہی اچھی ہے وہ چیز، کیا خوب ہے۔ کثبان: کثیب کی جمع ہے: ٹیلے۔ مسک: (میم کی زیر اور سین کے سکون کے ساتھ) مشک۔

نیک غلام کی فضیلت:

وہ غلام جو محنت و مشقت کر کے اپنے مولی کے حقوق ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی اسلام کے فرائض و واجبات جو اس پر فرض کئے گئے ہیں، انہیں بھی بجالاتا ہے تو وہ ایک بہترین غلام اور نیک مسلمان ہے۔

تشریح: میں تین آدمیوں کا ذکر ہے جو قیامت کے دن بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ مشک کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوں گے، وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرتا رہا اور اپنے دنیوی آقاؤں کے حقوق میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کی، وہ امام مسجد جو مسلمانوں کو نمازیں پڑھاتا رہا اور اکثر لوگ اس سے خوش بھی تھے۔ اور تیسرا وہ مؤذن جو اخلاص کے ساتھ پانچوں نمازوں کی اذان دیتا رہا اگرچہ وہ اس پر تنخواہ لیتا رہا ہے۔

رجل أم قومًا وهم به راضون: اس سے وہ نیک و صالح امام مراد ہے جو شریعت کا پیروکار اور سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، لوگوں کی صحیح دینی رہنمائی کرتا رہا ہو، لیکن اگر کسی امام سے اکثر لوگ اس کی جہالت و ہٹ دھرمی اور برے چال چلن کی وجہ سے نالاں ہوں تو ایسے امام کے بارے میں احادیث میں وعید آئی ہے، ہاں اگر بغیر کسی شرعی وجہ سے بعض لوگ امام کے خلاف باتیں کرتے ہوں جبکہ وہ خرابیاں اس امام میں نہ پائی جاتی ہوں تو پھر وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوا ہے۔

ورجل ینادی اس اذان دینے والے مسلمان کی کس قدر عظیم فضیلت معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ کی حمد و ثناء اور بڑائی کا اعلان کرتا ہے، لیکن آج مسلم معاشرہ جو مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں غرق ہو چکا ہے کے نزدیک اذان دینا، العیاذ باللہ۔ ایک گھٹیا پیشہ شمار کیا جاتا ہے، یہ انتہائی غلط طرز فکر ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔

نعم مالاحدهم ان يطيع الله...... کی ترکیب نحوی: "نعم" فعل مدح ہے، اس میں "ھو ا" ضمیر فاعل ممیز ہے اور "ما" بمعنی "شی" ہے جو کہ تمیز ہے ممیز تمیز مل کر فاعل ہوا، "لاحدھم" یہ "نعم" سے متعلق ہے، جملہ فعلیہ ہو کر خبر مقدم، اور "ان یطیع" بتاویل مفرد ہو کر مخصوص بالمدح، مبتدا موخر، مبتدا اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ۔

بَابُ مَاجَآءَ فِىْ مُعَاشَرَةِ النَّاسِ

باب ۵۴: لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا

(۱۹۱۰) قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور برائی کرنے کے بعد نیکی کر دو تا کہ وہ اسے مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

لغات: لفظ تقویٰ کی صرفی بحث: تقویٰ اصل میں فعلی کے وزن پر وقویٰ تھا واؤ کو تا سے بدل دیا گیا، وقتیته کا معنی ہے منعته رجل تقی کا معنی ہے خوف زدہ مرد، اس کا مادہ وقی ہے، اسی طرح تقاۃ اصل میں وقاۃ تھا جیسا کہ تجاہ اور ترات اصل میں وجاہ اور وراث تھے۔

تشریح: حدیث باب میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔

① زندگی کے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا۔

② اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد ضرور کوئی نیکی کی جائے، تاکہ وہ گناہ ختم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (هود: ۱۱۴) بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، اس لئے اگر خدانخواستہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً دربارِ الٰہی میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار کریں، نماز، صدقہ۔

③ لوگوں کے ساتھ خوش اسلوبی اور حسنِ اخلاق سے پیش آیا جائے، خندہ پیشانی سے ملاقات، مسکرا کر گفتگو کرنا، ان کا اہتمام کیا جائے تاکہ خالق و مخلوق دونوں ہی راضی رہیں، یہ چیزیں دنیا میں کامیابی اور آخرت میں نجات کا باعث ہوتی ہے۔ (الکوکب الدری، ۳/۶۱)

تقویٰ کیا ہے؟

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا ہو وہ اللہ سے ڈرے (یعنی متقی بنے) اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ قوی ہو وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو اس کا اعتماد اپنے قبضہ سے زیادہ اللہ کی عطا پر ہو۔

② حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معصیت پر اصرار کو ترک کرنا اور اپنی عبادات پر اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے؛

③ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب سے تقویٰ کے معنی پوچھے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ تو ابی بن کعب نے فرمایا: اے امیر المومنین یہ بتائیے کہ کبھی آپ کا گزر ایسے راستہ سے ہوا جس کے دونوں طرف جھاڑیاں ہوں، خاردار اور کانٹوں سے پُر ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں کئی دفعہ ایسے راستہ سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے، ابی بن کعب نے فرمایا: تو پھر آپ نے کیا کیا، ان کانٹوں سے اپنے آپ کو کیسے بچایا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے دامن سمیٹا اور بڑے احتیاط کے ساتھ وہاں سے گزر گیا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تقویٰ اسی کا نام ہے، اس دنیا میں طرح طرح کے کانٹے ہیں، نفس و شیطان کے کانٹے، بُرے معاشرے اور ماحول کے کانٹے، بے دینی کے کانٹے، یہ دنیا خارستان ہے گناہوں کے کانٹے اس میں بھرے ہوئے ہیں دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ الجھے اسی کا نام تقویٰ ہے جو سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے بعض نے فرمایا کہ تقویٰ شبہات سے بچنے کا نام ہے کما قال علیہ السلام الحلال بین و الحرام بین و بینهما مشتبهات۔

④ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اختیار نہ کرو اور یہ یقین رکھو کہ تمام کام اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔

⑤ ابراہیم بن ادہم نے کہا کہ تقویٰ یہ ہے کہ لوگ تمہاری زبان پر، فرشتے تمہارے افعال میں اور مالک عرش تمہارے باطن میں عیب نہ دیکھے۔

⑥ واقدی نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم مخلوق کے لئے اپنے ظاہر کو مزین کرتے ہو اسی طرح تم خالق کے لئے اپنے باطن کو

مزین کرو۔

⑦ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہ کام کرتے نہ دیکھے جس کام سے اس نے تم کو منع کیا ہے۔

⑧ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم سیرت مصطفیٰ کے راستہ پر چلو، دنیا کو پس پشت ڈال دو، اپنے نفس میں اخلاق اور وفا کو لازم کرلو، حرام اور جفا سے اجتناب کرو۔ قرآن مجید میں ہے کہ ایک جگہ یہ فرمایا کہ قرآن انسانوں کے لئے ہدایت ہے، دوسرے مقام پر یہ فرمایا قرآن مجید متقین کے لئے ہدایت ہے، اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان وہی ہیں جو صاحب تقویٰ ہیں اور جن میں تقویٰ نہیں ان میں انسانیت نہیں، یہ تقویٰ کی کیا کم فضیلت ہے۔

تقویٰ کی قسمیں: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تقویٰ کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم ہے خود کو عذاب مخلد سے محفوظ رکھنا، تقویٰ کی یہ قسم شرک اور کفر کو ترک کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اس معنی میں تقویٰ کا استعمال اس آیت میں ہے: ﴿وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ (فتح:۲۶) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کے کلمہ پر مستحکم کردیا۔

تقویٰ کی دوسری قسم ہے ہر گناہ کے کام سے بچنا، یعنی فرض کے ترک اور حرام کے ارتکاب سے بچنا اور بعض علماء کے نزدیک صغائر سے بچنا بھی تقویٰ میں شامل ہے یعنی واجب کے ترک اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب اسی طرح سنت مؤکدہ کے ترک اور اساءت کے ارتکاب سے بچنا، اصطلاح شرع میں جب تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے۔ اس معنی میں تقویٰ کا استعمال اس آیت میں ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الاعراف:۹۶)

"اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔"

تقویٰ کی تیسری قسم ہے انسان اپنے دل و دماغ کو ہر اس چیز سے منزہ کرے جو اس کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا سکے اور بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہوجائے اور یہی وہ حقیقی تقویٰ ہے جو بندے سے مطلوب ہے اس معنی میں تقویٰ کا استعمال قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۰۲)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم نے اپنے آپ کو صرف اللہ کے سپرد کیا ہوا ہو۔" (انوار التنزیل علی ہامش الخفاجی ج ۱ ص:۱۹۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا مقام بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (النحل:۱۲۸) "بے شک اللہ تعالیٰ متقی اور نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔"

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳) "تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو۔"

تقویٰ کی برکات: آیات مذکورہ اور روایت الباب سے تقویٰ کی مختلف برکات معلوم ہوتی ہیں۔

اوّل: اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا و آخرت کے مصائب و مشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں۔

دوم: متقی کے لئے رزق کے ایسے راستے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اس کا خیال بھی نہیں جاتا۔

سوم: اللہ تعالیٰ اس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔
چہارم: اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔
پنجم: اللہ تعالیٰ متقی کے اجر کو بڑھا دیتے ہیں۔
ششم: اللہ تعالیٰ تقویٰ کی وجہ سے متقی کو حق و باطل کی پہچان عطا فرما دیتے ہیں۔
ہفتم: جنت میں جلدی داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي ظَنِّ السُّوْءِ

باب ۵۵: بدگمانی کا بیان

(۱۹۱۱) اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی سے اجتناب کرو کیونکہ یہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

تشریح: سوء: بالضم اسم ہے برائی کے معنی میں آتا ہے بعض اہل لغت نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر یہ لفظ مضاف ہو تو سوء بضم السین ہوگا جیسے سوء الحساب اور اگر مضاف الیہ ہو تو بفتح السین ہوگا جیسے دائرۃ السوء بالفتح مستعمل ہے۔ (بیضاوی)
نفس میں گناہ یا نیکی کا جو ارادہ پیدا ہوتا ہے اس کے پانچ مراتب ہیں:
① ھاجس: دل میں نیکی یا بدی کا خیال آئے اور پھر ختم ہو جائے۔
② خاطر: وہ خیال جو دل میں بار بار پیدا ہو، ایک مرتبہ آکر ختم نہ ہو بلکہ بار بار آئے۔
③ حدیث النفس: اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں پیدا ہو، اور اس میں تردد رہے کہ کروں یا نہیں۔
④ ھم: وہ خیال کہ جس میں تردد کے بعد یہ ارادہ کرلے کہ یہ کام کروں گا یا نہیں، ارادہ پختہ تو نہیں کیا لیکن کرنے کا کچھ نہ کچھ ارادہ کرلیا۔
⑤ عزم: یہ آخری درجہ ہے جس میں وہ پختہ ارادہ کر لیتا ہے کہ میں یہ کام سو فیصد کروں گا یا نہیں کروں گا۔
ان پانچ مراتب میں سے ہاجس، خاطر اور حدیث النفس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے کیونکہ ہاجس غیر اختیاری طور پر اس کے دل میں آکر ختم ہو گیا ہے اور خاطر اور حدیث النفس ان دونوں سے باز پرس نہ ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ ان تینوں میں اگر نیکی کا بھی ارادہ کیا جائے تو اس پر کوئی نیکی نہیں لکھی جاتی، اور ''ھم'' میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ نیکی سے متعلق ہو تو اس پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر برائی کے بارے میں ہو تو یہ معاف ہے، اس کی وہ برائی نہیں لکھی جاتی، البتہ ''عزم'' پر گرفت اور مؤاخذہ ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ''عزم'' پر گناہ ہے ''ہم'' پر نہیں ہے۔ (القاعدۃ الثانیۃ: الامور بمقاصدھا ۱/۱۶۵)
ابوبکر حصاص نے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ... الآیۃ﴾ (الحجرات: ۱۲) کے تحت ظن

کے بارے میں ایک جامع تفصیل بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ظن کی چار قسمیں ہیں: ① حرام ② مامور بہ اور واجب ③ مستحب ومندوب ④ مباح اور جائز۔

① ظن حرام: اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بدگمانی کہ وہ عذاب ہی دے گا یا مصیبت ہی میں رکھے گا اور اللہ کی رحمت ومغفرت سے مایوس ہونا۔ روایت میں ہے: لا یموتن احد کم و هو یحسن الظن بالله وفی رواة انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء.
معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن فرض ہے اور بدگمانی حرام ہے اسی طرح جو مسلمان ظاہراً نیک ہوں ان کے متعلق بغیر دلیل قوی کے بدگمانی کرنا حرام ہے۔

② ظن واجب: جس کام کی ایک جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہو اور اس کے متعلق قرآن وسنت میں کوئی واضح دلیل نہ ہو تو وہاں ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے جیسے باہمی منازعات ومقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم وقاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب ہے حالانکہ اس خاص معاملہ میں کوئی نص قرآن وحدیث موجود نہیں ہے ظن غالب پر عمل کرتے ہوئے ثقہ گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا مشتبہ ہو جائے وہاں پر کوئی شخص ایسا نہ ہو جس سے جہت معلوم کی جا سکے نیز اگر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہو تو وہاں ضائع شدہ چیز میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے۔

③ ظن مباح: مثلاً نماز کی رکعتوں میں شک پیدا ہو گیا تو ظن غالب پر عمل کرنا جائز ومباح ہے اور اگر ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے تو یہ درست ہے۔

④ ظن مستحب ومندوب مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا اس پر ثواب ملتا ہے۔

بہر حال حدیث شریف میں حسن ظن کی ترغیب اور بدگمانی سے پرہیز کا حکم ہے کیونکہ ایسا بسا اوقات ہوتا ہے کہ گمان جھوٹ ہو جاتا ہے اس سے بدگمانی کی حرمت بھی معلوم ہوئی اور اس سے بچنے کا حکم بھی چونکہ کسی کے بارے میں غلط خیال لانا اور قصداً اس کو برا سمجھنا حرام ہے۔

فان الظن اکذب الحدیث:

اعتراض: کذب کے معنی خلاف واقع کے ہیں جس میں کمی وزیادتی مقصود نہیں پھر اکذب الحدیث کا کیا مطلب۔

جواب: احتراز عن سوء الظن کی تاکید کی وجہ سے بجائے ضمیر کے اسم مظہر لایا گیا ہے گمان کو اکذب الحدیث فرمایا کہ دل میں آنے والی باتوں میں سب سے زائد جھوٹی بات ہے کہ چونکہ شیطان کے القاء سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے۔

جواب: اس سے درحقیقت اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ "ظن ممنوع" وہ بدگمانی ہے جو کسی مضبوط دلیل کے بغیر ہو اور پھر اس کی وجہ سے انسان دوسرے پر کوئی الزام یا تہمت لگا دے، اس طرح کی بدگمانی جھوٹ سے زیادہ اس لئے سخت ہے کہ جھوٹ ایک ایسی برائی ہے جو خود بھی قبیح ہے اور ہر شخص بھی اسے برا سمجھتا ہے۔ اکذب الحدیث فرمایا، تاکہ خوب مبالغہ کے ساتھ اس کی قباحت واضح ہو جائے، نیز اس طرف اشارہ کرنا پیش نظر ہے بدگمانی چونکہ عموماً پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے اس سے آدمی زیادہ دھوکا کھا جاتا ہے جبکہ جھوٹ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ نمایاں ہوتا ہے۔ (فتح الباری، کتاب الادب، باب ماینھی عن التحاسد والتدابر ۱۰/۵۹۰)

وسمعت عبد بن حمید یذ کر عن بعض اصحاب سفیان... الخ۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کے بعض شاگردوں نے بیان کیا کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ظن کی دو قسمیں ہیں: ① وہ ظن جو گناہ ہیں اور ② وہ ظن جو گناہ نہیں ہیں گناہ یہ کہ آدمی بدگمانی کرے اور اس کو زبان سے بھی ادا کرے اور اگر بدگمانی کی مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو گناہ نہیں ہے مگر یہ سفیان کی رائے ہے محققین کی رائے وہی ہے جو بیان کی گی ہے کہ کسی کے بارے میں بدگمانی کو دل میں جمالینا بھی گناہ ہے۔

بدگمانی کا علاج:

اگر کسی سے بدگمانی ہو جائے تو اس کے ازالہ کی فکر کرنا چاہئے اور اپنے نفس کو سمجھانا چاہئے کہ اس شخص کا حال تجھ پر مخفی ہے جس واقعہ کو بنیاد بنا کر بدگمانی پیدا ہوئی اس میں خیر وشر دونوں کا احتمال ہے لہٰذا خیر کے احتمال کو ترجیح دے اور بدی کے احتمال کو زائل کرنے کی کوشش کرے۔ قال النبی ﷺ ثلثة فی المومن وله منهن مخرج فمخرجه من سوء الظن ان لا یحققه. (طبرانی)

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْمِزَاحِ

باب ۵۶: مزاح کا بیان

(۱۹۱۲) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَیُخَالِطُنَا حَتّٰی اِنْ کَانَ لَیَقُوْلُ لِاَخٍ لِّیْ صَغِیْرٍ یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ گھل مل جایا کرتے تھے آپ میرے چھوٹے بھائی سے کہا کرتے تھے اے ابو عمیر تمہاری چڑیا کا کیا حال ہے۔؟

(۱۹۱۳) قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے ساتھ خوش مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں صرف سچ کہتا ہوں۔

(۱۹۱۴) اَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اِنِّیْ حَامِلُكَ عَلٰی وَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے جانور مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹ کو اونٹنی ہی جنم دیتی ہے۔

(۱۹۱۵) اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَهٗ یَا ذَا الْاُذُنَیْنِ. قال محمود قال ابو اسامة یعنی مازحه.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان سے کہا اے دو کانوں والے۔ محمود نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے شیخ ابو سامہ نے یہ بات بیان کی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر یہ بات کہی تھی۔

لغات: المزاح: بضم المیم ہے اس کے معنی ہیں ہنسی مذاق کرنا، دل لگی کرنا، خوش مزاجی کی باتیں کرنا۔ **النغیر:** بضم النون کی تصغیر ہے چڑیا کی طرح ایک پرندہ ہوتا ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے اس سے مراد بلبل ہے (حیوۃ الحیوان) اخ لی یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے جو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔

تشریح: مزاح کی حقیقت: کہ ایسی گفتگو کی جائے جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، اس میں جھوٹ کی آمیزش اور ذلیل و رسوا کرنے کا انداز نہ ہو، لہٰذا شرعی دائرے میں رہتے ہوئے مزاح کی جائے تو یہ مسنون اور مستحب ہے لیکن اگر مزاح ایسی ہو جس میں تحقیر اور ایذاء کا عنصر کارفرما ہو، مزاح سے قرب کے بجائے دوری پیدا ہو رہی ہو تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی مزاح سے آپس میں دشمنیاں اور عداوتیں ہی پیدا ہوتی ہیں۔

باب

باب ۷۵: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزاح فرماتے

(۱۹۱۶) مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص باطل جھوٹ چھوڑ دے تو اس کے لیے جنت کے کنارے پر گھر بنایا جائے گا جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے اس کے لیے جنت درمیان میں گھر بنایا جائے گا جو شخص اپنے اخلاق اچھے کر لے اس کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں گھر بنایا جائے گا۔

(۱۹۱۷) كَفَى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُخَاصِمًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں تم اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا نہ کرو اس کا مذاق نہ اڑاؤ اس کے ساتھ وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہ کرو

تشریح: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے انہوں نے ایک بلبل پال رکھی تھی اتفاقاً وہ مرگئی جس پر بچہ کو غم ہوا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ سے مزاح فرمایا معلوم ہوا کہ مزاح کرنا جائز ہے۔

① نیز اگر کسی واقعہ کا علم ہو اور مزاحاً انجان بن کر اس کے بارے میں دریافت کر لیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے اور اس طرح کی مزاح جس سے مخاطب کو تسلی ہو اور تکلیف نہ پہنچے درست ہے۔ روایت سے کنیت رکھنے کا جواز بھی معلوم ہے۔

② نیز معلوم ہوا کہ پرندہ کو محبوس کرنا بچہ کے کھیل کے لئے درست ہے البتہ بڑوں کے لئے اس وقت درست ہے جبکہ اذیت و تکلیف کا باعث نہ ہو

③ مدینہ منورہ میں شکار کرنے کا جواز بھی اس سے معلوم ہوتا ہے۔ مسئلہ کی پوری تفصیل کتاب الحج میں گذر چکی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت سے بہت سے ادبی اور فقہی فوائد مستنبط فرمائے ہیں اور ابو العباس المعروف بابن القاضی

نے ساٹھ فوائد بیان فرمائے ہیں۔ تفصیل کے لئے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے۔

آپ ﷺ کی مزاح حقیقت پر مبنی ہوتی:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا: کیا آپ بھی ہم سے ہنسی مذاق اور مزاح فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی مزاح کرتا ہوں لیکن مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، خلاف واقع کوئی بات نہیں کہتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سوال کس وجہ سے کیا اس سوال کا منشا کیا تھا؟ تین توجیہات ذکر کی ہیں:

① حضور اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیادہ ہنسی مذاق سے منع کیا تھا، اس کے بعد انہوں نے مذکورہ سوال کیا۔(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب المزاح۔۶۲۰/۸)

② یا سوال اس وجہ سے کیا کہ ہنسی مذاق میں چونکہ عموماً غلط باتیں شامل ہو جاتی ہیں، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا اور پوچھا کہ کیا آپ بھی مزاح فرماتے ہیں؟

③ یا سوال کا منشا یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں کے ہاں معزز و مکرم اور محترم ہیں، آپ عظیم مرتبہ اور اشرف و فضیلت حاصل ہے تو کیا دل لگی اور ہنسی مذاق آپ کی خصوصیت ہے، اس میں عام مسلمان اقتداء نہیں کر سکتا؟

آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں میں مذاق کرتا ہوں، مگر شرعی حدود میں رہتے ہوئے، اس میں خلاف واقع اور جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوتی، خوش طبعی میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، اس میں کسی کا استہزاء، تحقیر اور ایذاء رسانی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا اور وہ حد اعتدال سے متجاوز بھی نہیں ہوتی، ان شرائط کا لحاظ کر کے اگر مذاق کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، ممانعت اس صورت میں ہے جب شرعی حدود کا لحاظ نہ رکھا جائے، اس میں ناجائز اور نامناسب چیز شامل ہو جائیں، تاہم شرعی حدود میں رہتے ہوئے بھی ہنسی مذاق اور مزاح کو اپنی عادت نہیں بنانا چاہئے، کیونکہ اس کی وجہ سے دبدبہ، وقار اور آدمی کی شخصیت مجروع ہو جاتی ہے، ہاں کبھی کبھار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (الکوکب الدری، ۶۴/۳)

① یاذا الاذنین: "اے دو کانوں والے"...... آپ ﷺ نے یہ جملہ خوش طبعی اور مزاح کے طور پر ارشاد فرمایا، اور ساتھ ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تعریف بھی فرما دی کہ وہ گویا بہت ذہین وفطین اور سمجھدار ہیں، جو بات کہی جاتی ہے اسے خوب اچھی طرح سنتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

② ھل تلد الابل الا النوق...... اس صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ اُونٹنی کا بچہ تو سواری کے قابل نہیں ہوتا، تب آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا، جس میں ہنسی مذاق اور خوش طبعی بھی ہے اور حقیقت بھی، کیونکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ جو اونٹ سواری کے قابل ہوتا ہے وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے جواب بڑا ہو گیا ہے اگر اس کلام میں تم تھوڑا سا بھی غور وفکر کرتے تو اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے اور تمہیں حیرت نہ ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ کلام کو سمجھے بغیر کوئی جواب نہیں دینا چاہئے۔

حضور ﷺ کی مزاح کے مزید واقعات:

③ ایک بوڑھی عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی وہ عورت یہ سن کر رونے لگی تو حضور ﷺ نے فرمایا اس کو خبر دے دو کہ تم اس روز بوڑھی نہیں رہو گی اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں: ﴿إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝﴾ (الواقعہ:۳۵،۳۶)

④ حضرت زاہر صحابی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے بازار میں پیچھے سے جا کر پکڑ لیا تا کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکیں تو وہ کہنے لگے کون ہے مجھے چھوڑ دو پھر حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے جو اس غلام کو خریدے زاہر نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھ کو کم قیمت پائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: لست عند الله بكاسد۔ یعنی تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں یہ زاہر دیہات کے رہنے والے دیہات کی چیزیں ہدیہ دیتے آپ ﷺ نے مزاحاً فرمایا تھا: ان زاهرا باديتنا نحن حاضره، کہ زاہر رضی اللہ عنہ ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں یہ واقعہ بھی آپ ﷺ کے قولی و فعلی مزاح پر دلالت کرتا ہے۔

⑤ اسی طرح ایک مرتبہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے شوہر وہی تو ہیں جن کی آنکھ میں سفیدی ہے عورت نے کہا بخدا میرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے آپ نے فرمایا نہیں ان کی آنکھ میں سفیدی ہے پھر اس نے کہا کہ بخدا ان کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔ (زبیر بن بکار و بن ابی الدنیا)

⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مزاح یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو کپڑا دیا اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو اور دلہن کی طرح اس کا دامن بناؤ یعنی آپ نے ان کو دلہن کہہ کر مزاح فرمایا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِي الْمِرَاءِ

باب: جنگ و جدال، لڑائی، جھگڑا

(۱۹۱۸) لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں تم اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا نہ کرو اس کا مذاق نہ اڑاؤ اس کے ساتھ وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہ کرو۔

لغات: مِرَاء: جنگ و جدال، لڑائی، جھگڑا۔ دَبَض کنارہ، قریب۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں حضور ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا:

① آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو، کیونکہ اس سے آدمی کی دینی زندگی متاثر ہو جاتی ہے۔

② ایسی مزاح نہ کرو جس سے دوسرے کی دل شکنی ہو اور اس کے لئے باعث تکلیف ہو لیکن اگر مزاح۔

③ ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو، کیونکہ وعدہ پورا کرنا کمال ایمان کی علامت ہے اور قصداً وعدہ خلافی کرنا نفاق کی علامت ہے۔

جدال، مراء، خصومت کے درمیان فرق: مراء کے معنی جھگڑے کے ہیں: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مراء اور جدال کے مابین فرق ہے مراء کسی کے کلام میں نقص نکال کر اس پر طعن کرنا اور اس سے مقصود متکلم کی تحقیر و اہانت اور اپنی ذہانت و ذکاوت کا اعلان ہوتا ہے اور جدال اس بحث و مباحثہ کو کہتے ہیں جن کا تعلق مذاہب و عقائد سے ہو نیز تیسرا لفظ خصومت ہے اس میں بھی جدال پایا جاتا ہے فرق یہ ہے کہ جدال میں کسی کے مال یا حق پر قبضہ کرنا ہوتا ہے اور خصومت میں کبھی اعتراض ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا اور مراء و جدال میں

اعتراض ضرور ہوتا ہے۔

لڑائی جھگڑا اور جھوٹ ترک کرنے کی فضیلت:

اس باب میں ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں لڑائی جھگڑا چھوڑنے کی فضیلت کا ذکر ہے، انسان حق پر ہو، پھر بھی دوسرے سے الجھنے اور جھگڑنے کو ترک کردے یہ کمزوری اور بزدلی نہیں بلکہ کمال ایمان اور اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص لڑائی کے وقت اور اس کے بغیر بھی جھوٹ بالکل چھوڑ دے اور وہ موقع ایسا بھی نہیں کہ وہاں شرعاً جھوٹ بولنا جائز ہو، کیونکہ شرعاً بعض مواقع مثلاً بیوی کو خوش کرنے کے لئے اور حالت جنگ میں اور دو شخصوں میں اصلاح کی غرض سے جھوٹ بولنا جائز ہوتا ہے، تو ایسی شخص کے لئے جنت کے کنارے پر ایک محل بنایا جاتا ہے۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جنت کا ادنیٰ درجہ ہوگا کیونکہ اس نے غلط جھگڑا شروع کردیا تھا گو اس نے اس میں جھوٹ نہیں بولا اور تنبیہ کے بعد جھگڑا چھوڑ دیا لیکن چونکہ اس نے ناحق جھگڑا کیا تھا، اس لئے فضیلت میں کمی ہوگئی اور چھوڑ دینے کی وجہ سے جنت کے ادنیٰ درجے میں اس کا گھر بنادیا جاتا ہے۔

"وھو باطل" ضمیر "ھو" کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ① یہ ضمیر "کذب" کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے، اس حال میں کہ وہ جھوٹ ناحق اور محض باطل ہو، یعنی ایسا موقع بھی نہیں کہ جہاں شریعت نے دینی مصلحت کی وجہ سے جھوٹ بولنے کو جائز قرار دیا ہے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس احتمال کی رو سے یہ جملہ "مفعول بہ" یعنی "الکذب" سے حال واقع ہوگا۔

② یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ضمیر "من" کی طرف لوٹے، مراد یہ ہے کہ وہ شخص غلطی اور باطل پر ہ، اس لحاظ سے یہ جملہ "ترک" کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہوگا۔

ومن ترك المراء وھو محق دوسرا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں، دوسرا غلطی پر ہونے کے باوجود جھگڑا کررہا ہے، لیکن یہ شخص محض اللہ کی رضا کی خاطر جھگڑا چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں ایک محل تیار کیا جاتا ہے اور جو شخص اخلاق حسنہ کو اختیار کرلے، ہر شخص سے حسن اخلاق سے پیش آئے، اس کے لئے جنت کے اعلیٰ مقام پر محل بنایا جاتا ہے۔ بحث و مباحثہ اور تکرار اگر کسی دینی مسئلہ کی وجہ سے ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں ذاتیات اور نفسانی خواہشات کا کوئی اثر نہ ہو۔

جدال ومراء سے بچنے کا طریقہ:

ان دونوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی مباحات میں بھی خاموش رہے یہ دونوں عیب ① دراصل اپنی برتری سمجھنے ② اور دوسروں کو حقیر جاننے سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ دونوں ایسی شہوتیں ہیں جن پر قابو پانا بہت مشکل ہے جبکہ کبریائی اور عظمت ربّ کریم کی صفات ہیں جو کسی اور کے لیے زیب نہیں۔ اور اسی طرح دوسروں کی تحقیر بہیمانہ طبیعت کا مقتضیٰ ہے اس لئے کہ درندہ دوسروں کو پھاڑنے اور زخمی کرنے کو پسند کرتا ہے یہ دونوں صفتیں انتہائی مذموم اور مہلک ہیں مراء وجدال سے ان دونوں کو تقویت ملتی ہے نبی کریم ﷺ نے مراء وجدال کے ترک کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا: **لا تمار اخاك ولا تمازحه ولا تعده موعدا فتخلفه**۔ یعنی اپنے بھائی کی بات کو مت قطع کر اور نہ اس سے ناشائستہ مذاق کر اور نہ اس سے ایسا وعدہ کر کہ جس کو تو پورا نہ کرسکے۔

نیز ارشاد فرمایا: ذروا المراء فانه لاتفهم حکمته ولا تومن فتنته۔ (طبرانی)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اوّل ما عدالی بعد عبادة الاوثان و شرب الخمر ملاحاة الرجال. (ابن ابی الدنیا، طبرانی بیہقی) نیز فرمایا: ماضل قوم بعدان هدا هم الله الا اولوا الجدال۔ (ترمذی)

ایک جگہ ارشاد ہے: ست من کن فیه بلغ حقیقة الایمان الصیام من الصیف و ضرب الاعداء بالسیف و تعجیل الصلوة فی الیوم الاجن. (برسات) والصبر علی المصیبات و اسباغ الوضوء علی المکاره و ترك المراء و هو صادق۔ (دیلمی)

”چھ چیزیں جس آدمی میں ہوں اس نے ایمان کی حقیقت کو پالیا۔ گرمیوں میں روزے رکھنا، تلوار سے اللہ کے دشمنوں سے قتال کرنا، برسات کے موسم میں نماز میں جلدی کرنا، مصیبتوں پر صبر کرنا، ناپسند سمجھنے کے باوجود وہ مکمل کرنا، سچا ہونے کے باوجود جھگڑا ترک کرنا۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کا حسن ختم ہو جاتا ہے جو شخص لوگوں کے ساتھ کج بحثی کرتا ہے اس کا وقار مجروح ہو جاتا ہے جس کو تفکرات زیادہ لاحق ہوں وہ بیمار ہو جاتا ہے اور جس کے اخلاق خراب ہوں وہ خود مبتلائے عذاب رہتا ہے۔

هذا حدیث حسن رواه ابو داؤد: اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے شواہد کی بناء پر حسن فرمایا ورنہ تو سلمہ بن وردان راوی کے بارے میں شراح نے کلام کیا ہے۔

خصومت کا نقصان:

اُوپر بیان کی جاچکی ہے اس کی مذمت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آدمی کا جھگڑنے والا ہونا اس کے گنہگار ہونے کے لئے کافی ہے اس لئے کہ اس سے دین تباہ ہو جاتا ہے اور زندگی کا لطف اس سے ختم ہو جاتا ہے اور دل ذکر وفکر میں لگنے کے بجائے خصومت کی الجھنوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے خصومت کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ اس سے اچھی بات کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ حسن کلام حسن معاشرت کا جزء ہے۔

قال النبی ﷺ ان ابغض الرجال الی الله الا الد الخصام. (بخاری)

”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مبغوض آدمی وہ ہے جو زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے۔“

نیز ارشاد فرمایا: من جادل فی خصومة بغیر علم لم یزل فی سخط الله حتی ینزع۔ (ابن ابی الدنیا)

”جو شخص بغیر علم کے جھگڑا کرتا ہے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے جب تک جھگڑا ختم نہ کر دے۔“

صرفی نحوی تحقیق: ولا تعده موعدا فتخلفه: موعد مصدر میمی ہے یا ظرف زمان و مکان ہے فتخلفه یہ اخلاف سے ماخوذ ہے یا تو منصوب ہے علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منصوب بتقدیر ان ہے اور نہی کا جواب ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے بھائی سے ایسا وعدہ نہ کر جس کو تو پورا نہ کر سکے ایسا وعدہ نہ کر جس کے پورا کرنے کی نیت نہ ہو یہ علامت نفاق ہے کما قال النبی ﷺ آیة المنافق ثلث و فیه اذا وعد اخلف یا مطلق وعدہ سے منع فرمانا مقصود ہے کہ بسا اوقات اس کے خلاف ہو جاتا ہے۔ ② یا یہ مرفوع ہے اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ایسا وعدہ نہ کر جس میں خلاف وعدہ لازم آئے تقدیر عبارت ہوگی۔ لا تعده موعدا

فانت تخلفه لہٰذا یہ جملہ معطوف علی الانشاء ہوگا۔

وعدہ پورا کرنے کا حکم:

اسی حدیث میں ایسا وعدہ نہ کرو جس کو تم پورا نہ کرسکو، کیونکہ وعدہ پورا کرنا کمال ایمان کی علامت ہے اور قصداً وعدہ خلافی کرنا نفاق کی علامت ہے۔ وعدہ کرنا جائز ہے مگر اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدہ:۱) و قال ﷺ: الوعد مثل الدين او افضل. (ابن ابی الدنیا)۔ وعدہ کر کے پورا کرنے کا پختہ عزم ہے مگر بعد میں کوئی عذر پیش آجائے تو یہ اس وعید میں داخل نہیں ہے اور اس کو علامت نفاق نہیں کہا جائے گا اگرچہ صورت نفاق کی ہے لہٰذا اس سے بھی بچنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْمُدَارَاةِ

باب ۵۸: نرمی کا برتاؤ کرنا، خوش طبعی سے پیش آنا

(۱۹۱۹) اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَاَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ اَخُو الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ اَذِنَ لَهٗ فَاَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قُلْتَ لَهٗ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهٖ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی میں اس وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ اپنے خاندان کا سب سے برا فرد ہے (راوی کو شک ہے) اپنے خاندان کا برا بھائی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے اندر آنے کی اجازت دی تو اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی جب وہ آدمی چلا گیا تو میں نے عرض کی آپ نے تو اس شخص کے بارے میں یہ بات فرمائی تھی پھر آپ نے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہوتا ہے جسے لوگ اس کی بدزبانی سے بچنے کے لیے (اس کے حال پر) چھوڑ دیں۔

لغات: المداراۃ: نرمی کا برتاؤ کرنا، خوش طبعی سے پیش آنا، دل جوئی کرنا، پیار و محبت سے پیش آنا۔ العشیرۃ: خاندان، قبیلہ۔ الان: نرمی سے پیش آئے۔

مدارات کا حکم:

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور ظاہری خوش اخلاقی اور رکھ رکھاؤ کو کہا جاتا ہے، علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المداراة من اخلاق المومنين، وهي خفض الجناح للناس، ولين الكمة، و ترك الاغلاظ لهم فى القول، و ذلك من اقوى أسباب الالفة."

"خاطر مدارات مومنین کے اخلاق میں سے ہے اور مدارات لوگوں کے ساتھ عاجزی، گفتگو میں نرمی اختیار کرنے اور سختی چھوڑنے کو کہتے ہیں جو بلاشبہ باہمی الفت و محبت پیدا کرنے کا ایک قوی سبب ہے۔"

تشریح: یہ مدارات جس طرح مسلمان کے ساتھ کی جاتی ہے، اسی طرح غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن اخلاق سے پیش آنے کا حکم

ہے جبکہ ان کے ضرر سے بچنا مقصود ہو یا انہیں مانوس کر کے دینی نفع پہنچانا پیش نظر ہو۔

مسلمانوں کے تعلقات غیر مسلموں کے ساتھ کیسے ہوں:

① **موالات**: اس سے دلی محبت مراد ہے، یہ صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے، غیر مومن کے ساتھ مومن کا یہ تعلق قطعاً جائز نہیں ہے۔

② **مواسات**: اس کے معنی ہمدردی و خیر خواہی اور نفع رسانی کے ہیں، اس قسم کا معاملہ ان کافروں کے ساتھ جائز نہیں، جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

③ **مدارات**: اس سے ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ مراد ہے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو، لیکن اگر کافروں کے ساتھ مدارات کرنے سے اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچے تو پھر ان کے ساتھ مدارات کرنے سے احتراز کیا جائے گا۔

④ **معاملات**: ان سے تجارت یا اجرت و ملازمت اور صنعت و حرفت مراد ہے یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہیں، البتہ اگر ایسی حالت ہو کہ کفار کے ساتھ معاملات کرنے سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو تو پھر جائز نہیں، رسول کریم ﷺ، خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے فقہاء نے اسی بناء پر کفار اہل حرب کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے، باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے۔ (عمدة القاری، کتاب الادب، باب المداراة مع الناس ۲۲/۱۸۱، تکملة فتح الملهم، کتاب البر والصلة، باب مداراة من يتقى فحشه ۵/۴۰۰۔ تحفة الاحوذی ۶/۱۱۲)

اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود ان کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا، یہ سب جائز ہے۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ قلبی اور دلی دوستی و محبت تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں۔

حدیث باب میں نبی کریم ﷺ نے جس شخص کے ساتھ اس کے شر سے بچنے کے لئے نرمی اور خوش اخلاقی کا معاملہ فرمایا، اس سے مراد عیینہ بن حصن فزاری ہے، اس نے باقاعدہ اسلام قبول نہیں کیا تھا صرف ظاہراً مسلمان بنا ہوا تھا لیکن آپ ﷺ نے اس وجہ سے اس کے ساتھ مدارات کا برتاؤ کیا تا کہ اس کے قبیلہ کے لوگ مانوس ہو کر اسلام قبول کر لیں اور مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں، آپ ﷺ کے بعد حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں یہ مرتد ہو گیا تھا جسے قید کر کے لایا گیا۔

مدارات اور مداہنت میں فرق:

یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں، مدارات مستحب جبکہ مداہنت حرام ہے، مدارات یہ ہے کہ دنیا کی بہتری، یا دین کی صلاح یا دین و دنیا دونوں کی بہتری کے لئے دنیا کو خرچ کرنا اور مدارات نرم رویہ اور خوش اخلاقی اختیار کرنے کو بھی کہتے ہیں، اور دنیا کی خاطر دین چھوڑ دینے کو مداہنت کہتے ہیں اور یہ بھی مداہنت ہے کہ کسی ایسے شخص سے ملنا جلنا رکھا جائے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور یہ شخص اس کے گناہ پر قدرت کے باوجود کوئی روک ٹوک نہیں کرتا، خاموشی اختیار کرتا ہے اور اس قدر صرف نظر کرتا ہے کہ دل سے بھی اس کے گناہ کو برا نہیں سمجھتا اور اگر دل سے برا سمجھے تو یہ مداہنت نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْاِقْتِصَادِ فِی الْحُبِّ وَالْبُغْضِ

باب ۵۹: محبت وعداوت میں اعتدال ہونا چاہئے

(۱۹۲۰) قَالَ اَحْبِبْ حَبِیْبَكَ هَوْنًا مَا عَسٰی اَنْ یَّكُوْنَ بَغِیْضَكَ یَوْمًا مَا وَ اَبْغِضْ بَغِیْضَكَ هَوْنًا مَا عَسٰی اَنْ یَّكُوْنَ حَبِیْبَكَ یَوْمًا مَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت کے طور پر یہ بات نقل کی ہے (نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے) اپنے دوست کے ساتھ میانہ روی کا رویہ رکھو کیونکہ ہوسکتا ہے وہ کسی دن تمہارا دشمن بن جائے اور اپنے دشمن کے ساتھ میانہ روی کا رویہ رکھو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی دن وہ تمہارا دوست بن جائے۔

لغات: الاقتصاد: میانہ روی، اعتدال، کفایت شعاری۔ ھونًا ما: قلیلا کے معنی میں ہے اور ترکیب کے اعتبار سے یہ الفاظ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی "حبًا ھونا" درمیانی درجہ کی محبت اور حرف "ما" سے قلت کے معنی مراد ہیں۔

تشریح: محبت وعداوت میں اعتدال ہونا چاہئے:

اس حدیث سے معاشرت کا ایک اہم حکم ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کو ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے، محبت وعداوت، دوستی اور دشمنی میں بھی افراط تفریط نہ کی جائے مگر خاص طور پر حب وبغض یہ دونوں ایسی شئے ہیں کہ آدمی جذبات میں بہہ جاتا ہے اور بوقت محبت وبغض ان کی حدود کو پار کر جاتا ہے نتیجہ پر اس کی نظر نہیں ہوتی، کوئی دوست ہے اسے اتنا قریب نہ کریں کہ گھر کے تمام راز اور خاص خاص باتیں اسے معلوم ہو جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایک دن دشمن ہو جائے تو پھر اس سے نقصان ہوسکتا ہے، ایسے ہی کوئی دشمن ہے تو اس کے ساتھ دشمنی میں بھی اعتدال رکھیں، دشمنی میں اتنا تجاوز اور غلو بھی نہ کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی آپ کا دوست ہو جائے تو پھر اس رویے پر شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ آپ ﷺ نے محبت وبغض کے حدود کو متعین فرما کر حسن معاشرت کے اہم اصول کو بیان فرما دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، ابواب البر والصلۃ، باب ھذا ۶/۱۱۳)

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْكِبْرِ

باب ۶۰: تکبر کا بیان

(۱۹۲۱) لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ وَّلَا یَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ اِیْمَانٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے وزن جتنا ایمان ہوگا۔

(۱۹۲۲) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ وَّلَا يَدْخُلُ النَّارَ يَعْنِي مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ قَالَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ إِنَّهٗ يُعْجِبُنِي أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبِي حَسَنًا وَّنَعْلِي حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں چھوٹی چیونٹی کے جتنا تکبر ہوگا وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں چھوٹی چیونٹی کے وزن جتنا ایمان ہوگا۔ راوی بیان کرتے ہیں ایک شخص نے عرض کی مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے عمدہ ہوں اور جوتا اچھا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمال کو پسند کرتا ہے لیکن تکبر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔

(۱۹۲۳) لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا أَصَابَهُمْ.

ترجمہ: ایاس بن سلمہ بن اکوع رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی خود کو اتنا بڑا سمجھتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام جبارین (تکبر کرنے والوں) میں لکھ دیا جاتا ہے؟ اسے بھی وہی عذاب ہوگا جو ان لوگوں کو ہوگا۔

(۱۹۲۴) قَالَ تَقُوْلُوْنَ فِيَّ التِّيْهُ وَقَدْ رَكِبْتُ الْحِمَارَ وَلَبِسْتُ الشَّمْلَةَ وَقَدْ حَلَبْتُ الشَّاةَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ فَعَلَ هٰذَا فَلَيْسَ فِيْهِ مِنَ الْكِبْرِ شَيْءٌ.

ترجمہ: نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں لوگ میرے بارے میں یہ بیان کرتے ہیں میرے اندر تکبر پایا جاتا ہے حالانکہ میں گدھے پر سوار ہو جاتا ہوں موٹی چادر کو لباس کے طور پر استعمال کرتا ہوں بکری کا دودھ دوہ لیتا ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کام کر لیتا ہوں اس میں تکبر نہیں ہوگا۔

لغات: الکبر: لفظ ''کبر'' اور ''تکبر'' دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، یذھب بنفسه: اپنے نفس کو بڑھاتا رہتا ہے، بلند و بالا کرتا رہتا ہے، بنفسہ میں باء تعدیۃ کے لئے ہے۔ جبارین: جبار کی جمع ہے: سرکش، متکبر۔ الشملة: (شین پر زبر کے ساتھ) پورے جسم کو ڈھانکنے والی معمولی چادر، ج، شمائل۔ حلبت: میں دودھ دوہتا ہوں۔

تشریح: کبر اور تکبر کے مابین فرق اور ان کے اقسام:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بڑائی کا اثر اعضاء و جوارح پر ظاہر ہو تو تکبر ہے اور اگر دل میں ہو تو کبر ہے نیز فرمایا کہ انسان ظلوم و جہول ہے یہ کئی طرح تکبر کرتا ہے:

① کبھی اللہ پر تکبر کر بیٹھتا ہے یہ تکبر کی بدترین قسم ہے اس کی یہ حرکت جہالت و سرکشی ہے جیسا کہ نمرود و فرعون نے تکبر کیا خود اپنے کو رب کہا اور لوگوں سے کہلایا۔

② رسول پر تکبر اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے جسم انسانوں کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع نہ کرنا محض اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے یہ قسم بھی مذموم ہے اس سے قسم اول کا تکبر پیدا ہوتا ہے۔

③ بندوں پر تکبر کرنا اپنے کو دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بلند و برتر سمجھے اور دوسروں کو حقیر تصور کرے۔

کبر، عجب، ریا: کبر بکسرالکاف امام راغب فرماتے ہیں کہ کبر، استکبار اور تکبر تینوں متقارب المعنی الفاظ ہیں:

کبر: نفس کی وہ عادت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے کو دوسروں سے فائق و برتر سمجھتا ہے اور اس میں نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے کبر کے لئے متکبر علیہ (جس پر کبر ہو) اور متکبر بہ (جس چیز کے ذریعہ تکبر کیا جائے) دونوں کا ہونا ضروری ہے یعنی ایک مرتبہ اپنا اور ایک دوسرے شخص کا رتبہ اپنے مرتبہ کو غیر کے مرتبہ سے فائق سمجھنا کبر ہے

عجب: میں صرف متعجب کا ہونا کافی ہے انسان تنہا ہی بغیر دوسرے کے اپنے افعال پر متعجب ہوسکتا ہے یعنی کسی کمال کو اپنے اندر سمجھنا اور اس کو اپنا حق سمجھنا یہ عجب اور خود پسندی ہے۔

ریا: یعنی دکھلاوا یہ اکثر عبادات اور امور دینی میں متحقق ہوتی اور عجب و تکبر امور دینی و دنیوی دونوں میں پائے جاتے ہیں۔

اعتراض: ان احادیث میں ہے کہ جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا جبکہ دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کے دل میں ایک رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہوگا، وہ ضرور جنت میں جائے گا، بظاہر تعارض ہے؟

جواب ①: علامہ خطابی رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے ایمان قبول کرنے سے تکبر کرنا مراد ہے کہ ایمان نہ لائے اور اسی حال میں وہ مرجائے تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

جواب ②: حدیث میں ''دخول اولیٰ'' یعنی ابتداء میں ہی داخل ہونے کی نفی کا ذکر ہے مطلق دخول کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ سزا کے بعد اگر اللہ چاہیں تو پھر جائے گا

جواب ③: جب تک اس کے دل میں تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا جب کبر سے پاک ہوجائے گا خواہ عذاب کے ذریعہ یا عفو و درگزر کی وجہ سے تو پھر جنت میں داخل ہوگا۔

اسباب تکبر: تکبر کے سات اسباب ہیں:

اوّل: **علم:** علم کی وجہ سے عالم بہت جلد تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے وہ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اس حالت میں علم عالم کے لئے آفت ہے اس لئے فرمایا کہ حقیقی علم وہ ہے جس کے ذریعہ عالم اپنے اللہ کو پہچانے اور انجام کے خطرے کا ادراک کرے علم حقیقی سے تواضع، خشوع اور خوف خداوندی پیدا ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

دوم: **عمل و عبادت:** زاہد و عابد بھی عزت طلبی، جاہ پسندی اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے جیسے رذائل سے خالی نہیں ہوتا بسا اوقات دین و دنیا دونوں کے معاملات میں ان رذائل کا اظہار اس سے ہوجاتا ہے۔

سوم: **حسب و نسب:** جو شخص عالی نسب ہو وہ اپنے کو فلاں ابن فلاں سمجھتا ہے اور جو لوگ عالی نسب نہیں مگر علم و عمل میں بڑھے ہوتے ہیں ان کو حقیر سمجھتا ہے۔ قال النبی ﷺ لیدعن قوم الفخر باباء ھم و قد صاروا فحما فی جھنم اولیکونن اھون علی اللہ من الجعلان. (ابو داؤد و الترمذی)

چہارم: **حسن و جمال:** حسن کے ذریعہ عموماً عورتیں فخر و تکبر کرتی ہیں بسا اوقات مردوں میں بھی یہ عیب پایا جاتا ہے حالانکہ حسن و جمال

اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے وہ کسبی وذاتی چیز نہیں اس لئے اس پر فخر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا کیسے روا ہوسکتا ہے۔

پنجم: مال: یہ تکبر بادشاہوں، مالداروں اور تاجروں وغیرہ میں ہوتا ہے حالانکہ مال بھی اللہ کا عطیہ ہے یہ تکبر اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ انسان فقر کی فضیلت اور مالداری کی آفتوں سے ناواقف ہوتا ہے۔

ششم: **طاقت**: یہ بھی تکبر کا سبب ہے طاقتور انسان کمزوروں کو حقیر جانتا ہے حالانکہ یہ بھی اللہ کا عطیہ ہے ذاتی چیز نہیں ہے۔

ہفتم: **کثرت انصار واعوان**: بعض لوگ اپنے تلامذہ، مددگار، اعوان واتباع ومریدین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے تکبر کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ تکبر ہر اس نعمت اور چیز سے ہوتا ہے جسے انسان کمال سمجھتا ہے خواہ وہ حقیقت میں کمال ہو یا نہ ہو، نیز بعض اسباب تکبر کو تحریک دینے والے ہوتے ہیں امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکبر پر آمادہ کرنے والی تین چیزیں ہیں: (۱) حسد (۲) ریا (۳) عجب، بعض نے فرمایا چوتھی چیز کینہ بھی ہے۔

کبر کا علاج:

کبر کے علاج کے دوطریق ہیں: (۱) یہ کہ شروع ہی سے اس مرض کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں اس کی دوصورتیں ہیں علمی اور عملی۔

پہلا طریقہ: علمی تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور خالق نفس کو پہچانے کہ اپنی معرفت سے انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ نفس انتہائی ذلیل اور حقیر چیز ہے جس کے مناسب تواضع، ذلت اور انکساری ہے ان کو اختیار کرنا چاہئے اور خالق نفس کی معرفت سے یقین ہوگا کہ عظمت اور کبریائی جیسے اوصاف صرف اللہ تعالیٰ ہی کی شان کے لائق ہیں ان میں دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ ان تمام اسباب کا ازالہ کیا جائے جس سے انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے یہ طریقہ تفصیل طلب ہے احیاء العلوم میں امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

فقال رجل: علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجل کا مصداق مالک رضی اللہ عنہ بن مرارۃ الرہادی ہیں قاضی عیاض نے بھی یہی فرمایا اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

یعجبنی ان یکون ثوبی حسناً و نعلی حسناً: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چونکہ متکبرین لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ لباس فاخرہ کے ذریعہ تکبر کرتے ہیں اس وجہ سے اس شخص نے اچھا لباس اور اچھا جوتا پہننے کے متعلق سوال کیا کہ آیا مطلقاً اچھا لباس وغیرہ پسند آنا اور اس کو استعمال کرنا کبر تو نہیں ہے جبکہ اس میں ریاء وسمعہ اور دوسروں کی تحقیر کی نیت نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود جمیل ہیں اور اچھی ہیئت کو پسند فرماتے ہیں اس لئے یہ چیزیں استعمال کرنا کبر نہیں ہے۔

بعض حضرات نے جمال کا ترجمہ تجمل سے کیا ہے جس کے معنی سوال سے بچنا، اپنی ضرورت کا اللہ کے علاوہ کسی سے اظہار نہ کرنا اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجمل یعنی عفاف عمن سواہ کو پسند فرماتے ہیں کہ کسی سے کوئی سوال نہ کیا جائے اور اپنی ہیئت محتاج جیسی نہ بنائی جائے جس سے ضرورت کا اظہار خود بخود ہوتا ہو۔

ولکن الکبر من بطر الحق و غمص الناس: الکبر یہ بحذف المصناف ہے ای ذوالکبر بطر اس کے معنی دفع اور رد کے ہیں۔ غمص ایک روایت میں غمط ہے دونوں متقارب المعنی ہیں کسی کو حقیر جاننا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ حُسْنِ الْخُلُقِ

باب ۶۱: حسن خلق کا بیان

(۱۹۲۵) مَا شَيْءٌ اَثْقَلُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَّاِنَّ اللهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيْءَ.

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں اچھے اخلاق کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ بے حیا اور فحش گفتگو کرنے والے شخص سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔

(۱۹۲۶) مَا مِنْ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهٖ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ.

ترجمہ: حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات نقل کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے میزان میں جو چیزیں رکھی جائیں گی ان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی اور چیز نہیں ہوگی آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے (بکثرت نفلی) نمازیں پڑھنے اور روزہ رکھنے والا شخص کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔

(۱۹۲۷) سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ فَقَالَ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ فَقَالَ الْفَمُ وَالْفَرْجُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کس عمل کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پرہیز گاری کی وجہ سے اور اچھے اخلاق کی وجہ سے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کس عمل کی وجہ سے زیادہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منہ اور شرمگاہ کی وجہ سے۔

(۱۹۲۸) اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ. اَنَّهٗ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ فَقَالَ هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ وَبَذْلُ الْمَعْرُوْفِ وَكَفُّ الْاَذٰى.

ترجمہ: احمد بن عبدہ ضبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو وہب کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے عبداللہ بن مبارک نے اچھے اخلاق میں یہ باتیں شمار کی ہیں خندہ پیشانی سے ملنا بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا اور تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا۔

تشریح: عن عبدالله بن المبارك انه وصف حسن الخلق، فقال: هو بسط الوجه، و بذل المعروف و كف الاذى۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حسن خلق کی یہ تعریف کی ہے کہ خندہ پیشانی سے ملنا، بھلائی کو پھیلانا (یا لوگوں پر نفع بخش چیز خواہ وہ مال ہو یا اور کوئی چیز، خرچ کرنا) اور تکلیف (یا تکلیف دہ چیز) کو دُور کرنا حسن اخلاق کہلاتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الخلق الحسن الخلق الكريم والبذلة والاحتمال، شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حسن الخلق البذلة والعطية والبشر الحسن. امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ ہے کہ تو غصہ نہ کر اور کینہ نہ رکھ نیز لوگوں کو ایذاء پر صبر کرنا بھی حسن خلق

میں داخل ہے۔

حسن اخلاق کی فضیلت:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے ترازو میں قیامت کے دن حسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش اور بیہودہ کلام کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی اور بے شک خوش اخلاق، حسن خلق کی وجہ سے روزے دار اور نمازی کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔

جنت اور جہنم میں لے جانے کے اسباب:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جو لوگوں کو جنت میں زیادہ داخل کرانے کا سبب بنیں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا خوف اور اچھے اخلاق، (جنت میں داخل ہونے کا زیادہ باعث دو چیزیں ہیں تقویٰ اور حسن اخلاق اس سے اشارہ فرمایا حسن المعاملہ مع الخلوق کی طرف یعنی لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، خندہ پیشانی، نرم گفتگو، کف ازی اور احتمال ازی کے ساتھ پیش آنا یہ بھی دخول جنت کا سبب ہے، لہٰذا جس شخص کو تقویٰ اور حسن خلق دونوں صفات حاصل ہوں گی وہ بہت جلد جنت میں داخل ہوگا۔)

الفمہ و الفرج: پھر ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو بکثرت لوگوں کو جہنم میں داخل کرانے کا ذریعہ بنیں گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منہ اور شرمگاہ۔

ان کے بالمقابل دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ جہنم میں جائیں گے وہ ''منہ اور شرمگاہ'' ہیں۔ منہ سے زبان مراد ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اسے اگر انسان اچھے امور میں استعمال کرے تو باعث رحمت ہے، ناجائز چیزیں منہ سے نکالے تو دنیا و آخرت میں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں اس کی اطاعت بھی زیادہ اور گناہ بھی زائد ہے ایمان و کفر دونوں کی حقیقتوں کا اظہار اسی سے ہوتا ہے اول اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے اور دوسری اعلیٰ درجہ کی معصیت ہے۔ بہر حال جہنم میں داخل کرنے والے اسباب میں سریع سبب زبان کو فرمایا گیا ہے اس لئے اس میں بے شمار آفات ہیں۔ غلطی، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، فحش گوئی، خصومت، لغو گوئی، خودستائی، ایذاء رسانی، پردہ دری، بات کو بڑھا گھٹا کر پیش کرنا وغیرہ بے شمار عیوب کا تعلق زبان ہی سے ہے اس لئے جلدی ہی جہنم میں داخل کرنے والی چیز ہے کما قیل جرمہ جرم صغیر و جرمہ جرم کبیر۔

قال النبی ﷺ وهل یکب الناس فی النار علی مناخرهم الا حصائد السنتهم، زبان کے شیر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام دے اور سنت کی زنجیریں اس میں ڈال دے اور اس وقت آزاد کرے جب کوئی ایسی بات کرنی ہو جو دین و دنیا کے لئے مفید ہو۔ انسان کے اعضاء میں سب سے زیادہ نافرمانیاں زبان سے سرزد ہوتی ہیں اس لئے کہ اس کو حرکت دینے میں نہ کوئی دقت ہے اور نہ تعب و تکان ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو محفوظ رکھنے کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے فرمایا:

امسك عليك لسانك وليسعك بيتك وليبك على خطيئتك.

نیز فرمایا:

من يتكفل لى بما بين لحييه و رجليه اتكفل له الجنة و قال ﷺ اذا صبح ابن آدم اصبحت الاعضاء كلها تذكر اللسان اى تقول اتق الله فينا فانك ان استقمت استقمنا و ان اعوججت اعوججنا۔ (ترمذی)

"جو شخص مجھے اپنے دو جبڑے اور ٹانگوں کے درمیان کی ضمانت دے دے میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء اس کی زبان سے عرض کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر اگر تو سیدھی ہوگی ہم بھی سیدھے ہوں گے اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوں گے۔"

الفرج: اس سے مراد شہوت فرج ہے جس کی وجہ سے بکثرت آدمی جہنم میں پہنچتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قوت جماع مصلحتاً رکھی ہے لیکن اس کو قابو میں رکھنے کا حکم فرمایا ہے جو شخص اس کو قابو میں نہ رکھے اور اس شہوت کو اعتدال میں نہ کرے تو وہ بے شمار آفتوں کی وجہ سے دنیا کو کھو بیٹھتا ہے اور دین بھی ضائع کر دیتا ہے، شیطان کا آدھا لشکر شہوت ہے اور آدھا لشکر غضب۔

بَابُ مَا جَآءَ فِى الْاِحْسَانِ وَالْعَفْوِ

باب ۶۲: احسان اور معاف کرنے کا بیان

(۱۹۲۹) قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ الرَّجُلُ اَمُرُّ بِهٖ فَلَا يَقْرِيْنِىْ وَلَا يُضَيِّفُنِىْ فَيَمُرُّ بِىْ اَفَاُجْزِيْهِ قَالَ لَا اَقْرِهٖ قَالَ وَرَاٰنِىْ رَثَّ الثِّيَابِ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ مَالٍ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِىَ اللهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ قَالَ فَلْيُرَ عَلَيْكَ.

ترجمہ: ابو احوص رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں ایک شخص کے پاس سے گزرتا ہوں وہ میری ضیافت نہیں کرتا اور نہ مجھے مہمان بناتا ہے جب وہ میرے پاس سے گزرتا ہے تو کیا میں بھی اسے اسی طرح بدلہ دوں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں تم اس کی میزبانی کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو دریافت کیا تمہارے پاس مال موجود ہے؟ میں نے عرض کی ہر طرح کا مال موجود ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ اور بکریاں عطا کی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تو اس (خوشحالی کا اثر تم پر) نظر آنا چاہیے۔

(۱۹۳۰) لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَّطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاؤُا فَلَا تَظْلِمُوْا.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دوسروں جیسا رویہ اختیار نہ کرو کہ تم یہ کہو اگر لوگوں نے اچھائی کی ہے تو ہم بھی اچھائی کرلیں گے اگر انہوں نے زیادتی کی ہے تو ہم بھی زیادتی کریں گے خود کو یہ تلقین کرو اگر لوگوں نے اچھائی کی تو

تم بھی اچھائی کرو گے اگر وہ برائی کریں گے تو تم زیادتی نہیں کرو گے۔

لغات: لایقرینی ولایضیفنی دوسرا جملہ پہلے کی تفسیر ہے وہ میری ضیافت اور مہمان نوازی نہیں کرتا۔ رث الثیاب بوسیدہ اور پھٹے ہوئے کپڑے۔

فلیر: یہ مجہول کا صیغہ ہے: اس مال کا اثر آپ پر دکھائی دینا چاہئے، نظر آنا چاہئے۔ اِمَّعة: تا مبالغہ کی ہے نہ کہ تانیث کی۔ ابن الوقت، ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملانے والا، کسی بات پر نہ جمنے والا، ضعیف الرائی، حالات کے ساتھ چلنے والا۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی کسی رائے پر قائم نہ ہو بلکہ کسی شخص کی تابعداری کرتا ہو نیز اس کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو بغیر دعوتِ طعام کے لوگوں کے ساتھ طفیلی بن کر آجائے نیز وہ شخص بھی اس سے مراد ہوسکتا ہے جو اپنی ضعف رائے کی بناء پر ہر کسی کے ساتھ ہو جائے۔ مگر یہاں مراد وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہش و تمنا کی پیروی کرتا ہو بعض فرماتے ہیں وہ شخص مراد ہے جو یہ کہے کہ جس طرح لوگ میرے ساتھ برتاؤ کریں گے میں بھی ویسا ہی برتاؤ ان کے ساتھ کروں گا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی آخری معنی یہاں متعین ہیں جیسا کہ تقولون ان احسن الناس الخ سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقولون الخ یہ امعۃ کی تفسیر ہے۔ وطنوا: تم اپنے کو تیار اور آمادہ کرو۔ وان اساءوا: اور اگر وہ برائی کریں، بدسلوکی کا برتاؤ کریں۔

روایت الباب کا خلاصہ: یہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ ہر حال میں احسان و عفو و درگزر کا معاملہ کرو خواہ وہ تمہارے اوپر ظلم و زیادتی کریں اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لیا جائے اگرچہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی سے دینا جائز و درست ہے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (النحل: ۱۲۶) عفو و درگزر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ: ۴۰) اور حضور ﷺ نے فرمایا: واعف عمن ظلمك۔ نیز علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے طرق کثیرہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

اول منادمن عند الله يقول اين الذين اجرهم على الله فيقوم من عفا في الدنيا.

"سب سے پہلے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پکاریں گے اور فرمائیں گے کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ پس ہر وہ شخص کھڑا ہوگا جس نے دنیا میں معاف کر دیا ہوگا۔"

معلوم ہوا کہ برائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دینا اور لوگوں کے ظلم و زیادتی کو معاف کر دینا بہت بڑی فضیلت اور باعث ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فلا تظلموا میں ظلم سے مراد صرف بدلہ لینا تو پھر حدیث شریف میں احسان کی تعلیم ہے کہ اگر کسی نے ظلم کیا تو تم اس سے بدلہ نہ لو بلکہ معاف کر دو۔

عمدہ لباس اور عمدہ غذائیں استعمال کرنا اسلام کے خلاف نہیں:

روایت الباب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرنا چاہئے عمدہ غذائیں، عمدہ لباس و پوشاک کا پہننا جبکہ وسعت ہو مطلوب و محمود ہے، وسعت ہوتے ہوئے پھٹے حال، گندہ پراگندہ رہنا نہ اسلام کی تعلیم ہے اور نہ اسلام میں پسندیدہ چیز ہے جیسا کہ بہت سے جاہل اس کو پسند کرتے ہیں۔ سلف صالحین اور ائمہ اسلام میں بہت سے اکابر جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی اکثر عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال فرماتے تھے خود آپ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ جب اچھا لباس میسر ہوتا تو

زیب تن فرماتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ آپ نے چار سوگنی قیمت کی چادر استعمال فرمائی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس پہنتے تھے۔ ان کے لئے تو کسی صاحب نے پورے سال کے لئے تین سو ساٹھ جوڑوں کا سالانہ انتظام اپنے ذمہ لے لیا تھا ہر روز نیا جوڑا استعمال فرماتے جو ایک مرتبہ استعمال کر لیا دوبارہ اس کو نہ پہنتے تھے بلکہ کسی غریب طالبعلم کو دے دیا کرتے تھے۔ بہرحال اظہار نعمت بھی ایک قسم کا شکر ہے اس کے بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے کپڑے پہننا ایک قسم کی ناشکری ہے البتہ عمدہ لباس استعمال کرنے میں دو چیزوں سے بچنا لازم ہے۔ اول: ریا و نمود دوسرے فخر و غرور یعنی محض لوگوں کو دکھلانے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے لباس فاخرہ استعمال نہ کرے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْإِخْوَانِ

باب ۶۳: مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے جانا

(۱۹۳۱) مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللهِ نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرے یا کسی دینی بھائی کی زیارت کرے تو ایک شخص یہ اعلان کرتا ہے تمہیں مبارک ہو تمہارا چلنا مبارک ہو تم نے جنت میں اپنے لیے جگہ بنالی ہے۔

لغات: الاخوان: اخ کی جمع ہے: مسلمان بھائی۔ منادٍ: ندا دینے والا۔ طبت: تم اچھے رہے۔ طاب: اچھا ہے، مبارک ہو۔ ممشاك: آپ کا چلنا۔ تبوأت: تونے ٹھکانا بنالیا۔

تشریح: من عاد مریضا: حقوق مسلم میں سے ایک حق یہ ہے کہ محض اللہ کے لئے مریض کی عیادت کرے یہ بہت بڑی فضیلت کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ کا منادی اس کو دنیا و آخرت کی خوش عیشی پر مبارکباد دیتا ہے۔ عیادت مریض سے متعلق ایک حدیث میں ہے:

اذا عاد الرجل المريض خاض في الرحمة فاذا قعد عنده انغمس فيها.

"جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔ جو اُس کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت الٰہی میں غوطہ لگاتا ہے۔"

نیز ایک روایت میں ہے:

مَنْ أَتَى أَخَاهُ الْمُسْلِمَ عَائِدًا مَشَى فِي خَرَافَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ فَإِنْ كَانَ غُدْوَةً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُمْسِيَ وَإِنْ كَانَ مَسَاءً صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُصْبِحَ.

جو اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے آرہا ہو تو وہ جنت میں چل رہا ہے یہاں تک کہ بیٹھ جائے اور جب وہ بیٹھ جائے تو رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اگر صبح کا وقت ہو تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت و بخشش کی دعا کرتے ہیں اور اگر شام کا وقت ہو تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ ۱/۱۴۴۲)

فائدہ: حضرات علماء فرماتے ہیں عیادت عبادت سے لفظاً معنی، عدداً ہر اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے۔

① عیادت میں یاء ہے جس میں دو نقطے ہیں اور عبادت میں باء جس میں صرف ایک نقطہ ہے۔
② معنی کے اعتبار سے عبادات نفلی سے عیادت مریض افضل ہے۔
③ عدد کے اعتبار سے یاء کا عدد دس ہے اور باء کا عدد صرف دو ہے۔

زارا خاله: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے ملنا جس سے دونوں کو مسرت وخوشی ہوتی ہے محض اللہ کے لئے ہوتو بڑی فضیلت کا سبب ہے۔

ان طبت: یہ دعا دنیا وآخرت کی خوشی عیشی کے لئے ہے۔ طاب ممشاك: یہ مصدر ہے ظرف مکان یا زمان ہے یعنی یہ چلنا، یا جہاں تو جارہا ہے یا جس زمانہ میں جارہا ہے یہ سب قابل مبارک باد ہیں یعنی اس کا ذریعہ ہے کہ تیرا آخرت کی طرف جانا اس حال میں ہے تو رذائل سے پاک ہے اور خصائل حمیدہ کے ساتھ آراستہ ہے۔ تبوأت: اس کے معنی تھیات یعنی تیار کرلیا تو نے منزل اے منزلًا عظیما اس سے عیش آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

عیادت کا شرعی حکم:

نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مریض کی عیادت کرنا بالاجماع سنت ہے، خواہ مریض معروف ہو یا اجنبی، قریب ہو یا بعید اور کس مریض کی عیادت کرنا زیادہ افضل اور زیادہ مؤکدہ ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۱۷۵ھ)

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جن کی عیادت کرنے سے برکت متوقع ہو ان کی عیادت کرنا مؤکد ہے، اور جن کے احوال کی رعایت مطلوب ہوتی ہے ان کی عیادت مسنون ہے اور عام مسلمانوں کی عیادت کرنا مباح ہے اور کافر کی عیادت کرنے کا حکم عنقریب آئے گا۔

بعض علمائے نے اس عموم سے آشوب چشم کے مریض کا استثناء کیا ہے، لیکن آشوب چشم کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ حدیث ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب المفرد میں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میری آنکھوں میں درد تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی، اس کے برخلاف امام بیہقی اور امام طبرانی رحمہما اللہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے: تین مرضوں میں عیادت نہیں ہے، آشوب چشم، پھنسی پھوڑے اور ڈاڑھ کی تکلیف، لیکن یہ حدیث یحییٰ بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ پر موقوف ہے (یعنی مرفوع نہیں ہے) اس حدیث میں عیادت کرنے کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے۔ اور اس حکم کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا۔

عیادت کے اوقات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرض کی ابتداء میں بھی عیادت کرنا جائز ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

مریض کی عیادت سے اس کا حال معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ الفت کا اظہار ہوتا ہے، بسا اوقات عیادت سے مریض کا دل بہلتا ہے اور اس کی توانائی بحال ہوتی ہے، چونکہ حدیث میں مطلقاً عیادت کرنے کا حکم ہے اس سے معلوم ہوا کہ عیادت کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے لیکن عام طور پر دن میں صبح یا شام کے وقت عیادت کی جاتی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الادب المفرد میں رات کے وقت عیادت کرنے کا ایک عنوان قائم کیا ہے جس میں خالد بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوگئے تو آدھی رات کو ان کی عیادت کی گئی، اثرم نے نقل کیا ہے: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ گرمیوں میں دن چڑھنے کے بعد فلاں شخص

کی عیادت کی جائے؟ انہوں کہا کہ یہ عیادت کا وقت نہیں ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں یہ وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ تین دن سے پہلے عیادت نہ کی جائے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین دن گزرنے کے بعد ہی مریض کی عیادت کرتے تھے، لیکن یہ حدیث بہت ضعیف ہے، اس کی روایت میں مسلمہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ متفرد ہے اور وہ متروک ہے، امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث باطل ہے، امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اوسط میں اس حدیث کے ایک شاہد کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند میں بھی ایک متروک راوی ہے۔

عیادت کے آداب:

عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے جس سے مریض تنگ ہو یا مریض کے گھر والوں کو حرج ہو، ہاں اگر مریض کے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے کی ضرورت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (فتح الباری۔ ج۱ ص:۱۱۲۔۱۱۳)

مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کو تکلیف پر صبر کی تلقین کرے اور تسلی آمیز کلمات کہے، اس کے سامنے ایسی باتیں کرے جس سے وہ خوش ہو اور اس کا دل بہلے اس کو وہ احادیث سنائے جن میں یہ ذکر ہے کہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، اس کو توبہ، استغفار اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے کہے اور حالت مرض میں نماز پڑھنے اور جو عبادات وہ کر سکتا ہو ان عبادات کی تلقین کرے اور مریض کو اس قسم کی احادیث سنائے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مومن اور مومنہ یا مسلم اور مسلمہ بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ اس بیماری کی وجہ سے اس کا گناہ مٹا دیتا ہے، ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یعلی اور امام بزار رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے اور امام احمد کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۱)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جسم میں جو بھی تکلیف ہو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہما روایت کیا ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزاوائد ج:۲ ص:۳۰۱)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہو گئے ہم ان کی عیادت کے لئے گئے، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے بھتیجے ایسا نہ کہو، بخدا مجھے سب سے زیادہ وہی پسند ہے جو سب سے زیادہ اللہ عزوجل کو پسند ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝﴾ (الشوریٰ:۳۰) اور تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بیماری جو تم دیکھ رہے ہو یہ میرے کئے ہوئے گناہوں میں سے بعض کی سزا ہے پھر باقی گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا، اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۲)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پاک کرکے اٹھاتا اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۲)

بدعقیدہ اور بدکار کی عیادت سے ممانعت:

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَدَرِيَّةُ مَجُوسُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِنْ

مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ.

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منکرین تقدیر اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ۔"

اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳)

امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال: لا تعودوا شراب الخمر اذا مرضوا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شرابی جب بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت مت کرو۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْحَيَاءِ

باب ۶۴: حیا کا بیان

(۱۹۳۲) اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں لے جاتا ہے بے حیائی ظلم کا حصہ ظلم جہنم میں لے جاتا ہے۔

لغات: الحیاء: وہ خاص صفت جو آدمی کو گناہوں سے روکتی ہے، اور فرائض وحقوق ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

البذاء: (باء پر زبر کے ساتھ) بدکلامی، بدزبانی، بدخلقی۔ جفاء: سخت دلی، اکھڑپن، قساوت قلبی۔

تشریح: حیاء کی اقسام:

حضرات علماء نے حیاء کی مختلف اقسام فرمائی ہیں:

اوّل: جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کی گناہ صادر ہونے کی بناء پر، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا افرارا منا تو حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں کہا: لا بل حیاء منك۔

دوم: حیاء تقصیر جیسے ملائکہ کی حیاء انہوں نے حیاء کی بارگاہ میں عرض کیا: سبحانك ما عبدناك حق عبادتك۔

سوم: حیاء اجلال: جیسے حضرت اسرافیل کی حیاء کہ وہ اپنے پروں کو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے سمیٹے ہوئے ہے۔

چہارم: حیاء کرم جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء یعنی لوگوں کو کھانا کھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیٹھے رہنا اور آپ کا حیاء ان کو چلے جانے کا حکم نہ فرمانا: قولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

پنجم: حیاء حشمت جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیاء کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی سے متعلق سوال نہ کر سکے بلکہ دوسرے صحابی سے سوال کو کہا۔

ششم: حیاء استحقار جیسے حیاء موسیٰ علیہ السلام۔ قال انی لتعرض لی الحاجۃ من الدنیا فاستحی ان اسئلك یا رب فقال عزوجل سلنی حتی ملح عجینك... الخ۔

حیاء انعام: وھو حیاء الرب تعالیٰ اذا اذنب العبد۔

حیاء ایک عمدہ خصلت:

اس حدیث میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں ایک حیاء اور دوسرا بذاء، حیا ایک اچھی خصلت ہے جو انسان کو برائی سے روکتی اور نیکی پر ابھارتی ہے انسان اس کی وجہ سے بہت عیوب وذنوب سے محفوظ رہتا ہے اسی وجہ سے اس کو ایمان کا اہم شعبہ قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ حیاء ایمان کے مقتضیات ولوازم میں سے ہے حیاء کو خصوصاً شعبہ ایمان فرمایا گیا ہے کیونکہ حیاء ایسا خلق ہے جو باقی جملہ شعب ایمان کے لئے داعی کی حیثیت رکھتا ہے۔

والایمان فی الجنۃ: یعنی اہل الایمان فی الجنۃ بطور شکل اوّل: الحیاء من الایمان، و کل من الایمان فی الجنۃ فالحیاء فی الجنۃ. یعنی جب حیاء ایمان کا اہم شعبہ ہے اور ایمان جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ حیاء جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

اعتراض: ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''الحیاء خیر کله'' حیا سارے کا سارا خیر ہے، اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات شرم وحیاء کی وجہ سے بعض لوگ حق بات دوسروں تک نہیں پہنچا سکتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کر سکتے، اس لحاظ سے حیاء خیر کیسے ہے؟

جواب: کہ شرم وحیاء اس چیز سے مانع نہیں ہے کیونکہ حیاء گناہوں سے روکتا ہے اور نیکی پر ابھارتا ہے، حق بات کہنے وغیرہ سے مانع بزدلی ہوتی ہے، اس میں جرأت اور دلیری ہے کہ دوسروں کے سامنے حق بات کر سکے اس لئے یہ کہنا شرم وحیاء اس چیز سے مانع ہوتی ہے درست نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب الرفق والحیاء ۸/۸۰۰، ۸۰۶)

والبذاء من الجفاء: اور بذاء یعنی بدکلامی اور بداخلاقی ایک بری عادت ہے جو سخت دلی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتی ہے، ایسا شخص جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ بذاء خلاف حیاء کو کہتے ہیں، جب حیاء نہ ہوگی وا ایسا شخص فاحش اور بداخلاق ہوگا چونکہ اس میں جفاء یعنی قساوت قلبی اور غلظت پائی جائے گی جس کی وجہ سے وہ گناہوں کا شکار ہوگا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا یا تو ہمیشہ کے لئے یا ایک خاص مدت کے لئے۔

علامات شقاوت:

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شقاوت وبدبختی کی پانچ علامتیں ہیں: (۱) قسوۃ القلب (۲) جمود العین (۳) قلت الحیاء (۴) رغبۃ الدنیا (۵) طول الامل۔ بہر حال روایت الباب سے حیاء کی فضیلت اور بے حیائی کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

حیاء پیدا کرنے کا طریقہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیاء عجیب چیز ہے اگر مخلوق سے حیاء ہوگی تو کوئی ایسی حرکت نہ ہوگی جس کو مخلوق پسند نہ کرتی ہو۔ اگر خالق سے حیاء ہوگی تو ان افعال سے اجتناب ہوگا جو خالق کے نزدیک ناپسند ہیں۔ مخلوق سے حیاء کرنا تو طبعی امر ہے البتہ خالق سے حیاء کرنے کا طریقہ معلوم کرنا ضروری ہے، سو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی وقت تنہائی کا مقرر کر کے بیٹھے اور اپنی نافرمانیاں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کیا کرے چند روز میں حیاء کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، اور ایک عظیم شعبہ ہاتھ آ جائے گا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّأَنِّیْ وَالْعَجَلَةِ

باب ۶۵: اچھی عادات اختیار کرنا جلد بازی سے کام نہ لینا

(۱۹۳۳) اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی عادات اختیار کرنا جلد بازی سے کام نہ لینا اور میانہ روی اختیار کرنا نبوت کا چوبیسواں جز ہے۔

(۱۹۳۴) لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَیْسِ اِنَّ فِیْكَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس قبیلے کے سردار سے یہ فرمایا تھا تمہارے اندر دو خصوصیات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے بردباری اور جلد بازی نہ کرنا۔

(۱۹۳۵) اَلْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ.

ترجمہ: عبدالمہیمن بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلد بازی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

لغات: التانی: وقار و سنجیدگی، تحمل و بردباری۔ العجلة: سرعت، جلد بازی۔ السمت: نمایاں راستہ، طریقہ۔ أناة: متانت و سنجیدگی اور وقار۔ السمت الحسن: اس کے معنی پسندیدہ عادت اور اچھے طریقہ کے ہیں۔ التودة: بضم التاء وفتح الھمزہ اس کے معنی ہیں کسی کام کو اطمینان و سکون سے کرنا اس میں جلدی نہ کرنا۔ الاقتصاد: اس کے معنی ہیں افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راہ اختیار کرنا علامہ توریشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اقتصاد کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے اول اچھے اور برے فعل کے درمیان راستہ نکالنا مثلاً جور و عدل کے درمیان یا اسراف اور جور کے درمیان کی راہ اسی طرح بخل اور سخاوت کے درمیان کا راستہ اختیار کرنا یہ سب اقتصاد میں داخل ہے دوم ایسی درمیانی راہ جس کے دونوں جانب افراط و تفرط ہو۔

جزء نبوت ہونے کا مطلب:

① علامہ توریشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان امور کے جزء نبوت ہونے کا مطلب کسی کو معلوم نہیں اس کی مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔

② علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں روایت کا مطلب یہ ہے کہ یہ اُمور ثلاثہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ انبیاء علیہم السلام متصف ہوتے ہیں اور یہ ان کی عادات سے ہے لہٰذا یہ تینوں اُمور فضائل کے اعتبار سے بہت اچھے ہیں جس میں یہ باتیں پائی جائیں گی اس کو انبیاء علیہم السلام کے فضائل کے اجزاء میں سے ایک جزء حاصل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبوت منجزی ہے کہ ایسا شخص جزء نبی ہو کیونکہ نبوت وہبی شئی ہے شئی مکتسب نہیں ہے۔

③ یہ اُمور ثلاثہ ایسے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ان کی دعوت دی ہے لہٰذا ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونے والا انبیاء علیہم السلام کی طرح داعی کہلائے گا۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس میں یہ امور پائے جائیں گے اس سے لوگ تعظیم وتکریم کے ساتھ ملاقات کریں گے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لباس تقویٰ سے آراستہ فرمائیں گے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو آراستہ فرماتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب الحذر والتانی فی الامور ۷۸۹/۸)

نبوت کے اجزاء کے لئے چوبیس یا پچیس کا عدد کیوں خاص کیا ہے؟

جواب①: اس عدد سے کثرت بیان کرنا مقصود ہے، اجزاء نبوت کو اس عدد میں منحصر کرنا مقصود نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب الحذر والتانی فی الاموز ۷۸۹/۹)

جواب②: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اجزاء نبوت کے بیان کے لئے اس عدد کی تخصیص کی وجہ اللہ تعالیٰ اور سکے رسول ہی کو معلوم ہے، اس کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اس لئے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ (الکوب الدری، ۶۸/۳)

جواب③: بعض نے یہ کہا کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے، یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں۔

جواب④: یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت، اطمینان و وقار سے اپنے کام سرانجام دینے کی عادت اور میانہ روی۔ (معارف الحدیث، ۲۳۵/۲)

اِنَّ فِیْكَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّهُمَا اللهُ: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حلم سے مراد عقل ہے اور اناءۃ سے مراد وقار ومتانت اور سنجیدگی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب وفد عبدالقیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سب لوگ سواری وسامان کو یونہی چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے مگر اشج عبدالقیس نے سب سواری کو بھی باندھا اور سامان ٹھیک کیا اور طہارت ونظافت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا: ان فیك خصلتین... الخ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فطرۃً یہ عادتیں آپ کے اندر رکھی ہیں، یہ سنکر اشج نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب الحذر والتانی فی الامور ۷۸۳/۸)

ظاہر ہے کہ بردباری اور سنجیدگی اچھی چیز ہے ہر کام میں عجلت غیر پسندیدہ ہے ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی: **اذا اردت امرًا فقدبر عاقبة فان کان رشدا فامضه وان کان سوا ذلك فانته.** (ابن المبارک)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس میں کسی کام کی تاخیر پر ملامت کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ امور خیر میں تامل وغور وفکر سے کام لینا رشد کی علامت ہے اور رشید وہی ہوتا ہے جو جلد بازی سے اجتناب کرنے والا ہو اور محروم وہ ہے جو سنجیدگی اور وقار سے محروم ہو۔ مستقل مزاج کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے اور جلد باز ٹھوکر کھاتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

مومن بردبار سنجیدہ اور باوقار ہوتا ہے رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں جو ہاتھ لگا اٹھالیا۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجلت کا ہونا شیطان کے وسوسہ سے ہوتا ہے بسا اوقات عجلت کی بناء پر انسان کی نظر نتائج تک نہیں پہنچتی اور اچھے نتائج نہ ہونے کی وجہ سے ندامت اٹھانی پڑتی ہے البتہ خیر کے کاموں میں جلدی کرنا مطلوب و مامور ہے اور عجلت فی النفس العبادات جس سے عبادات اچھی طرح ادا نہ ہوں مذموم ہے اگر کوئی شخص متانت و سنجیدگی سے امور انجام دے گا وہ عواقب میں غور و خوض کرے گا اور صحیح راستہ اختیار کرے گا اور اس کے نتائج بھی عمدہ حاصل ہوں گے۔

بَابُ مَاجَآءَ فِی الرِّفْقِ

باب ٦٦ : نرم مزاجی

(۱۹۳٦) مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ.

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جس شخص کو نرمی میں سے حصہ دیا گیا اسے بھلائی میں سے حصہ دیا گیا جس شخص کو نرمی سے محروم رکھا گیا اسے بھلائی سے محروم رکھا گیا۔

لغات: الرفق: بالکسر ضد العنف وھو المداراۃ بالرفقاء ولین الجانب والطف فی اخذ الامر باحسن الوجوہ وایسرھا، من اعطی مجھول کا صیغہ ہے، حظہ یہ مفعول ثانی ہے ومن حرم یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے نرمی نہایت عمدہ صفت ہے جو حسن خلق اور سلامتی طبع کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے نرمی ہر حال میں حسن خلق کا ثمرہ ہے چونکہ حسن خلق اس وقت حاصل ہوتا ہے جب قوت غضب وشہوت معتدل ہو اور اسی سے نرمی ہوتی ہے۔

تشریح: رفق کیا ہے: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفقاء سے پوچھا جانتے ہو رفق کیا چیز ہے پھر خود فرمایا ہر امر کو اس کے موقع اصول میں رکھنے کا نام رفق ہے ضرورت ہو تو سختی برتے موقع ہو تو نرمی کرے کیونکہ اکثر طبائع عنف وحدت کی طرف زائد قائل ہیں اس لئے نرمی کی ترغیب کی زیادہ ضرورت ہے۔ بہر حال نرمی ایک عمدہ صفت ہے اور اکثر حالات میں اس کی ضرورت زیادہ رہتی ہے سختی گاہے گاہے پیش آتی ہے۔ انسان کامل وہی ہے جو نرمی و سختی کے مواقع میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بصیرت وشعور سے محروم شخص یہ فرق نہیں کر پاتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کتنا عمدہ ہے وہ ایمان جس کو نرمی سے سنوارا گیا ہو

نرم مزاجی کے فضائل:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اخلاق کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اور جنہیں خاص اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کو لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، نرم مزاجی سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں، نرم مزاج شخص جس طرح اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اسی طرح لوگوں کو بھی محبوب ہوتا ہے، اس کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے، اگر وہ کسی ہنر کا مالک ہو تو لوگ اس سے بڑی آسانی سے استفادہ کرتے ہیں، سخت مزاج آدمی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور لوگ بھی

اسے پیار کی نظر سے نہیں دیکھتے اور دنیا و آخرت کی بہت سی بھلائیوں سے وہ محروم ہو جاتا ہے، اس لئے آدمی کو اپنے مزاج میں نرمی اختیار کرنی چاہئے، یہی کامیابی کا راز ہے۔

روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''اذا احب الله اهل بيت ادخل عليهم الرفق'' (احمد)

''جب اللہ تعالیٰ کسی گھر والوں سے محبت کرتے ہیں اُن میں نرمی داخل کر دیتے ہیں۔''

نیز ایک دوسری روایت میں ہے:

''ان الله اعطى على الرفق مالا يعطى على الخرق (جہالت) و اذا احب الله عبدا اعطاه الله الرفق مامن اهل بيت يحرمون الرفق الاحرموا محبة الله تعالىٰ. (طبرانی کبیر)

''بیشک اللہ تعالیٰ جتنا نرمی پر دیتے ہیں سختی پر نہیں دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے محبت کرتے ہیں تو اُسے نرمی عطا فرما دیتے ہیں۔ کوئی گھر والے ایسے نہیں ہیں کہ جن کو نرمی سے محروم کر دیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔''

اسی طرح فرمایا: ان الله رفيق يحب الرفيق ويعطى عليه مالا يعطى على العنف (سختی) (مسلم)

''بیشک اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا کرتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے۔''

ایک اور روایت میں ہے: تدرون من يحرم على النار كل هين لين سهل قريب. (ترمذی)

تم جانتے کہ کون آگ پر حرام ہے، ہر نرم نرمی کرنے والا آسان قریب کرنے والا۔''

ایک روایت ہے: يا عائشه عليك بالرفق لا يدخل فى شئى الا زانه ولا ينزع من شئى الا شانه. (مسلم)

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! نرمی کو لازم پکڑو یہ کسی چیز میں داخل نہیں ہوتی مگر اس کو خوبصورت بنا دیتی ہے، اور کسی چیز سے جدا نہیں ہوتی مگر اس کے مرتبے کو گھٹا دیتی ہے۔''

ایک روایت جو مرفوع و موقوف دونوں طرح نقل کی گئی ہے اس طرح سے کہ علم مومن کا دوست، حکم اس کا وزیر، عقل اس کی رہنما عمل، اس کا نگران رفیق اس کا باپ۔ نرمی اس کا بھائی اور صبر اس کی فوج کا امیر ہے۔ (ابوالشیخ)

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

باب ۶۷: مظلوم کی بددعا کا بیان

(۱۹۳۷) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

تشریح: اتق دعوة المظلوم: یہاں مظلوم سے عام مراد ہے خواہ اس کے ساتھ کسی بھی طرح کا ظلم ہوا ہو جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ

کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو اس وقت خصوصی طور پر حضور ﷺ نے یہ وصیت فرمائی چونکہ بسا اوقات حاکم سے زیادتی ہوتی ہے۔

لیس بینھا و بین اللہ حجاب: یہ سرعت اجابت سے کنایہ ہے اور مراد یہ ہے کہ اس کی بددعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس کی دعا کی قبولیت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے بلکہ مظلوم کی بددعا کو اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش کیا جاتا ہے چونکہ مظلوم حاق قلب سے بددعا کرتا ہے اور وہ منکسر القلب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ منکسر القلب شخص کی دعا کو ضرور سنتا ہے۔ (تحفة الاحوذی: ۶/۱۳۱)

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ خُلُقِ النَّبِیِّ ﷺ

باب ۶۸: نبی ﷺ کے اخلاق کا بیان

(۱۹۳۸). خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ سِنِیْنَ فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِشَیْءٍ صَنَعْتُهٗ لِمَ صَنَعْتَهٗ وَلَا لِشَیْءٍ تَرَكْتُهٗ لِمَ تَرَكْتَهٗ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَمَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيْرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ اَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی دس سال خدمت کی آپ نے کبھی بھی مجھے اف نہیں فرمایا اور میں نے جو کام کیا اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تم نے یہ کیوں کیا؟ میں نے جو کام نہیں کیا اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تم نے اسے کیوں نہیں کیا نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک تھے میں نے آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم وملائم کوئی ریشم نہیں چھوا اور آپ کی خوشبو مبارک سے زیادہ اور کسی مشک یا عطر کی خوشبو نہیں سونگھی۔

(۱۹۳۹) سَاَلْتُ عَائِشَةَ ؓ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّلَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِیْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْ وَيَصْفَحُ.

ترجمہ: ابوعبداللہ جدلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ بدزبانی نہیں کرتے تھے اور بازار میں شور نہیں کرتے تھے آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ معاف کر دیتے تھے اور درگزر سے کام لیتے تھے۔

تشریح: ولا شممت مسکا قط ولا عطرًا کان اطیب من عرق رسول اللہ ﷺ: آپ ﷺ کے پسینہ کی خوشبو عطر و مشک سے بھی بڑھ کر تھی اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ پھر آپ ﷺ عطر کیوں استعمال فرماتے تھے؟

شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجوہ ذکر کی ہیں:

اوّل: آپ کے پسینہ کی خوشبو خود آپ کو محسوس نہیں ہوتی تھی۔

دوم: پسینہ ہر وقت نہیں آتا ہے جب پسینہ آتا تو خوشبو محسوس ہوتی تھی لہٰذا جس وقت پسینہ نہیں آتا تھا تو آپ خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

سوم: خوشبو کے استعمال کی سنیت کے اجراء کے لئے آپ خوشبو استعمال فرماتے تھے تاکہ بعد کے لوگ اس سنت پر عمل پیرا ہوں۔

چہارم: خوشبو لگانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور آپ کو ان کی اقتداء کا حکم فرمایا گیا ہے۔ قال تعالیٰ فبھدھم اقتدہ۔

پنجم: اگرچہ آپ کے پسینہ میں بہت خوشبو تھی مگر بسا اوقات آپ کی ملاقات لطیف مخلوق یعنی فرشتوں سے ہوتی تھی اس وجہ سے مبالغۃً آپ مزید خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

صخابًا: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صخاب بالصاد و الخاء المشددة ای صیاحا وقد جاء بالسین ایضًا۔ اگرچہ یہ صیغہ مبالغہ ہے مگر مبالغہ کے معنی یہاں مراد نہیں ہیں بلکہ محض نسبت کے لئے ہے جیسے خیاط و بقال تو مقصود صخب کے معنی ہیں وقیل المقصود من ھذا الکلام مبالغة النفی لانفی المبالغة فی قوله تعالیٰ: ﴿وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾(ق:۲۹) اسواق، کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی تاکہ اس کے علاوہ دیگر مقامات میں بدرجہ اولیٰ نفی صخب ہوجائے۔ یعنی بازار جیسی جگہ عموماً رفع اصوات کی جگہ ہے حالانکہ آپ بازار میں بیع وشراء فرماتے تھے مگر چیختے بالکل نہیں تھے اور نہ آواز بلند فرماتے تھے، لہٰذا اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر تو کیا آواز بلند فرماتے ہوں گے۔ ولا یجزی السیئة بالسیئة الخ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ کثیر روایات وواقعات سے ثابت ہے کہ طریق احسن ہی اختیار فرماتے تھے اگر کسی نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا تو آپ اس کو معاف فرما کر اس کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتے تھے عملاً بقول تعالیٰ: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ﴾ (المومنون:۹۶) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حکم یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے تم اس کے مقابلہ میں صبر کرو، جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو اور جس نے تم کو ستایا تم اس کو معاف کردو، بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کسی نے گالی دی یا برا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم وخطاکار ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔

"ولکن یعفو و یصفح" العفو والصفح متقاربان کما قاله صاحب الجمل و قال بعضهم العفو ترك العقوبة عن الذنب والصفح ترك اللوم والعتاب علیه وقال الرغب الصیفح ترك التثریب وهو ابلغ من العفو ولذالك قالوا اعفوا واصفحوا وقد یعفوا الانسان ولا یصفح."

گویا عفو کا تعلق ظاہر سے اور صفح کا تعلق باطن سے اختارہ الکنکوئی، مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برعکس تعبیر فرمائی ہے: "قال فی شرح الشمائل لکن یعفو ای بباطنه ویصفح ای یعرض بظاهر."

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں سے دوسرا یہ ہے کہ آپ کو فحش گوئی کی بالکل عادت نہیں تھی۔

③ بتکلف اور بالقصد بھی آپ بے حیائی اور بری بات یا عمل نہیں کرتے تھے۔

④ عموماً لوگ بازار میں چیخ وپکار اور شوروغل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں خرید وفروخت ضرور کرتے تھے لیکن شوروغل اور چیخ وپکار نہیں کرتے تھے۔

⑤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی برا کرتا، غلط انداز سے پیش آتا، آپ اس سے بدلہ نہیں لیتے تھے بلکہ اس کی غلطی کو دل سے بھی معاف فرما دیتے اور ظاہراً بھی درگزر فرما دیتے، اس سے کوئی گرفت نہیں فرماتے تھے اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے تھے۔

ان روایات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اخلاق، حسن معاشرت، حلم و بردباری اور عفو و درگزر کی صفات معلوم اور ثابت ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) (الکوکب الدری۔ ۶۸/۳)

لغـات: خز: اُون اور ریشم کا بنا ہوا کپڑا۔ حریر بریشم، ریشمی کپڑا۔ الین: زیادہ نرم۔ اطیب: زیادہ خوشبودار، زیادہ اچھا، عَرَق: پسینہ۔ فاحش: بری بات یا برے فعل کا عادی۔ متفحس: بتکلف اور ارادے سے فحش بات کرنے والا۔ صخاب: بہت چیخنے اور شور مچانے والا۔ یعفو: وہ باطناً درگزر کردیتے، یعنی دل سے معاف کردیتے۔ یصفح: وہ ظاہراً معاف فرما دیتے۔ لاشَمِمت: میں نے نہیں سونگھا۔ ما مَسَسْت میں نے نہیں چھویا۔ اف: بضم الهمزه وکسر الفاء المشددة منون وغیر منون دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس میں دس لغات بیان فرمائی ہیں۔ اف: بفتح الفاء ضمها وکسرها بلا تنوین ومع تنوین یہ چھ لغات ہوگئیں۔

⑦ بضم الهمزة واسكان الفاء ⑧ بكسر الهمزة وفتح الفاء ⑨ افى ⑩ اف، بضم الهمزة فيهما۔ اف اور تف ناخنوں کے میل کے لئے ہے پھر اس کا استعمال ہر اس شے کے لئے ہونے لگا جس کو برا سمجھا جائے اور یہ اسم فعل ہے، واحد، تثنیہ، جمع، مذکر و مؤنث سب کے لئے ایک ہی لفظ مستعمل ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ (الاسراء: ۲۳) علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر ایسی شے جس سے تکلیف اور گرانی ہو اس کے لئے لفظ اف مستعمل ہے۔

"عشر سنين" اس روایت میں دس کا ذکر ہے جبکہ مسلم کی روایت میں نو سال کا ذکر ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اصل مدت خدمت نو سال اور کچھ ماہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ پہلے سال کے درمیان میں حاضر خدمت ہوئے تھے، اس لئے جس روایت میں نو سال کا ذکر ہے ان میں اس مہینے کو نہیں شمار کیا گیا اور جس روایت میں دس سال کا ذکر ہے اس میں اس مہینے کو شمار کیا گیا ہے۔ (شرح مسلم للنووی، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ۔ ۲/۲۵۳)۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ حُسْنِ الْعَهْدِ

باب ۶۹: حسن وفا کا بیان

(۱۹۴۰) مَا غِرْتُ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ مَا غِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا بِيْ اَنْ اَكُوْنَ اَدْرَكْتُهَا وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَهَا وَاِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيَتَتَبَّعُ بِهَا صَدَائِقَ خَدِيْجَةَ فَيُهْدِيْهَا لَهُنَّ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے جتنا رشک مجھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا اور کسی پر نہیں آتا تھا حالانکہ میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا یہ رشک صرف اس وجہ سے آتا تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تذکرہ اکثر کیا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بکری ذبح کیا کرتے تھے تو آپ اس کا گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھجوایا کرتے تھے۔

تشریح: حسن وفا اس کے متعلقین کے ساتھ بھی محبت:

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما غرت على احد من ازواج النبى ﷺ ما غرت على خديجة: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ازواج رضی اللہ عنہن میں سے کسی پر مجھے اتنی غیرت نہیں آتی جتنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر آتی ہے (غار یغار غیرۃ) کے معنی ہیں: رشک کرنا اور پہلا ما نافیہ ہے اور دوسرا ما موصولہ یا مصدریہ ہے اور اس سے پہلے مثل محذوف ہے اور جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے زیادہ رشک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر آتا ہے۔ اور بخاری ومسلم میں ہے: وما رأیتھا: اور میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا اس لئے ان پر غیرت کی کوئی وجہ نہیں تھی، غیرت سوکنوں میں ہوتی اور اور سوکنیں وہ بیویاں ہیں جو ایک ساتھ کسی کے نکاح میں جمع ہوتی ہیں، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ مقدم ہے اس لئے ان پر غیرت کھانے کی کوئی وجہ نہیں تھی اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان پر بہت زیادہ غیرت آتی تھی، کیوں؟ وما ماذاك الا لكثرة ذكر رسول الله ﷺ لھا: اور نہیں تھی وہ غیرت مگر بکثرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تذکرہ کرنے کی وجہ سے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اتنا زیادہ تذکرہ فرماتے تھے اور اتنی زیادہ تعریف کرتے تھے کہ دل سن کر کباب ہوجاتا تھا بلکہ ایک مرتبہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جھلا کر کہہ دیا تھا کہ آپؐ قریش کی ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہتر بیوی دی ہے، اس پر آپؐ نے فرمایا: نہیں، ان سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری اولاد ان سے دی ہے۔

ادب وحرمت کا اس قدر لحاظ: وان کان لیذبح الشاۃ فیتتبع بھا صدائق خدیجۃ. فیھدیھا لھن: یہ حسن عہد اور ان کے تعلقات کی پاسداری کے طور پر تھا۔ امام حاکم نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، اتنے میں ایک بڑھیا آئی، آپ نے بڑا ادب اور توجہ سے اس کی خیریت دریافت کی، اس نے کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، میں ٹھیک ہوں، اس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ کون عورت ہے جس پر آپ نے اتنی توجہ فرمائی آپ نے فرمایا: یہ عورت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا کرتی تھی، اس لئے میں اس کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آیا، کیونکہ حسن عہد اور ادب کا لحاظ کرنا ایمان کا حصہ ہے حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بڑھیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، آپؐ نے پوچھا: تم کیسی ہو؟ تمہارا کیا حال ہے؟ ہمارے بعد تمہارے احوال کیا رہے؟ بڑھیا نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ پر قربان! ہمارے احوال اچھے ہیں، پھر جب وہ بڑھیا چلی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے اس بڑھیا کی طرف اتنا التفات کیوں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا عائشۃ! انھا کانت تاتینا زمان خدیجۃ و ان حسن العھد من الایمان: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ بڑھیا ہمارے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں آیا کرتی تھی اور تعلقات کی پاسداری ایمان کا تقاضا ہے اس لئے میں نے اس کی طرف اتنا التفات کیا۔

لغات: حسن العھد: ادب وحرمت کی رعایت، احترام و پاسداری، قدیم زمانے کو یاد کرتے ہوئے حسن سلوک کرنا۔ **ماغرت:** میں نے رشک نہیں کیا۔ یتبع بھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کا گوشت دینے کے لئے تلاش اور جستجو فرماتے۔ صدائق صدیقۃ کی جمع ہے: سہیلیاں۔ العھد کے چند معانی ہیں: یہاں وفا کے معنی ہیں، کہا جاتا ہے: ھو ثابت العھد: وہ باوفا ہے یعنی پابند وعدہ ہے اور وفا کی عمدگی کی پاسداری سے ہوتی ہے۔

---*---

بَابُ مَا جَاءَ فِیْ مَعَالِی الْاَخْلَاقِ

بباب ۷۰: بلند اخلاق کا بیان

(۱۹۴۱) اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَحَاسِنَکُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْهِقُوْنَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَیْهِقُوْنَ قَالَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور میرے سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) اچھے اخلاق کے مالک ہوں گے اور قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتیں کرتے ہوں اپنی گفتگو کے ذریعے اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتے ہوں اور تکبر کرتے ہوں لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ہمیں الثرثارون ولمتشدقون کا تو علم ہے لمتفیھقون سے کیا مراد ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تکبر کرنے والے ہوں گے۔

تشریح: اس باب میں یہ بیان ہے کہ جن لوگوں میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق ہوتے ہیں ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟

حدیث: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامة: أحاسنکم أخلاقا: میرے نزدیک (دنیا میں) محبوب تر اور قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں (احاسنکم: ان کا اسم مؤخر ہے) اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی نزدیکی بڑی خوبی کی بات ہے اسی طرح نبی ﷺ کی نزدیکی بھی بڑی خوبی کی بات ہے جو قیامت کے دن بلند اخلاق لوگوں کو حاصل ہوگی۔

وان من ابغضکم الی، وابعدکم منی یوم القیامة: الثرثارون، والمتشدقون والمتفیھقون: اور تم میں سے میرے نزدیک (دُنیا میں) مبغوض تر اور قیامت کے دن مجھ سے بعید تر: وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ بک بک کرنے والے ہیں، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے والے ہیں (یا باتوں میں غیر محتاط ہیں) اور تکبر سے بغیانے والے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ثرثارون اور متشدقون کو تو ہم جانتے ہیں، متفیھقون سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: گھمنڈی لوگ (یہ بلند اخلاق والوں کا مقام و مرتبہ بیان کرنے کے بعد پست اخلاق والوں کا تذکرہ ہے، تاکہ تقابل سے اچھے اخلاق والوں کا مقام و مرتبہ اور بھی واضح ہو جائے)۔

لغات: معالی مَعلاۃ: کی جمع ہے: رفعت و عزت، بلند مرتبہ اور معالی الاخلاق سے بلند اخلاق مراد ہیں۔ الثرثارون: یہ ثرثار کی جمع ہے: باتونی، فضول بولنے والا، بتکلف بہت بولنے والا۔ المتشدقون متشدق کی جمع ہے: غیر محتاط گفتگو کرنے والا، لوگوں سے استہزاء اور ٹھٹھا مارنے والا۔ المتفیھقون: متفیھق کی جمع ہے: متکبر لوگ، بڑھا چڑھا کر بات کرنے والا۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

باب ۷۱: لعن طعن کا بیان

(۱۹۴۲) لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَّکُوْنَ لَعَّانًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن لعنت نہیں کیا کرتا۔

لغات: اللعن: باب فتح کا مصدر ہے: لعنت کرنا، اللہ کا کسی کو خیر سے محروم کرنا اور الطّعن بھی باب فتح کا مصدر ہے: کسی کو طعنہ دینا، کسی کی برائی بیان کرنا، عیب نکالنا، تنقید کرنا، چھینٹے ڈالنا، کسی کسی نسب میں کیڑے نکالنا۔ یہ دونوں باتیں بھی لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا کرتی ہیں اور جھگڑے ٹنٹے کھڑے کرتی ہیں، اس لئے لوگوں کو ان سے بچنا چاہئے، نہ کسی پر لعنت ملامت کرنی چاہئے، نہ کسی کی خردہ گیری کرنی چاہئے اور نہ کسی کے نسب میں کیڑے نکالنے چاہئیں۔

طعن: کسی پر طعنہ زنی کرنا۔ یہ بھی ممنوع ہے فرمایا: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ﴾ (الحجرات:۱۱) چونکہ عیب سے عادۃً کوئی شخص خالی نہیں ہوتا اگر ایک شخص دوسرے کا عیب نکال کر طعنہ دے گا تو اس کے جواب میں دوسرا شخص بھی اس کے عیب نکال کر طعنہ دے گا دونوں نے ایک دوسرے کی تذلیل کی یہ جائز نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ انسان کی سعادت وخوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے اور ان کے اصلاح کرے۔ کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پہلے لعنت کے بارے میں "باب ما جاء فی اللعنة" قائم کیا۔ جس میں تفصیل گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کَثْرَةِ الْغَضَبِ

باب ۷۲: بہت زیادہ غصہ کرنے کا بیان

(۱۹۴۳) عَلِّمْنِیْ شَیْئًا وَّلَا تُکْثِرْ عَلَیَّ لَعَلِّیْ اَعِیْهِ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا کُلُّ ذٰلِكَ یَقُوْلُ لَا تَغْضَبْ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے کسی چیز کی تعلیم دیں مجھے زیادہ باتیں نہ بتائیں تاکہ میں اس کو محفوظ رکھوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم غصہ نہ کیا کرو۔

تشریح: غصہ شیطان کے اکسانے سے آتا ہے، اور اس کی وجہ سے انسان حد اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ غلط باتیں بکتا ہے اور مذموم حرکتیں کرتا ہے، اور بغض و کینہ اور دیگر برائیاں غصہ پر مرتب ہوتی ہیں، اس لئے اگرچہ غصہ اپنے محل میں صفتِ محمودہ ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفت ہے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موقع محل میں غصہ آتا تھا مگر ہر وقت غصہ کرنا، یا غیر محل میں غصہ کرنا یا حد سے تجاوز کرنا معاشرہ کی خرابی کا باعث ہے اور غصہ سے آدمی کی شخصیت بھی مجروح ہوتی ہے۔

حضرت علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ غصہ کی کثرت قوت عاقلہ کی کمزوری کی دلیل ہے، یعنی حد سے زیادہ غصہ اس شخص کو آتا ہے جس کی قوت عاقلہ کمزور ہوتی ہے اور اگر پہلے سے کمزور نہیں ہوتی تو غصہ کرنے سے کمزور ہو جاتی ہے۔

حضور ﷺ نے غصہ نہ کرنے کی نصیحت کیوں فرمائی:

ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو یہ معلوم ہو کہ اس شخص میں کثرت غضب کا مرض ہے اس وجہ سے یہ نصیحت اس کو بار بار فرمائی بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل آپ امت کے حکیم ہیں ہر ایک کے لئے اس کے مناسب علاج تجویز فرماتے تھے آپ کو اندازہ ہوا کہ اگر یہ شخص غصہ کو ترک کردے گا تو باقی تمام اُمور منہیہ کا ترک اس کے لئے آسان ہوگا۔ اس لئے آپ ﷺ نے صرف ترک غضب ہی پر اکتفاء فرمایا جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے آپ سے اپنے چند گناہ زنا، شرب خمر، قمار، کذب وغیرہ بیان کئے اور عرض کیا کہ ان کو ایک ساتھ چھوڑنا تو مشکل ہے البتہ ان میں سے ایک ایک چھوڑ سکتا ہوں تو آپ ﷺ نے اس کے لئے ترک کذب کا حکم فرمایا حالانکہ دوسرے گناہ بھی کبائر تھے۔ اس نے عہد کرلیا کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور چلا گیا اب جب بھی کسی گناہ کا ارادہ کرتا تو یہ خیال آتا کہ آپ ﷺ پوچھیں گے فلاں گناہ کیا ہے تو جھوٹ بولنا پڑے گا جس کے ترک کا عہد کرلیا ہے لہٰذا اس نے سب گناہ چھوڑ دیئے اس طرح اس کے کذب کو چھوڑنے کی وجہ سے سارے گناہ چھوٹ گئے اسی طرح آپ ﷺ نے سائل کو ترک غضب کا حکم فرمایا تا کہ اس کی وجہ سے تمام گناہوں سے باز رہے۔

فردد ذلك مرارًا: شاید بار بار سوال کا منشاء یہ ہو کہ غضب کا ترک تو مشکل ہے کسی دوسری بات کا آپ ﷺ حکم فرمادیں یا غصہ کے بارے میں کچھ اجازت دیں مگر آپ نے اس کے مرض کی تشخیص فرمائی تھی اس وجہ سے اس کا حکم بار بار فرماتے رہے۔

حقیقتِ غضب:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک ایسی قوت رکھی ہے جس سے وہ اپنا دفاع کرتا ہے وہ قوت غضب ہے اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے آگ سے کی ہے جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات پیش آتی ہے یا اس کو کسی مقصد سے روکا جاتا ہے تو وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ شعلہ اتنا تیز ہوجاتا ہے کہ دل کا خون جوش مارنے لگتا ہے اور وہ گرم خون تمام رگوں میں اوپر کی طرف پھیل جاتا ہے جس طرح آگ کی لپیٹیں اوپر کی طرف اٹھتی ہیں، آدمی کا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے کیونکہ چہرہ کی جلد نرم ہوتی ہے اس پر خون کی سرخی ظاہر ہو جاتی ہے یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب اپنے سے کم مرتبہ والے پر غصہ آئے اور یہ جانتا ہو کہ میں اس پر قادر ہوں اگر غصہ اپنے سے بلند مرتبہ والے پر آئے اور اس سے انتقام نہ لے سکتا ہو تو اس وقت خون پھیلنے کے بجائے ظاہری جلد سے وہ خوف قلب میں اکٹھا ہوجاتا ہے اور حزن والم کا باعث بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت انسان کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اگر غصہ کسی برابر والے پر آئے تو یہ دونوں کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ اضطراب کی صورت ہوجاتی ہے۔

قوت غضب کے درجات:

اس قوت کے تین درجات ہیں تفریط، افراط، اعتدال، تفریط یہ ہے کہ آدمی کے اندر یہ قوت باقی نہ رہے یا کمزور پڑ جائے یہ مذموم ہے ایسے شخص کو بے غیرت کہا جاتا ہے۔ افراط یہ ہے کہ آدمی کے مزاج پر غصہ غالب ہو غصہ کے ہوتے ہوئے اس کو عقل کی سیاست سے سروکار نہ ہو اور نہ دین کی اطاعت کی پرواہ ہو، یہ انتہائی مذموم ہے۔ اعتدال جہاں حمیت کی ضرورت ہو وہاں غصہ آئے جہاں حلم کا موقع ہو وہاں غصہ نہ آئے۔

اسبابِ غضب: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسباب غضب معلوم کیے تو فرمایا تکبر، فخر، عزت پسندی، حمیت، ان سب

چیزوں سے غصہ پیدا ہوتا ہے اور اس میں شدت کبر، عجب، مزاح، لغو گوئی، عار دلانا، بات کاٹنا، ضد کرنا اور مال وجاہ کی حرص سے ہوتی ہے۔

غصہ کا علاج:

① اعوذ باللہ پڑھے، کیونکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اسے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے۔

② اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نافرمانیاں کرتا ہوں لیکن وہ مجھ سے درگزر ہی کا معاملہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر اس سے کہیں زیادہ قادر ہے، جتنا میں اس شخص پر قادر ہوں جس پر کہ میں غصہ کر رہا ہوں، لہٰذا مجھے بھی درگزر سے کام لینا چاہئے۔

③ اپنی مجلس بدل دے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور زمین سے قریب تر ہو جائے تاکہ یہ کیفیت ختم ہو اور تواضع و سکون حاصل ہو۔

④ ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل کرے۔

⑤ اپنی مجلس بدل دے کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اور زمین سے قریب تر ہو جائے جس سے اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے اس سے تواضع پیدا ہوگی اور دل کو سکون حاصل ہوگا۔

⑥ نماز کی طرف متوجہ ہو جائے۔

⑦ غصہ برداشت کرنے کے فضائل تصور کرے۔

⑧ اخلاق رذیلہ کو دور کیا جائے اور ان کی حقیقت سے واقف ہو تاکہ ان سے تنفر پیدا ہو اور ان کے مخالف اخلاق حسنہ کو اختیار کرے۔

⑨ اس وقت یہ سوچے کہ میرا غصہ دراصل اس بات کی علامت ہے کہ فلاں کام میری مرضی اور خواہش کے مطابق کیوں نہ ہوا اللہ کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہوا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میری مرضی اللہ کی مرضی سے اعلیٰ ہو۔ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔

تین طرح کے مزاج ہوتے ہیں:

(۱) سریع الغضب سریع الفیء۔ (۲) بطئی الغضب بطئی الفیء

(۳) سریع الغضب بطیء الفیء۔ (۴) بطیء الغضب سریع الفیء

(۱) غصہ جلدی آئے اور جلدی اُتر جائے۔ (۲) غصہ دیر سے آئے اور دیر سے اُترے۔

(۳) غصہ آئے جلدی اور اُترے دیر سے۔ (۴) غصہ دیر سے آئے لیکن اُترے جلدی

یہ آخری قسم سب سے افضل ہے اس لئے کہ اس میں مفسدہ نہیں ہوگا اور جس قدر مفسدہ جس میں ہو تو تنی ہی وہ شر ہوگی۔

باب ماجاء فی کظم الغیظ

باب ۷۳: غصہ پینے اور برداشت کرنے (کی فضیلت) کا ذکر ہے

(۱۹۴۴) مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَّهُوَ يَسْتَطِيعُ اَنْ يُّنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ

الْحُوْرِ شَاءَ.

ترجمہ: سہل بن معاذ اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں جو شخص غصے کو پی جائے حالانکہ وہ اس کے اظہار کی طاقت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ساری مخلوق کے سامنے بلائے گا اور پھر اسے اختیار دے گا وہ جس حور کو چاہے حاصل کر لے۔

تشریح: غصہ ضبط کرنے کی فضیلت:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص غصہ کرنے کی طاقت کے باوجود نہ کرے، اسے پی جائے تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی کہ قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ اسے بلائیں گے اور حور پسند کرنے کا اسے اختیار دیں گے کہ جو چاہو تم پسند کر لو، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں غصہ پی جانے اور اسے ضبط کرنے کو اہل تقویٰ کی صفات میں شمار کیا گیا ہے ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۴)

ایک حدیث میں ہے:

من كف غضبه كف الله عنه عذابه. (طبرانی)

”جو شخص اپنے غصے کو روک لے اللہ تعالیٰ اُسے اپنے عذاب کو روک لیتے ہیں۔“

اسی طرح ارشاد ہے:

اشدكم من غلب نفسه عند الغضب و احلمكم من عفا عند القدرة. (ابن ابی الدنیا)

”تم میں سے سب سے سخت وہ آدمی ہے جس کا نفس غصے کے وقت اُس پر غالب آ جائے۔ تم میں سے زیادہ حلیم و بردبار وہ ہے جو قدرت کے وقت معاف کر دے۔ (یعنی غصہ نکالنے پر قدرت کے باوجود معاف کر دے)۔“

نیز فرمایا: من كظم غيظا ولو شاء ان يمضيه امضائه ملاء الله قلبه يوم القيامة رضاه، وفي رواية ملاء الله قلبه امنا و ايمانا. (ابن حبان و ابوداؤد)

”جس شخص نے اپنے غصے کو پی لیا اگر چاہتا تو اس کو جاری کر سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کو اپنی رضا سے بھر دیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دیں گے۔“

نیز فرمایا: ما جرع عبد جرعةً اعظم اجرا من جرعة غيظ كظمها ابتغاء وجه. (ابن ماجہ)

”کوئی خوراک انسان کے لئے اتنی اجر عظیم والی نہیں ہے سوائے غصے کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آدمی پی لے۔“

ایوب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک لمحہ کی بردباری بہت سے فتنوں کو دبا دیتی ہے، محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے اندر تین باتیں ہوتی ہیں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

① جب خوش ہو تو کسی ایسے کام پر خوش نہ ہو جو غیظ ہے۔

② جب غصہ ہو تو حد سے تجاوز نہ کرے۔

③ قدرت کے باوجود ایسی چیز نہ لے جو اس کی نہ ہو۔

بہر حال غصہ کو دبانا اور اس کا پینا نہایت عمدہ خصلت ہے دنیا میں بھی اس کے بے شمار فوائد ہیں اور آخرت میں بھی اس سے درجات حاصل ہوں گے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا ایک عجیب واقعہ:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ کی تفسیر میں حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز (لونڈی) آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے اوپر گر پڑا، تمام کپڑے بھیگ گئے اور سر پر کچھ زخم بھی آ گیا، غصہ آنا ایک طبعی امر تھا، لونڈی کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ (جو لوگوں کے غصے کو پی جاتے ہیں) یہ سنتے ہی خاندان نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، بالکل خاموش ہو گئے، اس کے بعد اس لونڈی نے آیت کا دوسرا جملہ ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں) پڑھ دیا۔ تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا، لونڈی بھی ہوشیار تھی، اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے، حضرت علی نے یہ سن کر فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔

لغات: نفّذ الحكم کے معنی حکم پر عمل کرنا، نفّذ القول: بات کو عملی جامہ پہنانا۔ نفّذ الغضب: کسی پر غصہ اتارنا، کبھی غصہ بہت آتا ہے مگر کر کچھ نہیں سکتا کیونکہ جس پر غصہ آ رہا ہے وہ بڑا ہے یا باقتدار ہے یا بااختیار ہے یا زورآور ہے اس صورت میں غصہ نگل جانے کا کوئی ثواب نہیں، ثواب اس صورت میں ہے جب آدمی غصہ اتارنے پر قادر ہو اور فی ای الحور شیاء میں مذوف ہے۔ ای فی اخذ ایتھن شاء۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ اِجْلَالِ الْكَبِيْرِ

باب ۴۷: بڑے کے احترام (کی فضیلت)

(۱۹۴۵) مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ مَنْ يُّكْرِمُهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جوان کسی عمر رسیدہ کی (زیادہ) عمر کی وجہ سے اس کا احترام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کسی کو مقرر کر دیتا ہے جو اس کے بڑھاپے میں اس کا خیال رکھے گا۔

تشریح: لسنه: اس کی عمر کی وجہ سے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اکرام کیا کسی جوان نے کسی بوڑھے کا اس کی عمر پر مگر متعین فرما دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایسے شخص کو جو اس کے بڑھاپے کے وقت اس کا اکرام کرے گا۔

لسنه: علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ بوڑھے کا اکرام اس وجہ سے کیا کہ وہ ایمان کے اعتبار سے سابق ہے نیز اس کا علم وعمل بھی زیادہ عمر کی بناء پر زیادہ ہی ہوگا۔ الا قیض الله: قیض بتشدید الیاء بمعنی سلط یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت

اکرام وتوقیر کرنے والا شخص متعین فرمادیتے ہیں لان من خدمہ خدمہ بڑھاپا عمر کا وہ حصہ ہے جو عنداللہ وعندالناس قابل تعظیم ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عمر میں بڑا شخص ایمان کے اعتبار سے مقدم ہے نیز اس کے اعمال صالحہ بھی زائد ہوں گے جب انسان کی داڑھی سفید ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے حیاء فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں روایت کتب حدیث میں موجود ہے۔ بہرحال عمر رسیدہ شخص کا اکرام جو بھی کرے گا اللہ تعالیٰ اس عمر میں اس شخص کو بھی اکرام کرائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ بوڑھے کا اکرام کرنا اکرام کرنے والے کی زیادتی عمر کا باعث ہے کہ یہ شخص ان شاء اللہ اس عمر کو پہنچے گا اور اس کا بھی اس عمر میں اکرام ہوگا۔

راوی پر کلام: روایت میں جو ابوالرحال الانصاری واقع ہے اس کا صحیح ضبط بفتح الراء وتشدید الحاء المھملہ ہے یہ بصری ہیں ان کا نام محمد بن خالد یا خالد بن محمد ہے اور ہمارے نسخہ احمدیہ میں ابوالرجال بالجیم غلط ہے چونکہ تہذیب التہذیب میں بیان کیا گیا کہ یزید بن بیان عقیلی نے اس روایت کو ابوالرحال بالحاء المھملہ سے نقل کیا ہے نیز حافظ نے ابوالرحال بفتح الراء وتشدید الحاء پر ت کا رمز تحریر فرمایا ہے اور ابوالرجال پر خ، م، س، ق کا رمز قائم فرمایا ہے۔ نیز حافظ نے ابوالرحال بالحاء کے بارے میں فرمایا کہ عقیلی وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اس روایت کی سند میں ہے ان وجوہ کی بناء پر صحیح یہ ہے کہ روایت کے راوی ابوالرجال بالحاء المھملہ ہیں۔ جو انصاری بصری ہیں طبقۂ خامسہ کے ضعیف راوی ہیں اور ابوالرجال بالجیم دوسرے راوی ہیں جو ثقہ ہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِی الْمُتَهَاجِرِیْنِ

باب ۷۵: دو قطع تعلق کرنیوالوں (کی مذمت) کا ذکر ہے

(۱۹۴۶) تُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ فِيْهِمَا لِمَنْ لَّا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا الْمُهْتَجِرَيْنِ يُقَالُ رُدُّوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان دونوں دنوں میں ہر اس شخص کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ سمجھتا ہو البتہ آپس میں لاتعلق رہنے والے دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں کا معاملہ اس وقت تک (مؤخر) رہنے دو جب تک یہ صلح نہیں کر لیتے۔

تشریح: تعلق قطع کرنے کی مذمت: قطع تعلق اتنا بڑا گناہ ہے کہ ایسے لوگوں کی مغفرت بھی نہیں ہوتی، ہفتے میں پیر اور جمعرات کے دن ایسے ایام ہیں کہ ان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور مشرک کے علاوہ ہر گنہگار کی مغفرت کی جاتی ہے لیکن دو آدمیوں نے آپس میں بغیر کسی شرعی وجہ قطع تعلق کر رکھا ہو تو ان کو واپس کر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ آپس میں دل صاف کر لیں، اپنی دشمنی دور کر لیں اس لئے ان ایام میں اعمال صالحہ اور عبادت کا خاص اہتمام کرنا چاہئے اور اگر کسی سے رنجش اور ناچاقی ہو بھی تو ان دنوں سے پہلے پہلے ہی اسے ختم کر لینا چاہئے تاکہ رحمتوں سے استفادہ کیا جاسکے۔

تفتح ابواب الجنة: جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس سے کیا مراد ہے، آیا حقیقت میں جنت اس وقت موجود ہے؟ چار قول ذکر کئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

① اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ جنت کے واقعی دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کیونکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جنت اس وقت بھی موجود ہے۔

② یا اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے جو رکاوٹ ہو، اسے ہٹا دیا جاتا ہے۔

③ کہ اس سے عفو و درگزر، بخشش، درجات کی بلندی اور زیادہ ثواب دینا مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور، ان دو ایام میں اہل ایمان کے ساتھ خصوصی انداز سے ہوتا ہے۔

④ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "فتح ابواب" اپنے ظاہری معنی پر ہی محمول ہے اور دروازوں کا کھلنا گویا جنت میں داخل ہونے اور مغفرت و بخشش کی ایک علامت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّبْرِ

باب ۷۶: صبر کی فضیلت کے بارے میں

(۱۹۴۷) اَنَّ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوا النَّبِيَّ ﷺ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ قَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَّاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کچھ انصاریوں نے نبی اکرم ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ نے انہیں عطا کر دیا انہوں نے پھر مانگا آپ نے پھر عطا کر دیا پھر آپ نے فرمایا میرے پاس جو بھی چیز آئی ہوگی میں اسے چھپا کر نہیں رکھوں گا جو شخص بے نیازی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتا ہے جو شخص مانگنے سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (مانگنے سے) بچاتا ہے جو شخص صبر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دیتا ہے اور کسی بھی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر وسیع کوئی چیز نہیں دی گئی

تشریح: صبر کے معنی اور اس کی اقسام: صبر کے لغوی معنی: نفس کو روکنا اور اس پر قابو پانا۔ صبر کی تین قسمیں:

① صبر عن المعصیہ: یعنی اپنے نفس کو حرام اور ناجائز امور سے روکنا، اللہ کی نافرمانی اور معصیت سے نفس کو بچا کر رکھنا۔

② صبر علی الطاعة: طاعات و عبادات کی پابندی پر نفس کو مجبور کرنا اور استقامت کے ساتھ تمام احکام بجالانا۔

③ صبر علی المصیبہ: مصائب و آفات پر صبر کرنا یعنی جس آزمائش اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے، اس پر اللہ سے کسی قسم کا شکوہ وشکایت اور ناراضگی کا اظہار نہ کرے، اللہ کے فیصلے پر ہر طرح راضی رہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ مصیبت کے وقت شکوہ وشکایت نہ کرنے کا اصل اعتبار ابتدائی وقت کا ہوتا ہے، ابتداء وقت میں اگر انسان اس مصیبت پر صبر کرے تو اس وقت اسے صبر کرنے کا ثواب ملتا ہے، بعد میں صبر کرنے کا اعتبار نہیں کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ تو صبر آ ہی جاتا ہے۔

قرآن کریم میں صبر کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم رہیں، بعض روایات میں ہے کہ محشر میں ندا دی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں ورقرآن میں تقریباً پچانوے مقامات پر صبر کا ذکر آیا ہے۔

قرآن واحادیث میں صبر کے بے شمار فضائل وارد ہیں۔ قرآن کریم میں ستر سے زائد جگہ صبر کا ذکر ہے ان آیات ذیل میں بہت ہی بلند درجات اور خیرات کی نسبت صبر کی طرف کی گئی ہے اور انہیں صبر کا ثمرہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا﴾ (السجدہ:۲۴)... ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر:۱۰)... ﴿وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال:۴۶)... ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۵۷) اسی طرح صبر کے بارے میں احادیث شریفہ بھی مروی ہیں: الصبر نصف الایمان. (ادب نعیم۔ خطیب عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

لو کان الصبر رجلا لکان کریما واللہ یحب الصابرین. (طبرانی)

"اگر صبر آدمی کی شکل میں ہوتا تو شریف ہوتا اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔"

الصبر علی ما تکرہ خیر لکم. (ترمذی شریف)

"جس چیز کو تو ناپسند کرتا ہے اس پر صبر تیرے لئے بہتر ہے۔"

الصبر کنز من کنوز الجنة. نیز ایمان کے بارے میں فرمایا الصبر و السماحة۔ اور روایت الباب میں بھی صبر کی بری فضیلت بیان فرمائی گئی ہے کہ صبر سے بڑھ کر اور کوئی خیر اس سے وسیع نہیں ہے۔

حدیث: باب میں آپ ﷺ نے پانچ باتیں ارشاد فرمائیں:

① مایکون عندی من خیر، فلن ادخرہ عنکم: ایک دن انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے بار بار سوال کرتے، آپ ﷺ انہیں عطا فرماتے رہے، جب موجود سارا مال ومتاع آپ ﷺ کے پاس ختم ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میرے پاس پھر کبھی مال آئے گا تو وہ بھی میں تقسیم کردوں گا، ذخیرہ اندوزی نہیں کروں گا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ مال و دولت وغیرہ خرچ کرنا چاہئے۔ اور خیر سے مراد صرف مال نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مراد ہے یعنی خواہ وہ علم دین ہو یا دنیوی ساز وسامان، سب خیر کا مصداق ہے اور من خیر: ما کا بیان ہے اور

② ومن یستغن یغنه الله: اور جو شخص مالداری ظاہر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مالدار بنا دیتے ہیں۔ یعنی جو قناعت کرتا ہے اور اپنے پاس جو کچھ ہے اس پر راضی رہتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت پوری کردیتے ہیں اس کو مخلوق سے بے نیاز کردیتے ہیں، اور اس کو دل کا بادشاہ بنا دیتے ہیں اور مالداری کی حقیقت دل کی بے نیازی ہے، سامان کی زیادتی کا نام مالداری نہیں۔ اس لئے انسان کی نظر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے، وہی سب کچھ عطا کرتے ہیں، اللہ کے علاوہ کسی سے امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔

③ ومن یستعف یعفه الله: اور جو پاک دامن بننے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاک دامن بنا دیتے ہیں استعفاف میں سوال سے بچنا بھی مراد ہے، یعنی جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے سے بچا لیتے ہیں۔

④ ومن یتصبر یصبرہ الله: اور جو برداشت سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو برداشت کی قوت دے دیتے ہیں، یعنی جو صبر کی عادت ڈالتا ہے اس کو صبر کی توفیق مل جاتی ہے، باب سے اسی ٹکڑے کا تعلق ہے۔

⑤ وما اعطی احد شیئًا هو واوسع من الصبر: اور کوئی شخص کوئی چیز نہیں دیا گیا جو صبر سے بہتر اور کشادہ ہو یعنی سب سے اہم وصف صبر و ہمت ہے اور اس کا فائدہ بھی حد و حساب ہے، اس ٹکڑے کا بھی باب سے تعلق ہے کیونکہ اس سے صفت صبر کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

جو شخص جس قدر لوگوں کی ایذاء پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی ثواب عطا فرماتے ہیں، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس آدمی کے مقابلہ میں اجر و ثواب کے اعتبار سے بڑھ کر ہے جو لوگوں کے ساتھ نہیں رہتا اور ان کی ایذاء رسانی پر سبر نہیں کرتا۔''

و فی الباب عن انس رضی اللہ عنہ اخرجه الطبرانی والحاکم۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه البخاری، مسلم و ابو داؤد و النسائی و یروی عنه فلن اذخره عنکم الخ یہ صیغه بالدال المهمله و بالذال المعجمة. دونوں طرح ضبط کیا گیا اور دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی لن احبه عنکم۔

لغات: ادخر کی اصل (اذخر) (ذال کے ساتھ) ہے اس کے معنی ہیں جمع کرنا، ذخیرہ کرنا اور اذخر اصل میں اذتخر: باب افتعال سے تھا، مجرد: ذخر الشیئ (ف) ذخر و ذخرًا کے معنی ہیں: وقت ضرورت کے لئے محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا، اسٹاک کرنا۔

یستعغن از استغنی استغناءً: مالدار ہونا، استغنی عنه: بے نیاز ہونا، استغنی به: کسی چیز پر اکتفا کرنا، کافی سمجھنا......

یغن از أغنی الله فلانًا: مالدار کرنا...... یستعف از استعف استعفافًا: پاک دامن ہونے کی خواہش رکھنا، برائی سے بچنا، مجرد۔ عف یعف عفة: پاک دامن ہونا...... یعف از أعفه الله: پاک دامن بنانا، بری اور ناجائز باتوں سے محفوظ رکھنا......

یتصبر از تصبر: صبر سے کام لینا، برداشت کرنا، صبر کا اظہار کرنا...... یصبر از صبره: صبر کرانا، برداشت کرانا۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ ذِی الْوَجْهَیْنِ

باب ۷۷: ہر ایک کے منہ پر اس کی طرف داری کرنا

(۱۹۴۸) اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہوگا جو دوغلہ ہوگا۔

بَابُ مَاجَاءَ فِی النَّمَّامِ

باب ۷۸: چغل خور کا بیان

(۱۹۴۹) مَرَّ رَجُلٌ عَلٰی حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ فَقِيْلَ لَهُ اِنَّ هٰذَا يُبَلِّغُ الْاُمَرَاءَ الْحَدِيْثَ عَنِ النَّاسِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ.

ترجمہ: ہمام بن حارث رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص حضرت حذیفہ بن یمان کے پاس سے گزرا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ حکمرانوں کے سامنے لوگوں کی چغلیاں کرتا ہے تو حضرت حذیفہ نے فرمایا: کہ میں نے نبی اکرم کو یہ فرماتے ہوئے سنا چغلی کرنے والا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح: چغل خوری کی تعریف:

چغل خوری کی تعریف عام طور پر یہ کی جاتی ہے کہ کسی کا قول اس شخص کے بارے میں نقل کرنا جس کے بارے میں کہا گیا ہے مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص تمہارے متعلق یہ کہہ رہا تھا مگر چغلی کی حقیقت صرف اسی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی تعریف اور بھی کی گئی ہیں۔ مثلاً جس چیز کا ظاہر کرنا برا ہو اسے ظاہر کردینا خواہ اس کو برا لگے جس نے کہا جس کے بارے میں کہا گیا ہے یا کسی تیسرے شخص کو برا معلوم ہو نیز اس کے لئے یہی ضروری نہیں کہ اس کا اظہار زبان ہی سے ہو بلکہ کتاب اور کنایہ بھی زبان کے قائم مقام ہے پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس چغلی کا تعلق کلام سے ہو یا منقول عنہ کے کسی عیب ونقص سے ہو بلکہ عموم ہے۔

چغل خوری کی مذمت:

قرآن پاک میں اس کی بڑی مذمت بیان فرمائی گئی ہے۔ قال تعالیٰ: ﴿وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝﴾ (القلم:۹،۱۰) نیز روایات میں بھی چغل خور کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں: قال النبی ﷺ لایدخل الجنة نمام۔ رواہ البخاری ومسلم عن حذیفہ رضی اللہ عنہ اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: قال النبی ﷺ احبکم الی اللہ احاسنکم اخلاقًا الموطئون اکتافًا یالفون و یؤمنون و ان ابغضکم الی اللہ المشاؤن بالنمیمة المفرقون بین الاخوان الملتمسون اللبراء العثرات۔ (الطبرانی) یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہوں جن کے پہلو نرم ہیں جو محبت کرنے والے ہیں۔ اور ایمان لانے والے ہوں اور تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کرتے ہوں اور بھائیوں میں تفریق کرتے ہوں معصوم لوگوں کی لغزشیں تلاش کرتے ہوں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کیا میں تم کو شرپسندوں سے آگاہ نہ کردوں عرض کیا گیا ضرور تو حضور ﷺ نے فرمایا: "المشاؤن بالنمیمة المفسدون بین الاحبة الباغون للبراء العیب" (رواہ محمد عن ابی مالک رضی اللہ عنہ) الاشجعی

چغل خور کا علاج:

① چغل خور کا اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ وہ فاسق ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص تم سے کسی کی چغلی کرتا ہے وہ تمہاری بھی دوسرے سے ضرور چغلی کرے گا گویا وہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے بلکہ بیک وقت وہ شخص جھوٹ، غیبت، غدر، خیانت، نفاق، حسن تفریق بین المسلمین جیسے سنگین گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

② اس کو نصیحت کرکے اس کے عمل کی برائی اس پر واضح کردی جائے۔ چغل خور تم نے تین گناہ کئے: (۱) مسلم بھائی سے بغض و عداوت۔ (۲) میرے مطمئن دل اور خالی دماغ کو اضطراب و بے چینی سے بھر دیا۔ (۳) خود اپنی دیانتداری کو مجروح کردیا۔

③ اس شخص سے اللہ کے لئے بغض رکھے اور اس سے نفرت کرے۔

④ اس کے کہنے سے اپنے غیر موجود بھائی کے متعلق بدگمان نہ ہو۔

⑤ جو کچھ اس کے سامنے نقل کیا جائے اس کو سن کر مزید معلومات کی جستجو کی جائے۔

⑥ جس بات سے چغل خور کو منع کیا جائے اس میں خود مبتلا نہ ہو یعنی اس کی چغلی کسی دوسرے سے نہ کرے۔

غیبت اور نمیمۃ کے مابین فرق:

بعض حضرات فرماتے ہیں دونوں متحد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، نمیمہ میں کسی شخص کے حال کو دوسرے سے نقل کرنا بطور فساد ہوتا ہے اور غیبت میں فساد کی نیت ضروری نہیں ہے، غیبت کے لئے مغتاب کی غیبت لازم ہے جو نمیمہ میں ضروری نہیں ہے۔ هذا حديث حسن صحيح اخرجه الشيخان وابو داؤد۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْعِيِّ

باب ۷۹: کم بولنے (کی فضیلت) کا ذکر

(۱۹۵۰) اَلْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں جبکہ فحش گوئی اور بکثرت باتیں کرنا منافقت کے دو شعبے ہی۔

تشریح: قلت کلام کی فضیلت:

حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں: ① الحیاء: اس کے معنی ایسا تغیر وانکسار جو عیب و ملامت کے خوف سے انسان کو پیش آئے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیاء کہتے ہیں: انقباض النفس من القبيح (قبیح چیزوں کے کرنے سے نفس بند ہو جائے) کو اور ② بعض حضرات نے کہا: انقباض النفس لخوف ارتكاب مايكره (نفس کا بند ہونا ایسی چیزوں کے خوف سے جن کو وہ ناپسند کرتا ہے) کا نام حیاء ہے۔ شرم وحیا کم بولنا یہ ایمان کے دو شعبے ہیں، یعنی ان کا منشاء اور بنیاد ایمان ہے، جس شخص کا ایمان جتنا مضبوط و مستحکم ہوگا اسی قدر وہ اللہ کی نافرمانی سے شرم وحیاء کرے گا اور زیادہ بولنے سے بھی پرہیز کرے گا۔

حیاء کی اقسام:

حیاء کی تین قسمیں ہیں: ① حیاء شرعی جس کا مقابل فسق ہے۔ ② حیاء عقلی جس کا مقابل جنون ہے۔ ③ حیاء عرفی جس کا مقابل ابلہ و پاگل پن ہے، اگر وہ حرام میں ہے تو حیاء واجب ہے اور اگر مکروہ میں ہے تو حیاء مندوب و مستحب ہے اور اگر مباح میں ہے تو وہ حیاء عرفی ہے۔

حدیث شریف میں جس حیاء کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا ہے وہ حیاء شرعی ہے یعنی وہ حیاء جو دنیا و آخرت کی فضیحت کے خوف سے ہو وہ ہر معروف کے لئے داعی اور ہر منکر سے مانع ہوتی ہے، العی اس کے معنی قلت کلام کے ہیں جو محمود صفت ہے کیونکہ زیادہ بولنا بہت سے گناہوں کا سبب بن جاتا ہے، غیبت، جھوٹ، لعن وطعن اور بہتان وغیرہ یہ بڑی برائیاں اس میں داخل ہو جاتی ہیں ایسے میں

خاموش رہنا اور بقدرِ ضرورت گفتگو کرنا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ انسان زبان کے گناہوں سے محفوظ رہے۔
اور جب آدمی کو آیت شریفہ ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق:۱۸) کا تصور ہوگا تو وہ یقیناً خاموش رہنے اور تقلیل کلام کو ترجیح دے گا۔

کلام کی چار قسمیں ہیں: ① وہ کلام جس میں خالص ضرر ونقصان ہو۔ ② وہ کلام جس میں خالص نفع ہو۔ ③ وہ کلام جس میں نفع بھی ہو ضرر بھی ہو۔ ④ وہ کلام جس میں نہ ضرر ہو اور نہ نفع ہو۔

اوّل اور سوم سے بچنا تو ضروری ہے بشرطیکہ ضرر زائد ہو اور چوتھی قسم جس میں نہ ضرر نہ نفع وہ لایعنی اور لغو کلام ہے اس سے تو سکوت ہونا ہی چاہئے چونکہ ایسے کلام میں مشغول ہونا اپنے اوقات کو ضائع کرنا ہے جو سب سے بڑا نقصان ہے باقی رہی دوسری قسم اگر چہ اس میں نفع ضرور ہے مگر اس میں بھی ریاء وتصنع غیبت وغیرہ کے خطرات موجود ہیں جن کا احساس بولنے والے کو بسا اوقات نہیں ہوتا اس لئے مفید کلام کرنے والا بھی خطرات سے محفوظ نہیں ہے اس وجہ سے آدمی کو بقدرِ ضرورت کم گو ہونا چاہئے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"من صمت نجا وقال ﷺ ان الله امرنی ان یکون نطقی ذکرًا وصمتی فکرًا ونظری عبرة وقال ﷺ من حسن اسلام المرا ترکه مالا یعنیه...... (الحدیث)

"جو شخص خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یہ کہ میرا بولنا ذکر ہو اور میرا خاموش رہنا فکر ہو اور میرا دیکھنا عبرت ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے سلام کی اچھائی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے۔"

ان روایات سے قلت کلام کی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔

② بے حیائی، فحش گفتگو اور زیادہ فصاحت سے کلام کرنا یعنی زیادہ بولنا یہ نفاق کے دو شعبے ہیں، یہ چیزیں نفاق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کیونکہ منافق آدمی ہی آخرت کے انجام سے بے خبر ہو کر فحش گفتگو اور بیہودہ کلام کرتا ہے، اس لئے بے ہودہ گوئی اور زیادہ بولنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

لغات: العی: کلام سے عاجز ہونا، اپنی مراد اور مقصد کو واضح نہ کرسکنا، یہاں اس کے معنی: قلت کلام کے ہیں۔ حیاء: شرم وحیا: وقار وسنجیدگی، انسانی مزاج میں وہ تغیر وتبدل تواضع وانکساری جو عیب اور ملامت کے اندیشے سے پیدا ہو، اسے حیاء کہا جاتا ہے۔ البذاء: (با پر زبر کے ساتھ): بدکلامی، بیہودہ گفتگو، بے حیائی کی بات۔ البیان: بتکلف ضرورت سے زیادہ فصاحت کا اظہار کرنا، آزاد گفتگو کرنا جس میں غیبت، جھوٹ، الزام تراشی وغیرہ سے اجتناب نہ کیا جائے، ایسا آدمی چونکہ زیادہ گفتگو کرتا ہے اس لئے یہاں "البیان" سے کثرت کلام مراد ہے۔

والبذاء و البیان شعبتان من النفاق: یعنی بے حیائی اور فحش گوئی اور بتکلف اظہار فصاحت اور بے پردہ بلا ضرورت کلام۔

---*---

بَابُ مَا جَآءَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

باب ۸۰: بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں

(۱۹۵۱) اَنَّ رَجُلَيْنِ قَدِمَا فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمَا فَالْتَفَتَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا اَوْ اِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ سِحْرٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں دو آدمی آئے انہوں نے خطاب کیا ان کا کلام لوگوں کو بہت پسند آیا نبی اکرم ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کچھ بیان جادو ہوتے ہیں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

تشریح: حدیث کا شان ورود: یہ ہے کہ زبرقان اور عمرو بن اہتم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ آئے، پہلے زبرقان نے اپنے قومی مفاخر بیان کئے اور نہایت فصیح تقریر کی، عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا اور اس نے بھی نہایت بلیغ تقریر کی اور زبرقان کا کمینہ پن ثابت کیا، زبرقان نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! بخدا! عمرو رضی اللہ عنہ جانتا ہے کہ میرے اندر اس کے علاوہ صفتیں ہیں جو اس نے کہی ہیں، مگر میرے فضائل کے اظہار سے اس کو حسد روک دیا ہے، عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کا بھی جواب دیا اور پہلے سے بھی زیادہ فصیح تقریر کی۔

اور احیاء العلوم میں ہے کہ ایک دن عمرو نے زبرقان کی تعریف کی، پھر دوسرے دن اس کی برائی کی، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ماھذا؟ یہ کیا بات ہوئی؟ کل تو نے اس کی تعریف کی تھی اور آج اس کی برائی کر رہا ہے؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: کل میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا اور آج جو میں نے کہا وہ بھی جھوٹ نہیں، کل اس نے مجھے خوش کیا تھا اس لئے میں نے اس کے وہ فضائل بیان کئے جو میں جانتا تھا، اور آج اس نے مجھے ناراض کر دیا پس میں نے اس کی وہ برائیاں بیان کیں جو میں اس میں پاتا ہوں، پس نبی نے فرمایا: "ان من البیان لسحرًا": بعض تقریریں جادو اثر ہوتی ہیں، قلوب کو اِدھر سے اُدھر پھیر دیتی ہیں۔

حضور ﷺ نے بعض بیان کو جادو کیوں فرمایا بطور مدح ہے یا ذم؟:

① آپ ﷺ نے جادو اس وجہ سے فرمایا کہ جس طرح جادو کا اثر مخفی طور پر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ قلوب کو مائل کر دیتے ہیں۔

② بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بعض بیان کو جادو اکتساب معصیت کے اعتبار سے فرمایا کہ جس طرح جادو کے ذریعہ آدمی معصیت کا مرتکب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض بیان بھی معصیت کے ارتکاب کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

③ بعض حضرات نے فرمایا جادو کے ساتھ زود اثر ہونے کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح جادو کا اثر جلدی ہوتا ہے اسی طرح بعض بیان کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیان کی دو قسمیں ہیں۔ اول: جو مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے ہو خواہ کسی طرح ہو یعنی دقائق بلاغت وفصاحت اس میں ہوں یا نہ ہوں دم وہ بیان جو بنا سنوار کر بتکلف ضائع فنی کے ساتھ کیا جائے تا کہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے اور لوگوں کے قلوب اس طرف مائل ہوں یہی وہ بیان ہے جس کو آپ ﷺ نے جادو فرمایا ہے اگر یہ کلام میلان قلوب الی الحق کا ذریعہ بنے

تو محمود ہے اور اگر میلان الی الباطل کا ذریعہ بنے تو مذموم ہے گویا ان من البیان السحراً میں مدحت و مذمت دونوں کا احتمال ہے۔
امام مالک و ابوداود رحمہما اللہ وغیرہ محدثین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بارے میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ایسے کلام کی مذمت کرنا ہے چنانچہ دونوں کی تبویب سے یہی مستفاد ہوتا ہے: قال الزرقانی قال الباجی و ابن عبد البر..... و هو مذموم۔
حاصل کلام: ابن عربی نے فرمایا بعض علماء نے اس کو مذمت پر محمول کیا ہے مگر مدح کا احتمال بھی یہی ہے یہی ابن بطال رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ بیان بجمیع اقسامہ مذموم نہیں ہے۔ کما یدل علیه من التبعیضیه فی قوله من البیان کیف وقد امتن الله تعالی به علی عادہ حیث قال خلق الانسان و علمه البیان۔ ایک شخص عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مطالبہ کیا جس کو پورا کرنے سے خلیفہ معذور تھا مگر اس نے ایسا فصیح و بلیغ کلام کیا کہ خلیفہ کے قلب پر اس کا اثر ہوا اور اس کا مطالبہ پورا کر دیا تو اس سائل نے کہا: هذا هو السحر الحلال۔

و فی الباب عن عمار رضی اللہ عنہ اخرجه احمد و مسلم و ابن مسعود رضی اللہ عنہ اخرجه مسلم عبدالله بن الشخیر رضی اللہ عنہ فلینطر من اخرجه۔ هذا حدیث حسن صحیح اخرجه البخاری و مالك و احمد و ابو داؤد.

بَابُ مَاجَآءَ فِی التَّوَاضُعِ

باب ۸۱: تواضع کی فضیلت

(۱۹۵۲) مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَالٍ وَّمَا زَادَ رَجُلًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور معاف کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آدمی کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا کرتا ہے۔
تشریح: ① مانقصت صدقة من مال: "نہیں گھٹایا کسی خیرات نے کوئی مال" یعنی غریبوں پر خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس کا عوض دیتے ہیں اور جوڑ کر رکھنے والے بھوکے مرجاتے ہیں، وقت پر ان کی دولت کچھ کام نہیں آتی، ڈاکٹر ہر چیز کے کھانے سے منع کر دیتا ہے اور وہ کھانے پینے کے لئے ترستے رہتے ہیں۔
② وما زاد الله رجلًا بعفو الا عزا: اور نہیں بڑھاتے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو درگزر کرنے کی وجہ مگر عزت میں، معاف کرنے سے ہمیشہ عزت بڑھتی ہے، تھوڑی دیر کے لئے لوگ چاہئے کچھ کہیں، مگر آخر میں لوگ ایسے شخص کی تعریف کرتے ہیں۔
③ وما تواضع احد لله الا رفعه الله: اور جو بھی شخص اللہ کے لئے خاکساری کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرماتے ہیں مگر لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ خود کو لمبا کھینچنا چاہئے ورنہ لوگ چھوٹا سمجھیں گے، حالانکہ خاکسار اور متواضع ہی کو اللہ تعالیٰ سربلند کرتے ہیں اسی کا مقام و مرتبہ بلند کرتے ہیں جس کا جی چاہئے تجربہ کر کے دیکھ لے۔ مالک بن دینار: فرماتے ہیں اگر کوئی منادی کرنے والا مسجد کے دروازہ پر یہ اعلان کرے کہ تم میں سے بدترین آدمی باہر آجائے تو بخدا سب سے پہلے باہر نکلنے والا میں ہوں گا الا یہ کہ کوئی شخص اپنی طاقت کے ذریعہ مجھ سے سبقت کرجائے جب ابن المبارک نے ان کا یہ قول سنا تو فرمایا واللہ مالک اسی وجہ

سے وہ مالک ہیں عروہ بن الورد کہتے ہیں تواضع حصول عظمت کا ذریعہ ہے۔ ہر نعمت پر حسد کیا جاسکتا ہے مگر تواضع ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جاسکتا۔

تواضع کی فضیلت:

احادیث میں تواضع کے بیشمار فضائل وارد ہوئے ہیں:

① بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو لگام کے ذریعہ اس کو روکتے ہیں اگر وہ نفس کو اونچا کرتا ہے تو وہ لگام کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں اے اللہ تو اس شخص کو پست کر اور اگر وہ اپنے نفس کو پست کرتا ہے تو کہتے ہیں اے اللہ تو اسے اُونچا کر۔

② مسند بزار میں روایت ہے فرمایا:

من تواضع لله رفعه الله و من تکبر وضعه الله و من اقتصد اغناه الله و من بذر افقره الله و من اکثر ذکر الله احبه الله.

"جو شخص اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بلند کرتے، اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے گرا دیتے ہیں۔ جس شخص نے میانہ روی اختیار کی اللہ تعالیٰ اُس کو غنی کردیں گے۔ جس نے ذخیرہ کیا اللہ تعالیٰ اُسے فقیر کردیں گے، جو شخص کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے محبت کرتے ہیں۔"

نیز ارشاد فرمایا: "الکرم التقویٰ والشرف التواضع والیقین الغنی" (رواہ ابن ابی الدنیا مرسلا والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ)

"یعنی بڑائی تقویٰ ہے۔ شرف تواضع ہے اور یقین غنی ہے۔"

بَابُ مَا جَآءَ فِی الظُّلْمِ

باب ۸۲: ظلم کی مذمت کے بارے

(۱۹۵۴) اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی شکل میں ہوگا۔

تشریح: الظلم ظلمات کا مطلب: اس جملہ کے حضرات شراح نے متعدد معانی بیان فرمائے ہیں:

① "ظلم" ظالم شخص کے لئے قیامت کے دن مختلف ظلمتوں کا سبب ہوگا جس طرح مومن کے لئے آخرت میں نور ہوگا جو ان کے آگے اور دائیں طرف ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ بائیں طرف بھی ہوگا اسی طرح ظالم کے اردگرد مختلف حقوق ضائع کرنے کی بناء پر متعدد ظلمتیں ہوں گی۔

② کہ ظلمات سے مراد شدائد و مصائب ہیں یعنی ظالم کے لئے ظلم مختلف مصائب و شدائد کا ذریعہ ہوگا جو اس کی مختلف معاصی و تضیع حقوق کی بناء پر ہوں گی۔

③ ممکن ہے کہ اس سے مراد تکلیفات اور عقوبات ہوں۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظلم کم از کم دو معصیتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اوّل: وہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں اس کے بارے میں امید ہے کہ عفو و بخشش ہو جائے۔

دوم: جو حقوق العباد سے متعلق ہے ان کے متعلق روایات میں وارد ہے کہ مظلومین کو ان کے حقوق کے بدلہ میں ظالم کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور بالآخر جب حقوق باقی رہ جائیں گے تو مظلومین کے گناہوں کو ظالمین پر ڈال دیا جائے گا جس کی وجہ سے ظالمین باوجود نیکیاں ہونے کے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے اس طرح ظالم کے لئے مختلف شدائد و مصائب آخرت میں ہوں گے جو اس کے ظلم کا نتیجہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْعَيْبِ لِلنِّعْمَةِ

باب ۸۳: نعمت میں عیب نہ نکالنے کے بارے میں

(۱۹۵۴) مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ كَانَ إِذَا اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اگر آپ ﷺ کو کھانا پسند آتا تو آپ ﷺ کھالیتے ورنہ نہیں کھاتے تھے۔

لغات: ماعاب: عیب نہیں نکالا۔ اشتهاه: آپ اس کھانے کو چاہتے، رغبت کرتے۔ اکله: تو اس کو کھالیتے۔

تشریح: آپ ﷺ کسی کھانے کو برا نہیں کہتے تھے۔ آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ کسی حلال کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے، اگر رغبت ہوتی تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

عیب دو طرح کا ہوتا ہے:

① خلقت اور پیدائش کے اعتبار سے عیب نکالا جائے، جو اشیاء اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے حلال قرار دی ہیں، ان میں نکتہ چینی اور عیب نکالا جائے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر اعتراض ہے جو ناجائز ہے۔

② اس کھانے میں بنانے اور تیار کرنے کے اعتبار سے عیب نکالا جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ اس میں فلاں چیز زیادہ ہے یا کم ہے، یا سالن جل گیا ہے، یا یہ کچا ہے اس طرح کہنے کی گنجائش ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایت میں عیب نکالنے کی ممانعت چونکہ عام ہے، خواہ وہ خلقت کے اعتبار سے ہو یا بنانے اور تیار کرنے کے اعتبار سے، اس لئے کسی بھی طرح کھانے میں کوئی اعتراض اور عیب نہ نکالا جائے کیونکہ اگر بنانے میں کوئی عیب نکالا گیا تو اس سے بنانے والے کی دل شکنی لازم آتی ہے، یہ بھی جائز نہیں، البتہ اگر باورچی کو صحیح بنانے کی وجہ سے تنبیہ کی جائے تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے بلکہ بسا اوقات یہ اصلاح ضرور ہوتی ہے۔

*

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَعْظِیْمِ الْمُؤْمِنِ

باب ۸۴: مومن کے احترام کا بیان

(۱۹۵۵) صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ قَالَ يَامَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَاتُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ قَالَ وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا اِلَى الْبَيْتِ اَوْ اِلَى الْكَعْبَةِ فَقَالَ مَا اَعْظَمَكِ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللّٰهِ مِنْكِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ منبر پر چڑھے پھر آپ ﷺ نے بلند آواز میں یہ فرمایا اے وہ لوگو جو صرف زبانی طور پر مسلمان ہوئے ہو ایمان جن کے دل تک نہیں پہنچا تم لوگ مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچاؤ انہیں عار نہ دلاؤ ان کے عیوب تلاش نہ کرو کیونکہ جو شخص کسی مسلمان کے عیوب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب ظاہر کر دے وہ ذلیل ہو جاتا ہے خواہ وہ شخص اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی طرف دیکھا (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) خانہ کعبہ کی طرف دیکھا اور یہ فرمایا تم کتنے عظیم ہو اور تم کتنے زیادہ قابل احترام ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کا احترام تم سے زیادہ ہے۔

تشریح: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کو منافقین پر منحصر مانا ہے، مگر شرح سے واضح ہو گیا کہ مومن و منافق دونوں کو شامل ہے۔

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے خصوصی اہتمام کے ساتھ منبر پر تشریف فرما کر بلند آواز سے خطاب فرمایا "لا توذوا المسلمین" کہ جو لوگ منافق ہیں یا کامل مومن نہیں وہ مومنین کاملین کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچائیں اس لئے کہ ایذاء مسلم حرام ہے بلکہ اہل ایمان کو نفع پہنچانا لازم ہے چونکہ جو شخص اہل اسلام کو ایذاء پہنچانے کے درپے ہے ظاہر ہے کہ اس کا اسلام دعائی ہے اصلی نہیں ہے، نیز حضور ﷺ نے فرمایا: "**ولا تعیروھم**" یہ ماخوذ ہے تعییر سے اس کے معنی کسی کو گزشتہ عیب پر شرمندہ کرنا جس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کو گزشتہ عیوب و ذنوب پر شرمندہ نہ کرو اس لئے کہ مسلمان کو رسوا کرنا ناجائز نہیں بالخصوص جب کہ وہ کاملین مومن ہو اور ان ذنوب سے توبہ بھی کر چکا ہو خواہ اس اظہار اس نے نہ کیا ہو اس لئے کہ کامل مومن گناہ کے بعد توبہ کر ہی لیتا ہے۔

بہرحال تعییر علی ذنب ماض جائز نہیں ہے البتہ اگر کوئی شخص فی الحال گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو زجر و توبیخ جائز ہے تاکہ وہ اس گناہ سے باز آجائے۔ **ولا تتبعوا:** یہ باب افتعال سے ہے اس کے معنی ہیں کہ مسلمانوں کے بارے میں تجسس نہ کرو یعنی کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں ہے ورنہ اس کی سزا یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عیوب کی جستجو فرمائیں گے اور لوگوں کے درمیان ظاہر فرمائیں گے جس سے رسوائی ہوگی خواہ وہ عیوب کتنے ہی چھپے ہوئے ہوں، بیان القرآن میں ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے البتہ کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور وہ اپنی یا کسی

دوسرے کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔

ما اعظمك واعظم حرمتك: دونوں صیغہ تعجب ہیں الحرمۃ بالضم او بضمتین بمعنی العظمۃ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبۃ اللہ کو دیکھ کر فرمایا تو کس قدر عظمت والا گھر ہے کہ تو اللہ کا گھر ہے اور تیری عظمت کس قدر ہے مگر مومن کی عظمت اس کے ایمان کی وجہ سے تجھ سے بھی زائد ہے بیت اللہ اگرچہ عظیم الشان ہے مگر اس کو آباد کرنے والے تو مومنین ہی ہیں قال تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ ... الآية﴾ (التوبۃ:۱۸) اور ظاہر ہے کہ مکان کی عظمت اس کے آباد ہونے سے ہی ہوتی ہے غیر آباد مکان کا مقام آباد کے مقابلہ میں زائد نہیں ہوتا ہے۔

یہ حدیث متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور تمام روایتیں سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور (۶/ ۹۳) میں "ولا تجسسوا" کی تفسیر میں جمع کی ہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دن کعبہ شریف کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اعظمك! واعظم حرمتك! والمومن اعظم حرمة عند الله منك!" یعنی تیرا مرتبہ کس قدر بڑا ہے! اور تیرا احترام کس قدر زیادہ ہے! مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا احترام تجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

لغات: صعد بکسر العین المهملہ بمعنی طلع، قال: یہ منادی کا بیان ہے، من اسلم بلسطانه: اس میں مومن و منافق دونوں داخل ہیں۔ ولم يفض: ماخوذ من الافضاء ای لم یصل الایمان الی اصله و کماله۔

بَابُ مَاجَآءَ فِى التَّجَارِبِ

باب ۸۵: تجربات کا بیان

(۱۹۵۶) لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْ عَثْرَةٍ وَّلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی بھی شخص اس وقت تک حقیقی طور پر بردبار نہیں ہوتا جب تک (زمانے کی) ٹھوکریں نہیں کھالیتا اور کوئی بھی دانشور اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تجربات کا سامنا نہ کرے۔

تشریح: تجربہ عربی میں ر کے زیر کے ساتھ ہے اور اردو میں زبر کے ساتھ، تجربہ کے معنی ہیں: سبب پائے جانے پر مسبب کے پائے جانے کا بار بار مشاہدہ کرنا اور تجربہ سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے اور یہ بات یہاں اس لئے لائے ہیں کہ معاشرہ کے افراد کے بارے میں تجربات سے جو اچھی یا بری معلوم ہو اس کا لحاظ کرنا چاہئے، اگر تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بات نہیں ماننی چاہئے اور کوئی شخص خیانت کرتا ہے تو اس کے پاس امانت نہیں رکھنی چاہئے، وقس علی ہذا۔

① **لاحليم الا ذو عثرة:** بردبار نہیں مگر لغزش والا، یعنی جس سے کبھی لغزش ہوئی ہے اس کا سوچنے کا انداز بدل جاتا ہے، وہ دوسروں کے بارے میں بھی یہی سوچتا ہے کہ ان سے بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، اس لئے میں بردباری کی صفت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ غلطی کرنے والوں سے درگزر کرتا ہے۔ **العثرة:** کے معنی ہیں: لغزش، ٹھوکر۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب

یہ ہے کہ حلیم وہی شخص ہوسکتا ہے جس سے کوئی لغزش ہوئی ہو کیونکہ لغزش والا شخص عفو کا طالب ہوتا ہے جب اس کو معاف کر دیا جائے تو وہ عفو کے درجہ کو پہنچائے گا کہ وہ کس قدر اہم ہے لہٰذا جب دوسرے سے خطا صادر ہوگی تو یہ بھی عفو کو دوسروں کے حق میں اختیار کرے گا اس وقت یہ حلیم کہلائے گا۔

② کہ اس کے معنی ہیں کہ کامل حلیم وہ ہوتا ہے جس سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہو اور اس کو اس پر شرمندگی ہوئی ہو اگر اس کو معاف کر دیا جائے تو یہ شخص بھی دوسروں کے حق میں ضرور معافی کو اختیار کرے گا، لہٰذا معلوم ہوگا کہ کامل حلیم یہی شخص ہے۔

③ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ کوتاہیوں سے صرف نظر ایسا شخص کرسکتا ہے جو خود کوتاہیوں کا مرتکب رہا ہو خواہ اس کو معاف کر دیا گیا ہو یا سزا دے دی گئی ہو ایسے شخص میں حلم پیدا ہو جائے گا اور دوسروں کے حق میں وہ شخص حلیم ثابت ہوگا۔

④ یا اس کا مطلب یہ کہ کوئی شخص سریع الغضب ہونے کی وجہ سے حلم کو اختیار نہیں کرتا اور اپنے غصہ کو غیروں پر نافذ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ملامت کا نشانہ بنتا ہے جب بار بار اس سے یہ غلطی (ترک حلم) ہوتی رہے گی تو اس میں حلم پیدا ہوگا تا کہ لوگوں کی ملامت سے بچ جائے۔

⑤ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کتنا ہی حلیم ہو مگر اس سے بھی کبھی نہ کبھی غلطی کا صدور ہو ہی جاتا ہے۔

⑥ **ولا حکیم الا ذو تجربة**: ور دانشمند نہیں مگر تجربہ کار، یعنی جب آدمی تجربات سے گزرتا ہے تب اس کی عقل پختہ ہوتی ہے، اس کے بغیر دانشمندی اُدھوری رہتی ہے، کہتے ہیں: **سل المجرب، ولا تسئل الحکیم**: تجربہ کار سے پوچھ، دانشمند سے مت پوچھ۔ چنانچہ دینی اور دنیوی علوم پڑھ کر فارغ ہونے والے جب تک پریکٹس نہیں کرتے ان کے علوم پختہ نہیں ہوتے۔

⑦ اس کا مطلب ہے کہ دانا و عقل مند وہی شخص ہوگا جس کو امور دین و دنیا کا تجربہ ہو اور مصالح و مفاسد کو خوب جانتا ہو ایسا شخص جب بھی کوئی کام کرے گا وہ حکمت مصلحت سے خالی نہ ہوگا بلکہ اس کے انجام دیئے ہوئے امور مستحکم و مضبوط اور دیر پا ہوں گے۔ (قالہ القاری)

⑧ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے طبی حکیم مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ کامل طبیب ایسا شخص ہوتا ہے جس کو امور ذاتیہ کا تجربہ ہو یعنی امراض کی تشخیص اور ادویہ کی تجویز کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مزاجوں اور ان کے نفسیات کا ماہر بھی ایسا شخص کامل حکیم یعنی معالج بدن انسانی کہلائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ يُعْطَهُ

باب ۸۶: نعمت کی جھوٹی نمائش کرنا

(۱۹۵۷) مَنْ اُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِبِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَاِنَّ مَنْ اَثْنٰی فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں جس شخص کو کوئی چیز عطیے کے طور پر دی جائے اگر اس کے پاس گنجائش ہو تو وہ اس کے بدلے میں کچھ دے اگر اس کے پاس گنجائش نہ ہو تو تعریف ضرور کرے کیونکہ تعریف کرنے والا شخص شکریہ ادا

کرتا ہے اور جو شخص اس بات کو چھپائے وہ ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز کو اپنے پاس ظاہر کرے جو اس کو دی ہی نہیں گئی ہے تو اس نے گویا دھوکہ دہی سے کام لیا۔

تشریح: شانِ ورود:

① یہ جملہ حضور ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب ایک عورت نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ میری ایک تو سوتن ہے کیا میں اس سوتن کو چڑانے کے لئے ایسی ہیت اختیار کرلوں جس سے معلوم ہو کہ میرے شوہر کو مجھ سے زیادہ محبت ہے تو آپ ﷺ نے یہ جملہ "ومن تحلی... الخ" ارشاد فرمایا یعنی تو ایسا کرے گی تو اس شخص کی طرح ہوگی جس نے دو جھوٹ بولے ہوں یا دو جھوٹی باتوں کو ظاہر کیا ہو پہلا جھوٹ تو یہ ہوگا تیرے شوہر نے گویا تجھ کو سوتن سے زیادہ عطا کیا ہے اور دوسرا جھوٹ یہ ہوگا کہ تیرا شوہر بہ نسبت سوتن کے تجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

② علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب میں ایک شخص ایسا لباس پہنتا تھا جیسا کہ معتمد لوگ پہنتے ہیں جن کے بارے میں جھوٹ اور جھوٹی شہادت کا شبہ نہیں ہوتا تھا یہ شخص لوگوں کو اعتماد دلانے کے لئے ایسا لباس پہنتا تھا حالانکہ نہایت کاذب تھا اس کے متعلق حضور ﷺ نے یہ مقولہ "ومن تحلی... الخ" فرمایا تھا پھر یہ ہر ایسے موقع کے لئے بولا جانے لگا جہاں دھوکہ دینے کے لیے ایسی ہیئت اختیار کی جائے جو قابل اعتماد لوگوں کی ہوتی ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنی ایسی کوئی فضیلت، ایسا کوئی فضل وکمال لوگوں کے سامنے ظاہر کرے جو درحقیقت اس میں نہ ہو۔ لہٰذا ایسا ریا کار شخص کو متقی اور پرہیز گار نہیں، لیکن زہد وتقویٰ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، ایسا مفلس وغریب جو نکلتا ہے تو برتری جتانے کے لئے فاخرانہ لباس پہن لیا ہے، ان تمام کا مقصد لوگوں کو دھوکہ دینا ہوتا ہے گھر سے سب کی ظاہری شکل وصورت اور لباس، جھوٹ کا لباس ہے جس کی حدیث میں ممانعت کی گئی ہے۔

استعمال مثنی کی توجیہات:

اوّل: چونکہ جملہ مذکورہ کی جائے ورود میں مثنی کا صیغہ ہی وارد ہوتا تھا کما مر اس وجہ سے بطور مثال مثنی ہی لایا جائے گا کیونکہ امثال میں تغیر نہیں ہوا کرتا۔

دوم: اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ایسا شخص جو اپنے لئے جھوٹا فضل وکمال ظاہر کر رہا ہے، یہ گویا سر سے ایڑی تک جھوٹ کے ساتھ متصف ہے، ایک جھوٹ کو اس نے چادر بنالیا، جس سے اوپر کا حصہ چھپ گیا اور دوسرے جھوٹ کو تہبند بنالیا جس سے نیچے کا حصہ چھپالیا ہے۔

سوم: ممکن ہے صیغہ تثنیہ میں اشارہ ہو دو مذموم حالتوں کی طرف اوّل ایسی چیز کا اظہار جو اس کو حاصل نہیں دوم باطل وکذب کا اظہار۔

لغات: المتشبع: وہ شخص جو شکم سیری کا اظہار کرے، اس سے وہ شخص مراد ہے جو اپنے لئے ایسا کوئی فضل وکمال اور فضیلت ظاہر کرے، جو اس کو حاصل نہ ہو، ایسی شکل وصورت بنالے کہ عام آدمی اس سے دھوکہ کھا جائے کہ یہ بہت نیک اور دیانتدار ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ **عطاء:** عطیہ، بخشش۔ **فوجد:** وہ اس کا بدلہ دینے پر قادر ہو۔ **فلیجزبہ:** اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے۔ **فلیثن:** یہ اثناء سے ہے: اس کی تعریف کرنی چاہئے۔ **ومن کتم:** جس نے عطیہ کو چھپایا یعنی نہ تو اس کا بدلہ اور نہ ہی دینے والے کی تعریف کی۔ **فقد کفر:** اس نے نعمت کی ناشکری کی۔ یعنی عطیہ دینے والے کا حق شکر ادا نہیں کیا۔ **ومن تحلی:** جو شخص مزین اور

آراستہ ہو۔ بمالم یعطه: ایسی چیز کے ساتھ جو اسے عطا نہیں کی گئی، یہ مجہول کا صیغہ ہے، اس کے نائب فاعل کی ضمیر "ھو" "من" کی طرف راجع ہے اور "ہ" ضمیر "ما" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کلابس ثوبی زور: جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح۔

بَابُ مَاجَآءَ فِى الثَّنَاءِ بِالْمَعْرُوْفِ

باب ۸۷: نیک سلوک پر تعریف کا بیان

(۱۹۵۸) مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِى الثَّنَاءِ.

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اور وہ اس بھلائی کرنے والے سے یہ کہے اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین بدلہ عطا کرے تو اس نے پوری تعریف کر دی۔

تشریح: صنع الیہ معروفًا: صیغہ مجہول ہے اور معرفًا بالنصب مفعول ثانی ہے اور بعض نسخوں میں معروف مرفوع ضبط کیا گیا ہے کما فی المشکوٰۃ والجامع الصغیر۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی من اعطی عطاء کے ہوں گے اور صنع کا نائب فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا۔ جزاك الله خيرا ای خیر جزاء ای اعطاك خيرا من خير الدنيا والاخرة فقد ابلغ فی الثناء ای بالغ فی اداء شکرہ۔ یعنی جس آدمی نے کسی احسان کے بدلہ جزاک اللہ خیراً کہہ دیا تو گویا اس نے اعلیٰ درجہ کا شکر ادا کر دیا کیونکہ اس نے محسن کے بدلہ کو اللہ کے حوالہ کر دیا اور اعتراف کر لیا کہ میں شکریہ کی ادائیگی سے قاصر ہوں اور ظاہر ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف اور بدلہ کو اللہ کے حوالے کر دینا اپنی عاجزی کے اقرار کے ساتھ ساتھ اللہ کی عظمت کا اقرار بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے اس محسن کو بدلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ کا بدلہ اعلیٰ اور اوفیٰ ہوگا بعض حضرات کا مقولہ مشہور ہے:

اذا قصرت يداك بالمكافاة فليطل لسانك بالشكر والدعاء.

"جب تمہارا ہاتھ احسان کا بدلہ دینے سے قاصر ہو تو پھر تمہاری زبان شکر اور دعا سے طویل (مشغول) ہونی چاہئے۔"

بہرحال روایت سے یہ معلوم ہوا کہ احسان کرنے والے کو جزاک اللہ کے ساتھ دعا دینا بھی شکر کی ایک قسم بلکہ اعلیٰ قسم ہے۔

هذا حديث حسن جيد غريب اخرجه النسائی و ابن ماجه و قدروی عن ابوهريرة رضی اللہ عنہ مثله ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تخریج بزار و طبرانی نے کی ہے۔ بہرحال روایت باب سے معلوم ہوا کہ احسان کے بدلے میں جزاک اللہ خیرا کہا جائے تو یہ شکر کی اعلیٰ قسم ہے۔

لغات: معروف: بھلائی، احسان، حسن سلوک، عطیہ، نیکی، بعض نسخوں میں یہ لفظ "معروفًا" زبر کے ساتھ ہے جبکہ بعض میں "معروف" پیش کے ساتھ ہے۔ صنع: مجہول کا صیغہ ہے: جس کے ساتھ (نیکی) کی گئی۔ فقد ابلغ فی الثناء: تحقیق اس نے اعلیٰ درجہ کی تعریف کی۔